یا اللہ جل جلالہ

یا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ وَ سلَّم

علمِ تصوف وطریقت پر مشتمل کتاب مستطاب

مفتاح السلوک

گنجینۂ ادبیات، آداب المریدین گواہرات

جلد دوازدہم

ازرشحات فیض قلم

قدوۃ العارفین العالم النبیل فقید المثیل

الشیخ الاستاذ المفتی

سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

دامت برکاتہم القدسیہ

ناشر

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: مفتاح السلوک، جلد دوازدھم

تصنیف و تالیف: پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

طباعت اول: جنوری ۲۰۲۴ء بمطابق جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ

طباعت ثانی:

کمپوزر: صوفی سید فرحان الحسن سیفی

ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

☆جس مکتوب نمبر پر انگلی لگائیں گے وہ کھول جائے گا☆

41	51	61	71
42	52	62	72
43	53	63	73
44	54	64	
45	55	65	
46	56	66	
47	57	67	
48	58	68	
49	59	69	
50	60	70	

مکتوب نمبر ۴۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

[شیخ درویش کے نام صادر فرمایا:

بلند مرتبہ سنت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت کی ترغیب کے بیان میں اور اس امر کے بیان میں کہ طریقت و حقیقت شریعت کو مکمل کرنے والی ہیں۔ نیز اس امر کے بیان میں کہ علومِ شرعیہ اور صوفیہ کے ان علوم کے درمیان جو مقامِ صدیقیت میں ولایت جو ولایت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، فائض اور وارد ہوتے ہیں، آپ میں بالکل مخالف نہیں ہیں، اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں سُنّتِ مصطفویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر عمل کرنے پر زور دیا ہے اور شریعتِ مطہرہ کے دو اہم اجزاء (یعنی طریقت و حقیقت) کو حاصل کرنے کی تعلیم دی ہے تاکہ مکمل شریعت پر عمل ممکن ہو سکے۔ مراد یہ ہے کہ جو شخص شریعت کے ظاہری اَوامر پر عمل کرتا ہو لیکن طریقت میں داخل نہ ہوا ہو، یا طریقت میں قدم تور کھا ہو لیکن حقیقت کو نہ پاسکا ہو تو اس کی شریعت نامکمل ہو گی۔ اور جو شخص یہ کہے کہ میں طریقت سے تو واقف ہوں مگر مجھے شریعت پر عمل کرنے یا شرعی احکام کے علم کے حصول کی حاجت وضرورت نہیں ہے تو وہ بھی ناقص و نامکمل ہے۔ اس بحث سے اُن لوگوں کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے جو طریقت کے تو دلدادہ ہوتے ہیں لیکن عملی طور پر شریعت کو ضروری خیال نہیں کرتے۔

[حق سبحانہٗ وتعالیٰ ظاہر وباطن کو بلند مرتبہ سنت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ سے بطفیل حضور نبی کریم اور آپ کی بزرگ اولاد علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات سے آراستہ اور مزین فرمائے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم رب العالمین کے محبوب ہیں۔ جو چیز پسندیدہ اور مرغوب ہے وہ مطلوب اور محبوب کے لئے ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ مجید میں فرماتا ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم ۴)

ترجمہ: اور بیشک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ وتقدس فرماتا ہے:

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (۳) عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (یٰسٓ ۴)

ترجمہ: بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (الأنعام ۱۵۳)

ترجمہ: اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور اَور راہیں نہ چلو۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ملت کو صراطِ مستقیم فرمایا۔ آپ کی ملت کے سوا دوسرے تمام راستوں کو سُبُل (مختلف راستے) قرار دیا۔ اور ان کی اتباع اور پیروی سے منع فرمایا۔

اور خود حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اظہارِ شکر اور مخلوق کو بتانے اور ان کی ہدایت کے لئے فرمایا:

خَيْرُ الْهُدٰى هَدْيُ مُحَمَّدٍ۔

ترجمہ: بہترین سیرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) کی سیرت ہے۔[1]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

أَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي۔[2]

ترجمہ: مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہت ہی اچھا سکھایا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس حضور نبی کریم اور آپ کی بزرگ اولاد علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات التسلیمات کے طفیل سے بلند وعالیٰ مقامات کی دعا فرماتے ہیں، جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولیاء یا شہداء رحمہم اللہ تعالیٰ کے طفیل سے دعا کی تو یہ شرک ہے۔ کیا یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے بھی زیادہ موحد سمجھتے ہیں حالانکہ ساری دنیا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مؤحد ومجدد الف مانتی ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بلند مقام پر فائز ہو کر بھی وسیلہ سے دعا مانگنا جائز سمجھتے ہیں اس کے باوجود یہ لوگ وسیلے کو ناجائز وناشائستہ الفاظ کہتے ہیں۔ اگر مقربینِ خدا کو وسیلہ بنانا جائز نہ ہوتا تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ہرگز کسی کے وسیلے سے دُعا نہ کرتے۔

---

1 (شرح سنن النسائی، کتاب الطھارت وشرح النووی علی مسلم، کتاب الجمعة)

2 (مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۲۷۵، الناشر: دار الفکر، بیروت - لبنان)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اپنے ظاہر وباطن کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت اور شریعت کی پیروی سے مزین وآراستہ کرنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کو بندے کا یہ عمل بہت زیادہ محبوب ہے کیونکہ صاحبِ سنت وشریعت علیہ التحیۃ والثناء، اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور اصولِ محبت یہ ہے کہ محبوب کو محبوب چیز دی جاتی ہے۔ لہٰذا آپ کو کتاب وسنت اور قوانینِ شریعت عطا فرمائے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید، صحائفِ آسمانی میں اور شریعتِ محمدیہ شرائع ربانی میں سب سے زیادہ بہتر اور محبوب ہیں ان پر عمل کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۱ ۳)

جس سے معلوم ہوا کہ اتباعِ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم محبوبیت کی ضمانت ہے۔

عاشقانِ اُو زخوباں خوب تر   خوش تر وزیباتر ومحبوب تر

محبوبیت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کے اس مقامِ محمود پر فائز ہیں جو صرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ہی خاص حصہ ہے اور دوسرا کوئی اس مرتبۂ محبوبیت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا شریک وہمسر نہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی محبوبیتِ مطلقہ اور محبوبیتِ صرفہ کے مسند نشین ہیں۔

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اعلیٰ فضائل، احسن خصائل اور اکمل شمائل سے نوازا ہے۔ اور قرآن مجید میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سیرت کو اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ[3] قرار دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلق کو خلقِ عظیم کہا۔[4] آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے راستے کو "صراطِ مستقیم" قرار دیا اور اس پر چلنے کا حکم دیا۔[5] احادیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ہدایت کو خیر الہدیٰ[6] (سب ہدایتوں سے بہتر) اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ادب کو احسن تادیب[7] (سب سے اچھا ادب) قرار دیا ہے۔ چونکہ محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے لہٰذا محبوب کی اداؤں کو اپنے والے بھی مقامِ محبوبیت سے سرفراز کئے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبوبیت جمال اور کمال دونوں جہتوں کے اعتبار سے کامل اور مکمل ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صورت میں بے مثال اور سیرت میں لاجواب ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذات میں خَلق اور خُلق کی دونوں خوبیاں علیٰ وجہ الکمال والامتیاز موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بیک وقت خالق اور مخلوق دونوں کے محبوب ہیں۔

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّ فِیْ خُلُقٍ وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٖ

[3] (الاحزاب ۲۱)
[4] (القلم۴)
[5] (الانعام۱۵۳)
[6] (مسلم، ج ۱، ص ۲۸۵)
[7] (کنزالعمال، ج ۱۱، ص ۴۰۶)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

حضرت یوسف ہر چند بصباحتے کہ داشت محبوبِ حضرت یعقوب بودہ است عَلیٰ نَبِیّنَا وَعَلَیهِمَا الصَّلَوَاتُ وَالتَّسلِیمَاتُ اما حضرت پیغمبر ما کہ خاتم الرسل ست بملاحتے کہ دارد محبوب خالق زمین وآسمان ست عَلَیهِ وَعَلَیهِمُ الصَّلوٰتُ وَالتَّسلِیمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وزمین وزمان را بطفیلِ او خلق فرمودہ است کَمَاوَرَدَ۔[8]

(یعنی) حضرت یوسف علیہ السلام اگرچہ اس صباحت (سفید حُسن) کی وجہ سے جو وہ رکھتے تھے حضرت یعقوب علیہ السلام کے محبوب ہوئے ہیں لیکن ہمارے پیغمبر جو کہ خاتم الرسل ہیں اس ملاحت (نمکین حُسن) کی وجہ سے جو وہ رکھتے ہیں خالق زمین وآسمان کے محبوب ہیں اور زمین وزمان کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے طفیل پیدا فرمایا گیا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:

اَنَا حَبِیبُ اللهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

أَلَا وَأَنَا حَبِیبُ اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ۔[9]

یعنی آگاہ رہو کہ میں اللہ کا حبیب (محبوب) ہوں اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا۔

---

[8] (دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰)

[9] (سنن الترمذی، ج ۲، ص ۲۰۲)

آیتِ کریمہ یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّونَہٗ (المائدۃ ۵۴) میں تمام مؤمنین کو محبوب کہا گیا ہے مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم محبوبیت کے سب سے اعلیٰ اور اکمل درجے پر فائز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت ذاتی ہے نہ کہ عرضی۔ (فافھم)

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۱۷۳ تا ۱۷۵)

[اور یاد رکھو کہ باطن ظاہر کو تمام و کمال تک پہنچانے والا ہے۔ ظاہر و باطن آپس میں بال برابر بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتے۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے۔ اور دل سے جھوٹ کا خیال دور رکھنا طریقت اور حقیقت ہے۔ اگر دل سے یہ نفی تکلف اور مشقت سے ہے تو طریقت ہے۔ اور اگر بے تکلف میسر ہے تو حقیقت ہے۔ تو فی الحقیقت باطن جسے طریقت اور حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں، ظاہر کو ہی جو شریعت تمام و کمال تک پہنچانے والا ہے۔ تو طریقت و حقیقت کے راستوں پر چلنے والوں کو اگر دورانِ راہ ایسے اُمور پیش آئیں اور سامنے لائے جائیں جو بظاہر شریعت کے مخالف ہوں تو وہ اُمور سُکرِ وقت اور غلبۂ حال پر مبنی ہیں۔ اگر اس مقام سے گزر کر آگے لے جائیں، اور صحو و ہوش میں لے آئیں تو مخالفت بالکلیہ زائل ہو جاتی ہے اور وہ مخالفِ شریعت علوم غُبار کی طرح اُڑ جاتے ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس جگہ شریعت، طریقت اور حقیقت میں جو فرق بیان فرمایا ہے ہر سالک کو چاہیئے کہ اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے

سب احکامات کے متعلق اپنے آپ کو اس کسوٹی میں ڈال کر دیکھے کہ وہ شریعت، طریقت اور حقیقت میں سے کس کیفیت کے ساتھ منسلک ہے۔

اگر کوئی سالک خواب میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو صورتاً دیکھ لے کہ اس کی شکل وشباہت ایسے ایسے تھی تو وہ سمجھ لے کہ اس کے کشف وخواب میں غلطی ہے، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بے چون وبے چگون ذات ہے جو کشف وشہود، خواب وخیال اور عقل وفہم میں نہیں آسکتا البتہ جب وہ سالک حالتِ صحو میں آجاتا ہے تو اس طرح کہتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات واحد ولاشریک ہے اور وہ میری عقل، فکر اور وہم سے بہت بلند ہے اور وہ کیفیت جو حالتِ سُکر کی وجہ سے اُسے پیش آئی وہ اس کا اعادہ نہیں کرتا۔ تاہم اگر کوئی حالتِ صحو میں اس طرح کہے کہ میں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو فلاں صورت میں دیکھا ہے یا وہ مجھے فلاں صورت میں نظر آتا ہے تو یوں کہنا کفر ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

شریعت، طریقت وحقیقت کا مفہوم

شریعت

احکام واسرار واوامر ونواہی کے مجموعے کا نام شریعت ہے۔

طریقت

اوامر کی تکمیل اور نواہی سے اِجتناب طریقت ہے۔

حقیقت

مصداقاتِ مسائلِ شرعیہ کے انکشاف ومشاہدے کو کہتے ہیں۔

یعنی حقیقت تک وصول کے بعد تمام احکام و مسائلِ شرعیہ کشفاً مشہود ہو جاتے ہیں اور معاملہ استدلال سے کشف تک اور ظن سے یقین تک پہنچ جاتا ہے یہی تزکیۂ نفس کا اصلی مقام ہے۔

طریقت اور حقیقت کا فرق

طریقت اور حقیقت کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر احکامِ شرعیہ پر تکلف کے ساتھ عمل جاری ہو تو اس کو طریقت کہتے ہیں اور اگر بغیر تکلف کے عمل جاری ہو جائے اور سالک اس میں ایک حظِ بے کیف محسوس کرے اس کو حقیقت کہتے ہیں، اسی مرتبے میں سالک کو ایمانِ حقیقی میسر آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء ١٣٦) میں ایمانِ صوری سے ایمانِ حقیقی تک پہنچنے کا حکم ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ٢، ص ١٧٦، ١٧٧)

[مثلاً ایک جماعت سُکر کے باعث احاطۂ ذاتی کی قائل ہوئی ہے اور ذات حق تعالیٰ و تقدس کو عالم کا محیط جانتی ہے۔ یہ حکم علماءِ اہلِ حق کی آراء کے خلاف ہے۔ علماءِ حق احاطۂ علمی کے قائل ہیں فی الحقیقت علماء کی آراء صواب کے زیادہ قریب ہیں۔ جبکہ یہی صوفیاء اس امر کے قائل ہیں کہ ذات حق تعالیٰ و تقدس پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اور کسی بھی علم کے ذریعہ وہ ذات معلوم نہیں ہو سکتی تو پھر اس کی ذات کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ وہ ذات سے کائنات کا احاطہ اور اشیاء میں سرایت کیے ہوئے ہے، خود ان کے اپنے قول کے خلاف ہے۔ حق یہی ہے کہ اس کی ذات بے چون و بے چگون ہے۔ اس ذات تک کسی بھی حکم کو راستہ نہیں مل سکتا۔ وہاں تو صرف حیرت و نادانی ہے۔ اور اس مقام میں صرف جہل ہی جہل اور سرگردانی کی حالت ہے۔ احاطۂ ذاتی اور سرایت و حلول کا اس بلند و پاکیزہ ذات سے کیا تعلق؟

ہاں ان صوفیاء کی طرف سے جو احاطۂ ذاتی وغیرہ کے قائل ہیں یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ ذات سے ان کی مراد تعینِ اول ہے۔ اور جب وہ اسے متعین کرنے والی ذات (واجب تعالیٰ) سے زائد نہیں مانتے بلکہ تعینِ اول کو عینِ ذات کہتے ہیں اور وہ تعین اول جسے "وحدت" سے تعبیر کیا جاتا ہے تمام ممکنات میں سرایت کئے ہوئے ہے، تو اس لحاظ سے احاطۂ ذاتی کا حکم درست ہو جاتا ہے۔]

تشریح

تعین اول سے مراد یہ ہے کہ جب سالک مؤمنِ حقیقی ہو جائے یعنی کفر و شرکِ معنوی سے امن میں ہو جائے تو صفاتِ زائدہ میں اس کی سیر شروع ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً تجلیات و انوارات کو سالک مختلف صورتوں میں مشاہدہ کرتا ہے۔ یہیں پر سالک کو کشف میں غلطی لگنے کا احتمال ہوتا ہے۔ یعنی اگر وہ کشف میں نظر آنے والے انوارات کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ سمجھ بیٹھا تو اُس پر گمراہی کی راہیں کھُل جائیں گی۔ تاہم اُس کی یہ گمراہی تصوف میں سمجھی جائے گی، شریعت میں اُس پر گرفت نہیں ہوگی۔ تاوقتیکہ ظاہری طور پر بھی کشفی غلطیوں کی اتباع نہ کرنے لگے۔

[یہاں ایک باریک بات ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ و تقدس کی ذات علماءِ اہلِ حق کے نزدیک بے چون و بے چگون ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے اس سے زائد ہے۔ وہ تعینِ اول بھی اگر ان کے ہاں ثابت تسلیم کیا جائے تو وہ بھی زائد ہوگا۔ اور ذات کے دائرۂ بے چون سے بھی اس کو باہر نہیں مانیں گے۔ لہٰذا اس احاطہ کو ذات کا احاطہ نہیں کہہ سکتے۔]

تشریح

صفاتِ زائدہ کی سیر کے دوران سالک صفات کا مشاہدہ کرتا ہے تو ان صفات کو ذاتِ مقدسہ کہنے لگتا ہے اور چونکہ اس پر انوار و تجلیات ہر جگہ اور ہر شے میں منعکس ہوتی ہیں اس لئے وہ ہر چیز کو خدا

جانتا ہے، اسی کیفیت کو "وحدت الوجود" کہا جاتا ہے اور ہمہ اوست کے مقولہ کا یہی مفہوم ہے، وحدت الوجودی کیفیات و نظریات رکھنے والے صوفیاء کے نزدیک زمین وآسمان، چاند وسورج اور ستارے، عرش وکرسی اور جنت ودوزخ سب عدمات ہیں، اور وہ ان ساری اشیاء کی نفی اس لئے کرتا ہے کہ اُسے اِن اشیاء کے اندر بھی خدا ہی نظر آرہا ہوتا ہے اس لئے وہ اللہ جل شانہٗ کے علاوہ ہر چیز کو عدم جان کر اس کی نفی کر دیتا ہے۔

اگر اللہ جل مجدہٗ کا فضل سالک کے شاملِ حال ہو جائے تو وہ وحدت الوجود کی کیفیات سے نکل کر وحدت الشہود کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے جہاں وہ "ہمہ از وست" کا قائل ہو جاتا ہے جس کا مقصد و مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز بذاتِ خود موجود نہیں بلکہ وہ اپنی ہستی میں اللہ رب العالمین کی محتاج ہے۔ وہ ان تمام اشیاء کو ممکن کہتا ہے، عدمِ محض نہیں کہتا۔

اب وحدت الوجودی صوفیاء کی طرف متوجہ ہوں جنہیں اپنے کشف میں غلطی لگی ہے۔ وہ ایک طرف تو جہان کی ہر چیز کی نفی کرتے ہیں اور دوسری طرف تعینِ اول، تعینِ ثانی اور سوم، چہارم و پنجم کے بھی قائل ہیں۔ وہ تعینِ اول کو علمی، تعینِ دوم کو علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین، تعینِ سوم کو عالمِ مثال، تعینِ چہارم کو صفات اور تعینِ پنجم میں ہر چیز کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کہتے ہیں، اُن کی اسی غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ وحدت الوجود والوں کی بات میں یہ تضاد ہے کہ ایک طرف تو ماسویٰ اللہ کی نفی کرتے ہیں اور دوسری طرف تعینات کو ثابت کرتے ہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

صوفیائے وجودیہ کے اقوالِ سُکریہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ طریقت و حقیقت کی راہ پر چلنے والوں کو راہ میں بعض اوقات ایسے امور پیش آجاتے ہیں جو بظاہر شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہوتے ہیں، ایسے اُمور دراصل سُکرِ وقت اور غلبۂ احوال کے باعث رونما ہوتے ہیں۔ اگر ان کو اس مقامِ سُکر (مستی) سے نکال کر صحو (ہوش) میں لے آئیں تو یہ مخالفت بالکل رفع ہو جاتی ہے اور متضاد علوم دور ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ بعض صوفیاء غلبۂ سکر وحال کے باعث ذاتِ حق تعالیٰ کو محیطِ عالم جانتے ہیں اور احاطۂ ذاتی مانتے ہیں۔ حالانکہ عالم کے ساتھ حق تعالیٰ کا احاطہ علمی ہے نہ کہ ذاتی۔ کیونکہ واجب تعالیٰ کو ممکن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو نقطۂ جوالہ کو دائرۂ موہومہ کے ساتھ ہے۔ اگرچہ دائرے کا کوئی حصہ نقطے سے خالی نظر نہیں آتا، لیکن اس کے باوجود ہم نہیں کہہ سکتے کہ نقطہ محیط دائرہ میں ہے یا داخلِ دائرہ ہے یا خارجِ دائرہ ہے، کیونکہ جس جگہ نقطہ ہے دائرہ نام کی کوئی چیز وہاں نہیں ہے۔ لا محالہ ماننا پڑے گا کہ نقطہ خارج میں موجود ہے اور دائرہ وہم میں لیکن یہ وہم، وہمِ متقن ہے نہ کہ وہمِ سوفسطائیہ۔

بینہ

صوفیائے وجودیہ اپنے اس قول کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ذاتِ حق تعالیٰ سے ان کی مراد علمِ حق تعالیٰ ہے اور علم کو عینِ ذات جانتے ہیں کیونکہ وہ صفات کو عین ذات قرار دیتے ہیں۔ اسی لئے وہ احاطۂ علمی کو احاطۂ ذاتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ صفاتِ ثمانیہ کے وجود خارجی کا بھی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم وجودِ خارجی نہیں رکھتا بلکہ وجود صرف ایک ہے اور وہ وجودِ حق

تعالیٰ ہے جو اقسامِ مختلفہ اور انواع متبائنہ کے ساتھ ظہور فرما ہے اور ذاتِ حق تعالیٰ اولاً بصورت علمِ اجمالی پھر بصورت علمِ تفصیلی پھر بصورت عالمِ ارواح پھر بصورت عالمِ مثال پھر بصورت عالمِ اجسام ظاہر ہوئی ہے اور ان مرتبوں کو مراتب پنجگانہ، تنزلاتِ خمسہ اور حضرات خمسہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور علمِ اجمالی کو تعین اول، علمِ تفصیلی کو تعینِ ثانی، عالمِ ارواح کو تعینِ ثالث، عالمِ مثال کو تعین رابع، عالمِ اجسام کو تعینِ خامس کا نام دیتے ہیں، اور ذاتِ حق تعالیٰ کو مرتبۂ لا تعین اور احدیت مجردہ کہتے ہیں۔ جبکہ علماء متکلمین اہل سنت ان تمام صورتوں اور تعینات کو ذاتِ حق تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں کرتے اور صفاتِ ثمانیہ کو ذاتِ حق تعالیٰ سے جُدا اور زائد جانتے ہیں اور صفاتِ ثمانیہ اور عالم کو موجودِ خارجی سمجھتے ہیں اور صفات کو داخلِ ماسویٰ کہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک علماءِ متکلمین کا مؤقف درست ہے اور صوفیائے وجودیہ کے یہ اقوال سُکریہ ہیں اور قابلِ تاویل ہیں۔ اسی طرح قُربِ ذاتی اور معیتِ ذاتی کا مسئلہ بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے کہ علماءِ اہلسنت قُرب ومعیت علمی کے قائل ہیں نہ کہ قُرب ومعیتِ ذاتی کے کیونکہ صوفیاء کے یہ تمام اقوال شرع شریف کے خلاف واقع ہوئے ہیں۔ لیکن ان کو صوفیاء کا بیانِ احوال سمجھنا چاہیئے نہ کہ بیانِ عقیدہ۔ (فافھم)

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۱۷۸، ۱۷۹)

[پس علماءِ حق کی نظر ان صوفیاء کی نظر سے بلند ہے۔ اور جو چیز صوفیاء کے نزدیک ذاتِ حق ہے وہ ان علماء کے نزدیک ماسویٰ اللہ میں داخل ہے۔ قُرب ومعیتِ ذاتی بھی اسی قیاس پر ہے۔ اور معارفِ باطن کی شرع کے ظاہر علوم کے ساتھ اس حد تک کامل ومکمل موافقت کہ حقیر ومعمولی درجہ کی مخالفت بھی باقی نہ رہے، مقامِ صدیقیت میں جا کر ہوتی ہے، جو مقامِ ولایت کا بلند ترین مقام ہے۔ اور مقامِ صدیقیت سے اوپر مقامِ نبوت ہے۔ وہ علوم جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کے ذریعہ حاصل

ہوئے صدیق پر بطریقہ الہام منکشف ہوئے ہیں۔ ان دونوں علوم کے درمیان وحی اور الہام کے سوا کچھ فرق نہیں۔ تو پھر دونوں علموں میں مخالفت کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے؟ اور مقامِ صدیقیت سے نیچے جو مقام بھی ہے اس میں قدرے سُکر موجود ہوتا ہے۔ ہوش اور صحو تام مقامِ صدیقیت میں ہے اور بس۔]

تشریح

علماءِ حق وہ ہیں جنہوں نے شریعتِ حقہٗ کے ساتھ طریقت و حقیقت کو بھی جمع کیا ہے اور ظاہری و باطنی علوم سے اپنے قلوب کو منور کیا ہے۔ انہیں حق تعالیٰ نے علم الیقین اور عین الیقین سے گزار کر حق الیقین پر مشرف کیا ہے اس لئے ان کے علوم و معارف میں سُکر کو کوئی دخل نہیں اور یہ درجہ مقامِ صدیقیت میں پہنچ کر حاصل ہوتا ہے۔ اس مقام میں حاصل ہونے والے علوم و معارف، قرآن وحدیث سے ذرا بھر بھی مخالفت نہیں رکھتے بر خلاف ان صوفیاء کے جو یا تو علم الیقین کے درجہ میں ہی رہ جاتے ہیں یا پھر زیادہ سے زیادہ عین الیقین تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ اور چونکہ یقین کے ان دونوں درجوں میں سُکر موجود ہوتا ہے اس لئے ان دو درجوں والے صوفیاء کے کشف میں غلطی کا امکان موجود رہتا ہے۔ اسی بنیاد پر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے واضح کیا ہے کہ نچلے درجات والے صوفیاء نے کشف میں مشاہدہ کر کے جس چیز کو "خدا" سمجھا ہے وہ "خدا" نہیں ہے بلکہ ماسویٰ میں داخل ہے۔ کیونکہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا کشف و شہود اور عقل و دانش اور وہم و فہم میں آنا ناممکن ہے۔ اس فانی دُنیا میں اس بلند ذات کو دیکھنا عقائدِ اہلِ سنت وجماعت کے خلاف ہے۔ پس ایسے مشاہدہ کی نفی کرنا ضروری ہے تاکہ مقامِ صدیقیت کی طرف راستہ مل سکے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ مقامِ صدیقیت ایک ایسا مقام ہے جس میں شریعتِ مطہرہ اور علوم و معارفِ باطنیہ میں ذرا بھر بھی تضاد یا مخالفت کی مجال نہیں ہوتی اور یہ مقام ولایت کے تمام مقامات سے اونچا ہے۔

چنانچہ آپ قدس سرہٗ رقم طراز ہیں:

باید دانست کہ در ہر مقامے از مقاماتِ ولایت و شہادت و صدیقیت علوم و معارف جُدا ست کہ مناسب آں مقام است در مرتبۂ ولایت علومِ سُکر آمیز بسیار است کہ سُکر غالب است و صحو مغلوب، و در مرتبۂ شہادت کہ ثانی درجہ است از درجاتِ ولایت سُکر مغلوبیت پیدا می کند و صحو غالب می آید اما زوالِ سُکر بالکلیہ نیست و درجۂ صدیقیت کہ ثالث مرتبہ است از مراتبِ ولایت و منتہائے درجاتِ ولایت است و فوقِ آں درجۂ ولایت نیست بلکہ مرتبۂ نبوت است علومِ آں درجہ از سُکر بتمام برآمدہ اند و مطابقِ علومِ شرعیہ گشتہ صدیق ہمیں علوم شرعیہ را بطریقِ الہام اخذ می کند چنانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بطریقِ وحی اخذ می نماید۔[10]

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ ولایت، شہادت اور صدیقیت کے مقامات میں سے ہر مقام کے علوم و معارف جُدا جُدا ہیں جو اسی مقام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ مرتبۂ ولایت میں علوم زیادہ تر سُکر آمیز ہوتے ہیں کیونکہ اس مرتبے میں سُکر غالب ہے اور صحو (ہوش) مغلوب اور مرتبۂ شہادت میں جو

[10] (معارفِ لدنیہ معرفت، ص ٣٦)

درجات میں سے دوسرا درجہ ہے سُکر مغلوب ہو جاتا ہے اور صحو غالب آجاتا ہے۔ لیکن سُکر کلیتاً زائل نہیں ہوتا اور درجۂ صدیقیت جو مراتبِ ولایت میں سے تیسرا مرتبہ ہے اور درجاتِ ولایت کی آخری حد ہے کہ اس کے اوپر ولایت کا کوئی درجہ نہیں ہے بلکہ اس کے اوپر نبوت کا مرتبہ ہے۔ اس درجہ کے علوم سُکر سے بالکل آزاد ہوتے ہیں اور علومِ شریعت کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ صدیق ان ہی علوم شرعیہ کو الہام کے ذریعے سے حاصل کرتا ہے جنہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام وحی کے ذریعے سے حاصل فرماتے ہیں۔

صِدِیق، صُدُوق سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس کا لفظی معنٰی ہے بہت بڑا سَچا۔

عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

اَلصِّدِّیْقُوْنَ وَھُمُ الْمُبَالِغُوْنَ فِی الصِّدْقِ۔[11]

یعنی سچائی میں مبالغے کی حد تک پہنچے ہوئے صدیق کہلاتے ہیں۔

تفسیر مدارک میں ہے:

اَلصَّادِقُ الْمُسْتَقِیْمُ فِي الْأَعْمَالِ وَ الصِّدِّیْقُ الْمُسْتَقِیْمُ فِي الْأَحْوَالِ۔[12]

یعنی صادق وہ ہے جو اعمال میں راست کردار ہو اور صدیق وہ ہے جو اعمال کے ساتھ ساتھ احوال میں بھی راست اور مستقیم ہو۔

صوفیاء کرام کے نزدیک صدیقیت ولایتِ کبریٰ کا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے جس میں ولایتِ انبیاءِ عظام کا فیض آتا ہے۔ اس مرتبے کے معارف انبیاء کرام علیہم السلام کے معارف کے مشابہ ہوتے ہیں اور اس مقام میں کوئی کشف خلافِ شریعت رونما نہیں ہوتا۔ آیتِ کریمہ أَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ

---

11 (تفسیر مظھری، ج۲، ص ۱۶۱)

12 (مدارک مع الخازن، ج۳، ص ۲۳۶)

النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِکَ رَفِيقًا (النساء ۶۹) میں مفسرین کرام نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے اعلیٰ ترین مرتبۂ صدیقیت کا وارث قرار دیا ہے۔ اسی طرح آیتِ مقدسہ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِکَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (الزمر ۳۳) میں صَدَّقَ بِهِ کا اولین مصداق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی قرار دیا ہے۔

آیت کریمہ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِکَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ (الحديد ۱۹) کی تفسیر میں اَلصِّدِّیْقُوْن کے متعلق یوں تصریح فرمائی گئی ہے:

قَالَ الضَّحَاکُ هُمْ ثَمَانِيَةُ نَفَرٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَبَقُوْا اَهْلَ الْأَرْضِ فِيْ زَمَانِهِمْ اِلَى الْإِسْلَامِ اَبُوْ بَكْرٍ وَعَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَعُثْمَانُ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَسَعْدٌ وَحَمْزَةُ (رِضْوَانُ الله تعالىٰ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ)۔[13]

ترجمہ: حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہ اس امت کے آٹھ افراد ہیں جو اپنے زمانہ میں تمام اہلِ زمین سے پہلے اسلام لائے اور یہ ابو بکر، علی، زید، عثمان، طلحہ، زُبیر، سعد اور حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔

وَتَاسِعُهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَلْحَقَهُ اللهُ بِهِمْ لَمَّا عُرِفَ مِنْ صِدْقِ نِيَّتِهٖ۔[14]

اور ان کے نویں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے صدقِ نیت کی وجہ سے ان کے ساتھ لاحق فرمادیا۔

---

13 (تفسیر مظهری، ج۹، ص ۱۹۹، تفسیر قرطبی، ج۹، ص ۲۵۴)

14 (تفسیر مظهری، ج۹، ص ۱۹۹، خازن، ج۴، ص ۲۳۰)

اس اُمت کے تمام صدیقین کے سردار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اس پر اجماعِ اُمت ہو چکا ہے جس کا منکر ضال و مُضل اور بے دین ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے:

وَلَا شَکَّ أَنَّ رَأْسَ الصِّدِّیقِینَ وَرَئِیسَھُمْ أَبُو بَکْرٍ الصِّدِّیقُ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ۔[15]

یعنی اس امر میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیقوں کے سردار اور رئیس ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدیق ہونے پر متعدد احادیث شاہد ہیں۔ مثلاً ایک مرتبہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُحد پہاڑ پر تشریف فرما ہوئے تو پہاڑ ہلنے لگا۔

آپ نے فرمایا:

اثْبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِيٌّ وَصِدِّیقٌ وَشَھِیدَانِ۔[16]

یعنی اے اُحد ٹھہر جا! تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔

مزید برآں یہ حدیث تین طریقوں سے مروی ہے۔ دیلمی نے حضرت ام ہانی سے روایت نقل کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: یَا اَبَا بَکْرٍ اِنَّ اللّٰہَ سَمَّاکَ الصِّدِّیْقَ۔[17]یعنی اے ابو بکر اللہ تعالیٰ نے تیرا نام صدیق رکھا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۲، ص۱۸۰ تا ۱۸۳)

---

[15] (تفسیر کبیر، ج ۱، ص ۲۲۱، الناشر: دار إحیاء التراث العربي - بیروت)

[16] (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۱۹)

[17] (مسند الفردوس للدیلمی، ج۵، ص۳۰۷)

[ان دونوں علموں کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ وحی قطعی اور یقینی چیز ہے اور الہام ظنی۔ کیونکہ وحی فرشتہ کے واسطہ سے ہوتی ہے، اور ملائکہ معصوم ہیں، ان میں احتمالِ خطا نہیں ہو سکتا۔ اور الہام کا محل ومقام اگرچہ بلند ہے، اور وہ دل ہے۔ اور دل عالمِ اَمر سے ہے۔ لیکن اس کا تعلق عقل اور نفس سے بھی کچھ قدرے ہے۔ اور نفس اگرچہ مطمئنہ ہو چکا ہوتا ہے لیکن:

ہر چند کہ مطمئنہ گردد ہر گز زصفات خود نگردد

ترجمہ: یعنی نفس اگرچہ مطمئنہ ہو جاتا ہے لیکن اپنی صفات سے ہر گز باز نہیں آتا۔

لٰہذا خطا اور غلطی کی اس مقام میں گنجائش اور مجال ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ مطمئنہ ہو جانے کے باوجود نفس کو اس کی صفات پر باقی رکھنے میں بہت سے فوائد و منافع ہیں۔ نفس اگر بالکل اپنی صفات کے ظہور سے روک دیا جائے تو اس کی ترقی کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اس طرح روح فرشتے کی مانند ہو جاتی ہے اور اپنے مقام میں بند ہو کر رہ جاتی ہے۔ روح کی ترقی نفس کی مخالفت کے باعث ہے۔ اگر نفس میں مخالفت نہ رہے تو ترقی کیسے ہو؟ حضور سرورِ کائنات علیہ من التحیات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا ایک دفعہ جہادِ کفار سے واپس تشریف لائے تو فرمایا:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ۔[18]

ترجمہ: ہم لوگ چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ کر آئے ہیں۔

اس ارشادِ مبارک میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جہاد بالنفس کو جہادِ اَکبر فرمایا۔]

---

[18] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۲، ص ۷۷۴، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

تشریح

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے پر دراصل نفس ہی کمربستہ کرتا ہے اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ملائکہ کو نفس سے پاک رکھا ہے تاکہ جو کام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انہیں سپرد کیا ہے اس کو بروقت اور کماحقہٗ ادا کرسکیں۔ لیکن ان کے برعکس انسان کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے نفس دیا ہے جو انسان کو ورغلاتا اور بہکاتا رہتا ہے۔ لیکن اس بات کا دوسرا پہلو بھی انتہائی اہم اور دلچسپ ہے اور وہ یہ کہ یہی نفس، انسان کی ترقی اور تقرب الیٰ اللہ کا بھی موجب بنتا ہے اگر مسلمان اپنے نفس کی ناجائز خواہشات کی خلاف ورزی کرنے لگے اور اس خلاف ورزی میں اس کا مطلب و مدعا صرف رضائے الٰہی ہو تو یہ خلاف ورزی اُسے قُرب کے اعلیٰ درجات کو طے کرنے کا سبب بنتی ہے اور بالآخر وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا دوست بن جاتا ہے۔ اگر اس کے پاس نفس نہ ہوتا تو نہ تو انسان نفس کی مخالفت کے قابل ہوتا اور نہ ہی حصولِ مراتب کا اہل۔ یہی وجہ ہے کہ ملائکہ نفس نہ رکھنے کی وجہ سے ایک ہی مقام پر رُکے رہتے ہیں اور ان کی ترقی نہیں ہوسکتی۔

مفتاح السلوک، جلد اول میں ہے:

نفس جسم انسانی کے اندر ایک قوت ہے۔ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کے درمیان یہ بحث بھی رہی ہے کہ روح اور نفس ایک شئے کے دو نام ہیں یا یہ دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ اور حافظ ابن قیم نے اس اختلاف کو اس طرح لکھا ہے کہ نفس اور روح کے متعلق علماء کی دو رائے ہیں: ایک یہ کہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، اور دوسری رائے یہ ہے کہ دو جدا جدا حقیقتیں ہیں۔ روح جوہر لطیف ہے، روح ایک سوار ہے اور بدن اس کی سواری، بدن میں روح کا سریان ایسا ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی یا درخت زیتون میں تیل اور روح فنا بھی نہیں ہوتی۔ ابن

زید روح اور نفس کو ایک ہی چیز تسلیم کرتے ہیں۔ ابن حبیب کا گمان ہے کہ روح اور نفس دو جدا چیزیں ہیں۔

مزید تحقیق کتاب الروح ابن قیم اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کی کتاب فلسفہ اخلاق میں دیکھیں۔

اب ہم یہاں نفس کی اقسام کا ذکر کرتے ہیں:

نفسِ امارہ، لوامہ، مطمئنہ ان تینوں کا قرآن پاک میں ذکر ہے۔

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ۔(یوسف ۵۳)، بیشک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے۔

وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔(القیامۃ ۲)(اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی)

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۲۷) ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (۲۸) فَادْخُلِي فِي عِبَادِي (۲۹) وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر ۳۰)

(اے نفس مطمئن واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں)

امارہ: نفسِ امارہ کفار، سرکش اور بدبختوں کا ہوتا ہے۔ عالم سفلی کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے۔ نفسِ امارہ برائی کی ترغیب دیتا ہے۔ بدی کی راہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ گناہ و بدکاری پر بار بار حکم کرتا رہتا ہے اور بدکار اس کی بات مانتے رہتے ہیں۔

لوامہ: نفسِ لوامہ یہ مؤمنین اور ایمانداروں کا ہوتا ہے، ہر وقت اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے، گناہ کو گناہ سمجھتا ہے، گناہ کرے تو اس کو رنج و پریشانی ہوتی ہے۔

ادھر غفلت سے کوئی لغزش ہوئی، ادھر توبہ و ندامت کی بھی توفیق ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس نفسِ لوامہ کی قسم کھاتا ہوں۔

مطمئنہ: نفسِ مطمئنہ اطمینان یافتہ، یہ اللہ کے مقبول و محبوب برگزیدہ بندوں کا ہوتا ہے۔ شریعت کی پیروی اور عبادت و معرفت سے اس کو چین اور سکون حاصل ہوتا ہے اور عالم علوی کی طرف مائل رہتا ہے۔ تخیلات سے یہ متزلزل و منتشر نہیں ہوتا۔ یقین و معرفت اور شہود کی اعلیٰ منزل پر فائز ہوتا ہے۔[19]

حقیقت نفس

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

أن النفس بطبعها كثيرة الميل إلى الشهوات۔[20]

نفس اپنی طبیعت کے اعتبار سے شہوات کی طرف کثرت سے مائل ہونے والا ہے۔

اور علامہ ابو حفص کا قول نقل کرتے ہیں:

النفس ظلمة كلها وسراجها التوفيق۔[21]

نفس اپنی ذات کے اعتبار سے سراپا ظلمت ہے اور اس کا چراغ اور نور توفیق الٰہی ہے۔

---

[19] (بحوالہ رسائل خمسہ ص ۲۶ ۳تا ۲۷ ۳)

[20] (روح المعانی، ج ۱۳، ص ۷۸)

[21] (روح المعانی، ج ۱۳، ص ۷۸)

شارح مشکوٰۃ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الرُّوحُ لَطِيفٌ رُوحَانِيٌّ، وَالْجَسَدُ كَثِيفٌ ظُلْمَانِيٌّ، وَالنَّفْسُ مُتَوَسِّطَةٌ بَيْنَهُمَا فَهِيَ بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ تَكُوْنُ لَطِيْفَةً و بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَة تَكُوْنُ لَطِيْفَةً و بِالْاَعْمَالِ السَّيِّئَة تكون كثيفةً۔[22]

جسم کثیف ہے اور روح لطیف ہے اور نفس ان دونوں کے درمیان ہے پس اعمال صالحہ سے لطیف اور نافرمانیوں سے کثیف ہو جاتا ہے، یعنی اس میں لطافت روحانی اور کثافت جسمانی دونوں قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔

تعریفِ نفس

النفس هی الجوهر البخاری اللطیف الحامل لقوة الحیاة و الحس و الحرکة الارادیة و سماها الحکماء بالروح الحیوانیة فهو جوهر مشرق للبدن فعند الموت ینقطع ضوءه عن ظاهر البدن و باطنه و اما فی وقت النوم فینقطع عن ظاهر البدن دون باطنه فثبت ان النوم و الموت من جنس واحد لان الموت هو الانقطاع الکلی و النوم هو الانقطاع الناقص فثبت ان القادر الحکیم دبر تعلق جوهر النفس بالبدن علی ثلاثة اضربٍ الاول ان بلغ ضوء النفس الی جمیع اجزاء البدن ظاهره و باطنه فهو الیقظة و ان انقطع ضوءها عن ظاهره دون باطنه فهو النوم او بالکلیة فهو الموت۔[23]

نفس ایک لطیف بخاری جوہر ہے جو قوت حیات احساس و شعور اور حرکت ارادی کا حامل ہے، اسے حکماء نے روحِ حیوانی کا نام دیا ہے، یہ بدن کو حیات سے منور کرتا ہے، موت کے وقت اس کا یہ

---

[22](مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۲۴۵)

[23](التبیان فی دقائق السلوک و الاحسان، صفحہ ۱۸۰)

نور بدن کے ظاہر و باطن سے منقطع ہو جاتا ہے اور نیند کی حالت میں اس کا یہ نور ظاہر بدن سے منقطع ہوتا ہے نہ کہ باطن سے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نیند اور موت کی جنس ایک ہی ہے اس لئے کہ موت کلی انقطاع بدن کے ساتھ تین طریقوں سے تدبیر دی ہے:

(۱) نفس کی روشنی بدن کے تمام ظاہری اور باطنی اجزاء میں پہنچے یہ بیداری کی حالت ہے۔

(۲) ظاہر سے منقطع ہو اور باطن سے منقطع نہ ہو، یہ نیند کی حالت ہے۔

(۳) بالکلیہ تعلق ختم ہو جائے، یہ موت ہے۔"

اور دیوبندیوں کا حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے:

النفس هی المرغوبات الطبعیة غیر شریعة۔

نفس مرغوباتِ طبعیہ غیر شریعہ کا نام ہے۔

قرآن پاک میں نفس کی پانچ اقسام بیان کی گئی ہیں:

۱۔ امارہ ۲۔ لوامہ ۳۔ مطمئنہ

۴۔ راضیہ ۵۔ مرضیہ

نفسِ امارہ بالسوء

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

نفس امارہ یعنی کثیر الامر، برائی کی طرف بہت حکم کرنے والا۔ السوّء پر الف لام جنس کا ہے پس قیامت تک جتنی قسمیں برائی کی پیدا ہوں گی اس میں داخل ہیں (کیونکہ جنس وہ کلی ہے جو انواع مختلف الحقائق پر مشتمل ہو)۔

إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ (یوسف ۵۳)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں مآمصدر یہ ظر یہ زمانیہ ہے۔

ای فِيْ وَقْتِ رَحْمَةِ رَبِّيْ مطلب یہ ہے کہ نفس کی ذاتی خاصیت یہی ہے کہ وہ برائی کا کثرت سے حکم دینے والا ہے لیکن جن حضرات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ کا سایہ ہوتا ہے وہ مستثنیٰ ہیں چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس اس سے مستثنیٰ ہیں اور وہ معصوم ہیں۔(از بیان القرآن)

اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے تحفظ کا سبب

چونکہ اولیاءاللہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر بھی حق تعالیٰ کی رحمت کا خاص سایہ ہوتا ہے اس لئے وہ نفس کے شرور سے محفوظ رہتے ہیں اور احیاناً صدور خطاء پر ان کو فوراً توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

نفسِ امارہ کی اصلاح کا صحبت اہل اللہ سے خاص تعلق ہے۔

ارشاد امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو اہل علم حضرات اللہ والوں سے اپنے نفس کی اصلاح نہیں کراتے ان کا نفس حُبِ جاہ سے پھول کر کپا ہو جاتا ہے۔

تھانوی صاحب اپنے مواعظ اکثر اکبر الہٰ آبادی کا یہ شعر نہایت وجد سے پڑھا کرتے تھے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا　　　دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

نفسِ لوامہ

نفسِ لوامہ وہ نفس ہے جس کو اپنی خطاؤں پر ندامت اور خود کو ملامت کی توفیق ہو جائے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ نادم ہو کر پہلے لوامہ نہ ہو۔ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نفسِ

لوامہ نفسِ امارہ کے اوپر ہے اور نفسِ مطمئنہ سے نیچے ہے اور لوامہ کا نام تائبہ بھی ہے کہ وہ ندامت اور اپنی ملامت کے نور سے اس قابل ہے کہ اب وہ آگے ترقی کر کے نفسِ مطمئنہ ہو سکتا ہے۔ پس نفسِ امارہ کا نفسِ لوامہ ہونا گویا حق تعالیٰ شانہ کی طرف رجوع اور انابت اور حق تعالیٰ کی محبوبیت کا نقطۂ آغاز ہے، لیکن حق تعالیٰ نے اس ابتدائی درجہ انابت کی بھی اس درجہ قدر فرمائی کہ اس کی قسم اٹھائی: وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامۃ ۲) اور اس جان کی قسم جو اپنے اُوپر بہت ملامت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت شکور ہیں۔

جس کی شرح حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمائی ہے:

الَّذِي يُعْطِي الْأَجْرَ الْجَزِيلَ عَلَى الْعَمَلِ الْقَلِيلِ۔[24]

شکور وہ ہے جو تھوڑے عمل پر کثیر جزاء عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک شکور بھی ہے۔

نفسِ لوامہ وہ ہے جو ندامت کے نورِ قلب سے منور ہو اور جب بھی اس سے خطاء ہوتی ہے تو اپنے اوپر ملامت کرتا ہے اور آہ وزاری اور استغفار و توبہ سے تدارک کرتا ہے۔

اور نفسِ مطمئنہ وہ نفس ہے جو اخلاقِ رذیلہ سے تزکیہ اور تصفیہ پا کر اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہو اور گناہوں کے تقاضوں کی کشمکش سے نجات پا کر سکون و اطمینان کی سانس لے۔ برعکس لوامہ میں نفس اور روح میں جنگ جاری رہتی ہے، جیسا کہ خواجہ صاحب فرماتے ہیں:

ہے شوق وضبطِ شوق میں دن رات کشمکش دل مجھ کو میں ہوں دل کو پریشاں کیے ہوئے

---

[24](مرقاۃ، ج۵)

صاحبِ تفسیر مظہری ج،۱۰،۹، ص۲۶۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

نفسِ امارہ، نفسِ مطمئنہ اس وقت ہوتا ہے جب اخلاقِ رذیلہ ، غصہ، کِبر، شہوت کو مغلوب کیا جائے اور اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہو جائے۔

كما ان الكلب لا يمكن طهارته الا بوقوعه فى الملح وفنائه فيها وبقائه بصفات الملح حتى يصير حلالا طيبا۔[25]

جیسا کہ کتا پاک نہیں ہو سکتا جب تک کہ نمک کی کان میں نہ گرے اور پھر مر کر فنا ہو کر نمک نہ ہو جائے اور جب نمک بن جائے گا پھر حلال وطیب ہو جائے گا۔

اسی کو مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

نفس خود را کش جہانے زندہ کن　　　　خواجہ را کشتہ است او را بندہ کن

ترجمہ: اپنے نفس کو مغلوب اور کشتہ کرو، اس فنائے نفس سے تم فناء نہ ہو گے بلکہ اس فنائے نفس کی بدولت ایسی حیات قلبی عطاء ہو گی جس کی برکت سے ایک جہان تمہارے فیضانِ صحبت سے حیاتِ ایمانی سے مشرف ہو گا۔ اس نفس غلام نے اپنے آقا یعنی روح کو غلام بنا رکھا ہے اس کو اپنی حقیقت پر لانے کی ہمت کرو یعنی اس کو غلام بناؤ۔

وہ دل جو تیری خاطر فریاد کر رہا ہے　　　　اجڑے ہوئے دلوں کو آباد کر رہا ہے

ویرانۂ حیات کی تعمیر کر گئی　　　　رُودادِ زندگی کسی خانہ خراب کی

تیرے ہاتھ سے زیرِ تعمیر ہوں میں　　　　مبارک مجھے میری ویرانیاں ہیں

---

[25](تفسیر مظهری، ج۱۰، ص۲۶۱)

نفسِ لوامہ

جب اپنی خطاؤں پر ندامت سے توبہ کرتا ہے تو مؤمن گنہگار کے استغفار و توبہ اور اس کے آہ و نالوں کا کیا مقام ہے۔

علامہ آلوسی سورۃ القدر کی تفسیر میں یہ حدیث قدسی تحریر فرماتے ہیں:

لأنين المذنبين أحب إلى من زجل المسبحين۔[26]

اس حدیث قدسی میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گنہگاروں کے آہ و نالے اور ان کا گریہ مجھے تسبیح کی آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔

اے جلیل اشک گنہگار کے اک قطرہ کو ۔۔۔ ہے فضیلت تری تسبیح کے سودانوں پر

جب فلک نے مجھ کو محروم گلستاں کردیا ۔۔۔ اشتہائے خوں نے مجھ کو گل بداماں کردیا

تفسیر نفس مطمئنہ

علامہ قرطبی نے ج ۲۰، ص ۵۷ پر اس کی تین تفسیریں کی ہیں۔

اول تفسیر

الأمنة من عذاب الله۔

نفسِ مطمئنہ وہ نفس ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن میں ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ گناہوں سے قلب میں عذاب اور بے چینی رہتی ہے۔

جیسا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد گرامی ہے:

گر گرفتار صفات بد شدی ۔۔۔ ہم تو دوزخ ہم عذاب سرمدی

---

[26](تفسیر آلوسی، ج ۲۳، ص ۶۵)

اگر تم کسی گناہ کی عادت میں مبتلا ہو تو سمجھ لو کہ تمہاری ذات خود جہنم ہے۔

اور ہر نافرمانی کا اثر یہی ہوتا ہے کہ دل پر عذاب اور کلفت کی مار ہوتی ہے، اور یہ دنیا ہی میں دوزخ والی زندگی گزارتا ہے۔

بادشاہ جب کسی ملک پر حملہ کرتا ہے تو بادشاہ کو گرفتار کرتا ہے چھوٹوں کو پکڑنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، پس احکم الحاکمین اپنے نافرمانوں کے اس حصہ سے عذاب کا آغاز فرماتے ہیں جو جسم کے تمام اعضاء کا بادشاہ ہے، یعنی قلب کو بے چین اور پریشان رکھتے ہیں۔ چنانچہ مثال کے لئے ایک واقعہ ہے کہ ایک عشق مجازی کے مریض اور غیر اللہ سے دل لگانے والے نے بیان کیا کہ ہر وقت دل پریشان رہتا ہے، نیند بھی نہیں آتی، ہر وقت اسی مردار کا خیال ستاتا ہے۔

احقر نے ان کو اپنا یہ شعر سنایا جو عشق مجازی کے انجام کا ترجمان ہے۔

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغز دماغ میں کھونٹے　　　بتاؤ عشق مجازی کے مزے کیا لوٹے

اس عارضی صورت سے دل لگانا سخت حماقت ہے۔

احقر کا اسی مضمون پر یہ شعر ہے:

ان کے عارض کو لغت میں دیکھو　　　کہیں مطلب نہ عارضی نکلے

چہرہ کا جغرافیہ ایک دن بدل جاتا ہے، جس کے ساتھ اہل محبت کی تاریخ بھی بدل جاتی ہے۔

احقر کا ایک عجیب شعر اس حقیقت کا ترجمان ہے:

ادھر جغرافیہ بدلا، ادھر تاریخ بھی بدلی　　　نہ ان کی ہسٹری باقی، نہ میری ہسٹری باقی

دوسری تفسیر

النفس المطمئنةای العارفة التي لا تصبر عنه طرفة عين۔[27]

نفس مطمئنہ وہ نفس ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کی معرفت کا وہ مقام عالی عطاء ہو، جس سے حق تعالیٰ کے ساتھ ایسی شدید محبت (جو کہ لوازم معرفت سے ہے) ہو جائے کہ بدون ان کی یاد کے ایک پل کو چین نہ آئے۔

ملا علی قاری حق تعالیٰ کے عاشقین کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں:

الذين لا لذة لهم إلا بذكره۔[28]

جن کو کائنات میں ذکر اللہ کے بغیر چین حاصل نہ ہو۔

ترے غم کے سوا ممکن نہیں تھا　　　گزرتے دن مری جان حزیں کے

(اختؔر)

کوئی مزہ مزہ نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں　　　تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

(مجذوبؔ)

تیسری تفسیر

اَلنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ بِذِکْرِ اللہ تعالیٰ وَطَاعَتِہٖ۔

نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ کی یاد اور اطاعت ہی سے چین ملتا ہو۔

ترا ذکر ہے مری زندگی ترا بھولنا مری موت ہے

---

[27] (تفسير القرطبي، ج ٢٠، ص ٥٢)

[28] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ٨، ص ٥)

اطمینان کی لغوی تحقیق

علامہ امام راغب اصفہانی نے اپنی کتاب المفردات میں لکھا ہے کہ اطمینان نام ہے سکون و ثبات اور استقرار بعد الاضطراب کا۔

یعنی نفسِ امارہ اور لوامہ میں جو بے سکونی اور پریشانی تھی وہ چین اور سکون سے بدل گئی۔ جس طرح قطب نما کی سوئی جب قطب شمالی سے منحرف ہوتی ہے تو بے چین اور متحرک رہتی ہے اور جب رخ صحیح قطب شمالی کی طرف ہو جاتا ہے تو ٹھہر جاتی ہے، اسی کا نام استقرار بعد الاضطراب ہے۔

نفسِ مطمئنہ کی ایک عارفانہ تفسیر

از تفسیر مظہری، ج۱۰، ص۲۶۱:

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کو شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کا امام بیہقی فرمایا کرتے تھے اور جو مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ بھی ہیں، اپنی تفسیر مظہری میں نفس مطمئنہ کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ فی ذکر اللہ تعالی و طاعتہ۔[29]

یعنی نفس مطمئنہ وہ ہے جو ذکر اللہ میں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اطمینان پائے۔

کما تطمئن السمکۃ فی الماء۔[30]

جیسا کہ مچھلیاں پانی میں اطمینان پاتی ہیں، نہ کہ پانی سے یا پانی کے ساتھ۔

---

[29] (التفسیر المظھری، ج۱۰، ص۲۶۱)

[30] (التفسیر المظھری، ج۱۰، ص۲۶۱)

مثلاً اگر کسی مچھلی کا تمام جسم پانی میں ہو صرف سر یا صرف ایک اعشاریہ حصہ جسم کا پانی سے کھلا رہے تو اس کو موت معلوم ہو گی اور اس کی حیات خطرہ میں ہو گی۔ اسی طرح سر سے پیر تک مؤمن جب ذکر اللہ کے نور میں غرق ہو گا تو حیات حقیقی اور حیات ایمانی اور حیات روحانی سے مشرف ہو گا۔ اگر ایک عضو بھی ذکر سے غافل یا ایک عضو بھی نافرمانی میں مبتلا ہے تو اس کی حیات ایمانی خطرہ میں ہو گی۔

صاحب تفسیر مظہری أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد ۲۸) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بِذِكْرِ اللهِ معنی میں فِيْ ذِكْرِ اللهِ کے ہے یعنی اتنی کثرت سے ذکر کرے کہ ذکر میں غرق ہو جائے۔ اور کثرت ذکر متعدد آیات سے منصوص ہے، وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الأنفال ۴۵) وغیرھا۔

اور قلیل ذکر کو منافقین کی علامت قرار دیا گیا:

وَلَا يَذْكُرُونَ اللهَ إِلَّا قَلِيلًا (النساء ۱۴۲)

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ منافقین کے رجسٹر سے اس کا نام خارج ہو جائے تو وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

اسی لیے مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ والے دریائے جلال کی گہرائیوں میں رہنے والی مچھلیاں ہیں۔

ماہیان قعر دریائے جلال

جو مچھلیاں تھوڑے پانی میں رہتی ہیں وہ گرمیوں میں جب سورج کی شعاعوں سے پانی شدید گرم ہو جاتا ہے تو بے ہوش ہو جاتی ہیں اور لوگ ان کو شکار کر کے کھا جاتے ہیں اسی طرح جو لوگ ذکر

کم کرتے ہیں اور ان کا دریائے نور گہرا نہیں ہوتا ان کو معاشرے کے زہریلے اثرات تباہ کر دیتے ہیں اور جو مچھلیاں گہرے پانی میں رہتی ہیں تو آفتاب کی گرمی سے جب اوپر کا پانی گرم ہو جاتا ہے تو دریا کی گہرائی کے ٹھنڈے پانی میں پناہ لے لیتی ہیں، یہی حال ان سالکین کا ہے جو کہ قلبًا قلبًا سراپا اللہ تعالیٰ پر فدا ہیں۔ ان کے سینہ میں دریائے نور بہت گہرا ہوتا ہے، ہر وقت وہ اس کی ٹھنڈک میں پر سکون ہیں۔

وہ گرمیٔ ہجراں وہ تری یاد کی خنکی — جیسے کہ کہیں دھوپ میں سایہ نظر آئے

اور کیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے:

شاہوں کے سروں میں تاج گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے
اور اہل صفا کے سینوں میں اک نور کا دریا بہتا ہے

نفسِ مطمئنہ کو وہ راحت قلب میں عطاء ہوتی ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت ہیچ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے قلوب کو یہ نعمت عطاء فرماتے ہیں۔

جیسا کہ روح المعانی میں ہے:

فَاِنَّ السَّکِیْنَةَ لَاتَنْزِلُ اِلَّا عَلٰی قُلُوْبِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ۔

پس تحقیق کہ سکینہ نازل ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے قلوب پر۔

سکینہ کی تعریف

السكينة بنور يستقر في القلب و به يثبت على التوجه إلى الحق و يتخلص عن الطيش۔[31]

سکینہ ایک نور ہے جو دل میں مستقل ہو جاتا ہے اور اس نور کی برکت سے ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف توجہ قائم رہتی ہے، اور جمعیت قلب عطاء ہوتی ہے۔[32]

(مفتاح السلوک، جلد اول)

اب ہم نفس کے درجات کو بیان کرتے ہیں تاکہ اس کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

بنیادی طور پر نفس کی چار اقسام ہیں

۱۔ نفسِ امارہ ۲۔ نفسِ لوامہ ۳۔ نفسِ ملہمہ ۴۔ نفسِ مطمئنہ

نفسِ امارہ عمومی طور پر کفار کا ہوتا ہے اور کفر و بد بختی کی بخوشی پیروی کرنے والے مسلمانوں کا نفس بھی یہی ہوتا ہے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان شاملِ حال ہو جائے اور ایسے شخص کو فرنگی ماحول سے نکال کر کسی مُقرب بندے کی صحبت میں بیٹھنے کی توفیق نصیب کر دیں تو ایسا شخص شریعت و طریقت کی برکات سے نفس کی امارگی سے خلاصی حاصل کر لیتا ہے اور اس کا نفس لوامہ کے درجے میں داخل ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں شریعتِ حقہ کی مکمل پیروی اور شیخِ کامل کی صحبت کی برکات سے نفسِ مُلہمہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ نفس کا یہ درجہ اولیاءِ اُمت کا حصہ ہے۔ جبکہ نفسِ مطمئنہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاکیزہ گروہ کے لئے خاص ہے تاہم وراثت و تبعیت کے طور پر اولیاء میں سے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز ہونے والے خوش نصیب کو بھی نفسِ مطمئنہ عطا کر دیتے ہیں البتہ ایسی ہستی زمانۂ دراز کے بعد جلوہ گر ہوتی ہے۔

---

[31] (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، المعروف بتفسير الألوسي، ج ١٠، ص ٣٦٧)

[32] (بحوالہ کشکول معرفت، ص ٥٦٠)

شاید علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسے ہی سالک کی طرف اشارہ کر کے لکھا تھا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے، چمن میں دیدہ ور پیدا

نفسِ مطمئنہ والے سالک کا عبور ولایتِ کبریٰ میں ہوتا ہے۔ اس سے قبل سالک کا جھگڑا نفسِ امارہ اور شیطان سے رہتا ہے لیکن ولایتِ کبریٰ میں پہنچ کر اس کا نفس چونکہ مطمئنہ کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے اس لئے سالک کی جنگ عناصرِ اَربعہ کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ عناصرِ اربعہ سے مراد آگ، ہوا، پانی اور مٹی ہیں۔ عنصرِ آگ میں غضب و گرمی پنہاں ہے۔ عنصرِ ہوا میں کبر و غرور، پانی میں زور و شدت ہے اور عنصرِ مٹی میں پستی و عاجزی ہے۔ لیکن سالک کے لئے ایسی عاجزی بھی مناسب نہیں کہ خدا نخواستہ اس کی عزت و ناموس یا ملک پر کوئی حملہ کر دے اور یہ عاجزی و انکساری کا اظہار کر تا رہے۔ بلکہ عجز و انکساری سے مراد یہ ہے کہ کبر و غرور اور اخلاقِ رزیلہ سے دور رہے۔

نفس اور عناصرِ اَربعہ سے جنگ و جہاد بلوغت سے لے کر بڑھاپے بلکہ موت تک جاری رہتا ہے۔ ہر لمحہ نفس اس کو خداوند قدوس کی نافرمانی پر مجبور کرتا ہے جبکہ اس کی روح شنیع افعال سے رُکنے پر مجبور کرتی ہے۔

الغرض نفس و روح کا یہی جھگڑا وہ جہاد ہے جسے حدیث شریف میں "جہادِ اکبر" فرمایا گیا ہے اور یہ جہادِ اکبر وہ دائمی جہاد ہے جو تادمِ مرگ جاری رہتا ہے۔

[مطمئنہ کی صفت اختیار کر لینے کے بعد اس کی مخالفت یہ ہوتی ہے کہ وہ ترکِ عزیمت اور ترکِ اولیٰ کا مرتکب ہونا چاہتا ہے۔ بلکہ اس مقام میں ترکِ اولیٰ کا ارادہ بھی مخالفت میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن حتی الامکان ترکِ اولیٰ کا وجود اس سے متصور نہیں ہوتا۔ اور صرف ترکِ اولیٰ کے ارادے پر

اس قدر ندامت وپشیمانی اور بارگاہِ قدس خداوندی میں التجاء وزاری ظہور میں آتی ہے کہ ایک سال کا کام ایک ساعت میں میسر آجاتا ہے۔]

تشریح

گناہ کا سرزد ہونا ایک فطری کام ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہر انسان سے گناہ ہو ہی جاتا ہے۔ البتہ گناہ کے بعد گناہ پر نادم ہونا اور فوراً اپنے رب سے استغفار کرنا ضروری ہے۔ انسان جتنی زیادہ استغفار کرتا ہے اتنی ہی اسے باطنی ترقی ملتی ہے اور سلوک کے راستے میں آئی ہوئی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

وحی اور الہام میں فرق

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ علوم نبوت اور علومِ صدیقیت سراسر علومِ شرعیہ ہی ہیں لہٰذا دونوں میں مخالفت کا شائبہ بھی محال ہے۔ ان دونوں علموں میں صرف وحی اور الہام کا فرق ہے یعنی طریقِ اخذ میں فرق ہے۔ ماخذ دونوں کا ایک ہے۔

جیسا کہ آپ نے ارقام کیا:

وصدیق و نبی را تفاوت در طریق اخذ است نہ در مأخذ، ہر دو از حق تعالیٰ اخذ می کنند اما صدیق بہ تبعیت نبی بایں درجہ می رسد، نبی اصل است وصدیق فرع او نیز علوم نبی قطعی است وعلوم صدیق ظنی ونیز علومِ نبی بر غیر حجت است وعلوم صدیق بر غیر حجت نیست۔[33]

---

[33] (معارف لدنیہ معرفت، ص ۳٦)

ترجمہ: اور صدیق و نبی کا فرق طریق حصول میں ہے نہ کہ مقامِ حصول میں، دونوں حق تعالیٰ سے ہی حاصل کرتے ہیں لیکن صدیق، نبی کی اتباع (پیروی) کی وجہ سے اس مرتبہ تک پہنچتا ہے، نبی اصل ہے اور صدیق اس کی فرع، نیز نبی کے علوم قطعی ہوتے ہیں اور صدیق کے علوم ظنی، نیز نبی کے علوم دوسروں پر حجت ہوتے ہیں اور صدیق کے علوم دوسروں پر حجت نہیں ہوتے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۱۸۴)

[ہم پھر اصل بات کی طرف آتے ہیں۔۔۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ ہر وہ چیز جس میں محبوب کے اخلاق وعادات پائے جاتے ہوں، محبوب کے ساتھ وابستگی اور اس کے تابع ہونے کی وجہ سے محبوب اور پیاری ہو جاتی ہے۔ اس بیان کی طرف اشارہ اس آیت کریمہ میں ہے:

فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱)

ترجمہ: تو میرے فرمان بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور پیروی میں کوشش کرنا بندے کو مقامِ محبوبیت تک لے جاتا ہے، تو ہر عقلمند اور دانش مند پر لازم ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں ظاہراً اور باطناً پوری سعی اور کوشش کرے۔

بات لمبی ہو گئی مجھے معذور سمجھیں۔ کلام کا جمال چونکہ جمیلِ مطلق (رب تعالیٰ) کی طرف سے ہے۔ اس لئے سلسلۂ گفتگو جس قدر دراز ہو خوب اور زیبا ہی ہے۔

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (الکهف ۱۰۹)

ترجمہ: اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اِس کی مدد کو لے آئیں۔

اب دوسری طرف بات لے جانی چاہیئے۔

اس دعائیہ رقعہ کے حامل مولانا محمد حافظ اہلِ علم ہیں اور کثیر العیال ہیں۔ اسبابِ معیشت کی قلت کی بناءپر فوج کی (ملازمت کی) طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اگر سرکارِ نصرت آثار، سیادت ونقابت دستگاہ شیخ جی سے کچھ وظیفہ یا امداد مولانا موصوف کے لئے حاصل اور جاری کرادیں تو یہ آپ کا عین کرم ہوگا۔ آپ کی زیادہ دردسری ختم کرتا ہوں۔]

(دارالمعــرفت، جلددوم)

مکتوب نمبر ۴۲

[شیخ درویش کی صادر فرمایا:

اس امر کے بیان میں کہ حقیقت جامعہ قلبیہ سے غیرِ حق سبحانہٗ کی محبت دور اور پاک کرنے کا بہترین آلہ متابعتِ سُنت ہے۔ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ تمہیں سلامت اور باقی رکھے۔

آدمی جب تک پراگندہ تعلقات کی میل کچیل سے ملوث ہے مطلوب سے محروم اور دور ہے۔ حقیقتِ جامع (قلب) کے آئینے کو اس ذات عز وجل کے غیر کی محبت کے زنگ سے صاف کرنا ضروری ہے۔ اور اس زنگ کو دور کرنے کا بہترین آلہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی روشن سُنت کی متابعت ہے۔ کیونکہ اس میل کو دور کرنے کا دار ومدار عاداتِ نفسانی کے اُٹھنے اور رسومِ ظلمانی کے دفع ہونے پر ہے۔

فَطُوْبیٰ لِمَنْ شُرِّفَ بِهٰذِهِ النَّعْمَةِ الْعُظْمٰی وَوَیْلٌ لِّمَنْ حُرِمَ مِنْ هٰذِهِ الدَّوْلَةِ الْقُصْوٰی۔

ترجمہ: تو کتنا ہی خوشحال ہے وہ شخص جو اس نعمتِ عظیم سے مشرف ہو گیا۔ اور افسوس اس شخص پر جو اس بلند درجہ دولت سے محروم رہا۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ جناب اخوی اعزی میاں ظفر ولد شیخ گھورن مرحوم اشراف اور بزرگ زادہ لوگوں میں سے ہے۔ جماعت (عیال) کثیر اس سے وابستہ ہے۔ رحم وشفقت کا مستحق ہے۔ آپ کی زیادہ دردِ سَری کیا کرے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔]

تشریح

سلاسلِ طریقت کے اصول وضوابط کی پیروی کرنے والے اولیاء کرام اپنے مریدین کو ہمیشہ چلہ کشیوں سے منع کرتے آئے ہیں۔ ان کے ہاں اگر کوئی چلہ کشی ہے تو وہ فرائض وواجبات پر عمل کرنا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مبارک سُنتوں کو اپنی عملی زندگیوں میں نافذ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر چلے تصوف کی اصل روح کے خلاف ہیں۔ تاہم اگر کوئی شیخ اپنے کسی مُرید کی باطنی حالت یا کسی روحانی مرض کے علاج کے لئے اپنے لطفِ خاص سے کوئی وظیفہ یا عمل بتا دیں تو مضائقہ نہیں لیکن ان کا ایسا فعل دوسرے سالکوں کے لئے مثال نہیں بن سکتا۔

جمعیتِ قلبی جو سلوک میں درکار ہے اس کے حصول کے لئے سُنتِ مصطفویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا ضروری ہے لیکن کوئی تنگ نظر اس بات سے یہ اعتراض نہ کرے کہ جب باطنی ترقی اور جمعیت کے لئے سُنت کی متابعت ہی ضروری ہے تو پھر طریقت اور صحبتِ شیخ کی کیا ضرورت ہے۔

قرآن عظیم الشان میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة ۱۱۹)

ترجمہ: اور سچوں کے ساتھ ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ (الكهف ۲۸)

ترجمہ: اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں۔

تیسری جگہ ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الجمعة ١٠)

ترجمہ: اور اللہ کو بہت یاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مشائخِ طریقت اور سالکینِ راہ ہر وقت اور ہر لمحہ ذکرِ خدا میں مشغول رہتے ہیں پس ان کے ساتھ تعلق رکھنا اور ان سے بیعت کرنے کا حکم خود قرآن عظیم الشان سے ثابت ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ۔[34]

ترجمہ: میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ستاروں کی مانند ہیں (تم ان کی اتباع و پیروی کرو) ان میں سے تم جس کی بھی اتباع و پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے۔

پس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان پاک ہستیوں نے صحبتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں بیٹھ کر اُمت کو یہ عملی پیغام دیا کہ صحبتِ شیخ، اصلاحِ باطن کے لئے ایسے ہی ضروری ہے جیسے وضو، نماز کے لئے۔

علاوہ ازیں حدیث شریف میں یوں بھی آیا ہے کہ:

اَلشَّيْخُ فِيْ قَوْمِهٖ كَالنَّبِيِّ فِيْ أُمَّتِهٖ۔[35]

ترجمہ: شیخ (پیرِ کامل) اپنے حلقۂ احباب میں ایسا مقام رکھتا ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں۔

---

[34] (رواہ المشکوٰۃ باب مناقب الصحابة رضی اللہ عنہم ورواہ رزین)

[35] (تفسیر روح البیان، ج۸، ص ۱۳۰، دار النشر/دار إحياء التراث العربی)

یوں ہی حدیث شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یہ دعا کرتے تھے اور فرمایا کہ یہ دعا:

كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوٗدَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ۔

ترجمہ: حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں میں سے (ایک یہ) تھی کہ اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور ان لوگوں کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو آپ سے محبت کرتے ہیں اور اس عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھے آپ کی محبت (کے درجے) تک پہنچا دے۔ آمین

تیسری بڑی دلیل یہ ہے کہ اس اُمت کے اسلاف، فقہاء کرام، صوفیاء عظام اور علماءِ حق قرُون اولیٰ سے آج تک تصوف کے ساتھ ایسے جُڑے رہے ہیں کہ اسے تواتر کا درجہ مل چکا ہے۔ پس ایسے قوی اور حقائق پر مبنی دلائل کے ہوتے ہوئے تصوف و سلوک اور صحبتِ شیخ سے انکار کیسے ممکن ہے؟

(دارالمعــرفت، حصـــہ دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے قُرب اور وصل کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ دون اللہ (اللہ کی رضا کے مخالفین) کے ساتھ حُبی تعلقات ہیں جو اس قلب وروح کو کثیف اور میلا کر دیتے ہیں۔ قلب نوری (جس کو صوفیائے کرام حقیقتِ جامع کہتے ہیں) کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی محبت کے زنگ اور پراگندہ تعلقات کے گرد و غبار سے صاف رکھنا لازمی اَمر ہے اور یہ چیز فنائے مطلق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

جیسا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

بے فنائے مطلق وجذبِ قوی　　　　کے حریمِ وصل را محرم شوی

تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی منزل تک پہنچنے کے لئے اپنے دل کو اغیار کی گرفتاری سے آزاد رکھنا ضروری ہے۔

اربابِ تفرقہ وارباب جمعیت

صوفیائے کرام صاحبانِ قلبِ گرفتار کو ارباب تفرقہ میں شمار کرتے ہیں اور صاحبانِ قلبِ آزاد کو اربابِ جمعیت قرار دیتے ہیں۔ صاحبِ قلبِ آزاد کو ہی اہلِ دل وروشن دِل کہا جاتا ہے جن کی صحبت اور توجہ مردہ دلوں کو زندہ دل بنادیتی ہے۔

صحبتِ روشن دلاں یک دم دودم　　　　آں دودم سرمایۂ بودوعدم

شیخ الاسلام حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج بیت اللہ شریف سے فارغ ہو کر حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمتِ اقدس میں زیارت کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے اپنی کمالِ فراست وبصیرت کشفی سے مجھے دیکھتے ہی میری استعدادِ باطنی کا ادراک کرتے ہوئے فرمایا: ”بیا از دریائے تفرقہ بگذشتن جمع“ یعنی تفرقے کے دریا سے نکل کر جمعیت کی وادی میں آجا اور اس جملے کا آپ نے تین بار تکرار فرمایا۔

اہلِ دل

جس شخص کا دل عشقِ خدا جل وعلا اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے شاد کام ہو، اور مقامِ شہود و مراتبِ وجوب پر فائز المرام ہو اس کو اصلِ دل کہا جاتا ہے۔ بزرگانِ دین کے نزدیک دُنیا میں مشغولیت یہ ہے کہ قلب غیر خدا کے ساتھ مشغول رہے اور ترکِ دُنیا یہ ہے کہ قلب غیرِ خدا سے فارغ رہے۔

جیسا کہ فارسی مقولہ ہے:

اشتغالِ دُنیا چیست شغلِ قلب و ثقلِ حساب

ترکِ دُنیا چیست فراغتِ قلب و خفتِ حساب

اِتباعِ سُنت

کتاب و سنت کی رو سے اتباعِ سنت و شریعت ایک بنیادی اَمر ہے۔ آیت قرآنی فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران ۳۱) اس کی اصل ہے اور اتباعِ رسالت کا صلہ مقامِ محبوبیت و مرادیت کا حصول ہے۔

شریعت وطریقت کے تمام مراتب میں تزکیۂ نفوس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور تزکیۂ نفوس براہِ راست تعلیماتِ سُنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے مربوط ہے جو انسان سرچشمۂ سُننِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے جتنا سیراب ہو گا اتنا ہی تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس سے بہرہ اندوز ہو گا۔

واضح ہو کہ تصوف اپنی اصلی اور خالص صورت میں اسلام کے مرتبۂ احسان سے عبارت ہے

تصوف اور طریقت کے متعلق یہ عام خیال پھیلایا گیا ہے کہ تصوف وطریقت دینِ اسلام سے الگ

ایک مستقل مذہبی یا خانقاہی نظام ہے۔ اس خیال کے پھیلانے والوں میں یورپ کے مستشرقین بھی شامل ہیں اور اسلام کے مدعی بعض فرق ضالہ بھی جیسے غیر مقلدین اور منکرینِ حدیث وغیرہ۔

تمام اکابرینِ طریقت اس امر پر متفق ہیں کہ تصوف وطریقت قولاً وفعلاً وحالاً ہر حیثیت سے اتباعِ سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا نام ہے۔ وَبِدُوْنِهٖ خَرْطُ الْقَتَادِ اتباع سُنت پر مداومت سے جب اہلِ تصوف کے قلوب صافی اور نفوس مزکی ہو جاتے ہیں، حجابات اُٹھ جاتے ہیں، عالمِ غیب کے اَسرار کھل جاتے ہیں اور ہر عمل میں اتباعِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا بے تکلف مظاہرہ ہونے لگتا ہے تو وہ بارگاہِ خداوندی سے انعامات ونوازشات سے مشرف ہو کر درجۂ محبوبیت پر فائز المرام ہو جاتے ہیں۔ احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں اتباعِ سُنت کی تاکید وترغیب ارشاد فرمائی گئی ہے اور تعمیل کرنے والوں کو بلند مرتبوں کی بشارتیں سنائی گئی ہیں۔

جیسا کہ فرمایا:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ۔[36]

یعنی میری سُنت کو لازم پکڑو۔

مَنْ أَحْيَا سُنَّتِيْ فَقَدْ أَحْيَانِيْ وَمَنْ أَحْيَانِيْ كَانَ مَعِيْ فِي الْجَنَّةِ۔[37]

یعنی جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کر دیا اور جس نے مجھے زندہ کر دیا وہ میرے ہمراہ جنت میں ہو گا۔

---

[36] (سنن ابن ماجہ، ص ۵)

[37] (سنن الترمذی، ج ۲، ص ۹۲)

نیز فرمایا:

مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أجر مائَة شَهِيد۔[38]

جس نے میری سنت کو زندہ کیا فسادِ اُمت کے زمانے میں اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہو گا۔

دراصل ان بشارتوں کے اہل حضراتِ صوفیائے صافیہ ہی ہیں اور یہی لوگ ہیں جنہوں نے اتباعِ شریعت اور احیائے سُنت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ بھی ان ہی پاک طنیت، پاک سیرت نفوسِ قدسیہ میں سے ہیں، آپ نے تعمیلِ شریعت و تکمیلِ سنت کو انتہائی درجے تک پہنچایا اور طریقتِ نقشبندیہ کی مانند سلوکِ مجددیہ کو بھی اتباعِ سنت پر ہی استوار فرمایا جس کی تفصیلات آپ کی سوانح حیات و تعلیمات سے عیاں ہیں، وعیاں راچہ بیاں۔

ریاضت و سنت کا فرق

عیسائی پادریوں، ہندو برہمنوں، جوگیوں اور حکمائے یونان نے جو چلے اور مجاہدے انجام دیئے ہیں وہ قُربِ خداوندی کا ذریعہ نہیں بن سکتے، کیونکہ قُربِ ولایت کے لئے ایمان اور تقویٰ بنیادی شرط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ: الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (یونس ٦٣) اس پر شاہد ہے۔

اہلِ کُفر و ضلالت کی ریاضتیں تصفیۂ نفس کا سبب تو بن سکتی ہیں لیکن تزکیہ و تطہیر نفس کا ذریعہ ثابت نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو کشفِ مکوّنات تو ہو سکتا ہے، کشفِ عالمِ وجوب نہیں ہو سکتا۔ کشفِ عالمِ وجوب کے لئے تزکیۂ نفس لازم ہے اور تزکیۂ نفس اتباعِ سُنت و شریعت کے بغیر متصور

---

38 (مشکوٰۃ المصابیح، ص ٣٠)

نہیں۔اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اہل کفر و شرک کو ریاضتوں کے ذریعے جو صفائی نفس حاصل ہوتی ہے وہ تانبے پر سونے کا پانی چڑھانے کے مترادف ہے اور اہلِ تصوف و طریقت کو اتباع سنت کے ذریعے جو تزکیۂ نفس حاصل ہوتا ہے وہ عمل کیمیاء کے ذریعے تانبے کو خالص سونا بنانے کی مانند ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ دنیا کی مشغولی اور گرفتاری کا زنگ اُتارنے والی چیز اتباعِ سُنت ہی ہے اور ہر وہ عمل جو اتباعِ سنت کے قبیل سے ہے۔ مثلاً ذکر کی کثرت، صحبتِ شیخ، معیتِ صادقین اور محبتِ صالحین وغیرہم کا بھی یہی ثمرہ ہے۔فَافْهَمْ وَتَدَبَّرْ۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۱۸۸ تا ۱۹۲)

مکتوب نمبر ۴۳

[سیادت پناہ، خوبیوں کے مالک شیخ فرید بخاری کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ توحید دو قسم ہے۔ شہودی اور وجودی۔ اور جو ضروری ہے وہ توحیدِ شہودی ہے کیونکہ اس سے متعلق ہے۔ نیز توحیدِ شہودی عقل و شرع کے خلاف نہیں بخلاف توحیدِ وجودی کے۔ اور مشائخ کے وہ اقوال جو توحید کے بارے میں ہیں انہیں توحیدِ شہودی پر محمول کرنا چاہیئے تاکہ مخالفت کی گنجائش نہ رہے۔ اور توحیدِ شہودی مرتبۂ عین الیقین میں ہے، جو مقامِ حیرت ہے۔ اور جب اس مقام سے گزار دیتے ہیں اور حق الیقین تک پہنچاتے ہیں تو انسان اس طرح کے حالات سے ایک طرف ہو جاتا ہے۔ اور اس کے مناسب سوالات وجوابات اور واضح کرنے والی تمثیلات کے بیان میں۔

سَلَّمَکُمُ اللہ تعالیٰ وَ سُبْحَانَہٗ وَعَصَمَکُمْ عَمَّا یَصِمُکُمْ وَ صَانَکُمْ عَمَّا شَانَکُمْ۔

ترجمہ: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تمہیں سلامت اور داغدار کرنے والی چیزوں سے محفوظ رکھے اور تمہیں عیب کی باتوں سے بچائے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب عقائد کے بارے میں لکھا ہے۔ توحید کے اصلی معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ایک ہی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ وہ خالق، مالک اور رازق ہے اور وہ ذات ہماری عقل، فکر اور وہم وخیال سے ورأ الورأ ثم ورأ الورأ ہے۔ صوفیاء کرام اس وحدت کو دو طریقوں سے بیان کیا ہے ایک وحدت الشہودی اور دوسرا وحدت الوجودی۔

وحدت الشہودی کی کیفیت میں سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو اپنا پروردگار اور خود کو اس کا بندہ سمجھتا ہے اور لوح و قلم، عرش و کرسی، جنت و دوزخ اور زمین وآسمان کو مخلوق سمجھتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو جو کہ عقل، فکر اور وہم وخیال میں آنے سے ورآ الورآ ثم ورآ الورآ ہے اپنا پروردگار سمجھتا ہے۔

وحدت الوجود ایسی کیفیت ہے جس میں سالک ہر جگہ اور ہر چیز میں مشاہدۂ وجودِ باری تعالیٰ کرتا ہے۔ ایسا سالک ہر چیز کی نفی کر دیتا ہے حتیٰ کہ اپنی ذات کی بھی۔ اور بعض اوقات وہ وحدت کی اتنی گہرائی میں چلا جاتا ہے کہ خود کو بھی خدا سمجھنے لگتا ہے۔ البتہ یہ صرف اس کے وجد وحال کی کیفیت ہوتی ہے، اعتقاداً وہ ایسی غلطی نہیں کرتا۔ یہی وہ مقام ہے جس میں حسین ابن منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اَنَا الْحَقّ کہا تھا۔ آپ کا اصل نام حُسین بن منصور تھا۔ کنیت ابوالمغیث تھی اور ماورآ النہر کے رہنے والے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار طبقہ سوم کے صوفیاء میں ہوتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر رات کو ایک ہزار نوافل ادا فرماتے تھے۔ جس رات آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سولی پر لٹکایا گیا تھا اس بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پانچ سو نوافل ادا کئے۔ (نفحات الانس)

کیفیتِ وحدت کی دوسری مثال ہمیں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اُن الفاظ کی صورت میں ملتی ہے جس میں اُن کے منہ سے "سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ" کے الفاظ نکلے تھے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طبقہ اول کے صوفیاء میں سے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اصل نام طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان ہے۔ خضرویہ ابو حفص یحیٰ بن معاذ کے ہم عصر ہیں۔ کئی سال آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سُکر و مستی میں گزارے ہیں۔ صاحبِ رائے واجتہاد تھے۔ ۲۶۱ھ میں واصل بحق ہوئے۔

وحدت الوجودی کیفیت سے (بفضلِ خدا) نکل کر سالک وحدت الشہود کی کشادہ شاہراہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ یہی وہ راہ ہے جو سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عین مطابق ہے۔ اس کیفیت میں سالک کو حقائقِ اشیاء کا علم دیا جاتا ہے وہ خود کو بندہ اور اللہ رب العالمین کو اپنا حقیقی پروردگار سمجھتا ہے۔ لوح و قلم، زمین وآسمان اور جنت ودوزخ کو مخلوق جانتا ہے۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔

[وہ توحید جو اس بلند گروہِ صوفیاء کو راہِ سلوک وفقر میں میسر آتی ہے دو قسم ہے:

۱۔ توحیدِ شہودی ۲۔ توحیدِ وجودی

توحیدِ شہودی ایک ذات کو دیکھنا ہے۔ یعنی سالک کا مشہود صرف ایک ہی ذات ہو۔ اور توحیدِ وجودی ایک ذات کو موجود جاننا اور اس کے غیر کو معدوم خیال کرنا۔ اور معدوم خیال کرنے کے باوجود کائنات کے آئینوں اور مظاہر کو ایک جاننا۔ پس توحیدِ وجودی علم الیقین کے قبیلہ سے ہے اور توحیدِ شہودی عین الیقین کی قسم سے۔ توحیدِ شہودی اس راہ کے ضروری امور میں سے ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے فنا متحقق نہیں ہو سکتی۔ اور عین الیقین کی (دولت) بھی اس کے بغیر میسر نہیں آتی۔ کیونکہ ایک ذات کے غلبے کے باعث صرف اسے ہی دیکھنا اس کے ماسواء کو نہ دیکھنے کو مستلزم ہے۔ بخلاف توحیدِ وجودی کے کہ وہ اس طرح نہیں ہے۔ یعنی ضروری نہیں ہے کیونکہ علم الیقین توحیدِ وجودی کی معرفت کے بغیر بھی حاصل ہے۔ کیونکہ علم الیقین اس ذات کے ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں۔ نہایت درجہ یہ ہے کہ اس کے ماسوا کے علم کی نفی کو مستلزم ہے جبکہ اس ایک کے علم کا غلبہ اور زور ہو۔]

تشریح

جب تک سالک توحیدِ شہودی یا عین الیقین پر فائز نہ ہو جائے تو اس کو فنائے حقیقی میسر نہیں آسکتی۔ اگرچہ فنا ابتدا میں بھی ہوتی ہے لیکن وہ فنائے صوری ہے فنائے صوری علم الیقین کے درجے میں ہوتی ہے اور فنائے حقیقی عین الیقین کے درجے میں۔

[مثلاً ایک شخص کو وجودِ آفتاب کا یقین ہو۔ اس یقین کا غلبہ اس اَمر کو مستلزم نہیں کہ ستاروں کو اس وقت منتفی اور معدوم جانے۔ لیکن جب آفتاب کو دیکھا تو ستاروں کو نہیں دیکھے گا۔ اور اس کے مشاہدہ میں صرف ایک آفتاب ہی ہو گا۔ لیکن اس وقت کہ ستاروں کو نہیں دیکھ رہا، یہ ضرور جانتا ہے کہ ستارے معدوم نہیں ہیں۔ بلکہ یہ جانتا ہے کہ موجود تو ہیں مگر پوشیدہ ہیں اور نورِ آفتاب کے پَرتَو کے آگے مغلوب ہیں۔ یہ شخص اس جماعت کے ساتھ جو اس وقت ستاروں کے وجود کی نفی کر رہی ہے، مقام انکار میں ہے اور جانتا ہے کہ ستاروں کے وجود کی نفی کرنا غیر واقعی بات ہے۔ تو توحیدِ وجود جو ایک ذات تعالیٰ وتقدس کے ماسوا کی نفی پر مبنی ہے عقل وشرع کے خلاف ہے۔ بخلاف توحیدِ شہودی کے کہ ایک ذات دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں۔ مثال کے طور پر طلوعِ آفتاب کے وقت ستاروں کے وجود کی نفی کرنا اور معدوم جاننا خلافِ واقع ہے لیکن ستاروں کو اس وقت نہ دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں۔ بلکہ ستاروں کو نہ دیکھنا نورِ آفتاب کے ظہور کے غلبہ کے واسطہ سے دیکھنے والے کے ضعفِ بصارت کی بناء پر ہے۔ اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی نورِ آفتاب کے نور سے سُرمگیں ہو جائے اور اپنے اندر قوت واستعداد پیدا کر لے تو عین اسی وقت ستاروں کو بھی آفتاب سے جدا دیکھے گی۔ اور یہ دید حق الیقین کے مرتبہ پر ہے۔]

تشریح

توحیدِ وجودی کا مشرب رکھنے والے سالک چونکہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے بلکہ اُن کی دید میں جو کچھ آتا ہے ویسی ہی بات کرتے ہیں اس لئے ان سے ظاہر ہونے والے حالات وواقعات کے نتیجے میں ایسے سالکوں پر اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مثال سے واضح کیا ہے۔ دوسری اہم دلیل جو ابھی پچھلے صفحات میں گزری ہے کہ حضرت حسین ابن منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر رات کو ایک ہزار نوافل ادا فرمایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اللہ رب العالمین کو اپنا معبودِ حقیقی اور اپنے آپ کو اس کا بندہ تسلیم کرتے تھے اسی لئے تو ساری ساری رات اس کے آگے سر بسجود رہتے۔ تو اگر ناقدینِ تصوف کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ وحدت الوجودی کیفیات و نظریات رکھنے والے کافر ہیں تو پھر حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نمازیں کس دین کی تعلیمات کے مطابق ہوں گی اور اگر اُن کے فرائض وواجبات اور نوافل کی ادائیگی کو عین دینِ اسلام مان لیا جائے تو پھر کفر کیسا؟

پس ثابت ہوا کہ وحدت الوجود والوں کے عقائد واعمال اہلِ سنت وجماعت کے مطابق ہوتے ہیں البتہ ان کے کشف ودید میں بعض اوقات نقص ہوتا ہے اور یہ نقص خلافِ واقعات تو ہو سکتا ہے لیکن مؤجب کفر نہیں ہوتا۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ ایسا سالک اپنے کشف و شہود کے بارے میں کثرتِ استغفار کرے اور وحدت الوجود سے وحدت الشہود کی طرف جانے کی کوشش کرے کہ وحدت الشہود ہی وہ راہ ہے جو دینِ اسلام کے بنیادی ڈھانچے کے عین مطابق ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

توحیدِ وجودی و شہودی اور مراتبِ یقین

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے توحید کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں اور توحیدِ وجودی کو علم الیقین اور توحیدِ شہودی کو عین الیقین کے قبیل سے شمار فرمایا ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ توحیدِ شہودی ایک ذات کو ہی دیکھنے کا نام ہے اور توحیدِ وجودی ایک ذات کو ہی موجود جاننے کا نام ہے یعنی دونوں میں دیدن اور دانستن کا فرق ہے۔

گویا توحیدِ شہودی یہ ہے کہ سالک اپنے محبوب کے سوا کسی چیز کو نہیں دیکھتا اور اشیائے کائنات کی نفی اور اثبات کے ساتھ کوئی کام نہیں رکھتا اور توحیدِ وجودی یہ ہے کہ سالک اپنے محبوب کو ہی موجود جانتا ہے اور اس کے ماسوا کو معدوم سمجھتا ہے لیکن معدوم سمجھنے کے باوجود اُن اشیائے کائنات کو تجلّیٔ محبوب کا مظہر بھی سمجھتا ہے کیونکہ صوفیائے وجودیہ ماسویٰ اللہ (اشیائے کائنات) کو معدومِ مطلق نہیں مانتے بلکہ ماسویٰ کو موجودِ علمی اور معدوم خارجی جانتے ہیں، لہٰذا وہ ماسویٰ کو اللہ تعالیٰ کے علم میں مظہر تجلّی جانتے ہیں نہ کہ خارج میں۔ فَافْهَمْ وَتَدَبَّرْ!

معارفِ یقین

توحیدِ وجودی کی اکثر اقسام علم الیقین کے مرتبے میں ہیں کہ اس مرتبے میں سالک ماسویٰ کو بعنوان وجوب دیکھتا ہے اور اس کو ماسویٰ کا شہود نہیں ہوتا بلکہ صرف علم ہوتا ہے۔ جبکہ توحیدِ شہودی میں عارف ماسویٰ کے شہود سے گزر کر مراتبِ وجوب کے شہود تک پہنچ جاتا ہے۔

یوں سمجھیئے کہ توحیدِ وجودی کے دوران سالک ماسویٰ کو معدوم جانتا ہے اور اس کی نفی کا حکم کرتا ہے اور توحیدِ شہودی کے وقت میں عارف مقامِ حیرت میں ہوتا ہے اور اشیاء کی نفی و اثبات کے متعلق لب کشائی نہیں کرتا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

"علم الیقین عبارت از شہود آیات ست کہ افادۂ یقین علمی نماید"۔[39]

یعنی علم الیقین سے مراد شہودِ آیات (حق تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ) ہے جو یقین علمی کا فائدہ دیتا ہے۔

بعض مشائخ کے نزدیک صوفیاء کرام علم الیقین کے مرتبے میں توحیدِ وجودی تک پہنچتے ہیں اور یہ شہودِ ممکنات کا مقام ہے اور عین الیقین کے مرتبے میں توحیدِ شہودی سے مشرف ہوتے ہیں اور یہ شہود مراتبِ وجوب کی منزل ہے اور حق الیقین کے مرتبے میں متخلق باخلاق اللہ ہو جاتے ہیں اور یہاں ان کو شہودِ ممکنات اور شہودِ مراتبِ وجوب کی دونوں سعادتیں میسر آتی ہیں۔(وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ)

مثال

صاحبِ توحیدِ وجودی اس شخص کی مانند ہے جو دن کے اوقات میں ستاروں کے وجود سے انکار کرتا ہے کیونکہ اس کو دن کے وقت ستارے نظر نہیں آتے۔ صاحبِ توحیدِ شہودی اس انسان کی مثل ہے جو اگرچہ دن کے اوقات میں ستاروں کو نہیں دیکھتا لیکن ستاروں کے وجود سے انکار بھی نہیں کرتا۔

---

[39] (دفتر دوم، مکتوب نمبر ۴)

صاحبِ حق الیقین بمنزلہ اس شخص کے ہے جو نہایت حدیدُ البصر (تیز بین و دور بین) ہو اور دن کے اوقات میں سورج کی شعاعوں کے غلبہ کے باوجود ستاروں کو بھی دیکھتا ہے۔

معارفِ یقین حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ مخصوص ہیں

بعض صوفیائے کرام نے سیر آفاقی کو علم الیقین سے جانا ہے اور عین الیقین و حق الیقین کو سیر اَنفسی سے شمار کیا ہے۔ لیکن حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سیر آفاقی و انفسی دائرۂ علم الیقین سے باہر قدم نہیں نکال سکتی اور اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کے سوا اس کا کوئی حصہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ (حٰمٓ سجدة ۵۳)

آپ کے نزدیک عین الیقین اور حق الیقین کی تعبیرات جو اکثر اولیاء و علماء کرام نے بیان فرمائی ہیں وہ صرف استدلالی ہیں۔ ان کے حقیقی ادراک سے وہ سب عاجز ہیں کیونکہ یقین کے وہ علوم و معارف بحمدہٖ تعالیٰ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ (دوسرے ہزار سالہ مجدد) کے ساتھ مخصوص ہیں جو انوارِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوات کی قندیل سے مقتبس ہیں۔[40]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ توحیدِ شہودی کو اصلِ توحید اور عین الیقین و حق الیقین کی منزل تک پہنچنے کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ سے انقطاع فنا اور نسیان کے بغیر میسر نہیں آتا اور سالک کے لئے فنا (نسیان ماسویٰ اللہ) ایک ضروری امر ہے اور توحیدِ شہودی کا مرتبہ فنا و نسیان و قطع علائق کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے اور یہی عین الیقین کا مرتبہ ہے۔ لیکن توحیدِ وجودی اس راہ کی ضروریات سے نہیں ہے کیونکہ توحیدِ وجودی علم الیقین کے مرتبے میں ہے اور علم

---

40 (تفصیلات دفتر دوم، مکتوب نمبر ۴۴ میں ملاحظہ فرمائیں)

الیقین نہ صرف علمائے ظواہر بلکہ عامۃ الناس کو بھی میسر ہے۔ نیز توحیدِ وجودی معارفِ قلبیہ کے وقت حاصل ہوتی ہے اور توحیدِ شہودی فنائے نفس کے معارف سے ہے۔(فَافْهَمْ)

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۱۹۶ تا ۱۹۸)

[پس بعض مشائخ کے اقوال جو بظاہر شریعتِ حقہ کے مخالف معلوم ہوتے ہیں اور بعض لوگ انہیں توحیدِ وجودی پر محمول کرتے ہیں۔ جیسے حسین ابن منصور الحلاج کا قول اَنَا الْحَقُّ اور ابو یزید البسطامی کا سُبْحَانِیْ کہنا اور اس طرح کے اور اقوال۔ اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ انہیں توحیدِ شہودی پر محمول کیا جائے اور عقل و شرع کے ساتھ مخالفت کو دور کیا جائے۔ چونکہ غلبۂ حال میں ماسوائے حق سبحانہٗ کے ہر شے ان کی نظر سے پوشیدہ تھی تو ایسے الفاظ ان سے صادر ہو گئے۔ اور انہوں نے حق سبحانہٗ کے سوا اور کسی شے کو ثابت و موجود نہ مانا۔ اَنَا الْحَقُّ کا معنی ہے "حق ہے میں نہیں ہوں"۔ جبکہ وہ اپنے آپ میں بھی نہیں دیکھتے تو اپنے آپ کو ثابت نہیں کرتے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ بزرگ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور خود اپنے کو حق کہتا ہے۔ یہ مفہوم تو صریح کفر ہے۔

یہاں کوئی یہ سوال نہ کرے غیرِ حق کا اثبات نہ کرنا نفی کی طرف ہی لے جاتا ہے۔ اور وہ بعینہٖ توحیدِ وجودی ہے۔ کیونکہ ہم کہیں گے کہ ثابت نہ کرنے سے نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ اس مقام میں حیرت ہی حیرت ہے۔ تمام احکام وہاں ساقط ہو چکے ہیں۔ اور لفظ سُبْحَانِیْ میں بھی حق تعالیٰ کی تنزیہ ہے نہ کہ اپنی تنزیہ۔ کیونکہ وہ تو مکمل طور پر اس کی نظر سے اٹھ چکی ہے۔ کوئی حکم اس سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ اور اس قسم کی باتیں عین الیقین کے مقام میں جو مقامِ حیرت ہے بعض کو رونما ہوتی ہیں۔ اور جب ان حضرات کو اس مقام سے آگے گزار دیتے ہیں اور حق الیقین تک پہنچا دیتے ہیں تو پھر ایسے کلمات سے اجتناب کرتے ہیں اور حدِ اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے۔

ہمارے زمانہ میں اس گروہ کے بہت سے لوگ جو صوفیاء کے لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں توحیدِ وجودی کو عام کرنے میں مصروف ہیں، اور اس عام کرنے کو ہی کمال تصور کرتے ہیں۔ اور عین الیقین کے بجائے علم میں ہی رُکے ہوئے ہیں۔ اور مشائخ کے ان اقوالِ مذکورہ کو اپنے خیالی معانی پر چسپاں کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو مقتدا ٔ زمانہ بنائے بیٹھے ہیں، اور اپنے بے رونق بازار کو ان تخیلات کے ذریعہ سے چمکا رہے ہیں۔

اور اگر بالفرض مذکورہ بعض مشائخ کی عبارتوں میں ایسے الفاظ بھی ہوں جو توحیدِ وجودی پر صراحتًا دلالت کرتے ہوں تو ان الفاظ کو ابتدائی زمانہ اور علم الیقین کے مقام پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور یہ تصور کرنا چاہیئے کہ یہ کلمات ان سے اس وقت صادر ہوتے ہیں۔ آخر کار ان کو اس مقام سے آگے گزار لیا گیا اور علم سے عین تک پہنچا دیئے گئے ہیں۔

یہاں کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ توحیدِ وجودی والے بھی جس طرح ایک جانتے ہیں ایک ہی دیکھتے ہیں، لہٰذا وہ بھی عین الیقین سے کچھ حصہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہم جواب میں کہیں گے کہ اس توحید والوں نے توحیدِ شہودی کی مثالی صورت کو دیکھا۔ اس توحیدِ شہودی سے متصف نہیں ہوئے۔ توحیدِ شہودی کو اپنی اس صورتِ مثالی کے ساتھ فی الحقیقت کچھ مناسبت نہیں کیونکہ توحیدِ شہودی کے حصول کے وقت صرف حیرت ہی موجود ہوتی ہے۔]

تشریح

اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے تو ہم اس کی بات کو جھٹلا نہیں سکتے کیونکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ستر مرتبہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا مگر ہم صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ کوئی شخص خدائے حقیقی کو نہیں دیکھ سکتا بلکہ وہ صورتِ مثالی

کو خواب میں دیکھتا ہے کیونکہ خدائے حقیقی کو دنیا میں سر والی آنکھوں سے دیکھنا عقل و وہم اور فہم و فکر سے وراء الوریٰ ہے۔ جس طرح آئینے میں کوئی چیز نمایاں ہو تو وہ تو اصل نہیں ہوتی بلکہ مثالی صورت ہوتی ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں بعض مشائخ کے بظاہر خلاف شرع اقوال کو توحیدِ وجودی سے تعبیر نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ابن منصور الحلاج اور سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما جیسے بزرگوں کا مرتبہ علم الیقین سے بہت بلند ہے جو کہ توحید وجودی کا ایک درجہ ہے کیونکہ یہ بزرگ دراصل عین الیقین کے مرتبے پر فائز تھے جو کہ توحیدِ شہودی کا مقام ہے۔ اس قسم کے اقوال ان سے صادر ہونے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ان پر عالمِ وجوب کی تجلیات چمکتی ہیں تو ماسویٰ اللہ ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے تو اس حال کے غلبے کی بناء پر ان کی زبان سے بلا اختیار اس قسم کے الفاظ صادر ہو جاتے ہیں۔ (وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ)

لیکن واضح رہے کہ جب اکابر مشائخ اس مقام سے گزر کر حق الیقین کے مرتبے تک پہنچتے ہیں تو حدیدُ البصر (تیز بین) ہونے کی وجہ سے اس قسم کے کلمات سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت یہ اکابر توحیدِ شہودی سے بہرہ یاب ہوتے ہیں جو کہ عقل اور شرع دونوں کے تقاضے پورے کرتی ہے۔ بخلاف توحیدِ وجودی کے کیونکہ توحیدِ وجودی میں عقل و شرع دونوں میں تضاد اور مخالفت قائم رہتی ہے۔ لہٰذا دانش اور شعور کا یہی تقاضا ہے کہ عقل و شرع کی باہمی مخالفت کو دور کر دیا جائے۔ اگلی سطور میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اپنے زمانے کے ان صوفیوں کی مذمت فرمائی ہے جو توحیدِ وجودی کو عام کرنے میں مصروف رہتے تھے اور عین الیقین کی بجائے علم الیقین ہی میں بند تھے اور

مشائخِ کبار کے اقوال کو اپنی مرضی کے سانچوں میں ڈھالتے اور معانی متخیلہ مراد لیتے تھے اور اپنے آپ کو مقتدائے زمانہ تصور کرتے تھے، نہ وہ صاحبِ حال تھے، نہ صاحبِ مقام لیکن سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے اکابر مشائخ کے سُکریہ کلمات کو سند بنا کر اپنے بے رونق بازار کو بارونق بنانے کی فکر میں رہتے۔ وہ توحیدِ وجودی کے اسرار و معانی سے بھی قطعاً نابلد اور بے خبر تھے۔ افسوس کہ آج کل کے اکثر گندم نما جو فروش صوفی بھی اسی طرح کے باطل خیالات میں گرفتار ہیں اور نافہمی کی بناء پر صوفیائے کرام کے درمیان تعصب کی فضا قائم کرنے کی مذموم کوششیں کر رہے ہیں۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ شُرُوْرِھِمْ)

امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض گزشتہ زمانے کے بعض مشائخ کی عبارتوں میں جو ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے واضح طور پر توحیدِ وجودی ظاہر ہوتی ہے تو ان کی ایسی باتوں پر یہ قیاس کرنا چاہیئے کہ انہوں نے ابتدا میں علم الیقین کے مقام میں اس قسم کے الفاظ فرمائے ہیں اور آخر کار ان کو اس مقام سے ترقی دے کر عین الیقین تک لے گئے ہیں۔

تصورِ وحدت الوجود اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اس طرح تشریح و تنقیح فرمائی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں تصورات میں تضاد نہیں۔ صرف اتنا فرق ہے جتنا جاننے اور دیکھنے میں ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے اسی مکتوب کی ابتدا میں تصریح فرمائی ہے اس سلسلے میں آپ کی تعلیمات سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ تصور وحدت الوجود احوالِ طریقت میں سے ایک حال ہے اور مقاماتِ توحید میں سے ایک مقام ہے۔ یہ آخری منزل نہیں بلکہ اس سے بلند تر بھی ایک مقام ہے جس کو توحیدِ شہودی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آپ نے اربابِ توحیدِ وجودی کے تصورات

ومکاشفات کی اس خوبی سے تاویل فرمائی ہے کہ جس سے ان کی تنقیصِ شان کا شائبہ بھی نہیں رہتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اکابرین صوفیائے وجودیہ کے جن اقوال پر مخالفین نے کفر وشرک کے فتوے صادر کئے ہیں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ان اقوال کو منزلِ فنا، سُکرِ وقت اور غلبۂ حال پر محمول کرکے مخالفانہ خردہ گیری سے بچایا ہے۔ یہ امام ربانی قدس سرہٗ کا وہ امتیاز ہے جس سے صوفیائے وجودیہ کے مؤیدین بھی سرفراز نہیں ہو سکے چنانچہ آپ نے ایک مکتوب میں فرمایا ہے کہ متصوفہ گرامی میں جو کوئی وحدت الوجود کا قائل ہے اور اشیاء کو عین حق دیکھتا ہے اور ہمہ اوست کا حکم دیتا ہے اس کا مقصود یہ نہیں کہ اشیاء اور حق جل وعلا متحد ہوگئے ہیں، تنزیہہ سے تنزل کرکے تشبیہہ پر آ گئے ہیں، واجب سے ممکن اور بے مثال سے مثال سے ہو گیا ہے۔ یہ سب باتیں کفر وبے دینی اور گمراہی وزندقہ ہیں۔ بلکہ ہمہ اوست کے معنی تو یہ ہوئے کہ وہ خود نہیں ہیں صرف اللہ تعالیٰ موجود ہے۔[41] اسی لئے آپ نے حضرت ابنِ منصور الحلاج کے قول اَنَا الْحَقُّ اور حضرت بایزید بسطامی کے قول سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ کی تاویل فرماتے ہوئے ایک مکتوب میں فرمایا:

بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو غلبۂ محبت کی وجہ سے یہ احکام دیتے ہیں۔ مگر ایسا غلبۂ محبت اور استیلائے عشقِ محبوب کی وجہ سے ہوتا ہے کہ محب کی نظر سے غیر محبوب اوجھل ہو جاتا ہے اور وہ سوائے محبوب کے کچھ نہیں دیکھتا، نہ یہ کہ محبوب کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں کیونکہ یہ حس عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے۔[42]

---

[41] (دفتر دوم، مکتوب ۴۴)

[42] (دفتر اول، مکتوب نمبر ۳۱)

غرضیکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے جہاں کہیں تصورِ وحدت الوجود کی تردید فرمائی ہے اس سے مقصود اس تعبیر و تشریح کی مخالفت ہے جس سے خالق و مخلوق کے درمیان اتحاد و حلول کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے بتایا ہے کہ تصور وحدت الوجود توحید کا ابتدائی مرتبہ ہے جو فنائیت اور غلبۂ محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ مقامِ وجودیت سے آگے مقامِ ظلیّت ہے اور سب سے بڑھ کر مقامِ عبدیت ہے۔ آپ کے نزدیک حضرت بایزید بسطامی، حضرت ابن عربی اور دیگر صوفیائے وجودیہ علیہم الرحمۃ اسی مقامِ وجودیت پر ہی رُکے نہ رہے تھے بلکہ یہاں سے ترقی کرکے عین الیقین اور حق الیقین کے مرتبوں پر پہنچے تھے اور مقامِ عبدیت سے مشرف ہو گئے تھے۔ (وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ)

(البینات شرح مکتوبات، ج۲، ص ۱۹۹ تا ۲۰۲)

[اس مقام میں کسی قسم کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اور توحیدِ وجودی والا توحیدِ شہودی کی صورتِ مثالی کے مشاہدے کے باوجود اربابِ علم میں سے ہے۔ کیونکہ وہ ماسواء کے وجود کی نفی کر رہا ہے۔ اور نفی جنس احکام میں سے ایک حکم ہے۔ حیرت اور علم ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ پس اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ توحیدِ وجودی والا عین الیقین کے مقام سے کچھ حصہ نہیں رکھتا۔ ہاں توحیدِ شہودی والے کو مقامِ حیرت کے بعد اگر ترقی واقع ہو تو مقامِ معرفت میں جو حق الیقین کا مقام ہے پہنچا دیتے ہیں اور اس جگہ علم اور حیرت دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ علم جو حیرت کے بغیر ہے اور حیرت سے پہلے ہے علم الیقین ہے۔

یہ جواب ایک مثال سے واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص خواب میں اس مناسبت کے واسطے سے جو وہ بادشاہت سے رکھتا ہے، اپنے آپ کو بادشاہ دیکھا اور بادشاہت کے لوازمات اپنے اندر دیکھے اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ شخص بادشاہ نہیں بن گیا ہے، بلکہ بادشاہ کی مثالی صورت کو اپنے اندر دیکھا

ہے اور فی الحقیقت بادشاہت کو اس مثالی صورت کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ ہاں یہ شہود اگرچہ مثالی صورت میں ہے لیکن اس شخص کے اس صورت کی حقیقت کے ساتھ متصف ہونے کی استعداد کی خبر ضرور دیتا ہے۔ اگر مشقت کرے اور عنایتِ خداوندی جل سلطانہٗ اس کے شاملِ حال ہو جائے تو وہ بادشاہت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے، قوت سے فعل تک بڑا فرق ہے۔ بہت سے لوہے شیشہ بننے کی قابلیت رکھتے ہیں لیکن جب تک آئینہ نہیں بن جاتے بادشاہوں کے ہاتھ میں نہیں پہنچ سکتے اور ان کے جمال سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔

میں کس طرف چلا گیا۔ مگر ان دقیق علوم کی تحریر کا باعث اور سبب یہ ہے کہ اس وقت کے بہت سے لوگ بعض تقلیداً، بعض علم کے باعث اور بعض علم اور کچھ قدرے ذوق کی بنا پر اور بعض الحاد اور زندقہ کے باعث اس توحیدِ وجودی کے دامن سے چمٹے ہوئے ہیں اور سب کو حق کی طرف سے جانتے ہیں بلکہ حق جانتے ہیں۔ اور اپنی گردنوں کو تکلیف شرعی کی رسی سے اس بہانے کے ساتھ باہر نکال رہے ہیں اور احکامِ شرعیہ میں سُستیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اور اس حالت پر خوش وقت اور مسرور ہیں اور شرعی احکام کی بجا آوری کا اگر اعتراف بھی کرتے ہیں تو اسے طفیلی جانتے ہیں۔ مقصودِ اصلی شریعت کے علاوہ کسی اور شے کو خیال کرتے ہیں۔

حَاشَاوَ کَلَّا ثُمَّ حَاشَاوَ کَلَّا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ھٰذَا الْاِعْتَقَادِ السُّوْءِ۔

ترجمہ: خدا کی پناہ، پھر خدا کی پناہ۔ ہم اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے پاس پناہ لیتے ہیں اس برے اعتقاد سے۔

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں۔ اور ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت نہیں۔ فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال اور کشف کا ہے۔ جو چیز بھی شریعت کے خلاف ہے مردود ہے۔

كُلُّ حَقِيقَةٍ رَدَّتْهُ الشَّرِيعَةُ فَهُوَ زَنْدَقَةٌ۔

ترجمہ: ہر حقیقت جسے شریعت رد کر دے مردود اور باطل ہے۔

شریعت کو قائم رکھتے ہوئے حقیقت کو طلب کرنا مردوں کا کام ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں سید البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی ظاہر وباطن میں متابعت پر استقامت نصیب فرمائے۔

معرفت پناہ قبلہ گاہ ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کچھ عرصہ تک توحیدِ وجودی کا مشرب ہی رکھتے تھے اور اپنے رسائل ومکتوبات میں خود اس کا اظہار فرماتے تھے۔ لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے انہیں اس مقام سے ترقی عطا فرمائی، اور اس توحیدِ وجودی کی معرفت کی تنگی سے کھلی شاہراہ پر ڈال دیا۔

میاں عبدالحق نے جو حضرت خواجہ کے مخلصین میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے اپنی مرضِ موت سے ایک ہفتہ پہلے فرمایا کہ مجھے عین الیقین کے ساتھ معلوم ہو گیا ہے کہ توحیدِ وجودی تنگ کوچہ ہے، شاہراہ دوسری ہے۔ اس سے پہلے میں بھی یہی جانتا تھا لیکن اب ایک اور یقین حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ حقیر بھی کچھ عرصہ تک حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں یہی توحیدِ وجودی کا مشرب رکھتا تھا۔ اور اس توحید کی تائید میں بہت سے کشفی مقدمات ظاہر ہوتے تھے۔ لیکن خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عنایت ومہربانی نے اس مقام سے گزار کر جس مقام سے چاہا مشرف کر دیا۔ اس سے زیادہ گفتگو طوالت کا موجب ہے۔

میاں شیخ زکریا اپنے ضلع سے بار بار لکھتے ہیں اور آپ کے بلند آستانہ سے نسبتِ نیاز مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور تحصیلداروں کے عہدہ سے خائف اور ہراساں ہیں۔ عالمِ اسباب میں آپ سے ہی التجاء اور وابستگی رکھتے ہیں۔ آپ کی توجہ عالی کے سوا بظاہر کوئی جائے پناہ نہیں رکھتے۔ وہ اُمیدوار ہیں کہ جس طرح آپ نے ان کو نوازا، آخر تک ان کی دستگیری فرماتے رہیں گے اور حوادثِ زمانہ کے بھیڑیوں سے محفوظ رکھیں گے۔ کمالِ اَدب کے باعث آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اس لئے سفارش کے لئے فقیر کی طرف رجوع کیا ہے اور اپنے حالات کا اظہار کرنا چاہا ہے۔ اُمید ہے کہ ان کی درخواست شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہو گی۔]

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے سطور بالا میں میاں عبد الحق سے ایک روایت نقل فرمائی ہے۔ میاں عبد الحق سے مراد حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جو اپنے دور کے اکابر علماء، محققین و محدثین میں سے تھے۔ یہ پہلے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے تھے، اس کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ نقشبندیہ میں بھی بیعت کی سعادت حاصل فرمائی۔ اسی حوالے سے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ان کو حضرت خواجہ کے مخلص دوستوں میں شمار کیا ہے۔

واضح رہے کہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کچھ عرصہ تک حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی بعض تحریروں سے اختلاف رہا جو بعد میں دور ہو گیا تھا۔ قدرے تفصیل کے لئے موجودہ دور کے مذہبی سکالر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مقیم کراچی کی ایک تصنیف "سیرتِ

مجدد الف ثانی" سے چند اقتباسات نذرِ قارئین ہیں جو حقیقتِ حال کے سمجھنے میں مفید ثابت ہوں گے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ

خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے خلفاء میں سے دوسرے خلیفہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (م ۱۰۵۲ھ) تھے، جن کو حضرت مجدد کی بعض تحریروں سے اختلاف تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی حیات میں کسی مرید یا خلیفہ نے زبان نہ کھولی لیکن شکوک وشبہات اسی زمانے میں پیدا ہو گئے ہوں گے، جن کا اظہار بعد میں ہوا۔ شیخ محمد امین بدخشی (صاحبِ مناقبُ الحضرات) نے ایک مجلس کا چشم دید حال لکھا ہے جس میں وہ خود شریک تھے۔ دو تین علماء اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ بھی موجود تھے۔ اسی مجلس میں حضرت مجدد کا ذکر نکل آیا، ایک عالم نے آپ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا، شیخ محمد امین نے اس کے خیالات کی تردید کی مگر وہ نہ مانا۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

میں نے کہا کہ صفاءِ باطنی اور اتباعِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات جو میں نے ان میں دیکھی ہے کسی میں نہ دیکھی، مگر وہ نہ مانا، میں نے کہا کہ اچھا قرآن کریم سے فال نکال لی جائے، جب فال نکالی گئی تو یہ آیت کریمہ سامنے آئی:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (النور ۳۷)

اس پر وہ مولوی شرمسار ہوا اور حیرت زدہ رہ گیا۔[43]

---

[43] (مناقبِ آدمیہ وحضراتِ احمدیہ (مخطوطہ لندن ۱۱۴۰ھ) ورق ۱۷۴)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے سامنے بھی علماء کو یہ جرأت ہوتی تھی اور غالباً آپ خاموش رہتے تھے کیونکہ محمد امین بدخشی نے شیخ دہلوی کا ذکر کیا ہے مگر یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے بُرا بھلا کہنے والے اس عالم کو کچھ کہا۔ بہر کیف رنجش کی صورت میں اسی قسم کی خاموشی کا اظہار ہوتا ہے۔

ان ہی ایام میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کا ایک مرید حسن خان افغانی نہ معلوم کیوں آپ سے برگشتہ ہو گیا اور مکتوبات شریف کے بہت مسودات ساتھ لے گیا(اس وقت مکتوبات شریف کتابی شکل میں مدوّن نہ ہوئے تھے) حسن افغانی نے ان مکاتیب میں تحریف وترمیم کرکے بہت سی نقول تیار کیں اور علماء وصوفیاء کو حضرت مجدد قدس سرہٗ کے خلاف ہموار کیا۔ غالباً اسی حسن افغانی نے شیخ محدث دہلوی کے پاس جا جا کر باتیں لگائیں اور آپ کو حضرت مجدد سے بدگمان کیا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کی بعض تحریروں اور معاندین کی ریشہ دوانیوں سے متاثر ہو کر حضرت مجدد کے بعض افکار وخیالات پر اعتراضات فرمائے اور یہ اعتراضات ایک نجی مکتوب میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کے سامنے پیش کئے، جس میں ایک ایک کرکے تمام اعتراضات کا ذکر فرمایا ہے۔ اس مکتوب کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرت مجدد اور شیخ محدث کے درمیان باقاعدہ مُراسلت بھی رہی۔ لیکن بعض بدخواہوں نے اس مکتوب کو بہت ہوا دی اور اس کی بڑی شہرت کی۔ چنانچہ یہ مکتوب عہدِ شاہجہانی کے ایک عالم مولانا عبداللہ خویشگی قصوری (م۱۱۰۶ھ) نے اپنی تالیف معارج الولایت(۱۰۹۴ھ/۱۶۸۲ء) میں نقل کیا ہے۔[44] پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس کتاب سے اپنی

---

[44] (معارج الولایت قلمی نمبر ۲۵، مکتوبہ ۲۵، ربیع الثانی ۱۱۱۱ھ، ورق ۵۱۳ تا ۶۵۵، پنجاب یونیورسٹی، لاھور (بحوالہ احوال و آثار، ص ۱۰۲))

تالیف "حیاتِ شیخ عبد الحق" میں یہ مکتوب نقل کیا ہے۔[45] حضرت مجدد کے مخالفین نے پاک وہند میں خوب اس کی تشہیر کی۔ ظاہر ہے کہ ایک فاضل وقت کا اختلاف کوئی معمولی بات نہ تھی، مگر وہ ایک نجی بات تھی جو عالم آشکار کی گئی۔ شیخ محدث کی ہر گز یہ منشاء نہ تھی کہ اپنی تحریر سے مسلمانوں کو بد گمان کریں اور اپنے پیر بھائی حضرت مجدد قدس سرہٗ کو بے قدر ورسوا کریں، جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں وہ ظلم کرتے ہیں اور تاریخی خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

بہر کیف اسی مکتوب کا سہارا لے کر مولانا عبد اللہ خویشگی قصوری نے علماء ظاہر کی طرح بعض اعتراضات کئے ہیں۔[46] یہ مکتوب سر زمین سندھ میں آیا اور یہاں بھی اس کی تشہیر کی گئی۔ مخالفت کی شدت کا اندازہ لگائیں کہاں دہلی اور سرہند اور کہاں سندھ؟ ۱۱۲۳ھ میں شہر ٹھٹھہ (سندھ، پاکستان) میں ایک رسالہ "ابحاث" فاضل جلیل شیخ معین تتوی علیہ الرحمۃ کی نظر سے گزرا۔ اس رسالے کو حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس رسالے میں حضرت مجدد قدس سرہٗ پر جن اعتراضات کا ذکر کیا ہے وہ شیخ محدث علیہ الرحمۃ کے مکتوب میں موجود ہیں۔ مگر شیخ محمد معین الدین علیہ الرحمۃ نے حُسنِ ظن کی بناء پر (اور یہ حُسنِ ظن ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی سے ہونا چاہیئے) تمہیداً یہ لکھا ہے:

اس علاقے میں لوگ اس رسالے کو حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ سے منسوب کرتے ہیں لیکن میرے نزدیک اس میں بعض باتیں اس نسبت کی تکذیب کرتی ہیں۔[47]

---

[45] (حیاتِ شیخ عبدالحق، ص ۳۱۲ تا ۳۴۴)

[46] (معارج الولایت، ورق ۵۶۹)

[47] (بهجةالانظار فی برأةالابرار (قلمی) مملوکه مولانا محمد هاشم جان مجددی سرهندی، ورق ٦)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اسی قسم کا اظہار خیال شیخ محدث دہلوی قدس سرہٗ کے اصل مکتوب کے بارے میں فرمایا جو حیاتِ شیخ عبد الحق میں نقل فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے نقل در نقل سے بات کہیں سے کہیں تک پہنچ جاتی ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں:

"لیکن بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکتوب شیخ محدث کے قلم سے کم اور دوسروں سے زیادہ تعلق رکھتا ہے"۔[48] اس کے بعد آپ نے اس مکتوب کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی ہے جو ایک معمولی فارسی داں بھی نہیں کر سکتا۔

بہر کیف شیخ محمد معین تتوی علیہ الرحمۃ نے اپنی تالیف بہجۃ الانظار فی بر اَۃ الابرار میں ان اعتراضات کا ایک ایک کر کے مدلل اور شافی جواب لکھا ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق اور دوسرے مخالفین کے جوابات خود حضرت مجدد نے عنایت فرمائے۔ اس کے علاوہ معاصرین علماء کرام وصوفیائے عظام اور متأخرین علماء وصوفیاء نے بھی مرحمت فرمائے۔ معاصرین میں فاضلِ جلیل علامۂ دوراں مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی (م۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء) قابلِ ذکر ہیں۔[49] آپ نے معترضین کے رد میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا، اس کا نام معلوم نہ ہو سکا لیکن محمد الدین فوق نے اپنی تالیف "ملک العلماء عبد الحکیم سیالکوٹی" میں علامہ موصوف کی ایک تصنیف دلائل التجوید کا ذکر کیا ہے۔[50] ممکن ہے کہ یہی رسالہ ہو۔

---

[48] (حضرت مجدد الف ثانی، ایک تحقیقی جائزہ، ص ۴۰)

[49] (ملک العلماء علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی، ص ۵۲)

[50] (الکلام المبخی بر دایرادات البرزنجی، ص ۵)

اس کے علاوہ مولوی وکیل احمد سکندرپوری نے خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ (ابنِ حضرت مجدد قدس سرہٗ) کے صاحبزادے خواجہ محمد نقشبند ثانی علیہ الرحمۃ کے پاس علامہ عبدالحکیم علیہ الرحمۃ کی اس تحریر کا ذکر کیا ہے جس پر علامہ موصوف کے دستخط بھی موجود تھے۔

علامہ ممدوح کی اس دستخط شدہ عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

"بزرگوں کے کلام کا ان کی مُراد کے خلاف مطلب نکال کر مُراد لینا سراسر جہالت ہے، اس کا کوئی اچھا نتیجہ بر آمد نہیں ہو سکتا۔ پس مشیخیت پناہ عرفان دستگاہ شیخ احمد کے کلام کا ردّ کرنا جہالت اور ناسمجھی کی بات ہے"۔[51]

صاحبِ نزھۃ الخواطر حکیم عبدالحیؒ نے بھی اس عبارت کا ذکر کیا ہے بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ تحریر انہوں نے خود دیکھی ہے۔ راقم سے مولانا محمد ہاشم جان مجددی سرہندی مدظلہ العالی نے بھی فرمایا تھا کہ قیامِ لکھنؤ کے زمانے میں انہوں نے کسی علمی خاندان میں مضافات لکھنؤ میں ایسی تحریر ملاحظہ فرمائی تھی۔

صاحبِ نزھۃ الخواطر نے تحریر فرمایا ہے:

وقد رأیت بخط السند العلماء افضل الفضلاء مولانا عبدالحکیم السیالکوتی فی رد بعض شبهات المخالفین علی کلامہٖ قدس سرہٗ۔

هذه العبارة:

القدح فی کلام الشیوخ علی غیر مرادهم جهل۔۔۔۔ فرد کلام الشیخ الاجل العارف الکبیر الشیخ احمد انما هو السفاهة وقلة الفهم۔[52]

---

[51] (نزھۃ الخواطر، ج۵، ص ۴۱تا۵۳)

[52] (نزھۃ الخواطر، ج۵، ص ۴۱تا۵۳)

صاحبِ نزھۃ الخواطر نے یہ بھی لکھاہے کہ شام کے مشہور فاضل شیخ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ (م ۱۰۵۰ھ/ ۱٦۴۰ء) نے اپنی تالیف نتیجۃ العلوم ونصیحۃ علی الرسوم (تالیف ۱۱۱۲ھ) میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کے کلماتِ طیبات کی تشریح کی ہے۔[53] مولوی وکیل احمد سکندرپوری نے اس رسالے کا یہ اقتباس دیاہے جس سے اندازہ ہوتاہے کہ شیخ عبدالغنی علیہ الرحمۃ اولیاء اللہ کے کلام کو لُغتِ عام کے مطابق ناقابلِ تشریح وتاویل سمجھتے تھے۔[54]

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

اے بھائیو! پہلی بات تو تم کو یہ معلوم ہونی چاہیئے کہ مشائخ طریقت کے نزدیک ان کے مفرد یا مرکب کسی بھی لفظ کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی کہ وہ خاص لغت میں گفتگو فرماتے ہیں ان کے کلام کو اسی لغتِ خاص پر محمول کیا جاناچاہیئے خواہ کلام عربی زبان میں ہو یاکسی دوسری زبان میں۔[55]

حضرت شیخ عبدالحق نے حضرت مجدد کے کلمات کو لغت عام پر محمول فرمایااس لئے اختلاف کی صورت پیدا ہوگئی۔ حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمۃ (م ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء) نے بھی یہی فرمایاہے کہ جو شخص صوفیاء کے طریق کے مطابق حضرت مجدد کی عبارات کی تاویل کر سکتاہے (یعنی لُغتِ خاص

---

53 (نزھۃالخواطر، ج۵، ص ۱۴۱تا۱۵۳)

54 (شیخ عبدالغنی نابلسی ۱۰۵۰ھ/ ۱٦۴۰ء میں دمشق میں پیدا ہوئے اور ۱۱۴۳ھ/ ۱۷۳۰ء میں یہیں وفات پائی۔ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ مختلف علوم وفنون پر ان کی بکثرت تصانیف سے ان کے تبحرِ علمی کا اندازہ ہوتاہے۔ اسماعیل پاشا البغدادی نے اپنی تالیف ہدیۃ العارفین میں ان کی متعدد تصانیف کا ذکر کیاہے۔ حسین حلمی ایشیق بن سعید نے اپنی تالیف المنحۃ الوھبیۃ، مطبوعہ استنبول ۱۹۷۳ء میں ھدیۃ العارفین کے متعلقہ اوراق کا عکس شامل کر دیاہے۔ تصانیف کی تعداد سوا دو سو کے لگ بھگ ہے ان کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف ہیں۔)

55 (الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی، مطبوعہ دھلی ۱۳۱۲ھ، ص ۲۴)

میں اس کو سمجھ سکتا ہے) اس کے نزدیک تو اعتراض کی گنجائش ہی نہیں۔[56] اس لئے شاہ صاحب ممدوح نے شیخ عبدالحق کے اعتراضات کے متعلق بڑی دل لگتی بات فرمادی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

شیخ (عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے بطور علماء ظاہر اعتراض فرمایا ہے لیکن حضرت مجدد نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بطور علماءِ باطن ہے۔ اس کی دُنیا اور ہے، اس کی منزل اور اعتراض کیسا؟ اللہ اللہ کس حُسن و خوبصورتی کے ساتھ مسئلے کو حل فرمایا ہے۔

؎ مؤمن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آخر میں رجوع فرمالیا تھا لیکن یہاں رجوعیت کا مسئلہ نہ تھا بلکہ تسلیم و توقف کا مسئلہ تھا۔ رجوع ایسے اختلافی مسئلے میں کیا جاتا ہے جس کی بنیاد عقل و نقل پر ہو لیکن ان مسائل مختلف فیہم کی بنیاد ہی کچھ اور تھی۔ شاہ غلام علی علیہ الرحمۃ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے جو اوپر نقل کر دیا گیا ہے، مگر زمانہ مابعد کے علماء کا رد لکھنا تسلیم و توقف کی روایت کو کچھ مشکوک بنادیتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تا تو رد لکھنا کسی طرح مناسب نہیں تھا جیسا کہ (بقول صاحبِ نزھۃ الخواطر) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م۱۲۲۹ھ) نے شیخ عبدالحق کے بعض اعتراضات کا رد فرمایا ہے لیکن اَغلب یہی ہے کہ تسلیم و توقف اور صلح و صفائی کے باوجود مخالفین نے شیخ محدث کی مخالفانہ اور معترضانہ تحریر کو ہوا دی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں رد لکھنا ضروری تھا اور در حقیقت یہ شیخ محدث کا رد نہیں بلکہ ان معاندین کا رد ہے جنھوں نے ایک نجی خط کو عالم آشکار کرکے ایک طرف شیخ محدث کے دامنِ اخلاص کو داغدار کیا اور دوسری طرف ایک مردِ کامل کو بدنام کیا اور لوگوں کو اس سے بدگمان کیا۔

---

[56] (رسالہ در دفع اعتراضات (قلمی)، ص ۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے تسلیم و توقف اور معذرت طلبی کی ایک اہم روایت صاحب مناقب العارفین شیخ فتح محمد چشتی علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ:

"حضرت شیخ عبدالحق کے صاحب زادے مولانا نورالحق سے معلوم ہوا ہے کہ شیخ صاحب نے آپ کے مکتوبات کے رد میں ایک رسالہ (مکتوب) لکھا تھا جب ان کو حسن خان کی تحریف کا واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے معذرت کا مکتوب لکھا"۔[57]

شیخ فتح محمد چشتی خود شیخ محدث کے صاحبزادے شیخ نورالحق سے براہِ راست روایت کر رہے ہیں اس لئے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہنی چاہیئے البتہ یہ ضروری ہے کہ مناقب العارفین کے کسی مستند قلمی نسخے سے اس بیان کا تقابل کر لیا جائے تاکہ محققین کی نظر میں بھی شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ زمانہ مابعد کے تذکرہ نگاروں اور محققین نے شیخ فتح محمد چشتی کے مندرجہ بالا بیان کو تسلیم کیا ہے اور اسی بنیاد پر وہ تسلیم و توقف کے قائل ہیں۔[58]

اس کے علاوہ اکثر حضرات نے استدلالاً شیخ محدث کا وہ مکتوب بھی پیش کیا ہے جو آپ نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اور اپنے پیر بھائی خواجہ حسام الدین علیہ الرحمۃ (م ۱۰۴۳ھ/ ۱۶۳۳ء) کے نام تحریر فرمایا تھا۔ یہ مکتوب اخبار الاخیار کے بعد کے نسخوں میں کسی نے شامل کر دیا ہے۔

"ان دنوں میاں شیخ احمد سلمہ سے فقیر کی صفائی حد سے زیادہ ہو چکی ہے اور پردہ بشریت وجبلت درمیان میں نہیں رہا۔ انصاف و عقل اور رعایتِ طریقہ سے قطع نظر کہ جو اس قسم کے عزیزوں کے ساتھ نامناسب نہیں سمجھنا چاہیئے۔ باطن میں ذوق ووجدان اور غلبۂ حال سے وہ چیز آئی

---

[57] (سیرتِ امامِ ربانی از ابوالبیان محمد داؤد پسروری، ص ۱۹۸)

[58] ((الف) حضرت مجدد الف ثانی (ایک تحقیقی جائزہ)، ص ۲۹ تا ۵۱، (ب) احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری از محمد اقبال مجددی، ص ۱۴۶، (ج) حضرت مجدد الف ثانی از سید زوار حسین شاہ، ص ۳۶۴)

ہے کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے۔ کیا ہی پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیر دیتی ہے اور احوال بدل دیتی ہے، شاید ظاہر بین اس کو دور از کار کہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ حال کیسا ہے اور کس طرح ہے"۔[59]

غالباً اسی مکتوب گرامی کی بنیاد پر نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) نے تحریر فرمایا ہے:

"ابتداء میں شیخ عبد الحق دہلوی قدس سرہٗ کو حضرت مجدد کے احوال واقوال سے انکار تھا لیکن آخر کار انہوں نے رجوع فرما لیا اور خدا کا شکر ہے کہ ظاہر وباطن دونوں طرح اعترافِ حقیقت فرمایا"۔[60]

صاحبِ نزہۃ الخواطر نے مخالفت اور پھر رجوعیت کا ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"شیخ عبد الحق بن سیف الدین البخاری الدہلوی نے مخالفت کی اور آپ کے مکتوبات پر بعض اعتراضات کئے اور ایک رسالہ تصنیف کیا جس کا شیخ عبد العزیز بن ولی اللہ العمری الدہلوی اور شیخ غلام علی العلوی الدہلوی اور بہت سے علماء ومشائخ نے رد لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ نور الحق بن عبد الحق دہلوی نے بھی اس سلسلے میں اپنے والد کی مخالفت کی بلکہ آپ نے تو شیخ معصوم اور شیخ محمد سعید (فرزندانِ شیخ احمد) سے استفادۂ روحانی فرمایا اور یہ مشہور ہے کہ شیخ عبد الحق نے آخر عمر میں حضرت مجدد کی مخالفت سے رجوع کر لیا تھا"۔

---

59 (اخبار الاخیار ضمیمہ، ص ۳۲۶)

60 (تقصار الجیود الاحرار من تذکار جنود الابرار، ص ۱۱۱)

نوٹ: ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی عارضی غلط فہمی اور پھر رجوعیت کا ذکر کیا ہے اور استدلالاً خواجہ حسام الدین کے نام شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے مکتوب کو پیش کیا ہے۔ (مسعود)

اور شیخ حسام الدین بن نظام الدین البدخشی الدہلوی کو آپ کے متعلق ایک مکتوب میں یوں تحریر فرمایا:

"دریں ایام صفائی باطن فقیر بخدمت میاں شیخ احمد سلمہ، از حد متجاوز است اصلاً پردۂ بشریت وغشاوۂ جبلّت درمیاں نماند نمی داند کہ از کُجاست قطع نظر از رعایت طریقہ انصاف و حکم عقل کہ باچنیں بزرگاں بدنباید بود ور در باطن بطریق ذوق ووجدان وغلبہ چیزے افتادہ است کہ زبان از تقریر آں لال است، اللہ مقلب القلوب ومبدل الاحوال شاید ظاہر بیناں رااستبعاد است من دانم کہ حال چیست وبچہ مثال است"۔ [61]

حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمۃ نے شیخ محدث کے کلمہ مذکور "اصلاً پردۂ بشریت وغشاوۂ جبلت درمیاں نماند" پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایاہے:

"یہ جملہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اعتراضات بشریت ونفسانیت کے تحت تحریر فرمائے تھے نہ ازراہِ حقیقت۔ سبحان اللہ علماء اور اولیاء کا یہ حال ہے تو حاسد، جاہلوں اور ناسمجھ دشمنوں کے حال پر حیف! معاذ اللہ"۔ [62]

لیکن یہ بشریت ونفسانیت ہرگز وہ نہیں جو فی زمانناپائی جاتی ہے اور جس میں عناد کی بو آتی ہے۔ شیخ محدث کے اعتراضات گو بتقاضائے بشری تھے مگر مخلصانہ تھے، نہ ان کو سلسلہ نقشبندیہ سے پرخاش تھی جیسا کہ آج کل بعض سلاسل کے کچھ لوگوں کو ہے اور نہ حضرت مجدد سے ان کی کوئی ذاتی رنجش تھی بلکہ دونوں پیر بھائی تھے محبت واخلاص کے بندھنوں میں بندھے ہوئے۔ شیخ محدث

---

61 (نزھۃ الخواطر از حکیم عبدالحئی لکھنوی، ج۵، ص ۴۱تا۵۳)

62 (رسالہ در دفع اعتراضات در کلام حضرت مجدد (قلمی)، ص ۳)

نے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی صحبت میں حضورِ نقشبندیہ حاصل کیا تھا جس کا ذکر بیان سلاسل مشائخ میں کیا ہے اور ایک دوسری تصنیف موصل المرید الی المراد میں تحریر فرماتے ہیں:

"نزد انصاف طریقہ نقشبندیہ اقرب است و برائے حصولِ فنا وبقا بہتر ازیں طریقہ نیست"۔[63]

ان کو حضرت مجدد قدس سرہٗ سے کمال محبت تھی۔ چنانچہ اسی مکتوب میں جو آج تک دونوں حضرات کی باہمی رنجش و مخالفت کو ثابت کرنے کے لئے استدلالاً پیش کیا جاتا ہے تحریر فرماتے ہیں:

"محبتے کہ مرا با شما است کسے را نخواھد بود و شما عزیز اند و طریقہ شما عزیز حضرت خواجہ اثبات شما بسیار کردند"۔[64]

افسوس! محبت کے ان بولوں کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ انسانی فطرت ہے کہ اس کو لڑنے اور لڑائی کی باتیں کرنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ تفویضِ خلافت کے وقت فرشتوں نے اس طرف اشارہ کر دیا تھا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اور ان کے ناقدین

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے ناقدین میں کی فہرست میں اکثر وہ لوگ پائے جاتے ہیں جو نظریۂ توحیدِ وجودی میں غلو کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں اور نظریۂ توحید شہودی کو سمجھنے کی ہرگز کوشش نہیں کرتے اور بعض لوگ محض بغض و عناد کی بنیاد پر بلا سوچے سمجھے آپ کی عباراتِ مکتوبات کی من مانی اور فاسد تاویلات کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عربی علیہ الرحمۃ کے اکثر ناقدین نے ان کو بھی

---

[63] (رسالہ در دفع اعتراضات در کلام حضرت مجدد (قلمی)، ص ۲)

[64] (رسالہ در دفع اعتراضات در کلام حضرت مجدد (قلمی)، ص ۲)

تضحیک و تنقید کا زبردست نشانہ بنایا اور فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیہ کی بعض عبارات کو کُفر و شرک قرار دے دیا۔ جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے حضرت ابن عربی علیہ الرحمۃ کے ساتھ نظریہ توحید کے بعض پہلوؤں میں اختلاف کے باوجود ان کو اولیائے مقربین کے زُمرے میں شمار کرکے خلوص و دیانت کی اعلیٰ مثال قائم فرمائی ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی بعض علمی و کشفی عارفانہ عبارات سے اختلاف کرنا اور بعد میں حقیقتِ مسئلہ واضح ہونے پر اختلاف سے رجوع کرنا خلوص وللّٰہیت کا بہترین نمونہ ہے۔ لیکن اے کاش دوسرے مخالفین وناقدین بھی اس سے سبق حاصل کرتے۔ ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے ناقدین میں جن حضرات نے فاسد تاویلات کا سہارا لے کر آپ کو ہدفِ تنقید بنایا ان میں عہدِ شاہجہانی کا ایک شخص غلام معین الدین عبداللہ خویشگی المتخلص بہ عبدی ہے اور دوسرا سید محمد بن سید رسول برزنجی ہے۔ یہ دونوں حضرات خاندانِ نقشبندیہ کے غالی دشمن اور بے رحم نقاد شمار کئے جاتے ہیں، جنہوں نے وضعی عبارتیں اور جعلی مفہوم حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے ساتھ منسوب کرکے فتوے صادر کئے اور بعض غیر معروف اور بعض غیر مصدقہ من گھڑت ناموں سے مفتیوں کے دستخط ثبت کئے اور تاریخی خیانت کے مرتکب ہوئے۔ تفصیلات کے لئے موجودہ دور کے ایک اہم مؤرخ اور فاضل محقق پروفیسر محمد اقبال مجددی (لاہور) کی تصنیف ”احوال و آثار عبداللہ خویشگی“ کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے چند اقتباسات بطور نمونہ از خروارے ہدیۂ ناظرین کئے جائیں۔

چنانچہ پروفیسر محمد اقبال مجددی رقم طراز ہیں:

عبدی کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے بڑی عداوت تھی۔ اس نے اپنی تصانیف میں حضرت مجدد قدس سرہٗ، آپ کی اولاد اور خلفاء کے خلاف جابجا الزام تراشی کی ہے۔ اسے جہاں کہیں حضرت شیخ مجدد یا آپ کے خلفاء کے خلاف تحریر نظر آئی ہے اسے بغیر سوچے سمجھے عداوت کے جوش میں اپنی بلند پایہ تصانیف میں نقل کر دیا ہے۔ اس کے اس فعل سے حضرت مجدد کے معتقدین کے جذبات کو تو یقیناً ٹھیس پہنچی لیکن مخالفت کے نشے میں اس نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے خلاف جو مواد اپنی تصانیف میں جمع کر دیا ہے اس سے کم از کم حضرت شیخ مجدد قدس سرہٗ کی مخالفت کی نوعیت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اکثر مخالفین کی مخالفت محض عداوت اور ہوا پرستی پر مبنی تھی۔ آج اس زہر آلود اور خلافِ حق مواد تک رسائی کا واحد ذریعہ عبدی کی ہی تصانیف ہیں ورنہ یہ مواد آج تقریباً ناپید ہوتا۔

حضرت شیخ مجدد قدس سرہٗ کے دیگر مخالفین کی طرح عبدی نے بھی اپنی مخالفت کا آغاز حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے اس مکتوب کی آڑ لے کر کیا ہے جس میں حضرت شیخ مجدد کے مکتوب پر اعتراض وارد کئے گئے ہیں۔ یہ مکتوب عبدی نے معارج الولایت میں من و عن نقل کر دیا ہے۔ مکتوبِ شیخ نقل کرنے سے پیشتر مکتوب پر حسبِ ذیل تبصرہ کیا ہے:

"چوں شیخ احمد کابلی سرہندی معاصر او بود واکثر در شطحیات خویش بشطحیات قایل شدہ کہ اکثرے ازان قابل تاویل نیست در ردِّ او کوشیدہ بعضے از مقدمات او را در مکتوبات خویش بعینہٖ ایراد نمودہ واستفساری از روی تعریض و تجہیل فرمودہ بعضے اجوبہ کہ شیخ احمد بعینہٖ از وے گفتہ و باور سیدہ

آن نقل کردہ ودر دفع او کوشیدہ واز اوضاع واطوار او کہ ظاہر بشرائع ودر باطن متکلم بشطحیات می شد متنفر بودہ چنانکہ از کلامِ او در مکتوب مفہوم می شود"۔[65]

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں کچھ اشکال پیش آئے اور شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہ اشکال حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض کشوف سے تھے لیکن یہ اختلاف صرف علمی اختلاف کی حد تک تھا، مخالفت ہرگز مقصود نہ تھی۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں مطمئن ہو گئے اور اعتراضات واپس لے لئے تھے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے اعتراضات بر شیخ مجدد سے شیخ محدث کے رجوع کے اثبات کے باب میں شیخ نور الحق مشرقی ابن شیخ محدث کی روایت قابل توجہ ہے جو شیخ نور الحق مشرقی کے ایک معاصر مصنف شیخ فتح محمد فتح پوری چشتی صاحبِ مناقب العارفین کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔ مناقب العارفین ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی اس لئے مجبوراً مولانا محمد داؤد سے یہ روایت نقل کرنا پڑی۔ وہ لکھتے ہیں:

"شیخ فتح محمد فتح پوری چشتی اپنی کتاب "مناقب العارفین" میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبد الحق کے صاحبزادے مولانا نور الحق سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے آپ کے مکتوبات کے رد میں ایک رسالہ لکھا تھا جب ان کو حسن خان کی تحریف کا واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے معذرت کا مکتوب لکھا"۔[66]

---

65 (معارج الولایت، ورق ۵۶۹ ب)

66 (سیرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ از ابو البیان محمد داؤد پسری، ص ۱۹۸)

اکثر نقشبندی بزرگ شیخ محدث کے رجوع کے قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنہوں نے مذکورہ مکتوب شیخ محدث کا جواب لکھا ہے بھی رجوع کے قائل ہیں۔ رجوع کے سلسلہ میں شیخ محدث کا ایک مکتوب بنام خواجہ حسام الدین کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"در مکتوبے مرسل بحضرت مرزا حسام الدین خلیفہ حضرت خواجہ خواجگان محمد باقی نوشتہ اند کہ عبارے کہ فقیر را بخدمت حضرت شیخ احمد بود رفع شد وغشاوۂ بشریت نماند بذوق ووجدان در دل چیزے اُفتادہ کہ با چنین عزیزان بدنیا ید بود"۔ [67]

ہمارے نزدیک حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہٗ کے رجوع کرنے کی روایت من گھڑت نہیں بلکہ اس کے اصح ترین ہونے کے مندرجہ بالا شواہد کے علاوہ ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر شیخ محدث رجوع نہ فرماتے تو آپ کی اولاد سلسلہ مجددیہ میں کبھی بیعت نہ ہوتی۔ چنانچہ آپ کے فرزند ارجمند مولانا نور الحق مشرقی متوفی ۱۰۷۳ھ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔[68] حضرت حافظ محمد محسن (دہلوی) متوفی ۱۱۴۷ھ (نواسۂ حضرت شیخ محدث) بھی حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ کا ایک مکتوب گرامی بھی آپ کے نام ہے۔[69] حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے مرشد حضرت نور محمد بدایونی نے حضرت حافظ محمد محسن

[67] (رسائل سبعہ سیارہ، ص ۳۰، روضۃ القیومیۃ (اردو ترجمہ) از خواجہ کمال الدین محمد احسان، ج ۱، ص ۲۱۱)

[68] (تذکرۂ علماءِ ہند از رحمان علی، ص ۵۳۴، مزارات اولیائے دھلی از محمد عالم شاہ فریدی، ص ۱۰۸)

[69] (میر سید شرف الدین حسین، مکتوباتِ معصومیہ (وسیلۃ السعادت)، ج ۱، مکتوب نمبر ۶۷، مطبوعہ و ملخص اشاعت مکتوباتِ معصومیہ از مولانا نسیم احمد امروھی، ص ۳۸)

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اخذِ فیض کیا تھا۔[70] اور حضرت شیخ محمد احسان بن حافظ محمد محسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۰۶ھ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے مرید تھے۔[71] حضرت شیخ محدث کی اولاد میں سے مذکورہ بزرگوں کا سلسلہ مجددیہ میں بیعت ہونا اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ شیخِ محدث کے رجوع کی روایات وضعی نہیں ہیں۔

مگر عبدی نے حضرت مجدد پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت مجدد کی کوئی بھی تصنیف ایک طالب علم کی حیثیت سے نہیں پڑھی بلکہ ایک مخالف کی طرح کسی کتاب کے جستہ جستہ مقامات دیکھ کر مخالفت کے جوش میں کچھ سے کچھ لکھ دیا ہے۔ مؤلف کے خیال میں عبدی نے حضرت مجدد پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کا واحد ماخذ اس کے عہد کی ایک غلیظ کتاب کاسر المخالفین ہے جو حضرت مجدد قدس سرہٗ اور آپ کے متبعین کے رد میں لکھی گئی تھی۔ گویا عبدی کی حضرت مجدد کی مخالفت کاسر المخالفین کے پیدا کردہ شبہات پر مبنی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خود حضرت مجدد قدس سرہٗ کی کوئی تصنیف نہیں پڑھی بلکہ کاسر المخالفین میں شیخ مجدد قدس سرہٗ کی کتب سے محرف منقول اقتباسات ہی اس کی معلومات کا واحد ذریعہ ہیں جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ راقم احقر نے عبدی کی محولہ کتاب کاسر المخالفین سے عبدی کے اعتراضات کا موازنہ کرکے دیکھا تو اس میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ ہاں کاسر المخالفین کی تلخیص درج کرنے سے پیشتر اور اختتام پر اپنی طرف سے چند سطور میں تبصرہ ضرور کیا ہے۔

---

70 (تذکرۂ علماءِ ہند از رحمان علی، نزھۃ الخواطر از عبدالحیٔ حسنی، مزاراتِ اولیائے دھلی از محمد عالم شاہ فریدی، ص ۱۱۱، حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار فارسی از امام بخش بن پیر بخش، ص ۱۷۵، تحفۃ الابرار از محمد نواب مرزا دھلوی (آفتاب بیگ)، جدول پنجم، ص ۱۹، معمولاتِ مظھریہ از نعیم اللہ بھڑائچی، ص ۱۸)

71 (حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار از امام بخش، ص ۱۷۹، تحفۃ الابرار از محمد نواز مرزا آفتاب بیگ، جدول پنجم، ص ۲۶، مقاماتِ مظھری از شاہ غلام علی، ص ۱۷)

وہ لکھتا ہے کہ:

مشائخ متقدمین میں سے جو وحدت الوجود کے قائل تھے مثلاً حسین بن منصور الحلاج اور شیخ محی الدین ابنِ عربی کو حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں مُلحد اور زِندیق کہا ہے اور اپنے مکتوبات ہی میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی تکفیر بھی کی ہے۔

ان بے حقیقت اعتراضات کے پیشِ نظر عبدی کے اختلافات کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

اب اس کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"بدعوۃ طالبان حق ارشاد کرد پس وے اکثر طالبان ہدایت نمودی وبجانب حق دلالت فرمودی وبراجراء شرائع تقیید فرمودی وتارک شرائع را توبیخ وزجر کردی ومرتکب شرائع را دوست داشتی وچون برائے تحریمہ نماز برخاستی اغلب اوقات نیت رابدل کردی وزبان راساکت گردایندی وگفتی کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نیت بدل کردہ نہ بزبان۔ زیراکہ نیت فعلِ قلب است نہ فعلِ لسان وازمشائخ متقدمین ہر کہ قائل بوحدۃ وجود شدہ چنانکہ حسین منصور وشیخ محی الدین عربی وامثال آں اورا ملحد وزندیق گفتی درمکتوبات خود کہ مجلد بسہ است دراکثر مواضع شیخ محی الدین عربی را تکفیر نمودہ ودر بعضی محال نسبتہ مذاہب اعتزال بوی ثابت نمودہ وباین ہمہ او را از جملہ مقبولان شمردہ وچون درحدیثِ نبوی واقع شدہ کہ من حفر لاخیہ لم یمت حتی وقع فیہ چنانکہ برمشائخ شطحیات طعن کردی خود نیز اکثر جای قایل شطحیات شدہ وازیں جہت جہانگیر بادشاہ شیخ را بر گوالیار مدتے محبوس

ساخت چنانکه شیخ قرآن را در آنجا حفظ کرد و چون بادشاہ بر برأۃ ذمہ او وقوف یافت در معذرت شتافت فرمود کہ حاجت اعتذار نیست زیرا کہ دریں حبس بحفظ کلام الٰہی مستعد شُدم و چون ایں حقیر را بر مشائخ اعتقاد صحیح و عقیدہ صریح است باوجودیکہ علماء عصر و فضلاء دہر بر بطلانِ کلام او و فساد سخنان او فتویٰ دادہ بحسب طاقت فہم و قدرۃ ذہن خویش توجیہات شطحیات ایشان مع ایرادات ایزاد می نماید"۔[72]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تکفیر میں کئی فتوے لکھے گئے جن میں سے ایک فتویٰ عبدی نے اپنی تصنیف معارج الولایت میں نقل کر لیا تھا۔

عبدی اور شیخ آدم بنوری

عبدی نے معارج الولایت میں بہ ضمن ترجمہ شیخ احمد قشاشی[73] لکھا ہے کہ جب شیخ آدم بنوری ہندوستان سے حجاز آئے تو انہوں نے حقائق و معارف اعلانیہ بیان کرنے شروع کر دیئے اور محرم و نامحرم میں تمیز نہیں کرتے تھے۔ حفظِ مراتب بھی ملحوظ نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ علماء کے ایک مجمعے میں جس میں شیخ احمد قشاشی بھی موجود تھے، افضلیت کعبہ کا مسئلہ بیان ہو رہا تھا۔ شیخ آدم بنوری نے حقیقتِ کعبہ کو حقیقتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات اور تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء پر

---

72 (معارج الولایت، ورق ۵۸۷، الف، ب)

73 شیخ احمد قشاشی متوفی ۱۰۷۱ھ کے حالات انفاس العارفین مؤلفہ شاہ ولی اللہ دہلوی میں موجود ہیں۔
معارج الولایت میں ہے: "مرید شیخ صبغۃ اللہ گجراتی بود و تربیت و خلافت از شیخ احمد شناوری کہ خلیفہ شیخ صبغۃ اللہ بود نیز داشت جامع علوم ظاہر و باطن بود بر اجراء احکام شریعت و امور طریقت و حقیقت تاکید بر کمال داشتی و ہر کہ بدعۃ و ضلالت دیدی آن را دفع کردی۔ (۶۰۵ب)

فضیلت دی۔ لیکن اس کے برعکس شیخ احمد قشاشی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کو کعبہ پر فضیلت دیتے تھے۔ دونوں طرف سے دلائل براہین کا تبادلہ ہوتا رہا۔ بقول عبدی بالآخر شیخ آدم بنوری نے اپنے خیال سے رجوع کرتے ہوئے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو کعبہ سے افضل تسلیم کرلیا مگر دیگر انبیاء اور اولیاء کی کعبہ پر افضلیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر شیخ آدم بنوری کے رد میں شیخ احمد قشاشی نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کرڈالا۔

عبدی لکھتاہے:

”درین اثناء شیخ آدم بنوری از ہندوستان بہ دیار حجاز رسید چون حقائق ومعارف را اعلانیہ گفتی واز محرم ونامحرم تمیز نکردی وحفظِ مراتب نہ داشتی چنانکہ روزے کہ در مجمع علماء کہ شیخ احمد قشاشی نیز در آنجا حاضر بود بافضیلت حقیقت کعبہ بر حقیقت محمدی وسائر حقائق انبیاء علیہم السلام ومؤمنان ادعاء نمود شیخ احمد قشاشی گفت ہر مدعی رادلیلے است ودلیلِ شما برافضیلت کعبہ بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم چیست؟ گفت دلیل برافضیلت کعبہ بر محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ساجدیت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ومسجودیت کعبہ وصورت کعبہ این سنگ وکلوخ سقف وجدران نیست بلکہ چیزی است کہ ظہور دارد وصورت ندارد وعقل از تشخیص آن عاجزاست۔ شیخ احمد قشاشی گفت این کلام موجوہ کثیرہ باطل اول آنکہ اجماع

است زیرا کہ اجماع منعقد است برآنکہ سرورِ کائنات علیہ من اللہ افضل الصلوٰۃ، افضل مخلوقات است بلکہ قبر شریفش رااز کعبہ افضل داشتہ اند۔۔۔ وادلہ جانبین بسط انجامید و شیخ احمد (قشاشی) بادلہ راجح آمد، شیخ آدم از افضیلتِ کعبہ بر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم رجوع کرد و بافضیلت آن حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بر کعبہ اعتراف نمود ولیکن بافضیلت انبیاء علیہم السلام ومؤمنان بر کعبہ اقرار نکرد شیخ رسالہ طویلہ بر ردّ قول او تصنیف کرد وافضیلت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وسائر انبیاء علیہم السلام ومؤمنان بر کعبہ بدلائل نصوص واحادیث در وے اثبات نمودہ۔۔۔ آن رسالہ درین مختصر بعینہٖ ایراد می نماید وآن انسیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللہ وملائکہ والمؤمنون اجمعون۔۔۔ الخ اختتام رسالہ۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْناً وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْناً وَّ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ۔

یہ مذکورہ رسالہ عبدی نے معارج الولایت میں من و عن نقل کر دیا ہے جو چالیس اوراق پر مشتمل ہے۔[74]

حجازِ مقدس پہنچ کر حضرت شیخ آدم بنوری متوفی ۱۰۵۳ھ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد متوفی ۱۰۶۳ھ کو ایک مکتوب لکھا جس میں آپ نے مذکورہ مسئلے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

---

74 (معارج الولایت از عبدی، ورق ۲۰۶ تا ۲۴۶)

اس مکتوب میں لکھتے ہیں:

"روزے کہ از منیٰ بطواف حضرت کعبہ آمدیم چون قریب روضۂ مطہرہ حضرت سیدۃ النساء خدیجۃ الکبریٰ آمدیم یک بیک چیزے کہ ہر گز در خاطر نبود از انجا تار سیدن بابِ حرم کریم بظہور آمد الحمد للّٰہ والمنۃ آنچہ فضیلت و مفضولیت حقیقت کعبہ معظمہ باختلاف اکابر مشائخ از حقیقتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام اتمہا تسلی پذیر حاصل نمی شُد اطمینان جلی نصیب گشت چنانچہ تفصیل آن از کاغذ علیحدہ واضح خواہد شُد"۔[75]

حضرت شیخ آدم بنوری کے درج بالا مکتوب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اکابر مشائخ کے اس اختلافی مسئلہ میں غیر مطمئن تھے اور یک بیک الہامی صورت میں انہیں اطمینان کامل نصیب ہو گیا۔ اس مکتوب سے ہر گز یہ مترشح نہیں ہوتا کہ کہ انہوں نے اس نظریہ سے رجوع کر لیا تھا۔ اس نظریہ سے انحراف اس لئے بھی مشکل نظر آتا ہے کہ شیخ آدم بنوری کے مُرشد ارشد حضرت شیخ مجدد بھی حقیقتِ کعبہ کو حقیقتِ محمدی پر ترجیح دیتے تھے۔ اس مسئلے پر حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں مفصل بحث کی ہے۔[76]

---

75 (ظواھر از شیخ محمد عمر بن ابراھیم پشاوری (قلمی)، ورق ۹۶)

76 (ملاحظہ ہو دفتر سوم مکتوب ۱۲۴، مبدأ و معاد منہا، ص ۴۸)

خاندانِ نقشبندیہ کے شدید ترین مخالف سید محمد بن سید رسول برزنجی کی اولاد اورنگ آباد میں آکر مقیم ہو گئی تھی۔ محمد بن حسین بن عبدالکریم بن محمد برزنجی یعنی برزنجی کا پڑپوتا عرصہ دراز تک اورنگ آباد میں مقیم رہا۔ اپنے پڑداداکے رسائل "در ردِ خاندانِ مجددیہ" اورنگ آباد ہی میں کتابت کیئے۔ یہ رسائل حسبِ ذیل ہیں:

(۱) **العصب الهندی لاستیصال کفریات احمد السرهندی**، تصنیف ابو علی حسن بن علی مکی عجمی، بسال ۱۰۹۳ھ بخط محمد بن حسن بن عبدالکریم بن محمد برزنجی مکتوبہ ۱۱۵۷ھ در اورنگزیب آباد۔[77]

(۲) **قدح الزند وقدح الرمد فی رد جهالات اهل سرهند** (عربی) تصنیف سید محمد بن سید رسول برزنجی۔ مصنف کے پڑپوتے نے اس رسالہ کی کتابت ۱۱۷۷ھ میں اورنگ آباد میں کی، ترقیمہ میں قارئین کو عصب الہندی مذکورہ تصنیف ابو علی حسن بن علی جو اس ترقیمہ کے پیش نظر ۱۱۷۷ھ تک بقید حیات معلوم ہوتا ہے اور اس کتاب کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"كالفراغ من كتابته هذا الكتاب يوم الثلثا غرة رجب ١١٧٧ ه سبع وسبعين ومايةوالف فی مدینه اور نقباد من ارض الدكن من قطرة الهند واحقر الفقراء زين العابدين محمد بن حسن بن عبدالكريم بن محمد المصنف البرزنجي غفر الله ولوالديه وسائر المسلمين آمين۔۔۔ يتلوه "عصب الهندی" تاليف علامة الوقت ابن علی حسن ابن علی الحنفی المكی العجمی اطال الله عمرهٔ فی عارضه ثم مقابليه هذا الكتاب"۔[78]

---

77 (فہرست مخطوطات، کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد دکن، ج۲، ص ۲۵۰، نمبر ۲۲۴، فن کلام)

78 (فهرست مخطوطات کتب خانه آصفیه، حیدر آباد دکن، ج ۲، ص ۳۳۷، نمبر ۲۲۴، فنِ کلام)

(۳) اسی قسم کے باطل خیالات سے مملو ایک اور رسالہ **المتمة المسئلة المهمة مؤتفه** بسال ۱۰۹۴ھ۔[79]

(۴) **الناشرة الناجرة للفرقة الفاجرة** (عربی) تصنیف محمد بن رسول برزنجی بسال ۱۰۹۳ھ۔

اصل رسالہ تو پیشِ نظر نہیں ہے، فہرست مخطوطات آصفیہ، ج ۲، ص ۳۶۳، نمبر ۲۲۳، فنِ کلام میں اس کے جو محتویات درج ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے رسالت کا دعویٰ کیا تھا۔

"در ۱۰۹۳ھ از ہندوستان ضلالات وخیالات شیخ احمد سرہندی بطور استفتاء در دیار عرب رسید کہ او دعویٰ رسالت کردہ"۔

نعوذ باللہ گویا مستفتیوں یا برزنجی کی بے جا مخالفت انتہاء کو پہنچ چکی تھی۔ اسی رسالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برزنجی نے حضرت مجدد اور آپ کی اولاد وخلفاء کے رد میں دس رسائل تصنیف کئے تھے۔

وہ لکھتا ہے کہ:

"این احقر مصنف این رسالہ قبل ازین نہ رسالہ در ردِ او ورد اولاد وخاصان او نوشتہ ام واین یک رسالہ رسالہ دہم است"۔

یقیناً اپنے اسلاف کی سنت پر عمل کرتے ہوئے محمد برزنجی کی اولاد نے حضرت مجدد کے رد میں بے شمار رسائل تصنیف کیئے ہوں گے۔ برزنجی کا پڑپوتا محمد (مقیم اورنگ آباد) بھی اسی کوشش میں مصروفِ عمل نظر آتا ہے۔

---

[79] (آصفیہ، ص ۳۵۶، ج ۲، نمبر ۲۲۴، فنِ کلام)

(۵)رسالہ نمبر (۲)قدح الزند۔۔۔الخ میں اس رسالہ سے قبل ہندوستان میں حضرت مجدد کے رد میں جو رسائل لکھے گئے، ان میں قبل ۱۰۹۳ھ محمد صالح اورنگ آبادی کے ایک رسالہ کا ذکر بھی موجود ہے۔

برزنجی نے اپنے رسالہ الناشرہ۔۔۔الخ مذکور میں اپنے رسالہ سے حضرت شیخ مجدد کے رد میں تصنیف ہونے والے مصنفین کے رسائل کا ذکر کیا ہے۔ جن میں محمد صالح اورنگ آبادی کا نام سرفہرست ہے۔ محمد صالح اورنگ آبادی نے ایک نہیں بلکہ "چند رسائل دررد آن نوشتہ"۔

گویا قبل ۱۰۹۳ھ عبدی کا ہم عصر محمد صالح اورنگ آبادی حضرت مجدد کی مخالفت میں پیش پیش نظر آتا ہے۔

اورنگ آبادی مخالفین میں سے محمد اشرف اورنگ آبادی کا نام بھی ملتا ہے جس نے ۱۰۹۰ھ میں حضرت مجدد کی تکفیر میں لکھے جانے والے فتوے پر اپنی مُہر ثبت کی تھی۔[80] یہ بھی عبدی کے قیام اورنگ آباد کا ہم عصر ہے۔

مذکورہ فتویٰ در تکفیر حضرت شیخ مجدد کے اختتام پر اورنگ زیب کی طرف سے بمہر قاضی شیخ الاسلام بجانب قاضی اورنگ آباد ایک حکم نامہ نقل کیا گیا ہے جس میں تحریر ہے کہ ۲۷ شوال ۱۰۹۰ھ (۱۶۷۹ء) میں قاضی ہدایت اللہ کو حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مکتوبات میں بعض مقامات عقائد اہل سنت وجماعت کے خلاف معلوم ہوئے اور اورنگ آباد میں مقیم حضرت مجدد کے معتقدین مکتوبات حضرت شیخ مجدد اور ان کے نظریات کی ترویج اور درس وتدریس میں مشغول نظر آئے تو

[80] (معارج الولایت، ورق ۱۰۲ (ضمیمہ ثانی کتاب ھذا))

بادشاہ کا حکم موصول ہوا کہ یہ سلسلۂ درس بند کروا دیا جائے اور کسی معتقد کو ان کی اشاعت کرتے ہوئے دیکھ لیا گیا تو شرعی سزا کا مستحق ہو گا۔

حکم نامہ حسبِ ذیل ہے:

"ازیں جہت حسب الحکم بادشاہِ اسلام بمہر قاضی شیخ الاسلام بجانب قاضی اورنگ آباد رسید کہ نقل او این است۔

از قرار بتاریخ بیست وہفتم شہر شوال سنہ یک ہزار ونود ہجری آنکہ شریعت پناہ فضائل دستگاہ فقاہت انتباہ قاضی ہدایت اللہ بعافیت باشند دریں ولا بعرض مقدس معلیٰ رسید کہ بعضے مواضع مکتوبات شیخ احمد سرہندی ظاہر در مخالفت عقائد اہل سنت وجماعت ست ومعتقدان شیخ مذکور کہ در بلدۂ اورنگ آباد خجستہ بنیاد سکونت دارند وترویج آن پیشتر ہند وتدریس مے نمایند اعتقاداً حقیقۃً عقائد باطلہ مذکورہ دارند حکم والا شرف صدر دریافت کہ این خادم شریعت باشریعت پناہ بنویسد کہ آنہارا از نشر ودرس آں منع کند وکسے کہ معلوم شود کہ معتقد عقائد باطلہ مذکورہ است اورا بسزا شرعی رساند لہٰذا نگارش یابد کہ بر طبع حکم مطاع واجب الاتباع بعمل آرند وحقیقت برنگارند"۔[81]

[81] (معارج الولایت، ورق ۲۰۳، ب ۴ تا ۶)

یہ خط محض وضعی ہے روضۃ القیومیۃ میں ۱۰۹۴ھ (پانز دہم سال قیومیت خواجہ نقشبند) کے واقعات کے تحت لکھا ہے کہ مخالفینِ حضرت مجدد نے یہ منصوبہ بنایا کہ تین خط بادشاہ (اورنگزیب) کی طرف سے جعلی لکھ کر سرہند بھیجے گئے، جن کی بادشاہ کو مطلق خبر نہیں تھی۔ ایک حضرت قیوم ثالث (خواجہ محمد نقشبند) دوسرا حضرت شیخ سیف الدین اور تیسرا مولوی فرخ شاہ کی طرف۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات کی بعض عبارتیں بظاہر خلافِ شرع ہیں اور تمام علماء نے متفق ہو کر فتویٰ دیا ہے کہ مکتوبات کا پڑھنا پڑھانا بند کر دیا جائے۔

اصل فارسی عبارت ملاحظہ ہو:

"فکرے دیگر انگیختند سہ مکتوب جعلی از طرف سلطان (عالمگیر) دروغِ محض نوشتہ کہ سلطان ہر کہ ازان خبر نداشت از خود بسرہند ارسال داشتند یک بحضرت حجۃ اللہ (محمد نقشبند) ودویم بحضرت شیخ سیف الدین، سیوم بمولوی فرخ شاہ، برین مضمون کہ بعضے عبارات مکتوب (مکتوبات) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بظاہر شریعت موافقت ندارد تمامی علماء برین فتویٰ دادہ اند کہ درس این راموقوف کنند"۔[82]

ہمارے نزدیک معارج الولایت سے منقولہ بالا خط بھی ان ہی مذکورہ وضعی خطوط کی نوعیت کا ایک خط ہے۔ خود اورنگ زیب، خاندانِ مجددیہ کا نہایت معتقد تھا۔ یاد رہے کہ اورنگزیب حضرت شیخ سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں سلوک کی منازل طے کرتا تھا۔ بلکہ اورنگزیب اکثر کاروبارِ سلطنت سے فراغت کے بعد حضرت شیخ سیف الدین کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ

---

82 (روضۃ القیومیۃ قلمی (فارسی) از کمال الدین محمد احسان (واقعات پانز دھم سال قیومیت خواجہ محمد نقشبند) مخزونہ پنجاب پبلک لائبریری، لاھور)

کی صحبت سے فیض یاب ہوتا جو اس کی درخواست پر قلعہ کے اندر شاہی محل کے جوار میں رہنے لگے تھے۔[83] اس لئے اس قسم کے خود ساختہ فرامین کی اورنگ زیب سے امید نہیں کی جاسکتی۔ دوسرے اورنگزیب کے روزنامچے مطبوعہ صورت میں موجود ہیں۔ اگر اس قسم کا کوئی فرمان لکھا جاتا تو کم از کم ریکارڈ میں اس کی موجودگی لازم تھی۔

۱۰۹۰ھ میں اگر اورنگ آباد کی واقعی یہی حالت تھی تو ان ایام میں عبدی اورنگ آباد ہی میں مقیم تھا اور یہ ناممکن ہے کہ وہ اس فضا سے اثر پزیر نہ ہوا ہو۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ کی مخالفت میں زیادہ تر مواد عبدی کی معارج الولایت ہی میں ملتا ہے اور جیسا کہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ عبدی نے معارج ۱۰۹۲ھ میں اورنگ آباد ہی میں مکمل کی۔ مذکورہ مخالف مواد معارف الولایت کے بالکل اختتام میں درج ہے۔ معارج الولایت کے آخری حصہ پر اورنگ آباد کی اس مسموم فضاء کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔

نتیجہ

عبدی نے اپنے مشائخ کرام سے موروثی اور اکتسابی طور پر یہ نظریہ توحید وجودی پایا تھا مگر مشائخ کے کشفی ووجدانی مسائل میں اختلافات کو ادب سے برداشت کرنے کی توفیق رفیق نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا اس نے کشفی مشاہدات کے اختلاف کو ''خلاف'' کا رنگ دے کر غیر سلامتی کی راہ پر گامزن ہو کر حضرت شیخ مجدد قدس سرہٗ کی مخالفت اختیار کی۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۰۳ تا ۲۲۶)

[83] (ماٰثرِ عالمگیری، ۸۴، از محمد ساقی مستعد خان)

مکتوب نمبر ۴۴

[یہ مکتوب بھی سیادت وبزرگی کے مالک شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

حضور نبی کریم خیر البشر علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی مدح وثنا اور اس اَمر کے بیان میں کہ آپ کی شریعت کو ماننے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے سب اُمتوں سے بہتر اُمت ہیں اور آپ کی شریعت کی تکذیب کرنے والے بدترین بنی آدم ہیں۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی روشن سُنت کی پیروی کی ترغیب کے بیان میں۔

آپ کا عالی مرتبہ گرامی نامہ عزیز ترین اوقات میں تشریف لایا۔ بندہ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کا احسان ہے کہ آپ کو فقر محمدی علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی میراث ہاتھ آچکی ہے۔ فقر اُسے محبت اور ان کے ساتھ تعلق اور ارتباط اسی کا نتیجہ ہے۔ نہیں جانتا کہ یہ قصور وار بے سروسامان اس کے جواب میں کیا لکھے۔ مگر یہ کہ احادیث وکتب سیر میں چند نقل شدہ عربی فقرے جو آپ کے بے حد بزرگوار اور خیر العرب ہیں کے فضائل ومناقب میں لکھے۔ علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا۔ اور اس سعادت نامے کو اپنی نجاتِ اُخروی کا وسیلہ بنائے۔ یہ مقصد نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی مدح وثنا کرے۔ بلکہ اپنے کلام کو آپ کے ذکر شریف سے مزین وآراستہ کرے۔

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّداً بِمَقَالَتِیْ　　لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدِ

ترجمہ: میں اپنے کلام سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح وثنا نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے کلام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر سے آراستہ کرتا ہوں۔

تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے حفاظت وتوفیق کا طالب ہوں کہ بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں، تمام اولاد بنی آدم کے سردار ہیں۔ قیامت کے روز سب سے زیادہ پیروکار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کے ہوں گے۔ آپ بارگاہِ ایزدی میں سب سے پہلوں اور پچھلوں سے اکرم اور بزرگ ہیں۔ آپ ہی سب سے پہلے قبر سے باہر تشریف لائیں گے، آپ ہی سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور آپ ہی کی شفاعت سب سے پہلے مقبول ہو گی، اور آپ ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے دروازہ بہشت کھول دے گا۔ قیامت کے روز لواءِ حمد آپ ہی اٹھائے ہوں گے۔ حضرت آدم اور ان کے ماسوا سب اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ آپ ہی وہ ذات ہیں کہ خود آپ نے فرمایا کہ ہم دنیا میں آمد کے لحاظ سے سب سے پیچھے ہیں مگر قیامت کے روز سب سے آگے اور پہلے ہوں گے۔ اور آپ نے فرمایا میں بغیر فخر کے کہتا ہوں کہ میں ہی اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں، اور میں ہی تمام انبیاء کا پیشوا ہوں اور میں ہی سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والا ہوں، اور محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان سے بہتر مخلوق میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دو گروہ کئے تو مجھے بہتر گروہ میں کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف قبائل میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہتر قبیلے میں کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں پیدا کیا۔ تو میں ذات میں سب سے بہتر ہوں اور گھر کے لحاظ سے سب سے بہتر ہوں۔ اور محشر میں جب لوگ اٹھیں گے تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا۔ اور جب لوگ بارگاہِ خداوندی کی طرف چلیں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا۔ اور جب لوگ خاموش ہوں گے تو میں ان کو خطبہ دوں گا۔ اور جب وہ روک لئے جائیں گے تو میں ان کی شفاعت طلب کروں گا۔ اور جب وہ مایوس ہوں گے تو میں ان کو بشارت دوں گا۔ بزرگی اور ہر چیز کی

چابیاں اس روز میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام اولاد آدم سے اکرم واشرف ہوں۔ میرے ارد گرد میری خدمت اور خاطر داری کے لئے ایک ہزار خادم گھومتا ہو گا جو حُسن وجمال میں پوشیدہ رکھے ہوئے انڈوں کی طرح ہو گا۔ اور جب قیامت کا دن ہو گا تو میں امام الانبیاء اور ان کا خطیب ہوں گا۔ اور میں ان کا صاحبِ شفاعت ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔]

تشریح

زمین وآسمان، لوح وقلم، عرش وکرسی اور چاند وسورج وغیرہ سب ممکنات میں سے ہیں اور انہیں عالمِ کبیر کہا جاتا ہے۔ جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان کو عالمِ کبیر کے حوالے کرنا چاہا تو ان اشیاء نے اس بارِ امانت کو اُٹھانے سے عجز کا اظہار کر دیا لیکن انسان کی جامعیت دیکھئے کہ اس ایک انسان میں عالمِ کبیر کے تمام تر عناصر موجود ہیں۔ مثلاً لوح وقلم کا نمونہ انسان کے اندر "قلب" کی صورت میں موجود ہے، جس میں پورا قرآن عظیم الشان محفوظ ہے۔ اسی قلبِ انسانی کو "عرش اللہ" کا نام بھی دیا گیا ہے۔ سورج وچاند، انسان کی دو آنکھوں کی صورت میں موجود ہیں جن کی روشنی سے انسان ہر چیز کا مشاہدہ کرتا ہے لعابِ دہن کی صورت میں جسمِ انسانی کے اندر میٹھے پانی کا چشمہ اُبھر رہا ہے۔ جنت کا نمونہ بھی اس میں موجود ہے۔ ذرا سوچیئے! جنت میں بھوک وپیاس اور رفعِ حاجت کی ضرورت نہ ہو گی اور انسان میں اس کی صورت یہ ہے کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اسے رفعِ حاجت کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ جہنم کا نمونہ انسان کے اندر موجود ہونے کی علامت جسدِ انسانی کی حرارت ہے۔ پس انسان کی اسی جامعیت نے اسے کلامِ الٰہی کو اٹھانے کی ہمت وطاقت دی اور پھر یہ تاج ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبارک سر پر سجایا گیا۔ انہیں ہی رحمت اللعالمین ہونے کا شرف بخشا گیا۔ اور اتنے کمالات عطا کئے گئے جن کو احاطۂ تحریر میں لانا

انسان کے بس میں نہیں۔ بس اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ "بعد از خدا بزرگ تو‌ئی قصہ مختصر" تو ایسے عظیم القدر نبی کے طور طریقوں کو اپنا کر ہی دُنیا و آخرت کو سنوارا جا سکتا ہے۔ ورنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نافرمانی کی صورت میں دُنیا و آخرت کے دونوں جہانوں میں ندامت و پشیمانی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اس مکتوب کے آغاز میں حضرت شیخ سید فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فقرِ محمدی کی میراث کا حامل قرار دیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقر کے بارے میں چند سطور نذرِ قارئین کی جائیں۔

فقر

فقر کے لغوی معنی احتیاج اور تنگ دستی کے ہیں لیکن اس کا اصطلاحی معنی وہ ہے جس پر خود سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے عملاً مُہرِ تصدیق ثبت فرمائی ہے اور جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اسوۂ حسنہ گواہ ہے۔

فقر شریعت اور طریقت میں ایک ایسی مسلمہ اصطلاح ہے جو قرآن و حدیث اور اکابرینِ اُمت کے اقوال و احوال سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ تصورِ فقر کے بارے میں اختلافات ہو سکتے ہیں لیکن نفسِ فقر میں اختلاف یا اس کا انکار ممکن نہیں۔

فقر کا مقامِ شرف یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فقر اَ کی تعریف بیان فرمائی ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (البقرة ۲۷۳)

عہدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں جو فقر اَ مسجدِ نبوی شریف میں دنیاوی اسباب سے قطع نظر کر کے محض عبادت کے لئے بیٹھ گئے تھے۔ اُن کی خیر گیری اور رفاقت کے لئے خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو بارگاہِ رب العزت سے تاکید ہوئی تھی۔

چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ (الأنعام ۵۲)

نیز ان پر مسلسل نظرِ عنایت و شفقت رکھنے کا حکم بھی دیا گیا:

وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (الكهف ۲۸)

اور حدیثِ صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا میری اُمت کے فقر اَ اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔[84]

پس فقر اَ اور اہلِ فقر کے محمود ہونے پر یہی دلیل کافی ہے کہ قرآن و حدیث ان کے شرف کے گواہ ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَىٰ ذَالِکَ۔

اہلِ تصوف کے تصورِ فقر کے منکرین نے فقر اَ کی شان میں وارد آیاتِ مقدسہ میں تاویل کی ہے اور احادیثِ مبارکہ کی صحت کا انکار کیا ہے۔ چونکہ یہ لوگ ایک علیحدہ مکتبِ فکر کی وکالت کرتے ہیں لہٰذا ان کی یہ تنقید و انکار قبیلِ فن سے نہیں بلکہ قبیلِ فکر سے ہے۔

[84] (جامع ترمذی، ج ۲، ص ۵۸)

نیز حضرت شیخ استاد ابو القاسم قشیری (صاحبِ رسالۂ قشیریہ) حضرت شیخ ابو نصر سراج (صاحبِ کتاب اللمع) حضرت شیخ علی ہجویری (صاحبِ کشف المحجوب) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (صاحبِ عوارف المعارف) اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (صاحبِ مکتوبات) رحمہم اللہ تعالیٰ نے فقر آ اور اہلِ فقر کی فضیلت میں اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ ان کے علم و فضل کے مقابلے میں مُنکرین کی تنقید یا تحقیق کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

قدیم مشائخ میں سے ایک بزرگ شیخ احمد بن ابراہیم الواسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گزرے ہیں جن کو شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عالمِ عامل اور عارفِ کامل کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ "از کبارِ مشائخ دیارِ عرب بود و مقتدائے روزگار"۔

مذکورہ بالا بزرگ نے عربی زبان میں ایک کتاب "اَلْفَقْرُ الْمُحَمَّدِیُّ" کے نام سے لکھی ہے۔ شیخ دہلوی نے اس کا فارسی ترجمہ "تَحْصِیْلُ الْکَمَالِ الْاَبَدِیِّ بِاخْتِیَارِ الْفَقْرِ الْمُحَمَّدِیِّ" کے نام سے لکھا۔ اس میں مسلک تصوف کو ہی مسلکِ فقر قرار دیا گیا ہے اور صحیح تصوف کو فقرِ محمدی ہی ثابت کیا گیا ہے۔ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کتاب کے مطالب و معانی کی پُرزور تائید فرمائی ہے۔[85]

---

[85] (تصوفِ اسلام (ملخصًا))

فقر کی تعریف

صوفیائے کرام نے اپنے اپنے ذوق اور حال کی روشنی میں فقر کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔

شیخ ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"فقیر وہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اسے سکون حاصل ہو اور جب ہو تو اسے خرچ کرے"۔

شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"ذاتِ حق کے سوا تمام چیزوں سے قلب کے فارغ ہونے کا نام فقر ہے"۔[86]

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

حَقِیْقَتُہٗ اَنْ لَّا یَسْتَغْنِیَ اِلَّا بِاللہِ وَرَسْمُہٗ عَدَمُ الْاَسْبَابِ کُلِّھَا۔[87]

یعنی فقر کی حقیقت یہ ہے کہ صرف خدا کو اپنے حق میں کافی سمجھا جائے اور اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ تمام اسباب معدوم ہو جائیں۔

شیخ نصر بن الحمامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

اِنَّہٗ اَوَّلُ مَنْزِلَۃٍ مِّنْ مَّنَازِلِ التَّوْحِیْدِ۔[88]

یعنی فقر منازلِ توحید کی پہلی منزل ہے۔

---

86 (كشف المحجوب)

87 (رسالہ قشيريہ)

88 (كتاب اللمع)

علامہ اقبال مرحوم نے حسب ذیل اشعار میں فقر کی تعریف بیان کی ہے:

چیست فقر اے بندگان آب و گل

یک نگاہِ راہ بیں یک زندہ دِل

فقر کارِ خویش را سنجیدن است

بر دو حرف لااِلٰہ پیچیدن است

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا است

ما امینیم ایں متاعِ مصطفیٰ است

برگ و سازِ او ز قرآن عظیم

مرد درویشے نہ گنجد در کلیم

قلبِ او را قوت از جذب و سلوک

پیش سلطان نعرۂ او لا ملوک

فضائلِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار[89] ہیں اور قیامت کے روز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تابع وفرمانبردار تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو تابع وفرمانبرداروں سے زیادہ ہوں گے۔[90]

---

89 (مشکوٰۃ،ص ۵۱۱)

90 (مشکوٰۃ،ص ۵۱۲)

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب اولین وآخرین سے زیادہ بزرگ و معزز ہیں۔[91]

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم قیامت کے روز سب سے پہلے قبر مبارک سے باہر تشریف لائیں گے۔[92]

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی سب سے اول شفاعت فرمائیں گے اور سب سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے جنت کا دروازہ کھول دے گا۔[93]

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی قیامت کے روز لوائے حمد (اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش کا جھنڈا) اٹھانے والے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔[94]

اور وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی ہے جس نے فرمایا نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ یعنی قیامت کے دن ہم ہی (وجودِ ظہور کے اعتبار سے) آخرین ہیں اور ہم ہی (مرتبہ اور روز قیامت قبر سے اٹھنے کے اعتبار سے) سابقین واولین ہیں۔[95]

---

91 (جامع ترمذی، ج۲، ص ۲۰۲)

92 (مشکوٰۃ، ص ۵۱۳)

93 (جامع ترمذی، ج۲، ص ۲۰۲)

94 (جامع ترمذی، ج۲، ص ۲۰۲)

95 (مشکوٰۃ، ص ۵۱۴)

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا "میں یہ بات کسی فخر کے بغیر کہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں[96] اور بلا فخر کہتا ہوں کہ میں تمام انبیاء ومرسلین کا قائد وپیشرو ہوں اور تمام نبیوں کا خاتم (مُہر اور آخری نبی) ہوں۔[97] اور میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ بے شک جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھ کو سب سے بہتر مخلوق (یعنی انسان) میں پیدا فرمایا۔ پھر ان کو دو گروہ (عرب وعجم) بنایا اور مجھے ان میں سے بہترین گروہ میں بنایا۔ پھر ان کو قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں بنایا، پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہترین گھر میں پیدا کیا، پس میں ذات اور گھر کے لحاظ سے سب مخلوق سے بہتر ہوں۔[98]

اور جب قیامت کے روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں (قبر سے) باہر نکلوں گا۔ اور جب تمام بنی آدم حق تعالیٰ کے سامنے گروہ در گروہ پیش ہوں گے تو میں ان سب کا قائد وراہنما ہوں گا۔ اور جب وہ سب خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب وہ (جنت میں داخل ہونے سے میدانِ حشر میں) روک دیئے جائیں گے تو میں ان کا شفیع ہوں گا اور جب وہ (دیگر انبیاء علیہم السلام کے جوابوں سے) ناامید ہو جائیں گے تو میں ان کو (شفاعت کی) بشارت دینے والا ہوں گا۔ اس دن کرامت (رحمت وبزرگی) اور جنت (کے دروازوں) کی کُنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لوائے حمد بھی میرے ہاتھ میں ہو گا اور میں اپنے رب کے نزدیک تمام اولادِ آدم میں سب سے بزرگ ہوں۔ ہزار ایسے خادم (حور وغلمان) میرے گرد طواف کریں گے جو خوش نما آب دار

---

[96] (جامع ترمذی، ج۲، ص ۲۰۲)
[97] (مشکوٰۃ، ص ۵۱۴)
[98] (مشکوٰۃ، ص ۵۱۳)

سفید صدف کے اندر چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گے۔[99] اور جب قیامت کا دن ہو گا تو میں تمام انبیاء علیہم السلام کا امام اور ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مجھے اس بات پر فخر نہیں ہے۔[100]

اگر حضور انور علیہ الصلوات والتسلیمات کی ذات گرامیٔ صفات نہ ہوتی تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ خلقت کو پیدا نہ فرماتا اور اپنی ربوبیت (رب ہونے کو) ظاہر نہ فرماتا۔[101]

اور آپ اس وقت نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی آدم علیہ السلام پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کے پتلے کے لئے گارا تیار ہو رہا تھا)۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۲۹ تا ۲۳۶)

---

99 (مشکوٰۃ، ص ۵۱۴)

100 (مشکوٰۃ، ص ۵۱۴)

101 تخریجِ حدیث: اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے:

یقول اللہ وعزتی وجلالی لولاک لما خلقت الدنیا ولولاک لما خلقت الجنة واورده فی المواهب معزیا الی ابن طغریک بلفظ لولاه ما خلقتک خطابا لاٰدم علیه السلام ولا خلقت سماء ولا ارضا ثم قال ویشهد لهٰذا ما رواه الحاکم فی صحیحه عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه ان اٰدم رای اسم محمد مکتوبا علی العرش وان اللہ قال الاٰدم لولا محمد ما خلقتک قال الزرقانی روی ابو الشیخ والحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ عیسیٰ اٰمن بمحمد ومر امتک ان یؤمنوا به فلولا محمد ما خلقت اٰدم ولا الجنة ولا النار (الحدیث) واقره السبکی فی شفاء الاسقام والبلقینی فی فتاوه ومثله لا یقال رأیا وعند الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما رفعه اتانی جبریل فقال ان اللہ یقول لولاک ما خلقت الجنة ولولاک ما خلقت النار قلت معنی هذا الحدیث لا شبهة فی صحته ومطابقته نفس الامر عند کافةِ الصوفیة وعامة من سواهم فهو صحیح انشاء اللہ تعالیٰ هذا کله ما قاله العلامة محمد مراد المکی معرب المکتوبات۔

[اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دُنیا میں جلوہ فرمانہ ہونا ہوتا تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت ظاہر کرتا۔ اور آپ اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔

نماند کسے در گرو　　　　که دارد چنیں سید پیشرو

ترجمہ: کوئی شخص بھی گناہوں کی وجہ سے گرو نہیں رہے گا جبکہ وہ آپ جیسا سردار پیشوا رکھتا ہے۔]

تشریح

یہاں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دراصل حدیثِ قدسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن کے الفاظ اس طرح ہیں کہ:

لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ وَلَمَّا اَظْهَرْتُ رَبُوْبِيَّتِی۔

ترجمہ: اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم (پیدا کئے جانے والے) نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ اور اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا۔[102]

ان احادیث کو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دوسری صدی ہجری میں بیان فرمایا اور دسویں صدی میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ان کو ذکر کر رہے ہیں لیکن افسوس صد افسوس کہ ان دو بڑی ہستیوں کے ذکر کے باوجود دین سے ناواقف لوگ بلکہ اپنے آپ کو عالم کہنے والے بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ کیا یہ احادیثِ قدسی صحیح ہیں؟ یا یوں کہہ دیتے ہیں کہ کیا یہ الفاظ صحاحِ ستہ میں مذکور ہیں؟

[102] (تفسیر مظھری عربی، ج۷، ص ۴۴۴، سورۃ العلق پارہ ۳۰، آیت ۱ تا ۵)

کیا اس طرح دس صدیوں کے علماء و محدثین کو جھٹلایا نہیں جا رہا؟ کیا سابقہ فقہاء کرام سارے کے سارے جاہل تھے؟ اور اس صدی کے دین کے بعد "کم فہم" لوگ ہی عالم ہیں؟ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ایسے گمراہ لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیۃ، حصہ سوئم میں ہے:

اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

سب کچھ حضور ﷺ کیلئے پیدا ہوا کے بیان میں

جیسا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو　　　جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

محدث خیر الامم امیر المومنین خلیفۃ المسلمین غیظ المنافقین مراد رسول ﷺ، تاجدار عدالت حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم رسول محتشم نور مجسم شفیع معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

۱۔لما اقترف آدم الخطیئۃ فقال یارب اسئلک بحق محمد لما غفرت لی۔

جب حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو انہوں نے عرض کیا اے رب کریم میں تجھ سے محمد کریم ﷺ کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما اس پر اللہ تعالیٰ کریم نے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام کہ تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا ابھی تک تو ان کی تخلیق بھی نہیں ہوئی آدم علیہ السلام نے عرض کیا مولا جب تو نے مجھ اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اپنی روح مجھ میں پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے ستون پر لکھا ہوا دیکھا۔ لا الہ

الا اللہ محمد رسول اللہ۔پس میں نے جان لیا کہ تیرے نام کے ساتھ اس کا نام ہو سکتا ہے جو تجھے مخلوق میں سب سے محبوب ہے۔وقال اللہ تعالیٰ صدقت یاآدم۔اللہ کریم نے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام تونے سچ کہا کہ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیارا وہی محبوب ہے۔اب جب کہ تونے اس کے وسیلے سے دعا کی ہے توفقدغفرت لک۔پس تحقیق میں تمہیں معاف فرمادیا ہے۔اور(سن لو)ولو لا محمدما خلقتک اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔[103]

---

[103] (مستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص۶۷۲رقم الحدیث ۴۲۲۸،تفسیرروح البیان تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ج ۱ ص ۱۱۶ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان،تفسیردرمنثورتحت الآیۃ سورۃ البقرۃ ۳۷ج ۱ ص ۱۶۰ ضیاءالقرآن پبلی کیشن لاھور،ھکذافی تفسیرروح المعانی،المعجم الاوسط من اسمہ محمدج۵ص ۳۶رقم الحدیث ۶۵۰۲ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۲۰۱۳ھ،مجمع الزوائد ومنبع الفوائدکتاب علامات النبوۃباب عظیم قدرہ ج۸ص۳۲۳رقم الحدیث ۱۳۹۱۷ دارالکتب العلمیہ بیروت،کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال کتاب الفضائل سیدنامحمدﷺج ۱۱ ص۲۰۶رقم الحدیث ۳۲۱۳۵دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان،تاریخ دمشق الکبیرذکرمن اسمہ ادریس ج۷ص ۳۰۹رقم الحدیث ۱۹۷۸ دارالاحیاء التراث العربی بیروت ،تھذیب تاریخ دمشق ج۲ص ۳۶۰دارالمسیرۃ بیروت لبنان، الشفاءبتعریف حقوق المصطفیٰﷺالباب الثالث الفصل الاول فبیناوردمن ذکرمکانتہ ج ۱ ص ۱۱۳ دارالکتب العلمیہ بیروت، کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب باب خصوصیتہ ﷺبکتابۃ اسمہ ج ۱ ص ۱۲ دارالکتب العلمیہ بیروت،الریاض الانیقۃ فی شرح اسماءخیرالخلیقۃ ص ۵۴ شبیربرادرزلاھورپاکستان،نسیم الریاض فی شرح شفاءالقاضی عیاض الباب الثالث فصل فی تعظیم النبیﷺوتوقیرہ وجلالہ ج۴ص ۴۸۶دارالعلمیہ بیروت لبنان ۲۰۰۱ء،دلائل النبوۃ ومعرفۃ الاحوال صاحب الشریعۃ ج۵ص ۴۸۹دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۲۰۰۸ھ،جامع الآثارفی مولدالنبی المختارﷺج ۱ ص ۳۹۱دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۲۰۰۹ء،تفسیرالروح البیان تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ج ۱ ص۱۱۶ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان،تفسیردرمنثورتحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ج ۱ ص ۱۶۰ ضیاءالقرآن پبلی کیشن لاھور، تفسیرروح المعانی تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ج ۱ ص ۳۲۰مکتبۃ رشیدیۃ کوئٹہ پاکستان ،تفسیر فتح العزیزتحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ص ۳۷۴نوریۃ رضویہ پبلی کیشنزلاھور،المواھب اللدنیۃ المقصدالاول فی تشریف اللہ تعالیٰ ج ۱ ص ۵۲ فریدبک اسٹال لاھورپاکستان،المواھب اللدنیہ المقصدالعاشرفصل فی زیارۃ قبرہ الشریف ج۳ص ۶۲۰فریدبک اسٹال لاھورپاکستان،مصابیح السیرۃ المحمدیۃ ج ۱۲ص ۲۲۰دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۲۰۱۲ء،الوفاءباحوال المصطفیٰﷺ الباب الاول ج ۱ ص۳۳مکتبۃ نوریۃ رضویۃ فیصل آبادپاکستان ،البدایۃ والنھایۃ ج ۱ ص ۱۳۱ دارالفکربیروت لبنان،انسان العیون فی سیرۃ امین المامون باب ماجاءمن امررسول اللہ عن اخبارالیھود ج ۱ ص ۱۵ ۳دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، سبل الھدیٰ والرشادفی سیرۃ خیرالعبادجامع ابواب التوسل الباب الثانی ج ۱۲ ص ۴۰۳دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان،مدارج النبوۃ ج۲ص ۱۴ ضیاءالقرآن پبلی کیشنزلاھورپاکستان،جذب القلوب الی دیارالمحبوب ص۱۲۷۷کبربک سیلرزلاھورپاکستان،وفاءالوفاء باخباردارالمصطفیٰﷺ،الباب الثامن الفصل الاول ج۴ص ۱۹۳ مکتبۃ الحقانیۃ پشاورپاکستان،جواھر المعظم فی زیارۃ القبرالشریف النبوی المکرم ص ۲۱۲ مرکزتحقیقات اسلامیہ لاھورپاکستان، شفاءالسقام فی زیارۃ خیرالانام ص ۱۸۹ ادارہ مصباح القرآن ساھیوال پاکستان،الفتاویٰ الحدیثیہ مطلب فی ان الادلۃ

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو:

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے پاک پیغمبر حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ:

یعیسیٰ! آمن بمحمد و أمر من ادرکہ من امتک أن یؤ منوا بہ۔

یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام! تم بھی ایمان لاؤ محمد کریم ﷺ پر اور امت کو بھی حکم دو جو بھی ان کا زمانہ پائے تو ضرور ان پر ایمان لائے۔

فلو لا محمد ﷺ ما خلقت آدم۔

اگر سیدنا محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو بھی پیدا نہ کرتا۔

المعتبرۃ قامت علی تفصیل نبیناص ۳۳۲ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزات سیدالمرسلین ص ۲۵ دارالکتب العلمیۃبیروت، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۲۱۹-۲۶۵ نوریۃ رضویۃ پبلی کیشنز لاہور، جواھرالبحارفی فضائل النبی المختار ﷺ من جواھرشیخ اسماعیل حقی ج ۲ ص ۲۹۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، مولدرسول اللہ ﷺ ص ۱۹ مرکزتحقیقات اسلامیۃلاہورپاکستان، جواھرالبحارفی فضائل النبی المختار ﷺ ص ۸۶ ج ۳۲ جواھرالبحارفی فضائل النبی المختارمن جواھرابن حجرج ۲ ص ۱۳۷، حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزاۃالباب الثانی الفصل الثالث القسم الرابع ص ۵۷۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت، الانوارالمحمدیۃ من المواھب اللدنیہ المقصدالاول ص ۱۴ حقیقت کتابوی ترکی استنبول ۲۰۱۱ء، جواھرالبحارفی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۴ ص ۴۷ من جواھرالسمودی دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۹۹۸ء، مصباح الظلام باب ماجآء فی استغاثۃ سیدناآدم ابی البشربالنبی ﷺ ص ۶۰ مکتبۃ قادریۃ لاہورپاکستان، شواھد الحق فی استغاثۃ بسید الخلق ص ۲۱۷ حامداینڈکمپنی لاہورپاکستان، شفاءالنوادبزیارۃ خیرالعبادص ۲۸۲ کاروان اسلام پبلی کیشنزلاہورپاکستان، السیرۃ النبویۃ للدحلان مکی ج ۱ ص ۱۵ ضیاءالقرآن پبلی کیشنزلاہورپاکستان، (یھی حدیث شریف دیوبندیوں اورغیرمقلدین کی درج ذیل کتابوں میں موجودھے۔) شیخ ابن تیمیہ کتاب الوسیلۃ ص ۹۰ اسلامی اکیڈمی لاہور، شیخ اشرف علی تھانوی نشرالطیب ص ۱۳ تاج کمپنی لمیٹڈلاہور، شیخ زکریاکاندھلوی فضائل درودشریف ص ۱۵۶ کتب خانہ اشرف کراچی پاکستان، شیخ عنایت شاہ باغ جنت ص ۳۶۱ مکتبۃالحسن لاہور، مفتی حبیب دیوبندی تحقیق مسئلہ توسل ص ۶۸ سرگودھاپاکستان، عابدمیاں رحمۃ اللعلمین ص ۳۹۷، ۱۵۹، ۱۳۶، ۹۲ محمددین اینڈسنز کراچی پاکستان، ھدیۃ المھدی ص ۴۸ چشتی کتب خانہ فیصل آباد)

نوٹ: امام حاکم، علامہ سمھودی، علامہ خفاجی، علامہ زرقانی، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیھم اجمعین نے اس حدیث کو صحیح قراردیاھے۔

ولولا محمد ﷺ ماخلقت الجنة ولا النار۔

اوراگر سیدنا محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دوزخ۔

ولقد خلقت العرش علی المآء فاضطرب فکتبت لا اله الا الله محمد رسول الله فسکن۔

اورجب میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو مضطرب ہوا تو میں نے اس پر **لا اله الا الله محمد رسول الله** لکھا تو وہ ٹھہر گیا۔[104]

نہ جنت ہوتی نہ دوزخ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور شہنشاہ حسینان عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اتانی جبریل فقال یامحمد ﷺ لولاک ماخلقت الجنة ولولاک ماخلقت النار۔

جبریل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ اگر آپ نہ ہوتے تو نہ جنت کو پیدا کیا جاتا اور نہ دوزخ کو۔[105]

---

[104] (مستدرک علی الصحیحین کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاءباب ذکرسیدالمرسلین ج۲ص۶۷۲رقم الحدیث ۴۲۲۷دارالکتب العلمیه لبنان،مصابیح السیرة المحمدیة ج ا ص ۸۶دارالکتب العلمیه بیروت، کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب باب خصوصیبته ﷺ ج ا ص ۱۴ دارالکتب العلمیه لبنان، حاشیه شهزاده علی الخرپوتی ص ۱۷نورمحمداصح المطابع کراچی،الوفاءباحوال المصطفیٰ ﷺباب الاول ص۴۸حامداینڈکمپنی لاهورپاکستان،تفسیرروح البیان ج۶ص۲۰الفتاویٰ الشهاب الدین الرملی ص۲۹۴سورة الفرقان الآیة دارالکتب العلمیة بیروت،شواهدالحق فی الاستغاثة فی سید الخلق ﷺص ۲۶۵ حامداینڈکمپنی لاهورپاکستان،الفتاویٰ الحدیثیة مطلب فی ان الادلة المعترة ص ۳۳۲دارالکتب العلمیه بیروت لبنان،اس حدیث شریف کے متعلق امام حاکم لکھتے ہیں۔هذاحدیث صحیح الاسنادیعنی اس حدیث کی سند صحیح ہے۔)

[105] (الاسرارالمرفوعة فی اخبارالموضوعة ص۱۹۴قدیمی کتب خانه کراچی،کنزالعمال کتاب فضائل نبینامحمد ﷺ ج ۱۱ ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۳۲۰۲۲دارالکتب العلمیه بیروت لبنان۔مصابیح السیرة المحمدیة ج ا ص ۸۶دارالکتب العلمیةبیروت لبنان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی حدیث قدسی مروی ہے کہ حضور جان کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یقول اللہ عزوجل وعزتی وجلالی لولاک ماخلقت الجنۃ ولولا ماخلقت الدنیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم، اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دنیا کو پیدا کرتا۔[106]

یہاں ہم قارئین کی ضیافت طبع اور حدیث شریف کی وضاحت کیلئے مناظر اہلسنت، منبع علم وحکمت، عالم باعمل، شیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا محمد عنایت اللہ قادری رضوی حامدی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۸۱ کا ایک ملفوظ درج کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ جنت ہوتی اور نہ دوزخ۔ ارے جنت جنت کرنے والو! جنت بھی مصطفیٰ ﷺ کے صدقے میں بنی ہے بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ جس طرح کوئی اپنے محبوب کے سر کا صدقہ دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی شان کے لائق اپنے محبوب وحبیب ﷺ کے سر کا صدقہ بنادی۔ (اپنی مخلوق کیلئے)۔

[106] (مسندالفردوس، بماثور الخطاب، باب الیاء، ج۵، ص۲۲۷، رقم الحدیث ۸۰۳۱ دار الکتب العلمیہ بیروت، الاسرار المرفوعہ فی اخبار الموضوعۃ رقم الحدیث ۷۵۵ ص۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ج۱ ص۷۵ الباب الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

نہ زمین وآسمان ہوتے

الامام ،المحدث،سیف الدین ابی جعفرابن طغربک رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الدرالنظیم فی مولدالنبی الکریم،میں لکھتے ہیں کہ:اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کوپیدافرمایاتوان کوالہام فرمایاکہ وہ بارگاہ خداوندی میں یوں عرض گزارہوں:

یارب لم کنیتنی ابامحمد۔

یعنی اے میرے رب عزوجل!میری کنیت ابومحمد کیوں ہے؟

قال اللہ تعالیٰ:یاآدم ارفع رأسک۔

اللہ کریم جل جلالہ نے ارشادفرمایا:اے آدم اپناسراٹھاؤ۔

فرفع رأسه فرای نورمحمدعلی سرادق العرش۔ پس انہوں نے سراٹھایاتودیکھاکہ نورمحمدعرش کے اردگردچھایاہواہے۔

فقال یارب ماھذاالنور؟ عرض کیایااللہ یہ نورکیساہے؟**قال ھذانورنبی من ذریتک اسمه فی السماء احمد وفی الارض محمد۔** ارشادہواکہ یہ نوراس نبی کاہےجوتیری اولادمیں سےہوگااس کانام آسمانوں میں احمدہوگااورزمین میں محمد ﷺ۔

لولاہ ماخلقتک ولاخلقت سماءولاارضا۔

اگرمحمد ﷺ نہ ہوتے تومیں نہ تجھے پیداکرتااورنہ زمین وآسمان کوپیداکرتا۔[107]

---

[107] (مواھب اللدنیه مع زرقانی باب فی تشریف اللہ تعالیٰ ،ج ا ص ۸۵-۸۶دارالکتب العلمیه بیروت لبنان، الانوارالمحمدیة من المواھب اللدنیه المقصدالاول فی تشریف اللہ تعالیٰ...ص ۱۳-۱۲ حقیقت کتابوی ترکی،جواھرالبحارفی فضائل النبی المختار،من جواھرسیدعبداللہ مرغنی،ج۴ص ۱۲۱ دارالکتب العلمیه بیروت استنبول)

نہ جن ہوتے نہ فرشتے

علامہ صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ لو لاک ماخلقت سمآء ولاارضاًولاجناولاملکا۔ اے پیارے محبوب ﷺ اگر تم نہ ہوتے تو نہ میں آسمانوں کو پیدا کرتا اور نہ زمین کو جنات کو اور نہ ہی فرشتوں کو پیدا فرماتا۔[108]

نہ عرش ہوتا نہ کرسی نہ لوح و قلم

علامہ شیخ محمد المغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ فبینماآدم یسیر فی الجنۃ۔ آدم علیہ السلام جنت میں سیر کر رہے تھے کہ (کیا دیکھا) اذرای نورسیدنامحمدفی سرادق العرش۔ انہوں نے دیکھا کہ نور محمد ﷺ عرش کے کناروں پر واسمہ مکتوباعلیہ ومقرونا باسم الرب جل جلالہ اور محمد ﷺ کا نام نامی اسم گرامی عرش پر لکھا ہے اور وہ رب تعالیٰ جل جلالہ کے نام مبارک کے ساتھ تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا یارب من ھذاالذی قرن اسمہ باسمک اے میرے رب عزوجل یہ کون ہے جس کا نام تیرے نام کے ساتھ لکھا ہے قال ھذانبی من ذریتک اسمہ فی السماءاحمدوفی الارض محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ ارشاد ہوا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے نبی ہیں جن کا نام آسمانوں پر احمد اور زمین پر محمد (ﷺ) ہے۔ فلو لاہ ما خلقتک و لا خلقت عرشا و لا کرسیا و لا لوحا و لا قلما و لاسماء ولا ارضا و لا جنۃ ولا نارا و لا دنیا ولا اخری۔ اے آدم! اگر یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ عرش و کرسی کو پیدا کرتا نہ لوح و قلم

---

[108] (جواھر البحار فی فضائل النبی المختار من جواھر الصماوی ج۴ ص ۴۹ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۹۹۸ء)

کوپیدا کرتا نہ زمین وآسمان کو پیدا کرتا نہ جنت ودوزخ کو پیدا کرتا اور نہ دنیا کو پیدا کرتا اور نہ آخرت کو پیدا کرتا۔ [109]

معلوم ہوا کہ ساری کائنات رب کائنات نے اپنے محبوب علیہ السلام کی محبت ووجاہت وعزت کی خاطر پیدا فرمائی۔ کیا خوب قلم اٹھایا بریلی کے تاجدار علیہ رحمۃ الغفار والستار نے:

زمین وماں تمہارے لئے، مکین ومکاں تمہارے لئے
چنین وچناں تمہارے لئے، بنے دوجہاں تمہارے لئے

وہ کنز نہاں یہ نور فشاں وہ کن سے عیاں یہ بزم فکاں
یہ تن وجاں یہ باغ جناں یہ سارا ساماں تمہارے لئے

یہ شمس وقمر یہ شام وسحر یہ برگ وشجر یہ باغ وثمر
یہ تیغ وسپر یہ تاج وکمر یہ حکم رواں تمہارے لئے

نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی نہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لئے [110]

نہ سورج ہوتا نہ چاند

ایک روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چاند نہ ہوتا تو آسمان کا چاند بھی نہ ہوتا اور اگر یہ نبوت ورسالت کا سورج طلوع نہ ہوتا تو آسمانوں کا سورج بھی نہ ہوتا۔ اگر یہ نور ہے آفتاب کا تو صدقہ اسی عالی جناب کا اگر وجود کا ماہتاب کا تو بھی وسیلہ ہے رسالت

---

[109] (کاروان قمر جنوری ۲۰۱۶ ص ۳۱، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ج ۳ ص ۳۷۷ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[110] (حدائق بخشش حصہ دوم ص ۷۳-۷۲ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

مآب کا، پڑھیئے علامہ نبہانی علیہ رحمۃ الوہاب کا۔ ولاالطول ولاالعرض۔ اور نہ لمبائی کو نہ چوڑائی کو ولاوضع ثواب ولاعقاب۔ اور نہ ثواب، عذاب کا تقرر ہوتا ولاخلقت جنۃ ولانارا۔ اور نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دوزخ کو پیدا۔ ولا شمسا ولا قمرا۔ اور نہ سورج کو پیدا کرتا اور نہ چاند کو پیدا کرتا۔[111]

باعث تخلیق کائنات

صحابیٔ رسول حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام حضور جانِ کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا رب عزوجل فرماتا ہے کہ اگر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے تو آپ (ﷺ) کو اپنا حبیب بنایا ہے، میری مخلوق میں آپ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی بھی عزت والا نہیں۔ ولقد خلقت الدنیا واھلھا لاعرفھم کرامتک ومنزلتک عندی۔ یعنی میں نے دنیا اور دنیا والوں کو اس لئے پیدا کیا کہ ان کو آپ (ﷺ) کے مقام و مرتبہ کی پہچان کراؤں اور بتاؤں کہ میرے نزدیک آپ کا کیا مرتبہ اور مقام ہے۔ ولولاک ماخلقت الدنیا۔ اور اگر آپ (ﷺ) نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔[112]

---

[111] (جواھرالبحارفی فضائل النبی المختارج۲ص۲۴۶دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان،من جواھرابن حجرج۲ص۸۶دارالکتب العلمیہبیروت)

[112] (تاریخ دمشق الکبیرج۲ص۲۳۶دارالفکربیروت/تھذیب تاریخ دمشق ج۱ص۳۲۳دارالمھرہ، سبل الھدیٰ والرشادج۱ص۷۵دارالکتب العلمیہ ،المواھب اللدنیہ ج۱ص۵۳مقصدالاول فی تشریف اللہ تعالیٰ...فریدبک سٹال لاھور،مصابیح السیرۃ المحمدیۃ ص۱۲۰-۱۲۱دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان،مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص۴۶۵نوریہ رضویہ پبلی کیشنزلاھور،جواھرالبحارفی فضائل النبی المختارﷺج۲ص۲۶۹دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان،الانوارالمحمدیۃمن المواھب اللدنیہالمقصدالاول ص۱۵-۱۴حقیقت کتابوی ترکی استنبول)

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر

مفسر قرآن علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ہجری ۱۱۲۷ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ: خالق مصطفیٰ جل وعلانے اپنے پیارے مصطفیٰ ﷺ سے ارشاد فرمایا: **لولاک یامحمدماخلقت الکائنات**۔ یعنی اے محمد ﷺ! اگر تم نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔[113]

دوسرے الفاظ یوں ہیں:

لولاک لماخلقت الافلاک ۔ محبوب پیارے (ﷺ)! اگر تو نہ ہوتا میں ہفت افلاک کو بھی پیدا نہ کرتا۔[114]

نوٹ: دیوبندی علماء کی بھی ایک کثیر تعداد نے حدیث لولاک یعنی مندرجہ بالا حدیث لکھی ہے چند ایک حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔[115]

---

[113] (جواھر البحار ج ۲ ص ۳۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت، تفسیر روح البیان ج ٦ ص ۲۰٦ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[114] (کاروان قمر جنوری ۲۰۱٦ء ص ۳۱، روح البیان فی تفسیر القرآن ج ۹ ص ۴۹۴ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، روح البیان فی تفسیر القرآن ج ٦ ص ۱٦٦ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، مکتوبات امام ربانی ج ۲ دفتر ۳ رقم المکتوب ۱۲۲ ص ۵٦۰ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور، روح البیان فی تفسیر القرآن ج ۵ ص ۵۳٦ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، شرح شفاء ج ۱ ص ۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، انیس الجلیس ص ۱۳۵ اویسی بک سٹال گوجرانوالہ پاکستان، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۲۱۹ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاھور، عصیدۃ الشھدۃ شرح قصیدۃ البردۃ ص ۷۱ نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب کراچی، الزبدۃ شرح قصیدۃ بردہ ص ۸۳ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاھور شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین ص ۱۸٦ دار الاشاعت کراچی، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۱ ص ۳۴۸ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۲ روح البیان ص ۳۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۳ ص ۴۳۳ من جواھر سید احمد عابدین دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۴ ص ۲۱۰ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ۱ ص ۲۷٦ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، کشف الخفاء، تحت حرف اللام ج ۲ ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی، مجموعہ رسائل لکھنوی الآثار المرفوعہ ج ۵ ص ۳۳ انتشارات شیخ الاسلام احمد وجام)

[115] (فتاویٰ رشیدیہ حصہ ۲ ص ۱۳۴ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی پاکستان، الشھاب الثاقب ص ۴۷ کتب خانہ رحیمیہ یوبندسھارن پوربھارت، براھین القاطعہ افادات شاہ عبدالغنی پھولی نوری مرتب حکیم محمد اختر ص ۱۱۰ کتب خانہ مظھری کراچی، صدائے محراب ج ۱ ص ۳۳۴ ادارہ تالیفات ختم نبوت لاھور، ٦۳ نکات میلادالنبی ص ۱۳۵ ادارۃ نشریات اھلسنۃ جامعہ ابی صدیق عمر کالونی کبیروالا، شرف المصطفیٰ ص ۲۳ شعبہ نشرواشاعت مجلس صیانۃ مسلمین ھارون آباد

حضرت شیخ الحدیث محمد نصر اللہ خان نور اللہ مرقدہ جعل الجنۃ مثواہ بحرمۃ سید الانبیاء والمرسلین مقدمہ عید میلاد النبی ﷺ میں لکھتے ہیں کہ:

اسعدک اللہ تعالیٰ بدانکہ آن صاحب تاج لولاک سید الارض والافلاک وما فیھن شہنشاہ کونین سرور دارین وہ ذات ہے جو ہر ذات سے برتر۔اس کی ہر ہر صفت کونین کی تمام صفات سے اعلیٰ اور ہر عیب و شین سے منزہ و مبراء ہے کائنات کے کل فضائل اعلیٰ و کمالات بالا کا منبع و سرچشمہ ساری خدائی کا مرجع و منشاء ہے ہر زین سے مزین و پیراستہ اور تمام اخلاق جمیلہ سے آراستہ و شائستہ ہے آپ ہی وہ انسان کامل ہیں جس کو خالق عالم اپنی جمال ذات و اپنی تمام صفات جلال و جمال کا مظہر اتم بلکہ شفاف آئینۂ اُفحم گردانا ہے۔پوری خدائی کو آپ ﷺ ہی کی خاطر ہستی پر ظاہر فرمادیا ہے۔پس فیض وہدایت عرفان و دلالت میں ہر ایک شئے آپ ﷺ کی محتاج رہی کہ خالق عالم نے جس کو جو بھی عطا کیا یا جو بھی جس سے لے لیا یہ سب آپ ﷺ ہی کیلئے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حضرت ﷺ سے نبیوں کو نبوت ملی آپ ﷺ کی خاطر ولیوں کو ولایت سے نوازا گیا آپ ﷺ کی خاطر ثواب وعقاب کی خاطر غرض کہ مقصود ذات اوست دیگر جملگی طفیل۔ منظور نور اوست دیگر جملگی ظلام۔

بھاولنگر،تقاریر اسعد محمود مکی ص ۱ مرکز الشیخ زکریا فیصل آباد،مضامین ومقالات عبدالحکیم سکھروی ص ۳۴۲ ادارة المعارف کراچی، احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۴ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی،ملفوظات محدث کشمیری ص ۱۸۴ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان،باادب بانصیب ص ۳۷ مکتبہ الفقیر فیصل آباد،فضل الرحمٰن دھرم کوٹی بھارستان شرح اردو بوستان ص ۲۵ مکتبة المصباح لاھور)

کہ **لو لاک لو لاک لماظھرت الر بو بیۃ**۔اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے اور اگر نہ ہوتے تو میں ہر گز ہر گز اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ فرماتا اور ظاہر کہ اگر ربوبیت کا ظہور نہ ہو تا تو یقیناً مربوبیۃ نہ ہوتی کوئی شئے نہ ہوتی کہ ماسوی اللہ ،اللہ کے مربوب ہیں خدائی کا ظہور اسی نور کی خاطر رہا ہے۔[116]

مولانا فقیر ابوالفیض ابو محمد حبیب الرحیم **"الدولۃالمدنیۃبالمادۃالغیبیۃ"** میں لکھتے ہیں کہ:

لو لاک لما خلقت الدنیا۔

یعنی اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا۔

دنیا میں تحت الثریٰ تک جو کچھ بھی ہے تمام آپ ﷺ کی خاطر اور آپ ﷺ کیلئے پیدا فرمایا گیا ہے اور آپ ﷺ تمام اشیاء کی اصل اور منبع ہیں۔

جیسے خود حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

انا من نور اللہ و کل شئی من نوری۔

میرا نور اللہ کے نور سے مخلوق ہے اور تمام اشیاء (عرش معلیٰ سے تحت الثریٰ تک) میرے نور مطہر سے ظہور میں آئے ہیں۔

یعنی تمام اشیاء میرے نور مطہر میں ودیعت رکھی ہوئی تھیں یکے بعد دیگرے ظہور میں آئیں اور جیسے حدیث قدسی میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔**لو لاک لما خلقت الافلاک** یعنی اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ کو ظہور میں نہ لاتا تو آسمانوں کو پیدا نہ فرماتا اور **لو لاک لما ظھر ربو بیۃ**۔یعنی اور اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ کو پیدا نہ فرماتا تو اپنی خدائی کو ظہور میں نہ لاتا۔

---

[116] (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۸ و کذاجآءفی الحدیث القدسی حدیث الاسراءلو لاک لما خلقت الافلاک)(ص ۴)

علمائے دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیاہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے محمد ﷺ کانام مبارک عرش پر لکھادیکھااور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایاکہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدانہ کرتا۔[117]

لولاک لماخلقت الافلاک حدیث قدسی ہے کہ اے محبوب ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تومیں دنیاکوپیدانہ فرماتااس حدیث شریف کو عظیم المرتبت محدثین کرام علیہم الرحمۃ کے علاوہ دیوبندیوں کے نہایت ہی مستند مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب عطر الوردۃ میں درج کیاہے مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ آپ ہی باعث ایجاد خلق ہیں کہ **اول ماخلق اللہ نوری وقال اللہ تعالیٰ مخاطبا لآدم علیہ السلام لولاہ ماخلقتک وورد ایضاً لولاک لماخلقت الافلاک**۔[118]

مولوی ذوالفقار علی دیوبندی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اگر وہ حضور پرنور ﷺ نہ ہوتے تو دنیاخود عدم سے وجود کی طرف نہ آتی اور موجود نہ ہوتی خلاصہ یہ ہے کہ خود دنیاکاوجود رسول پاک ﷺ کے طفیل سے ہے۔

ہے انہیں کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار　　　　گر وہ نہ ہوں عالم نہ ہو گر وہ نہ تھے عالم نہ تھا

شیخ الامام قدوۃ الانام شیخ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی لئے عرض کیاہے:

وکیف تدع الی الدنیاضرورۃمن　　　　لولاہ لم تخرج الدنیامن العدم

[117] (نشر الطیب ص ۱۰ مطبوعہ دیوبند)

[118] (عطر الوردہ ص ۲۴ دیوبند)

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں اور کیوں کر دنیا کی طرف ضرورتیں ایسے نفس زکی کو بلاسکتی ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے اور دنیا میں جلوہ افروزی نہ فرماتے تو دنیا عدم سے منصۂ شھود پر ظاہر نہ ہوتی۔

محمد (ﷺ) کی جلوہ نمائی نہ ہوتی — تو دارین میں روشنائی نہ ہوتی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ لولاہ لما خلق اللہ سبحانہ الخلق ولما اظہر الربوبیۃ۔

اگر حضور پر نور ﷺ کی ذات بابرکات نے اس عالم دنیا میں ظہور نہ فرمانا ہوتا تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا ہی نہ فرماتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کا اظہار فرماتا۔

مولوی ذوالفقار علی دیوبندی جو کہ طائفہ دیوبندیہ کے جید عالم اور مدرسہ دیوبند کے چشم وچراغ ہیں نے بھی حدیث قدسی اس طرح درج کی ہے۔لولاک لماخلقت الافلاک ولولاک لماظھرت الربوبیۃ ۔یعنی اے میرے محبوب ﷺ !اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا ہی نہ فرماتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ فرماتا۔

گر ارض وسما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو — یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

مولوی رشید احمد صاحب دیوبندی احسن الفتاویٰ میں لکھتے ہیں۔امام شہاب الدین احمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری نے کتاب مواہب اللدنیہ میں نقل کیا ہے:

قال اللہ تعالی: یا آدم ارفع رأسک، فرفع رأسه فرأی نور محمد-صلی اللہ علیه وسلم- فی سرادق العرش، فقال: یا رب، ما هذا النور؟ قال: هذا نور نبی من ذریتک اسمه فی السماء أحمد، وفی الأرض محمد، لولاه ما خلقتک ولا خلقت سماء ولا أرضا۔[119]

یہ روایت حضرت شیخ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی انوار محمدیہ میں لائے ہیں۔مذکورہ دونوں کتابوں (مواہب اللدنیہ اورانوار محمدیہ) میں حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تابعی کا قول منقول ہے۔حضرت کعب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تورات و انجیل کے بھی بڑے عالم تھے اور قرآن وحدیث کے بھی بڑے ماہر تھے۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ان آدم وجمیع المخلوقات خلقوا الاجل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رواہ البیهقی۔

حق تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے: لولاک لما اظهرت الربوبیة۔

(دیوبند کے) حضرت حکیم الامت الشاہ اشرف علی تھانوی نشر الطیب میں تحریر کرتے ہیں:

عن عمر الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اللہ تعالیٰ لآدم یآدم لولامحمدماخلقتک رواہ حاکم وصححه البیهقی والطبرانی ۔قال اللہ تعالیٰ یآدم لولامحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماخلقتک وھوآخر الانبیاء۔[120]

علامہ امام زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مواہب اللدنیہ ج ا میں لکھتے ہیں:

عن ابی الشیخ والحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسی بن مریم علیه السلام ۔یاعیسیٰ !لولامحمدماخلقت آدم ولاالجنة ولاالنارو روی الحاکم مثله وصححه وروٰہ السبکی والبلقینی، قال اللہ تعالیٰ وعزتی وجلالی لولامحمدماخلقت

---

[119] (احسن الفتاوی ص ۴۸۵، المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة ج ا ص ۴۷ المکتبة التوفیقیة، القاهرة-مصر)

[120] (الدرر النظیم فی مولد النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

عرشاولاکرسیاولاسمآءولاارضاولاجنة ولاناراولالیلاولانهاراوماخلقت جمیع الاشیاء الااکراماللذی سمیته محمداﷺ۔(مولدالنبیﷺللقطب الربانی الشیخ عبدالرحیم البرعی)هذاماظهرلی فی هذاالباب۔[121]

حدیث لولاک کی تحقیق

حدیث لولاک لماخلقت الافلاک اگرچہ اس حدیث کے الفاظ کے بارے میں محدثین حضرات نے کلام کیاہے لیکن معنیٰ ومضمون کے اعتبارسے یہ ثابت ہےاورایک حقیقت نفس الامرہےجوکہ دوسری روایات سے ثابت ہےاورجن علماءسےانکارمنقول ہےوہ بھی الفاظ ہی کے بارے میں ہے معنیٰ کے بارے میں نہیں ہے چنانچہ خودملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے بارے میں رقمطرازہیں کہ اگرچہ علامہ صنعانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نےاسے موضوع کہاہے لیکن معنیٰ کے اعتبارسےثابت ہے حدیث لولاک لماخلقت الافلاک قال الصنعانی انه موضوع کذافی الخلاصة لکن معناه صحیح فقدروی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهمامرفوعااتانی جبریل فقال یامحمدلولاک ماخلقت الجنةولولاک ماخلقت النار وفی روایةابن عساکرلولاک ماخلقت الدنیا۔[122]

وفی حدیث سلمان عندابن عساکر قال:«هبط جبریل علی النبی صلی اللہ علیه وسلم- فقال:إن ربک یقول:إن کنت اتخذت إبراهیم خلیلا، فقداتخذتک حبیبا، وماخلقت خلقا أکرم علی منک، ولقد خلقت الدنیا وأهلها لأعرفهم کرامتک ومنزلتک عندی، ولو لاک ماخلقت الدنیا۔[123]

---

[121](احسن الفتاویٰ ص ۲۸۶)

[122](موضوعات کبیر ص ۵۹ حرف اللام)

[123](مواهب اللدنیا ج ا ص ۸۳ بحواله فتاویٰ حقانیة اکوڑه خٹک ج ۲ ص ۲۰۳)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْھُمَا، قَالَ: أَوْحَى اللّٰہُ إِلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا عِيسَى آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأْمُرْ مَنْ أَدْرَكَهُ مِنْ أُمَّتِكَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِهِ فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہِ فَسَكَنَ۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی اے عیسیٰ علیہ السلام !ایمان لا محمد ﷺ پر اور تیری امت سے جو لوگ ان کا زمانہ پائیں انہیں حکم کر کہ ان پر ایمان لائیں کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا نہ جنت دوزخ بناتا جب میں نے عرش کو پانی پر بنایا اسے جنبش تھی میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا پس ٹھہر گیا۔[124]

شیخ المشائخ استاذ العلماء والمجاہدین بقیۃ السلف مناظر اسلام محمد لعل الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب التجلیات الرحمانیۃ فی معادن الحقائق الاسلامیہ میں بہت زیادہ تحقیق فرمائی ہے۔اس کا مطالعہ کریں تاکہ سب شکوک وشبہات ختم ہو جائیں۔[125]

حقیقت محمدی ﷺ اور تعین اول ”حب“

فقیر صدیق احمد القریشی الہاشمی الدیوبندی شفاء القلوب میں لکھتے ہیں کہ سلوک کی کتابوں میں تعین حبی کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے چنانچہ سالکین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ تعین حبی کے کیا معنیٰ ہیں۔اگر سالکین تعین حبی کو سمجھ لیں تو یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ حقائق انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات کے ان اسباق کا تعلق حب سے کیوں ہے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ

---

[124] (المستدرک للحاکم کتاب التاریخ کان رسول اللہ ﷺ اجود الناس بالخیر دار الفکر بیروت ج ۲ ص ۶۱۵)

[125] (ص ۲۶۸) التجلیات الرحمانیۃ فی معادن الحقائق الاسلامیہ

اللہ تعالیٰ نے دفتر اول مکتوب نمبر ۸۵ میں فرمایا ہے کہ ان چیزوں میں سے جن کا جاننا ضروری ہے یہ ہیں کہ ہمارے نزدیک تعین کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حق تعالیٰ عزوجل نیچے اتر آیا۔ پس وہ حب یاوجود ہو گیا بلکہ تعین کے معنی صدور (ظہور) کے ہیں کیونکہ وہ تنزیہ کے زیادہ لائق ہے اور انبیاء کرام کی زبان کے زیادہ مناسب ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ دفتر سوم مکتوب ۲۲ میں فرماتے ہیں کہ حقیقت محمدی ﷺ جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے، اس کے متعلق مراتب ظلال طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے کہ وہ تعین اور ظہور حبی ہے جو مبداء ظہورات اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے۔

جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے:

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔

یعنی میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔[126]

سب سے پہلی چیز جو اس پوشیدہ خزانے سے ظہور کے میدان میں جلوہ گر ہوئی وہی حب ہے جو مخلوق کی پیدائش کا سبب بنی اگر یہ حب نہ ہوتا تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتا حدیث قدسی لولاک لما خلقت الافلاک۔ اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا (کشف الخفاء ص ۲۱۴۳) کے راز کو جو کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والتسلیمات کی شان میں واقع ہے اس جگہ تلاش کرنا چاہیئے۔ اور لولاک لما اظہرت الربوبیۃ۔ اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا[127] کی حقیقت اس مقام میں طلب کرنی چاہیے تمام تعینات کے مبادی

---

[126] (کشف الخفاء ص ۲۱۶)

[127] (کشف الخفاء ص ۴۳-۴۱)

اعتبارات ہوتے ہیں ۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب سے پہلا اعتبار کون سا ظاہر ہوا۔ چنانچہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ خدا کا پہلی بار مخلوق کو پیدا کرنے کا علم تعین اول ہے۔ دیگر حضرات نے فرمایا کہ ارادۂ تخلیق تعین اول ہے لیکن امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ عجیب بات فرماتے ہیں کہ حب یعنی یہ چاہنا کہ میں پہچانا جاؤں تعین اول ہے اور یہ سب سے پہلا اعتبار ہے جو ظاہر ہوا اب جب اللہ تعالیٰ نے ظہور فرمایا توسب سے پہلے نور محمدی ﷺ کی تخلیق ہوئی۔شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ہے حب ذاتیہ تمام کمالات کا سبب و آغاز ہے۔ پھر دوسرا اعتبار جب اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا وہ وجودی ہے جو ایجاد کا مقدمہ ہے اس لئے تعین وجودی تعین حبی کا ظل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (الاحزاب ۷)

ترجمہ: اور جب ہم نے تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات سے عہد لیا اور آپ ﷺ سے اور اس طرح نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے۔" اس آیت کریمہ میں عالم ارواح کی ترتیب میں آپ ﷺ کو سب پر مقدم کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش سب سے پہلے ہوئی ہے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کنت اولا النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث۔ تخلیق کے اعتبار سے میں سب سے اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے میں سب سے آخری نبی ہوں۔[128]

---

[128] (کشف الخفاء ص ۲۰۹)

ایک اور حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا:

لو لاک لما خلقت الافلاک و لما اظہرت الربوبیۃ۔

"اے محمد ﷺ! اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمانوں یعنی عالم کو پیدا نہ کرتا اور ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا"۔[129]

اعتراض

یہ حدیث تو موضوع ہے صنعانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے اور علامہ علی قاری نے لکھا ہے۔

جواب

ہمارے پاس علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری کی کتاب کے تین نسخے ہیں ایک عربی، ایک دیوبندی، ایک غیر مقلدین کا ترجمہ۔ آیئے ہم اصل عبارات و ترجمہ نقل کرتے ہیں جس سے حقیقت حال واضح ہو جائے گی چنانچہ عظیم حنفی محدث علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری لکھتے ہیں: لو لاک لما خلقت الافلاک....قال الصنعانی انه موضوع کذافی(الخلاصة)لکن معناه صحیح۔[130]

دیوبندی ترجمہ: علامہ صنعانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے البتہ اس کا مضمون صحیح ہے۔[131]

---

[129] (کشف الخفاء ص ۲۳-۲۱، شفاء القلوب ص ۵۳۴، غیاث اللغات مع منتخب اللغات و چراغ ہدایت مولانا محمد غیاث الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لو لاک حدیث قدسی کھاھے۔ص ۹۱۲)

[130] (موضوعات کبیر ص ۹۴ ۱ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[131] (موضوع روایت ص ۲۲ ۱ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اہلحدیث ترجمہ: صنعانی کہتے ہیں کہ یہ موضوع ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے لیکن اس کا معنیٰ صحیح ہے۔[132]

دیکھئے ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب کی مکمل عبارت مع ترجمہ آپ کے سامنے ہے اس میں صرف ایک علامہ صنعانی جن کا نام بھی ذکر نہیں کیا کے حوالے سے لکھا کہ وہ موضوع کہتے ہیں۔ ملا علی قاری نہیں، بلکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو اس کا دفاع کیا اور کہا کہ معناً یہ صحیح ہے علامہ علی قاری نے اپنی دوسری کتابوں میں علامہ صنعانی کا قول ذکر کے اس کی حدیث کو معناً صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ علی قاری، شرح شفاء اور الزبدۃ العمدۃ۔

بلکہ علامہ علی قاری نے تو موضوعات کبیر میں اس کو معنوی طور پر صحیح قرار دے کر اس کی تائید میں حدیث مرفوع ذکر کی ہے۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فقدروی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا اتانی جبریل فقال یامحمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لو لاک ماخلقت الجنۃ و لو لاک ماخلقت النار۔[133]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے محمد ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو نہ میں جنت پیدا کرتا نہ دوزخ۔

ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔[134]

نوٹ: دیوبندی ترجمہ میں اس حدیث کو نکال دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔[135]

---

[132] (موضوعات کبیر اردو ص ۲۶۵ نعمانی کتب خانہ لاہور)

[133] (الاسرار المرفوعۃ فی احادیث الموضوعۃ ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[134] (موضوعات کبیر اردو ص ۲۶۵ اہلحدیث ترجمہ نعمانی کتب خانہ لاہور)

[135] (موضوع روایات ص ۱۲۲ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

میں کہتاہوں کہ جن احادیث سے حدیث لولاک کی تائید ہوتی ہے کیانامعلوم صنعانی کے کہنے پر ان کو ٹھکرادیاجائے گا؟ تین روایات حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اورایک حدیث حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اور دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث کو مرفوعہ قرار دیاہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس کے مرفوع ہونے کو بیان کیا۔اب مرفوع کسے کہتے ہیں؟توپڑھئے اس پر ضمناًدو حوالہ جات۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ مرفوع وہ حدیث ہے کہ جس کی نسبت خاص طور پر حضوراکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف کی جائے اورآپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علاوہ کسی اورپر اس کا اطلاق نہ ہواور بعض نے کہاہے کہ وہ روایت جس میں صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کل کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فعل مبارک یا آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا قول مبارک بیان کرے۔[136]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایاکہ جس حدیث کی سند حضوراکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تک پہنچے وہ مرفوع ہے۔[137]

توجس حدیث کی تائید حدیث اور حدیث مرفوع سے ہورہی ہواس کو موضوع قرار دینااوروہ بھی ایک صنعانی کے کہنے پر،یہ کوئی علمی دیانت داری ہے نہ حدیث رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے وفاداری۔

آیئے!ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی بھی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔

---

[136](تدریب الراوی ص ۹۴ قدیمی خانہ کراچی)

[137](مقدمہ اشعۃاللمعات ج ا ص ۱۲۸ فریدبک سٹال لاہور)

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ اللہ کریم نے اپنے نبی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

یامحمد! وعزتی وجلالی لولاک ماخلقت ارضی وسمائی ولا رفعت ھذہ الخضراء و لابسطت ھذہ الغبراء۔

ترجمہ: اے محمد ﷺ! مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم، اگر تم نہ ہوتے تو نہ میں زمین کو پیدا کرتا اور نہ آسمان کو نہ میں یہ سبز چھت سجاتا اور نہ میں فرش زمین بچھاتا۔

اسے شیخ الاسلام بلقینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں عبدالرحمن بن عبداللہ بن محمد بن احمد، ابوالقاسم بن طالب العرفی کے مولد سے اور ابن سبع اپنی کتاب شفاء الصدور میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا ہے۔[138]

حدیث لولاک کو موضوع کہنے والے اور سن کر سیخ پا ہونے والے حضرات کے اس تبصرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ محمد انوار اللہ قادری چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صدر الصدور حیدر آباد دکن، انڈیا لکھتے ہیں:

یہاں معلوم کرنا چاہیئے کہ آج کل جو غل مچ رہا ہے کہ **لولاک لما خلقت الافلاک**، حدیث موضوع ہے۔ یہ تسلیم بھی کیا جائے تو جرح کو اس سے کیا فائدہ؟ زمین، دریا، جنت، دوزخ، ثواب، عقاب، جملہ آدمیوں کے جد بزرگوار بلکہ ساری دنیا جب بدولت آنحضرت ﷺ کے پیدا ہوئی تو افلاک کیا چیز ہیں؟ دیکھ لو! جنت، دوزخ بدولت آنحضرت ﷺ کے پیدا ہونے کی حدیث کو حاکم،

---

138 (زرقانی ،مصابیح السیرۃ المحمدیۃ، ج ۱ ص ۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج ۱ ص ۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ھارون دیوبندی خصوصیات مصطفی ﷺ ج ۱ ص ۳۵۴ دار الاشاعت کراچی، انسان المفھون فی سیرۃ الامین المامون ج ۱ ص ۷۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

دیلمی، سبکلی، بلقینی، نے روایت کیا ہے اور زمین ودریا پیدا ہونے کی حدیث کو ابن سبع اور غرفی نے، اور دنیا طفیلی ہونے کی حدیث کو ابن عساکر نے اور ثواب وعقاب کی حدیث کو ابن سبع وعرفی نے اور خلق آدم علیہ السلام کی حدیث کو طبرانی ،حاکم ، بیہقی، ابن عساکر، ابونعیم، ابوالشیخ، بلقینی اور سبکی نے روایت کیا ہے۔[139]

خود دیوبندی علماء بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حدیث معناً صحیح ہے:

مولوی خیر محمد جالندھری نے بھی لکھا ہے، ملاحظہ ہو:[140]

مفتی محمود نے بھی تسلیم کیا ہے، ملاحظہ ہو:[141]

مفتی عبدالحکیم سکھروی نے بھی اسے معناً صحیح تسلیم کیا، ملاحظہ ہو:[142]

معلوم ہوا کہ اس حدیث شریف کو لے کر موضوع کاڈھنڈورا پیٹنے والوں کو کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ ہاں البتہ ان کے بغض باطنی کا اظہار ضرور ہو جائے گا کہ اس بہانے سے وہ عظمت مصطفیٰ ﷺ کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔

اعتراض

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ "میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے" اور تم کہتے ہو کہ نبی پاک ﷺ کیلئے پیدا کیا ہے، تو تمہارا یہ مؤقف اور یہ احادیث موضوع ہیں کیونکہ قرآن کریم کے معارض ہیں۔

---

[139] (انوار احمدی ص ۵۴-۵۳ النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاھور، پاکستان)

[140] (خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۷ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[141] (فتاویٰ محمودیہ ج ۴ ص ۸۴-۸۲)

[142] (مقالات ومضامین مفتی عبدالحکیم سکھروی ص ۳۴۲ ادارۃ المعارف کراچی)

جواب

اس اعتراض کے کئی جوابات ہیں،سب سے پہلے ہم علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جواب نقل کرتے ہیں پھر ہم اپنے جوابات عرض کریں گے،چنانچہ علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ:

یہ احادیث قرآن کریم کی اس آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنسَ اِلَّا لِیَعْبُدُونِ (الذریت ۵۶) کے خلاف نہیں ہیں،اگر یہ بات ہے تو پھر وہ کتنے کثیر تعداد انسان اور جنات ہیں جو عبادت نہیں کرتے تو کیا یہ اس آیت کے خلاف نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے دن کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ یہ آیت مؤمنین کے ساتھ خاص ہے اوراحادیث مبارکہ پوری مخلوق کو شامل ہیں لہٰذا قرآن کے معارض نہیں ہیں۔[143]

راقم الحروف کا پہلا جواب

ایک ہوتی ہے علت غائیہ اورایک علت باعثہ،انسانوں اور جنات کو عبادت کیلئے پیدا کرنا علت غائیہ ہےیعنی ان کی تخلیق کی غرض وغایت عبادت خداوندی ہے اوراس کا باعث ہے وجود با مسعود صاحب مقام محمود و محبوب رب ودود لہٰذا قرآن و سنت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

دوسرا جواب

ضروری نہیں کہ ایک کام کا ایک ہی سبب ہو،ایک کام کے دو سبب بھی ہوسکتے ہیں اور تخلیق کائنات کے بھی دو سبب ہیں غرض وغایت کے طور پر عبادت اوراس کا باعث بنی ذات مصطفیٰ کریم ﷺ۔ہم انسان بھی بعض اوقات ایسے کام کرتے ہیں کہ ان کے پیچھے کئی کئی اغراض و مقاصد

---

[143](مصابیح السیرۃ المحمودیۃ ج ۱ ص ۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

ہوتے ہیں تو جب انسان کے کسی کام کے دو مختلف سبب ہوسکتے ہیں تو اس رب العلمین واحسن الخالقین کے کسی فعل کے دو سبب کیوں نہیں ہوسکتے؟

اظہار ربوبیت اور شان احمدیت

حضرت سیدنا مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی نقل کرتے ہیں:

لولاک لما اظھرت الربوبیۃ۔

ترجمہ: اے محبوب! اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔[144]

ہوسکتا ہے کہ کسی صاحب کی توحید جوش آئے اور وہ کہہ دے کہ جی ان احادیث کی حیثیت کیا ہے؟ یہ بھی موضوع ہے۔ تو ہم گزارش کریں گے کہ یہ حدیث حضور مجدد پاک نے نقل کی ہے اور مجدد پاک کی علمی جلالت مسلمہ ہے لیکن ہم پھر اتمام حجت کے طور پر ایک دو حوالہ جات عرض کئے دیتے ہیں۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے "مناظر" مولوی منظور نعمانی نے مجدد صاحب کے متعلق یوں لکھا ہے:

"امت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں سے تجدیدی نوع کی خدمات لیں ان میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کارنامہ بہت ممتاز ہے۔ اسی طرح اخیر دور میں (جس کا آغاز ہزارہ روم (الف ثانی) کے آغاز سے یعنی رسول اکرم ﷺ کی وفات پر ایک ہزار سال گزرنے کے بعد ہوتا ہے) امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیاء شریعت کا جو کام ہمارے اس ملک میں ہی لیا وہ اسلام کی پوری تاریخ میں ایک

---

[144] (مکتوبات امام ربانی ج ۲ دفتر ۳ مکتوب ۱۲۲ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، جواھر البحار ج ۲ ص ۲۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

خاص امتیازی شان رکھتا ہے اوراسی وجہ سے ان کالقب مجد دالف ثانی ایسا مشہور ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے صرف مجد دالف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں۔"[145]

مزید یوں لکھتا ہے کہ آپ سے پہلے جس قدر مجد د صدیوں کے گزرے ہیں کوئی مجد د دین کے تمام شعبوں کا مجد د نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجد د ہوتے رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایک وقت میں کئی مجد د نظر آتے ہیں کوئی علم حدیث کا کوئی فقہ کا پھر اس میں بھی پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجد د ہے۔کوئی فقہ شافعی کا کوئی علم کلام کا مجد د اور کوئی سلوک واحسان کا لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کیلئے خاص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجد د ہیں۔[146]

دیوبندی مکتبہ فکر کے مفتی وعلامہ ولی حسن ٹونکی دیوبندی نے لکھا ہے:

راقم الحروف کی رائے ہے کہ اگر حضرت مجد د اپنے تجدیدی اوراصلاحی کارناموں سے ہندوستان کے مسلمانوں کی خدمت نہ فرماتے تو آج ہندوستان کے مسلمانوں کی وہی حالت ہوتی جو چین کے مسلمانوں کی ہے۔[147]

دیوبندی مولوی روح اللہ غفوری نے حضرت مجد د پاک کے متعلق لکھا ہے:

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ باقویہ کے بانی ہیں،فرماتے تھے،شیخ احمد (امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)ایک آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اس

---

[145](تذکرہ مجدد الف ثانی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ ص ۲۰-۲۱ دار الاشاعت کراچی)

[146](تذکرہ مجدد الف ثانی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ ص ۲۷۶)

[147](تذکرہ اولیاء پاک وہند ص ۱۳۹ بار اول دسمبر ۱۹۹۹ء،ادارہ اسلامیات لاہور)

کی روشنی میں گم ہو جائیں۔ آسمان کے نیچے ان کی نظیر نہیں ،ان جیسے اس امت میں چند ہی بزرگ گزرے ہیں جو آپ کی زیارت کرتا بے اختیار کہتا۔ "فتبارک اللہ احسن الخالقین"۔[148]

امت کے جلیل القدر مجدد حدیث لکھ رہے ہیں کہ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو رب کریم عزوجل اظہار ربوبیت نہ فرماتا اور لوگوں کو افلاک کی پریشانی ہو رہی ہے۔

کنز مخفی اور شان مصطفوی ﷺ

رب محمد جل وعلانے ارشاد فرمایا:

"کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق"۔

ترجمہ: میں ایک چھپا ہوا خزانہ پس مجھے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو مخلوق کو پیدا کیا۔[149]

خالق کائنات نے اپنی پہچان کیلئے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق میں سب سے قبل اپنے محبوب کے نوراور روح کو پیدا فرمایا۔ انبیاء سے عالم ارواح میں عہد لیا عالم ارواح میں محبوب علیہ السلام کی نبوت کے چرچے فرمائے اور انبیاء کرام ورسولان عظام علیہم السلام ،عارفین ،کاملین ،صالحین ،صدیقین بلکہ کل عالمین کو بتا دیا کہ لوگو!

ہر شئے خدا نے بنائی اے سوہنے مدنی دے واسطے
دو جگ دی کھیڈ رچائی اے سوہنے مدنی دے واسطے

---

[148] (بزرگان نقشبندیہ کو خواب میں زیارت نبی ﷺ ص ۱۴۱، اشاعت دوم جنوری ۲۰۱۰ء مکتبہ عمر فاروق کراچی)

[149] (تفسیر روح البیان ،ج۶ص ۱۶تحت الآیة سورة الحج۲۶دارالکتب العلمیه بیروت لبنان۔جواھرالبحارفی فضائل النبی المختار ﷺ ج۴ص ۲۷۵ دارالکتب العلمیه بیروت لبنان۔المقاصدالحسنة باب الکاف ص۳۷۷رقم الحدیث ۸۳۶دارالکتب العلمیه بیروت لبنان۔الاسرارالمرفوعه فی الاخبارالموضوعة ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۷۹۶ قدیمی کتب خانه کراچی)

حضور شہنشاہ حسینان عالم ﷺ کی شان لولاک کا تذکرہ کرتے ہوئے امام بوصیری عرض کرتے ہیں:

وکیف تدعوا الی الدنیا ضرورۃ من　　لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم

کیا کرے مائل ضرورت ان کو دنیا کی طرف　　گر نہ ہوتے آپ تو دنیا بھی ہوتی کالعدم

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترا عز لولاک تمکیں بس است　　ثنائے تو طٰہٰ و یٰس بس است

آپ (ﷺ) کو بطور مرتبہ عزت لولاک کافی ہے　　آپ (ﷺ) کی تعریف میں طٰہٰ و یٰسین کافی ہے

صلاح بن مبارک بخاری فرماتے ہیں:

خواجۂ لولاک و سلطان رسل　　مقتدا اور ہنمائی جزو کل (ﷺ)

امام اہلسنت امام عشق و محبت تاجدار بریلی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا خوب لکھتے ہیں:

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ　　لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اقبال سہیل نے کہا:

کتاب فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا　　تو نقش ہستی ابھر نہ سکتا وجود لوح و قلم نہ ہوتا

یہ محفل کن فکاں نہ ہوتی جو وہ امام امم نہ ہوتا　　زمین نہ ہوتی فلک نہ ہوتا عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا

ظفر علی خان نے کہا:

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ سیاروں میں

شورش کاشمیری دیوبندی کہتا ہے:

جب دوش پہ گیسو کھلتے ہیں، واللیل کی شرحیں ہوتی ہیں لولاک لما کے سانچے میں اک نور مجسم ڈھل کے رہا

مولوی طالوت دیوبندی کہتا ہے:

ادب سے سر جھکاؤ مالک لولاک آتے ہیں ردائے انما اوڑھے نبی پاک آتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)[150]

صلی اللہ علی النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔

(العطایا السیفیۃ فی فتاویٰ النقشبندیۃ، حصہ سوئم)

[پس یہ بات ضروری ہے کہ ایسے پیغمبر سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والے خیر الامم ہوں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ (آل عمران ١١٠)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو ظاہر کیے گئے ہو۔

ان کا نقد وقت ہے۔ اور آپ کے مکذب بدترین بنی آدم ہوں۔

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا (التوبۃ ٩٧)

ترجمہ: دیہاتی لوگ کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں۔

---

[150] (ماھنامہ حق چاریار، ج۳ شمارہ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۹۰ء بیک ٹائٹل)

ان کے حال کا نشان ہے۔ دیکھیئے کس صاحبِ قسمت کو آپ کی روشن سُنت کی پیروی سے نوازتے ہیں اور آپ کی پسندیدہ شریعت کی متابعت سے سرفراز کرتے ہیں۔ آج تھوڑے سے عمل کو جو آپ کے دین کو حق جاننے کی تصدیق سے ملا ہوا ہے عملِ کثیر کے مقابلے میں قبول کرتے ہیں۔ اصحابِ کہف نے جو اس قدر درجات پائے صرف ایک نیکی کے واسطہ سے پالئے۔ اور وہ ہجرت کی نیکی تھی جو انہوں نے نورِ ایمانی کے ساتھ غلبۂ کفار کے وقت اختیار کی۔ مثلاً سپاہی دُشمنوں اور مخالفوں کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑا سا تردد بھی کریں تو ان کا وہ قدر اور وہ لحاظ ہوتا ہے جو امن کی حالت میں اس سے کئی گنا زیادہ پر بھی نہیں ہوتا۔]

تشریح

تصوف کی بنیادی شرط تقویٰ کا اختیار کرنا ہے۔ اور تقویٰ سے مراد ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ڈراور خوف کی وجہ سے شیطانی راستے سے رحمانی راستے کی طرف ہجرت کرنا۔ یا گناہ آلودہ زندگی سے پاکیزہ زندگی کی طرف مائل ہونا۔ پس

ہجرت کی دو اقسام ہیں

۱۔ ہجرتِ ظاہری ۲۔ ہجرتِ باطنی

۱۔ ہجرتِ ظاہری: ہجرتِ ظاہری سے مراد ہے کفار یا فُسّاق کے معاشرہ سے اسلامی معاشرے کی طرف منتقل ہونا تاکہ فسق و فجور اور کفر سے اپنے آپ کو بچا کر صحیح معنوں میں اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔

۲۔ ہجرتِ باطنی: ہجرتِ باطنی سے مراد ہے شیطانِ لعین اور نفسِ امارہ سے آزادی حاصل کرنے اور باطن کو زنگ آلود ہونے سے بچانے کے لئے گناہوں کو ترک کرنا اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف ہجرت کرنا۔

شاید حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ:

رَجَعْنَامِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔

ترجمہ: ہم لوگ چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ کر آئے ہیں۔[151]

[نیز چونکہ سرورِ عالم محبوبِ رب العالمین ہیں، تو آپ کی متابعت کرنے والے بھی آپ کی متابعت کے واسطہ سے مرتبۂ محبوبیت تک پہنچ جاتے ہیں۔ کیونکہ مُحب جس جس چیز میں بھی محبوب کے شمائل اور عادات واخلاق پاتا ہے انہیں بھی اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ اس سے مخالفین کی برائی کا قیاس بھی کرلینا چاہیئے۔

محمد ﷺ عربی کا بروے ہر دو سرا است
کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر او

ترجمہ: محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) جو دونوں جہاں کی آبرو ہیں جو شخص آپ کے دروازے کی خاک نہیں بنتا اس کے سر پر خاک پڑے۔

---

151 (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الجہاد وشرح سنن ابن ماجہ للسیوطی، باب الجوامع من الدعاء الی الجامعۃ لخیر)

اگر ظاہری ہجرت میسر نہ آئے تو ہجرتِ باطنی ہی کی کامل طور پر رعایت کرنی چاہیئے۔ ظاہراً لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے باطناً ان سے الگ رہنا چاہیئے۔ شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی صورت نکال دے۔

نوروز کا موسم آچکا ہے اور معلوم ہے کہ یہ ایام وہاں کے رہنے والوں کے معاملے کو پراگندہ اور تفرقے میں ڈال دیتے ہیں۔ ہنگامے کے ان ایام کے گزر جانے کے بعد اگر ارادۂ خداوندی جل سلطانہٗ نے مدد فرمائی تو اس امر کا امیدوار ہے کہ ملاقاتِ گرامی کے شرف سے مشرف ہو گا۔

گفتگو کو زیادہ دراز کرنا مؤجب پریشانی ہے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو آپ کے آباء کرام کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ۔]

تشریح

نوروز سے مراد یہ ہے کہ جب نیا سال شروع ہوتا ہے تو لوگ اس کی خوشی میں مختلف قسم کی خرافات کرتے ہیں اور جتنے گناہ والے کام ہوتے ہیں اس دن اُن کو آزادی کے ساتھ کرتے ہیں جیسے دنیا کے دیگر ممالک کی طرح اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بھی نیا سال جوش وخروش سے منایا جاتا ہے اور دل کھول کر اسلامی شعائر کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ شراب وکباب اور زنا جیسے حرام کام آزادی کے ساتھ کئے جاتے ہیں، نیز بسنت کے موقع پر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں کھلے عام لغویات میں مصروف رہتے ہیں اور حکومت تماشا دیکھ رہی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح کے دیگر کئی مواقع کی مثالیں ہمارے ملک ومعاشرے میں موجود ہیں۔ تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا کہ میں ان ایام کے گزر جانے کے بعد اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے چاہا تو ملاقات کے لئے آؤں گا۔ غور طلب بات ہے کہ نوروز کا منانا گناہ کا عمل ہے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ

تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس گناہ کے عمل سے ہجرت فرمائی اگرچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود اس جگہ رہتے تھے اور حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات کے لئے نہیں گئے۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ اگر ظاہری ہجرت نہیں کرسکتے تو باطنی ہجرت ہی کرلیں۔ یعنی گناہوں سے اجتناب کرلیں۔

(دارالمعــــرفت، جلد دوم)

مکتوب نمبر ۴۵

[یہ مکتوب بھی سیادت وبزرگی والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

یہ مکتوب آپ نے اپنے پیر دستگیر قدس سرہٗ کے اس عالمِ فانی سے رحلت فرمانے کے بعد لکھا۔ چونکہ خانقاہ کے فقراء کی ظاہری تقویت جناب سیادت پناہ کی طرف منسوب تھی اس لئے اس مکتوب میں اظہار شکر کیا ہے۔ اور انسان کی جامعیت جس طرح اس کے کمال کا سبب ہے اسی طرح اس کے نقصان کا بھی سبب ہے۔ اس کا تذکرہ بھی اس خط میں کیا ہے۔ اور ماہِ رمضان شریف کے فضائل اور دیگر مناسب امور بیان کئے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ آپ کو آپ کے آباء کرام کے طریقہ پر ثابت و قائم رکھے۔ اور زندگی کے مہینوں اور ایام میں آپ کو صدمات اور غم کے اسباب سے سالم اور محفوظ رکھے۔]

تشریح

حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے پیر بھائی اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے خلیفہ و جانشین تھے۔ جنہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے وصال کے بعد مکتوب لکھا اور اس مکتوب میں یہ معرفت بیان فرمائی کہ اولیائے کرام کا وجود جس طرح حیاتِ ظاہری میں فیض پہنچانے کا واسطہ اور ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح دنیا سے رُخصت ہو جانے کے بعد عالمِ برزخ میں بھی فیض رسانی کی صلاحیت رکھتا ہے تاہم صاحبِ قبر سے فیض اخذ کرنے کے لئے چند ایک شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے کہ اگر ان شرائط کو مدِ نظر نہیں رکھا جائے گا تو فیض نہیں مل سکے گا۔ ان میں سے سب سے پہلی شرط تو خود صاحبِ قبر کا ولی ہونا ضروری ہے اور ولایت میں بھی کم

از کم صاحبِ قلب کے درجہ پر فائز ہونا لازمی ہے۔ اگر قبر والا ولی نہ ہو گا اور محض لوگوں کی عقیدت کا مرکز ہو گا تو فیض تقسیم کرنے کا اہل نہ ہو گا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک پوری بستی کو پانی مہیا کرنے کے لئے کافی بلندی پر ٹینکی بنائی جاتی ہے جس کے ساتھ پانی لے جانے والے موٹے موٹے پائپ لگا کر لوگوں کے گھروں تک پانی پہنچایا جاتا ہے۔ اب ہر چند کہ لوگوں کو پانی کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور وہ پانی کے نلوں کے ذریعے سے ٹینکی سے اپنی ضرورت پوری کرنے کی اُمید لگائے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں لیکن اُن کی ضرورت تب ہی پوری ہو گی جب ٹینکی میں پانی موجود ہو گا ٹینکی کے خالی ہونے کی صورت میں تو عوام الناس کی پانی کی ضرورت پوری نہیں ہو گی۔

علی ھذا القیاس طریقت کے طالب جب کسی قبر والے سے اخذِ فیض کے لئے رابطہ کریں گے تو ان کی یہ باطنی خواہش تب ہی پوری ہو سکے گی جب صاحبِ قبر کے قلب کی ٹینکی فیض کے پانی سے بھری ہو گی ورنہ سالکینِ طریقت، فیوض وبرکات کے پانی کو اپنے باطن کے گھڑوں میں نہ بھر سکیں گے۔

دوسری اور اہم شرط یہ ہے کہ صاحبِ قبر سے فیض لینے والا فیض لینے کا اہل ہو اور اہلیت کی بڑی نشانی خود فیض لینے والے کے قلب کا ذاکر ہونا ہے، اگر اس کا قلب توجہاتِ شیخ سے زندہ نہ ہوا ہو گا تو وہ دُنیا سے پردہ کر جانے والے اولیاء کرام کی اَرواحِ مقدسہ سے فیض قطعًا اخذ نہ کر سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ شکایت کرتے نظر آتے ہیں کہ ہم فلاں فلاں بزرگوں کی قبور سے خالی دامن لوٹ آئے ہیں۔ ان عقل کے اندھوں کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ جب ہمیں فناءِ قلبی ہی میسر نہیں تو قبور سے فیض کیونکر مل سکے گا؟

تیسری شرط یہ ہے کہ عالمِ برزخ کے اولیاء کرام سے فیض اخذ کرنے کا راسخ عقیدہ ہو۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو گا تو بھی فیض کا حصول ناممکن ہو گا۔

اب رہا قبروں سے اخذِ فیض کا ثبوت تو یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کے لئے اگر دلائل لکھنے بیٹھیں تو الگ کتاب بن جائے۔ یہ مختصر تشریح اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

[خدائے عزوجل کے دوست مطابق حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (مرد اس کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ اسے محبت ہو) خدائے تعالیٰ وتقدس کے ساتھ ہیں۔ بدن کا ساتھ ہونا اس معیت واتصال میں قدرے مانع ہے۔ اس مادی صورت اور تاریکی سے لبریز شکل سے مفارقت اور جدائی کے بعد سب قُرب ہی قُرب اور اِتصال ہی اِتصال ہے۔

اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ۔

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔[152]

اس عبارت میں اسی معنی کا بیان ہے، اور آیت کریمہ:

مَنْ کَانَ یَرْجُو لِقَاءَ اللّٰہِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰہِ لَآتٍ (العنکبوت ۵)

ترجمہ: جسے اللہ سے ملنے کی امید ہو تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور آنے والی ہے۔

میں مشتاق لوگوں کے لئے تسلی بھی ہے اور بیان سابق کی طرف اشارہ بھی فرماتی ہے۔ لیکن ہم پیچھے رہ جانے والوں کا حال بزرگوں کی حاضری کی دولت کے بغیر خراب واَبتر ہے۔

---

[152] (تفسیر المظھری عربی، ج ۱، سورۃ البقرۃ، پارہ ۱، آیت ۹۴)

اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی روحانیت سے فیض وبرکت حاصل کرنا بہت سی شرائط کے ساتھ مشروط ہے، جن کے پورا کرنے کی ہر کسی میں مجال اور ہمت نہیں۔ لیکن صاحبِ انعام رب تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اس ہولناک حادثے (پیر ومرشد کی رحلت) اور وحشت ناک واقعہ کے باوجود ان بے سروپا فقرا کا مُربی اور مددگار دین ودُنیا کے سردار علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کے اہلِ بیت میں سے ہی بن گیا ہے۔ جو اس بلند سلسلے کے انتظام کا سبب اور نسبتِ نقشبندیہ کی جمعیت کا واسطہ اور ذریعہ ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان بلاد میں یہ نسبت بہت ہی نادر وغریب ہے۔ اور اس نسبت والے ان ممالک میں بہت ہی کم ہیں۔ کیونکہ یہ اہل بیت کی نسبت ہے تو اس کا مربی اور اس کو تقویت دینے والا بھی اہلِ بیت سے ہی ہونا چاہیئے۔ تاکہ اس دولتِ عظمیٰ کی تکمیل کسی اور کے ذمے نہ پڑے۔ تو جس طرح نسبتِ نقشبندیہ کی نعمتِ قصویٰ کا شکر فقرا پر لازم ہے۔ اس دولت کا شکر بھی ان پر ضروری ہے۔ انسان جس طرح جمعیتِ باطن کا محتاج ہے اسی طرح ظاہری جمعیت کا بھی محتاج ہے۔ بلکہ یہ محتاجی مقدم ہے۔ بلکہ انسان تمام مخلوق سے زیادہ محتاج ہے اور اس کی یہ شدید محتاجی اس کی جامعیت کی بنا پر ہے۔ جو ضروریات ساری مخلوقات کو فرداً فرداً درکار ہیں تنہا انسان کو درکار ہیں۔ اور انسان جس جس شے کا محتاج ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق بھی ضروری ہے۔ اس لحاظ سے اس کے تعلقات سب سے زیادہ ہیں۔ اور یہ تعلق جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ سے روگردانی کا سبب ہے۔ اس بنا پر تمام مخلوقات سے محروم ترین شے انسان ہی ہے۔

پایۂ آخر آدم است وآدمی — گشت محروم از مقامِ محرمی
گرنہ گردد باز مسکیں زیں سفر — نیست از وے ہیچ کس محروم تر

ترجمہ: آخری مرتبہ انسان ہی کا ہے۔ لیکن آدمی حق تعالیٰ کے محرمِ راز ہونے کے مقام سے محروم ہو چکا ہے۔ یہ مسکین اگر سفر سے واپس نہ لوٹا اور محرم ہونے کے مقام کو نہ پایا تو پھر اس سے زیادہ کوئی محروم اور بد قسمت نہیں۔

حالانکہ تمام مخلوقات سے افضل ہونے کی علت بھی انسان کی یہی وصفِ جامعیت ہے۔ اسی بناء پر اس کا آئینہ سب سے زیادہ مکمل ہے۔ اور جو کچھ کائنات کے شیشوں میں فرداً فرداً ظاہر ہے وہ سب کچھ صرف اکیلے انسان کے آئینہ میں ظاہر ہے۔ تو اس لحاظ سے بہترین خلائق بھی انسان ہی ہے اور گزشتہ اعتبار سے بدترین مخلوق بھی انسان ہی ہے۔ اس لئے کہ نوعِ انسان سے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات بھی ہیں اور ابو جہل علیہ اللعنۃ بھی۔ اور اس بات میں بھی کچھ شک نہیں کہ توفیقِ خداوندی عزوجل سے ان فقراً کی جمعیت ظاہری کے کفیل آپ ہی ہیں۔ اور اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِّاَبِیْہِ۔ (بیٹا اپنے باپ کا راز ہوتا ہے) کے مطابق باطنی جمعیت کے کفیل ہونے کی مکمل اُمیدواری بھی آپ سے ہی ہے۔

اور چونکہ آپ کا صحیفہ گرامی اور بلند مرتبہ عنایت نامہ ماہِ رمضان المبارک میں موصول ہوا، دلِ سست میں گزرا کہ اس عظیم القدر مہینے کے فضائل ومناقب احاطۂ تحریر میں لائے۔

جاننا چاہیئے کہ ماہِ رمضان شریف بہت فضیلت والا مہینہ ہے۔ نفلی عبادات، نماز، ذکر، صدقہ وغیرہ جو اس ماہ میں ادا ہوں دوسرے ایام کے فرائض کے برابر ہیں۔ اور اس مہینہ میں ایک فرض ادا کرنا دوسرے مہینوں میں ستر فرض ادا کرنے کے برابر ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کسی کا روزہ افطار کرائے اسے بخش دیا جاتا ہے اور اس کی گردن کو آتشِ دوزخ سے آزادی مل جاتی ہے اور اسے اس روزہ دار کا اَجر وثواب عطا ہوتا ہے بغیر اس کے کہ خود اس روزہ دار کا ثواب کم ہو۔

اسی طرح جو شخص اس ماہ میں اپنے غلاموں اور نوکروں سے کام لینے میں تخفیف کرے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور اسے آتشِ دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔ اور رمضان شریف کے مہینے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر قیدی کو آزاد کر دیتے تھے، اور جو چیز بھی کوئی آپ سے مانگتا اور سوال کرتا آپ اسے دیتے تھے۔ اگر کسی کو اس ماہ میں خیرات اور اعمالِ صالحہ کی توفیق مل گئی تو تمام سال اسے یہ توفیق ملی رہے گی۔ اور اگر یہ مہینہ تفرقہ اور پراگندگی میں گزرا تو سارا سال وہ تفرقے کا ہی شکار رہے گا۔ حتی المقدور جس قدر میسر آسکے اس ماہ میں جمعیت کے ساتھ کوشش کرنی چاہیئے اور اس مہینہ کو غنیمت جاننا چاہیئے۔

اس ماہ کی ہر رات میں ہزار شخص کو جو دوزخ کے مستحق ہوتے ہیں آزادی ملتی ہے۔ اس مہینہ میں بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ کر ڈال دیتے ہیں اور رحمت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

افطار میں جلدی اور سحری کھانے میں دیر کرنا سُنت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں مبالغہ کرتے تھے اور اس پر زور دیتے تھے۔ شاید سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنے میں اپنے عجز و محتاجی کا اظہار ہے، جو مقامِ بندگی کے مناسب ہے۔

روزہ کھجور سے افطار کرنا سنت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَ ابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ، وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ۔

ترجمہ: پیاس چلی گئی، رَگیں تر ہو گئیں اور اجر و ثواب ان شاء اللہ تعالیٰ ثابت ہو گیا۔[153]

---

[153] (سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۳۰۶، الناشر: المکتبة العصرية، صيدا - بيروت)

ادائے تراویح اور ختمِ قرآن اس ماہ میں مؤکدہ سنتوں میں سے ہے اور بے شمار اچھے نتائج لاتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی حرمت کے صدقے توفیق بخشے۔

آپ کی دردِ سَری کے لئے دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ عین رمضان شریف میں پہنچا۔ ورنہ حکم کی بجا آوری میں اپنے آپ کو معاف نہ کرتا۔ اس ماہِ مذکور کے بعد کی بات کرنا غیب پر حکم لگانا ہے اور درازی اُمید سے خبر دیتا ہے۔ بالجملہ جو کچھ جناب کی مرضی ہو فقیر اس میں اپنے آپ کو معاف نہیں رکھے گا۔ کیونکہ آپ کے ظاہری اور باطنی حقوق ان فقراً پر ثابت ہیں۔ حضرت قبلہ گاہی (پیر ومرشد) قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرمایا کرتے تھے کہ "شیخ جیو (شیخ فرید) کے حقوق تمام پر ثابت اور مقرر ہیں۔ اس جمعیت کے باعث وہی ہیں" حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیشہ پسندیدہ اعمال کی توفیق سے سرفراز رکھے۔ نبی کریم اور آپ کی آل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی حرمت کے صدقے۔ اس سے زیادہ سراسر دَردِ سَری ہے۔]

(دارالمعــــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ حدیث مبارکہ کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ بندہ مؤمن اللہ تعالیٰ کے ساتھ فطری اور حقیقی محبت اور تعلق کی وجہ سے اللہ کے قُرب اور اس کی معیت کا حامل ہوتا ہے، لیکن ضروریاتِ انسانیہ اور حاجاتِ بشریہ کے غلبے اور خالق و مخلوق کے درمیان عدمِ مناسبت کی وجہ سے اس کا جسدِ عنصری قُرب و اتصال کی راہ میں رکاوٹ بنا رہتا ہے۔ جونہی بندۂ مؤمن موت کے وقت بشری تقاضوں سے فارغ ہوتا ہے اور اس کی روح بدن کے تصرف سے آزاد ہو جاتی ہے تو وہ

پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے قُرب واتصال کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے، لہٰذا مؤمن کی موت اس کے لئے ترقیٔ درجات اور حصولِ انعامات کا ذریعہ ہے لیکن ہم جیسے پسماندہ وپریشان حال عاجزوں پر حضرت خواجہ دہلوی قدس سرہٗ کے وصال کا یہ حادثہ فاجعہ بہت بڑا امتحان ہے، البتہ بزرگوں کی وفات کے بعد ان کی روحانیت سے فیض وبرکت حاصل کرنے کا طریقہ موجود ہے، لیکن ان کی روحانیت سے فیض حاصل کرنا چند شرائط پر موقوف ہے جن کے پورا کرنے کی ہر شخص میں طاقت نہیں ہوتی اور وہ خاص روحانی افراد ہوتے ہیں۔ مبتدی مرید جو بدن کی قید میں ہوتا ہے اپنے مُرشدِ کامل کی روح سے فیض حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ دونوں کے درمیان مناسبت مفقود ہے۔ مُرشد اپنی ظاہری زندگی میں بدنی تعلقات کی وجہ سے اپنے مُریدوں سے پوری مناسبت رکھتا ہے، اس لئے مُرید فیض حاصل کرنے میں بہت حد تک کامیاب رہتا ہے گو کامل شیخ وفات کے بعد بھی جس کو چاہیں روحانی تصرفات کے ذریعے فیض دے سکتے ہیں، لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے جیسا کہ اہلِ طریقت کے نزدیک حصولِ فیض بطریق اویسیت ایک مسلمہ حقیقت ہے اور سلسلہ نقشبندیہ کا شجرۂ اویسیہ اس کا شاہد عدل ہے۔

قبورِ اولیاء سے حصولِ فیض فنائے قلب پر موقوف ہے

ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ قبورِ اولیاء سے اخذِ فیض جن شرائط سے مشروط ہے ان میں ایک نمایاں شرط فنائے قلب ہے جو توجہ، اخلاص، تزکیہ اور کثرت ذکر سے وابستہ ہے۔ فنائے قلب یہ ہے کہ سالک ماسویٰ اللہ کو فراموش کر دے، سالک کو فنائے قلب کے بعد عالمِ برزخ اور عالمِ وجوب کے ساتھ ایک خاص مناسب ہو جاتی ہے کیونکہ سالک اس مقام میں مادی تقاضوں سے کافی حد تک آزاد ہو

جاتا ہے اور افادہ واستفادہ مناسبت کے ساتھ مربوط ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسانی ہدایت کے لئے ملائکہ کی بجائے انسان ہی مبعوث ہوئے ہیں۔

انسان اپنی جامعیت کی جہت سے بہترین خلق بھی ہے اور بدترین خلق بھی

اس مکتوب میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے وضاحت فرمائی ہے کہ انسان جامع ترین خلائق ہونے کی جہت سے بہترین خلائق بھی ہے اور بدترین خلائق بھی۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی ضروریاتِ بشریہ سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ ان کی احتیاج بھی جامعیت کے واسطے سے ہے۔یعنی انسان اجزائے عشرہ (دس اجزاء) سے مُرکب ہے اور ان میں سے ہر جزو جو بشریت سے تعلق رکھتا ہے بشری تقاضوں کا محتاج ہے اور یہ تعلق مستلزم اعراض ہے کیونکہ انسان کا آئینہ جس قدر عالمِ وجوب کی تجلیات کے انعکاس کی گنجائش رکھتا ہے کوئی آئینہ مخلوقات میں سے اس قدر گنجائش نہیں رکھتا۔ اسی کاملیت وجامعیت کی وجہ سے انسان ہی بارِ امانت کا متحمل ہوا ہے۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید　　　قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

انسان کے بہترین یا بدترین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ روح بدن کے ساتھ تعلقات قائم ہونے سے پہلے ایک نوری لطیفہ تھی اور عالمِ وجوب کی طرف متوجہ تھی۔ اس کے بعد جب روح کا بدن کے ساتھ تعلق قائم ہوا تو جو روح عالمِ وجوب کی بلندیوں اور وطنِ اصلی کی طرف واپس پرواز نہ کر سکی اور بدن کی ظلمت میں گم ہو کے رہ گئی تو وہ بدترین خلائق کہلائی اور کفار وفجار کے حکم میں داخل ہو گئی جو حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔

أُولَئِکَ کَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الأعراف ۱۷۹)

حضرت شاہ شرف بو علی قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسی روح سے ہی یوں خطاب فرمایا ہے:

چند باشی از مقامِ خود جُدا　　　چند گردی دَربدر اے بے حیاء

اور اگر کسی شیخِ کامل کی صحبت اور توجہ کی برکت سے اس کی روح واپس عالمِ قُدس کی طرف پرواز کر جائے اور مقامِ اصلی سے مشرف ہو جائے تو وہ بہترین خلائق کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۲، ص ۲۴۰ تا ۲۴۳)

مکتوب نمبر ۴۶

[یہ مکتوب بھی سیادت وبزرگی کے مالک شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ باری تعالیٰ وتقدس کا وجود یوں ہی اس کی وحدت، بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نبوت، بلکہ وہ تمام چیزیں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے سب کی سب بدیہی ہیں۔ دلیل اور فکر کی محتاج نہیں۔ علماءِ کرام نے ان مذکورہ مقدمات کے بدیہی ہونے پر بہت کچھ لکھا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو آپ کے آبائے کرام کے طریقہ پر قائم رکھے۔ آپ کے سب سے پہلے اور افضل باپ جناب نبی کریم اولاً اور باقی پر ثانیاً صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔]

تشریح

علماءِ کرام کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں عقلی دلائل اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کہے کہ (نعوذ باللہ من ذٰلک) میری عقل اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتی کہ ''اَلنِّکَاحُ نِصْفُ الْاِیْمَان'' یہ کیسے ممکن ہے کہ نصف ایمان نکاح سے مکمل ہوتا ہے۔ اس قسم کی سوچ وفکر کرنا حرام ہے اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا حکم بدیہی ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نکاح (جو کہ نصف ایمان ہے) اس کی کیفیت کا مشاہدہ کیا ہے۔ بدیہی کے معنی ہیں کھلی اور ظاہر بات جس میں دلیل کی حاجت نہ ہو۔ یعنی جو حکم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دیا ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے جس طرح انسان پر اس کے ایمان کے فیوضات نازل ہوتے ہیں اور وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو پھر اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں

رہتی۔ بعینہٖ جس شخص کا نفس تزکیہ اور قلب تصفیہ ہو جائے تو پھر اس کو اپنا ایمان جس چیز سے مکمل ہو وہ اس کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اس لئے اُس کے دل سے شکوک و شبہات پیدا کرنے والا مادہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ دینِ حقہ ؐ کے احکامات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔

[باری تعالٰی و تقدس کا وجود اسی طرح اس ذات سبحانہٗ کی وحدت بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نبوت و رسالت بلکہ وہ تمام چیزیں جو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ تعالٰی کی طرف سے لائے سب بدیہی ہیں قوتِ مدرکہ کی آفاتِ رَدیہ اور اَمراضِ معنویہ سے محفوظ ہونے کی صورت میں کسی فکر و دلیل کی طرف محتاج نہیں۔ ان میں نظر و فکر کی ضرورت وجودِ مرض اور ثبوتِ آفت کے زمانہ تک ہے۔ مرضِ قلبی سے نجات اور پَردۂ بصری کے اُٹھ جانے کے بعد یہ سب چیزیں بدیہی ہو جاتی ہیں۔ جس طرح صفراوی مرض والا شخص جب تک مرضِ صفرا میں گرفتار ہے، گُڑ اور مصری کا میٹھا ہونا اس کے نزدیک محتاجِ دلیل ہے۔ لیکن اس مرض سے خلاصی پانے کے بعد وہ دلیل کا کچھ محتاج نہیں رہتا۔ وہ احتیاج جس کا منشاوجودِ مرض ہے، اس کی بداہت سے کوئی ٹکر نہیں۔ بھینگا بے چارہ جسے ایک شخص دو نظر آتے ہیں، اور وہ ایک کو ایک نہیں جانتا، معذور ہے۔ بھینگے آدمی میں مرض کا پایا جانا وحدتِ شخص کو بداہت سے نہیں نکالتا۔ اور نظر و فکر کا محتاج نہیں بنا دیتا۔

اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ استدلال کی جولا نگاہ بہت ہی تنگ ہے اور دلیل کے ذریعے یقین کا حاصل ہونا بہت دُشوار ہے۔ لہٰذا ایمان سے تعلق رکھنے والے یقین کو حاصل کرنے کے لئے مرضِ قلبی کے ازالے کی فکر کرنا ضروری ہے۔ مرضِ صفرا میں مبتلا آدمی کے لئے مصری کے میٹھا ہونے پر دلیل قائم کرنے کی نسبت اس کی مٹھاس کا یقین حاصل کرنے کے لئے مرضِ صفرا

کا ازالہ زیادہ ضروری ہے۔ دلیل سے کیا یقین حاصل ہو گا جبکہ اس کا وجدان اور ذوق مرضِ صفراؔ کے باعث مصری کے کڑوا ہونے کا فیصلہ کر رہا ہے۔

اسی طرح ہمارے اس مسئلہ میں نفسِ امارہ اپنی ذات کے لحاظ سے احکامِ شرعیہ کا منکر ہے اور اپنی افتادِ طبع کے باعث ان کی مخالفت پر کمربستہ ہے۔ لہٰذا دلیل پیش کرنے والے کے وجدان کے انکار کے ہوتے ہوئے ان احکامِ صادقہ شرعیہ کے بارے میں یقین کا حاصل ہو جانا بہت مشکل ہے۔ اس لئے سب سے پہلے نفس کا تزکیہ کرنا ضروری ہے۔ بغیر تزکیہ نفس دولتِ یقین کا میسر آنا دشوار ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (٩) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (الشمس ١٠)

ترجمہ: بے شک فلاح پا گیا وہ جس نے تزکیہ نفس کر لیا، اور نامراد ہو گیا وہ جس نے نفس کو برائیوں میں چھپا دیا۔

اس بحث سے واضح ہو گیا کہ اس غالبِ شریعت اور اس ظاہر وطاہر ملت کا منکر ویسا ہی ہے، جیسا مصری کی مٹھاس کا منکر۔

خورشید نہ مجرم ارکسے بینا نیست

ترجمہ: سورج کا کیا جرم ہے اگر کوئی خود ہی نابینا ہو۔

تو سیر و سلوک اور تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے مقصود آفاتِ معنوی اور امراضِ قلبی کا ازالہ ہے۔ جس کی طرف آیۃ کریمہ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ (ان کے دلوں میں مرض ہے) اشارہ کر رہی ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ ازالۂ مرض کے بعد ہی انسان حقیقتِ ایمان سے موصوف ہوتا ہے۔ آفات وامراض کی موجودگی میں جو ایمان ہے وہ صرف ظاہری ایمان ہے۔ کیونکہ نفسِ امارہ کا وجدان وذوق

ایمان کے خلاف اور حقیقتِ کفر پر مُصر رہتا ہے۔ اس قسم کا ایمان اور اس قسم کی تصدیق محض ظاہری ہے۔ اور مرضِ صفرا میں مبتلا شخص کی طرح ہے، جو قند و نبات کی حلاوت کا اقرار تو کرتا ہے، لیکن اس کا وجدان اس کے اقرار کے خلاف ہوتا ہے۔ شکر کی حلاوت کا حقیقی یقین مرضِ صفرا کے زائل ہونے کے بعد ہی میسر آ سکتا ہے۔ اس لئے نفس کے مطمئنہ ہو جانے اور تزکیہ کے بعد ہی حقیقتِ ایمان اپنی صورت دکھلاتی ہے اور اس وقت ہی ایمان وجدانی کیفیت کے سانچے میں ڈھلتا ہے اور اس قسم کا ایمان زوال کے خطرے سے محفوظ ہوتا ہے۔ اور آیت:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس ٦٢)

ترجمہ: سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔

ان ہی کی شان پر صادق آتی ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اس کامل اور حقیقی ایمان سے بحرمت نبی اُمی قریشی علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا مشرف فرمائے۔]

تشریح

ایمانِ حقیقی تو بہت دور کی بات ہے ہم تو ایمانِ صوری سے بھی محروم ہیں۔ کیونکہ ہم کچھ احکامات کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے۔ ایمانِ صوری یہ ہے کہ انسان یہ کہے کہ جو احکامات قرآن وحدیث میں ہیں میں اُن سب کو دل و جان سے تسلیم کرتا ہوں اگرچہ میری عقل اس کے مخالف ہے کیونکہ نفسِ امارہ میرا دُشمن اور مخالف ہے جو احکاماتِ شرعیہ کو نہیں مانتا۔

ایک دن ایک شخص نے مجھے راستے میں روکا اور پوچھا کہ شاہ صاحب ایک مولوی صاحب نے حدیث بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے "کہ ظلم کے ساتھ تعاون کرو" غریب اور مظلوم کے ساتھ تو تعاون کرنا چاہیئے مگر ظالم کے ساتھ تعاون کرنا تو بالکل عجیب سی بات ہے میری عقل تو اس بات کو تسلیم نہیں کرتی۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ ظالم کے ساتھ تعاون کرنے سے یہ مراد ہے کہ اُسے اس کے ظلم سے روکو اور اُسے سمجھاؤ کہ ظلم کرنا گناہ ہے تاکہ وہ ظلم کرنا چھوڑ دے۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنا ایمان وعقیدہ اس طرح رکھیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے چاہے میں اس پر عمل کر سکتا ہوں یا نہیں لیکن میں اس کو دل وجان سے قبول کرتا ہوں۔ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ ہم ایمانِ صوری کے درجے پر بھی نہیں ہیں لیکن ایمانِ حقیقی پر زور دیتے رہتے ہیں، حالانکہ یہ سب کچھ نفس کے تزکیہ اور قلب کے تصفیہ کے بغیر ہاتھ نہیں آنے والا۔

جب انسان کا ایمان بدیہی ہو جائے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کے ایمان کو محفوظ رکھتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ایمان تو بے شک وشبہ مطمئن ومحفوظ ہے اولیائے کرام اور مؤمنین کا ایمان ان کی تابعداری کی وجہ سے محفوظ ہوتا ہے انسان کا ایمان جب تک بدیہی نہ ہو، خطرے میں ہوتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے ایمان کے معاملے میں ڈرے اور ہمیشہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا رہے۔

(دارالمعرفت، حصہ دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ تمام ایمانیات واحکامِ شرعیہ بدیہی ہیں یعنی ان کی صداقت وحقانیت پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر سلیم الفطرت انسان جو امراضِ باطنیہ مثلاً حسد، تکبر طمع، ریا، طولِ اَمل اور بخل وغیرہا سے محفوظ ہو اور ماسوی اللہ کے ساتھ قلبی گرفتاری سے آزاد اور نفس کی امارگی سے سلامت ہو اور تصفیہٗ قلب اور تزکیہٗ نفس کے مقام تک پہنچا ہو اس کے لئے تمام احکام ومسائلِ شرعیہ بدیہی اور کشفی ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ صوفیائے عظام کے کشوف والہامات اس امر کے شاہد ہیں۔ آپ نے فرمایاہے کہ استدلال کا میدان بہت تنگ ہے اس سے یقین کا حاصل ہونا بہت ہی مشکل ہے، جس طرح صفراء کا مریض شیرینی کو کڑوا محسوس کرتا ہے اسی طرح امراضِ باطنیہ کا مریض احکامِ شرعیہ کی صداقت کا قائل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا صفراء کے مریض کا علاج ازالہٗ صفراء ہے اور منکرِ یقین کا علاج تزکیہٗ نفس ہے اور یہ امر ملحوظ رہنا چاہیئے کہ یقین کے بغیر ایمانِ حقیقی حاصل نہیں ہوتا صرف ایمانِ صوری ثابت ہوتا ہے۔ جب تک ایمان کی حقیقت میسر نہ آئے ایمان کے زوال پذیر ہونے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ جب ایمان کی حقیقت راسخ ہو جائے تو اس وقت ایمانِ زوال سے محفوظ ہو جاتا ہے یعنی تزکیہٗ نفس حاصل ہو جانے کے بعد احکامِ شرعیہ کشفی اور وجدانی ہو جاتے ہیں اور سالک کو یقین واطمینان کی دولت ہاتھ آجاتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ حُسنِ خاتمہ کی قطعیت محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور نصوصِ شرعیہ پر موقوف ہے جیسا کہ عشرہٗ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو زبانِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات نے قطعی جنتی قرار دے کر[154] محفوظ الایمان بنا دیا۔ اسی طرح وہ خوش نصیب حضرات بھی ظنِ غالب کی بناء پ محفوظ

---

[154] (ابن ماجہ، ص ۱۳)

الا یمان کہلاتے ہیں جو آیۃ کریمہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس ۶۲) کے مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمانِ کامل کی دولت سے مشرف فرمائے، آمین۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ سلاسلِ طریقت میں سیر وسلوک کی تعلیمات سے مقصود تزکیۂ نفس (باطنی امراض کو دور کرنا) ہے تا کہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو جائے۔ آیۃ کریمہ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (الشمس ۹) اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۴۸، ۲۴۹)

مکتوب نمبر ۴۷

[یہ مکتوب بھی سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

پہلے زمانے کی شکایت کے سلسلے میں جب کہ کفار نے غلبہ حاصل کر لیا تھا اور اہلِ اسلام خوار اور بے اعتبار ہو چکے تھے۔ اور اس بات کی ترغیب میں کہ ابتدائے حکومت میں ہی اگر دین کی ترویج واشاعت میسر آجائے تو بہتر ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو جائے کہ کوئی گمراہ اور گمراہ کنندہ درمیان میں آ کو دے اور کارخانۂ اہلِ اسلام کو درہم برہم کر دے۔ جیسا کہ اس سے قبل ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے آبائے کرام کے طریقہ پر ثابت رکھے۔ ان آبائے کرام میں سب سے افضل سردارِ دوجہان پر پہلے اور باقی پر بعد میں صلوٰۃ وسلام اور تحیۃ کا نزول وورود ہوتا رہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے اس مکتوب تحریر کرنے سے پہلے مغل بادشاہ اکبر کی بادشاہت تھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس دور کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ اکبر نے دینِ اسلام میں بہت زیادہ خرابیاں پیدا کیں اور دینِ اسلام میں بگاڑ پیدا کر دیا۔ اکبر کی وفات کے بعد اس کا فرزند جہانگیر بادشاہ بنا جو کہ اپنے باپ سے بہت مختلف تھا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی کاوشوں سے وہ مزید نیکوکار بن گیا۔ چونکہ حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دربارِ جہانگیری تک رسائی تھی اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے انہیں یہ خط لکھ کر ہدایات کیں کہ ابتدائے حکومت میں ہی بادشاہ وقت کو دین کی طرف راغب کر دیں۔

حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی توقعات کے مطابق جہانگیر کی درست سمت میں رہنمائی فرمائی۔ بالآخر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوششیں رنگ لائیں اور جہانگیر نے علماءِ حق کی مشاورت سے تمام ضروری مسائل پر فتوے لئے اور انہیں "فتاویٰ عالمگیری" کے نام پر کتابی شکل دی اس کتاب کو "فتاویٰ ہندیہ" بھی کہا جاتا ہے۔ دینِ اسلام کی اس خدمت کے عوض اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مغل بادشاہ جہانگیر کا نام رہتی دُنیا تک روشن کر دیا۔

قبل ازیں جہانگیر کے باپ اکبر نے علماءِ سوء کی مدد سے اپنے لئے سجدۂ تعظیمی کو جائز کروالیا تھا۔ جو شخص بھی اُس کے دربار میں جاتا وہ پہلے اکبر بادشاہ کو سجدہ کرتا تھا، حالانکہ دینِ حقہٗ کی صریح تعلیمات کے مطابق سجدہ صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کے لئے ہے اور یہ کسی بھی صورت میں اور کسی بھی نیت سے غیر اللہ کے لئے جائز نہیں لیکن بد قسمتی سے اکبر بادشاہ کے بنائے ہوئے دین کی باقیات اب بھی کہیں نہ کہیں نظر آتی ہیں۔ خود ساختہ تصوف (جس کا حقیقی تصوف سے دور تک کا بھی تعلق نہیں) میں ناقص پیروں اور مزارات کو سجدہ کرنے کی مثالیں اب بھی مل سکتی ہیں۔ ایسا سجدہ چونکہ سجدۂ حقیقی کے ساتھ صورتاً مشابہت رکھتا ہے اس لئے دینِ اسلام کی روح کے مخالف ہے۔

[بادشاہ جہان کے لئے اس طرح ہے جس طرح دل بدن کے لئے۔ اگر دل ٹھیک ہے تو بدن ٹھیک ہے، اور اگر دل خراب ہے تو سارا بدن خرابی کا شکار ہو گا۔ بادشاہ کی درستی جہان کی درستی ہے اور بادشاہ کا خراب ہونا ملک کو خرابی میں ڈال دیتا ہے۔

آپ جانتے ہوں گے کہ گزشتہ زمانے میں اہلِ اسلام کے سروں پر کیا کچھ گزر چکا ہے۔ ابتدائے اسلام کے وقت جبکہ مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے اس وقت بھی اہلِ اسلام کی کسمپرسی اس حد کو نہیں پہنچی تھی۔ کیونکہ مسلمان اپنے دین پر قائم تھے اور کفار اپنے طریقے پر۔

آیت کریمہ:

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (الکافرون ٦)

ترجمہ: تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین۔

اسی معنیٰ کو بیان کرتی ہے۔]

تشریح

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں کُفر و اسلام کا ذکر ہے کہ کفار کو اسلام میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے اور اسی طرح مسلمانوں کو چاہیئے کہ کفار کے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ اس طرح دُنیا میں امن وامان قائم ہو سکتا ہے، ورنہ کفار و مسلمان اگر ایک دوسرے کے مذہبی اور سیاسی معاملات میں مداخلت کرنے لگیں گے تو ہر ایک اپنے ملک وملت کے دفاع میں دوسرے پر حملہ آور ہو گا۔

پس اس کلیہ پر غور کرتے ہوئے دیکھیں کہ کون، کس کے دینی و ملکی اور سیاسی و سماجی معاملات میں خلل انداز ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کے پاس تو وہ جذبہ اور ہمت ہی نہیں رہی جس کے تحت وہ کفار سے کہہ سکیں کہ آپ اپنے ممالک میں فحاشی و عریانی اور شراب نوشی بند کریں یا غیر اخلاقی حرکات وبے بنیاد تہوار نہ منائیں جبکہ تمام دُنیا کے کفار کی جانب سے اسلامی ریاستوں میں کس کس طرح مداخلت نہیں کی جارہی۔ دینی مدارس ومساجد پر کون کون سے ظلم نہیں ڈھائے جارہے۔ کفر تو کفر

رہا، دینی غیرت وحمیت سے محروم مسلمان بھی کفار کے ہمنوابن چکے ہیں۔ حضرت مولانا شیخ شرف الدین سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

بُزبہ پائے خود آویزان گوسفند بہ پائے خود

ترجمہ: بکری اپنے پاؤں پر کھڑی (ہوتی) ہے اور بھیڑ اپنے پاؤں پر۔

یعنی ہر ایک اپنے امور کا مکلف ہے، دوسروں کا ذمہ دار نہیں۔

[اس سے قبل کفار علانیہ غلبہ اور زور کے ساتھ دارِ اسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے رہے ہیں۔ اور مسلمان اسلامی احکام کے اظہار سے عاجز اور بے بس تھے۔ اگر مسلمان ایسا کرنے کی جرأت کرتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے۔

ہائے ہلاکت! ہائے مصیبت! ہائے افسوس اور غم، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو رب العالمین کے محبوب ہیں ان کے ماننے والے تو ذلیل وخوار ہوں لیکن آپ کے منکروں کی عزت اور ان کا لحاظ ہو۔

مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کے ماتم میں تھے۔ اور معاند اور مخالف لوگ تمسخر اور استہزأ کے ذریعہ ان کے زخموں پر نمک پاشی کرتے تھے۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پَردوں میں روپوش ہو چکا تھا، اور حق کا نور باطل کے حجابات میں ایک طرف الگ ہو کر رہ گیا تھا۔

آج جبکہ دولت ونعمت اسلام کے آگے رکاوٹوں کے زوال کی خوشخبری اور اسلامی بادشاہ کے بیٹھنے کی بشارت خاص وعام کے کانوں تک پہنچ چکی ہے، اہلِ اسلام اپنے اوپر لازم کر لیں کہ بادشاہ کے مدد ومعاون بنیں اور ترویج شریعت اور تقویت دولتِ اسلام کی طرف رہنمائی کریں۔ یہ امداد وتقویت خواہ زبان سے میسر آئے خواہ ہاتھ سے۔ نعمت اسلام کی سب سے اولین مدد یہ ہے کہ

مسائلِ شرعیہ کی وضاحت کی جائے۔ اور کتاب و سنت اور اجماع کے عقائدِ کلامی کا اظہار کیا جائے تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں پڑ کر راستہ نہ روک دے اور کام کو خرابی اور فساد میں نہ ڈال دے۔ اس قسم کی امداد علمائے حق کے ساتھ مخصوص ہے جن کا رجحان آخرت کی طرف ہے۔ دُنیا پرست علماء جن کا مقصود کمینی دُنیا ہے، ان کی صحبت زہر قاتل ہے اور ان کی بدی کا فساد دوسروں کو بھی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔

عالم کہ کامرانی وتن پروری کند　　　　او خود گم است کرا رہبری کند

ترجمہ: جو عالم اپنے مقصود کی پوجا اور تن پروری میں مصروف ہو وہ خود گم کردہ راہ ہے۔ دوسرے کی کیا رہبری کرے گا؟

زمانۂ ماضی میں جو بلا و آفت بھی اسلام کے سر پر ٹوٹی وہ ان ہی علماءِ سوء کی شومی کی بدولت تھی۔ بادشاہوں کو یہی علماءِ سوء راہِ راست سے بھٹکاتے ہیں۔ بہتر (۷۲) فرقے جو گمراہی کی راہ اختیار کر چکے ہیں، ان کے مقتدا یہی علماءِ سوء ہیں۔ علماء کے ماسوا گمراہی دوسروں تک کم ہی تجاوز کرتی ہے۔ ظاہری لحاظ سے ہر قسم کی مدد کی استطاعت رکھنے کے باوجود جو شخص خدمتِ اسلام میں کوتاہی کرے اور اس کوتاہی کے سبب کارخانۂ اسلام میں فتور اور خلل واقع ہو تو ایسا شخص لائقِ عتاب ہے۔ اس بناء پر یہ حقیر کم مایہ بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو اسلام کی معاونت کرنے والی جماعت میں ڈال دے اور حسبِ استطاعت اپنے ہاتھ پاؤں کو حرکت دے۔ اور مطابق:

مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔

ترجمہ: جو شخص کسی جماعت کے زیادہ ہونے کا باعث بنتا ہے وہ ان ہی میں شمار ہوتا ہے۔[155]

---

[155] (شرح صحیح بخاری لابن بطال، کتاب الرضاع، باب هل یرجع اذا رأی منكرا فی الدعوة وارشاد الساری شرح صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب من كره ان یكثر سواد الفتن و الظلم)

احتمال ہے کہ اس بے استطاعت کو بھی اس عزت والی جماعت میں داخل کر لیں۔ اپنے آپ کو اس بڑھیا کی طرح تصور کرتا ہے جو سوتر کی چند تاریں تیار کر کے لائی اور اپنے آپ کو حضرت یوسف علٰی نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے خریداروں میں شامل کر لیا تھا۔

اُمید ہے کہ اس نزدیکی میں ان شاء اللہ العزیز شرفِ حضور سے مشرف ہو گا۔ آپ کی بزرگ جناب سے توقع ہے کہ جب آپ کو مکمل طور پر بادشاہ کا قُرب اور اس کی استطاعت میسر ہے تو خلوت وجلوت میں شریعت محمدی علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی پوری کوشش کریں گے اور مسلمانوں کو ذلت وخواری سے باہر نکالیں گے۔

اس رقعہ نیاز کا حامل مولانا حامد کا سرکارِ اقبال آثار سے وظیفہ مقرر ہے۔ گزشتہ سال اس نے حاضر ہو کر حاصل کر لیا تھا۔ اس سال بھی اُمید لے کر آیا ہے۔ حقیقی اور مجازی دولت میسر اور نصیب ہو۔]

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی احیائے دین کے لئے کی گئی کوششوں کا واضح بیان موجود ہے۔ ہندوستان کے مطلق العنان بادشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں اسلامی شعائر کی جس قدر توہین ہوئی، اس وقت کے علماءِ سوء اور صوفیائے خام نے جو کردار ادا کیا اس پوری صورت حال پر آپ خون کے آنسو رو رہے ہیں اور اس بے انتہاء غم اور بے چینی کا اظہار، واویلا اور وامصیبتاہ کے درد بھرے الفاظ سے فرما رہے ہیں۔ یہ آپ ہی کی خداداد استقامت تھی کہ اس دور میں اکبر کے

خود ساختہ دینِ الٰہی کے مقابلے میں دینِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات کا عَلم لہرایا اور اتنی بڑی باطل قوت کو پاش پاش کرکے رکھ دیا۔

مکتوبِ گرامی میں قَرنِ سابق (گذشتہ صدی) سے مراد سلطنتِ اکبر ہے اور ابتدائے بادشاہت سے مراد سلطنتِ جہانگیر ہے۔ آپ اہلِ اسلام کو ترغیب دے رہے ہیں کہ اسلام دشمن حکومت (سلطنتِ اکبر) کے زوال کے بعد اب جہانگیر تخت نشین ہوا ہے۔ اس سے ہمیں نیک توقعات وابستہ ہیں، شاید یہ حکومت اسلام کی مددگار ثابت ہو۔ لہٰذا لازم ہے کہ شریعت کے رواج دینے اور دین کو قوت پہنچانے میں بادشاہ کی رہنمائی کی جائے اور کتاب و سنت اور اجماعِ اُمت کے مطابق اہلِ سنت کے عقائد اور مسائلِ شرعیہ بیان کئے جائیں اور یہ علمائے حق اہل سنت وجماعت کی ذمہ داری ہے، جو علمائے آخرت ہیں۔ گذشتہ صدی میں اسلام پر جو مصیبتیں آئیں وہ علماءِ سوء یعنی علمائے دُنیا کی وجہ سے آئی تھیں۔ بادشاہوں کو راہِ راست سے بہکانا ان ہی کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ دورِ جہانگیری میں بھی حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنے والے اور اس کو راہِ راست سے بھٹکانے والے یہی علماء سوء تھے۔ جنہوں نے بادشاہ کے لئے سجدۂ تعظیمی جائز قرار دیا۔ خود بھی بادشاہ سے ملاقات کے وقت رسمِ سجدہ بجالاتے اور آپ کے ردِّ روافض میں لکھے ہوئے رسائل و مکتوبات کو غلط معانی کا جامہ پہنا کر حکومت میں شامل امراء و حکام اور شاہی خاندان کی خانمات و بیگمات سے رابطے پیدا کرتے اور انہیں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے خلاف بہکاتے رہتے تھے جس کے نتیجے میں آپ کو قلعہ گوالیار میں بندش کے علاوہ اور بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ تائیدِ خداوندی کے سہارے استقامت گزیں رہے اور تجدیدِ اسلام کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کرتے رہے۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۵۴، ۲۵۵)

مکتوب نمبر ۴۸

[یہ مکتوب بھی سیادت وبزرگی کے مالک شیخ فرید بخاری کی طرف صادر فرمایا:
علمائے کرام اور دینی طلبہ کی عظمت نگاہ میں رکھنے کی ترغیب کے بیان میں جو شریعت کے حامل ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو بحرمت سید انبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات دُشمنوں پر غلبہ ونصرت عطا فرمائے۔

مرحمت نامہ گرامی جس سے فقراً کو نوازا تھا فقیر اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے مولانا محمد قلیج موفق کے خط میں لکھا تھا کہ کچھ خرچ طالب علموں اور صوفیاء کے لئے روانہ کر دیا گیا ہے۔ آپ نے جو دینی طلبہ کا ذکر خط میں صوفیوں سے پہلے کیا نظر ہمت میں بہت ہی اچھا لگا۔ مطابق الظاہر عنوان الباطن (ظاہر باطن کا عنوان ہے) اُمید ہے کہ آپ کے باطن شریف میں بھی اس بزرگ جماعت کی تقدیم پیدا ہو چکی ہو گی۔

كُلُّ اِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَافِيْهِ

ترجمہ: ہر برتن سے وہی کچھ نمودار ہوتا ہے جو اس میں موجود ہوتا ہے۔

از کوزہ ہماں تراود کہ در وست

ترجمہ: کوزے سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں ہوتی ہے۔

طالب علموں کو مقدم کرنے میں شریعت کی ترویج ہے۔ یہی لوگ شریعت کے حامل ہیں۔ ملت مصطفویہ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات ان ہی سے قائم ہے۔ کل قیامت کو شریعت کے بارے میں سوال کریں گے، تصوف کے متعلق نہیں پوچھیں گے۔ جنت میں داخلہ اور دوزخ سے بچنا شریعت

پر عمل کرنے سے ہو گا۔ انبیاء کرام صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیمات علیہم جو افضل اور بہترین کائنات ہیں انہوں نے شریعت کی ہی لوگوں کو دعوت دی ہے۔ اور نجات بھی اس شریعت پر ہی موقوف ہے۔ اور ان اکابر انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت اور تشریف آوری سے مقصود بھی تبلیغ شرائع ہے۔ لہٰذا اعلیٰ ترین نیکی یہ ہے کہ شریعت کی ترویج میں سعی اور کوشش کی جائے۔ اور احکام شرع میں ایک حکم کو جاری اور زندہ کرنا خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اسلامی شعائر مٹائے جارہے ہوں، خدائے تعالیٰ عزوجل کی راہ میں کروڑہاروپیہ خیرات کر دینا بھی اس کے برابر نہیں، جس طرح مسائلِ شرعیہ میں سے ایک مسئلے کو رواج دینا۔ کیونکہ اس فعل میں انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی اقتدا ہے جو تمام مخلوقات سے افضل واعلیٰ ہیں۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی نیکیاں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوتی ہیں۔ اور کروڑوں روپے خرچ کرنا تو غیر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی میسر آجاتا ہے۔ پھر شریعتِ مطہرہ کی پیروی میں نفس کی پوری مخالفت ہے۔ اور نفس کی سرشت شرع شریف کی مخالفت پر ہے۔ اور مال خرچ کرنے میں بعض اوقات نفس موافق بھی ہوتا ہے۔ ہاں مال خرچ کرنا تائید وتقویت شرع اور ترویج ملتِ اسلام کی خاطر ہونا چاہیئے۔ اور یہ بلند ترین درجہ ہے، اور ایک کوڑی اس نیت سے خرچ کرنا اس کے ماسوا میں لاکھوں روپے خرچ کرنے کے برابر ہے۔ یہاں کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ غیرِ حق تعالیٰ میں گرفتار طالب علم اس صوفی سے کیسے بہتر ہو سکتا ہے جو غیرِ حق کی گرفتاری سے آزاد ہو چکا ہے۔ کیونکہ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ سائل بات کی تہہ تک نہیں پہنچا۔ طالب علم غیرِ حق میں گرفتاری کے باوجود مخلوقات کی نجات کا سبب اور ذریعہ ہے، کیونکہ احکامِ شرع کی تبلیغ اسے میسر ہے۔ اگرچہ خود اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہا۔ اور صوفی اپنے آپ کو غیرِ حق سے آزاد کر لینے کے باوجود مخلوق کی نجات سے کوئی سروکار

نہیں رکھتا۔ وہ شخص جو بہت سے لوگوں کی نجات اور خلاصی کا سبب ہو، اس کا اس شخص سے بہتر اور افضل ہونا بالکل واضح ہے جو صرف اپنی نجات کے سامان میں ہی مصروف ہو۔

ہاں وہ صوفی جس کو فنا اور بقا اور سیر عن اللہ اور سیر باللہ کے بعد عالم کی طرف لایا گیا ہو اور مخلوق کو راہِ راست کی طرف لانے کا فریضہ اسے تفویض کیا گیا ہو وہ مقامِ نبوت سے حصہ پا چکا ہے۔ ایسا صوفی مبلغینِ شریعت میں داخل ہے اور علماءِ شریعت کا ہی حکم رکھتا ہے۔

ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَشَاءُ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیمِ (الجمعة ۴)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔]

تشریح

اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس بات کے بارے میں اشارہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن شریعت کے متعلق سوال کیا جائے گا، تصوف کے متعلق پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ اور جنت میں داخلہ اور دوزخ سے بچنا شریعت پر عمل کرنے سے ہو گا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو ساری کائنات میں افضل اور بہترین مخلوق ہیں انہوں نے شریعت ہی کی دعوت لوگوں کو دی ہے۔ اور انسان کی نجات بھی اس شریعت پر ہی موقوف ہے۔

سالکینِ طریقت، جنہیں کشفی و شہودی کیفیات میسر ہوں اور تزکیہ وتصفیہ کی دولت ہاتھ آجائے لیکن شریعتِ مطہرہ کے علمِ ظاہری سے روشناس نہ ہو سکے ہوں وہ یہ گھمنڈ نہ کریں کہ دین کے طالب علموں سے ہمارا مقام اونچا ہے۔ کیونکہ ایسے سالک صرف اپنی آخرت کی فکر میں لگے ہیں جبکہ شریعتِ حقہٗ کے علومِ ظاہری رکھنے والے طالب علم اپنے ساتھ ساتھ دوسری مخلوق کی ہدایت کا بھی سبب بنتے ہیں اس لئے شریعتِ مطہرہ کی نسبت کی وجہ سے طلباء کرام کی فضیلت ثابت و مسلم

ہے۔ جاہل صوفیاء جو قرآن وحدیث اور فقہ کے علم سے نابلد ہوتے ہیں دین کے طالب علموں کی تذلیل وتضحیک کر کے اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ اکثر کہہ جاتے ہیں کہ ان ملاؤں کو ذوقِ باطنی کی کیا خبر؟ ہاں وہ صوفی جو کیفیاتِ باطنی کے ساتھ علومِ ظاہری سے بھی واقف ہو، وہ البتہ اُن صوفیوں سے جو ظاہری علوم سے محروم ہوں اور اُن طلباء سے جو تصوف سے عاری ہوں، بہر حال بہتر وافضل ہے۔

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے یہ مکتوب حضرت شیخ فرید بخاری علیہ الرحمۃ کی طرف تحریر فرمایا۔ انہوں نے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا تھا، جس میں طالب علموں اور صوفیوں کے لئے کچھ اخراجات بھیجنے کا اظہار کیا تھا۔ اس خط میں انہوں نے طالب علموں کا ذکر صوفیوں کے ذکر پر مقدم رکھا تھا، جس پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اظہارِ مسرت فرماتے ہوئے اُمید ظاہر فرمائی کہ آپ کا باطن بھی علماء وطلباء کی تعظیم سے سرشار ہے۔ یہ بزرگ جماعت ہی شریعت کو رواج دینے والی، مذہب وملت کے تشخص کو اجاگر کرنے والی اور دینی اقدار کو قائم رکھنے والی ہے۔ کیونکہ یہی گروہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی کامل وراثت کا حامل ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام شریعتوں کو رواج دینے پر مامور تھے۔ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر ہی منحصر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کل قیامت کے دن شریعت کے متعلق پوچھا جائے گا، تصوف کی بابت نہیں پوچھا جائے گا۔ لہٰذا اعلاءِ شریعت کا مرتبہ صوفیاء اور شہداء کے مرتبے سے بھی بلند تر ہے۔

چنانچہ ایک مکتوب میں آپ نے وضاحت فرمائی ہے کہ علومِ شرعیہ کی تعلیم و تدریس ذکر و فکر سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اگر سارا وقت درس میں ہی صرف ہو جائے تو نہایت بہتر ہے۔ رات کے اوقات ذکر و فکر کے لئے وسیع ہیں۔[156]

نیز آپ نے صراحت فرمائی ہے کہ اہلِ سنت کے علمائے ظاہر اگرچہ بعض اعمال میں قاصر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق ان کے درست عقائد کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ وہ کوتاہی و کمی اس کے مقابلے میں ہیچ (ناچیز) دکھائی دیتی ہے۔[157]

بینہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی راہ میں کروڑہا روپیہ خرچ کر دینے سے بھی زیادہ بہتر یہ ہے کہ شرعی مسائل میں سے ایک مسئلہ کو رواج دیا جائے کیونکہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اقتداء ہے۔ اسی لئے آپ مخیر حضرات کو علماء و طلباء کی مالی اعانت پر ترغیب دیا کرتے تھے چنانچہ شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی آپ کی تربیت کی وجہ سے یہی جذبہ رکھتے تھے اور طلباء، علماء اور فقراء پر اپنا مال زیادہ خرچ کیا کرتے تھے کیونکہ یہ حضرات مسائل و احکامِ شرعیہ کی تعلیم و تبلیغ پر مامور ہیں۔

مشہور تابعی حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ آپ اپنے صدقات و معروفات کو علماء و طلباء کے لئے وقف رکھتے۔ ایک مرتبہ ان سے عرض کیا گیا کہ آپ اپنے معروفات میں تعمیم کیوں نہیں فرماتے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء کرام علیہم السلام کے

---

156 (دفتر دوم، مکتوب ۱۴)

157 (دفتر اول، مکتوب ۸)

بعد علماء سے بہتر کوئی گروہ نظر نہیں آتا۔ میری رائے میں ان کو علم کی طرف متوجہ رکھنا فرائض میں داخل ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ گروہ اپنی روزمرہ کی ضروریات میں اُلجھا رہا تو حصولِ علم کے لئے اپنی کوششوں کو کیونکر جاری رکھ سکے گا لہٰذا ان کو کسبِ معاش کی فکر سے آزاد رکھنا اور ترویجِ علم وشریعت کے لئے فارغ لمحات مہیا کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔[158]

ترویجِ شریعت کی فضیلت

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ صوفی اگرچہ ماسوی اللہ سے آزاد ہے مگر اس کو صرف اپنی نجات حاصل ہے جبکہ علماء اور طلباء اگرچہ ماسویٰ اللہ سے آزاد نہ بھی ہوں مخلوق کی نجات کے کفیل ہیں۔ کیونکہ انہیں تعلیمِ دین اور ترویجِ شریعت کی سعادت میسر آئی ہے۔ ہاں وہ صوفی جو فنا وبقا کے بعد نزول کرکے دعوت وارشاد کی مسند پر رونق افروز ہو اور علمِ باطن کے ساتھ علمِ ظاہر کی دولت سے بھی آراستہ ہو ایسے صوفی کو کمالاتِ نبوت سے حصہ ملتا ہے اور وہ بھی شریعت کی ترویج وتبلیغ کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا اور علماء شریعت کے حکم میں داخل ہوگا۔ ایک دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا کہ ایسا صوفی جو جامع شریعت وطریقت ہو علمائے ظواہر شریعت سے کامل ہوتا ہے۔ کیونکہ علمِ ظاہر وباطن دونوں انبیاء کی میراث ہیں۔ لہٰذا تمام متروکہ میراث سے کامل حصہ رکھنے والا ہی کامل وارث ہوتا ہے۔ اس لئے صوفی کامل ظاہر شریعت کا بھی معلم ہوتا ہے اور باطن شریعت کا بھی مبلغ ہوتا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۲، ص ۲۶۰ تا ۲۶۳)

---

[158] (تعلیماتِ غزالی)

حکم الشریعة الغراء علیٰ من استخف بالعلم و العلماء میں ہے:

حکم الشریعة الغراء علیٰ من استخف بالعلم والعلماء

جو شخص بلاوجہ علماء حق پر اعتراض کرتا ہے اور ان کی توہین کرتا ہے تو اس کے متعلق شدید وعیدات آئی ہیں:

ومن أبغض عالماً من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر ولو صغر الفقیه او العلوی قاصراً الاستخفاف بالدین کفر۔

"جس نے عالم (حق) سے بغیر کسی ظاہری شرعی سبب کے بغض رکھا تو اس پر کفر کا خوف ہے اور اگر کسی نے کسی فقیہ عالم یا علوی کی استخفافِ دین کی نیت سے تصغیر کی (یعنی چھوٹا سمجھا) تو اس نے کفر کیا۔"[159]

اسی طرح عالمگیری ج ۲ ص ۸۸۹ میں ہے:

وفی النصاب من أبغض عالماً من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر۔

یعنی نصاب میں ہے جس نے کسی عالم (حق) سے بغیر کسی ظاہری شرعی سبب کے بغض رکھا تو اس پر کفر کا خوف ہے۔

اسی طرح عالمگیری ج ۲ ص ۸۹۰ میں ہے:

ویخاف علیه الکفر اذا شتم عالماً أو فقیهاً من غیر سبب۔

اور اس پر کفر کا خوف ہے جب وہ کسی عالم (حق) یا فقیہہ کو بغیر (شرعی) سبب کے گالی دے یا بُرا بھلا کہے۔

---

[159] (اختلاف، ج ۱ ص ۱۲۴)

اور فتاویٰ بزازیہ ص۱۷۸ میں ہے:

قال فی الاشباہ الاستھزاء بالعلم والعلماء کفر وعن مجموع النوازل اھانۃ علماء الدین کفر وعن المحیط ان شتم عالما فقد کفر فتطلق امرأتہ۔

یعنی ’’صاحبِ اشباہ نے کہا ہے کہ علم اور علماء کے ساتھ استہزاء کرنا کفر ہے اور مجموع النوازل میں ہے کہ علماء دین کی اہانت کرنا کفر ہے اور محیط سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے عالم کو گالی دی تو اس نے کفر کیا، اس کی بیوی مطلقہ ہو گئی۔‘‘

الاستخفاف بالعلماء کفر لکونہ استخفافا بالعلم والعلم صفۃ اللہ تعالیٰ۔

یعنی علماء کی توہین و استخفاف کرنا کفر ہے کیونکہ یہ علم کا استخفاف ہے اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

عالمگیری ج۲ ص۸۹۰ اور الفقہ الاکبر ص۲۱۱ میں ہے کہ ایک شخص نے کسی بڑے عالم وفقیہہ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے تو اس فقیہہ نے حضرت شیخ امام ابی بکر محمد بن فضل کی خدمت میں پیش ہو کر شکایت کر دی تو حضرت شیخ صاحب نے اس بے ادب شخص کو قتل کرنے کا حکم سنایا۔

اسی طرح ابن ضیاء نے اپنی کتاب ’’شرح کنز‘‘ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء رحمھم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے علماء کو توہین کی نظر سے دیکھا یا ایسے الفاظ سے ان کا ذکر کیا کہ اس میں عالم کی توہین ہو تو یہ آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ’’عمدۃ الاسلام‘‘ میں بھی ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ’’علماء وارثِ انبیاء ہیں۔‘‘ اسی طرح روضۃ العلماء میں ہے کہ بے علم (جاہل) کے لئے علماء و طلباء کی محفل میں بیٹھنا جائز نہیں، اگر بیٹھ گیا تو بادشاہِ وقت یا قاضی کو چاہیئے بلکہ واجب ہے کہ اس کو منع کرے کیونکہ اس میں طلباء و علماء کی حقارت ہے۔ اگر کوئی شخص محفل میں عالم سے بلند جگہ پر بیٹھا تو

اگر توہین کی نیت ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اگر استہزاء کی نیت ہو تو پھر اسے تعزیر (سزا) دینا چاہیئے۔ آئمہ کے نزدیک یہ متفق بات ہے۔[160]

اسی طرح خلاصہ میں ہے کہ جس نے عالم کے ساتھ بغض و حسد رکھا تو اس پر کفر کا خوف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ علماء کی توہین اور بے ادبی انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کو مستلزم ہے کیونکہ علماء رحمہم اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔"[161]

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار ج۳ ص ۲۰۱ میں لکھا ہے کہ:

"اگر اہلِ علم کی توہین استہزاء کی صورت میں ہو تو اسے تعزیراً سزا دی جائے اور اگر بہ نیتِ توہین و گستاخی کی ہو تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ علماء کی توہین کفر ہے، مختار قول کی بناء پر۔"[162]

یہاں پر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے مراد علمائے ربانیین ہیں۔ مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ علماء اہل سنت و جماعت کی اہانت و تحقیر کرنا کفر ہے لہٰذا جو شخص علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی اہانت کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ علی الاعلان تجدید ایمان و تجدید نکاح کرے۔

---

160 (فتاویٰ حامدیہ ج ۱ ص ۱۰۳)

161 (شرح فقہ اکبر ص ۲۱۳، عالمگیری)

162 (فتاویٰ بدیعیہ)

علمائے ربانیین رحمہم اللہ تعالیٰ کی پہچان

قال وهب بن منبه: وجدت في أحد وسبعين كتاباً أن الله تعالى لم يعط جميع الناس من بدء الدنيا إلى انقضائها من العقل في جنب عقله صلى الله عليه وسلّم إلا كحبة بين رمال الدنيا۔[163]

"حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اکہتر (۷۱) کتابوں میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء تا انتہائے دنیا جتنے عقول لوگوں کو عطا فرمائے ہیں وہ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے عقل کے مقابلے میں وہی نسبت رکھتے ہیں جو ریت کے ایک ذرہ کو دنیائے عالم کے تمام ریت کے ٹیلوں سے ہے۔"

اب دیکھو علوم اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ بغیر کسی سے پڑھے ہوئے جو انبیاء علیہم السلام کے علوم کے سامنے قطرہ ہے حدیث مبارکہ میں فرمایا: اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله۔

مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ نور اللہ سے دیکھتا ہے۔[164]

أن النفوس الزكية القدسية إذا تجردت عن العلائق البدنية عرجت واتصلت بالملأ الأعلى ولم يبق لها حجاب فترى الكل كالمشاهد۔[165]

ترجمہ: حضرت ملا علی قاری حنفی مکی علیہ الرحمۃ جو کہ علماء دیوبند کے نزدیک بھی مستند ہیں فرماتے ہیں پاک اور صاف نفوس جب بدنی علاقوں سے خالی ہو جاتے ہیں تو ترقی کرتے ہوئے ملاءِ اعلیٰ سے مل جاتے ہیں اور ان پر کوئی حجاب اور پردہ نہیں ہوتا اس لئے وہ تمام اشیاء کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے وہ سامنے ہیں۔

---

163 (تفسیر روح البیان ص ۴۴ ج ۵ ا سورۃ الاسراء ا، شرح الشفاء للملاعلی قاری ج ا ص ۱۷۵)

164 (سنن الترمذی کتاب التفسیر حدیث ۳۱۳۸ دار الفکر بیروت ۵/ ۸۸، کنز العمال حدیث ۳۰۷۳۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۸۸)

165 (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۶ ج ۲ ص ۷ ج ۲)

علامہ سیدی عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تصنیف طبقات الکبریٰ میں ولی کامل کے علم کے متعلق فرماتے ہیں:

اطلعہ علی غیبہ حتی لا تنبت شجرۃ و لا تخضر ورقۃ الا بنظرہ۔[166]

"اس کو غیب پر مطلع کیا جاتا ہے یہاں تک کہ کسی درخت کا اگنا اور اس کے پتوں کا سبز ہونا بھی ولی کے نگاہ کے سامنے ہوتا ہے۔"

قطب زمان حضرت عبد العزیز دباغ رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الابریز میں فرماتے ہیں:

ما السموات السبع و الارضون السبع فی نظر العبد المؤمن الا کحلقۃ ملقاۃ فی فلاۃ من الارض۔[167]

"ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمین کامل مؤمن کی وسعتِ نگاہ میں ایسی ہیں جیسے ایک میدان لق ودق میں ایک چھلا پڑا ہو۔" مشت نمونہ خروار میں، میں نے اہل اللہ مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اہل شریعت و طریقت کا بغیر کسی سے پڑھے ہوئے علومِ باطنی لدنی نورانی پیش کیا جس کے حصول کا سبب پابندیٔ شریعت و طریقت ہے ظاہر پر اور باطن میں اللہ تعالیٰ سے شدت سے ڈرنا ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے تو اس کی ظاہری علامات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا فرمانبردار و تابعدار رہتا ہے اور کسی بھی وقت ذکرِ الٰہی اور ذکرِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے غافل نہ رہے۔مالی، بدنی، دینی اور دنیوی ہر طرح شریعت کے دائرہ میں رہتا ہے دروغ گوئی، وعدہ خلافی، دنیاپرست، نفس پرست، لالچی، قوم پرست، ریاکار، شرپسند، بے غیرتی کرنے والا، چغلی کرنے والا، بہتان باندھنے والا، حرام کھانے والا، ضرر پہنچانے والا اور ظلم

---

166 (طبقات الکبریٰ ص ۱۴۳ طبعہ مصر)

167 (ابریز ص ۲۰۵ مطبوعۃ مصر)

کرنے والانہ ہو یعنی تمام بد کرداریوں، بداخلاقیوں اور بدبختیوں سے پاک ہو یہ ہے معنی إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) کا۔ یہ تمام اوصاف صرف اہل شریعت اہل طریقت میں ہیں وہی لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ وہی لوگ اہل تقویٰ ہیں۔ دوسرے جو تمام صفات اوراخلاقِ حسنہ ہیں وہ انہی میں موجود ہیں جو صفاتِ تقویٰ ہیں۔ مثلاً ادب، تعظیم، حیاء، غیرت، سخاوت، قناعت، عشق، محبت، صبر، شکر، ترحم، شفقت، خیر خواہی، مداومت برنوافل، ذکر، فکر، تواضع، عاجزی، اخلاص، صداقت، نہ بغض، نہ کینہ، نہ حسد، محبت للہ فللہ، شبِ بیداری، مجاہدۂ نفس، کم خوردن، کم گفتن، کم رفتن، خلوت نشینی، دنیاسے بے رغبتی، سچائی، کثرتِ ذکر اللہ وذکرِ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم، متوکل ذات وصفاتِ الٰہی کا عارف عقیدہ اہلسنت وغیرہ رکھنے والے یہ ہیں۔ إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) کی تفسیر وتشریح إِنَّمَا يَخاف الله فيتقي۔ وفي الحديث: من لم يخش الله فليس بعالم۔ وفي الحديث: وكفى بالمرء علما ان يخشى الله وكفى بالمرء جهلا ان يعجب بعمله۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے صرف بزرگانِ دین صحیح العقیدہ اہلِ شریعت وطریقت مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ مذکورہ جملہ صفات ان میں ہیں خواہ کتابیں بہت ہی کم پڑھی ہیں لیکن ان کے لئے علمِ ظاہر اتنا کافی ہے کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، حلال اور حرام جانتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کی بڑے بڑے اکابر علماء نے مریدی کی ہے کیونکہ صرف علمِ ظاہر سے بیعت وطریقت، معرفتِ الٰہی اور مکمل تقویٰ حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے امام یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شقیق بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کی تھی، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، مولانا جامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احد اصاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہبیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے، حضرت داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حبیب عجمی

رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔ اکثر بڑے بڑے اکابر علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایسے بزرگوں سے فیوض حاصل کئے ہیں کہ بظاہر علم میں ان سے کم تھے لیکن علمِ باطن میں وہی ظاہر علماء اہل باطن کے شاگرد تھے اس لئے مشائخ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت سی معتبر کتب میں "وراثت النبی" کا خطاب موجود ہے وہ یہ ہے۔

قال صلى الله عليه وسلم الشيخ في قومه كالنبي في أمته۔[168]

---

168 (إحياء علوم الدين، ج ا ، ص ١٦٠) (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية، ج٣، ص ٢٦٥)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٧، ص ٢١)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٧، ص ٢٢١)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج١٧ ، ص٣٨٦)(الأصل المعروف بالمبسوط، ج٣، ص٧٥)(أحاديث القصاص، ج ا ، ص ٨٥)(أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب، ج ا ، ص ١٦٩)(إحياء علوم الدين، ج ا ، ص ١٦٠)(الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى، ج ا ، ٢٢٩)(الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى، ج ا ، ٣٣٩)(التذكرة في الأحاديث المشتهرة، ج ا ، ص ١٩٠)(الجد الحثيث في بيان ما ليس بحديث، ج ا ، ص ١٢١)(الفوائد المجموعة – الشوكاني، ج ا ، ص٢٨٦)(اللآلي المنثورة في الأحاديث المشهورة، ج ا ، ص ١٩٠)(المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ج ا ، ص ١١٥)(المغني عن حمل الأسفار، ج ا ، ص ٤٨)(النخبة البهية في الأحاديث المكذوبة على خير البرية، ج ا ، ص ٩)(تذكرة الموضوعات، ج ا ، ص ٢٠)(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة، ج ا ، ص ٢٣٦)(كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الاحاديث على ألسنة الناس، ج ٢، ص ١٧)(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ج ا ، ص ٤١٢)(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ج ا ، ص٧٥٧)(الفوائد المجموعة للشوكاني بتحقيق المعلمي، ج ا ، ص ١٠٥)(النخبة البهية في الأحاديث المكذوبة على خير البرية، ج ا ، ص ١٧)(النخبة البيهة في الأحاديث المكذوبة للأمير المالكي، ج ا ، ص ١٥)(تنزيه الشريعة المرفوعة، ج ا ، ص٢٠٧)(تنزيه الشريعة المرفوعة لابن عراق، ج ا ، ص ٢٢٨)(تخريج أحاديث إحياء علوم الدين، ج ا ، ص ٢٢٩)(اللآلئ المنثورة في الأحاديث المشهورة المعروف بـ(التذكرة في الأحاديث المشتهرة)، ج ا ، ص ١٩٠)(الدرر المنثور في الأحاديث المشتهرة، ج ا ، ص ٢٦)(الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة، ج ا ، ص ٢٨٠)(تخريج أحاديث الإحياء، ج ا ، ص ٥٠)(الأحاديث والآثار التي تكلم عليها شيخ الإسلام ابن تيمية، ج ا ، ص٢٨)(الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة، ج ا ، ص ١٣٣)(المغني عن حمل الأسفار في الأسفار، في تخريج ما في الإحياء من الأخبار (مطبوع بهامش إحياء علوم الدين)، ج ا ، ص ٩٨)(الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، ج ا ، ص ٢٨٦)(أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب،

ج ا ، ص ١٦٩)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، ج ٢ ، ص ١٧)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، ج ٢، ص ٢٤٣)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس، ج ٢، ص ١٨)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس، ج ٢ ، ص ٢٨٨)(التخريج الصغير والتحبير الكبير (مطبوع ضمن مجموع رسائل ابن عبد الهادي)، ج ٣، ص ١٠٨)(إحياء علوم الدين، ج ا ، ص ١٦٠)(الأحاديث والاثار التي تكلم عليها شيخ الإسلام ابن تيمية، ج ا ، ص ٢٧)(الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة، ج ا ، ص ١٢)(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ج ا ، ص ٤١٢)(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ج ا ، ص ٥٧)(تخريج أحاديث الإحياء، ج ا ، ص ١٨٩)(اللآلي المنثورة في الأحاديث المشهورة، ج ا ، ص ١٩٠)(أحاديث حكم عليها شيخ الإسلام، ج ا ، ص ٣)(الجد الحثيث في بيان ما ليس بحديث للعامري، ج ا ، ص ٢٦)(الدرر المنثورة في الأحاديث المشتهرة، ج ا ، ص ١٢)(الفوائد المجموعة، ج ا ، ص ٢٨٦)(تذكرة الموضوعات، ج ا ، ص ٩)(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، ج ا ، ص ٢٠٧)(اللآلي المنثورة في الأحاديث المشهورة للزركشي، ج ا ، ص ٥٧)(تذكرة الموضوعات، ج ا ، ص ٢٠)(الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى، ج ا ، ٢٢٩)(الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى، ج ا ، ٣٣٩)(اللؤلؤ المرصوع فيما لا أصل له أو بأصله موضوع، ج ا ، ص ١٠٥)(المصنوع في معرفة الحديث الموضوع (الموضوعات الصغرى)، ج ا ، ص ١١٥)(الجد الحثيث في بيان ما ليس بحديث، ج ا ، ص ١٢١)(النخبة البهية في الأحاديث المكذوبة على خير البرية، ج ا ، ص ١٧)(تنزيه الشريعة المرفوعة، ج ا ، ص ٢٠٧)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ٧، ص ٥٨)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ١٤ ، ص ٢٦٣)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ١٧ ، ص ٤١٠)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ٤، ص ١٤٩٩)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ٨، ص ٣١١٥)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ٩ ، ص ٣٩٢٥)(المنهل العذب المورود شرح سنن الإمام أبي داود، ج ٣، ص ٥٧)(تفسير الفخر الرازى-موافق للمطبوع، ج ا ، ص ٣٥٨)(تفسير الفخر الرازى-موافق للمطبوع، ج ا ، ص ٢٢٧٤)(البحر المديد-موافق للمطبوع، ج ٨، ص ٤٦)(اللباب في علوم الكتاب، ج ١٢ ، ص ٦٧)(تفسير روح البيان-موافق للمطبوع، ج ٢، ص ١٣٩)(تفسير روح البيان - موافق للمطبوع، ج ٣، ص ٣٥٣)(تفسير روح البيان - موافق للمطبوع، ج ٦ ، ص ١٣٥)(تفسير روح البيان-موافق للمطبوع، ج ٦ ، ص ٣٥٧)(تفسير روح البيان-موافق للمطبوع، ج ٧، ص ١٦٧)(تفسير روح البيان - موافق للمطبوع، ج ٨، ص ١٣٠)(لطائف الإشارات موافقا للمطبوع، ج ٢، ص ٢٨٩)(لطائف الإشارات موافقا للمطبوع، ج ٣، ص ٣٠٤)(مفاتيح الغيب -ترقيم الشاملة موافق للمطبوع، ج ٢ ، ص ٢٠٠)(مفاتيح الغيب -ترقيم الشاملة موافق للمطبوع، ج ٢٠ ، ص ٣٨)(البحر المديد في تفسير القرآن المجيد، ج ١٢ ، ص ٢١٦)(تفسير ابن عجيبة، ج ٦ ، ص ٣٠٨)(مفاتيح الغيب، ج ا ، ص ٥٠٠)(مفاتيح الغيب، ج ٩، ص ٢٠٢)(تفسير اللباب لابن عادل-موافق للمطبوع، ج ا ، ص ٣٢١٢)(تفسير النيسابوري، ج ٧، ص ٤٩٦)(تفسير النيسابوري، ج ١٠ ، ص ٣٩٩)(مفاتيح الغيب، ج ٥، ص ٤٧)(تفسير اللباب في علوم الكتاب، ج ١٠ ، ص ١٣٠)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج ٤٥، ص ٤٥)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج ٣٣، ص ١٣٨)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج ٣٦، ص ٨٠)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج ٣٧، ص ٢٤٩)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج ٥٥،

ص٢٥٦)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٦٧٥، ص٢٣)(مفاتيح الغيب ـ نسخة محققة، ج٢، ص٤٣٢)(مفاتيح الغيب ـ نسخة محققة، ج٢٠، ص٢١٩)(لطائف الإشارات، ج٢، ص٢٨٩)(لطائف الإشارات، ج٣، ص٣٠٤)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم (القسم الأول)، ج٤٥، ص٥٤)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم (القسم الثانى)، ج٣٣٤، ص١٣٨)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٣٦٤، ص٨٠)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٣٧٤، ص٢٤٩)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٥٥٥، ص٢٥٦)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم (القسم الثانى)، ج٦٧٥، ص٢٣)(البحر المديد في تفسير القرآن المجيد، ج٧، ص٣١)(روح البيان، ج٢، ص١٧٤)(روح البيان، ج٣، س٤٦٦)(روح البيان، ج٦، ص١٨٥)(روح البيان، ج٦، ص٤٥١)(روح البيان، ج٧، ص٢١٦)(روح البيان، ج٨، ص١٧٣)(روح البيان، ج٩، ص٦٩)(غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج٤، ص٢٦٨)(غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج٥، ص٢١٨)(لطائف الإشارات = تفسير القشيري، ج٢، ص٢٨٩)(لطائف الإشارات = تفسير القشيري، ج٣، ص٣٠٤)(مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، ج٢، ص٤٣٢)(مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، ج٢٠، ص٢١٩)(اللباب في علوم الكتاب، ج١٢، ص٧٦)(تفسير القشيري، ج٤، ص١٢٧)(تفسير القشيري، ج٧، ص٨٤)(تفسير النيسابوري، ج٥، ص٢٩)(تفسير النيسابوري، ج٦، ص٣٣)(تفسير روح البيان، ج٢، ص٤١٦)(تفسير روح البيان، ج٥، ص١٠٣)(تفسير روح البيان، ج٩، ص١٨١)(تفسير روح البيان، ج١٠، ص٢٢٩)(تفسير روح البيان، ج١١، ص١٠٢)(تفسير روح البيان، ج١٢، ص٣٧٦)(تفسير روح البيان، ج١٤، ص٥٧)(غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج٤، ص٢٦٨)(غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج٥، ص٢١٨)(مفاتيح الغيب (تفسير الرازي)، ج٢١، ص٦٦)(كتب فى التوحيد، ج٤٥، ص١٤٦)(دراسات في التصوف، ج١، ص٢٤١)(التَّصَوُّف .. المنشَأ وَالمَصَادر، ج١، ص٢١٤)(المقالات الدمشقية في الدفاع عن ابن تيمية وكشف الضلالات الحبشية، ج١، ص١٧)(المقالات الدمشقية في الدفاع عن ابن تيمية وكشف الضلالات الحبشية، ج١، ١٤)(الحبائک في أخبار الملائک، ج١، ص٢١٤)(أولياء الله بين المفهوم الصوفي والمنهج السني السلفي، ج١، ص٩٨)(إفحام المخالفين بمن عندهم من المعتبرين، ج١، ص٣٣٤)(إفحام المخالفين بمن عندهم من المعتبرين، ج١، ص٣٤٦)(الأسباب الحقيقية لحرق إحياء علوم الدين من قبل أمير المؤمنين ابن تاشفين، ج١، ١٠٤)(الأسباب الحقيقية لحرق إحياء علوم الدين من قبل أمير المؤمنين ابن تاشفين، ج١، ٣٨٧)(التَّـصَوُّف .. المنْشَأ وَالمَصَادِر - إحسان إلهي ظهير، ج١، ص٢١٣)(الحبائک في أخبار الملائک، ج١، ص٦٤)(المقالات الدمشقية في الدفاع، ج١، ص١٧)(المقالات الدمشقية في الدفاع، ج١، ص٢٤)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٧، ص٩٧)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٢٩، ص٢٤٧)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٣٠، ص٢٤٧)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٣٧، ص١٤٦)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٨٠، ص١٧)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٨٠، ص٢٤)(موسوعة الرد على الصوفية، ص١٢)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة 1-29 جمع وإعداد الباحث في القرآن والسنة علي بن نايف الشحود، ج٦٥، ص١٠٢)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة 1-29 جمع وإعداد الباحث في القرآن والسنة علي بن نايف الشحود، ج٦٥، ص١٤٢)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة 1-29 جمع وإعداد الباحث في القرآن والسنة علي بن نايف الشحود، ج٦٥، ص١٥٠)(مجموع مؤلفات عقائد الرافضة والرد عليها، ج٥٨، ص١٧)(مجموع مؤلفات عقائد الرافضة والرد عليها،

ج٥٨، ص٣٢)(مقالات وبحوث في التصوف، ج١، ص٢٩٨)(موسوعة الفرق المنتسبة للإسلام، ج٧، ص٣٩٩)(الخزنوية .. خداع و تضليل، ج١، ص١٤٦)(أولياء الله بين المفهوم الصوفي والمنهج السني السلفي، ج١، ص٧٩)(المقالات الدمشقية في الدفاع عن ابن تيمية وكشف الضلالات الحبشية، ج١، ص١٧)(المقالات الدمشقية في الدفاع عن ابن تيمية وكشف الضلالات الحبشية، ج١، ص٣٢)(أحمد بن حجر العسقلاني، ج٨٨، ص٣٠٠)(أنور الجندي، ج٨٧، ص٢٠٠)(محمد بن علي الشوكاني، ج٣٩، ص٣٠٣)(مجموع الفتاوى، ج١٨، ص٣٧٩)(أحاديث القصاص، ج١، ص٦٨)(مجموع الفتاوى - ابن تيمية، ج١٨، ص٣٧٩)(مجموع الفتاوى - ابن تيمية، ج١٨، ص٣٧٩)(الأحاديث والآثار التي تكلم عليها شيخ الإسلام ابن تيمية، ج١، ص١٠)(أحاديث حكم عليها شيخ الإسلام، ج١، ص٣)(ضعيف أبي داود —الأم، ج١، ص١١٥)درج بالا کتاب میں حدیث مبارکه صَلی الله تعالیٰ علیه وَ اٰله وَسلّم صفحه نمبر ١١٥ پر دو مرتبه بیان کی گئی ہے۔(الرد على الحبشي في كتابه الدليل الشرعي، ج١، ص١٣)(موسوعة أهل السنة كاملة -عبد الرحمن دمشقية، ج٣، ص٣٦)(موسوعة أهل السنة كاملة -عبد الرحمن دمشقية، ج٣، ص١٦)(التحذير من بعض الفرق المعاصرة المخالفة، ج١٦، ص٤٥)(القسم العربي من موقع (الإسلام، سؤال وجواب)، ج٤، ص١٣٢)(مجموع الفتاوى، ج١٨، ص٣٧٩)(مجموع فتاوى ابن تيمية، ج٤، ص١٥٣)(الدرر المنثور في الأحاديث المشتهرة، ج١، ص٢٦)(الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، ج١، ص٣٠٤)(تهذيب التهذيب، ج٢٠، ص٣٠٠)(مجموع فتاوى ابن تيمية، ص٦)(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، ج٢، ص٣٢)(المكتبة الشاملة-الدرر المنتشرة في الأحاديث المشتهرة، ج١، ص٢٦)(المكتبة الشاملة - المقاصد الحسنة، ج١، ص٣١٩)(المكتبة الشاملة - المقاصد الحسنة، ج٢، ص٨٤)(الأحاديث والآثار التي تكلم عليها شيخ الإسلام، ج١، ص٢٢)(شرح شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر، ج١، ص١٢٠)(كتب ورسائل وفتاوى شيخ الإسلام ابن تيمية، ج١٨، ص٣٧٩)(الفوائد المجموعة للشوكاني بتحقيق المعلمي، ج١، ص١٣١)(المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ج١، ص١٣)(المغني عن حمل الأسفار في الأسفار في تخريج الإحياء، ج١، ص١٩)(بحوث في الأحاديث الضعيفة، ج١، ص١٢)(بحوث في الأحاديث الضعيفة، ج٦، ص٧)(بحوث في الأحاديث الضعيفة، ج٧، ص١٠)(بحوث في الأحاديث الضعيفة، ج١١، ص٦)(شرح شرح نخبة الفكر، ج١، ص٣)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، ج١، ص٣٢٨)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، ج٢، ص١١٧)(شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر، ج١، ص١٢٠)(مقالات وفوائد حديثية من مجلة المنار، ج١، ص٢٦)(تهذيب التهذيب، ج٤، ص٢٤١)(تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس، ج١، ص١٦)(شرح الشفا، ج٢، ص٢٧)(تهذيب التهذيب، ج٥، ص٢٩٠)(تهذيب التهذيب، ج١٣، ص٤١٩)(تهذيب التهذيب، ج٥، ص٢٨٩)(تهذيب التهذيب، ج٥، ص٣٣٢)(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، ج١، ص٢٥٩)(مقالات مجلة الحكمة، ج١، ص٢٩)(كتب ومقالات أنور الجندي، ج٧٧، ص٢٠)(إحياء علوم الدين—الغزالي، ج١، ص٨٣)(اللؤلؤ المرصوع فيما لا أصل له أو بأصله موضوع، ج١، ص١٠٥)(كتاب إحياء علوم الدين، ج١، ص١٥٢)(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، ج١، ص٣٢٨)(سر العالمين وكشف ما في الدارين، ج١، ص٨١)(بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية، ج٣، ص٢٦٥)(سر العالمين وكشف ما في الدارين، ج١، ص٣٣)(ميزان العمل، ج١،

جو بڑے اکابر علمائے دیوبند کے پیرو مرشد ہیں مثلاً سر فراز خان گجرانوالا، غلام خان پینڈوی، ملا طاہر پنج پیری، مولوی شیخ الحدیث نصر الدین غرگشتوی، مولوی عبد الہادی شاہ منثور، مولوی عبد اللہ درخواستی، مولوی غلام غوث ہزاروی وغیرہ ان کے پیرو مرشد نے فیوضات حسینی میں تحریر کئے ہیں۔

الحاصل

نائبین وورا ثین انبیاء علیہم السلام وہی مشائخِ طریقت ہیں۔ حاجی امداد اللہ پیرو مرشد عرب و عجم اور علمائے دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اور مشتاق احمد دیوبندی مرقوماتِ امدادیہ مکتوب ۳۱ پر لکھتے ہیں کہ ''محبتِ مرداں عین محبت اللہ ورسول (صَلَّی اللہ تعالٰی

ص ۴۵)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۸، ص ۲۷۸)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۹، ص۸۷)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۱۲، ص۳)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۱۲، ص۱۰)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۱۲، ص۱۱)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۱۲، ص۱۵)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۱۲، ص۶۳)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۲۳، ص۱۴۸)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۲۳، ص۱۴۹)(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، ج۲، ص۳۰۸)(دليل الواعظ إلى أدلة المواعظ (موضوعات للخطب بأدلتها من القرآن الكريم والسنة الصحيحة)(مع ما تيسر من الآثار والقصص والأشعار، ج۲، ص۱۱۴)(ميزان العمل، ج۱، ص۳۳۳)(إحياء علوم الدين، ج۱، ص۸۳)(بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية في سيرة أحمدية، ج۲، ص۲۲۱)(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، ج۲، ص۵۹)(أرشيف منتدى الألوكة – 3، ص ۲۸۳۸۱)(مجلة المنار (كاملة 35 مجلدا)، ج۳، ص۶۵۷)(مجموع مؤلفات عقائد الرافضة والرد عليها، ج۵۸، ص۱۷)(مجموع مؤلفات عقائد الرافضة والرد عليها، ج۵۸، ص۴۲)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة، ج۸۵، ص۲۰۳)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة، ج۸۵، ص۲۸۶)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة، ج۸۵، ص۳۰۸)(أرشيف ملتقى أهل الحديث – 2، ج۱۲، ص ۲۷۷)(أرشيف المجلس العلمي، ج۲۳۲۴۳، ص ۱)(مجلة المنار (كاملة 35 مجلدا)، ج۳، ص۶۵۷)(موجز دائرة المعارف الإسلامية، ج۲، ص۴۷۸)(شرح شرح نخبة الفكر، ج۱، ص۲)

علیہ وآلہ وسلم) است کہ نائب او شان است "یعنی مرشدوں کی محبت عین اللہ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے کہ ان کے نائب ہیں۔

اسی طرح مولوی شبیر احمد عثمانی نے تفسیر عثمانی میں وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان ۱۵) کی تفسیر میں لکھاہے کہ پیغمبر یا مرشد ہادی کا حق بھی حق اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ اسی کے نائب ہوتے ہیں۔ یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چلو۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا (کھف ۲۸) "جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة۔ یعنی جس نے عمداً مرشدِ طریقت کی بیعت سے انکار کیا وہ تکبر و حسد اور تعصب کی وجہ سے جاہلیت کی موت پر مرا۔[169]

من لا شیخ له فشیخه شیطان ایضاً۔[170]

إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) کی تفسیر مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں۔ تفسیر الحسنات جلد پنجم میں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اول خشیت الٰہی کا ذکر فرمایا جو عمل بالقلب ہے اس کے بعد عمل اللسان اور عمل جوارح ہے پھر عبادت مالی ہے۔[171]

---

169 (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸)

170 (حسین احمد صدر مدرسین دیوبند فی الشهاب الثاقب)

171 (تفسیر الحسنات جلد پنجم ص ۵۸۰)

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل العالم علی العابد کفضلی علی أدناکم ثم تلاھذہ الآیۃ انّما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔

پھر یہ حدیث فرماتے ہیں:

کفی بخشیۃ اللہ علما وکفی بالاغترار جھلا قال الشعبي العالم من یخشی اللہ۔[172]

حضور صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم نے فرمایا: إنّي لأَتْقاکُمْ لِلّٰہِ، وَأَخْشاکُمْ لہ۔[173]

''یعنی میں بہ نسبت تمہارے اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں۔'' معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ثبوت تقویٰ ہے اور جو متقی ہے وہی عالم ہے اور وہی وارث ہے (اور تقویٰ صرف مشائخ طریقت میں ہے)۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰہ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ باتوں کی زیادتی کا نام علم نہیں ہے، علم نام ہے بہ کثرت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ کثرتِ روایات کا نام علم نہیں، علم تو ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی تفسیر معارف القرآن میں إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰہ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس میں خاص اولیاء اللہ کا ذکر ہے لفظ الْعُلَمَاءُ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا کماحقہ علم رکھتے ہیں اور مخلوقاتِ عالم میں اس کے تصرفات پر اور اس کے احسانات وانعامات پر نظر رکھتے ہیں، صرف عربی زبان یا اس کے صرف و نحو اور فنونِ

---

172 (تفسیر مظہری ص ۵۴ ج ۸)

173 (مسلم (ت ۲۶۱)، صحیح مسلم ۱۱۰۸ و تفسیر فیوض الرحمن ص ۵۰۸ ج ۲۲)

بلاغت جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا جب تک اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت مذکورہ طریق پر حاصل نہ ہو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) کی تفسیر میں فرمایا کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ليس العلم بكثرة الحديث ولكن العلم عن كثرة الخشية۔ "بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خوف ہو۔" حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے وہ اسی درجہ کا عالم ہے (معلوم ہوا کہ علم بہ اندازۂ خوف وخشیت ہے نہ بہ اندازۂ کثرتِ کتب پڑھنے کا و بہ اندازۂ فنونِ علم و یادداشت۔)

اور احمد بن صالح مصری نے فرمایا کہ خشیتِ الٰہی کو کثرتِ روایات اور کثرتِ معلومات سے نہیں پہچانا جا سکتا، بلکہ اس کو کتاب و سنت کے اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔ (معلوم ہوا کہ بغیر خشیت وخوف کے صرف کسی عملِ نیک کا طرز و طریقہ وغیرہ یاد کرنا کوئی چیز نہیں) شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص میں خشیت وخوفِ الٰہی نہ ہو وہ عالم نہیں، اس کی تصدیق اکابر سلف کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت ربیع بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: من لم يخش الله فليس بعالم۔ "جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہیں وہ عالم نہیں" اور مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یعنی عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ انما العالم من خشي الله۔

سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ منورہ میں سب سے بڑے فقیہہ کون ہیں ؟ تو فرمایا: **اتقاھم لربہ۔** "جو اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والا ہو" اگر بغیر خشیتِ الٰہی کے صرف علمِ ظاہری زبانی خواہ کس قدر زیادہ ہو کہ وہی کفر و شرک، گمراہی اور بے دینی سے نجات کا سبب ہو تا تو ابلیس علیہ اللعنۃ، بو علی سینا اور بلعم بن باعور کبھی مشرک، گمراہ اور بے دین نہ گزرتے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقیہ کی تعریف اس طرح فرمائی: **ان الفقیه حق الفقیه من لم یقنط الناس من رحمة الله و لم یر خص لهم فی معاصی الله تعالیٰ و لم یو منهم من عذاب الله تعالیٰ و لم ید ع القرآن رغبة عنه الی غیره انه لاخیرفی عبادته لاعلم فیها و لاخیرفی علم لافقه فیه و لاقراءت لاتدبر فیه۔** "فقیہ مکمل وہ فقیہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اور ان کو گناہوں کی رخصت بھی نہ دے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مطمئن بھی نہ کرے اور قرآن عظیم الشان کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف رغبت نہ کرے، (اور فرمایا) اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جو بے علم کے ہو (علم سے مراد خشیت ہے) اور اس علم میں کوئی خیر نہیں جو بے فقہ یعنی بے سمجھ بوجھ کے ہو یعنی بے خوف ہو اور اس قرأت میں کوئی خیر نہیں جو بغیر تدبر کے ہو"[174]

خیال رہے۔ **أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ (محمد ۲۴)** جاننا چاہیئے کہ اہلِ تدبر بھی وہی اہلِ شریعت ، اہلِ طریقت بزرگانِ دین مفسرین مجتہدین اولیاء اللہ عارفین رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں جن کے دلوں میں خشیتِ الٰہی ہے۔

معلوم ہوا سب دلائل سے کہ بغیر خشیت علم، علم نہیں بلکہ مرکب ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (الجمعة ۵)

---

174 (تفسیر معارف القرآن ص ۳۳۶ ج ۷)

"ان کی مثال جن پر توریت رکھی گئی تھی پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے۔" کی تفسیر میں مفسر روح البیان و فیوض الرحمٰن فرماتے ہیں:

تعلم یافتی فالجھل عار ولا یرضی بہ الاحمار

"علم تو تو نے حاصل کر لیا لیکن اس پر عمل نہ کرنے سے تجھ سے جہل کو بھی عار ہے ایسی بیوقوفی وحماقت سے صرف گدھا خوش ہوتا ہے۔"

علم چندانکہ بیشتر خوانی چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانش مند چارپائے بر و کتابے چند

سبق: اہلِ ظاہر کی نظر تو صرف ظاہر پر ہوتی ہے وہ تو فضیلت و شرافت، نقش و نگار اور زیب و زینت کو دیتے ہیں انہیں معانی و حقائق کا ادراک کہاں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتابیں اٹھاتا ہے اس پر بوجھ ہوتا ہے اس سے فائدہ نہ ہوگا۔ اہلِ دل کے عُلوم انہیں اٹھا کر اونچا کرتے ہیں۔ اہلِ تن کا علم ان پر بوجھ ہوتا ہے۔ علم دل پر مارو تو مددگار ہوتا ہے۔ علم کو جب جسم پر ماریں تو وہ اس کا بوجھ ہوتا ہے۔ علم کو دل پر مارو تو اللہ تعالیٰ سے سبق حاصل کرو گے اور علم کو جسم پر مارو تو صرف ورق سیاہ کرو گے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلامے شمس تبریزی نہ شد
گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را راہنما

دلائل توبسیار ہیں لیکن میں صرف اس پر اکتفا کرتا ہوں اب میں عرض کرتا ہوں کہ جو علماء اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تو ان کا ظاہری جسمانی نشان کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ وہ فربہ یعنی موٹے ہیں اور ان کا رنگ سرخ نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ ان کے دل میں خشیتِ الٰہی نہیں ہے وہ نفس پرست برائے نام ملاہیں ۔ اوکماقال علیه الصلاۃ والسلام ان اللہ یبغض حبر المسلمین۔ "یعنی اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو ناپسند کرتا ہے" وکان حبر الیھو دسمینافغضب۔[175]

حضور صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم نے اگرچہ یہ دلیل مالک بن صیف یہودیوں کے مُلا کو تورات سے بوقت مناظرہ پیش فرمائی تھی لیکن یہ نہیں کہ وہ صرف ان کے لئے تھا اوراوروں کے لئے نہیں یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر بدعقیدہ موٹا عالم اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے کیونکہ اس کے دل میں خوفِ الٰہی نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو ناپسند فرماتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہم سب کو اپنا خوف وخشیت عطا فرمائے اور ہمیں خوش عقیدہ رکھے۔

آمین بجاہ سیدالمرسلین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم واٰله وصحبه اجمعین۔

علم، عمل اور خوف میں کثرت اخلاص

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ ان کے علم، عمل اور خوف میں ریاکاری کا دخل نہیں ہوتا اور بہت زیادہ اخلاص پایا جاتا ہے۔

---

175 (اکیس تفاسیر میں ہے جیسے تفسیر مظہر ص۲۶۶ج۳، تفسیر ابن کثیر ص۱۵۶ج۲، تفسیر روح المعانی ص۲۱۹ج۷، تفسیر کبیر ص۴۷ج ۱۳، تفسیر ص۵۸۰ج۱، تفسیر کنزالایمان ص۱۹۹ج۱، تفسیر نورالعرفان سورۃ الانعام آیۃ۹۱)

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:
"لما خلق اللہ عز و جل جنۃ عدن خلق فیھا ما لا عین رات و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر قال لھا تکلمی فقالت قد افلح المؤمنون (ثلاثا) ثم، قالت انا حرام علی کل بخیل و مراء"۔[176]

جب اللہ تعالٰی نے جب عدن کو پیدا کیا تو اس میں ایسی نعمتیں پیدا فرمائیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا۔ اللہ تعالٰی نے اس (جنت) سے گفتگو کی اور اس نے (تین مرتبہ) کہ مومنوں نے کامیابی پائی پھر اس نے کہا میں ہر بخیل اور ریا کار پر حرام ہوں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے تھے جو شخص عملِ آخرت کے بدلے دنیا طلب کرے اللہ تعالٰی اس کے دل کو اُلٹ دیتا ہے اور اس کا نام جہنمیوں کے رجسٹر میں لکھ دیا جاتا ہے۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے تھے: حضرت عیسٰی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: کہ "من عمل بما علم کان ولیا للہ حقا" جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالٰی کا سچا ولی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے تھے: میری والدہ نے مجھ سے فرمایا، اے بیٹے! علم تب سیکھو جب اس پر عمل کی نیت کرو ورنہ وہ (علم) قیامت کے دن تمہارے لئے وبال ہو گا۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اکثر اپنے نفس کو ان الفاظ میں جھڑکتے اور تنبیہ کرتے "تو صالحین با ادب اور عابدین کی طرح کلام کرتا ہے اور فاسقوں، منافقوں اور ریاکاروں کی طرح عمل کرتا ہے اللہ تعالٰی کی قسم! یہ مخلص لوگوں کی صفات نہیں ہیں۔"

---

[176] (اتحاف السادۃ المتقین جلد ۷ صفحہ ۵۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ”جو شخص اپنے اعمال میں جادو گر سے زیادہ دانا نہ ہو وہ ریاکاری میں مبتلا ہو جاتا ہے“۔

حضرت ذوالنورین مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا بندے کو کب علم ہوتا ہے کہ مخلص ہے؟ فرمایا: جب وہ عبادت میں اپنی پوری طاقت خرچ کرتا ہے اور اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگوں کے ہاں اس کا مرتبہ گر جائے۔

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: (صوفیاء) بھائیوں کے نزدیک یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے کہ ان میں سے ایک کا اچھا عمل رات کے وقت ظاہر ہو یہ دن کے عمل سے زیادہ شرف والا ہے کیونکہ دن کے وقت اسے لوگ دیکھتے ہیں اور رات کے وقت یہ تمام جہانوں کے رب کے لئے ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے کسی کو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عمل جیسا عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟

انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے تو کسی کو ان کی طرح کلام کرتے نہیں دیکھا پس میں ان کے عمل جیسا عمل کرنے والے کو کیسے دیکھتا ان کے وعظ سے دل روتے تھے اور دوسروں کے وعظ سے آنکھوں سے رونا نہیں آتا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ بندہ مخلص کب ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: جب اس کا اخلاص دودھ پیتے بچے کی طرح ہو کہ اس کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی اس کی تعریف کر رہا ہے یا مذمت۔

حضرت ابو السائب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا طریقہ تھا کہ قرآن مجید احادیث وغیرہ سنتے وقت انہیں رونا آتا تو وہ اسے تبسم کی طرف پھیر دیتے۔

حضرت ابو عبد اللہ الانطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ ریاکار سے فرمائے گا اپنے عمل کا ثواب اس سے لے جس کو دکھایا کرتا تھا۔

اور ان ہی سے ایک روایت ہے کہ ریاکار آدمی جب قیامت کے دن اپنے عمل کے ثواب کا مطالبہ کرے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ اپنے عمل کا ثواب اس سے لو جس کو دکھایا کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ اس سے کہا جائے گا کیا لوگوں نے تمہارے عمل اور علم کی وجہ سے تمہارے لئے مجالس میں کشادگی پیدا نہ کی؟ کیا تو اپنی دنیا میں رئیس نہ تھا، کیا تمہارے لئے لوگوں نے تمہاری خرید وفروخت میں ارزانی نہ کی؟ کیا انہوں نے تیری عزت نہ کی؟ کیا فلاں کام نہ کیا؟ اس طرح کی کئی باتیں کہی جائیں گی۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تک بندہ لوگوں سے مانوس رہے گا وہ ریاکاری سے بچ نہیں سکتا۔

اور حضرت ابو عبد اللہ انطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے، زینت اختیار کرنے والے تین قسم کے لوگ ہیں:

(۱) علم سے زینت اختیار کرنے والے۔

(۲) عمل کے ساتھ زینت اختیار کرنے والے۔

(۳) ترک زینت کے ساتھ زینت اختیار کرنے والے۔ اور یہ (تیسری صورت) شیطان کو زیادہ پسند ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ جائز زینت ترک کرنا بھی ریاکاری ہے ۱۲ ہزاروی)

حضرت ایاس بن معاویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بھائی تھے اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی پیٹھ پیچھے اس کی تعریف نہ کرتا وہ فرماتے تھے تعریف، جزاء میں شمار ہوتی ہے اور میں لوگوں کے درمیان اپنے بھائی کی تعریف کرکے اس کے ثواب کو کم کرنا نہیں چاہتا۔

اور حضرت ابو عبد اللہ الانطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جو شخص اعمال ظاہرہ میں اخلاص طلب کرتا ہے اور وہ دل میں مخلوق کو پیش نظر رکھتا ہے تو وہ محال چیز کا قصد کررہا ہے کیونکہ اخلاص دل کا پانی ہے جس کے ذریعے اس (دل) کی حیات ہے اور ریا سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں نے جب بھی اپنے نفس کا محاسبہ کیا میرے لئے یہی ظاہر ہوا کہ وہ خلاص ریاکار ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جس نے لوگوں کے سامنے اپنے نفس کی مذمت کی اس نے اس کی تعریف کی اور یہ ریا کی علامات میں سے ہے۔

اور حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: اگر اپنے علم و عمل پر ریاکاری کرنے والا لوگوں کو اپنے دل کی بات بتا دے تو وہ اس سے نارض ہو جائیں اور اس کو عقلی اعتبار سے بے وقوف قرار دیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے: اپنے (مسلمان) بھائی سے اس کے روزوں کے بارے میں نہ پوچھو اگر اس نے کہا میں روزہ دار ہوں تو اس کا نفس اس پر خوش ہو گا اور اگر اس نے کہا میرا روزہ نہیں تو اس کا نفس غمگین ہو جائے گا اور یہ دونوں باتیں ریا میں شامل ہیں

اور اس میں اس شخص کی رسوائی ہے جس سے سوال کیا گیا اور پوچھنے والے کی طرف سے اس کے پوشیدہ عمل پر اطلاع ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک شخص خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اہل خراسان کو دکھا رہا تھا ان سے پوچھا گیا کہ کس طرح؟ انہوں نے فرمایا وہ چاہتا تھا کہ اہل خراسان کہیں کہ فلاں شخص مکہ مکرمہ میں طواف اور سعی کر رہا تھا اس کو مبارک ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ہم نے لوگوں کو پایا کہ وہ اپنے اعمال میں ریاکاری کرتے تھے پس اب وہ اس حالت میں ہو گئے ہیں کہ جو کچھ نہیں کرتے وہ دکھاتے ہیں۔

اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب آیت کریمہ "و نبلوا اخبارکم" (پ ۲۶: محمد ۱۳) یعنی ہم تمہارے حالات کو پرکھیں گے، پڑھتے تو کہتے:

یا اللہ! اگر تو نے ہمیں آزمائش میں ڈالا تو ہمیں ذلیل کرے گا اور ہمارے پردے پھاڑ دے گا اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے۔ یہ بات بھی ریاکاری میں شامل ہے کہ تم کوئی عمل نہ کرو اور اس عمل کے ذریعے دوسروں پر فخر کرو جو تم نے عمل کے بارے میں لوگوں کے کلام اور اقوال سے یاد کیا ہے کیونکہ جس چیز کے ذریعے تم لوگوں پر فخر کرتے ہو وہ تمہارا عمل نہیں اور نہ ہی تم نے اس کے لئے کوشش کی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کا ذکر اچھے طریقے سے ہو وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی وہ اس کے لئے مخلص ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: نیت کو زیادہ سے زیادہ اچھا کرو کیونکہ ریاکاری نیت میں داخل نہیں ہوتی۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: جب کوئی شخص اسلام میں داخل ہونا چاہتاہے تو اسلام کا کوئی عمل نیت کا محتاج نہیں ہوتا۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: کوئی مومن جب اسلام سے متعلق کوئی عمل کرتاہے اور اس میں نیت نہیں کرتا تو اس کے لئے اسلام (لانے) کی نیت کافی ہوتی ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتاہوں کہ اس میں فقہ حنفی کی تقویت ہے۔

نعیم بن حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ہمارے لئے پیٹھ پر کوڑے مارنا اچھی نیت کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔

حضرت منصور بن معتمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ہم نے علم طلب کیا اور اس میں ہماری کوئی نیت نہیں تھی پس اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ہمیں اچھی نیت عطا کر دی کیونکہ علم پورے کا پورا عالم کو اخلاص کی ترغیب دیتاہے پس وہ اسے تلاش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے حاصل ہو جاتاہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جنتیوں اور جہنمیوں کا جنت اور جہنم میں داخل ہونا عمل کے باعث ہو گا اور وہاں ہمیشہ رہنا نیتوں کی بنیاد پر ہو گا۔

حضرت ابو داؤد طیالسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جب کوئی عالم کتاب لکھے تو اس کا مقصد وارادہ دین کی مدد ہونا چاہیئے یہ مقصد نہ ہو کہ اچھی تالیف کی وجہ سے ہم عصر لوگوں میں اس کی تعریف کی جائے۔

تورات میں ہے: (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) جس عمل کو میں قبول کروں وہ زیادہ ہے اگرچہ وہ (بظاہر) کم ہو اور جس عمل کو میں رد کر دوں وہ کم ہے اگرچہ (بظاہر) وہ زیادہ ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جب سچے لوگوں مثلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا جائے گا تو ہمارے جیسے جھوٹوں کی کیا حالت ہو گی۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ الٹ لباس پہن لیا تو حاضرین نے ان سے کہا کیا آپ اسے بدلتے نہیں؟ انہوں نے فرمایا میں نے اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے پہنا ہے لہٰذا میں اسے بدلتا نہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے: ریاکار کی تین نشانیوں ہیں:

(۱): جب تنہا ہو تو سستی اختیار کرتا ہے اور نوافل بیٹھ کر پڑھتا ہے۔

(۲): جب لوگوں کے سامنے ہو تو چست ہوتا ہے۔

(۳): اور جب لوگ اس کی تعریف کریں تو عمل میں اضافہ کرتا ہے جس طرح مذمت کی صورت میں عمل میں کمی کرتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں اپنے جس عمل کی ظاہر کروں اسے شمار میں نہیں لاتا کیونکہ جب لوگ اسے دیکھیں تو ہمارے جیسے لوگ اخلاص سے عاجز ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نوجوانوں کا لباس پہنتے تھے اور کسی شخص کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ علماء میں سے ہیں صرف ان کے شاگردوں (اور دوستوں) کو پتہ ہوتا تھا اور وہ فرماتے تھے مخلص وہ شخص ہے جو اپنے گناہوں کی طرح اپنی نیکیوں کو بھی چھپاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ایسے علماء بہت کم ہیں جن کا حلقہ درس بڑا ہو اور وہ خود پسندی کا شکار نہ ہوں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس سے گزرے اور وہ حرم شریف میں ایک بڑے حلقے کو حدیث لکھوا رہے تھے تو وہ ان کے قریب ہوئے اور ان کے کان میں کہا اگر تمہارا نفس تمہیں خود پسندی میں ڈالتا ہے تو اس مجلس سے اٹھ جاؤ پس حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقہ پر گزرے تو ان کے حلقہ درس کے بڑا ہونے کی وجہ سے ان پر اعتراض کیا اور فرمایا اگر یہ حلقہ کسی صحابی کا بھی ہوتا تو وہ اپنے نفس پر خود پسندی (تکبر) سے بے خوف نہ ہوتے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مجلس میں صرف تین کے قریب افراد کو بیٹھنے دیتے ایک دن آپ کے پاس مجلس قائم ہوئی اور آپ نے دیکھا کہ حلقہ بڑا ہو گیا ہے تو آپ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم پکڑے گئے اور ہمیں پتہ بھی نہ چل سکا۔

اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے جیسے آدمی کو دیکھتے اور آپ اس مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو وہ اٹھا دیتے اور فرماتے تمہارے جیسا شخص اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث شریف لکھوانے بیٹھتے تو مرعوب اور خوف زدہ بیٹھتے اور آپ کے اوپر سے بادل گزرتا تو خاموش رہتے حتیٰ کہ وہ گزر جاتا اور آپ فرماتے مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں اس میں پتھر ہو اور ہمیں اس کے ساتھ سنگسار کیا جائے۔

ایک مرتبہ حضرت اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقہ میں ایک شخص ہنسا تو آپ نے اسے جھڑک کر اٹھا دیا اور فرمایا تم وہ علم طلب کرتے ہو جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مکلف بنایا ہے اور تم ہنس رہے ہو پھر تقریباً دو مہینے تک اس سے قطع تعلق فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم سے حدیث بیان نہ کرتا۔

آیت کریمہ یہ ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى" (پ ۱: البقرہ ۱۵۹)

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں روشن دلیلوں اور ہدایت سے۔

جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لوگوں سے حدیث بیان کرنا ترک کر دیا تو لوگ اس سلسلے میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر مجھے یہ بات معلوم ہوتی کہ ان میں سے کوئی ایک اللہ تعالیٰ کے لئے علم طلب کرتا ہے تو میں ہی اس کے گھر کی طرف جاتا اور اسے (اپنے پاس آنے کی تکلیف نے کر) نہ تھکاتا۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ کیا آپ ہم سے حدیث بیان کرنے کے لئے تشریف نہیں رکھتے؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تمہیں اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ تم سے کچھ بیان کروں اور اپنے آپ کو اس بات کا اہل نہیں جانتا کہ تم مجھ سے سنو میری اور تمہاری مثال اس طرح ہے جیسے کسی کہنے والے نے کہا تھا: "وہ رسوا ہوئے پس وہ نیک ہو گئے"

حضرت حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: علم سکھانے کے لئے مساجد میں وہی بیٹھتا ہے جو دنیا کو جمع کرنے والا ہے یا ان فرائض سے جاہل ہے جو اس کے ذمہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی جلالت علمی کے باوجود جب اپنی تفسیر قرآن سے فارغ ہوتے تو اپنی مجلس کو طلب مغفرت پر ختم کرتے۔

حضرت شداد بن حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس میں یہ تین خصلتیں جمع ہوں وہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے مجلس اختیار کرے ورنہ بیٹھنا چھوڑ دے:

(۱)(ان لوگوں) کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائے تاکہ وہ اس کا شکر ادا کریں۔

(۲)ان کو ان کے گناہ یاد دلائے تاکہ وہ توبہ کریں اور

(۳)ان کو ان کے دشمن ابلیس کی یاد دلائے تاکہ وہ اس سے بچیں۔

حضرت ابن وہب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ علم میں راسخ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: وہ لوگ جو علم پر عمل کرتے ہیں اور علم سے بڑا کوئی اعزاز نہیں کیونکہ صاحب علم، اس (علم) کے ذریعے بادشاہوں پر حکم چلاتا ہے۔

حضرت ابن مبارک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک "انسان" کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: عمل کرنے والے مخلص علماء۔ پوچھا گیا بادشاہ کون ہیں؟ فرمایا: جو دنیا سے بے رغبت ہوں۔ پوچھا گیا کمینے لوگ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: وہ لوگ جو اپنے علم، عمل اور دین کے ذریعے دنیا (کا مال) کھاتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: علماء زمانوں کے چراغ ہیں ہر عالم اپنے زمانے کا چراغ ہے اور اس کے زمانے کے لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ جانوروں کی طرح ہوتے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: علم کی زندگی اس کے بارے میں سوال کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے اور ان دونوں باتوں کو چھوڑ دینا علم کی موت ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علم اسے سکھاؤ جو اس کی قیمت ادا کرے ان سے پوچھا گیا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟

فرمایا: عالم، علم کو اس کے پاس رکھے (اسے سکھائے) جو اس پر عمل کرے۔

حضرت سالم بن جعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: کہ میرے مالک نے مجھے تین سو درہم کے بدلے میں خریدا پس میں علم میں مشغول ہو گیا ایک سال نہیں گزرا تھا کہ خلیفہ ملاقات کے لئے میرے پاس آیا تو میں نے اس کے لئے (دروازہ) نہ کھولا۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: علماء کے ادب سے یہ بات ہے کہ جب سیکھ لیں تو عمل کریں اور جب عمل کریں گے تو اس وجہ سے لوگوں سے دور ہو جائیں گے اور جب لوگوں سے دور ہوں گے تو گم ہو جائیں گے اور جب گم ہوں گے تو تلاش کئے جائیں گے اور جب تلاش کئے جائیں گے تو اپنے دین پر فتنوں کے خوف سے بھاگ جائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

"اشد الناس عذابا یوم القیامة عالم لم ینفعه الله بعلمه"[177]

ترجمہ: عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کے عبادت گزار جاہل ہوں گے اور ان کے علماء فاسق ہوں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جو شخص مشکلات میں غور و فکر کے بغیر لوگوں کو فتویٰ دیتا ہے اس نے اپنے آپ کو جہنم میں داخلے کے لئے پیش کر دیا اور آپ یہ بھی فرماتے تھے: جو شخص لوگوں کے ہر سوال کا جواب دے وہ پاگل ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو علماء کا علم جمع کرتے اور اس میں بیوقوفوں کے راستے پر چلتے ہیں۔

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے: علوم کتنے زیادہ ہیں لیکن سب کے سب نفع بخش نہیں اور علماء کس قدر زیادہ ہیں لیکن تمام علماء راہ راست پر نہیں ہیں۔

حضرت ابراہیم بن عتبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے قیامت کے دن اس عالم کو ندامت زیادہ ہو گی جو اپنے علم کی وجہ سے لوگوں پر بڑائی کا اظہار کرتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: مجھے اس امت پر اس عالم کا خوف زیادہ ہے جو زبان سے عالم اور دل سے جاہل ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علم کو عمل کی آواز دو اگر جواب دے تو ٹھیک ورنہ چلے جاؤ۔

---

177 (مستدرک حاکم، حلیہ ابو نعیم بحوالہ تنبیہ المغترین صفحہ ۲۹ مطبوعہ دار البشائر)

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: انسان اس وقت تک عالم رہتا ہے جب تک اس کا خیال یہ ہو کہ اس کے شہر میں اس سے زیادہ علم والا ہے جب وہ اپنے آپ کو ان سے زیادہ علم والا خیال کرے تو وہ جاہل ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں اس عالم پر روتا ہوں جو دنیا کو دیکھ کر اس سے کھیلتا ہے اگر قرآن وحدیث والے دنیا سے بے رغبتی پر صبر کرتے تو لوگ ان کو (ہاتھ کے) رومال کے طور پر استعمال نہ کرتے۔

کتنی بری بات ہے کہ یوں کہا جائے کہ فلاں عالم یا عابد نے فلاں تاجر کے خرچ پر حج کیا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب کوئی عالم دنیا طلب کرے تو اس کی رونق چلی جاتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علماء کی سزا ان کے دلوں کے مرنے سے ہے اور ان کے دلوں کی موت عمل آخرت کے بدلے میں دنیا طلب کرنا ہے اس طرح وہ دنیا کے بیٹوں (دنیاداروں) کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ امراء کے دروازوں پر خوف زدہ (بیٹھا ہے) تو وہ چور ہے۔

حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے زیادہ ناپسندیدہ بات کوئی نہیں کہ کوئی عالم کسی حکمران سے ملاقات کرے (یعنی دنیوی مقاصد کے لئے)

حضرت مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جو شخص قرآن کی قرأت کرے اور دین کی سمجھ حاصل کرے اس کے بعد ضروری حاجت کے بغیر کسی امیر کے گھر کی طرف جائے تو ان قدموں کی مقدار وہ جہنم میں غوطہ زن ہو گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں نے بعض آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو عالم اپنے علم کے بدلے دنیا طلب کرے میں اسے کم از کم سزا یہ دوں گا کہ اسے اپنی مناجات کی لذت سے محروم کر دوں گا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے تھے: کہ جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ دنیا سے محبت کرتا ہے تو اسے اس کے دین میں تہمت لگاؤ کیونکہ ہر محب اپنے محبوب میں مشغول ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ان زمانوں پر تعجب ہے جو بولتی ہیں اور دل پہچانتے ہیں جبکہ اعمال ان کے مخالف ہوتے ہیں۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: قیامت کے دن وہ عالم سب سے زیادہ بدبخت ہو گا جس کے علم پر لوگ عمل کریں اور وہ خود عمل نہ کرے۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں نے اپنے قول کو (اپنے) عمل پر پیش کیا تو عمل کو اسے (قول کو) جھٹلانے والا پایا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ہم نے کلام میں فصاحت اختیار کی تو غلطی نہ کی اور عمل میں غلطی کی تو فصیح نہ ہوئے۔

حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں جب الفاظ میں فصاحت آ جاتی ہے تو پڑھنے اور سننے والے (دونوں) سے خشوع چلا جاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: کہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ بات پہنچی ہے وہ فرماتے تھے: جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور عمل نہیں کرتا وہ اس عورت کی طرح ہے جو پوشیدہ طور پر زنا کرتی ہے اور جب بچہ پیدا ہونے کا وقت آتا ہے تو وہ شرمندہ ہوتی ہے اسی طرح جو شخص اپنے علم پر عمل نہ کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے لوگوں کے سامنے شرمندہ کرے گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آئے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو اور وہ کہے کہ تو دکھاوا کرنے والا ہے تو اسے چاہئے کہ (نماز کو) لمبا کر دے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں کے لئے عمل کرنا ریاکاری ہے، لوگوں کے لئے عمل چھوڑنا شرک (شرک خفی ہے) اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان دونوں سے بچائے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ لوگوں کے لئے عمل چھوڑنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ایسی جگہ عمل کرنا پسند کرے جہاں اس کی تعریف کریں اور اگر کسی تعریف کرنے والے کو نہ پائے تو عمل کو چھوڑ دے اور سستی اختیار کرے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ہمارے جیسے لوگوں کے لئے یہ بات بھی مناسب نہیں کہ اپنے اچھے اعمال سے ذرہ بھی ظاہر کریں تو اس کے ان اعمال کا کیا حال ہو گا جن میں

ریاکاری شامل ہے پس ہمارے جیسے لوگوں کے لئے (اعمال کو) چھپانا بہتر ہے اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں (ساتھیوں) سے فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی ایک کے روزے کا دن ہو تو وہ اپنے سر اور داڑھی پر تیل لگائے اور ہونٹوں پر بھی لگائے تاکہ لوگ اسے روزہ دار نہ سمجھیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے بہترین علم و عمل وہ ہے جو لوگوں سے پوشیدہ رہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے میں اس شخص سے زیادہ کم عقل کسی شخص کو نہیں دیکھتا جو برا عمل کرے اور لوگوں کی طرف سے اس بات کو پسند کرے کہ وہ اسے علم اور بھلائی کے ساتھ موصوف سمجھیں۔

مومنوں کے دلوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر کی برائی پر مطلع ہوں اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کانٹا بونے کے بعد اس سے کھجور حاصل کرنے کی طلب کرے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے جب کوئی عالم اپنے علم اور عمل میں ریاکاری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے اس شخص کو دیکھو یہ مجھ سے مذاق کرتا ہے اور مجھ سے ڈرتا نہیں حالانکہ میں بہت بڑا اجبار ہوں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی شخص کو نماز میں سر جھکائے ہوئے دیکھتے تو اسے درے کے ساتھ مارتے تھے اور اس سے فرماتے تو ہلاک ہو (بد دعا نہیں محض محاورے کے طور پر کہا جاتا ہے) خشوع دل میں ہوتا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن ایک شخص کے پاس سے گزرے اور وہ سجدے کی حالت میں رو رہا تھا آپ نے فرمایا یہ کام گھر میں ہوتا تو اچھا تھا جہاں تجھے لوگ نہ دیکھتے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کسی ریاکار کو دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے (تواضع کے طور پر فرماتے تھے)۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ میں ایک پتھر پر گزرا تو اس پر لکھا ہوا تھا "تو جو کچھ جانتا ہے اس پر عمل نہیں کرتا تو زیادہ علم کیسے طلب کرتا ہے"۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنی قوم سے فرمائیں وہ اپنے اعمال کو مخلوق سے چھپائیں میں ان کے لئے ان اعمال کو ظاہر کر دوں گا۔

حضرت ابو عبد الرحمن زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے نفس کو بہت زیادہ جھڑکتے تھے اور اپنی دعا میں کہتے مجھ سے بری حالت والا کون ہو گا میں نے تیرے بندوں سے جلوت میں امانت کا عمل کیا اور خلوت میں تیرے ساتھ خیانت کا عمل کیا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص مجھے کسی ایک عابد کی طرف رہنمائی کرے جو رات کو خوب روتا اور دن کے وقت روزہ رکھتا ہے تو میں اس شخص کے لئے دعا کروں گا۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے نیک ولی کے بغیر ظاہری عمل اس پیشاب گاہ کی طرح ہے جس کے ظاہر کو مزین کیا گیا ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر عمل (کے حصول) میں نیت اچھی ہو تو عمل اس سے افضل نہیں ہوتا لیکن تم نے عمل نہ کرنے کے لئے اسے سیکھا اور دنیا کو شکار کرنے کے لئے جال بنایا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دن حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس گئے اور ان سے کہا اے ابو علی! مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوچھا اے گروہ علماء! میں تم لوگوں کو کیا نصیحت کروں؟ تم ستارے تھے تمہارے ذریعے جہالت کے اندھیروں میں رہنمائی حاصل ہوتی تھی لیکن تم خود حیرت بن گئے ہو تم میں سے ایک ان حکمرانوں پر آتا ہے، ان کے بچھونوں پر بیٹھتا ہے، ان کے کھانے کھاتا ہے اور ان کے تحفے قبول کرتا ہے اس کے بعد مسجد میں جا کر کہتا ہے "حدثنا فلان عن فلان عن رسول اللہ بکذا" مجھ سے فلاں نے بیان کیا اس نے فلاں سے روایت کیا اور اس نے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے یوں روایت کیا۔ (یعنی حدیث بیان کرتا ہے) اللہ تعالیٰ کی قسم! علم اس طرح حاصل نہیں کیا جاتا۔

راوی لکھتے ہیں (یہ سن کر) حضرت سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رو پڑے حتیٰ کہ آنسو ان کے گلے میں جانے لگے اور وہ باہر تشریف لے گئے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم کسی عالم یا عابد کو دیکھو کہ امراء اور دنیاداروں کے سامنے اپنی خوبیاں بیان کرتا ہے تو جان لو کہ وہ ریاکار ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم کسی طالب علم کو دیکھو کہ علم پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی دنیا میں رغبت اور خواہش بھی بڑھتی ہے تو اسے تعلیم نہ دو کیونکہ تم اسے تعلیم دے کر جہنم میں جانے پر اس کی مدد کرتے ہو۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کے جاہل لوگ علم حاصل کریں گے پھر اس کے ذریعہ امراء کے قریب ہونے کے لئے ڈورے ڈالیں گے جس طرح عورتیں مردوں پر ڈورے ڈالتی ہیں یہ ان کا علم سے حصہ ہے۔

حضرت صالح مری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص علم میں اخلاص کا دعویٰ کرے تو جب لوگ اسے جاہل وریاکار کہیں تو وہ اپنے دعویٰ کو اپنے نفس پر پیش کرے اگر اس کے لئے اس کا سینہ کشادہ ہو تو وہ سچا ہے اور اگر اس سے گھٹن پیدا ہو تو وہ ریاکار ہے۔

حضرت صالح مری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ عالم دنیا کے پاس بیٹھنے سے بچو وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں اور علم کی تعریف سے فتنے میں ڈالے گا اور خود بے عمل ہو گا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے اپنے علم کے ساتھ دکھاوا کرنے والوں کی ایک علامت یہ ہے کہ ان کا علم پہاڑ جیسا اور عمل چیونٹی کے برابر ہوتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر عالم علم پر عمل کرے تو وہ اس کی کڑواہٹ کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیتا ہے اور خوش نہیں ہوتا کیونکہ یہ سب کچھ تکلیف ہے اور جوں جوں علم بڑھتا ہے تکلیف بڑھتی ہے پس عالم کے لئے مناسب نہیں کہ وہ پل صراط عبور کرنے سے پہلے اپنے علم پر خوش ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علم کو عمل کے لئے حاصل کرو مگر لوگ اس سلسلے میں غلطی پر ہیں انہوں نے عمل کے بغیر علم کو نجات کا ذریعہ خیال کیا تو وہ آیات واحادیث کہاں گئیں جن میں ان لوگوں کے عذاب کا ذکر ہے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ہم نے لوگوں کو یوں پایا کہ جب ان میں سے کسی کا علم بڑھتا تو دنیا سے بے رغبتی میں اضافہ ہوتا اور دنیوی سامان میں کمی واقع ہوتی اور اس دور میں ہم اس طرح دیکھتے ہیں کہ جب ان میں سے کسی کا علم بڑھتا ہے تو دنیا میں اس کی رغبت بڑھتی ہے اور ان کے سامان مثلاً لباس، کھانے، مکان، نکاح، سواری اور خادموں وغیرہ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: قرآن پاک کا علم رکھنے والا کس طرح اس پر عامل ہو سکتا ہے؟ حالانکہ وہ رات کو سوتا ہے اور دن میں روزہ نہیں رکھتا نیز حرام اور مشتبہ چیزیں لیتا ہے۔

حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: اگر یہ قراء (اور علماء) زندہ ہوتے تو حرام کھاتے وقت اپنے پیٹوں میں آگ کی تکلیف محسوس کرتے لیکن یہ لوگ مردہ ہیں یہ مردار اور آگ میں چرتے ہیں۔

حضرت منصور بن معتمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے علماء سے فرماتے تھے: تم لوگ علماء نہیں ہو تم علم سے لذت حاصل کرتے ہو تم میں سے ایک مسئلہ سنتا ہے اور لوگوں سے بیان کر دیتا ہے اگر تم اپنے علم پر عمل کرتے تو کڑوے گھونٹ بھی بھرتے اور تمہارا علم تمہیں پرہیز گاری کی ترغیب دیتا حتیٰ کہ تم میں سے کسی ایک کو روٹی بھی حاصل نہ ہوتی جسے وہ کھاتا۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: کسی عالم کے لئے یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے علم میں ریاکاری کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے غیر اللہ کے لئے سیکھا ہے اور یہ (علم) تو اصل سے ہی ضائع ہو گیا تو جو چیز ضائع ہو گئی وہ لوگوں کو کس طرح دکھاتا ہے؟

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب مدرسہ اشرفیہ یا جامع بنو امیہ میں درس دے رہے ہوتے اور اچانک آپ کی بے خبری میں حاکم وہاں آجاتا تو اس سے آپ پریشان ہو جاتے اور جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ خبر پہنچتی کہ اکابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں سے کسی نے اس دن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ملاقات کا ارادہ کیا ہے تو اس دن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس خوف سے درس نہ دیتے کہ وہ امیر (عالم) آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس عظیم محفل درس میں دیکھے گا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مخلص کی علامت یہ ہے کہ جب لوگ اس کے اچھے اعمال پر مطلع ہوں تو وہ پریشان ہو جائے جس طرح وہ اپنی برائیوں پر لوگوں کے مطلع ہونے سے پریشان ہوتا ہے کیونکہ اس پر دل کا خوش ہونا گناہ ہے اور بعض اوقات ریا بہت سے گناہوں کے مقابلے میں زیادہ سخت ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آج کے زمانے میں کسی عالم کا حلال (رزق) سے سیر ہونا قبیح ہے تو حرام کے ساتھ سیر ہونے کی کیا کیفیت ہو گی اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میں ایک لقمہ کھاتا اور وہ میرے پیٹ میں ایک کچی اینٹ بن جاتا تو مجھے کافی ہوتا حتیٰ کہ میں مر جاتا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تین سال سے زیادہ (عرصہ) پانی میں ٹھہرے رہے اور وہ فرماتے تھے علماء کا تقویٰ خواہشات کے حصول کو ترک کرنا ہے۔ جہاں تک ظاہری گناہوں کا تعلق ہے تو تم دیکھوگے کہ وہ ان کو اس خوف سے چھوڑتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں سے ان کی عظمت چلی جائے گی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آخری زمانے میں کچھ لوگ آئیں گے جو علم کو اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے سیکھیں گے تاکہ وہ ضائع نہ ہو پھر وہ قیامت کے دن ان پر تاوان ہو گا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے (رسول کرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا)۔

عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ إنَّ اللہَ لیُؤیِّدُ الدِّینَ بالرَّجلِ الفاجرِ۔ [178]

ترجمہ: بے شک اللہ اس دین کی مدد کسی فاجر مرد کے ذریعے بھی کرتا ہے۔

حضرت بکر بن عبد اللہ المزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اپنے علم میں ریاکاری کرنے والے کی ایک علامت یہ ہے کہ لوگوں کو علم کی ترغیب دیتا ہے اور ان کے لئے اس کے فضائل بیان کرتا ہے پھر اس کے ہم عصر علماء میں سے کوئی اس سے اس سلسلے میں مشورہ کرے تو اسے اچھی طرح ترغیب نہیں دیتا۔

---

[178] (صحیح بخاری حدیث نمبر ۳۰۶۲ کتاب الجهاد۔ صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۱۱ کتاب الایمان)

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس زمانے کے علماء پر حرام اور مشتبہ چیزیں کھانے کا غلبہ ہو گیا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے پیٹوں اور شرمگاہوں کی شہوت (خواہش) میں غرق ہو گئے اور انہوں نے اپنے علم کو جال بنا دیا جس کے ذریعے وہ دنیا کا شکار کرتے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر قرآن وحدیث کے علماء میں نقص داخل نہ ہوتا تو وہ سب لوگوں سے بہت معزز ہوتے لیکن انہوں نے اپنے علم کو پیشہ اور ذریعہ معاش بنا لیا ہے اسی لئے وہ آسمانوں اور زمین کی مخلوق میں رسوا ہوئے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: عقلمند کی عقل میں سے یہ بات ہے کہ وہ علم میں اضافہ کی طلب اس وقت کرے جب سیکھے ہوئے پر عمل کرے اس وقت (مزید) علم حاصل کرے تاکہ اس پر عمل کرے۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علم طلب کرو اس حالت میں کہ تم رو رہے ہو کیونکہ یہ سب کچھ تمہارے رب تعالیٰ کے ہاں تمہارے خلاف دلیل ہو گی۔

اور وہ فرماتے ہیں جب حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث لکھوانے کے لئے بیٹھنا چھوڑ دیا تو لوگوں نے کہا قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ انہوں نے فرمایا میں کہوں گا اے میرے رب تعالیٰ! تو نے مجھے اس میں اخلاص کا حکم دیا تھا لیکن میں نے اپنے نفس میں اخلاص نہ پایا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے: جب تم کسی طالب علم کو دیکھو کہ وہ زیادہ علم کی تلاش میں ہے اور عمل نہیں کرتا تو اسے نہ سکھاؤ کیونکہ جو شخص اپنے علم پر عمل نہیں کرتا وہ اندرائن کے درخت کی طرح ہے۔ جب بھی وہ پانی کے ذریعے بڑھتا ہے اس کی کڑواہٹ میں اضافہ

ہوتا ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم اس کو دیکھو کہ وہ اپنے کھانے، مشروب اور لباس وغیرہ میں ملاوٹ کرے اور پرہیز گاری اختیار نہ کرے تو اس کو سکھانے سے رک جاؤ تاکہ کل (قیامت کے دن) اس کے خلاف حجت میں کمی ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر کوئی بندہ مکمل طور پر علم حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے حتیٰ کہ اس ستون یا اس پرانے مشکیزے کی طرح ہو جائے پھر وہ اس بات کی چھان بین نہ کرے کہ اس کے پیٹ میں جو کچھ داخل ہوا ہے وہ حلال ہے یا حرام تو اللہ تعالیٰ اس سے عبادت کو قبول نہیں کرے گا۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم نے ایسے لوگوں کو پایا کہ وہ کسی شخص کو علم نہیں سکھاتے تھے جب تک کئی سال اس کو نفسیاتی ریاضت میں مبتلا نہ کرتے اور ان کے لئے اس کی نیت کی درستگی ظاہر نہ ہوتی۔

حضرت عبد الرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں نے بیس سال حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت کی، ان میں سے اٹھارہ سال ادب سیکھنے میں اور دو سال علم حاصل کرنے میں صرف کئے کاش! میں تمام وقت ادب سیکھنے میں لگا دیتا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: علم، روایت کی کثرت کا نام نہیں علم وہ ہے جو نفع دے اور عالم اس پر عمل کرے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے فرمایا اے محمد! اپنے عمل کو آٹا اور اپنے علم کو نمک بناؤ (عمل زیادہ اور علم کم ہونا چاہئے)۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے: جو شخص قرآن (کا علم) حاصل کرے پھر اس کا دل دنیا کی طرف مائل ہو اس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو کھیل کود بنایا اور جب حامل قرآن اپنے رب کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کے اندر سے قرآن آواز دیتا ہے کہ اللہ کی قسم! مجھے اس لئے یاد نہیں کیا گیا۔ میرا وعظ اور جھڑک کہاں گئی اور میرا ہر حرف تجھے پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ اب رب کی نافرمانی نہ کر۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی طالب علم کو دیکھتے کہ وہ رات کو قیام نہیں کرتا تو اسے تعلیم دینے سے رک جاتے۔

ابو عصمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک رات ان کے پاس گزاری تو حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کے وضو کے لئے پانی رکھا پھر فجر سے پہلے تشریف لائے تو ان کو سویا ہوا پایا اور پانی بھی اسی طرح موجود تھا آپ نے ان کو جگایا اور پوچھا ابو عصمہ! کیوں آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اے امام! میں آپ سے احادیث سیکھنے آیا ہوں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے فرمایا تو کس طرح حدیث حاصل کرے گا جب کہ تو رات کو تہجد نہیں پڑھتا جہاں سے آئے ہو وہیں چلے جاؤ۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے: کہ عالم کو چاہئے کہ اس کا اچھا عمل اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان (لوگوں سے) پوشیدہ رہے کیونکہ جو علم اور عمل لوگوں کے سامنے ظاہر ہوتا ہے آخرت میں اس کا نفع کم ہوتا ہے اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو کسی نے ان کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے علم کی وجہ سے بخش دیا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے پوچھا گیا علم کی وجہ سے؟ فرمایا ہرگز نہیں علم کی کچھ شرائط اور آفات ہیں ان سے بہت کم لوگ نجات پاتے ہیں۔

کسی نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے وصال کے بعد دیکھا تو ان سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ انہوں نے فرمایا یہ اشارات اڑ گئے اور یہ عبادات فنا ہو گئیں ہمیں تو صرف ان چند رکعات نے فائدہ دیا جو ہم سحری کے وقت پڑھتے تھے۔

بعض حضرات نے حضرت ابو سہل صعلوکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو موت کے بعد دیکھا تو پوچھا تمہارے علم نے تمہیں کیا فائدہ دیا؟ فرمایا میں نے تمام دقیق علوم کو پھیلی ہوئی غبار پایا البتہ بعض مسائل (باقی رہے) جو لوگوں نے مجھ سے پوچھے (ان کا فائدہ ہوا)۔

اے بھائی! اپنے علم اور عمل کا جائزہ لو اور جب اس میں ریاکاری اور شہرت طلبی دیکھو جس سے ان بڑے بڑے با عمل مخلص علماء کو روکا گیا ہے تو اپنے آپ پر رونا چاہیئے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

کما فی النبراس و من صدر عنه ما یوجب الکفر حبطت حسناته و وجب اعادة الحج و تجدید النکاح بعد تجدید الایمان و لا یکفیه الایمان بکلمة الشهادة علی حسب العادة مالم یقصد تجدید الایمان۔ [179]

جیسا کہ نبراس میں ہے کہ اور جس سے کلماتِ کفر صادر ہو جائیں تو اس کی ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور اس پر تجدیدِ ایمان کے بعد تجدیدِ نکاح اور حج کا لوٹانا واجب ہوتا ہے اور عادتاً بغیر ارادے کے کلمہ شہادت پڑھنا تجدید ایمان کے لئے کافی نہیں۔

---

[179] (نبراس ص ۵۷۱)

اسی لیے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ:

والاحتیاط ان یجدد الجاھل ایمانہ کل یوم ویجدد نکاح امرأتہ عند شاھدین فی کل شھر مرۃ او مرتین اذا الخطاء وان لم یصدر من الرجل فھو من النساء کثیر۔ [180]

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جاہل کے لئے احتیاط اسی میں ہے کہ وہ روزانہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا رہے اور اپنی بیوی سے دو گواہوں کی موجودگی میں ہر مہینے ایک یا دو مرتبہ تجدیدِ نکاح کرے اگرچہ ایسی (کفریہ باتیں) مردوں سے تو مشکل سے صادر ہوتی ہیں مگر عورتوں سے ان کا وقوع زیادہ ہوتا ہے۔

درج بالا عبارات آئمہ وفقہاء سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بھی علماء حق (اہلسنت) کی بے جا، بلاوجہ، بلا سبب عناداً وبعضاً گستاخی یا توہین کرتا ہے یا ایسی باتوں اور افعال کی نسبت انکی طرف کرتا ہے جو ان سے صادر نہیں ہوئے تو اس شخص کا حکم ازروئے شریعت کفر کا ہے لہٰذا ہر گستاخانِ علماء کو چاہیئے کہ اپنے دِل سے تعصب اور حسد کے بادل دور کر کے علماء حق کی پیروی اختیار کرے اور اپنے کئے پر تائب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور اسی طرح حاشیہ ابن عابدین میں بھی ہے:

من طعن فی علماء الامّۃ لا یلو من الا أمّہ۔

یعنی جو شخص علماءِ امت پر طعن کرے تو وہ صرف اپنی ماں پر ملامت کرے۔ [181]

---

[180] (شامی ج ۱ ص ۳۴)

[181] (تکملہ حاشیہ ابن عابدین ج ۱ ص ۱۱۱، مطبوعہ بیروت، ھدایۃ الابرار ص ۱۲۴، جامع الرموز ج ۲ کتاب الشھادۃ ص ۴۸۹)

مکتوب نمبر ۴۹

[یہ مکتوب بھی سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

ان دو نعمتوں کو جمع کرنے میں کہ ظاہر کو احکامِ شرع سے آراستہ کیا جائے۔ اور باطن کو حق سبحانہٗ کے ماسوا سے آزاد کیا جائے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ دولتِ ظاہری اور سعادتِ معنوی سے سرفراز فرمائے۔

ظاہری دولت در حقیقت یہ ہے کہ انسان کا ظاہر احکامِ شرعیہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے آراستہ ہو۔ اور معنوی سعادت یہ ہے کہ بندے کا باطن حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ماسوا کی گرفتاری سے نجات یافتہ ہو۔ دیکھیے کس صاحب نصیب کو ان دونوں نعمتوں سے سرفراز کرتے ہیں۔

کار این است و غیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہی ہے، اس کے سوا سب کچھ ہیچ ہے۔

زیادہ گفتگو دردِ سری ہے۔ والسلام]

تشریح

موجودہ زمانے میں ہم مسلمانوں کی چونکہ ظاہری حالت بھی شریعتِ مطہرہ کے ظاہری احکام کے خلاف ہے اور باطن شریعتِ حقہٗ کے نور سے منور نہیں ہے۔ اس لئے ہم ان دونوں دولتوں یعنی شریعت کی دولتِ ظاہری اور سعادتِ باطنی سے محروم ہو گئے ہیں اور یہی ہماری پسماندگی اور ناکامی کی اصل وجہ ہے۔

شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ایک مکمل دین ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتیں اِس شریعت میں درج وپنہاں ہیں۔ اسی شریعت نے اُن تمام ادیان کی تکمیل کی ہے۔ نزولِ قرآن اور ظہورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے قبل بے شمار ایسے اُمور جائز تھے جو اس دین کے آنے سے منسوخ ہوئے، اور ان کا طریقہ کار تبدیل اور واضح ہوا۔ مثلاً حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ایک ہی ماں (حضرت حوا علیہا السلام) کے ایک حمل سے پیدا ہونے والے دو بچے ایک دوسرے کے بہن بھائی شمار ہوتے تھے اور اُن کی شادی کسی دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی سے جائز تھی کیونکہ اُس وقت اور کوئی متبادل راستہ نہیں تھا اس لئے اُس شریعت میں اس کا جواز تھا لیکن شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی روشن تعلیمات کے مطابق ایک ماں کے بطن سے پیدا ہونے والے تمام بچے آپس میں سگے بہن بھائی قرار پائے اور اُن کی آپس میں شادی کو حرام قرار دے دیا گیا۔

اب اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے دین میں یہ فعل جائز تھا تو میں بھی اپنی بہن سے شادی کا خواہش مند ہوں (جیسا کہ دُنیا کے چند ایک کمیونسٹ ملکوں میں زندگی گزار کر واپس آنے والے ناقص مسلمانوں کی مثالیں آج بھی موجود ہیں) تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ کسی کام کو حلال یا حرام قرار دینے کا حق صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو حاصل ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ایسے احکامات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مبارک ہستیوں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں۔ پس ہم پر ان کی کامل اتباع لازم وضروری ہے اور ان احکامات میں اپنی مرضی سے ترمیم کرنا کسی صورت میں جائز نہیں یہی صورتِ حال سعادتِ باطنی (سلوک وتصوف) کی ہے۔

ہمارے لئے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کو ضروری قرار دیا اور ہمارے گناہوں پر پردہ ڈال دیا جبکہ پہلی اُمتوں کے لوگ رات کو جب کوئی گناہ کرتے تو صبح کو اُن کے درودیوار پر ظاہر کر دیا جاتا۔ اسی طرح مسلمان وکافر کی پہچان اُن کی پیشانیوں سے ہو جاتی تھی اس کے باوجود وہ کفار ایمان نہیں لاتے تھے۔

لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم غیر اللہ کی محبت کو دلوں سے نکال کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور دینِ اسلام کے ساتھ محبت کریں اور دینِ حق کی اتباع کریں تاکہ ہمارا ایمانِ کامل ہو اور ہم حقیقی مؤمن بن سکیں۔

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب کی ابتداء میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے ایک دعائیہ جملہ تحریر فرمایا ہے، یعنی "اللہ تعالیٰ آپ کو ظاہری اور باطنی سعادتوں سے سرفراز فرمائے"۔ اس کے بعد آپ خود ہی تصریح فرماتے ہیں کہ ظاہری سعادت اپنے ظاہر کو حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت کے احکام کے ساتھ آراستہ کرنے سے وابستہ ہے اور باطنی سعادت اپنے باطن کو ماسویٰ اللہ کی گرفتاری سے آزاد کرنے کے ساتھ مربوط ہے۔ جب کسی خوش نصیب کو یہ دونوں دولتیں میسر آجاتی ہیں تو وہ فنائے قلب اور تزکیۂ نفس کی منزلوں سے شادکام ہو جاتا ہے اور اس کے ظاہر وباطن کی دونوں آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور وہ جامع شریعت وطریقت کہلانے کا حقدار بن جاتا ہے اور یہی حقیقی کامیابی ہے۔

قَدۡ أَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی (الاعلیٰ ۱۴)

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۶۸)

مفتاح السلوک، جلد اول میں ہے:

علم باطن کے حصول کے ذرائع اور ثمرات کے بیان میں

بطونِ قرآن اور سینہ مصطفی صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم تک رسائی فقط طہارت باطنی سے ہی ممکن ہے اور قرآنی اصطلاح میں طہارت باطنی کو تزکیۂ نفس کا نام دیا گیا ہے اور یہی تزکیۂ نفس انسان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدۡ أَفۡلَحَ مَن تَزَكَّىٰ (الاعلیٰ ۱۴)

ترجمہ: بے شک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہوں کی آلودگی سے) پاک ہو گیا۔

۱۔ نجیب الطرفین الشیخ عبد القادر الجیلانی البغدادی قدس سرہٗ اس آیت کے ذیل میں تفسیر الجیلانی میں لکھتے ہیں:

وتطهير عن ادناس الطبائع واكدار الهيولى من الميل الى الدنيا وما فيها من اللذات الفانية والشهوات الغير الباقية وتوجه نحو المولى بالعزيمة الخالصة۔

ترجمہ: اور پاک ہو طبیعتوں کے میل کچیل سے اور مادہ کی کدورتوں سے یعنی دنیا کی طرف مائل ہونے سے اور جو اس میں لذات فانیہ ہیں ان سے اور فانی شہوات سے اور تو متوجہ ہو اپنے مولیٰ کی طرف خالص عزیمت وارادے کے ساتھ (یعنی ہر چیز سے کٹ کر)۔[182]

۲۔ اور علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ قَدۡ أَفۡلَحَ مَن تَزَكَّىٰ (الاعلیٰ ۱۴) کے تحت لکھتے ہیں:

وفى الأية اشارة الى تطهير النفس عن المخالفات الشرعية وتطهير القلب عن المحبة الدنيوية بل عن ملاحظة الغير والتوجه الى الله تعالى بقدر الاستعداد۔

---

[182] (تفسیر جیلانی جلد ۵ ص ۴۱۰ دار الکتب العلمیة)

ترجمہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کو مخالفتِ شرعیہ سے پاک کرنے اور قلب کو حب دنیا سے اور غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے پاک کیا جائے اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بقدر استعداد متوجہ کرے۔[183]

آیت نمبر ۲: اور قرآن مجید میں ایک اور مقام پر تزکیہ نفس سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (۹) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (الشمس ۱۰)

ترجمہ: بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشو ونما کی) اور بے شک وہ نامراد ہو گیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کر لیا (اور نیکی کو دبا دیا)۔

۱۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

معناہ قد افلح من زکی نفسه فاصلحها و حملها علی طاعة اللہ عز و جل۔

ترجمہ: اس کا معنی یہ ہے بے شک وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور اس کی اصلاح کر لی اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر آمادہ کر لیا۔[184]

۲۔ تو تزکیہ نفس کرنے سے انسان کے دل میں نور پیدا ہو جاتا ہے جس کو صوفیانہ اصطلاح میں علم باطن کہتے ہیں جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علم المکاشفة فهو عبارة عن نور یظهر فی القلب عند تطهیره وتزکیه من صفاته المذمومة۔

---

[183] (روح البیان تفسیر القرآن جلد ۱۰ ص ۷ ۱ ۴ ۱ مکتبہ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[184] (تفسیر بغوی المسمی معالم التنزیل جلد ۴ ص ۴۲۰ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان۔ تفسیر مظهری جلد ۷ ص ۴۶ مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: علم مکاشفہ نور سے عبارت ہے اور وہ ظاہر ہوتا ہے دل میں اس کے صفاتِ مذمومہ سے طہارت اور پاکیزگی کے وقت۔[185]

۳۔ اور ان کی مزید وضاحت کرتے ہوئے امام ابی العباس احمد بن محمد بن المہدی ابن عجیبہ الحسنی لکھتے ہیں:

وذالک بعد تطهیر القلب من النقائص والرذائل وتفرغه من العلائق والشواغل فاذا کمل تطهیر القلب وانجذب الی حضرة الرب فاضت علیه العلوم اللدنیة والاسرار الربانیة۔

ترجمہ: اور (اس نور کا پیدا ہو جانا) قلب کا نقائص اور رذائل سے پاک ہونے اور دل کا علائق وشواغل سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ پس جب دل کی طہارت مکمل ہو جاتی ہے اور اللہ رب العزت کی حضوری نصیب ہوتی ہے تو علم لدنیہ اور اسرار ربانیہ (دل) پر وارد ہونے لگتے ہیں۔[186]

۴۔ شیخ محقق حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وبعضے میگویند کہ این بشارت است برائیان جمال او را در خواب کہ آخر بعد از ارتفاع کدورات نفسانیہ وقطع علائق جسمانیہ بمرتبہ کہ بے حجاب کشفاو عیانا دبیداری باین سعادت فائز باشند۔

---

[185] (احیاء العلوم الدین جلد ۱ ص ۳۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

[186] (تفسیر بحر المدید جلد ۴ ص ۱۷۹ مکتبہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: بعض ارباب معرفت کہتے ہیں کہ یہ خواب میں جمال محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَالہ وَسلَّم کا دیدار کرنے والے خوش بختوں کے لئے بشارت ہے کہ جسمانی کدورتوں کے اٹھ جانے اور جسمانی تعلقات منقطع ہو جانے کے بعد اس مقام کو پہنچ جائیں گے کہ بحالت بیداری کشف اور مشاہدے میں اس سعادت کو حاصل کریں گے۔[187]

۴۔اور اسی سے متعلق حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المنقذ من الضلال میں لکھتے ہیں:

وو راء العقل طور آخر تنفتح فیہ عین اخری یبصر بها الغیب و ما سیکون فی المستقبل و امور ا اخری العقل معزول عنها۔

ترجمہ: عقل سے آگے ایک اور راستہ ہے جس میں دوسری آنکھ کھل جاتی ہے جس کے ذریعے غیب کا ادراک ہوتا ہے اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات اور دیگر ایسے امور جس سے عقل قاصر ہوتی ہے وہ بھی نظر آنے لگتے ہیں۔[188]

۵۔حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ الرسالۃ اللدنیہ میں لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَالہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا:

ما من عبد الا و لقلبہ عینان۔ و هما عینان یدرک بهما الغیب فاذا اراد اللہ تعالی بعبد خیرا فتح عینی قلبہ لیری ما هو غائب عن بصرہ۔

---

[187] (اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۲۸۵ المکتبۃ الحبیبیۃ کانسی روڈ کوئٹہ)

[188] (مجموعہ رسائل امام غزالی المنقذ من الضلال ص ۲۶ مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

ترجمہ: ہر بندے کے دل کی دو آنکھیں ہیں۔ جن سے وہ غائب کا ادراک کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے قلب کی دونوں آنکھوں کو کھول دیتا ہے تاکہ وہ ان چیزوں کو بھی دیکھ لے جو اس کی ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔[189]

نور باطن کی وسعت کا اندازہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے لگائیے آپ فرماتے ہیں:

ومن اول الطریقة تبتدئ المشاھدات والمکاشفات حتی انھم فی یقظتھم یشاھدون الملائکة وارواح الانبیاء ویسمعون منھم اصواتا ویکتسبون منھم فوائد۔

ترجمہ: اور ابتدائے طریقت میں مکاشفات ومجاہدات شروع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ عین حالت بیداری میں بھی وہ ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کی باتیں سنتے ہیں اور ان سے اکتساب فیض کرتے ہیں۔[190]

(مفتاح السلوک، جلد اول)

---

[189] (مجموعہ رسائل امام غزالی الرسالۃ اللدنیہ ص ۲۲ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[190] (مجموعہ رسائل امام غزالی المنقذ من الضلال ص دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان تفسیر روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۷ المکتبہ الحقانیہ ملتان)

مکتوب نمبر ۵۰

[یہ مکتوب بھی سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

دُنیا کمینی کی مذمت کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے ماسویٰ کی گرفتاری سے آزادی عطا کرے اور مکمل طور پر اپنی ذات کا گرفتار بنائے۔ اس سید بشر نبی کی حرمت سے جو غیرِ حق کی طرف نظر اٹھانے کی کجی سے آزاد تھے، علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات۔

دُنیا بظاہر شیریں ہے اور صورت میں تروتازہ دکھائی دیتی ہے۔ لیکن حقیقت میں زہرِ قاتل اور بے کار سامان ہے اور اس میں گرفتاری بے فائدہ بات ہے۔ دُنیا کی نظر میں مقبول در حقیقت خوار ہے اور اس پر فریفتہ ہونے والا دیوانہ ہے۔ یہ سونا چڑھائی ہوئی نجاست کی طرح اور شکر ملے ہوئے زہر کی مانند ہے۔ عقلمند وہ ہے جو اس بے رونق سامان پر فریفتہ نہ ہو اور اس خراب سامان میں گرفتار نہ ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص وصیت کر گیا کہ میرا مال صاحب عقل کو دینا، تو اس وقت کے زاہد کو دینا چاہیئے جو دُنیا سے بے رغبت ہے۔ اس کی یہ بے رغبتی اس کی کمال زیرکی کے باعث ہے۔ اس سے زیادہ فضول گوئی میں داخل ہے۔]

تشریح

انسانی طبعی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے انسان کو کھانے پینے، کپڑا پہننے اور مکان کی ضروریات درکار ہیں اور یہ ضروریات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صوفیاء عظام کے لئے بھی لازمی تھیں لیکن ان پاک ومبارک ہستیوں نے دل میں دُنیا کو جگہ نہیں دی اور نہ ہی دُنیاوی لذتوں میں اپنے باطن کو گرفتار ہونے دیا۔

حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک دفعہ ایک فقیر نے کہا کہ اتنے مال واسباب اور دنیاوی نعمتوں کا حساب آپ کس طرح دیں گے؟ انہوں نے فقیر سے کہا کہ حساب تو سب نے دینا ہو گا، آپ کس طرح دیں گے؟ فقیر نے چولہے پر توا گرم کیا اور اُس پر ننگے پاؤں کھڑے ہو کر فرمایا کہ میرے پاس ایک گدڑی ہے اور ایک کشکول۔ یہ کہہ کر نیچے اتر آئے۔ اب حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی باری تھی، جب وہ توے پر کھڑے ہوئے تو فقیر نے کہا کہ آپ کے پاس جو کچھ سونا، چاندی اور مال واسباب ہے اُس کی تفصیل بتائیں۔ سلطان کے پاؤں توے کی حرارت کی وجہ سے جلنے لگے اور وہ حساب دینے سے پہلے ہی اُچھل کر نیچے اُتر آئے۔

اس واقعہ سے بتانا یہ مقصود ہے کہ جب دنیاوی آگ کی تپش کی موجودگی میں ہم ایک انسان کو حساب نہیں دے سکتے تو جہنم کی آگ کے سامنے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو کیسے حساب دیں گے اور بالخصوص ایسے مال واسباب کا حساب جسے حرام اور ناجائز طریقے سے کمایا گیا ہو۔ پس حلال اور جائز طریقے سے وہی ضروریات حاصل کرنی چاہئیں جو زندہ رہنے کے لئے ضروری ہوں۔ اس سے زیادہ دُنیا کے ساتھ تعلق رکھنا گویا اپنی آخرت برباد کرنے کے برابر ہے۔

[دوسری تکلیف یہ دی جاتی ہے کہ فضائل مآب شیخ زکریا اس عمر اور اس سال میں ملازمتِ تحصیلداری میں گرفتار ہے۔ اس گرفتاری کے باوجود ہر وقت دُنیاوی محاسبے کو بہ نسبت اُخروی محاسبے کے بہت آسان جانتا ہے اور اُخروی محاسبے سے ہر وقت ہراساں رہتا ہے۔ اس عالمِ اسباب میں وسیلہ عظمیٰ آپ کی توجہ شریف کو ہی جانتا ہے اور اس بات کا اُمیدوار ہے کہ نئے کاغذات میں بھی اس کا نام درج کر لیا جائے گا، کیونکہ شیخ مذکور آپ کی درگاہِ عالی کے خادموں میں سے ہے۔

تومرادل دہ ودلیری ہیں   روبہ ٔخویش خوان وشیری ہیں

ترجمہ: آپ مجھے دل عطا کریں اور پھر دلیری دیکھیں، مجھے اپنی لومڑی کہہ کر پکاریں اور پھر میری شیری دیکھیں۔

بحرمت نبی اُمی اور بحرمت آپ کی آل بزرگ کے علیہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا آپ کو ظاہری وباطنی دولت ونعمت حاصل ہو۔]

تشریح

دُنیا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی دُشمن ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوستوں اور دُشمنوں کی بھی دُشمن ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی دشمن اس لئے ہے کہ اس کے بندوں کو راہِ راست پر چلنے نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسے پیدا کیا اس کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوستوں کی دُشمن یوں ہے کہ ان کے سامنے آرائش وزیبائش کر کے نکلتی ہے، انہیں اپنی رونق اور شادابی سے للچاتی ہے تا کہ کسی طرح سے اس کے دامِ فریب میں آجائیں دُنیا کے پھیلائے ہوئے جال سے نکلنے کے لئے انہیں صبر کے کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، اور دشمنانِ خدا سے اس کی دُشمنی یہ کہ اس نے انہیں اپنے فریب کے جال میں پھنسا لیا اور انہیں سبز باغ دکھا کر اپنے قریب کر لیا یہاں تک کہ وہ اس کی گرفت میں آگئے اور اس پر اعتماد کر بیٹھے تو انہیں ذلت میں مبتلا کر دیا۔ اگر دُنیا میں ذلت سے بچ گئے تو آخرت کی رُسوائی اور ندامت سے چھٹکارا نہ پا سکیں گے۔ اور ابد الابد کی سعادت سے محروم ہوں گے، دُنیا سے رُخصت ہوں گے تو اس کی جدائی کا داغ ان کے سینوں پر ہو گا اور جب آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے تو باحسرت وغم مدد مدد چلائیں گے۔

لیکن دُنیامدد کے لئے نہیں آئے گی بلکہ ان سے کہا جائے گا کہ:

اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (المؤمنون ۱۰۸)

ترجمہ: دُھتکارے (ذلیل ہو کر) پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔

وہ لوگ اس آیتِ کریمہ کی مصداق ہوں گے:

أُولَئِکَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ (البقرة ۸۶)

ترجمہ: یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مول لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا اور نہ ان کی مدد کی جائے۔

دُنیا کی مذمت میں چند روایات لکھی جاتی ہیں۔

روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ایک مُردہ بکری کے پاس سے گزرے اور فرمایا:

أَتَرَوْنَ هَذِهِ الشَّاةَ هَيِّنَةً عَلَى صَاحِبِهَا؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هَذِهِ عَلَى صَاحِبِهَا، وَلَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ۔[191]

ترجمہ: تم اس بکری کو دیکھ رہے ہو کہ یہ اپنے مالک کے نزدیک کس قدر بے قدر و قیمت ہے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: جی ہاں! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے البتہ دُنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی

---

[191] (المستدرک للحاکم، ج۴، ص ۳۰۶، الناشر: دار المعرفة-بیروت)

زیادہ حقیر ہے جتنا یہ (بکری) اپنے مالک کے نزدیک حقیر ہے اور اگر دُنیا ایک مچھر کے پَر کے برابر قدر وقیمت رکھتی تو اس میں سے کافر کو ایک گھونٹ پانی کے برابر پینے کے لئے بھی نہ دیا جاتا۔

ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا کہ:

اَلدُّنْیَا مَلْعُونَۃٌ مَلْعُونٌ مَافِیھَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ۔

ترجمہ: دُنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے بغیر اللہ کے ذکر سے۔[192]

دوسری روایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ۔

ترجمہ: دُنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔[193]

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی منگوایا، لوگوں نے شہد کا شربت پیش کر دیا، جب وہ شربت کا پیالہ منہ کے قریب لے گئے تو بے اختیار رونے لگے انہیں روتا ہوا دیکھ کر رُفقاء بھی رونے لگے۔ رُفقاء تو کچھ دیر رو کر چپ ہو گئے لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتے ہی رہے۔ رفقاء کو خیال ہوا کہ شاید ہم رونے کا سبب دریافت نہ کر سکیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی آنکھیں پونچھیں۔ ہم نے دریافت کیا اے خلیفۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس چیز نے اتنا رونے پر مجبور کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے جسم مبارک سے کسی چیز کو ہٹا رہے ہیں لیکن وہ چیز نظر نہیں

---

[192] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۵۶۱، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي - مصر)

[193] (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، باب سفیان الثوری ومنھم الامام المرضی والورع)

آرہی تھی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آپ اپنے جسم مبارک سے کیا چیز ہٹارہے ہیں؟

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

هَذِهِ الدُّنْيَا, مُثِّلَتْ لِي, فَقُلْتُ لَهَا: إِلَيْكِ عَنِّي، ثُمَّ رَجَعْتُ، فَقَالَتْ: إِنْ أَفْلَتَّ مِنِّي, فَلَنْ يَفْلِتَ مِنِّي مَنْ بَعْدَكَ۔

ترجمہ: یہ دُنیا تھی جو میرے لئے شکل تبدیل کر کے آئی تھی میں نے اس سے کہا کہ تو مجھ سے دور ہو جا، پھر میں اپنی حالت پر لوٹ آیا اس نے کہا کہ اگرچہ آپ مجھ سے چھٹکارا پا گئے ہیں مگر جو لوگ آپ کے بعد ہوں گے وہ مجھ سے چھٹکارا اور رہائی ہرگز نہ پاسکیں گے۔[194]

لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ اپنے ظاہر وباطن کو دُنیا کی گندگی سے آلودہ نہ ہونے دیں۔ بقدرِ ضرورت دُنیا پر قناعت کریں تاکہ اس جہاں سے سرخرو ہو کر جائیں۔ دُنیا کے مقابلے میں ہر وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے مدد مانگتے رہنا چاہیئے کہ آج کا انسان صرف اپنے زورِ بازو سے دُنیا سے کنارہ کش نہیں رہ سکتا جب تک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مدد ونصرت ساتھ نہ ہو۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

این سعادت بزورِ بازو نیست　　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ترجمہ: یہ سعادت قوت وطاقت کے بَل پر نہیں ہے جب تک کہ بخشنے والا مہربانی خدا عطا نہ کر دے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

---

194 (شعب الایمان للبیهقی، ج ۱۳، ص ۱۱۳، الناشر: مكتبة الرشد بالرياض، بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اس مکتوب میں کمینی دُنیا کی مذمت کرتے ہوئے اس کو زہرِ قاتل اور متاعِ باطل قرار دے رہے ہیں۔ دُنیا کے طالب کو ذلیل و خوار اور مجنون شمار کر رہے ہیں۔ جو لوگ اس دُنیا کی ظاہری تر و تازگی پر عاشق ہو گئے ہیں ان کی مثال اس بے وقوف اور پاگل کی طرح ہے جو زہر آلود کھانے کو بڑی رغبت سے تناول کر کے اپنی موت کا خود سامان مہیّا کر لیتا ہے۔

ترکِ دُنیا کا فلسفہ

صوفیائے کرام کے نزدیک دُنیا کے ترک کا یہ مفہوم نہیں کہ ظاہری زینت و آرائش اور اللہ تعالیٰ کی بے بہا نعمتوں سے منہ موڑ لیا جائے بلکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یاد اور حضوری سے غفلت اور ترکِ فکرِ آخرت کا نام دُنیا ہے۔ اگر دنیا کی خوبیوں اور نعمتوں کو آخرت کی حقیقی زندگی کے لئے استعمال کیا جائے اور اس استعمال سے خواہشاتِ نفس کی تکمیل مقصود نہ ہو بلکہ احکامِ خداوندی کی تعمیل مقصود ہو تو اس صورت میں دُنیا اور آخرت دونوں محمود ہیں۔ آیتِ کریمہ: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (البقرۃ ۲۰۱) اسی مفہوم کی غماز ہے۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے:

اِلْبِسْ مَعَ النَّاسِ مَا يَلْبِسُوْنَ وَتَنَاوَلْ مِمَّا يَأْكُلُوْنَ وَانْفَرِدْ عَنْهُمْ بِالسِّرِّ۔

یعنی لوگ جو کچھ پہنتے اور کھاتے ہیں تم بھی پہنو اور کھاؤ، امتیاز صرف قلب اور باطن کی تبدیلی کا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے جو فرمایا ہے کہ صوفی کائن بائن ہوتا ہے اس کا بھی یہی مفہوم ہے۔

صوفیائے عظام کے نزدیک خلوت اور عُزلت کا یہ معنی نہیں کہ مخلوق سے بُعد مکانی اختیار کر لیا جائے۔ بلکہ اُن کا مقصد عارضی اور وقتی طور پر خلوت گزینی ہے تاکہ سالک کچھ عرصہ تک اپنے نفس کی خرابیوں کا نہایت یکسوئی اور غیر جانبداری سے جائزہ لے کر اپنے آپ کو اس طرح بدل سکے کہ جب خلوت سے نکل کر جلوت میں آئے تو لوگوں کے لئے اس کا وجود مفید اور بابرکت ثابت ہو۔ آیت کریمہ: وَتَبَتَّلۡ إِلَيۡهِ تَبۡتِيلٗا (المزمل ۸) اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔

تصوف کا نصب العین تزکیۂ نفس اور اصلاحِ معاشرہ ہے۔ انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اولیائے کبار رحمہم اللہ تعالیٰ اسی مقصد کو بروئے کار لاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور فکرِ آخرت ہمیشہ اُن کی پیش نظر رہی ہے۔ مفکرینِ یورپ نے ان پاکباز ہستیوں کے مجاہدات و ریاضات اور ترکِ دنیا کا غلط مفہوم لیا ہے اور انہیں نفسیاتی اور ذہنی مریض یا دُنیاوی ذمہ داریوں سے مفرور قرار دے کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ حالانکہ صوفیائے کرام ہی وہ باکمال اور باہمت ہستیاں ہیں جنھوں نے مجاہدات اور خلوت گزینی کے ذریعے اپنی اصلاح اور بعد میں مخلوقِ خدا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور لاکھوں دلوں میں اسلامی و روحانی انقلاب پیدا کر دیئے۔ تاریخِ تصوف کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اسی زندہ، جاندار اور متحرک تصوف کے داعی ہیں اور اسی تصوف کے حاملین کو ہم کامیاب صوفیاء کہیں گے۔

جو صوفی اس مقصد پر پورا نہیں اُترے اور ترکِ دُنیا اور خلوت گزینی کو ہی مستقل شغل سمجھتے رہے اور مخلوقِ خدا کی اصلاح اور تزکیہ کے فرائض سرانجام نہ دے سکے ان کے متعلق ہماری محتاط رائے یہی ہے کہ وہ اَربابِ ہمت میں سے نہیں ہیں۔ وہ بلند روحانی استعداد نہ ہونے کی وجہ سے معذور ہی سمجھے جائیں گے۔ دینِ اسلام میں اس قسم کی رہبانیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

حدیثِ مبارکہ: رَهْبَانِيَةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ میں یہی سبق دیا گیا ہے۔

وصیت کا بہترین طریقہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اس مکتوب میں وصیت کا ایک بہترین طریقہ بیان فرمایا ہے، اور زُہد کی ترغیب دلائی ہے۔

جیسا کہ فقہاء و علماء فرماتے ہیں کہ:

ولو أوصى للعقلاء يصرف للعلماء الزاهدين لانهم هم العقلاء في الحقيقة۔[195]

یعنی اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال کسی عقل مند کو دیا جائے تو زاہد کو دینا چاہیئے کیونکہ زاہد دُنیا کی طرف رغبت نہیں رکھتا اور دنیا سے بے رغبتی ہی اس کے نہایت عقل مند ہونے کی علامت ہے۔ لہٰذا در حقیقت زاہد لوگ ہی عقل مند ہوتے ہیں، کیونکہ دُنیا اور اس کا مال و متاع فانی وعارضی ہے۔ عقل مند وہ ہے جو فانی کی بجائے باقی سے اور عارضی کی بجائے دائمی سے پیارے کرے۔

---

[195] (الدر المختار، ج ا، ص ٧٣٦)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زُہد کی تعریف میں فرمایا:

الزھد استغفار الدنیا و محو آثارھا من القلب۔[196]

محاسبہ عاجلہ و آجلہ

مکتوب کے آخر میں آپ نے حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف فضائل مآب حضرت شیخ زکریا علیہ الرحمۃ کے لئے سفارش فرمائی ہے جیسا کہ مکتوب ۴۳ میں بھی ان کی سفارش فرما چکے ہیں کہ وہ پیرانہ سالی کے باوجود کروڑی گری یعنی تحصیل داری میں گرفتار ہیں اور نئ تقرریوں میں بھی اسی خدمت پر مامور رہنا چاہتے اور محاسبہ عاجلہ سے ہراساں و پریشان ہیں۔ حالانکہ محاسبہ عاجلہ (دُنیاوی حساب دینا) محاسبہ آجلہ (آخرت میں حساب دینا) سے بہت زیادہ آسان ہے جبکہ مؤمن کو حسابِ دُنیا سے حسابِ آخرت کی زیادہ فکر ہونی چاہیئے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۷۱ تا ۲۷۴)

مفتاح السلوک، جلد اول میں ہے:

وساوس اور ان سے بچنے کا طریقہ اور خلوت کی شرعی حیثیت

وساوس کی قسمیں اور ان سے بچنے کا طریقہ

(الف) عموماً یہ وساوس شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ شیطان ہی اس کے دل میں مختلف قسم کے وسوسے ڈال دیتا ہے۔ سالک کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ و مبرہ ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرے اور گڑگڑا کر اس کی بارگاہ میں دعا کرے کہ وہ ان وساوس کو دور کر دے۔

---

[196] (الرسالۃ القشیریۃ، ص ۵٦)

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲۰۰) إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ (اعراف: ۲۰۱)

ترجمہ: ”اور اگر شیطان تجھے ناچ نچادے تو اللہ کی پناہ مانگ، بے شک وہ سنتا جانتا ہے۔ بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کئے ہیں جب چھوتا ہے انہیں کوئی خیال شیطان کی طرف سے تو وہ خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں“۔

(ب) کبھی سالک کے دل میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ سالک اپنے شیخ کو ان تمام احوال سے آگاہ کرے اور دوسرے لوگوں سے پوشیدہ رکھے۔[197]

خلوت کی شرعی حیثیت

خلوت صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا اور نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے حکم کی پیروی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وَسلَّم غارِ حرا میں خلوت میں عبادت کرتے تھے اور اس خلوت کے دوران آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

قرآن وحدیث سے خلوت کا ثبوت

قرآن کریم سے دلیل: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً (مزمل: ۸)

”اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو“۔

---

[197] (الإحياء للغزالی ج۳ ص ۲۶)

علامہ ابو سعود اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دن رات اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مواظبت اختیار کرو خواہ تسبیح و تہلیل ہو یا تحمید۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمام مخلوق سے منہ موڑ کر پوری توجہ اور ہمت سے اس کی بارگاہ میں حضوری کیلئے مراقبہ میں مشغول ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب مراقبہ میں مستغرق ہونے سے مانع تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے اور اس ذات کے سوا ہر چیز سے منہ موڑ لیا جائے۔[198]

اور یہ حکم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام امت اس حکم میں شامل ہے۔

حدیث پاک سے ثبوت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی۔ آپ جو بھی خواب رات کو دیکھتے اس کی تعبیر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی۔ پھر آپ کا دل خلوت کی طرف مائل ہو گیا۔ آپ غارِ حرا میں خلوت کیلئے تشریف لے جاتے۔ آپ کچھ راتیں وہاں عبادت کرتے اور پھر اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹ آتے اور کھانے پینے کا معمولی سامان لے کر پھر غارِ حرا میں واپس لوٹ جاتے حتیٰ کہ غارِ حرا میں ہی آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔[199]

---

[198] (تفسیر العلامہ ابی سعود علی ھامش تفسیر فخر الدین رازی ج۸ ص ۳۳۸)

[199] (رواہ البخاری فی صحیحہ باب کیف کان بدء الروحی الیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَسلّم)

حضرت ابی جمرہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ خلوت انسان کیلئے عبادت اور اصلاح میں مددگار ہے کیونکہ نبی کریم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم جب لوگوں کو چھوڑ کر خلوت میں تشریف لے گئے تو آپ پر خیر عظیم کا نزول ہوا اور جو سالک بھی آپ کی پیروی میں خلوت اختیار کرے گا۔ اس کو اس کی قسمت کے مطابق مقامِ ولایت حاصل ہو گا۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ مبتدین کے لئے خلوت اور گوشہ نشینی ہی بہتر ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ سالک کی ابتداء اور انتہاء دونوں برابر نہیں ہوتیں کیونکہ نبی کریم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم پر وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی۔ پھر ان درجات میں ترقی ہوتی رہی یہاں تک کہ فرشتہ بیداری کی حالت میں وحی لے کر نازل ہوا اور پھر یہ ترقی کا سلسلہ جاری ہوا یہاں تک کہ آپ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى (النجم ۹) کے انتہائی بلند مقام پر فائز ہوئے۔ انبیاء اور رسل علیہم السلام جس طرح ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے انتہائی بلند مقام پر فائز ہو جاتے ہیں لیکن نبی اور امتی میں فرق یہ ہے کہ امتی مقامِ نبوت کے علاوہ دوسرے مقامات کو حاصل کر لیتا ہے لیکن مقامِ نبوت تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی کیونکہ نبی کریم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اب اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ترقی کرتے کرتے معرفت اور رضا کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور یہی مقاماتِ ولایت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

اسی وجہ سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس نے ایک مقام حاصل کر لیا پھر ادب کے ساتھ اس پر قائم رہا وہ اس سے اعلیٰ مقام میں ترقی کر جاتا ہے کیونکہ نبی کریم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے ابتداء میں خلوت کو اختیار کیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے مقامِ نبوت کو پہنچے اور پھر مقاماتِ نبوت میں ترقی کرتے ہوئے قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى (النجم ۹) کے مقام پر فائز ہوئے اور

یہی حال آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے امتیوں کا ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کا جو امتی کسی مقام پر فائز ہوتا ہے اور پھر ادب کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے تو اس کو اس سے اعلیٰ مقامات پر ترقی دے دی جاتی ہے اور اس طرح وہ مقامِ نبوت کے علاوہ دوسرے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو جاتا ہے۔[200]

امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس میں عزلت نشینی کی فضیلت بیان کی گئی ہے کیونکہ یہ دل کو دنیا کی مصروفیات سے راحت دیتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالی کر دیتی ہے پھر اس سے حکمت کے سر چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ خلوت کا مفہوم صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں سے قطع تعلقی کر کے تنہائی میں بیٹھ جانا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی لگن میں اپنی ذات کو بھی بھول جائے اور جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو پھر کہیں اس کا ظاہری جسم علوم غیبیہ کیلئے گزر گاہ اور اس کا دل ان کیلئے قرار گاہ کے قابل ہوتا ہے۔[201]

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ غارِ حرا کی خلوت بعثت سے پہلے تھی حالانکہ حکمِ شرعی تو بعثت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی اور پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا دل خلوت کی طرف مائل ہو گیا اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلوت کا حکم وحی پر مرتب ہے یعنی پہلے وحی آئی اور پھر خلوت کیونکہ "ثم" کا کلمہ ترتیب کیلئے آتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر

[200] ("بھجۃالنفوس" شرح مختصر البخاری للإمام الحافظ أبی محمد عبداللہ الأندلسی المتوفی ۶۹۹ھ ج ۱ ص ۱۱-۱۰)
[201] (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ۶۲:۱ للقسطلانی المتوفی سنۃ ۹۲۳ھ)

خلوت کا تعلق دین سے نہ ہوتا تو بعد میں اس سے روک دیا جاتا بلکہ یہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم پر ظہورِ حق کا ذریعہ ہے اور اسی طرح آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے امتیوں کے لئے بھی لیکن اس کی چند شرائط ہیں جن کا ذکر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب میں کیا ہے۔[202]

علمائے دیوبند کے مشہور شیخ الحدیثمحدثِ کشمیری صاحب حدیثِ پاک کے اس حصہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام کے مجاہدات اور خلوت نشینی اس حدیث پاک سے ثابت ہوتی ہے پھر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اعتکاف اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی خلوت نشینی دونوں برابر ہیں۔[203]

امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ لوگوں نے اعتکاف کو کیسے چھوڑ دیا، حالانکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم بعض اعمال کرتے اور پھر ترک کر دیتےلیکن آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے اعتکاف کو ترک نہیں کیا۔[204]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ خلوت نشینی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کو اس لئے محبوب تھی کیونکہ اس میں بندہ کا دل ہر قسم کی مصروفیات سے خالی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ غور وفکر کا بھی سبب

---

[202] ("ارشادالساری لشرح صحیح البخاری" للقسطلانی ج ۱ ص ۶۲)

[203] (فیض الباری علی صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۳)

[204] (حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۴۶۳)

ہے اور اس کی وجہ سے انسان اپنی محبوب چیزوں کو ترک کر دیتا ہے اور اس کے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے۔[205]

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے نزدیک خلوت کے محبوب ہونے میں راز یہ تھا کہ اس میں دل ہر قسم کے شواغل سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کی خلوت کی مدت ایک ماہ تھی اور وہ رمضان کا مہینہ تھا۔[206]

علامہ محمود عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ خلوت آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے نزدیک کیوں محبوب تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلوت میں دل ہر قسم کے شواغل سے پاک ہوتا ہے اور یہ غور و فکر کرنے میں بھی معاون ہے اور انسان کی طبیعت بہت زیادہ ریاضت سے تبدیل ہوتی ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو خلوت اس لئے محبوب ہو گئی تھی تا کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم عام لوگوں کے میل جول سے منقطع ہو جائیں اور اپنے روز مرہ کے معمولات کو بھول جائیں۔[207]

امام کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ خلوت اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی شان اور عارفین کا طریقہ ہے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کو خلوت اس لئے محبوب تھی کیونکہ اس سے

---

[205] (صحیح مسلم بشرح الإمام النووی ج ۲ ص ۱۹۸)

[206] (فتح الباری شرح صحیح البخاری للعسقلانی ج ۱ ص ۱۸)

[207] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی المتوفی سنۃ ۸۵۵ھ ج ۱ ص ۶۰)

دل کو فراغت میسر آتی ہے اور انسان دل جمعی کے ساتھ عبادت کر سکتا ہے اور انسان اپنے بشری تقاضوں کو ترک کر دیتا ہے اور اس کے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہو جاتا ہے۔[208]

یہ محدثین اور شارحین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال ہیں جن میں خلوت کی تعریف اس کا شرعی حکم اور اس کے فوائد اور اس کے بارے میں سلفِ صالحین کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ ان علماء و محدثین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال کے سامنے معترضین جو چاہیں کہتے رہیں۔ ان کے ان اقوال کی کوئی حقیقت نہیں ہو گی۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الف النسک و العبادۃ و الخلاوۃ طفلا و ھٰکذا النجباء

"آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو بچپن میں ہی زہد عبادت اور خلوت مالوف ہو گئی اور اچھے لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے"۔

محمد بن احمد بینس اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق اور دوسرے محدثین روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم ہر سال ایک ماہ کیلئے غارِ حرا میں خلوت فرماتے تھے اور اس میں عبادت میں مشغول رہتے۔

امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے نزدیک خلوت اور عزلت نشینی محبوب تھی، آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم خلوت کو پسند فرماتے حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال اور مال سے کلیۃً روگردانی کرتے ذکر و اذکار کے بحر میں مستغرق ہو گئے۔ جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ان علائق سے منقطع ہوئے تو حصولِ مراد کی طرف متوجہ ہو گئے پھر

[208] (شرح صحیح البخاری للعلامۃ الکرمانی ج ۱ ص ۳۲)

آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو خلوت میں انس حاصل ہونے لگا اور اس سے خلوت کا تصور آیا۔ پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا یہ انس بڑھتا گیا اور آئینہ قلب میں صفائی اور چمک میں مزید نکھار پیدا ہو گیا یہاں تک کہ انتہائی درجہ کمال تک پہنچ گیا تو اس میں نزولِ وحی کے آثار ظاہر ہوئے تو یہ روشن اور منور ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم جس درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتے وہ بڑی فصیح و بلیغ زبان میں کہتا "السلام علیک یا رسول اللہ۔"[209]

سلیمان الجمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی عبادت یہ تھی کہ آپ ہر سال ایک ماہ کیلئے غارِ حرا میں خلوت نشینی فرماتے اور ایک ماہ مکمل ہونے کے بعد گھر میں داخل ہونے سے پہلے طواف بیت اللہ کرتے۔ غارِ حرا میں آپ ذکر و فکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ غارِ حرا کے علاوہ آپ دوسرے مقامات میں بھی خلوت نشینی فرماتے۔[210]

غارِ حرا سے ہی نزولِ وحی کا نور پھوٹا اور بعثت کی سہانی صبح طلوع ہوئی۔ اور تصوف اسلامی کی ابتداء ہوئی غارِ حرا کے بعد بھی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے خلوت کو ترک نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ رمضان کے آخری عشرہ میں خلوت فرماتے۔ فقہاء نے اسے اعتکاف سے موسوم کیا۔

---

[209] (لوامع الکوکب الدری فی شرح الھمزیۃ للبوصیری ص ۴۹-۴۸)

[210] (الفتوحات لأحمدیۃ بالمنح المحمدیۃ علیٰ شرح الھمزیۃ ص ۲۱)

خلوت کی اہمیت اور اس کے فوائد کے بارے میں علماء کے اقوال

خلوت کے بے شمار فائدے ہیں۔ ان کو وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جس نے اس کی حلاوت کو چکھا ہو۔ یہ نفس کو مہذب بنا کر اس کا تزکیہ کرتی ہے۔ اللہ کی اطاعت کا عادی اور اس کی بارگاہ میں حاضری کا انس پیدا کرتی ہے کیونکہ نفسِ امارہ کی صفت ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ مجلس اور لہو و لہب کو پسند کرتا ہے۔ خلوت نشینی اور اپنی لغزشوں اور خطاؤں کے محاسبہ سے نفرت کرتا ہے۔ ابتداء میں جب ہم اس کو خلوت کیلئے مجبور کریں گے تو یہ تنگی محسوس کرے گا، لیکن بہت جلد طاعت کی طرف مائل ہو جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس اور مناجات کی حلاوت چکھ لے گا۔ خصوصًا جب مادے کی قیود سے آزاد ہو کر عالمِ ملکوت کی سیاحت میں مشغول ہو جائے۔

شاہین انسانی آبادی سے دور پہاڑ کی بلند و بالا چوٹیوں پر بسیرا کرتا ہے پھر جب اس کو شکار کر کے گھر میں قید کر دیا جاتا ہے اور گوشت پر اس کی پرورش کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے تو وہ اپنے مالک سے مانوس و مالوف ہو جاتا ہے اور پھر جب اس کا مالک آواز دیتا ہے تو وہ اس کی آواز پر لبیک کہتا ہے اور پھر جب وہ اس کو شکار کیلئے چھوڑتا ہے تو شکار کر کے اپنے مالک کی رضا و خوشنودی کے لئے واپس آجاتا ہے اور اپنے مالک کی خواہش کو اپنے نفس کی خواہشات پر ترجیح دیتا ہے۔

کیا ایک مؤمن کیلئے یہ بات قابلِ عبرت نہیں ہے کہ ایک پرندہ تو اپنے مالک کی آواز سنے اور اس کی طاعت کرے لیکن بندہ مؤمن اپنے خالق کی طرف متوجہ نہ ہو۔

خلوت، دل، فکر اور عقل کو دنیاوی مشاغل اور غموں سے راحت پہنچاتی ہے حتیٰ کہ بندہ مؤمن اس کی وجہ سے ایمان کی حلاوت پالیتا ہے اور اسے ایمان اور سکون کی دولت مل جاتی ہے۔

اب ہم خلوت کے متعلق بعض علماء وصلحاء کے اقوال نقل کرتے ہیں:

فیروز آبادی صاحب القاموس

علامہ فیروز آبادی نزولِ وحی سے پہلے نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے احوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب نزولِ وحی کے ایام قریب آئے تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم خلوت اور عزلت نشینی کو پسند کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم حرا کے پہاڑ پر تشریف لے جاتے۔ یہ پہاڑ کعبہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی غار واقع ہے جو تقریباً چار ہاتھ لمبی اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑی ہے آپ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس غار کو اپنی خلوت کیلئے منتخب فرمایا۔ خلوت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی عبادت کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی عبادت غور و فکر پر مشتمل تھی اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم وہاں ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور یہی قول صحیح ہے۔ پہلا قول قابلِ التفات نہیں کیونکہ طالبین حق کی خلوت کی مختلف صورتیں ہیں۔

(ا): ان کی خلوت حق باری تعالیٰ سے مزید علمِ یقین کی طلب میں ہو اور یہ نظر و فکر سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ جو شخص اپنی خلوت میں کائنات کی کسی چیز سے مخاطب ہوتا ہے یا اس میں غور و فکر کرتا ہے وہ در حقیقت خلوت میں نہیں ہے۔ کسی شخص نے ایک بزرگ سے عرض کی کہ جب آپ خلوت میں اپنے رب کے قریب ہوں گے تو ہمیں بھی یاد رکھنا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں اس وقت آپ کو یاد کروں تو پھر میں خلوت میں نہیں ہوں گا اور اس سے نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے اس حدیث قدسی کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

حدیث قدسی ہے:

أنا جلیسُ مَن ذَکَرَني۔[211]

یعنی ”میں ذکر کرنے والے کا ہم نشین ہوتا ہوں“

اور اس خلوت کی شرط یہ ہے کہ دل اور روح کے ساتھ ذکر کیا جائے نہ کہ زبان کے ساتھ۔

(۲): خلوت کی دوسری قسم صفائے فکر کیلئے ہوتی ہے تا کہ معلومات کے حصول میں ان کی نظر و فکر صحیح ہو جائے تو یہ خلوت وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو عقل کے میزان سے علم حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ میزان انتہائی لطیف ہوتا ہے معمولی لغزش سے بھی وہ راہِ راست سے ہٹ سکتا ہے۔ طالبِ حق اس قسم کی خلوت کو پسند نہیں کرتے بلکہ ان کی خلوت خالصۃً ذکرِ الٰہی سے معمور ہوتی ہے۔ نظر و فکر کی طرف وہ متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ صاحبِ خلوت اگر ذکر و نظر میں مشغول ہو جائے تو وہ اہلِ خلوت سے خارج ہو جاتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مخلص طالبِ حق نہیں تھا کیونکہ اگر وہ اپنی طلب میں مخلص ہوتا تو عنایت ربانی اسے اس ہلاکت سے بچا لیتی۔

(۳) یہ وہ خلوت ہے جسے بعض اہلِ دنیا اس وقت اختیار کرتے ہیں جب لوگ کسی وجہ سے انہیں چھوڑ جاتے ہیں وہ دل کو بہلانے کیلئے عزلت نشینی کو اختیار کرتے ہیں۔

(۴) یہ وہ خلوت ہے جو خلوت میں پائی جانے والی لذت کی مزید طلب کے لئے کی جاتی ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خلوت کا تعلق قسم اول سے تھا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہر قسم کے مشاغل سے دور تھے حتیٰ کہ مال و دولت اور اہل و عیال کی محبت کو دل سے نکال کر قلبی اذکار کے بحر میں مستغرق رہتے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم

---

211 السمهودي (ت ٩١٢)، الغماز على اللماز ٤٢• محمد جار الله الصعدي (ت ١١٨١)، النوافح العطرة ٥٨• شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج سير أعلام النبلاء ١٦/٥١٠•

نے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے تعلق منقطع کر لیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو اس خلوت کی وجہ سے انس اور خلوت عطا ہوئی یہ انس کی کیفیت اسی طرح جاری رہی اور قلب مبارک میں مزید صفائی اور نور پیدا ہو گیا حتیٰ کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے انتہائی درجہ کمال پا لیا۔[212]

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے بند دروازہ کو کھول دے اور اسے علم عطا فرمائے اسے چاہئے کہ وہ خلوت اور قلتِ طعام کو اختیار کرے، سُفَہاء کی مجلس سے اجتناب کرے اور ان اہلِ علم کی صحبت سے بھی بچے جن میں انصاف اور عدل کی کمی ہوتی ہے۔[213]

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اپنی سمع وبصر کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں دل کی دہلیز ہیں اور دل ایک حوض کی طرح ہے، انسانی حواسِ ظاہری کی نہریں اس میں آلودہ پانی جمع کرتی ہیں۔ خلوت کا مقصد حوض کو اس آلودہ پانی سے خالی کرنا اور اس کے اثرات سے پاک کرنا ہے تاکہ حوض کے اندر سے ہی حکمت کا چشمہ پھوٹے جس سے پاکیزہ اور صاف پانی نکلے اور جب تک یہ نہریں کھلی ہیں حوض کی صفائی کیسے ممکن ہے کیونکہ اس سے جتنا زیادہ آلودہ

---

[212] (کتاب سفر السعادۃ للفیروز أبادی، ص ۴-۳)

[213] (بستان العارفین للإمام الفقیہ الحافظ أبی زکریا محی الدین النووی ص ۴۷)

پانی نکالا جائے گا اس سے زیادہ اس میں داخل ہو جائے گا اس لئے حواسِ ظاہری کی حفاظت ضروری ہے اور یہ خلوت کے بغیر ممکن نہیں۔[214]

جب انسان اپنے نفسانی امراض، فضول مصروفیات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے انوار و تجلیات اور علمِ لدنی کا مستحق ہوتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ان خلوتوں کے درمیان مجھ پر کچھ ایسے امور منکشف ہوئے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں لیکن پھر بھی فائدے کیلئے چند چیزوں کو ذکر کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا گروہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والا ہے۔ ان کی سیرت بہترین اور طریقہ صحیح ترین اور ان کے اِخلاق پاکیزہ اور عمدہ ہیں بلکہ اگر تمام عقلاء کی عقل اور حکماء کی حکمت اور شرعی اسرار و رموز سے واقف علماء کے علم کو جمع کر دیا جائے تب بھی ان کے اخلاق اور سیرت کو تبدیل نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی ظاہری اور باطنی تمام حرکات و سکنات مشکوٰۃِ نبوت کے نور سے ماخوذ ہیں اور روئے زمین پر نورِ نبوت سے بڑھ کر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جا سکتی ہو۔[215]

---

[214](الإحياء للغزالي ج٣ ص ٦٦)

[215](المنقذ من الضلال ص ١٣٢ - ١٣١)

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اسرار و رموز اور مزید انوارِ الٰہیہ کا طالب جب خلوت اور ذکر کو لازم پکڑتا ہے اور اپنے دل کو نظر و فکر سے پاک کر لیتا ہے اور اپنے پروردگار کے در کا فقیر بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علوم و اسرار اور معارفِ ربانیہ عطا کر دیتا ہے جو اس نے اپنے خاص بندہ حضرت خضر علیہ السلام کو عطا کئے تھے اور آپ علیہ السلام کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَوَجَدَعَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (کهف: ۶۵)

"تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے خاص علم۔"

درج ذیل آیات بھی انہی علوم کی طرف راہنمائی کرتی ہیں:

(۱) وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (بقرہ: ۲۸۲)

"اور ڈرا کرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ"۔

(۲) إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا۔ (انفال: ۲۹)

"اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت۔"

(۳) وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ۔ (حدید: ۲۸)

"اور بنا دے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے"۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کی گئی کہ آپ نے یہ تمام مراتب و منازل کیسے حاصل کئے؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا! میں یہاں بیٹھ کر تیس سال تک علم حاصل کرتا رہا۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تم نے علم ان راویوں سے حاصل کیا ہے جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور ہمارا علم اس ذات سے ماخوذ ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں صاحبِ ہمت کو خلوت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علوم عطا ہوتے ہیں جن تک علماء اور حکماء کی رسائی نہیں ہوتی بلکہ کوئی بھی صاحبِ نظر و فکر اس کیفیت کو حاصل نہیں کر سکتا۔[216]

الشیخ سفیرینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ سفیرینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصیدہ "منظومۃ الآداب" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کثیر صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے خلوت کی تعریف کی ہے اور سالک کو لوگوں کے ساتھ اختلاط سے روکا ہے۔

أنست بوحدتی ولزمت بیتی　　　فدام الانس لی ونما السرور

"میں اپنی تنہائی سے مانوس ہو گیا اور میں نے اپنے گھر کو لازم پکڑ لیا تو انس میرا ساتھی بن گیا اور سرور میں اضافہ ہو گیا"[217]

---

[216](الفتوحات المکیۃ ج ۱ ص ۳۱)

[217](غذاء الألباب شرح منظومۃ الآداب للشیخ الإمام محمد السفارینی الحنبلی ج ۲ ص ۳۸۸)

ڈاکٹر مصطفی السباعی

ڈاکٹر مصطفی السباعی فرماتے ہیں کہ مبلغ اور عالم دین کیلئے ضروری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً خلوت کیلئے کچھ اوقات خاص کرے جن میں اس کی روح کا اتصال ذاتِ باری تعالیٰ سے ہو اور اس کا نفس اخلاقِ مذمومہ کی کدورت سے صاف ہو جائے اور اس قسم کی خلوت محاسبۂ نفس کی داعی ہوتی ہے۔ جب بھی نفس کسی نیکی کے کام میں کوتاہی کرتا ہے یا صراطِ مستقیم اور حکمت کے راستہ سے بھٹکتا ہے یا لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں مصروف ہوتا ہے تو خلوت میں محاسبۂ نفس اس کو ان چیزوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ مانوس اور آخرت جنت اور دوزخ موت اور اس کے مصائب وآلام کو یاد دلاتا ہے۔ اسی وجہ سے تہجد اور قیام اللیل نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر فرض تھا اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی امت کیلئے مستحب، اسی لئے علماء و مبلغین کو نماز تہجد کا زیادہ حریص ہونا چاہیئے۔

خلوت اور رات کے آخری حصہ میں نوافل پڑھنے میں جو لذت ہے اس کا ادراک وہی شخص کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرم نوازی فرمائی ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز تہجد کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

نحن فی لذۃ لو عرفھا الملوک لقاتلو نا علیھا۔

یعنی "نماز تہجد میں ہمیں ایسی لذت حاصل ہوتی ہے اگر بادشاہوں کو معلوم ہو جائے تو وہ ہمارے ساتھ جنگ و جدل پر اتر آئیں۔"[218]

[218](مذاکرات فی فقہ السیرۃ للدکتور مصطفیٰ السباعی ص ۱۸)

عماد الدین الواسطی

شیخ الامام عماد الدین الواسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ہم سب کیلئے شب وروز میں ایک ایسا وقت ہونا چاہیئے جس میں ہم اپنے رب کی بارگاہ میں خلوت میں حاضر ہوں اور اپنے تمام غموں کو اس کی بارگاہ میں پیش کریں۔ دنیا کے مشاغل کو اپنے دل سے نکال دیں اور ماسوٰی اللہ ہر چیز کو بھول جائیں۔ اس کے ذریعہ انسان پروردگار کے ساتھ اپنے حال کو پہچانتا ہے۔ جس شخص کو اس طرح اپنے رب کی معیت حاصل ہو جائے۔ اس کے عزائم پختہ ہو جاتے ہیں اور اس کا دل حقیقی محبت اور تعظیم کی طرف مائل ہوتا ہے اور پھر وہ بارگاہِ الٰہی میں آہوں اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور خلوت کی یہ گھڑی دراصل قبر میں بندے کی حالت کا نمونہ ہے جبکہ وہ اپنے مال واولاد کو چھوڑ کر اس میں قیام پذیر ہوگا اور جو شخص پریشان کن دنیاوی غم واحزان میں اللہ تعالیٰ کیلئے ایک گھڑی نہیں نکال سکتا اسے جان لینا چاہیئے کہ اس کا رابطہ منقطع ہو چکا ہے اور محبت ومحبوبیت اس کے نصیب میں نہیں ہے اسے اپنی اس حالت پر رونا چاہیئے اور ہمیشہ اپنے اوقات کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور محبت کیلئے خاص کرنا چاہیئے اگر اس نے اللہ کیلئے کچھ وقت خاص کر دیا تو اس کی برکت سے نماز کی پابندی بھی ہو جائے گی اور اس میں خشوع وخضوع بھی پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے ہمیں شبانہ روز کے چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت اپنے پروردگار کیلئے نکالنا چاہیئے تاکہ اس وقت میں یکسوئی سے اس کی عبادت کر سکیں اور پھر اس طریقہ پر نماز ادا کرنے کی کوشش کریں۔[219]

---

[219] (غذاءالألباب ج ا ص ۴۷)

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت ابن عطاء اللہ سکندری کے اس قول "مانع القلب شئ مثل عزلہ یدخل بھا میدان فکرۃ" (اس عزلت سے بڑھ کر دل کیلئے فائدہ مند کوئی شئے نہیں جس کے ساتھ سالک میدان فکر میں داخل ہوتا ہے) کی شرح میں فرماتے ہیں کہ عزلت کے معنی دل کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالی کرنا ہے۔ کبھی عزلت سے مراد وہ خلوت ہوتی ہے جس میں انسان لوگوں سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے اور یہاں یہی معنی مقصود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کیلئے دل اسی وقت خالی ہو گا جب اسے خلوت میسر آئے گی۔

اور فکر سے مراد دل کا بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کی طرف متوجہ ہونا ہے، اور اس کی دو اقسام ہیں:

(۱) تصدیق وایمان میں غور و فکر کرنا۔

(۲) مشاہدہ ربانی کیلئے غور و فکر کرنا۔

اور دل کیلئے اس عزلت نشینی سے بڑھ کر کوئی نفع مند شئے نہیں جس میں فکر و تدبر پائی جائے کیونکہ عزلت نشینی پرہیز کی مثل ہے اور فکر و تدبر دوا کے مثل اور دوا بغیر پرہیز کے فائدہ نہیں دیتی۔ اسی طرح بغیر دوا پرہیز میں بھی کوئی فائدہ نہیں ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ ایسی عزلت نشینی میں کوئی فائدہ نہیں جس میں فکر و تدبر نہ ہو اور اسی طرح بغیر عزلت نشینی کے فکر و تدبر بار آور نہیں ہوتا کیونکہ عزلت نشینی کا مقصد حقیقی دل کو مشاغل دنیا سے خالی کرنا ہے اور دل کو مشاغل دنیا سے خالی کرنے کا مقصد اس کو بارگاہِ الٰہی کی طرف متوجہ کرنا اور فکر و تدبر میں مصروف کرنا ہے اور فکر و تدبر میں مشغول ہونے سے علمِ لدنی حاصل ہوتا ہے اور وہ دل میں متمکن ہو جاتا ہے اور اس علمِ لدنی کا

حاصل ہونا ہی دل کی دوا اور صحت یابی ہے اور یہی وہ دل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قلب سلیم سے موسوم کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ○" (شعراء: ۸۹-۸۸)

"جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلبِ سلیم"۔

بزرگوں کا فرمان ہے کہ دِل معدے کی مثل ہے اور معدہ میں جب اخلاط کی کثرت ہو جائے تو یہ بیمار ہو جاتا ہے اور اس وقت پرہیز کے علاوہ اسے کوئی چیز نفع نہیں دے سکتی اور یہ پرہیز کثرت اخلاط اور غذا کی مقدار کو کم کرنا ہے۔ کہتے ہیں: "المعدة بيت الداء والحمية رأس الدواء" معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز دوا کی اصل ہے اور اسی طرح دل پر جب شیطانی وساوس اور مادیت کا غلبہ ہو جائے تو یہ بیمار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس حالت میں پرہیز کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں یعنی لوگوں سے عزلت نشینی اختیار کرے اور فکر و تدبر سے کام لے۔ اگر اس نے ایسا کام کیا تو اس کا دل صحت یاب اور مستقیم ہو جائے گا اور اگر اس نے اس کی طرف توجہ نہ دی تو یہ بیمار رہے گا حتیٰ کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بیمار دل لے کر حاضر ہو گا جو شکوک و شبہات اور بُرے خیالات سے بھرا ہوا ہو گا۔ نسأل الله العافية۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک لمحہ غور و فکر آخرت کے بارے میں ساری رات کی عبادت سے افضل ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک ساعت غور و فکر اسی ۸۰ سال کی عبادت سے افضل ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے روایت ہے کہ ایک لمحہ غور و فکر ساٹھ ۶۰ سال کی عبادت سے افضل ہے۔امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہی غور و فکر ہے کہ جن کو صوفیاء کرام مراقبہ کہتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بہترین مجلس وہ ہے جس میں انسان بحر توحید میں فکر و تدبر کرتا ہے۔

(مفتاح السلوک، جلد اول)

مکتوب نمبر ۱۵

[یہ مکتوب بھی سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

روشن شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترویج واشاعت کی ترغیب کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے درخواست ہے کہ خلاصہ بزرگان عظام کے وجود مبارک کے وسیلہ سے روشن شریعت کے ارکان اور پُر نُور ملت اسلام کے احکام قوت پکڑیں اور رواج پذیر ہوں۔

کار این ست وغیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہی ہے، اس کے سوا سب کچھ ہیچ ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ جب آپ احکامِ شریعت کو سُنیں تو پھر اس کی ترویج واشاعت بھی کریں اس طرح نہ ہو کہ ایک کان سے سُنیں اور دوسرے سے نکال دیں یعنی نہ تو خود اس پر عمل کریں اور نہ ہی دوسروں کے لئے اس کی ترویج واشاعت کریں۔

[آج غرباء اہلِ اسلام کو اس طرح کے گردابِ ضلالت میں نجات کی اُمید بھی اہلِ بیت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات اتمہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا کے سفینہ سے ہی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

مِثْلَ أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ مِثْلُ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هلک۔ (رواه احمد)

ترجمہ: میرے اہلِ بیت کا حال کشتی نوح کی طرح ہے۔ جو شخص اس میں آ گیا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے ہٹ گیا ہلاک ہو گیا۔[220]

اپنی بلند ہمت کو مکمل طور پر اس بات پر لگا دیں کہ اس سعادت عظمیٰ کو حاصل کر لیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت و مہربانی سے جاہ وجلال عظمت وشوکت سب کچھ آپ کو حاصل ہے۔ ذاتی شرافت کے ساتھ ترویجِ شریعت کی سعادت بھی اگر مل جائے تو سبقت کا گیند سعادت کی چوگان کے ساتھ آپ سب سے آگے لے جاسکتے ہیں۔ یہ حقیر تائید وترویجِ شریعتِ حقہ کی خاطر اس طرح کی باتیں ظاہر کرنے کے ارادے سے آپ کی خدمت شریف کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ رمضان شریف کا چاند دہلی میں دیکھا۔ حضرت والدہ بزرگوار کی مرضی یوں محسوس کی کہ میں رُک جاؤں۔ اس ضرورت کے تحت پورا قرآنِ مجید سُن لینے تک رُک جانے کا پروگرام بنانا پڑا۔ ہر کام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ آپ کو سعادتِ دارین نصیب ہو۔]

تشریح

عقائدِ احناف کی کُتب میں سے ایک ابو المنتہیٰ ہے جس میں بڑے آسان اور دلچسپ انداز میں اہل سنت وجماعت کے عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسے یہاں کے مدارس اور لائبریریوں کی زینت بنا دیا گیا ہے اور درسی کُتب میں شامل نہیں کیا گیا۔

اس مستند کتاب میں فرمایا گیا ہے کہ:

اٰلُ النَّبِیِّ عَلٰی قِسْمَیْنِ اَعْلٰی وَھُوَ اَھْلُ بَیْتِہٖ علیہ السلام وَاَدْنٰی وَھُوَ کُلُّ تَقِیٍّ وَنَقِیٍّ۔

---

[220] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۷۴۲، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اعلیٰ قسم ہے جو کہ اہلِ بیت (سادات) ہیں اور دوسری ادنیٰ قسم ہے جس میں ہر تقی و نقی شامل ہے۔ (تقی اُس شخص کو کہا جاتا ہے جو قبل از بلوغ بھی تقویٰ دار ہو اور بعد از بلوغ بھی متقی رہے، جبکہ نقی وہ شخص ہے جس نے تقویٰ کو بعد از بلوغ کسی وقت اختیار کیا ہو۔)[221]

پس اس اعتبار سے ساداتِ کرام کے علاوہ باقی امتیوں کو بھی آلِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہونے کا شرف حاصل ہو گیا ہے، لیکن واضح ہو کہ آلِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم چاہے سادات ہوں یا غیر سادات اُن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اوصاف نمایاں ہونے چاہئیں۔ یہ نہ ہو کہ اہلِ بیت تو کہلائیں لیکن کبائر سے اجتناب نہ کرتے ہوں۔ اور نہ ہی دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرتے ہوں، پس جو اہلِ بیت مندرجہ بالا اوصاف کا مالک ہو اُس کی مثال یقیناً کشتی نوح کی سی ہے کہ جو اس میں سوار ہو گا یقیناً فلاحِ دُنیاوی واُخروی پالے گا۔

مکتوب شریف کے آخرے حصے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنی والدہ محترمہ کی کسی اَمر میں رضامندی کو مدِ نظر رکھنے کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی فرمانبرداری کرنے اور ان کی نافرمانی سے بچنے پر بحث کی جائے کیونکہ دورِ حاضر میں والدین کی نافرمانی جیسے گناہ کو گناہ تصور ہی نہیں کیا جارہا۔ حالانکہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔

پس والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے مختصراً چند باتیں لکھی جاتی ہیں، جن پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

---

[221] (ابو المنتھی، ص ۲)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (النساء ٣٦)

ترجمہ: اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (الإسراء ٢٣)

ترجمہ: اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

پس جس طرح جملہ عبادات کی تخصیص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے ہے اور ترکِ عبادت وشرک کو گناہِ کبیرہ شمار فرمایا تو ان دو اُمور کے ساتھ بیان کئے جانے والی چیز کو بھی اسی زمرے میں رکھا جو کہ والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک ہے۔ اور والدین کی نافرمانی کو اکبر الکبائر گناہ (شرک) کے بعد کا درجہ دے کر ثابت کر دیا کہ باقی تمام گناہوں سے یہ گناہ زیادہ بھاری ہے۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

الْكَبَائِرُ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ۔

ترجمہ: کبیرہ گناہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا، والدین کی نافرمانی کرنا، جان کا ہلاک کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔[222]

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مِنْ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ۔

---

[222] (صحيح البخارى، ج ٢٠، ص ٣٦٧، المكتبة الفاروقية)

اپنے والدین کو گالی دینا گناہِ کبیرہ ہے۔ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کیا کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے گا؟ فرمایا ہاں! وہ یوں کہ ایک شخص کسی کے باپ کو گالی دے تو پلٹ کر وہ بھی اس کے باپ کو گالی دے گا اسی طرح کسی کی ماں کو گالی دی تو وہ بھی اس کی ماں کو گالی دے گا۔[223]

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنَعَ وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ماں کی نافرمانی، حق تلفی، جھگڑنے اور بیٹیوں کو دَفن کرنے کو تُم پر حرام کر دیاہے اور قیل و قال کرنے، زیادہ پوچھ گچھ کرنے اور مال کو ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔[224]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ۔

ترجمہ: رب کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں اور رب کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔[225]

نیز فرمایا کہ:

الْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ۔

ترجمہ: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔[226]

---

[223] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۴۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[224] (صحیح البخاری، ج ۸، ص ۲۵۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[225] (سنن الترمذی، ج ۷، ص ۳۴۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[226] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۲، ص ۵۸۹، الناشر: دار الفکر، بیروت - لبنان)

بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ماں باپ کی یا کسی ایک کی نافرمانی کرنے والوں پر جنت کو حرام کر دیا ہے اس صورت میں کہ توبہ کرنے سے پہلے مر جائے یا والدین انتقال کر جائیں در آنحالیکہ وہ اس سے راضی نہ ہوں۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

لاَیَدْخُلُ الْجَنَّۃَ عَاقٌّ وَلاَمَنَّانٌ وَلاَمُدْمِنُ خَمْرٍ۔

ترجمہ: نافرمان اولاد، احسان جتانے والا، دائمی شراب پینے والا جنت میں نہیں جائے گا۔[227]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نافرمان اولاد کا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

احْضَرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَی دَرَجَۃً قَالَ: آمِینَ، فَلَمَّا ارْتَقَی الدَّرَجَۃَ الثَّانِیَۃَ قَالَ: آمِینَ فَلَمَّا ارْتَقَی الدَّرَجَۃَ الثَّالِثَۃَ قَالَ: آمِینَ، فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا: یَارَسُولَ اللہِ لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْکَ الْیَوْمَ شَیْئًا مَا کُنَّا نَسْمَعُهُ قَالَ: إِنَّ جِبْرِیلَ عَلَیْهِ الصَّلاَۃُ وَالسَّلاَمُ عَرَضَ لِي فَقَالَ: بُعْدًا لِمَنْ أَدْرَکَ رَمَضَانَ فَلَمْ یَغْفَرْ لَهُ قُلْتُ: آمِینَ، فَلَمَّا رَقِیتُ الثَّانِیَۃَ قَالَ: بُعْدًا لِمَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْکَ قُلْتُ: آمِینَ، فَلَمَّا رَقِیتُ الثَّالِثَۃَ قَالَ: بُعْدًا لِمَنْ أَدْرَکَ أَبَوَاهُ الْکِبَرَ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدُهُمَا فَلَمْ یُدْخِلاَهُ الْجَنَّۃَ قُلْتُ: آمِینَ۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حکم دیا منبر لاؤ، ہم منبر لے آئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس کے ایک زینے پر چڑھ کر فرمایا آمین (ایسا ہی ہو) پھر دوسرے زینے پر چڑھے اور فرمایا آمین، پھر تیسرے زینے پر چڑھے اور فرمایا آمین اس کے

---

[227] (سنن الدارمی، ج۲، ص ۳۲۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

بعد جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم منبر سے نیچے آئے تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم نے آج آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ایسی بات سُنی جو اس سے پہلے کبھی نہ سُنی تھی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (حضرت) جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے کہا کہ وہ شخص (رحمتِ الٰہی سے) دور ہو جس نے ماہِ رمضان کو پایا اور (اس کے روزے وعبادات نہ کرنے کی وجہ سے) اُس کی مغفرت نہ ہوئی تو میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں دوسرے زینے پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ وہ بھی بعید از رحمت ہو جس کے سامنے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ذکر ہو اور اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر درود نہ بھیجا، میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں تیسرے زینے پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ وہ بھی رحمت الٰہی سے محروم ہو جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور وہ (اُن کی خدمت نہ کرنے کی وجہ سے) جنت میں داخل نہ ہو سکا تو میں نے کہا آمین۔[228]

پس ثابت ہوا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے پیارے رسول حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نافرمانی کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔ والدین کا دل دکھانے سے انسان خود بخود عاق ہو جاتا ہے، وہ زبان سے کہیں یا نہ کہیں۔ والدین کی ضروریات کو اپنی اور اپنی بیوی بچوں کی ضروریات پر مقدم رکھنا ضروری ہے چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اگر وہ کسی نفلی عبادت سے منع کر دیں تو رُک جانا چاہیئے البتہ فرائض میں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی کرنے میں اُن کا حکم نہ ماننا چاہیئے۔

---

[228] (المستدرک للحاکم، ج۴، ص ۱۵۳، الناشر: دار المعرفة-بیروت)

اگر والدین کسی چیز کا مطالبہ کریں تو اُسے پورا کرنا چاہیئے۔ اولاد کی جان ومال، والدین کی ملک ہے، وہ جیسے تصرف کریں اُنہیں حق حاصل ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

أَنْتَ وَمَالُکَ لأَبِیکَ۔

ترجمہ: تو بھی اور تیرا مال بھی تیرے باپ کی ملکیت ہے۔[229]

پس والدین کو اپنے سے جدا کر دینا یا بیوی بچوں کی وجہ سے والدین سے علیحدہ ہو جانا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں تو یہ رواج بن چکا ہے کہ شادی کے دو تین ماہ بعد ہی والدین کی محبت پر بیوی کی محبت غالب آجاتی ہے اور مختلف حیلے بہانوں سے والدین سے چھٹکارا حاصل کر لیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ دُنیا میں یوں ظاہر ہوتا ہے کہ والدین کا نافرمان اپنی اولاد سے بھی چین اور سُکھ نہیں پا سکتا۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے ... یاں سودا دست بدستی ہے

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولوالدیھم ولاساتذیھم ولاھل بیتھم اجمعین

آمین یا رب العالمین

(دارالمعـــرفت، جلد دوم)

[229] (سنن ابن ماجه، ج٣، ص ٣٩١، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اس مکتوب میں حضرت سید فرید بخاری کو دعا دیتے ہوئے اُن کے وجودِ مسعود کو ملتِ اسلامیہ کے لئے غنیمت قرار دیا ہے۔ اور اُن کو تحریک احیائے دین کے لئے ایک معاون قوت کے طور پر ترویج شریعت کے لئے ترغیب اور دعوتِ عمل ارشاد فرمائی ہے اور اس حقیقت کا برَملا اظہار فرمایا ہے کہ اس گمراہی کے دور میں بے چارے مسلمان اہل بیت کی کشتی سے ہی نجات کی اُمید وابستہ کئے ہوئے ہیں، کیونکہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے اہلِ بیت کشتیٔ نوح کی مانند ہیں جو ان کی کشتی میں سوار ہو جائے گا نجات پا جائے گا اور جس نے ان کی کشتی سے منہ موڑ لیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

حضرتِ دہلی

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے دہلی کو "حضرت دہلی" کا نام دے کر شیخ طریقت کے ساتھ عقیدت اور محبت کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ آپ کے مرشدِ برحق شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا مسکن و مدفن دہلی میں تھا۔ عاشق کے نزدیک اپنے محبوب کا ملک، شہر اور مزار بھی ادب واحترام اور عزت واحتشام کا مرکز ہوتا ہے اسی لئے اہلِ طریقت اپنے مشائخ کی جائے قیام وآرام کو آستانہ، بارگاہ، خانقاہ، حضرت اور شریف کہہ کر پکارتے ہیں۔

جیسا کہ کعبہ کو معظمہ ومکرمہ اور مدینہ کو طیبہ ومنورہ کہا جاتا ہے اور ان دونوں شہروں کی یہ فضیلت سرورِ کائنات علیہ التحیات والصلوات کی نسبتِ سکونت واقامت کی وجہ سے ہے کیونکہ مکہ آپ کی جائے ولادت وسکونت ہے اور مدینہ آپ کی جائے اقامت وتدفین ہے۔

قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

لَآ أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ (١) وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ (البلد ٢)

اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اقامت وسکونت کی وجہ سے مکہ کی قسم ارشاد فرمائی گئی ہے۔

اور ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے:

إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى سَمَّى الْمَدِينَةَ طَابَةَ۔[230]

اس حدیث میں محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نسبت سے ہی مدینہ کو طابہ کا نام دیا گیا ہے۔

كَمَا قَالَ الشَّاعِرُ:

وَمِنْ مَذْهَبِيْ حُبُّ الدِّيَارِ لِأَهْلِهَا   وَلِلنَّاسِ فِيْمَا يَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است

آں خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

والدۂ بزرگوار

والدۂ بزرگوار سے مُراد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی والدہ ماجدہ ہیں جو خاندانِ سادات سے تھیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی وفات کے بعد بقیدِ حیات تھیں اور خود حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ جوانی کے عالم میں بعمر چالیس برس وصال فرما چکے تھے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۷۸ تا ۲۸۰)

---

230 (مسند احمد، ج ۵، ص ۱۰۲)

مفتاح السلوک، جلد ہفتم میں ہے:

اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی گستاخی

بعض علماء و عوام اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین کرتے ہیں اور بعض نام نہاد سُنی جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، جب کہ ان کی شان میں گستاخی کرنے والا حلالی نہیں ہے، تو سُنی کیسے ہو سکتا ہے۔

حضور ختم الرسل ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو خالق کائنات جلّ و علا نے اپنے قرب کے انتہائی مقام پر فائز فرمایا جہاں کوئی نہ پہنچ سکا اور کمالات عالیہ عنایت فرما کر پوری کائنات میں ممتاز اور فائق فرمایا، اور قاسمِ فیضانِ الٰہی بنا کر شرفِ خلافتِ مطلقہ عطا فرمایا۔ اس لئے جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ آپ ﷺ کے توسل سے ہی ملتا ہے۔ اس پر حدیث **"انما انا قاسم و اللہ یعطی"** ناطق ہے۔ آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والی اشیاء بھی متبرک اور قابلِ احترام ہوتی ہیں۔ وہ حضرات جنہیں آپ ﷺ سے ایمان کے ساتھ کسی طرح کی بھی نسبت ہو، وہ قابل صد احترام ہیں۔ آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والے دو طبقے ہیں، ایک طبقہ کے لوگ وہ ہیں جو آپ ﷺ کے خاندان کے افراد ہیں اور آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں جنہیں اہل بیت کہتے ہیں۔ اور ایک طبقہ کے لوگ وہ جو آپ ﷺ سے خاندانی نسبت نہیں رکھتے مگر آپ ﷺ پر ایمان لائے انہیں صحابی کہتے ہیں۔ دونوں طبقات کی نسبت آپ ﷺ سے ہے اسی وجہ سے دونوں طبقات کی محبت و عزت و احترام لازم ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بغض و نفرت دوسرے کی نفرت و بغض کو مستلزم ہے کیونکہ دونوں کی علت ذاتِ پاک مصطفی ﷺ ہے۔ لہٰذا اہل بیت سے محبت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت بھی لازمی ہے اور صحابہ کرام کی محبت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کی محبت بھی لازمی امر ہے۔

اہل بیت کی محبت کی آڑ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی و بے ادبی سخت ترین جرم و گناہ وزندیقیت ہے۔

امام ابو زرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم الرازی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۶۴ھ کا یہ ارشاد بہت سے اکابر نے نقل کیا ہے:

اذا رأیت الرجل ینتقص احدًا من اصحاب رسول اللہ ﷺ فانہ زندیق وذٰلک ان الرسول عندنا حق والقراٰن حق وانما ادیٰ الینا ھٰذا القراٰن والسّنن اصحاب رسول اللہ ﷺ وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسّنۃ والجرح بھم اولیٰ وھم زنادقۃ۔

"جب کسی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے نزدیک برحق ہیں، قران حق ہے اور یہ قرآن و سنت ہمیں اصحابِ رسول ﷺ نے ہی پہنچایا ہے (جو لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کریں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب و سنّت کو مجروح کر سکیں ایسے لوگ خود قابلِ جرح ہیں اور زندیق ہیں"۔

ہمارے اس دور میں اپنے آپ کو سادات گردانںے والے کچھ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بہت بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ایسا کہنے والا قطعی طور پر سادات کے نقش قدم پر نہیں ہو سکتا۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی شان اور رتبہ ہے۔ بارگاہِ رسالت ﷺ میں آپ رضی اللہ عنہ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، حضور خاتم النبیین ﷺ نے آپ کے بارے میں ہادی اور مہدی کے الفاظ استعمال کئے، مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے ان کے بارے میں مختلف دعائیں فرمائیں۔

چنانچہ سیدنا عبد الرحمن بن ابی عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان الفاظ میں دعا فرمائی: **اللھم اجعله هاديًا مهديًّا واهده واهد به۔** اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے لئے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ فرما اور ان کو ہدایت دے اور ان کو دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا۔[231]

ایک اور روایت میں جو سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سید دو عالم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے:

اللھمّ علّم معاوية الكتاب و الحساب وقه العذاب۔

"اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذابِ جہنم سے محفوظ فرما"۔[232]

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولا ارتياب ان دعاء النبی ﷺ مستجاب فمن كان هٰذا حاله فكيف يرتاب فی حقه۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا یقیناً قبول ہوتی ہے لہٰذا جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے بارہ میں ان کی قبولیت میں کس طرح شک کیا جا سکتا ہے"۔[233]

---

[231] (التاریخ الکبیر ۳۲۷:۴، طبرانی المعجم الاوسط ۳۸۰:۱، ترمذی ۲۱۱:۲، اسدالغابه ۳۸۶:۴، البدایه والنهایه ۱۲۱:۸، تاریخ الاسلام للذهبی ۳۱۹:۲، حلیة الاولیاء ۳۵۸:۸، طبقات ابنِ سعد ۱۳۶:۷، تاریخ بغداد ۲۰۸:۱، الاصابه ۴۰۶:۲، وقال الترمذی حسن غریب، الفتح الربانی ۳۵۶:۲، تهذیب الاسماء واللغات للنووی رحمۃاللہ تعالیٰ علیه ۱۰۳:۲)

[232] (مسند امام احمد ۱۲۷:۴، تاریخ الاسلام للذهبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیه ۳۱۸:۲، البدایه والنهایه ص ۱۲۱، کنزل العمال ۸۷:۷، الاستیعاب ۳۸۱:۳، انساب الاشراف بلا ذری ۱۰۷:۴، مجمع الزوائد هیثمی ۳۵۶:۹، صحیح ابن حبان ۱۶۹:۱۰، الاصابه ۳۸۵:۱)

[233] (مرقاة ۱۳۸:۱۱)

اس حدیث میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے ایک تو آپ **رضی اللہ عنہ** کے لئے **علم الکتاب** کی دعا فرمائی اور دوسرے **علم الحساب** کی، جس میں سیدنا معاویہ **رضی اللہ عنہ** کی خلافت کی طرف اشارہ ہے، اور تیسرے **وقہ العذاب** کی تاکہ دنیا میں امورِ خلافت کی انجام دہی میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو آخرت میں اس پر مواخذہ نہ ہو، یہ تینوں دعائیں کسی معمولی آدمی کے لئے نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ صرف اس کے لئے ہو سکتی ہیں جس سے خاص محبت او الفت کارشتہ ہو۔

الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ مختلف اوقات میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے آپ کو تعلیمِ کتاب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ و مصئون رہنے کی دعا فرمائی۔ اور ایک امتی کے لئے سب سے بڑا سرمایہ حیات یہی ہے کہ اس کا نبی اس دنیا میں اس کے لئے تعلیم کتاب فہم دین اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی انہی دعاؤں کے اثرات تھے کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے صفتِ عدل سے نوازا، اور ان کے عدل و انصاف اور وسیع القلبی اور لوگوں کے ساتھ مروت و عدالت سے پیش آنے کی بناء پر کوئی ان کو "**المھدی**" کہنے پر مجبور ہوتا۔[234]

اور کوئی ان کو "**المصحف**" کہتا۔[235]

اور کوئی انہیں عدل و انصاف کا پیکر کہتا۔

---

[234] (العواصم من القواصم ص ۲۰۵ تعلیقہ، البدایہ والنہایہ ۱۳۵: ۸)

[235] (البدایہ والنہایہ ۱۲۱: ۸)

چنانچہ امام اعمش رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک روز سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا تذکرہ چل پڑا۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ کو پالیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا۔"لوگوں نے پوچھا:"حضرت! کس چیز کا پتہ چل جاتا؟ ان کے حلم وبردباری کا؟ فرمایا: نہیں !بلکہ ان کے عدل وانصاف کا۔[236]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سرکارِ دوعالم ﷺ کی نظر شفقت کا اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے جس کو علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایاہے۔ سیدنا عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کسی بات کے بارے میں مشورہ چاہا، یہ دونوں حضرات اس بارے میں کچھ نہ کہہ سکے اور دربارِ رسالت پناہ میں عرض کر دیا کہ اللہ جل شانہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتاہے۔

آپ ﷺ نے ان کا یہ جواب سن کر فرمایا: ادعوا معاوية رضى الله عنه۔ "معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔"

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو قریش کے دو آدمیوں پر اس قدر یقین نہیں کہ قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کو طلب فرمارہے ہیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھو کیونکہ: فانّه قویّ امینٌ (کیونکہ یہ قوی اور امین ہیں)۔[237]

---

[236](العواصم من القواصم ۳۰۵ تعلیقه)

[237](البدايه والنهايه ۸:۱۲۲، تاريخ الاسلام للذهبى رحمة الله تعالىٰ عليه ۲:۳۱۹، مجمع الزوائد ۹:۳۵۵)

تاریخ وحدیث کی کتابوں میں کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت وامارت کے بارے میں کچھ بشارات بھی دی تھیں جن کو آپ کی خلافت کے بارہ میں پیش گوئی بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے سرورِ کائنات ﷺ نے ایک یا دو مرتبہ میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: **یا معاویة! ان ولیت امرًا فاتق اللہ واعدل۔** ''اے معاویہ رضی اللہ عنہ! اگر تجھے امور مملکت وخلافت سونپے جائیں تو اللہ سے ڈرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔''[238]

اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اور ابو بکر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ وغیرہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: **''یا معاویة! ان ولیت فاحسن۔''** ''اے معاویہ رضی اللہ عنہ! اگر امورِ مملکت تجھے سونپے جائیں تو لوگوں سے حسنِ سلوک سے پیش آنا اور امورِ مملکت وخلافت کو احسن طریق سے سرانجام دینا''۔[239]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز سے سرکارِ دوعالم ﷺ نے مجھے یہ کلمات فرمائے تھے، اسی روز سے مجھے یقین تھا کہ میں حکومت کے معاملات میں ضرور مبتلا ہوں گا، یہاں تک کہ مجھے حکومت مل گئی۔''

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو حکومت حضور ﷺ کی دعا کی وجہ سے ملی تھی۔ چنانچہ علامہ خفاجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مختلف شہروں اور مملکتِ اسلامیہ کے جو خلیفہ بنے وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا''۔[240]

---

[238](البدایہ والنہایہ ۱۲۳: ۸، مجمع الزوائد ۱۸۶: ۵، ۳۵۵: ۹، مسند احمد ۱۰۱: ۴، تطہیر الجنان ۱۸، دلائل النبوة ۴۴۶: ۶)

[239](المصنف، ابن ابی شیبہ ۱۱۷: ۱۱، اسد الغابہ ۳۸۷: ۴، البدایہ والنہایہ ۱۲۳: ۸، المطالب العالیہ لابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۰۸: ۴)

[240](نسیم الریاض ۱۲۶: ۳)

آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی طاقت اور عزم و ہمت کے بارے میں بھی حضور ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا: **ان معاویۃ لا یصارع احدًا الّا صرعه معاویۃ۔** "معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو بھی نبرد آزما ہو گا معاویہ رضی اللہ عنہ اسے پچھاڑ دے گا"۔[241]

یہ تو دنیا کی کامیاب و کامرانی کی بشارت تھی، آخرت میں آپ پر انعام ذکر فرماتے ہوئے سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یبعث اللّٰہ تعالیٰ معاویہ یوم القیمۃ و علیہ رداء من الایمان۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں اٹھائے گا کہ ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہو گی (جس میں وہ لپٹے ہوئے ہوں گے)"۔[242]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو جناب رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ چمٹا لیا، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "معاویہ رضی اللہ عنہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم سے ملا ہوا ہے؟" امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! میرا پیٹ اور سینہ آپ ﷺ کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔"

---

[241] (کنز العمال ۷۸:۷)

[242] (کنز العمال ۱۹۰:۶)

یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے دعا کے طور پر فرمایا:

اللهمّ املأه علمًا۔

اے اللہ! اس کو علم سے بھر دے!

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: زاد ابو مسھر وحلماً۔ ابو مسہر نے اپنی روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے علم کے ساتھ حلم کی بھی دعا فرمائی۔ یعنی "اے اللہ اس کے سینے اور پیٹ کو علم اور حلم سے بھر دے"۔[243]

جناب خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کی انہی دعاؤں اور پیش گوئیوں کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعتِ قلبی اور حلم سے نواز تھا اور حضور ﷺ کے ارشاد گرامی ان ولیت فاحسن پر آپ نے اس طرح عمل فرمایا کہ تاریخ میں اس کی مثال شاید ہی ڈھونڈے سے ملے۔ جتنا کوئی آپ کی مخالفت کرتا اور آپ کو ایذا اور تکلیف دیتا اُتنا ہی اس کے ساتھ نیک سلوک فرماتے اور ہر ممکن طریق سے اس کی تالیفِ قلب فرماتے، اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ کو "سید کریم" فرمایا کرتے تھے۔

ابن تیمیہ آپ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کو یوں لکھا ہے:

من المعلوم من سیرۃ معاویۃ انه کان من احلم الناس و اصبرھم علی من یؤذیه و اعظم النّاس تالیفًا لمن یعادیه۔[244]

---

[243](تاریخ الاسلام ۲:۳۱۹، التاریخ الکبیر ۴:۱۸)

[244](منھاج السنۃ ۲:۲۱۹)

"آپ کی سیرت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ حد درجہ حلیم و بردبار تھے اور ایذاء دینے والے کی ایذاء کو سب سے زیادہ صبر و تحمل اور بردباری سے برداشت کرتے اور جو کوئی ان کی مخالفت کرتا آپ اس کی تالیفِ قلب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھتے۔"

آپ کی اسی وسعتِ قلبی اور بُردباری سے متاثر ہو کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی اور بڑے بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالب اپنے بھائی کو چھوڑ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملے اور جنگ صفین میں سید معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر اپنے بھائی علی رضی اللہ عنہ سے جنگ لڑی۔

چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ لکھتا ہے:

وفارق (عقیل) اخاہ علیّاً امیر المؤمنین فی ایّام خلافتہٖ وھرب الیٰ معاویۃ وشھد صفین معہ۔[245]

"عقیل اپنے بھائی علی امیر المؤمنین سے ان کے ایامِ خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علی رضی اللہ عنہ سے) صفین کی جنگ لڑی۔"

آپ رضی اللہ عنہ کی وسعتِ قلبی، بردباری اور عدل و انصاف کی ایک نہیں سینکڑوں مثالیں تاریخ کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔[246]

لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حلم اور بردباری کو اپنی کتابِ زندگی کا ایک امتیازی باب بنالیا تھا۔[247]

---

[245](عمدۃ الطالب فی الانساب آل ابی طالب ص ۱۵)

[246](تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفخری ص ۱۴۵، العقد الفرید ۲:۳۰۴، ۱۶۵، مروج الذہب ۵:۴۱۰)

[247](ہسٹری آف دی عربز، پروفیسر ہٹی انگریزی)

آپ رضی اللہ عنہ اکثر فرماتے تھے:

اِنی لارفع نفسی من ان یکون ذنب اعظم من عفوی او جھل اکثر من حلمی او عورۃ لا اواریھا بستری او اسائۃ اکثر من احسانی۔

"میں اپنے نفس کو اس امر سے بچاتا ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے یا کوئی خطا ایسی ہو جسے دامن میں نہ چھپا سکوں یا کوئی ایسی برائی ہو جس کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں"۔[248]

آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی تاریخ کی کتابوں میں جلی حروف میں ملتا ہے:

انی لاحول بین الناس و بین السنتھم مالم یحولو ابیننا و بین سلطاننا (ملکنا)۔

"میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں"۔[249]

آپ کی وسعتِ قلبی اور حلم و بردباری کا تذکرہ لسانِ نبوت نے ان الفاظ میں فرمایا: **احلم امّتی معاویۃ۔** "میری امت میں سب سے بڑا حلیم اور بردبار معاویہ رضی اللہ عنہ ہے"۔[250]

غرضیکہ حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر آپؓ کی انتہائی تعریف فرمائی اور آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم پر امتیاز حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ۴۱ھ میں تمام امت نے متفقہ طور پر آپ رضی اللہ عنہ کو

---

[248] (طبری ۱۸۷ : ۶، البدایہ و النهایہ ۱۳۵ : ۸، ابن الاثیر جلد ۳)

[249] (طبری ۳۳۶ : ۵، الکامل لابن الاثیر ۲۶۳ : ۳، تاریخ الاسلام و الحضارۃ الاسلامیہ ۱۴۷ : ۲)

[250] (تطهیر الجنان بر حاشیہ صواعق محرقہ از ابن حجر مکی ص ۵۵)

ساری دنیائے اسلام کا خلیفہ منتخب کر لیا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔[251]

فتح مکہ تک تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا اسلام گھر والوں سے چھپائے رکھا۔[252]

لیکن فتح مکہ کے بعد آپ نے حضور رسالت مآب ﷺ کی ہمرکابی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا اور اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شرکت فرمائی اور حضور ختمی مرتبت ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت فرمایا۔[253]

صرف علمی اور عملی لحاظ ہی سے آپ کو دربار رسالت میں قرب حاصل نہیں تھا بلکہ نسبی اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ کو حضور ختمی مرتبت ﷺ سے تعلق اور قرب حاصل تھا، ایک تو چوتھی پشت میں آپ ﷺ سے ملتے تھے اور دوسرے آپ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے حقیقی بھائی تھے، اس لحاظ سے آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے برادرِ نسبتی اور مسلمانوں کے ماموں تھے۔

---

[251] (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ۸:۴۱، فتح الباری ۱۳:۵۳، مہیج الاحزن ۴۸، ناسخ التواریخ ج۶ کتاب دوم ص ۹۷، بخار الانوار از ملاباقر مجلسی جلد ۱۰ ص ۱۶۴ وغیرھم)

[252] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۱۷، تطہیر الجنان لمعاویۃ بن ابی سفیان ص ۱۰، حیوۃ الحیوان ۱:۱۰۴، الاصابہ تذکرۃ معاویہ اسد الغابہ ۴:۳۸۵)

[253] (الاستیعاب ۳:۳۷۷)

کتابتِ وحی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

آپ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بناء پر سرکارِ دوعالم ﷺ کو آپ رضی اللہ عنہ پر خاص اعتماد تھا، اسی اعتماد کی وجہ سے بارگاہِ رسالت سے آپ کو کتابتِ وحی کا منصبِ جلیلہ عطاہوا۔[254]

خود شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:

کان (معاویۃ رضی اللہ عنہ) احد کتّاب رسول اللہ ﷺ۔

"معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے"۔[255]

آپ کا کاتبِ نبوی ﷺ ہونا تاریخ کی سب کتابوں میں مرقوم ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مفضل الخلابی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے:

ان زید بن ثابت کان کاتب وحی رسول اللہ ﷺ و کان معاویۃ کاتبه فیما بینه و بین العرب۔

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی وحی کے کاتب تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ اور عرب کے دوسرے قبائل یاملوک کے درمیان خط و کتابت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے"۔[256]

---

[254] (تقریب التهذیب ص۵۷ ۳، کنز العمال ۶۹ ۲: ۲، البدایه والنهایه ۱۱۸: ۸، آداب السلطانیه للفخری ص ۱۴۵، النجوم الزاهره ۱۵۴: ۱، الاستیعاب ۳۲۵: ۳)

[255] (ابن ابی الحدید ۲۳۸: ۱)

[256] (تاریخ اسلام للذهبی ۳۱۸: ۲)

اگرچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت کو نقل تو کر دیا ہے لیکن دوسری روایت اس کی تردید کرتی ہے، لہٰذا مختلف روایات کے درمیان تطبیق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صرف وحیِ الٰہی کے کاتب تھے لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وحیِ الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کے دوسرے امور کی کتابت بھی سرانجام دیتے تھے۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اسی صفحہ پر سند صحیح کے ساتھ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے:

كنت العب فدعاني رسول الله ﷺ فقال ادع لي معاوية وكان يكتب الوحي۔

"میں کھیل رہا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ اور معاویہ رضی اللہ عنہ وحی لکھا کرتے تھے۔"[257]

اس سلسلہ میں ایک روایت مسند احمد میں بھی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں "ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان دنوں حضور ﷺ کے کاتبِ وحی تھے، چنانچہ میں دوڑتا ہوا گیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دوعالم ﷺ کا یہ پیغام دیا کہ سرکار ﷺ آپ رضی اللہ عنہ کو بلا رہے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کو تم سے کوئی کام ہے۔"[258]

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ صرف سرکارِ دوعالم ﷺ کے مراسلات اور فرامین کی کتابت فرماتے تھے، بعض نے لکھا ہے کہ صرف وحی کی کتابت فرماتے تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ

---

[257] (تاریخ اسلام للذهبی ۲:۳۱۸)

[258] (مسند امام احمد ص ۳۳۵)

آپ وحی اور فرامین و مراسلات دونوں کی کتابت فرماتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے فرمایا کہ آپ وحی کی کتابت فرماتے تھے"۔ [259]

اور طبرانی نے بسند حسن روایت کیا ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی کتابت کیا کرتے تھے، یعنی وحی کی بھی اور مراسلات و فرامین کی بھی۔ [260]

چنانچہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ: "ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے مسعود بن وائل رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ان کی قوم کی طرف مراسلہ بھیجا جو آپ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے لکھوایا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ ، کیسے لکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم لکھو اس کے بعد دوسرا مضمون جو میں لکھواؤں وہ لکھو، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی لکھا"۔ [261]

تاریخ میں مختلف فرامین کا ذکر ملتا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بنو امیہ کے اس نوجوان سے لکھوائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کو ان پر کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص سیدنا وائل بن حجر الکندی رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں، یہ اپنی قوم کے رئیس اور اپنے علاقے کے سردار تھے، سرکارِ دوعالم ﷺ نے ان کے لئے بڑی دعائیں فرمائیں، وہ حضرموت سے آکر مسلمان ہوئے، نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک قطعہ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا، نبی اکرم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاؤ اور ان کے لئے ایک قطعہ اراضی متعین کرکے ان کی تحویل میں دے

[259] (البدایہ والنہایہ ۸:۲۱)
[260] (مجمع الزوائد ۹:۳۵۷)
[261] (الاصابہ ۳:۳۹۳)

دیں، حضور ﷺ نے ساتھ ہی ان کے لئے ایک مکتوب تحریر کرایا جس میں سیدنا وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے اور میرے اہل خانہ کے لئے مزید مال و متاع کے لئے ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔ اس کی تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل فرمائی ہے۔[262]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ محدّثین اور اصحابِ تاریخ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کو ساحل البحر کے علاقہ معاون القبیلۃ میں چند قطعاتِ اراضی عنایت فرمائے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں ایک وثیقہ تحریر کروا کر انہیں عطاء فرمایا۔[263]

محدّثین نے اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے جس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتبِ رسول ﷺ ہونے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے نزدیک ان کے بااعتماد ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشہور صحابی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی معرفت قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا ایک والانامہ ارسال فرمایا، اس مراسلہ کے جواب میں قیصر روم کا خط لے کر اس کا قاصد التنوخی حضور سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہرقل روم کا قاصد التنوخی بیان کرتا ہے کہ: "سرورِ کائنات ﷺ مقامِ تبوک میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ میں ہرقل کا خط لے کر وہاں گیا۔ میں آپ ﷺ کو نہیں پہچانتا تھا، میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ محمد (ﷺ) کون ہیں؟ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں ہوں۔ میں نے وہ مکتوب آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا،

---

[262](تاریخ الکبیر ۱۷۵:۴، اسد الغابہ ۸۱:۵، الاصابہ ۵۹۲:۳، صحیح ابن حبان ۱۶۶:۱۰/۹، تحت وائل بن حجر الکندی)

[263](المستدرک حاکم ۵۱۷:۳، معجم البلدان ۳۰۷:۱۵)

آپ ﷺ نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لئے دیا، جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تولوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مکتوب آپ ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں لکھا تھا کہ آپ ﷺ مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین وآسمان کے برابر ہے تو فرمایئے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ (گویا کہ یہ ایک سوال تھا جو قیصر روم نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا)۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: **سبحان الله ! اذا جاء الليل فاين النهار؟ سبحان الله!** جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ جب یہ مراسلہ پڑھ لیا گیا تو آپ ﷺ نے قیصرِ روم کے قاصد سے فرمایا کہ ''آپ مکتوب لانے والے ہیں اور پیغام رساں کا احترام اور حق ہوتا ہے، ہم چونکہ اس وقت مسافرت میں ہیں، اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ہدیہ یا عطیہ ہوتا تو ہم آپ کو ضرور دیتے۔'' آپ ﷺ کی یہ بات سن کر آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص اٹھا اور عرض کی کہ میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں، چنانچہ وہ شخص اپنے سامان میں سے ایک نہایت عمدہ پوشاک نکال کر لایا اور اسے میری گود میں رکھ دیا، میں نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ کون ہیں، انہوں نے کہا یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعد ازاں سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ اس قاصد کو کون اپنے ہاں ٹھہرائے گا؟ اس پر انصار کا ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور مجھے اپنے پاس ٹھہرایا۔[264]

[264](مسندامام احمد ۱ ۴ ۴ :۳، ۴ ۷ :۴، البدایہ والنہایہ ۶ ۱ :۵، مجمع الزوائد ۵ ۳ ۲ :۸)

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امورِ مملکت کے نہایت اہم خطوط نبی اکرم ﷺ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پڑھواتے تھے اور انہی سے ان کے جواب بھی لکھواتے تھے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بعض تحریرات اور وثیقہ جات پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو بھی بطورِ گواہ پیش کیا۔[265]

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ، اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ جو اسلام کے چار ستون تھے، جہاں انہوں نے اپنی گواہی ثابت کی وہیں حضورِ انور ﷺ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی گواہ کے طور پر دستخط ثبت کرنے کے لئے فرمانا، ان کی کتابِ زندگی کا ایک نہایت پُر اعتماد باب ہے، بلکہ سرکار دوعالم ﷺ کی یہ ایک پیش گوئی تھی کہ میرے پہلے یہی پانچ خلفاء ہیں جو تمیم الداری رضی اللہ عنہ کی اس تحریر پر بطور گواہ اپنے دستخط ثبت فرمارہے ہیں۔[266]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتبِ وحی ہونے کو شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید رحمہ اللہ کا حوالہ تو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں لیکن یعقوبی جو شیعہ فرقہ کا ستون سمجھا جاتا ہے، اس نے بھی صاف الفاظ میں اقرار کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے کاتبانِ وحی میں سے تھے اور نہ صرف وحی بلکہ آپ ﷺ کے فرامین اور مراسلات بھی اکثر آپ رضی اللہ عنہ ہی تحریر فرماتے تھے۔

---

[265] (ملاحظہ ہو سیرت الحلبیہ ۳:۲۴۱)

[266] (سیرت حلبیہ ۳:۲۴۰)

چنانچہ لکھا ہے:

وکان کتابه الّذین یکتبون الوحی والکتب والعهود علی بن ابی طالب وعثمان بن عفان وعمرو بن العاص بن امیّه ومعاویة بن ابی سفیان وشرحبیل بن حسنة۔

اور رسول اللہ ﷺ کے کاتبین جو آپ ﷺ کے لئے وحی، مراسلات و معاہدات اور مواثیق وغیرہ لکھا کرتے تھے، وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص بن امیہ رضی اللہ عنہ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ وغیرہم تھے۔"[267]

ہماری اس بات کی تائید ابن حزم اور علی بن برہان الدین الحلبی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

وکان زید بن ثابت من الزم النّاس لذٰلک ثمّ تلاه معاویة بعد الفتح فکانا ملازمین لکتابته بین یدیه ﷺ فی الوحی وغیر ذٰلک لا عمل لهما غیر ذٰلک۔

"سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور فتح مکہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابت کے لئے ہمیشہ حاضر رہنے والے لوگوں میں سے تھے، چاہے وہ کتابت وحی کی ہو یا غیر وحی کی"۔[268]

آپ کے کاتبِ وحی ہونے کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں بھی ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔[269]

روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ یہ ذمہ دارانہ منصب حضور ﷺ نے اللہ رب العزت کے حکم سے عطا فرمایا چنانچہ حافظ ابن کثیر نے نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ: یا محمد اقراء معاویة السلام واستوص به خیرًا

---

[267](تاریخ یعقوبی ۲:۸۰)

[268](جوامع السیرة ص ۲۷)

[269](الاستیعاب ۳:۳۷۵، الاصابه ۳:۴۱۲، مجمع الزوائد ۹:۳۵۷، زادالمعاد ۱:۳۰)

فانه امین اللہ علیٰ کتابہٖ و وحیہ ونعم الامین۔ ''اے محمد (ﷺ)! معاویہ رضی اللہ عنہ کو سلام کہیے اور اس کو نیکی کی تلقین کیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں''۔[270]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتبِ وحی بنانے کے لئے حضور ختمی مرتبت ﷺ نے جبریل امین سے مشورہ فرمایا، جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا: استکتبہ فانہ امین۔ ''آپ ان کو کاتب وحی بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں''۔[271]

اگر آپ کی امانت کے متعلق جبرئیل امین کی یہ گواہی نہ بھی ہوتی تب بھی آپ کا صرف کتابتِ وحی کے منصبت پر فائز رہنا ہی آپ کے امین ہونیکے لئے کافی تھا کیونکہ جس طرح وحی لانے والے کے لئے امین ہونا شرط ہے تاکہ وہ وحی الٰہی کے لانے میں کوئی خیانت نہ کر سکے، اسی طرح کاتبِ وحی کے لئے بھی امین ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کتابتِ وحی میں کوئی خیانت نہ کر سکے۔ لہٰذا جس طرح آپ کا کاتبِ وحی ہونا مسلّم ہے اسی طرح آپ کا امین ہونا بھی مسلّم ہے۔ کما لا یخفیٰ علی من لہ ادنیٰ من الفھم۔ کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ آپ کو عطا فرمایا جانا جہاں آپ کی دینی اور علمی علوّ مرتبت کی دلیل ہے وہاں آپ کی علمی اور فکری بلندی کی بھی دلیل ہے کیونکہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں صرف سترہ (۱۷) آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں ایک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔[272]

پورے مکہ میں جبکہ صرف سترہ یا بیس لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آپ کا کتابت کے فن سے واقف ہونا آپ رضی اللہ عنہ کی بہترین تربیت اور علمی بلندی کی دلیل ہے۔

---

[270] (البدایہ والنھایہ ۸:۱۲۰)

[271] (البدایہ والنھایۃ ۸:۱۲۰)

[272] (الحضارۃ الاسلامیہ ص ٦٦)

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل ثقہ اور صالح صحابی ہیں۔ سرورِ کائنات ﷺ کے گھر آپ رضی اللہ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑے عالم اور مجتہد صحابی ہیں۔ آپ کے لئے سرورِ کائنات ﷺ نے دعا فرمائی۔ آپ کی شان میں گستاخی کرنا اور آپ کو برا کہنا رفض ہے۔ ایسا شخص ہرگز ہرگز سُنی نہیں ہے۔ اس کے پیچھے ہرگز ہرگز نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ ایسا شخص امامت کے لائق نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی شان میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ اللہ فی اصحابی۔۔الخ" "میرے صحابہ کے معاملے اللہ سے ڈرو۔" یعنی ان کی عزت و عظمت و حرمت کا خیال رکھو۔ کیونکہ صحابی کا نصف سیر جو گندم خیرات کرنا دوسروں کے لاکھوں من سونا خیرات کرنے سے افضل و بہتر ہے۔ دین ہمیں صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے توسل سے ہی ملا ہے دونوں میں کسی کی تنقیص و توہین سے دین کے معتدبہ حصہ سے انکار لازم آتا ہے۔

جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی کرتے ہیں وہ سخت ترین گمراہ ہیں اگرچہ وہ سید ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل چیز ایمان اور عقیدہ ہے اگر عقیدہ خراب ہے یعنی کوئی شخص سید بد عقیدہ (مثلاً خارجی، رافضی، وہابی نجدی، قادیانی وغیرہ) ہو جائے تو وہ سادات سے نکل جاتا ہے۔ اور اسے سید کہنا بھی درست نہیں۔ قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں جب اس نے عقیدتاً و عملاً اپنے والد محترم جو اللہ کے نبی علیہ السلام تھے کا انکار کیا اور ساتھ نہ دیا تو اللہ نے فرمایا: "انہ لیس من اھلک۔۔الخ" یعنی وہ تمہارے اہل بیت میں سے نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم آپس میں مثالی محبت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کا احترام فرماتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہماری آپس کی محبت حضور نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک کو غور اور محبت سے کیوں دیکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ علی کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔" حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد محترم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔۔۔الخ ایک مرتبہ ایک صحابی کی نماز جنازہ پڑھانے تشریف لائے واپسی پر جب وہ سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی سواری کی رکاب کو پکڑ کر احتراماً اوپر کر دیا تاکہ وہ صحابی آرام سے سوار ہو جائیں تو ان صحابی نے کہا آپ نے ایسے کیوں کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل علم کی اسی طرح تعظیم کریں۔ تو ان صحابی رضی اللہ عنہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی اس طرح تعظیم کریں۔ (سبحان اللہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بشری تقاضوں کے پیش نظر کوئی رنجش ہو بھی گئی ہو تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر چھوڑ دی جائے گی اور دونوں گروہوں کے متعلق خیر کی بات ہی کہنی لازم ہے کیونکہ دونوں نے صحبتِ نبوی ﷺ سے فیض پایا ہے اور دونوں گروہ آپ ﷺ کے محبوب ہیں اور دونوں کی عزت و حرمت کی تلقین آپ ﷺ نے فرمائی ہے اور قرآن کریم نے ان تمام حضرات کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا سادات حضرات بھی اس بات کو نگاہ میں رکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں توہین و بے ادبی کتنا سنگین جرم ہے کہ اس بے ادبی و گستاخی کی وجہ سے سید دو عالم ﷺ کی

ناراضگی لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنے محبوب کریم ﷺ ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی محبت عطا فرمائے اور ان کی عزت و حرمت کا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرمائے بلکہ ہر مؤمن مسلمان کی محبت اور عزت ہمیں عطا فرمائے اور ہمیں صالحین کے ساتھ قیامت میں اٹھائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنے اہلِ بیت کے بارے میں وصیت کا بیان

عن أبی سعید عن النّبی ﷺ قال: ألا انّ عیبتی الّتی آوی الیها أهل بیتی, و انّ کرشی الأنصار۔ فاعفوا عن مسیئهم و اقبلوا من محسنهم۔ رواه التّرمذی و ابن أبی شیبة۔ و قال أبو عیسی: هذا حدیث حسنٌ۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! میرا جامہ دان جس سے میں آرام پاتا ہوں میرے اہل بیت ہیں اور میری جماعت انصار ہیں۔ ان کے بُروں کو معاف کر دو اور ان کے نیکو کاروں سے (اچھائی کو) قبول کرو۔“ اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[273]

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: انّی تارکٌ فیکم خلیفتین: کتاب اللہ حبلٌ ممدود ما بین السّماء و الأرض۔ أو ما بین السّماء الی الأرض, و عترتی أهل بیتی, و انّهما لن یّتفرّقا حتی یردا علیّ الحوض۔ رواه أحمد۔

”حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں تم میں دو نائب چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جو کہ آسمان و زمین کے درمیان پھیلی ہوئی رسی (کی طرح) ہے اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت اور یہ کہ یہ دونوں اس وقت

---

[273] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب، باب: فی فضل الأنصار و قریش، ۵/۷۱۳، الرقم: ۳۹۰۴ و ابن أبی شیبة فی المصنف، ۶/۳۹۹، الرقم: ۳۲۳۵۷، و الشیبانی فی الآحاد و المثانی، ۳/۳۳۲، الرقم: ۱۷۱۶، و ابن سعد فی الطبقات الکبری، ۲/۲۵۲)

تک ہر گز جدا نہیں ہوں گے جب تک یہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہیں پہنچ جاتے۔" اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔[274]

عن عبد الرّحمٰن بن عوف قال: افتتح رسول اللہ ﷺ مكّة ثم انصرف الى الطّائف فحاصرهم ثمانية أو سبعة، ثمّ أدخل غدوة أو روحة ثم نزل ثمّ هجر۔ ثم قال، أيّها النّاس، انّي لكم فرطٌ و انّي أوصيكم بعترتي خيرًا، و انّ موعدكم الحوض۔۔۔۔ الحديث۔ رواه الحاكم، و قال: هذا حديث صحيح۔

"حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مکہ فتح کیا پھر طائف کا رخ کیا اور اس کا آٹھ یا سات دن محاصرہ کئے رکھا پھر صبح یا شام کے وقت اس میں داخل ہو گئے پھر پڑاؤ کیا پھر ہجرت فرمائی اور فرمایا: اے لوگو! بے شک میں تمہارے لئے تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا اور بے شک میں تمہیں اپنی عترت کے ساتھ نیکی کی وصیت کرتا ہوں اور بے شک تمہارا ٹھکانا حوض ہو گا۔۔۔ الحدیث۔" اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[275]

عن زيد بن أرقم رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: أيّها النّاس، انّي تاركٌ فيكم أمرين لن تضلّوا ان اتّبعتموهما، وهما: كتاب اللہ، و أهل بيتي عترتي۔ ثمّ قال: أ تعلمون أنّي أولى بالمؤمنين من أنفسهم ثلاث مرّاتٍ قالوا: نعم، فقال رسول اللہ ﷺ: من كنت مولاه فعليّ مولاه۔ رواه الحاكم و قال الحاكم: صحيح۔

---

[274] (أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، ٥/ ١٨١، الرقم: ٢١٦١٨، والهيتمي في مجمع الزوائد، ٩/ ١٦٢)

[275] (أخرجه الحاكم في المستدرك، ٢/ ١٣١، الرقم: ٢٥٥٩)

"حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں اور اگر تم ان کی اتباع کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ دو چیزیں کتاب اللہ اور میرے اہل بیت ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو میں مؤمنین کی جانوں سے بڑھ کر ان کو عزیز ہوں آپ ﷺ نے ایسا تین مرتبہ فرمایا۔ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہ ﷺ! تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا مولی ہے۔" اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[276]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: لمّا نزلت هذه الآية: {قُل لَّآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى} قالوا: يا رسول الله، من قرابتک هؤلاء الّذين وجبت علينا مودّتهم؟ قال: عليّ وفاطمة وابناهما۔ رواه الطّبرانی۔

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت: {قُل لَّآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى} نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی قرابت کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: علی، فاطمہ، اور ان کے دو بیٹے (حسن و حسین)۔"

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[277]

عن زيد بن أرقم رضی الله عنه فی رواية طويلة: قال: قال النّبی ﷺ: انظروا كيف تخلفونی فی الثقلين۔ فنادى منادٍ وما الثقلان يا رسول الله ﷺ قال: كتاب الله طرف بيد الله وطرف بأيديكم فاستمسكوا به لا تضلّوا، والآخر عترتی وانّ اللّطيف الخبير نبّأنی أنّهما لن يّتفرّقا حتی يردا علیّ الحوض، سألت ربّی ذلک لهما، فلا تقدّموهما فتهلكوا، ولا تقصروا

---

[276] (أخرجه الحاكم فی المستدرک، ۳/۱۱۸، الرقم: ۴۵۷۷)

[277] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الكبير، ۳/۴۷، الرقم: ۲۶۴۱، والهيثمی فی مجمع الزوائد ۹/۱۶۸)

عنهما فتهلكوا، ولا تعلموهم فانّهم أعلم منكم ثمّ أخذ بيد عليّ فقال: من كنت أولی به من نفسي فعليّ وليّه اللّهم وال من والاه وعاد من عاداه۔ رواه طبرانی۔

”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پس یہ دیکھو کہ تم دو بھاری چیزوں سے مجھے کیسے باقی رکھتے ہو۔ پس ایک نداء دینے والے نے ندا دی یا رسول اللہ ﷺ! وہ دو بھاری چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب جس کا ایک کنارا اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا کنارا تمہارے ہاتھوں میں ہے پس اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگے اور دوسری چیز میری عترت ہے اور بے شک اس لطیف خبیر رب نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں چیزیں کبھی بھی جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ یہ میرے پاس حوض پر حاضر ہوں گی اور ایسا ان کے لئے میں نے اپنے رب سے مانگا ہے۔ پس تم لوگ ان پر پیش قدمی نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ہی ان سے پیچھے رہو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ان کو سکھاؤ کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: پس میں جس کی جان سے بڑھ کر اسے عزیز ہوں تو یہ علی رضی اللہ عنہ اس کا دوست ہے اے اللہ! جو علی کو اپنا دوست رکھتا ہے تو اسے اپنا دوست رکھ اور جو علی سے عداوت رکھتا ہے تو تو اس سے عداوت رکھ۔“

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[278]

عن مصعب بن عبد الرّحمٰن بن عوف عن أبيه قال: لمّا فتح رسول الله ﷺ مكّة انصرف الی الطّائف فحاصرها سبع عشرة، أو تسع عشرة، ثمّ قام خطيبًا فحمد الله وأثنی عليه۔ ثمّ قال: أوصيكم بعترتي خيراً، وأنّ موعدكم الحوض۔ والّذی نفسي بيده لتقيمنّ الصلاة ولتؤتنّ

---

[278] (أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، ٥/١٦٦، الرقم: ٤٩٧١)

الزّكاة، أو لأبعثنّ اليكم رجلاً منی۔ أو كنفسي يضرب أعناقكم۔ ثمّ اخذ بيد عليّ رضی الله عنه فقال: بهذا۔ رواه البزّار۔

”حضرت مصعب بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے مکہ فتح کیا اس کے بعد آپ ﷺ طائف کی طرف روانہ ہوئے اور آپ ﷺ نے سترہ دن طائف کا محاصرہ کئے رکھا پھر آپ ﷺ خطاب کے لئے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا: میں اپنی عترت کے بارے میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور بے شک تمہارا ٹھکانہ حوض کوثر ہو گا اور نماز قائم کرو گے اور زکوۃ ادا کرو گے یا میں تمہاری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا میری طرح کا ہے اور جو تمہاری گردنیں مارے گا پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اس آدمی سے میری مراد یہ ہے۔“

اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔[279]

حضور نبی اکرم ﷺ کا لوگوں کو اہلِ بیت کی محبت پر اُبھارنے کا بیان

اہل بیت النبی (ﷺ) کی محبت ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ درحقیقت اس محبت کی محرک اہل بیت کی نسبت ہے۔ جو ذاتِ رسول (ﷺ) سے مربوط و منسلک ہے اور دوسری وجہ آنجناب (ﷺ) کی اپنی ذاتی محبت اپنی نسل پاک سے ہے اور یہ عاشقانہ دستور و اصول ہے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔

[279] (أخرجه البزار في المسند، ۳/۲۵۸، ۲۵۹، الرقم: ۱۰۵، والهيثمي في مجمع الزوائد، ۹/۱۶۳)

اس سلسلہ میں آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بالترتیب محبت ومودت کا موجب ذکر فرمایا ہے:

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم احبو اللہ تعالیٰ لما یغفر کم بہ من نعمۃ و احبونی لحب اللہ تعالیٰ و احبوا اھل بیتی لحبی۔

"فرمایا اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں غذا اور نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور میری اہل بیت سے محبت کرو کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔"

محبت کے اس ایمان افروز دستور کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس محبوب پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى (الشوریٰ ۲۳)

"تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت"۔

مفسر روح البیان اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ویجوز ان یراد بالقربی اھل قرابتہ قیل یا رسول من قرابتک ھؤلاء الذین وجبت علینا مودتھم قال علی و فاطمہ و ابنای ای الحسن و الحسین رضی اللہ عنھما۔

"یہ حقیقت ہے کہ قرابت سے مراد آنجناب رسالت مآب (ﷺ) کی قرابت اور نسل پاک ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون قریبی ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔ فرمایا وہ علی فاطمہ اور میرے دو بیٹے حسن اور حسین ہیں رضی اللہ عنہم"۔

علماء کرام اور مفسرینِ عظام نے "آل" کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

عترۃ الرجل: أھل بیتہ، ورھطہ الأدنون, ولاستعمالھم "العترۃ" علی أنحاء کثیرۃ۔

یعنی کسی شخص کی آل اسکے گھر والے ہوتے ہیں اور وہ افراد جو اس کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اس لئے آل کا استعمال کئی اقسام میں منقسم ہے۔[280]

ایک اہل گھر کے افراد ہیں مثلاً ازواج مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنھما) ۔ دوسرے وہ حضرات جن کا تعلق نسب و نسل سے ہے۔ ان میں سے بعض بہت زیادہ قریب ہیں جیسے حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت امّ کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین، حضرت محسن اور انکی بہنیں (اخوات) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ تیسرے وہ حضرات جو ان کی نسبت کچھ دور ہیں جیسے حضرت عباس، حضرت حمزہ اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم ۔ چوتھے درجہ میں حضرت عبد المطلب اور حضرت ہاشم کی اولاد جس پر زکوۃ ممنوع ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ پانچویں درجہ میں ہر متقی اور صالح و مخلص مؤمن بھی آل میں داخل ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے حق میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (السلمان منا اھل البیت) اور فرمایا (اٰلِ محمد کل تقی) اس اعتبار سے سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آل میں داخل ہیں۔

یہاں جس آلِ اطہار کا بیان کرنا چاہتا ہوں وہ حضرت فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد ہے۔ اگرچہ اس کے ضمن میں آل کے تمام افراد داخل ہونگے لیکن خصوصیّت اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔

---

[280] (نھج الرشاد في نظم الاعتقاد ج ١ ص ١٦)

جیسا کہ مفسرین کرام نے اس ضمن میں وضاحت کی ہے:

والحق وجوب محبة قرابته صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من حیث انّهم قرابته صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیف کانوا وکلما کانت جهة القرابة اقوی کان طلب المودة اشد فمودة العلويين الفاطميين الزم من محبة العباسین (رضی اللہ تعالیٰ عنهم) وأثار تلک المودة التعظیم والاحترام والقیام باداء الحقوق اتم قیام۔

"اہل بیت کی محبت کے مراتب ہیں حق بات یہ ہے کہ جس اہل کو جتنی نزدیک تر قربت ذاتِ فخر موجودات (ﷺ) سے ہو گی ان کی محبت کا وجوب بہ نسبت دوسروں کے اتنا ہی زیادہ ہو گا۔ لہذا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد پاک کی مودّت حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد سے زیادہ ہو گی۔ اہل بیت کرام کی محبت کی علامت ان کی تعظیم و احترام اور محبت کے حقوق کی ادائیگی میں ہے"۔

آپ (ﷺ) کی محبت اپنی اہل سے کس قدر زیادہ تھی اس کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جاسکتا ہے:

أخرج ابو سعيد عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انه قال لا تصلوا علی الصلاة البتیراء قالوا وما الصلاة البتیراء یا رسول اللہ قال تقولون اللهم صلی علی محمد وتسکتون بل قولوا اللهم صلی علی محمد وأل محمد۔[281]

"سرور کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا مجھ پر ناقص صلاۃ وسلام نہ پڑھا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا ناقص صلاۃ کیا ہے۔ فرمایا یہ کہ تم کہتے ہو **اللهم صلی علی محمد** اور پھر خاموش ہو جاتے ہو (ایسا نہ کرو) بلکہ یوں پڑھا کرو **اللهم صلی علی محمد وأل محمد** اس حدیث

---

[281] (خزینة الاسرار ص ۱۸)

شریف سے معلوم ہوا کہ صلاۃ و سلام میں اہل بیت کی عدم شمولیت سے شرف قبولیت کامل نہیں ہو گا۔

ایک اور حدیث شریف

قال رسول اللہ ﷺ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الیٰ الارض وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی۔[282]

"آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ کر جارہاہوں اگر تم نے اسے تھاما (یعنی اسے عملی اعتبار سے قبول کیا) تو میرے بعد تم ہر گز گمراہ نہ ہو گے۔ ان دونوں چیزوں میں سے ایک دوسرے سے عظیم تر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) جو ایک طویل رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے، اور دوسری چیز میری اولاد ہے میری اولاد اور قرآن کریم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے آکر ملیں گے۔ پس لوگو! سوچ لو میرے بعد میری اولاد کے ساتھ تم کیا برتاؤ کرو گے"۔

فائدہ: اہل بیت کے سلسلہ میں آنحضرت (ﷺ) نے ایک شرط اور معیار بیان فرمایا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ وعدنی ربی فی اھل بیتی من اقر منھم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لا یعذبھم۔

---

[282] (مشکوۃ ص ۵۷۹)

"سرور کائنات (ﷺ) نے فرمایا میرے رب نے میری اہل بیت رضی اللہ عنہم سے متعلق میرے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ان کو عذاب سے محفوظ فرمائے گا۔ بشرطیکہ وہ توحید و رسالت پر یقین رکھتے ہوں یعنی اہل بیت کا صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہے۔[283]

ایک اور حدیث میں فرمایا:

سألت ربی ان لا یدخل النار احدا من اهل بیتی فاعطانی ذلک۔

میں نے اپنے رب سے عرض کی کہ میری اہل بیت رضی اللہ عنہم کے کسی فرد کو دوزخ میں داخل نہ فرمانا تو میرے رب نے میرا سوال پورا کیا اور میری مراد مجھے عطا فرمائی۔

(شرح) فاستدل بعض العلماء به علی ان ذریته ﷺ یموتون علی اکمل الاحوال۔

ترجمہ: "بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل بیت کا ہر فرد موت کے وقت اکمل الاحوال پر انتقال کرے گا۔" یعنی مرتے وقت ان کو ولائیت کبریٰ کا درجہ ملے گا۔

حرم شریف کے ایک امام نے علماء کے اس فیصلہ کو پڑھا اور دلائل پر غور کیا تو یقین کر لیا کہ اس کے دلائل قوی ہیں لیکن اس کے بعد پھر خیال آیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اہل بیت کے فرد جو بھی کرتے رہیں (گناہ اور نافرمانی وغیرہ) پھر بھی وہ ولی کامل ہو کر انتقال کریں گے؟ یہ درست نہیں ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اپنے تصنیف شدہ رسائل ستہ میں لکھتے ہیں:

فنظر الیٰ الدلیل فراه قویا ثم استبعد ذلک بما یبلغه عن شرفاء مکه المشرفه فنام فرای حضرت صاحب الرسالة (ﷺ) فی منامه وهو معرض عنه فقال اتستبعد ان یموت اهل بیتی علی اکمل الاحوال او کما قال فاستیقظ خائفًا ورجع عن ذلک۔[284]

---

[283] (رسائل السته لابن عابدین الشامی علیه الرحمه ص ۵)

[284] (رسائل سته ص ٦)

"امام کعبہ نے جب اہل بیت کی فضیلت کے قوی دلائل دیکھنے کے باوجود ان کی فضیلت کو تسلیم نہ کیا کیونکہ اس نے سادات کے بعض نوجوانوں کو اچھے کام کرتے نہیں دیکھا تھا، تو اس نے ایسا خیال کیا تھا۔ خواب میں رسالت مآب ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا جب ملنے کیلئے خدمتِ اقدس کی طرف آیا، تو آپ ﷺ نے اعراض فرمایا اور انکار کر دیا، اس کی معذرت پر فرمایا کہ تجھے میرے اہل بیت کی موت علی اکمل الاحوال (ولایت کبریٰ) سے انکار ہے۔ نیند سے خوف زدہ ہو کر بیدار ہوا اور اس جرم سے توبہ کی"۔

آلِ بیت النبی ﷺ کی فضیلت میں کئی ایک آیات قران حکیم میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ آیت مبارکہ ہے:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (آل عمران ٦١)

"تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں"۔

آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے کہ نجران کے علاقہ میں رہنے والے نصرانیوں نے اپنے مذہب (نصرانیت) کی حقانیت کیلئے آنجناب نبوت مآب ﷺ سے مباہلہ کی تاریخ متعین کی جب آنے کا وقت آیا تو سرور دوعالم ﷺ نے حضرت حسین کو گود میں اور حضرت حسن کا داہنا ہاتھ پکڑا۔ حضرت فاطمہ پیچھے اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) ان کے پیچھے آپ ﷺ نے ان نفوسِ قدسیہ سے فرمایا میں جو دعا مانگوں تم آمین کہنا۔ اسی اثنا میں نصاریٰ کا وفد بھی پہنچ گیا۔ وفد کے پادری نے وفد سے کہا سنو! مذہب کی تائید اپنی جگہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سامنے نظر آنے والے مقدس و منوّر چہرے اگر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے چل کر ہمارے

پاس آجائے تو لازماً آجائے گا۔ اب مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سے مباہلہ نہ کریں اور معافی مانگ لیں ورنہ مباہلہ میں ان کی دعاؤں سے ہمارا دنیا سے نام بھی مِٹ جائے گا۔ اس پر نصرانی متفق ہو گئے۔ ان کی معذرت پر رحمتِ دوعالم نورِ مجسّم ﷺ نے مباہلہ ترک فرمایا اور ان پر تاوان (جزیہ) رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر یہ نصرانی مباہلہ کرتے تو تمام نصرانی اور ان کا علاقہ، درخت اور پرندے درندے سب جل کر راکھ ہو جاتے۔ اور دنیا میں نام کا ایک نصرانی باقی نہ رہتا ان کے لئے آسمان سے آگ اتر رہی تھی، میری دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو واپس لے لیا۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال لما نزلت ھٰذہ الآیۃ ندع ابنائنا و ابنائکم دعا رسول اللہ ﷺ علیّا و فاطمۃ و حسنًا و حسیناً فقال اللھمّ ھٰؤُلاء اھل بیتی۔ رواہ مسلم۔

"سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْ عُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَ کُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَ کُمْ وَ اَنفُسَنَا وَ اَنفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجعَل لَّعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ (آل عمران ۶۱) نازل ہوئی، تو آنحضور ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور یہ فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، اس کے بعد عیسائیوں سے مباہلہ کے لئے ان چاروں کو لے کر گئے مگر وہ مقابلہ پر نہ آئے"۔[285]

صاحبِ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے متعلق شیعوں کے اعتراضات کے جوابات دے کر آخر میں تحریر فرمایا ہے:

لکنّ ھٰذہ القصۃ تدلّ علی کون ھٰؤُلاء الکرام احبّ النّاس الی رسول اللہ ﷺ۔[286]

---

[285](مشکوۃ شریف، ج ۲ ص ۵۶۸)

[286](تفسیر مظھری، ج ۲ ص ۶۲)

یعنی اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں حضرات جناب رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب تھے۔

علماء کرام نے اس آیت کے تحت نتیجہ اخذ کیا کہ:

فعلم انهم المراد من الاٰية وان اولاد فاطمه (رضی اللہ تعالی عنها) و ذريتها يسمون ابنائه ﷺ وينسبون اليه نسبةً صحيحةً نافعةً فی الدنيا و الاخرة۔

"معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں جنکا ذکر ہے وہ حضرات اہل بیت مراد ہیں، اور بلاشبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد آپ ﷺ کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اور ان کی آپکی ذاتِ بابرکات سے جو نسبت ہے بالکل درست اور دنیا اور آخرت میں نفع بخش نسبت ہے"۔

اسی نسبت کے اعتبار سے حدیث شریف میں مذکور ہے:

قال صلی اللہ تعالیٰ عليه و اٰله و سلم الدعاء محجوب حتی يصلی علی محمد و اهل بيته۔ اللهم صلّ و سلم علی محمد و اٰله۔[287]

عن علی رضی اللہ عنه قال: الدعاء محجوب عن السماء حتی يتبع بالصلاة علی محمدٍ و آله۔

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ دعا آسمان سے اس وقت تک پردہ میں رہتی ہے جب تک اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود نہ بھیجا جائے"۔[288]

---

[287](الديلمی)

[288](عسقلانی، لسان الميزان، ۴:۵۳، رقم: ۱۵۰)

عن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ قال: کل دعاءٍ محجوب عن السماء حتی یصلی علی محمد ﷺ وعلی آل محمد ﷺ۔

”حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر دعا اس وقت تک آسمان کے نیچے حجاب میں رہتی ہے جب تک حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود نہ بھیجا جائے“۔[289]

خلاصہ: قرآن و سنت کے دلائل اس پر شاہد ہیں کہ کائنات و ممکنات کا ہر ذرّہ آنحضرت ﷺ کی رحیمانہ شفقت سے ہر وقت مستفیض ہے۔ اور آپ کا وصفِ دائمی ہے کہ دنیا ومافیہا آنجناب کے زیرِ نظر ہے۔

اس کی دلیل ملاحظہ ہو:

قال ان اللہ تعالیٰ رفع لی الدنیا و انا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامة کانما انظر الی کفی ھذا۔

”اللہ تعالیٰ نے دنیا ومافیہا اور قیامت تک ہونے والے حالات میرے سامنے روشن اور ظاہر فرمادیئے ہیں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں“۔[290]

جو لوگ اہل بیت کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، اور ان کا احترام اور اعزاز بجالاتے ہیں اور جو خدمت کرتے ہیں ان کا بدلہ انہیں دنیا میں بھی ملتا ہے اور قیامت میں بھی دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اس سے باخبر ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان خدمت گزاروں کو خواب میں شرفِ زیارت سے مشرف فرماتے ہیں۔

---

[289] (بیھقی، شعب الایمان، ۲۱۶:۲، رقم: ۱۵۷۵)

[290] (الفتوحات الاحمدیہ ص ۲۷ بحوالہ الطبرانی)

علامہ شامی کتاب الحج میں نقل کرتے ہیں:

فی المسامرات عن رجل اراد الحج فحمل الف دینار یتأھب بھافجاء تہ امرأۃ فی الطریق و قالت لہ انی من اٰل بیت النبی ﷺ و بی ضرورۃ فافرغ لھا مامعہ فلما رجع حجاج بلدہ صار کلما لقی رجلا منھم یقول لہ تقبل اللہ تعالیٰ منک فتعجب من قولھم فرای النبی ﷺ فی نومہ و قال لہ تعجبت من قولھم تقبل اللہ تعالیٰ منک قال نعم یا رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ تعالیٰ خلق ملکًا علی صورتک حج عنک و ھو یحج عنک الی یوم القیامۃ باکرامک لامرأۃ مضطرۃ من اٰل بیتی۔[291]

"مسامرہ (کتاب کا نام) میں ہے کہ ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا اور ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان لے کر نکلا تو راستہ میں ایک باپردہ خاتون سامنے آکر کہنے لگی میں سیّد زادی ہوں اور ضرورتمند ہوں، تو اس نے ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان خاتون کو دے دیا اور واپس گھر آگیا جب اس شہر کے حاجی واپس آنے لگے تو شہر کے لوگوں نے ان کا استقبال کیا ان میں یہ شخص بھی تھا، حاجیوں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کا حج قبول فرمائے (آپ پہلے آگئے ہیں) یہ بڑا متعجب ہوا۔ جب سویا تو خواب میں سرور کونین نور العین ﷺ نے اس کو شرفِ زیارت بخشا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تو حاجیوں کی مبارکباد سے متعجب ہوتا ہے؟ عرض کی جی ہاں یارسول اللہ ﷺ! فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری صورت کا ایک فرشتہ پیدا فرمایا اس نے تیری طرف سے حج ادا کیا اور آئندہ قیامت تک کرتا رہے گا۔ کیونکہ تو نے میری اولاد کی عزت و تعظیم کی ہے۔ **(سبحان اللہ)**

---

[291] (الشامی ج ۲ ص ۲۷۵)

قال ﷺ حرمت الجنة علی من ظلم اهل بیتی و أذانی فی عترتی و من اصطنع صنیعة الیٰ احدمن ولدعبدالمطلب ولم یجازہ فانا اجازیه علیها غدًا اذلقینی یوم القیامة۔[292]

”آنجناب ﷺ نے فرمایا جو لوگ میرے اہل بیت پر ظلم کرتے ہیں اور میری اولاد کی وجہ سے مجھے ایذا اور تکلیف پہنچاتے ہیں ان پر جنت حرام ہے۔ اور جو شخص حضرت عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے اور وہ اس کو بدلہ نہیں دے سکتا تو کل اس کو میں بدلہ دوں گا۔ جب اس کی ملاقات مجھ سے قیامت میں ہو گی۔“

عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ ﷺ: أحبوا اللہ لما یغذوکم من نعمه، وأحبّونی بحبّ اللہ عزوجل۔ وأحبوا أهل بیتی لحبّی ۔ رواہ الترمذی والحاکم۔ وقال أبو عیسی: هذا حدیث حسن۔

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنهما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے محبت کرو ان نعمتوں کی وجہ سے جو اس نے تمہیں عطا فرمائیں اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کے سبب اور میرے اہل بیت سے میری محبت کی خاطر محبت کرو۔“ اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[293]

عن العباس بن عبد المطّلب رضی اللہ عنهما قال: کُنّا نلقی النّفر من قریش وهم یتحدّثون فیقطعون حدیثهم، فذکرنا ذلک لرسول اللہ ﷺ، فقال: ما بال أقوامٍ یتحدّثون فاذا رأوا الرجال من أهل بیتی قطعوا حدیثهم واللہ لا یدخل قلب رجلٍ الایمان حتّی یحبّهم للہ ولقرابتهم منّی۔ رواہ ابن ماجه والحاکم۔

---

[292] (روح البیان)

[293] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب، باب: مناقب أهل البیت النبی ﷺ، ۵/۶۶۴، الرقم: ۳۷۸۹، والحاکم فی المستدرک ۳/۱۶۲، الرقم: ۴۷۱۶، والبیهقی فی شعب الایمان، ۱/۳۶۶، الرقم: ۴۰۸)

”حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم جب قریش کی جماعت سے ملتے اور وہ باہم گفتگو کر رہے ہوتے تو گفتگو روک دیتے ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جب میرے اہل بیت سے کسی کو دیکھتے ہیں تو گفتگو روک دیتے ہیں؟ اللہ رب العزت کی قسم! کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو گا جب تک ان سے اللہ تعالیٰ کے لئے اور میرے قرب کی وجہ سے محبت نہ کرے۔“ اسے امام ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔[294]

عن العباس بن عبد المطلب رضی الله عنهما قال: قلت: يا رسول الله، انّ قريشًا اذا لقی بعضهم بعضا لقوهم ببشرٍ حسنٍ، واذا لقونا لقونا بوجوه لا نعرفها۔ قال: فغضب النّبیّ ﷺ غضبًا شديدًا وقال: والّذی نفسی بيده لا يدخل قلب رجل الايمان حتی يحبّكم لله ولرسوله ولقرابتی۔ رواه أحمد والنّسائی والحاكم والبزّار۔ وفی رواية: قال: والله، لا يدخل قلب امریءٍ ايمانٌ حتّی يحبّكم لله ولقرابتی۔

”حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! قریش کے بعض لوگ جب آپس میں ملتے ہیں تو حسین مسکراتے چہروں سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ایسے چہروں سے ملتے ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے (یعنی جذبات سے عاری چہروں کے ساتھ)۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ یہ سن کر شدید جلال میں آ گئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی بھی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ

---

[294] (أخرجه ابن ماجة فی السنن، المقدمة، باب: فضل العباس بن عبد المطلب ص، ۱/۵۰، الرقم: ۱۴۰، والحاكم فی المستدرک، ۴/۸۵، الرقم: ۶۹۶۰، والمقدسی فی الأحاديث المختارة، ۸/۳۸۲، الرقم: ۴۷۲، والديلمی فی مسند الفردوس، ۴/۱۱۳، الرقم: ۶۳۵۰، والسيوطی فی شرح سنن ابن ماجة، ۱/۱۳، الرقم: ۱۴۰)

اور اس کے رسول ﷺ اور میری قرابت کی خاطر تم سے محبت نہ کرے۔" اسے امام احمد، نسائی، حاکم اور بزار نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: خدا کی قسم کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہ ہو گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور میری قرابت کی وجہ سے تم سے محبت نہ کرے۔[295]

عن أبی سعیدٍ الخدریّ رضی اللہ عنہ قال: سمعت النبی ﷺ یقول علی ھذا المنبر: ما بال رجالٍ یقولون: انّ رحم رسول اللہ ﷺ لا تنفع قومہ یوم القیامۃ، بلی واللہ، انّ رحمی موصولۃ فی الدّنیا والآخرۃ۔ وأنّی أیّھا النّاس، فرطٌ لکم علی الحوض فاذا جئتم قال رجلٌ: یا رسول اللہ أنا فلانٌ بن فلانٍ وقال: یتحقّق أنا فلانٌ بن فلانٍ وقال لھم: أمّا النّسب فقد عرّفتہ ولکنّکم أحدثتم بعدی وأرتددتم القھقریّ۔ رواہ احمد والحاکم۔

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا ان لوگوں کا کیا ہو گا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے نسبی تعلق قیامت کے روز ان کی قوم کو کوئی فائدہ نہیں دے گا کیوں نہیں! اللہ کی قسم بے شک میرا نسبی تعلق دنیا و آخرت میں آپس میں باہم ملا ہوا ہے اور اے لوگو! بے شک (قیامت کے روز) میں تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا پس جب تم آ گئے تو ایک آدمی کہے گا یا رسول اللہ ﷺ! میں فلان بن فلان ہوں پس حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کا فلان بن فلان کہنا پایۂ ثبوت کو پہنچے گا اور رہا نسب تو

[295] (أخرجہ أحمد بن حنبل فی المسند ١٧٠٢١ الرقم: ٢٢٧١، ٢٢٧١، ١٧٦٥٦، ١٧٦٥٧، والحاکم فی المستدرک، ٣/٣٧٦، الرقم: ٥٤٣٣، ٢٩٦٠، والنسائی فی السنن الکبری، ٥/٥١ الرقم: ٨١٧٦، والبزار فی المسند، ٦/١٣١، الرقم: ٢١٧٥، والبیھقی فی شعب الایمان، ٢/١٨٨، الرقم: ١٥٠١، والدیلمی فی مسند الفردوس، ٤/٣٦١، الرقم: ٧٠٣٢)

تحقیق اس کی پہچان میں نے تمہیں کرا دی ہے لیکن تم میرے بعد احداث کروگے اور الٹے پاؤں پھر جاؤگے۔" اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔[296]

عن أبی هريرة رضی الله عنه: قال: قال رسول الله ﷺ خيرکم، خيرکم لأهلی من بعدی۔ رواه الحاکم وأبو يعلی۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل کے لئے بہترین ہے۔" اس حدیث کو امام حاکم اور امام ابو یعلی نے بیان کیا ہے۔[297]

عن عبد الرحمٰن بن أبی ليلی عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: لا يؤمن عبدٌ حتی أکون أحبّ اليه من نفسه وأهلی أحبّ من أهله وعترتی أحبّ اليه من عترته وذاتی أحبّ اليه من ذاته۔ رواه الطبرانی والبيهقی۔

"حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں اور میرے اہل بیت اس کے اہل خانہ سے محبوب تر نہ ہو

---

[296] (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۱۸/۳، الرقم: ۱۱۱۵۴، والحاکم فی المستدرک، ۸۴/۴، الرقم: ۶۹۵۸، وأبو يعلی فی المسند، ۴۳۳/۲، الرقم: ۱۲۳۸، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ۳۶۴/۱۰)

[297] (أخرجه الحاکم فی المستدرک، ۳۵۲/۳، الرقم: ۵۳۵۹، وأبو يعلی فی المسند، ۳۳۰/۱۰، الرقم: ۵۹۲۴، وابن أبی عاصم فی السنة، ۶۱۶/۲، الرقم: ۱۴۱۴، والديلمی فی مسند الفردوس، ۱۷۰/۲، الرقم: ۲۸۵۱، والخطيب فی تاريخ بغداد، ۲۷۶/۷، الرقم: ۳۷۶۵، والمناوی فی فيض القدير، ۴۹۷/۳، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ۱۷۴/۹)

جائیں اور میری اولاد اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائے اور میری ذات اسے اپنی ذات سے محبوب تر نہ ہو جائے۔" اسے امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔[298]

عن الحسن بن علی: أنّ رسول الله ﷺ قال: الزموا مودّتنا أهل البيت، فانّه من لقى الله عز وجل وهو يودّنا دخل الجنّة بشفاعتنا، والّذى نفسى بيده: لا ينفع عبد عمله الّا بمعرفة حقنا۔ رواه الطبرانی۔

"حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم اہل بیت کی محبت کو لازم پکڑو پس بے شک وہ شخص جو اس حال میں اللہ سے ملا کہ وہ ہم سے محبت کرتا تھا تو وہ ہماری شفاعت کے صدقے جنت میں داخل ہو گا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کو اس کا عمل فائدہ نہیں دے گا مگر ہمارے حق کی معرفت کے سبب۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[299]

عن جابر بن عبدالله رضی الله عنهما قال: كانت لآل رسول الله ﷺ خادمة تخدمهم يقال لها: بريرة فلقيها رجلٌ فقال: يا بريرة، غطى شعيفاتک، فانّ محمّدًا لن يغنى عنک من الله شيئاً قال: فأخبرت النّبیّ ﷺ: فخرج يجرّ رداء ه محمّرة وجنتاه، وكنا معشر الأنصار نعرف غضبه بجر ردائه وحمرة وجنتيه۔ فاخذنا السلاح ثم أتيناه فقلنا: يارسول الله مرنا بما شئت فوالّذى بعثک بالحق، لو أمرتنا بأمهاتنا وآبائنا وأولادنا، لأمضينا قولک فيهم، فصعد ﷺ المنبر فحمدالله عزوجل وأثنى عليه۔ وقال: من أنا؟ فقلنا: أنت رسول الله۔ قال: نعم، ولكن من أنا؟ فقلنا: محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب بن هاشمٍ بن عبدمنافٍ۔ قال: أنا سيد ولد آدم ولا فخر، واوّل من تنشق عن الأرض ولا فخر، واوّل من ينفض التّراب عن رأسه ولا فخر،

---

[298] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الكبير، ٧/٥٧، الرقم: ٦٤١٦، وفی المعجم المعجم الأوسط، ٥٩/٦، الرقم: ٥٧٩٠، والبيهقی فی شعب الايمان، ١٨٩/٢، الرقم: ١٥٠٥، والديلمی فی مسند الفردوس، ١٥٤/٥، الرقم: ٧٧٩٥، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ٨٨/١)

[299] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الأوسط ٣٦٠/٢، الرقم: ٢٢٣٠، والهيثمی فی مجمع الزوائد ١٧٢/٩)

وأوّل داخل الجنّة ولا فخر، ما بال أقوامٍ يزعمون أنّ رحمی لا ینفع۔ لیس کما زعموا انّی لأشفع وأشفّع، حتی أنّ من أشفعُ له لَیَشفعُ فَیَشَفَّعُ، حتّی انّ ابلیس لیتطاول طمعًا فی الشّفاعة۔

''حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آل رسول ﷺ کی ایک خادمہ تھی جو ان کی خدمت بجالاتی، اسے ''بریرہ'' کہا جاتا تھا پس اسے ایک آدمی ملا اور کہا: اے بریرہ اپنی چوٹی کو ڈھانپ کر رکھا کر بے شک محمد ﷺ تمہیں اللہ کی طرف سے کچھ فائدہ نہیں پہنچاسکتے۔ راوی بیان کرتے ہیں پس اس نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی پس آپ ﷺ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے باہر تشریف لائے در آن حالیکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی دونوں رخسار مبارک سرخ تھے اور ہم (انصار کا گروہ) حضور ﷺ کے غصے کو آپ ﷺ کے چادر کے گھسیٹنے اور رخساروں کے سرخ ہونے سے پہچان لیتے تھے پس ہم نے اسلحہ اٹھایا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آگئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ جو چاہتے ہیں ہمیں حکم دیں پس اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں ہماری ماؤں، آباء اور اولاد کے بارے میں بھی کوئی حکم فرمائیں گے تو ہم ان میں بھی آپ ﷺ کے قول کو نافذ کر دیں گے پس آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا: میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں لیکن میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ ﷺ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، میں وہ پہلا شخص ہوں جس کی قبر پھٹے گی لیکن کوئی فخر نہیں اور میں وہ پہلا شخص ہوں جس کے سر سے مٹی جھاڑی جائے گی لیکن کوئی فخر نہیں، اور میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میرا رحم (نسب و تعلق) فائدہ نہیں دے گا ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں۔ بے

شک میں شفاعت کروں گا اور میری شفاعت قبول بھی ہو گی یہاں تک کہ جس کی میں شفاعت کروں گا وہ یقینا دوسروں کی شفاعت کرے گا اور اس کی بھی شفاعت قبول ہو گی یہاں تک کہ ابلیس اپنی گردن کو بلند کرے گا شفاعت میں طمع کی خاطر (یا کسی طور اس کی شفاعت بھی کوئی کر دے)۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[300]

تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہم سے محبت نہ کرے اور اس وقت تک محبت کرنے کے کا دعویٰ خام ہے جب تک ہماری اہل بیت وعترت اور قریبوں سے محبت نہ کرے۔[301]

ایک اور مقام پر امام الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہمیں اپنی جان سے محبوب نہ رکھے اور ہماری عترت کو اپنی عترت سے اور ہماری اہل بیت کو اپنے اہل بیت سے محبوب نہ رکھے۔ اور ہماری ذات کو اپنی ذات سے محبوب نہ سمجھے۔[302]

ایک اور مقام پر حضور سرورِ کائنات فخر موجودات باعث تخلیق کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

واللہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبھم للہ و لقرابتھم منی۔

"خدا کی قسم انسان کے دل میں اس وقت تک ایمان ہی داخل نہیں ہوتا جب تک میرے قریبوں سے محبت نہ کرے۔"[303]

---

[300](أخرجه الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۵/۲۰۳، الرقم: ۵۰۸۲، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰/۳۷۶)

[301](الصواعق المحرقه ص ۱۴۵)

[302](الصواعق المحرقه ص ۱۷۲)

[303](الصواعق المحرقه ص ۲۳۰)

امام الانبیاء تاج دارِ مدینہ ﷺ کو اپنی صاحبزادی والاشان رضی اللہ عنہا اور آپ رضی اللہ عنہا کی اولاد طاہرہ سے اس قدر والہانہ محبت ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا: میری آلِ پاک کی محبت تم پر لازم اور واجب قرار دی گئی ہے۔ اور فرمایا کہ ہماری شفاعت اور جنت الفردوس میں داخلہ کا انحصار محض اس بات پر ہے کہ ہمارے گھر والوں سے مودت و محبت کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کی قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر اہل بیت کے بارے میں ہمارا حق نہیں پہچانو گے تو تمہارا کوئی عمل بھی تمہیں نفع نہیں دے گا۔[304]

عن أبی رافعٍ رضی اللہ عنہ: أنّ رسول اللہ ﷺ قال لعلیّ رضی اللہ عنہ: أنت وشیعتک تردون علیّ الحوض رواء مروّیین، مبیّضة وجوھکم۔ وانّ عدوک یردون علیّ ظماءً مقبّحین۔ رواہ الطبرانی۔

"حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! تو اور تیرے (چاہنے والے) مددگار (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر چہرے کی شادابی اور سیراب ہو کر آئیں گے اور ان کے چہرے (نور کی وجہ سے) سفید ہوں گے اور بے شک تیرے دشمن (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر بدنما چہروں کے ساتھ اور سخت پیاس کی حالت میں آئیں گے۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[305]

---

[304] (جامع الصغیر، ج ۱ ص ۱۰۱، الصواعق المحرقہ ص ۱۷۳، الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۳۶۰/۲، الرقم: ۲۲۳۰، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۳۱/۹)

[305] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳۱۹/۱، الرقم: ۹۴۸، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۳۱/۹)

اولادِ فاطمہ (سادات) پر جہنم حرام ہے

عن جابر بن عبداللہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: انّما سمّیت بنتی فاطمۃ لأنّ اللہ عزوجل فطمھا و فطم محبّیھا عن النّار۔ رواہ الدّیلمی۔

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے چاہنے والوں کو آگ سے چھڑا (اور بچا) لیا ہے۔“ اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[306]

بنتِ رسول، خاتونِ جنّت، سیدہ بتول، سلام اللہ علیہا کا اسمِ مقدس ہی ایسا ہے جس کے معنی ہیں آزاد کرانے والی۔

چنانچہ لفظِ فاطمہ تشریح کرتے ہوئے محدثین نے لکھا ہے:

وفاطمۃ کما قال ابن درید مشتقۃ من الفطم وھو قطع سمیت بذالک لان اللہ تعالیٰ فطمھا عن النار۔

”اور فاطمہ! جیسا کہ کہا ابنِ درید کے بیٹے نے کہ یہ فطم سے مشتق ہے جس کا معنی ہے علیٰحدہ کرنا۔ اور فاطمہ کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے علیحدہ کر دیا ہے“۔[307]

واخرج الدیلمی مرفوعا انھا سمیت فاطمۃ لان فطمھا و محبّیھا عن النّار۔

”اور دیلمی نے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ آپ کا نام فاطمہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے محبین کو آگ سے علیحدہ کر دیا ہے“۔[308]

---

[306] (أخرجه الديلمي في مسند الفردوس، ۱/۳۴۶، الرقم: ۱۳۸۵، والخطيب في تاريخ بغداد، ۱۲/۳۳۱، والمناوي في فيض القدير، ۳/۴۳۲)

[307] (اسعاف الراغبین حاشیہ نور الابصار ص ۸۰، شرح فقہ اکبر ص ۱۳۰)

[308] (صواعق محرقہ ص ۱۸۸ نور الابصار ص ۴۵)

ان فاطمۃ قد احصنت فرجھا فحرّمھا اللہ و ذریّتھا علی النّار۔

"بیشک فاطمہ پاک دامن ہے، آپ کو اور آپ کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام فرمادیا ہے"۔[309]

علاوہ ازیں بھی بیشتر فرامین رسول ﷺ کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سیّدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیھا کی تمام اولاد پاک جہنم سے محفوظ رہے گی۔

چند ایک روایات مزید ملاحظہ فرمائیں:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (الضحیٰ ۵)

اور بیشک اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین کرام نے لکھا ہے:

عن ابن عباس قال رضا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان لا ید خل احد من اھل بیتہٖ النار۔

"کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی رضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے کوئی ایک فرد بھی جہنم میں نہ جائے"۔[310]

کتبِ احادیث میں آتا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ میرے اہل بیت سے ایک شخص بھی جہنم میں نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے میرا یہ سوال قبول فرمالیا۔

---

[309] (المستدرک حاکم ۳/۱۵۲،الامن والعلیٰ ص ۲۳۸،اشرف الموبد ص ۴۴،مراۃ شرح مشکوۃ ۴۵۲)

[310] (تفسیر قرطبی جز ۳۰ ص ۴۸۲ اشرف الموبد ص ۴۴)

عن عمران بن حسین رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سألت ربّی ان لا یدخل النار احدا من اھل بیتی فاعطانیھا۔ (حدیث صحیح و لم یخرجاہ)۔[311]

اور اولادِ فاطمہ پر دوزخ حرام ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سرورِ کائنات، فخر موجودات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے حسب نسب منقطع ہو جائیں گے مگر ہمارا سبب و نسب منقطع نہیں ہو گا۔

چنانچہ روایات صحیحہ میں آتا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ کل سببٍ و نسب ینقطع یوم القیامۃ الا سببی و نسبی۔[312]

عن ابن مسعودٍ رضی اللہ عنہ، عن النّبی ﷺ قال: حبّ آل محمّدٍ یوماً خیر من عبادۃ سنۃٍ و من مات علیہ دخل الجنّۃ۔ رواہ الدّیلمی۔

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل بیتِ مصطفی ﷺ کی ایک دن کی محبت پورے سال کی عبادت سے بہتر ہے اور جو اس محبت پر فوت ہوا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔" اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[313]

قال علیہ الصلوۃ و السلام: "الا و من مات علی حبّ آل محمد مات مغفورا۔ الا و من مات علی حبّ محمد مات تائبا۔ الا من مات علی حب آل محمد مات مؤمنا۔ الا و من مات علی حبّ آل محمد مات شھیدا متکمل الایمان۔ الا و من مات علیٰ حبّ اٰل محمد یبشرہ ملک الموت بالجنۃ ثم منکرا و نکیرا۔ الا و من مات علی حب آل محمد یزف الی الجنۃ کما تزف العروس الی بیت زوجھا و فتح لہ فی قبر باب الجنۃ جعل اللہ قبرہ مزار ملائکۃ رحمۃ۔ الا و من مات علی حبّ آل محمد مات علی السنۃ و الجماعۃ۔

---

[311] (المستدرک ۳/۱۵۰، اشرف المؤبد ۴۴)

[312] (المستدرک ۳/۱۶۴، خصائص کبریٰ ۲/۲۲۵ جامع الصغیر ۲/۹۳ اشرف الموجد ص ۴۵ الروضۃ الفیحانی تواریخ النساء ص ۱۶۴ طبقات ابن سعد ۸/۴۸۲)

[313] (أخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، ۲/۱۴۲، الرقم: ۲۷۲۱)

”اے مسلمانو: آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرے گا وہ بخشا ہوا مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرے گا وہ تائب مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرے گا وہ تائب مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ مؤمن مرا۔ آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ شہید اور کامل الایمان مرا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا ملکُ الموت اور منکر نکیر اسے جنت کی بشارت دیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا جنت ایسے جائے گا جیسے دولہن اپنے خاوند کے گھر جاتی ہے، قبر میں اس کے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے اور اللہ تعالٰی اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنائے گا۔ آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ سنت و جماعت پر مرا“۔[314]

عن عليّ بن حسين: أنّه ﷺ قال: يا عليّ انّ الله قد غفر لک ولذرّيّتک ولولدک ولأهلک، ولشيعتک ولمحبّي شيعتک فابشر۔ رواه الدّيلمي۔

”حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! بے شک اللہ تعالٰی نے تجھے اور تیری اولاد کو اور تیرے گھر والوں کو اور تیرے مددگاروں کو اور تیرے مددگاروں کے چاہنے والے کو بخش دیا ہے پس تجھے یہ خوشخبری مبارک ہو“۔[315]

---

[314] (تفسیر کبیر ۳۹۰/۷، تفسیر ابن عربی ۲۱۲/۲، تفسیر روح البیان ۴۰۷/۴، تفسیر کشاف ۳۳۹/۴، اشرف المویدے ۱۵۷، نزهة المجالس ۲۲۲/۲)

[315] (أخرجه الديلمي في مسند الفردوس، ۳۲۹/۵، الرقم: ۸۳۳۷)

اہل بیت کے ساتھ دشمنی کرنے والا یا منافق، یا ولدِ زنا، یا ناپاک حمل سے ہے

واخرج ابن عدی والبیہقی فی شعب الایمان عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یعرف حقّ عترتی والانصار والعرب فھو الاحدی ثلاثٍ: أما منافق، وأما لزِنیۃٍ، وأما امرؤٌ حملت بہ اُمّہ لغیر طھر۔

”حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص میرے اہل بیت اور انصار اور عرب کا حق نہیں پہچانتا تو اس میں تین چیزوں میں سے ایک پائی جاتی ہے: یا تو وہ منافق ہے، یا وہ حرامی ہے، یا وہ ایسا آدمی ہے جس کی ماں بغیر طہر کے اس سے حاملہ ہوئی ہو۔“ اس حدیث کو امام دیلمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔[316]

حضور امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یحبنا اھل البیت الا مؤمن تقی ولا یبغضنا الا منافق وشقی۔

”ہمارے اہل بیت سے وہی محبت رکھے گا جو مؤمن اور متقی ہے اور ہمارے اہل بیت پاک سے وہی بغض رکھے گا جو منافق اور بد بخت ہے“۔[317]

ایک اور مقام پر سرتاج الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من بغض اھل البیت فھو منافق۔

”جو ہمارے اہل بیت سے بغض رکھتا ہے وہ منافق ہے“۔[318]

---

[316] (أخرجہ البیہقی فی شعب الایمان، ۲/۲۳۲، الرقم: ۱۶۱۴، الدیلمی فی مسند الفردوس، ۳/۶۲۶، الرقم: ۵۹۵۵، والذہبی فی میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ۳/۱۴۸)

[317] (اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

[318] (اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حرمت الجنة علی من ظلم اھل بیتی و اذانی فی عترتی۔

"جو میرے اہل بیت پر ظلم کرتا ہے اور میری عترت کی وجہ سے مجھے ایذا دیتا ہے اس پر جنت کو حرام کر دیا گیا ہے"۔[319]

سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

الا و من مات علی بغض آل محمد جاءیوم القیامة کتب بین عینیه آئس من رحمة اللہ۔

"جو ہماری آل پاک سے بغض کی حالت میں مرے گا جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان تحریر کر دیا جائے گا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا ہے"۔[320]

الا من مات علی بغض آل محمد لم یشم رائحة الجنة۔

آل محمد ﷺ سے بغض رکھنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔[321]

مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اپنے خاص لطف و کرم سے اہل بیتِ مصطفی علیہم السلام کی محبت عطا فرمائے اور ان سے بغض رکھنے والوں کے سایہ سے بھی محفوظ فرمائے، اہل بیت محمد ﷺ سے بغض اور دشمنی کی سزا قطعی طور پر جہنم ہے اور یہ کسی دنیاوی عدالت کا فیصلہ نہیں بلکہ ان کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلے ہوئے جملے ہیں جن کا ہر ارشاد حکمِ خداوندی اور ناقابلِ ترمیم ہے۔اب آپ سرکارِ دوعالم علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے مزید ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

---

[319](تفسیر کشاف ۴/۳۹۹)

[320](کشاف ۴/۳۹۹،روح البیان ۴/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶،ابن عربی ۲/۲۱۲،نزھۃالمجالس ۲/۲۳۸،اشرف المؤبد ۱۵۲)

[321] (تفسیر کبیر ۷;۳۹۰، تفسیر روح البیان ۴/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶، ابن عربی ۲/۲۱۲، نزھۃ المجالس ۲/۲۳۸، اشرف المؤبد ۱۵۲)

ایک دفعہ تاجدار دو عالم امام الانبیاء ﷺ نے اپنی صاحبزادیٔ مکرمہ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے شہزادوں کو گود میں لے کر فرمایا: **من احبھما فقد احبنی و من ابغضھما فقد ابغضنی،** جو ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے محبت رکھتا ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ ہم سے بغض رکھتا ہے۔[322]

حضور سید المرسلین ﷺ اپنے اہل بیت کرام سے اختلاف رکھنے والوں کو فرماتے ہیں کہ وہ شیطان کے ساتھی ہیں۔ چنانچہ کتب احادیث میں آتا ہے کہ میری آلِ پاک میری امت کے لئے امان ہے اور تمہیں اختلاف سے بچاتی ہے جو قبیلہ بھی ان سے مخالفت کرے گا وہ شیطان کی جماعت ہے۔[323]

کائنات کی سلامتی آلِ نبی ﷺ ہے

ایک مقام پر تاجدارِ دو عالم سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا میری آل پاک کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے جو اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ خود ہی ہلاک ہو گیا۔ دوسری جگہ فرمایا میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ غرق ہو گیا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح تاجدارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کی

[322] (البدایہ والنہایہ ۸/۲۶۵ المستدرک ۳/۱۶۶ و دیگر کتب احادیث متفقہ علیہ)

[323] (خصائص الکبریٰ ۲/۱۴۵ اشرف صواعق محرقہ ۱۵۳)

مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ جہنم کا ایندھن بن گیا۔[324]

عن علی قال: قال رسول اللہ ﷺ: النّجوم أمان لأهل السّماء۔ فاذا ذهبت النجوم ذهب أهل السّماء۔ و أهل بيتی أمانٌ لأهل الأرض۔ فاذا ذهب أهل بيتی ذهب أهل الأرض۔ رواه الديلمی۔

”حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ستارے اہل آسمان کے لئے امان ہیں پس جب ستارے چلے گئے تو اہل آسمان بھی چلے گئے اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے امان ہیں پس جب میرے اہل بیت چلے گئے تو اہل زمین بھی چل گئے۔“

اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[325]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ کی تین حُرمات ہیں جو ان کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے دین و دنیا کے معاملات کی حفاظت فرماتا ہے اور جو ان تین کو ضائع کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرماتا،“ سو عرض کیا گیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون سی تین حرمات ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسلام کی حرمت، میری حرمت اور میرے نسب کی حرمت۔“

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

---

[324] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبير، ۴۵/۳، الرقم: ۲۶۳۷، ۱۲/ ۳۴، الرقم: ۲۳۸۸، ۲۶۳۸، ۲۶۳۶، وفی المعجم الاوسط، ۱۰/۴، الرقم: ۳۴۷۸، ۳۵۵/۵، الرقم: ۵۵۳۶، ۸۵/۶، الرقم: ۵۸۷۰، فی المعجم الصغير، ۲۴۰/۱، الرقم: ۳۹۱، ۸۴/۲، الرقم: ۸۲۵، والحاكم فی المستدرک، ۱۶۳/۳، الرقم: ۴۷۲۰، والبزار فی المسند، ۳۴۳/۹، الرقم: ۳۹۰۰، والديلمی فی مسند الفردوس، ۲۳۸/۱، الرقم: ۹۱۶، والقضاعی فی مسند الشهاب، ۲۷۳/۲، الحديث ۱۳۴۳، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ۱۶۸/۹، صواعق محرقه ص ۱۵۳، اشرف المويد ص ۱۵۲،)

[325] (أخرجه الديلمی فی مسند الفردوس، ۳۱۱/۴، الرقم: ۶۹۱۳، مرقاة شرح مشكوة، ج ۱۱ ص ۳۹۹، ۴۰۰)

عن أنسٍ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: وعدنی ربّی فی أھل بیتی من أقرّ منھم بالتّوحید ولی بالبلاغ أن لا یعذبھم۔ رواہ الحاکم وقال: ھذا حدیثٌ صحیح الأسناد۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھ سے میرے اہل بیت کے بارے میں وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جو بھی میری توحید کا اقرار کرے گا اسے یہ بات پہنچادی جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دے گا۔“

اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[326]

محبت اہل بیت فرض اور ان پر درود نہ پڑھنے سے نماز نہیں

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یا اھل بیت رسول اللّٰہ حبّکم فرض من اللّٰہ فی قراٰن انزلہ۔

اے اہل بیت رسول ﷺ آپ سے محبت رکھنا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس کو اس نے اتارا ہے فرض قرار دیا ہے۔

کفاکم من عظیم القدر انّکم من لم یصلّ علیکم لا صلوۃ لہ

اے اہل بیت آپ کی عظمت و شان کے لئے یہی کافی ہے کہ جس نے آپ پر درود نہ پڑھا اس کی نماز ہی نہیں۔

رافضی اور ناصبی

اذا نحن فضّلنا علیًّا فاِنّنا روافض بالتفضیل عند ذی الجھل

جب ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو بیان کیا تو بیشک ہم بہ سبب بیان تفضیل کے جاہلوں کے نزدیک رافضی ہوئے۔

---

[326] (أخرجہ الحاکم فی المستدرک، ۳/۱۶۳، الرقم: ۴۷۱۸، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۸۲، الرقم: ۷۱۱۲)

وفضل ابی بکرٍ اذا ماذکرته　　　رمیت بنصبٍ عند ذکری للفضل

اور جس وقت ہم فضائل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں تو اس وقت ہم پر ناصبی ہونے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

قالو الرّ فضت قلت کلا　　　ما الرفض دینی و لا اعتقادی

جن جاہلوں نے مجھ کو رافضی کہا تو میں نے جواب دیا کہ حاشا میرا دین اور میرا اعتقاد رافضیوں کا سا نہیں۔

محبت اہل بیت عین ایمان

لٰکن تو لّیت غیر شکٍّ　　　خیر امامٍ و خیر ھادی

لیکن اس میں شک نہیں کہ میں بہتر امام اور بہتر ہادی کے ساتھ دوستی رکھتا ہوں۔

ان کان رفضًا حبّ اٰل محمد　　　فلیشھد الثّقلان انّی رافض

اگر آل محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ بیشک میں رافضی ہوں۔

قرآن اور اہل بیتِ نبوت سے وابستگی نورِ ہدایت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام فریضہ حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے باہر غدیر خم کے مقام پر تشریف فرما ہوئے جہاں سے مختلف اطراف کی طرف راستے جاتے ہیں تو مختلف علاقوں سے آئے ہوئے اصحاب کو الوداع کہنے سے پہلے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ ”اے میرے ساتھیو! میں اپنے فرائض کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکا ہوں۔ سنت الٰہیہ کے موافق کسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آجائے اور

مجھے اس کی تکمیل کرنا پڑے اس لئے میں تمہاری ہدایت و نجات کے لئے آخری بات کہہ دینا چاہتاہوں تاکہ تم ہدایت صراط مستقیم سے بھٹک نہ جاؤ۔

وانا تارک فیکم الثقلین اوّلھما کتاب اللّٰہ فیہ النّور والھدیٰ فخذوا بکتاب اللّٰہ واستمسکوا بہٖ۔وقال واھل بیتی اذکر اللّٰہ فی اھل بیتی وقال ثلاثاً۔

”(یعنی) میں تم میں دو بے مثل عمدہ نفیس چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) جو نورِ ہدایت سے بھرپور ہے، اس کو بہت مضبوطی سے پکڑے رہنا دوسری گرانقدر اور بزرگ چیز میرے اہل بیت (گھر والے) ہیں، میں تم کو خدا یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں، اور تین بار اس کا تکرار فرمایا۔“

اولاد کو تین باتوں کی تعلیم

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنی اولاد کو تین باتوں کی تعلیم دو:

حبّ نبیّکم و حبّ اھل بیتہٖ و قرأۃ قرآن۔

”اپنے نبی ﷺ کی محبت، اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت اور قرآن پڑھنے کی محبت“۔

اللہ تعالیٰ ہم کو حب رسول ﷺ و حب اہل بیت رضی اللہ عنہم و حب قرآن سے سرشار فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔(آمین)

اہل بیت مصطفی ﷺ

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (ألاحزاب ۳۳)

”اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے“۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے اہل بیت عظام کے متعلق فرمایاہے کہ ان کو پاک اور خوب پاک فرمایاہے اور کوئی ناپاکی ان کے قریب نہیں آسکتی۔ اب اس آیت میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل بیت سے یہاں کون مراد ہیں اور دوسرا یہ کہ رجس ناپاکی سے کیا مراد ہے تیسرا یہ کہ امتیازی شان کیا ہے اور چوتھا یہ کہ تطہیر کیا ہے۔ علماء ومفسرین کرام علیہم الرحمۃ کی کثرت رائے یہ ہے کہ یہ آیت سیدنا حضرت علی المرتضی، سیدہ فاطمۃ الزہرہ، سیدنا امام حسن، اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ **عنکم** اور اس کے بعد تمام ضمیریں مذکر ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ازواجِ مطہرات کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ اس کے بعد **واذکر مایتلیٰ فی بیوتکن** ہے۔

چنانچہ علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر کبیر میں آیت تطہیر کے ماتحت فرماتے ہیں:

فالأولیٰ ان یقال هم اولاده وازواجه والحسن والحسين منهم وعلی منهم لانه كان من اهل بيته بسبب معاشره بنت النبی ﷺ وملازمته النبی ﷺ۔

"اولی اور حسن بات یہی ہے کہ اہل بیت نبی ﷺ کی اولاد، بیویاں اور سیدنا حسن، اور سیدنا حسین ہیں، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت سے ہیں اس لئے کہ نبی ﷺ کی شہزادی سیدہ (فاطمہ رضی اللہ عنہا) سے معاشرت کے باعث اور آپ کی معیت کی وجہ سے وہ اہل بیت میں شامل ہیں۔

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی اس نسبت میں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔

اور علامہ صاوی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

فی اھل بیت سکنہ وھنّ ازواجہ واھل بیت نسبہ وھنّ ذریّۃ۔

"آیت میں اہل بیت سکونت ازواجِ مطہرات ہیں اور اہل نسب جو آپ ﷺ کی اولاد ہے تمام شامل ہیں۔

اور محقق علی الاطلاق علامہ شیخ شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"بیت سہ است بیت نسب، بیت سکنی، وبیت ولادت پس بنو ہاشم اولاد عبد المطلب اہل بیت پیغمبر اند ﷺ از جہت نسب و ازواج مطہرات آن حضرت ﷺ اہل بیت سکنی اند و اولاد شریف آں حضرت اہل بیت ولادت اند"۔

یعنی اہل بیت تین ہیں: (۱) بیت نسب، (۲) بیت سکنی، (۳) بیت ولادت، پس حضرت عبد المطلب کی اولاد بنوہاشم ہیں، وہ پیغمبر اسلام کے نسب کے لحاظ سے اہل بیت ہیں اور ازواجِ مطہرات نبی ﷺ کی اہل بیت سکنی ہیں اور اولاد شریف آں حضرت علیہ السلام کی اہلبیتِ ولادت ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آگے چل کر شیخ محقق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی اہل بیت میں سیدنا علی المرتضٰی، سیدہ فاطمۃ الزہرا اور سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خصوصی امتیازی اور انفرادی مقام حاصل ہے اس لئے کہ سرکار ابد قرار علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کے ساتھ خصوصی محبت وپیار ہے اس لئے ان کی فضیلت وبزرگی اس وجہ سے زیادہ ہے۔ ثابت

ہوا کہ اہلبیت میں ازواجِ مطہرات النبی ﷺ یقیناً شامل ہیں یہ اس آیت سے کسی طریق سے خارج نہیں ہیں۔

رجس کے معنی ازروئے قرآن

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (المائدة ۹۰)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں۔"

یہاں آیت میں شراب، جوئے، بتوں اور فال کے تیروں کو "**رجس**" فرمایا گیا ہے۔

إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ (الأنعام ۱۴۵)

"مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا خون یا خنزیر کا گوشت ہو، وہ نجس ہے، یا بطور نافرمانی اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔"

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج ۳۰)

"اور تمہارے لئے حلال کئے گئے بے زبان چوپائے، سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور رہو بتوں کی گندگی سے۔"

ان دو آیات میں مردار بہتا ہوا خون، گوشت خنزیر اور بتوں کے نام پر ذبح کئے گئے جانور کو رِجْسٌ فرمایا گیا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا (یونس ۱۲۵)

"اور جن کے دلوں میں آزار ہے، انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی"

فَاَعْرِضُوا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ (توبة ۹۵)

”تو تم ان کا خیال چھوڑ دو وہ تو نرے پلید ہیں“۔

ان تین آیات میں منافقین کے نفاق، بے ایمانی اور بے عقلی پر رجس کا اطلاق کیا گیا ہے۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (یونس ۱۰۰)

”اور عذاب ان پر ڈالتا ہے جنہیں عقل نہیں۔“

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ (الاعراف ۷۱)

”کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا۔“

ان دو آیات میں عذابِ خداوندی کو رجس فرمایا گیا ہے۔

ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ شراب، جوا، جاری خون، خنزیر کا گوشت، بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، منافقین اور ان کے نفاق بے دینی و بے ایمانی اور عذابِ خداندی وغیرہم پر ”رِجس“ کا اطلاق ہوا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ (الاحزاب ۳۳)

اے نبی ﷺ کے اہل بیت کرام میں نے تم کو تمام اعتقادی و عملی ناپاکیوں اور برائیوں سے بالکل پاک اور منزہ فرما کر قلبی صفائی، اخلاقی ستھرائی اور تزکیہ ظاہر و باطن کا وہ اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے تم دوسروں سے ممتاز و فائق ہو۔

سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھرانے کا اہلِ بیت اور اہلِ کساء ہونے کا بیان

عن صفيّة بنت شيبة قالت: قالت عائشة رضى الله عنها: خرج النّبى ﷺ غداةً وعليه مرطٌ مرحّلٌ من شعرٍ أسود، فجاء الحسن بن على رضى الله عنهما فأدخله، ثمّ جاء الحسين رضى الله عنه فدخل معه، ثمّ جاءت فاطمة رضى الله عنها فأدخلها، ثمّ جاء علىّ رضى الله عنه فأدخله، ثمّ قال: إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الأحزاب ٣٣) رواه مسلم۔

”حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ صبح کے وقت باہر تشریف لائے درآنحالیکہ آپ ﷺ نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی جس پر سیاہ اون سے کجاووں کے نقش بنے ہوئے تھے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے تو آپ ﷺ نے انہیں اس چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے ہمراہ چادر میں داخل ہو گئے، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ نے انہیں اس چادر میں داخل فرمالیا، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے تو آپ ﷺ نے انہیں بھی چادر میں لے لیا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: ”اے اہلِ بیت! اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک وصاف کر دے۔“

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[327]

عن عمر بن أبى سلمة ربيب النبى ﷺ قال لمّا نزلت هذه الآية على النبى ﷺ: إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (ألاحزاب ٣٣) فى بيت أمّ

---

[327] (أخرجه مسلم فى الصحيح، كتاب: فضائل الصحابة، باب: فضائل أهل بيت النبى، ١٨٨٣/٤، الرقم: ٢٤٢٤، وابن أبى شيبة فى المصنف، ٣٧٠/٦، الرقم: ٣٦١٠٢، وأحمد بن حنبل فى فضائل الصحابة، ٦٧٢/٢، الرقم: ١١٤٩، وابن راهويه فى المسند، ٦٧٨/٣، الرقم: ١٢٧١، والحاكم فى المستدرك ١٦٩/٣، الرقم: ٤٧٠٧، والبيهقى فى السنن الكبرىٰ، ١٣٩/٢، والطبرانى فى جامع البيان، ٧/٢٢، ٦)

سلمة، فدعا فاطمة و حسنًا و حسينًا رضی اللہ عنهم فجلّلهم بكساء و عليّ رضی اللہ عنه خلف ظهره فجلّله بكساء، ثمّ قال: اللهمّ هؤُلاءِ أهلُ بيتی، فأذهب عنهم الرّجس و طهّرهم تطهيرًا۔ رواه التّرمذی و أحمد۔

پرورده نبی حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ پر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں یہ آیت مبارکہ۔۔۔۔ اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور فرمادے اور تم کو خوب پاک وصاف فرمادے۔۔۔ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ایک کملی میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ نے انہیں بھی ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے نجاست دور کر اور ان کو خوب پاک و صاف کر دے۔" اس حدیث کو امام ترمذی اور احمد نے روایت کیا ہے۔[328]

سادات کرام رضی اللہ عنہم کی جو تعظیم و تکریم کتب احادیث سے ظاہر ہے وہ بیان سے باہر اور گمان سے بالا ہے۔ قلم کی ہرگز طاقت نہیں کہ اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و اکرام کا احاطہ کر سکے۔ ہم قارئین کی خدمت میں التماس کریں گے کہ جو شخص بھی اہل بیتِ رسول ﷺ کا فرد ہونے کا دعوی دار ہے، آپ بہر طور اس کی تعظیم و تکریم اولادِ مصطفی ﷺ سمجھ کر کریں، اور ہرگز اس ٹوہ میں نہ جائیں کہ ممکن ہے یہ سیّد نہ ہو۔

[328] (أخرجه الترمذی فی السنن، كتاب: تفسير القرآن باب: ومن سورة الأحزاب، ۵/ ۳۵۱، ۳٦۳، الرقم: ۳۲۰۵، وأحمد بن حنبل فی المسند، ٦/ ۲۹۲، وفی فضائل الصحابة، ۲/ ۵۸۷، الرقم: ۹۹۴، والحاكم فی المستدرک، ۲/ ۴۵۱، الرقم: ۳۵۵۸، ۳/ ۱۵۸، الرقم: ۴۷۰۵، والطبرانی فی المعجم الكبير، ۳/ ۵۲، الرقم: ۲٦٦۲)

ہم نے اشرف المؤبد و دیگر متعدد کتب میں پڑھا ہے کہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد پاک سے ایک شہزادی فقر کی حالت میں ایک غنی مسلمان کے پاس کسی ضرورت سے تشریف لے گئیں اور اسے بتایا کہ میں سید زادی ہوں، اس لئے میری مدد کرو، تو اس شخص نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مجھے کیا معلوم تم سید زادی ہو یا نہیں۔ وہ شہزادی بتول رضی اللہ عنہا پریشانی کے عالم میں واپس آگئیں اور ایک یہودی سے اپنی حاجت بیان فرمائی۔ یہودی نے ایک برقعہ پوش اور خاندانِ سادات کی خاتون سمجھ کر ان کی نہایت تعظیم و تکریم سے ضرورت پوری کر دی۔ رات کو اس مسلمان اور یہودی دونوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے اس مسلمان کو جنت میں داخل ہونے سے یہ فرما کر منع فرما دیا کہ جب تمہیں ہماری بیٹی کے سیدہ ہونے پر شک تھا تو ہم تمہارے مسلمان ہونے پر کیسے یقین کر لیں، اور اس یہودی کو عزت سے جنت میں داخل ہونے دیا۔ یہودی نے جب یہ خواب دیکھا تو صبح بیدار ہوتے ہی مسلمان ہو گیا۔

اگر کوئی اپنا نسب تبدیل کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ نسب بدلنے والوں کے متعلق سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ ملعون و مردود ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام لوگ لعنت کرتے ہیں۔ کراچی میں بھی ایسے پیران عظام ہیں جو کہ اپنا نسب بدلتے ہیں اور اپنے آپ کو سید شاہ جی کہلاتے ہیں اور مدرسہ بناتے ہیں اور اسے بھی شاجیہ مدرسہ لکھواتے ہیں وہ خود تو مردود و ملعون ہیں اگر کسی کو ان کے نسب بدلنے کا پتہ ہو اور پھر بھی ان کو سید پکارے تو وہ بھی گناہگار ہیں کیونکہ پنجاب اور سندھ میں لوگ شاہ جی کو سید کہتے ہیں ہمارے صوبہ خیبر پختون خواہ سید کو بادشاہ صاحب اور میاں صاحب پکارتے ہیں اور افغانستان میں آغا صاحب پکارتے ہیں۔

حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف کرے، کسی کو بھی اُس کے آباء کے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے، غیر سیّد اپنے آپ کو سیّد نہ بتائے اور غیر سادات کو سادات نہ کہا جائے، اس ممانعت پر قرآن کریم اور حدیث شریف وارد ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس پر وعید بیان فرمائی ہے۔

قرآن کریم

اسلام سے قبل لے پالک کو اپنی طرف منسوب کرنے اور انہیں اپنی اولاد بتانے کا عام رواج تھا اور لوگ بھی لے پالک کو پالنے والے کا بیٹا کہتے تھے اور وہ بھی اپنے آپ کو پالنے والے کا بیٹا بتاتے تھے اور ابتداء اسلام میں یہ معاملہ اسی طرح رہا۔

چنانچہ علامہ ابو الحسن علی بن حلف بن عبد الملک متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

ان أهل الجاهلية كانوا لا يستنكرون ذلك أن يتبنّى الرّجل منهم غير ابنه الذی خرج من صلبه فنسب اليه، و لم يزل ذلك أيضاً فی أوّل الاسلام۔

یعنی بے شک اہل جاہلیت اسے معیوب نہ سمجھتے تھے کہ اپنے صُلبی بیٹے کے علاوہ کسی اور کو اپنا متبنیٰ (لے پالک) بنالیں اور اُسے اپنی طرف منسوب کریں اور یہ امر اوّل اسلام میں بھی جاری رہا۔[329]

پھر اس سے منع کر دیا گیا، چنانچہ امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی متوفی ۷۴۳ھ اور ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قد كانوا يفعلونه فنهی عنه۔

یعنی لوگ ایسا کرتے تھے پھر اس سے روک دیا گیا۔[330]

---

[329](شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب "من ادّعی الی غیر أبیه وهو یعلم الخ"، ۸:۳۸۳)

[330](شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶:۳۹۶، مرقات، کتاب النکاح، باب اللعان، برقم: ۳۳۱۵، ۶:۴۳۶)

اور ممانعت کے لئے قرآن کریم میں جو حکم نازل ہوا، اس کی ابتداء یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ (الأحزاب ۴)

ترجمہ: اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا۔ (کنز الایمان)

شانِ نزول

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

قوله تعالىٰ: وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ (الأحزاب ۴) أجمع أهل التفسير على أن هذا نزل في زيد بن حارثة، وروى الأئمة أن ابن عمر قال: ما كنّا ندعوا زيد بن حارثة الا زيد بن محمد حتى نزلت: ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ (الأحزاب ۵)

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: "اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا"۔ اہل تفسیر کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، اور ائمہ نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پکارتے تھے مگر زید بن محمد" یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (جس میں حکم ہوا کہ) "انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو (جن سے وہ پیدا ہوئے) یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔"[331]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ (الأحزاب ۴) کے بارے میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس میں دو احتمالات ہیں چنانچہ امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی رحمہ اللہ متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں کہ: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا"

---

[331] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۴، ۷/۱۴/۱۱۸)

دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے، اُن میں سے ایک یہ کہ تمہارے لے پالکوں کو آباء کی طرف نسب کے حق میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا اور وہ جو کچھ واقعات میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا بنالیتا تو وہ اس کی اولاد کے ساتھ اس کا وارث بنتا اور یہی وہ شیء ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (تو مطلب ہو گا کہ) جسے تم زمانہ جاہلیت میں مدد و نصرت کے لئے اپنا بیٹا بناتے ہو انہیں اسلام میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمہارے لے پالکوں کو نسبیت کے حق میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہتے تھے۔[332]

اور لے پالکوں کو اپنا بیٹا کہنا، یہ لوگوں کی اپنائی ہوئی بات تھی جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ کسی کو اپنا بیٹا بنانے سے وہ بیٹا بن جاتا، کسی کا نسب بدل دینے یا بدل لینے سے اس کا نسب نہیں بدل جاتا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِاَفْوَاهِكُمْ (الأحزاب، ۴:۳۳)

ترجمہ: یہ تمہارے منہ کا کہنا ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیتِ مبارکہ کے تحت امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

قوله تعالى: ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ (الأحزاب ۴) {بِاَفْوَاهِكُمْ} تأكيد ببطلان القول، أى أنه قول لا حقيقة له فى الوجود، انما هو قول لسانيٌّ فقط۔

---

[332](تأويلات أهل السنّة، سورة الأحزاب، الآية: ۴، ۱۰۰/۴)

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان "یہ تمہارے منہ کا کہنا ہے" میں "بِأَفْوَاهِكُمْ" (تمہارے منہ) لوگوں کے قول کے بُطلان کی تاکید ہے (کہ تمہارا کسی اور کے بیٹے کو بیٹا بنانا باطل ہے) یعنی یہ ایسا قول ہے کہ جس کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ فقط زبانی قول ہے۔[333]

اور حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے چنانچہ ارشاد ہوا:

وَ اللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ ھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ (الاحزاب ۴)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔ (کنز الایمان)

پھر صریح حکم ہوا کہ اب تم انہیں ان کے نسبی باپوں کی طرف منسوب کردو۔

چنانچہ امام قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ:

فأمر تعالیٰ بدعاء الأدعیاء الی آبائھم للصّلب۔

یعنی پس اللہ تعالیٰ نے لے پالکوں کو ان کے صُلبی باپوں کی طرف منسوب کرکے پکارنے کا حکم فرمایا۔[334]

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

اُدْعُوھُمْ لِآبَائِھِمْ ھُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ (الأحزاب ۵)

ترجمہ: انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو۔

اس آیہ کریمہ میں "اَقْسَطُ" کا معنی "اَعْدَلُ" ہے یعنی زیادہ عدل اور انصاف والی بات، تو مطلب یہ ہوگا کہ کسی آدمی کا اپنے آپ کو اپنے نسبی باپ کی طرف منسوب کرنا، باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ عدل و انصاف والی بات ہے، اگر اس پر کوئی اعتراض کرے کہ اس کا

---

[333] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۵، ۷/۱۴/۱۲۱-۱۲۰)

[334] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۵، ۷/۱۴/۱۲۱)

مطلب تو یہ ہوا کہ خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا بھی انصاف والی بات ہے اور زیادہ انصاف کی بات یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو نسبی باپ کی طرف منسوب کرے حالانکہ اپنے آپ کو باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنا انصاف کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ظلم ہے، گناہ ہے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس آیہ کریمہ میں اسم تفصیل ''اقسط'' مجازاً صفت مشبّہ کے معنیٰ میں ہے اور یہاں زیادتی مراد نہ ہوگی بلکہ مراد صرف عادلانہ فیصلہ اور انصاف کی بات ہے۔

اس آیت میں اپنے نسب کی حفاظت کا حکم دیا گیا اور اس بات پر سختی فرمائی گئی کہ کوئی شخص دانستہ اپنے کو کسی غیر کا بیٹا نہ کہے اور نہ اپنا نسب کسی غیر کے ساتھ جوڑے۔

ناسخ و منسوخ

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسلام سے قبل لے پالک کو اپنی طرف منسوب کرنے اور انہیں اپنی جائیداد میں وارث قرار دینے کا عام رواج تھا اور ابتداء اسلام میں بھی عمل اسی پر جاری تھا کہ جب تک اسلام میں اس سے کوئی ممانعت وارد نہ ہوئی اس پر عمل کی اجازت تھی پھر قرآن کریم میں اس کی اباحت کو منسوخ کر دیا گیا۔

چنانچہ امام قرطبی لکھتے ہیں:

دلیل علی أن التبنّی کان معمولاً به فی الجاهلیّة والاسلام، یتوارث به ویتناصر، الی أن نسخ الله ذلک بقوله: ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ (الأحزاب ۵) أی أعدل، فرفع الله حکم التبنّی، ومنع من اطلاق لفظه، وأرشد بقوله الی أن الأولیٰ والأعدل أن ینسب الرّجل الی أبیه نسباً۔

یعنی، اس پر دلیل کہ متبنّٰی (یعنی لے پالک بنانے) کا جاہلیت اور اسلام میں معمول تھا اور اُس کو وارث قرار دیا جاتا اور ان سے مدد حاصل کی جاتی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس فرمان سے

منسوخ فرمادیا کہ "انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے(تو یہ نسخ اس پر دلیل ہے کہ زمانۂ جاہلیت اور ابتداء اسلام میں اس کا معمول تھا اور "اَقْسَطُ" بمعنی "اَعْدَلُ" کے ہے پس اللہ تعالیٰ نے تبنّی کا حکم اُٹھالیا اور اُسکے لفظ کے اطلاق سے منع فرمادیا اور اپنے فرمان سے ہمیں راہ یہ دکھائی کہ اَولیٰ اور اَعدل یہ ہے کہ مرد کو اس کے نسبی باپ کی طرف منسوب کیا جائے۔[335]

اور اگر غلطی سے بلاارادہ کہہ دیا جائے تو اس پر پکڑ نہیں ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَلَیسَ عَلَیکُمْ جُنَاحٌ فِیمَا اَخْطَاتُم بِهٖ (الاحزاب: ۳۳/۵)

ترجمہ: اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو تم سے نادانستہ صادر ہو جائے۔ (کنزالایمان)

جیسے کوئی کسی بزرگ یا استاد یا اپنے مرشد کو تعظیم کے طور پر باپ کہہ دے اور اس سے اس کی مراد یہ نہ ہو کہ وہ اس کے نسب سے ہے اسی طرح کوئی بڑا کسی بچے کو ازراہِ شفقت بیٹا کہے یا کوئی استاد اپنے شاگرد کو، شیخ اپنے مرید کو شفقت کے طور پر بیٹا کہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ اسے اپنا صلبی بیٹا کہہ رہے ہیں۔

گناہ تو اس صورت میں ہے جب کسی کو جانتے ہوئے اپنا نسبی باپ سمجھ کر باپ بتائے جیسے لوگ اپنا نسب بدل لیتے ہیں۔ غیر سادات، سادات کہلواتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ سادات سے نہیں ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ نسب بدلنا حرام ہے، اور اسی طرح کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کہ یہ اُس کا بیٹا نہیں ہے اُسے اپنا صُلبی بیٹا کہے یا بتائے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَلٰکِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُکُمْ (الأحزاب: ۳۳/۵)

ترجمہ: ہاں وہ گناہ ہے جو (ممانعت کے بعد) دل کے قصد سے کرو۔ (کنزالایمان)

---

[335] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۵، ۱۱۹/۱۴/۷)

پھر اہل بیت کی طرف نسبت کا جرم غیر اہلبیت کی طرف نسبت کے جرم سے بڑا ہے چنانچہ امام قرطبی نے لکھا کہ حضرت مقداد بن اسود جو عمرو کے بیٹے تھے، اسود نے انہیں اپنا متبنّٰی (یعنی لے پالک) بنایا تھا اور وہ ان ہی کے نام سے معروف تھے، جب یہ حکم نازل ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں ابن عمرو ہوں لیکن لوگوں میں ابن اسود کے نام سے ہی معروف رہے اور کسی نے بھی انہیں مقداد بن اسود کہنے والے کو گناہ گار قرار نہیں دیا، اسی طرح حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب تھے اور اسی کے ساتھ مشہور تھے اور یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حال کے بر خلاف ہے کیونکہ ان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ انہیں زید بن محمد کہا جائے، اگر کسی نے قصداً اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلٰكِنۡ مَا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ کی وجہ سے گنہگار ہو گا۔[336]

تو معلوم ہوا کہ غیر سادات اقوام میں سے کوئی شخص کسی دوسری قوم کے ساتھ اپنا نسب جوڑے حالانکہ وہ ان میں سے نہ ہو تو وہ ضرور مجرم ہے لیکن اس سے بڑا مجرم وہ ہے جو غیر سیّد ہو کر سادات کرام کے ساتھ اپنا نسب جوڑتا ہے۔

حدیث شریف

نسب بدلنے یعنی اپنے آباء کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کی ممانعت میں احادیث مبارکہ میں شدید وعید آئی ہے۔ اور ان احادیث کو امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، دارمی، ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابن الجعد اور نور الدین ہیثمی رحمہم اللہ اجمعین وغیر ہم نے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو بکرہ، حضرت ابو بکر الصدیق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت

[336] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۴، ۷/۱۴/۱۲۰)

ابن عمر، حضرت ابن عمرو، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ذر غفاری، حضرت عمرو بن خارجہ، حضرت ابو امامہ باہلی، حضرت معاذ بن انس اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔اب ان احادیث مبارکہ کو بالترتیب ذکر کیا جاتا ہے اور اُن احادیث پر شارحین حدیث کا کلام، کلماتِ حدیث کی تشریح، قابل تاویل کلمات کی نشاندہی، ان میں تاویلات و احتمالات اور ان سے مستفاد احکام، مستند و معتمد ائمہ و علماء کے حوالے سے بیان کئے جائیں گے۔

نسب بدلنے والے پر جنت حرام ہے

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۲۵۶ھ نے روایت کیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

من ادّعی الیٰ غیر أبیه وهو یعلم انّه غیر أبیه فالجنّة علیه حرامٌ۔

یعنی جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے۔[337]

امام ابو داؤد سلمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں کہ ابو عثمان کہتے ہیں:

حدّثنی سعد بن مالکٍ، قال سمعته أذنای و وعاه قلبی من محمّد علیه الصلاة و السلام انه قال: من ادّعی الیٰ غیر أبیه وهو یعلم أنّه غیر أبیه فالجنّة علیه حرامٌ۔ قال: فلقیت أبا بکرة فذکرت له، فقال: سمعته أذنای و وعاه قلبی من محمّد ﷺ۔

[337] (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر ابیه، برقم ۶۷۶۶)

یعنی حدیث بیان کی مجھے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہوں نے فرمایا کہ اسے حضرت محمد مصطفی ﷺ سے میرے دونوں کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے۔ فرمایا پھر میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا حضرت محمد مصطفی ﷺ سے اسے میرے دونوں کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا۔[338]

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا کہ ابو عثمان راوی کہتے ہیں کہ:

فَذَكَرْتُهُ لِأَبِي بَكْرَةَ، فَقَالَ: وَأَنَا سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

یعنی پس میں نے اس کا حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا: اسے رسول اللہ ﷺ سے میرے کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا۔[339]

"وھو یعلم" "اور وہ اسے جانتا ہے" کا معنیٰ

حضور ﷺ کے ارشاد مبارک میں "وھو یعلم" کی قید مذکور ہے۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس قید کا یہ فائدہ ہے کہ وہ شخص گناہگار تب قرار پائے گا جب اُسے علم ہو کہ جس کی طرف وہ اپنی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا حقیقی باپ نہیں ہے یا جس قوم کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے یا منسوب کیا جاتا ہے وہ اس قوم سے نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ کے حوالے سے پہلے گزرا۔

---

[338] (سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیہ، برقم ۵۱۱۳، ۵/۲۱۲)

[339] (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر ابیہ، برقم ۶۷۶۷)

اور اس کے بارے میں علامہ محمد امین ہرری نے لکھا کہ:

"وھو" أی والحال أن ذلک الرّجل المنتسب لغیر أبیه "یعلمه" أی یعلم أن ذلک الغیر لیس أباہ و والدہ۔

یعنی اور وہ اسے جانتا ہے یعنی حال یہ ہے کہ بے شک وہ شخص جو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا گیا، اسے جانتا ہے کہ وہ غیر اس کا باپ نہیں ہے۔[340]

اور دوسری جگہ لکھا کہ:

قوله ﷺ: "وھو یعلم" تقیید لا بدّ منه، فان الاثم انما یکون فی حق العلام بالشیء۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان "حالانکہ وہ جانتا ہے" یہ ایک ضروری قید ہے بے شک گناہ تو صرف عالم بالشی کے حق میں ہے۔[341]

اس لئے علماء کرام نے لکھا کہ علم ہوتے ہوئے غیر باپ کی طرف نسبت حرام ہے چنانچہ علامہ شرف الدین طیبی اور ملا علی قاری لکھتے ہیں:

والادعاء الی غیر الأب مع العلم به حرام۔

یعنی غیر باپ کی طرف اس پر علم کے باوجود (کہ یہ میرا باپ نہیں ہے) نسبت کرنا حرام ہے۔[342]

---

[340](شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ، ۱٦۴ (٦۰) ۲/۵۰٦)

[341](شرح صحیح مسلم للهرری ۲/۲۰۷)

[342](شرح الطّیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ٦/۴۳٦)

”جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا“ کا مطلب

یعنی جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے یا جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا۔ یہ کلمات حضرت سعد بن أبي وقاص، حضرت ابو بکرہ، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت عمرو بن خارجہ اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی احادیث میں ہیں، جبکہ حدیث أبي ذرّ رضی اللہ عنہ میں ”لیس من رجل ادعی لغیر أبیه“ ہے۔ عربی زبان میں وہ لڑکا جسے اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جائے، اسے ”الدّعی“ کہتے ہیں، اس کی جمع ”الأدعیا“ ہے جو سورۃ (۳۳) الاحزاب کی آیت ۴ میں مذکور ہے اور اس کا مصدر ”الدّعوۃ“ ہے۔

اور ان کلمات کا مطلب حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واضح ہو جاتا ہے چنانچہ اس میں ہے: ”من انتسب الی غیر أبیه“۔ یعنی جو اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف منسوب کرے۔[343]

تو اس کا معنی ہے کہ اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا جیسا کہ امام محمد بن خلیفہ وشتانی أبي مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اور علامہ محمد بن محمد بن یوسف سنوی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں:

أیما رجل ادّعیٰ لغیر أبیه، أی أنتسب۔

یعنی جو آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرے۔[344]

---

343 (سنن ابن ماجة برقم ۲۶۰۹، ۳/۲۶۳)

344 (اکمال اکمال المعلم: کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه الخ برقم: ۱۱۲، (۶۱) ۱۱/۲۸۰)، (مکمل اکمال اکمال، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه الخ برقم: ۱۱۲، (۶۱) ۱۱/۲۸۰)

اور غیر کو اپنا باپ بنالینا جیسا کہ علامہ محمد امین ہروی شافعی نے لکھا ہے:

ادّعی انتسب لغیر أبیه و الده أی انتسب الیه و اتخذه أباً۔

یعنی "ادّعی" کا معنی ہے انتساب کیا، اس نے اپنے باپ اور والد کے غیر کی طرف یعنی اس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا اور اسے اپنا باپ بنالیا۔[345]

اور امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ:

أی انتسب الیه و اتخذه أباً۔

یعنی اس کی طرف منسوب اور اسے اپنا باپ بنالیا۔[346]

اور اس میں علم ہونا شرط ہے جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "وھو یعلم" اور "وھو یعلمه" سے ظاہر ہے اور حافظ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ٦٥ھ اور علامہ محمد امین ہرری لکھتے ہیں:

أی انتسب لغیر أبیه رغبةً عنه مع علمه به۔

یعنی اپنے باپ سے اعراض کرتے ہوئے اس کے غیر کی طرف اپنی نسبت کی اس علم کے باوجود کہ یہ اس کا باپ نہیں ہے۔[347]

صرف غیر باپ کی طرف نسبت کرنا ہی نہیں بلکہ اس میں اپنے خاندان و قوم کے سوا دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا بھی شامل ہے۔

---

345 (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ برقم: ١٢٤ (٢٠)، ٢/٥٠٦)

346 (شرح صحیح مسلم للهرری، ٢/٢٠٧)

347 (المفهم، کتاب الایمان باب اثم من کفر مسلماً، برقم ٥١، ١/٢٥٤)(شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ برقم: ١٢٤ (٢٠)، ٢/٥٠٦)

چنانچہ علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ طیبی متوفی ۷۴۳ھ اور ان سے ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قوله: "من ادّعی" الدّعوۃ بالکسر فی النّسب، وھو أن ینتسب الانسان الی غیر أبیه وعشیرته۔

یعنی، حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان "**من ادّعی**" **الدّعوۃ فی النسب** یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ اور کنبے کے غیر کی طرف منسوب کرے۔[348]

اور اس میں دو باتیں پائی جائیں گی کہ وہ اپنے آباء کی طرف اپنی نسبت کو چھوڑے اور اُس نسبت کا انکار کر دے اور ان کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے جیسا کہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۴۴ھ اور امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۷۶ھ "صحیح مسلم" کے ایک باب کے عنوان "**من رغب عن أبیه**" (جو اپنے باپ سے اعراض کرے) کے تحت لکھتے ہیں: **یرید ترک الانتساب الیه وجحده وانتسب سواہ یقال: رغبت عن الشیء ترکته وکرھته، ورغبت فیه أحببته وطلبته۔** یعنی وہ اس کی طرف (یعنی اپنے حقیقی باپ کی طرف) انتساب کے ترک اور اس کے انکار کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے سوا کی طرف منسوب ہوتا ہے عربی زبان میں کہا جاتا ہے "**رغبت عن الشیء**" یعنی میں نے اسے چھوڑ دیا اور اسے مکروہ جانا اور کہا جاتا ہے **رغبت فیه یعنی**، میں نے اسے محبوب رکھا اور اسے طلب کیا۔[349]

---

[348] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۲۳۹۶/۶) (مرقات، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، برقم: ۳۳۱۵، ۴۳۶/۶)

[349] (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه الخ، ۲-۴۵/۱)

اور علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو نہ اپنے آباء کی طرف اپنی نسبت کا انکار کرے اور نہ غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے بلکہ دوسرے لوگ اسے اس کے آباء کے غیر کی طرف منسوب کرتے ہوں اور وہ اس پر راضی ہو تو وہ شخص بھی اس حکم میں داخل ہو گا۔

جیسا کہ محشی صحاح ستّہ علامہ نور الدین ابو الحسن محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ لکھتے ہیں:

من ادّعی الی غیر أبیه أی رضی بأنه ینسبه النّاس الی غیر أبیه۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "جو شخص خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے یعنی وہ اس بات پر راضی ہو کہ لوگ اسے اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کریں۔[350]

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۲۵۵ھ، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عن عاصم قال سمعت أبا عثمان قال: سمعت سعداً و أبا بکرة، فقالا: سمعنا النّبیّ ﷺ یقول: من ادّعی الی غیر أبیه، و هو یعلم، فالجنّة علیه حرامٌ۔

یعنی عاصم سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابو عثمان رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعد اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہما سے سنا، دونوں نے فرمایا: "ہم نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا یہ باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے"۔[351]

---

[350](فتح الودود فی شرح سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب الرجل ینتمی الی غیر أبیه، برقم: ۵۱۱۳، ۴/۶۸۱)

[351] (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، برقم: ۴۳۲۶، ۴۳۲۷، ۳/۱۰۰) (سنن الدارمی، کتاب السیر، باب فی الذی ینتمی الی غیر موالیه، برقم: ۲۵۳۰، ۲/۱۹۶) (المسند: ۵/۴۶) (و نقله التبریزی فی مشکاته، کتاب النکاح، باب العان، الفصل الاول، برقم: ۳۳۱۴، ۲-۱/۶۰۸)

اور امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عن عثمان عن سعدٍ و أبی بکرۃ، کلاھما یقول: سمعتہ أذنای و وعاہ قلبی محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: من ادعی الی غیر أبیہ و ھو یعلم أنّہ غیر أبیہ، فالجنّۃ علیہ حرامٌ۔ و اللفظ لمسلم۔

یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد (بن ابی وقاص) اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہما سے بیان کیا دونوں نے فرمایا کہ اسے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا یہ باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے"۔[352]

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دوسری روایت میں ہے:

عن أبی عثمان، قال: لمّا ادّعی زیاد لقیت أبا بکرۃ فقلت لہ: ما ھٰذا الذی صنعتم؟ انّی سمعت سعد بن ابی وقاص یقول: سمع أذنای من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ھو یقول: من ادّعی أبا فی الاسلام غیر أبیہ یعلم أنّہ غیر أبیہ، فالجنّۃ علیہ حرامٌ، فقال أبو بکرۃ: و أنا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یعنی ابو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب زیاد کے بھائی ہونے کا دعویٰ کیا گیا تو میں نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ میں نے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کانوں سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا نسب اپنے باپ کے سوا کسی اور شخص سے

---

[352] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیہ و ھو یعلم، برقم: ۱۱۵/۱۳۲-(۶۳) ص ۵۹) (سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب من ادّعی الی غیر أبیہ الخ" برقم: ۲۶۱۰، ۲۶۳/۳، ۲۶۴) (المسند امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ۱۷۴/۱)

بیان کیا اس پر جنت حرام ہے، تو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا تھا۔[353]

جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب

نسب بدلنے والے، غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرنے والے کے لئے فرمایا گیا کہ اس پر جنت حرام ہے وہ جنت میں داخل نہ ہو گا، اب دیکھنا یہ ہے کہ جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب کیا ہے؟

علماء کرام نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں کہ اگر وہ نسب بدلنے کو حلال جان کر اس کا ارتکاب کرے گا تو جنت اُس پر حرام ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ جب کامیاب لوگ جنت میں جائیں گے اس وقت یہ لوگ جنھوں نے اپنے نسب بدلے تھے جنت میں نہیں جائیں گے۔

اور امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فيه تأويلان، أحدهما: أنه محمول على من فعله مستحلاً له، والثّاني: أن جزاءه أنها محرّمة أوّلاً عند دخول الفائزين وأهل السّلامة۔

یعنی پس اس میں دو تاویلیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ اس پر محمول ہے جو حلال جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے، اور دوسری یہ کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اولاً کامیاب اور اہل سلامۃ کے جنت میں دخول کے وقت اس کا ارتکاب مرتکب کو دخول جنت سے محروم کرنے والا ہے۔[354]

---

[353] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیہ وھو یعلم، برقم: ۱۳۱/۱۱۴-(۶۳)، ص۵۸)

[354] (شرح صحيح مسلم للنّووی رحمة الله تعالىٰ عليه ، كتاب الايمان، باب حال ايمان من رغب عن أبيه الخ، برقم: ۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲/۴۵)

امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی شافعی متوفی ۷۴۳ھ اور ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

أقول: معنی قوله: فالجنّة علیه حرام علی الأوّل ظاهر، وعلی الثّانی تغلیظ۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے فرمان کہ اس پر جنت حرام ہے کا معنی پہلی وجہ پر تو ظاہر ہے اور سدوسری وجہ تغلیظ (یعنی تشدید) ہے۔[355]

اور شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

این زجر و تشدید ست یا محمول بر استحلال ست یا مراد عدم دخول جنت ست با مقربان وسابقان۔

یعنی یہ زجر اور تشدید ہے، یا اُس شخص کے بارے میں جو اسے حلال جانے، یا مطلب یہ ہے کہ وہ مقربین وسابقین کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا[356]

اور علامہ ابوالحسن سندھی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قوله: فالجنّة علیه حرامٌ أی ان استحلّ ذلک، أو محمول علی الزّجر و التّغلیظ للتنفیر عنه۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان "اس پر جنت حرام ہے" یعنی اگر اسے حلال جانتا ہے تو اس پر جنت حرام ہے، یا یہ باپ سے نفرت کی وجہ سے زجر اور تغلیظ پر محمول ہے۔[357]

---

[355] (شرح الطیب، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل أول، ۳۹۶/۲)(مرقاۃ، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الاول، برقم ۳۳۱۵، ۴۳۶/۲)

[356] (أشعة اللمعاة، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الاول، ۱۷۷/۳، ۱۷۸)

[357] (حاشیة السندی علی الصحیح للبخاری، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه، ۲۲۶/۴)

اور ایک مسلمان جب اس قبیح فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسے حلال نہیں جانتا اس لئے کچھ علماء کرام نے اس حدیث شریف کا دوسرا مطلب ہی بیان کیا۔

جیسا کہ محشی صحاح ستّہ علامہ نور الدین محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۳۸ھ لکھتے ہیں:

وفیه "من ادّعی الی غیر أبیه فالجنة علیه حرامٌ" أی دخوله ابتدائً حرام أن جزاء عمله أن لا یدخل ابتداء۔

یعنی اور اس حدیث میں ہے "جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اس پر جنت حرام ہے" یعنی اس کا ابتداء دخول حرام ہے، بے شک اس کے عمل کی جزا یہ ہے کہ وہ ابتداء داخل نہ ہو۔[358]

اور لکھتے ہیں کہ:

أی لا یستحق أن یدخل فیها ابتداء۔

یعنی وہ اس کا مستحق نہیں کہ جنت میں ابتداء داخل ہو۔[359]

اور لکھتے ہیں:

أی لا یستحقه دخولها أوّلا۔

یعنی وہ اولاً جنت میں دخول کا مستحق نہیں ہے۔[360]

اور دوسری تاویل کے مطابق جب اوّلا نسب بدلنے والوں کو سزا کے طور پر دخولِ جنت سے روک دیا جائے گا پھر بعد میں انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی۔

358(حاشیة السندی علی الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف برقم: ۴۳۲۶، ۴۳۲۷، ۳/۱۱۴)

359(حاشیة السندی علی السنن لابن ماجة، برقم: ۲۶۱۰، ۳/۲۶۳)

360(فتح الودود شرح سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیه، برقم: ۴، ۵۱۱۳/۶۸۱، ۶۸۲)

چنانچہ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

ثم ان قد یجازی فیمنعھا عند دخولھم ثم یدخلھا بعد ذلک۔

یعنی پھر یہ سزا دی جائے کہ کامیاب لوگوں کے جنت میں داخلے کے وقت انہیں روک دیا جائے پھر بعد میں جنت میں داخل کیا جائے۔[361]

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے، ان سے مؤاخذہ ہی نہ فرمائے۔

چنانچہ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقد لا یجازی یعفو اللہ سبحانہ وتعالیٰ عنہ ومعنی حرام ممنوعۃ۔

یعنی اور یہ بھی ہو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے سزا نہ دے بلکہ اسے معاف فرمادے اور حدیث شریف میں مذکور لفظ "حرام" کا مطلب روکنا ہوگا۔[362]

اور علامہ ابوالحسن سندھی حنفی لکھتے ہیں:

وأما فضل اللہ واسع، فیمکن أنہ تعالیٰ بفضلہ یدخلہ ابتداءً لقولہ تعالیٰ إِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ أَنْ یُشْرَکَ بِہٖ (النساء ٤٨) الآیۃ۔

یعنی مگر اللہ تعالیٰ کا فضل واسع ہے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے ابتداءً جنت میں داخل فرمادے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ أَنْ یُشْرَکَ بِہٖ (النساء ٤٨)۔[363]

اور اس تاویل کے راجح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے کوئی شخص جنت سے محروم نہیں ہوتا۔

---

361 (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب حال ایمان، من رغب عن أبیہ الخ، برقم: ١١٢-(٦١)، ١/٢/٤٥)

362 (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب حال ایمان، من رغب عن أبیہ الخ، برقم: ١١٢-(٦١)، ١/٢/٤٥)

363 (حاشیۃ السّندی علی الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، برقم: ٤٣٢٦-٧، ٣/١١٥)

چنانچہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تأویله علی ماتقدم من أهل السنّة من أن الذّنوب لا تحرّم علی أحد الجنّة البتّة، بل ان شاء اللّٰہ تعالیٰ أخذ و عاقب و حرّمها للمذنب مدّة ثم یدخلها و ان شاء عفی، أو یکون تأویل الحدیث لفاعله مستحلّاً۔

یعنی اس کی تاویل وہی ہے جو اہلسنت کی طرف سے پہلے گزری یہ ہے کہ گناہ کسی پر جنت کو حرام نہیں کرتے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مواخذہ فرمائے، عذاب دے اور جنت گنہگار پر ایک مدّت کے لئے حرام فرمادے پھر اس میں داخل فرمائے اور اگر چاہے تو معاف فرمادے یا حدیث کی تاویل یہ ہے کہ یہ وعید حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنے والے کے لئے ہے۔[364]

جنت کی خوشبو نہیں پائے گا

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللّٰہ بن عمر قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: من ادّعی الیٰ غیر أبیه لم یرح رائحة الجنة، فانّ ریحها لیوجد مسیرة خمس مائة عام۔

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی دوری سے پائی جاتی ہے۔[365]

(بعض روایات میں سات سو سال بھی ذکر ہے لیکن محفوظ یہی ہے کہ پانچ سو سال ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم)

---

364 (اکمال المعلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه، الخ ۲/۳۱۹)

365 (سنن ابن ماجة، کتاب الحدود، باب: من ادّعی الی غیر ابیه، الخ برقم: ۲۶۱۱، ۳/۲۶۴)

خوشبو پانے سے مراد

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں ہے کہ "جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا" تو جنت کی خوشبو نہ پائے سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں شارحینِ حدیث کا کہنا ہے کہ یہ ابتداء جنت میں داخل نہ ہونے سے کنایہ ہے یا اس حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان اور اچھے اعمال کے بعد اللہ تعالیٰ کے کرم سے جنت میں چلا گیا تو بھی جنت کی خوشبو پانے سے محروم رہے گا، چنانچہ علامہ نور الدین محمد بن عبد الهادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ "لم یرح ریح الجنة" (جنت کی بو نہیں پائے گا) کے تحت لکھتے ہیں:

أی لم یشمّ ریحها، وهو کنایة عن عدم الدّخول فیها ابتداءً، بمعنی أنه لا یستحق ذلک، والمعنی لا یجد لها ریحاً وان دخلها۔

یعنی اس کا معنی ہے کہ جنت کی بو نہیں سونگھے گا اور یہ ابتداء جنت میں عدم دخول سے کنایہ ہے اس معنی میں ہے کہ وہ اس کا مستحق نہ ہو گا اور معنی یہ ہے کہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا اگرچہ اس میں داخل ہو جائے۔[366]

نسب بدلنے کو کفر فرمایا گیا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں کہ:

عن أبی ذرّ أنه سمع النّبیّ ﷺ یقول: "لیس من رجل ادّعیٰ لغیر أبیه، وهو یعلمه، الاّ کفر، ومن ادّعیٰ قوماً لیس له فیهم نسبٌ فلیتبوّ أمقعده من النار۔

ترجمہ: یعنی حضرت ابو ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بھی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسب کا دعویٰ کرے (یا کسی

---

[366] (حاشیة السّندی علی السّنن لابن ماجة، برقم: ۲۶۱۱، ۳/۲۶۴)

اور نسب کی طرف خود کو منسوب کرے) حالانکہ وہ جانتا ہے (یہ نسبت غیر کی طرف ہے) وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے کسی ایسی قوم کی طرف خود کو منسوب کیا جس میں اس کا نسب نہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔[367]

اورامام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ کی روایت اس طرح ہے کہ:

عن أبی ذر أنه سمع رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: لیس من رجل ادّعی لغیر أبیه وهو یعلمه، الا کفر، ومن ادّعی مالیس له فلیس منّا ولیتبوأ مقعده من النار۔

یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے حالانکہ وہ جانتا ہے، تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے لئے نہیں ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنا لے۔[368]

اور حدیث شریف میں "لیس من رجل" ہے اور اس میں "من" زائدہ ہے۔[369]

اور احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وارد حکم جس طرح مردوں کے لئے ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے چنانچہ امام شہاب الدین احمد قسطلانی شافعی اور علامہ محمد امین ہرری نے لکھا ہے کہ مردوں سے تعبیر کرنا بطور غلبہ کے جاری ہو ورنہ عورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔[370]

---

[367] (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل، برقم: ۳۵۰۸، ۲/۲۱۶)

[368] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه، برقم: ۱۲۹/۱۱۲-(۶۱)، ص ۵۸) ایضاً المسند: ۵/۱۶۶۔

[369] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۸/۱۹)

[370] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۸/۱۹) (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه وهو یعلم الخ، برقم: ۱۲۴ (۶۰)، ۲/۵۰۷، ۵۰۶)

”وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے“ کا مطلب

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے“۔ اس میں آخری جملہ ”جہنم ٹھکانہ بنالے“ ہے، اس سے مراد کیا ہے؟ تو اس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ جہنم کا مستحق ہے کہ اس نے اپنے کرتوت سے جہنم کو اپنے لئے واجب کر لیا۔

چنانچہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

وقوله: فليتبوّأ مقعده من النّار: أي استحق ذلك بقوله، واستوجبه لمعصية الاّ أن يعفوا عنه۔

یعنی اور حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ”چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے“ یعنی وہ اپنے قول سے اس کا مستحق ہے اور اس نے اپنی معصیت کے ذریعے اپنے لئے اسے واجب کر لیا مگر یہ کہ اسے معاف کر دیا جائے۔[371]

پھر یہ جملہ یا تو مرتکب کے خلاف دعا ہے یا یہ اس کے انجام کی خبر ہے پھر اگر وہ نسب بدلنے کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے بھی اسے حلال جانتا ہے تو جہنم اس کا ہمیشہ کے لئے ٹھکانہ ہے اور اگر حلال نہیں جانتا پھر یا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے معاف فرمادے اور اسے توبہ کی توفیق مرحمت فرمادے اور وہ گناہ اس سے ساقط ہو جائے ورنہ اسے مخصوص مدّت کے لئے بطور سزا جہنم میں رکھا جائے۔ چنانچہ علامہ محمد امین ہرری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا کہ:

هذا دعاء عليه أو خبر الأمر وهو أظهر القولين فيه، أي يكون مقعده ومنزله من النار مخلدا فيها ان استحلّ ذلك أو هذا جزائه ان جوزي على ذلك ان لم يستحلّ لأنه يجاز عليه ان لم يغفر له، وقد يعفى عنه وقد يوفق للتوبة فيسقط عنه ذلك۔

---

[371] (اكمال المعلم، كتاب الايمان، باب بيان حال ايمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، برقم: ۱۱۲، (۶۱)، ۱/۳۱۹)

یعنی اس مرتکب کے خلاف دعا ہے یا لفظِ امر کے ساتھ خبر ہے اور ان میں سے یہ قول اظہر القولین ہے یعنی اس کا ٹھکانہ اور منزل اگر اسے حلال جانتا ہے تو خلود فی النار ہے اور اگر اس گناہ کے ارتکاب پر سزا دیا گیا تو یہ اس کی سزا ہے اور اگر حلال نہیں جانتا کیونکہ اگر اسے نہ بخشا گیا تو وہ اس پر سزا دیا جائے گا اور کبھی بخش دیا جاتا ہے اور توبہ کی توفیق مرحمت کیا جاتا ہے تو اس سے وہ گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔[372]

''ہم میں سے نہیں'' کا مطلب

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں ہے کہ ''جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے لئے نہیں وہ ہم میں سے نہیں''۔ مستحلّ کے حق میں یہ کلمات اپنے ظاہر پر ہیں اور غیر مستحل کے لئے اس کا مطلب ہو گا کہ وہ حضور ﷺ کی ہدایت پر چلنے والا اور آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے والا نہیں یا یہ کہ وہ اہل دین کے طریقے پر نہیں ہے۔ چنانچہ امام قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

وقوله: لیس منّا علی ماتقدّم أی لیس مهتدیاً بهدینا ولا مسنّا بسنتنا۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ''وہ ہم میں سے نہیں'' کا مطلب بنابر اس کے جو پہلے گزرا ہے یہ کہ وہ ہماری ہدایت پر چلنے والا اور ہماری سنت پر عمل کرنے والا نہیں۔

اور حافظ ابو العباس احمد قرطبی متوفی ٦٥٦ھ لکھتے ہیں:

ظاهر التبرّی المطلق فیبقی علی ظاهره فی حقّ المستحلّ لذلک علی ما تقدم ویتأویل فی حقّ غیر المستحلّ بأنه لیس علی طریقة النبیّ ﷺ ولا علی طریقة أهل دینه، فان ذلک

[372](شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب بیان حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ، ۵۰۸/۲)

ظلم وطريقة أهل الدّين العدل، وترک الظّلم ويکون هذا کما قال: ليس منا من ضرب الخدود وشقّ الجيوب" ويقرب منه من لم يأخذ من شاربه فليس منّا۔

یعنی ظاہر مطلق تبری (یعنی برأت) ہے اور یہ فرمان حلال جاننے والے کے حق میں اپنے ظاہر پر ہے اور حلال نہ جاننے والے کے حق میں اس کی تاویل کی جائے گی، اس طرح کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے طریقہ پر نہیں ہے اور نہ ہی اہلِ دین کے طریقے پر ہے اور اہلِ دین کا طریقہ عدل ہے اور ترکِ ظُلم ہے اور یہ فرمانِ نبوی ﷺ ، حضور ﷺ کے اس فرمان کی طرح ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس نے رُخسار پیٹے اور گریبان چاک کئے وہ ہم سے نہیں، اس کے قریب حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ "جو اپنی مونچھوں سے نہ لے یعنی انہیں نہ تراشے وہ ہم سے نہیں"۔[373]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۶ھ، روایت کرتے ہیں کہ:

عن عراک بن مالک أنه سمع أبا هريرة يقول: انّ رسول الله ﷺ قال: لا ترغبوا عن آبائکم فمن رغب عن أبيه فهو کفر۔ واللفظ لمسلم ونقله التبريزي في "مشکاته" في کتاب النّکاح، باب اللعان الفصل الاول۔

[373] (رواه البخاري برقم: ۳۵۱۹، ومسلم: برقم: ۱۰۳) (رواه الترمذي برقم: ۲۷۶۲)

یعنی عراک بن مالک نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے آباء کے نسب سے اعراض نہ کرو (انکار نہ کرو) پس جس نے اپنے باپ کے نسب کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا"۔[374]

"اعراض نہ کرو" کا مطلب

حدیثِ ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ "اپنے آباء کے نسب سے اعراض نہ کرو" اس سے مراد ہے کہ اپنے نسب کو اپنے آباء کے غیر کی طرف نہ پھیرو اور یہ زمانۂ جاہلیت کے کافروں کی عادات سے ہے، اسلام میں جب اس سے منع کر دیا گیا تو مرتکب کے لئے وعیدیں وارد ہوئیں۔

چنانچہ شارح صحیح البخاری حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

انما المراد به من تحوّل عن نسبت لأبيه الى غير أبيه عامداً مختاراً، وكانوا في الجاهلية لايستنكرون أن يتبنّى الرّجل ولد غيره ويصير الولد وينسب الى الذى تبنّاه حتى نزل قوله تعالىٰ {أُدْعُوْهُمْ لأَبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ} وقوله سبحانه تعالىٰ {وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآئَكُمْ أَبْنَآئَكُمْ} فنسب كلّ واحدٍ الى أبيه الحقيقي، وترك الانتساب الى من تبنّاه۔

یعنی اس سے مراد صرف یہ ہے کہ جو شخص اپنے باپ کی طرف نسبت کو اپنے اختیار کے ساتھ عمداً غیر باپ کی طرف پھیر دے (تو وہ اس وعید کا مستحق ہے جو اس حدیث شریف میں مذکور ہے) اور زمانۂ جاہلیت میں لوگوں میں یہ معیوب نہ تھا کہ وہ غیر کے بیٹے کو متبنّٰی بنالیں اور وہ اس (متبنّٰی بنانے والے) کا بیٹا ہو جائے اور اُسی کی طرف منسوب ہو کہ جس نے اسے متبنّٰی بنایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا "انہیں ان کے باپوں کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے" اور اللہ

[374](صحيح البخاری، كتاب الفرائض باب من ادّعى الى غير أبيه برقم: ٦٧٦٨، ٢٧٣/٤) (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان حال ايمان من رغب عن أبيه الخ، برقم: ١١٣/١٣٠-(٦٢)، ص ٥٨) (المسند، ٥٢٦/٢) (برقم: ٣٣١٥، ٢-٦٠٨/١))

تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا کہ "یہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا" تو ہر ایک اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر دیا گیا اور متبنّٰی بنانے والے کی جانب انتساب کو ترک کر دیا گیا۔[375]

اور شیخ محقق شیخ عبد الحق محدّث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

اعـــراض نکنید از پدرانِ خود بتـــرکـــــ نسبتـــ بایشان، کسی کہ اعـــراض کـنـد از پدر خود و ترکــــ کـنـد نسبتـــ خود را بوے پـــس تحقیق کُفرانِ نعمتـــ کردو چـــہ نعمتـــ کہ اصـــل ہمـــہ نعمتہاست۔

یعنی اپنے آباء سے اعراض نہ کرو ان کی طرف اپنی نسبت کو ترک کر کے، جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا اور اپنی اسکی طرف نسبت کو ترک کیا پس تحقیق اس نے کفرانِ نعمت کیا، اس نعمت کا جو تمام نعمتوں کی اصل ہے۔[376]

حضرت ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ:

عن عمرو بن شعیب عن أبیه، عن جدّه قال: "کفر" بامرئٍ ادّعاءُ نسبٍ لا یعرفه أو جحده وان دقّ۔

[375](فتح الباری، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه، برقم: ۶۷۶۸، ۱۲-۱۱/۶۳)

[376](أشعة اللمعات، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۳/۱۷۸)

یعنی عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا ایسے نسب کی طرف انتساب کہ جسے وہ نہیں پہچانتا (یا وہ معروف نہیں) یا (اس کا اپنے) نسب کا انکار کرنا اگرچہ وہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو کفر ہے۔[377]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی اس روایت کو امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اپنی "مسند" میں ان الفاظ سے روایت کیا:

عن عمرو بن شعیب عن أبیہ، عن جدّہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: کُفرٌ تَبَرّؤٌ من نسب وان دقّ أو ادّعاہ الیٰ نسب لا یعرف۔[378]

اور امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ "**معجم اوسط**" میں اور معجم صغیر میں ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا:

کفرٌ بامریءٍ ادّعاہ (وفی الصغیر ادّعا) الیٰ نسب لا یعرف و جحدہ وان دقّ۔[379]

اور حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی متوفی ۳۶۵ھ نے "**الکامل**" میں ان الفاظ کے ساتھ مرفوعا روایت کیا:

کفر من ادّعی الیٰ نسب لا یعرف، أو جحدہ وان دقّ۔[380]

---

[377] (سنن ابن ماجہ کتاب الفرائض، باب من أنکر ولدہ برقم: ۲۷۴۴، ۳/۳۳۷ وقال محققہ اسنادہ صحیح)
[378] (المسند: ۲/۲۱۵)
[379] (المعجم الأوسط، من اسمہ محمود، برقم: ۹۱۹۷، ۲/۳۹، ۴۰) (المعجم الصغیر، من اسمہ محمود، ۲/۱۰۸)
[380] (الکامل لابن عدی، عمر بن شعیب (برقم: ۱۲۸۱/۳۱۴)، ۶/۲۰۴)

اور علامہ نور الدین ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے ''مجمع البحرین'' میں اور ''مجمع الزوائد'' میں اسے نقل کیا ہے۔[381]

کافر ہونے کا مطلب

حدیث شریف میں نسب بدلنے، غیر آباء کی طرف انتساب کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے، اس میں بھی دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ نسب بدلنا جس سے قرآن میں ممانعت اور حدیث شریف میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئیں اسے اگر حلال جانتا ہو تو کافر ہو جائے گا، دوسری یہ کہ اگر حلال نہیں جانتا تو مراد وہ کفر نہیں ہو گا جو اسے ملّتِ اسلام سے خارج کر دے بلکہ کفرانِ نعمت مراد ہے یا عملِ کفار کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس پر کفر کا لفظ بولا گیا۔

چنانچہ امام ابو زکریا نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں جیسا کہ علامہ محمد امین ہرری نے ان سے نقل کیا کہ:

قال النووی: فیه تأویلات أحدهما: أنه فی حق المستحلّ، والثانی: أنه کفر النّعمة والاحسان وحق الله وحق أبیه، ولیس المراد الکفر الذی یخرجه عن ملّة الاسلام وهذا کقوله ''یکفرن'' ثم فسّره بکفرانهنّ الاحسان وکفران العشیر۔

یعنی امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں تاویلیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ وعید حلال جاننے والے کے حق میں ہے اور دوسری یہ کہ یہ نعمت، احسان، اللہ تعالیٰ کے حق اور اپنے باپ کے حق کی ناشکری ہے اور وہ کفر مراد نہیں ہے جو مرتکب کو ملّتِ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور حضور

[381](مجمع البحرین، کتاب الایمان، باب فی الکبائر، برقم: ۱۳۴، ۸۵/۱)

صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "**یکفرن**" کی مثل ہے، پھر اس کی تفسیر عورتوں کی طرف سے احسان کی ناشکری اور ان کی اپنے شوہروں کی ناشکری کے ساتھ کی ہے۔[382]

اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف نسبت یا تو قذف (یعنی تہمت زنا) ہے یا کذب (یعنی جھوٹ) ہے یا والدین کی نافرمانی علماء کرام نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز بھی کفر نہیں ہے، لہٰذا ظاہر حدیث کو حلال جاننے پر محمول کیا جائے گا۔

اور امام محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ محمد بن محمد بن یوسف سنوی حسنی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں تاویل کی ضرورت ہے:

لأن انتسابه لغير أبيه قذف أو كذب، أو عقوق، ولا شيء من ذلک بکفر فيحمل أيضاً على المستحلّ، أو أنه أراد کفر النعمة أی حجد حق أبيه، أو أنه أطلق الکفر مجازاً لشبهه بفعل أهل الکفر لأنهم کانوا يفعلونه فی الجاهلية۔

یعنی کیونکہ غیر باپ کی طرف انتساب تہمت ہے یا جھوٹ ہے یا نافرمانی ہے اور ان میں سے کوئی چیز کفر نہیں تو اسے بھی (غیر آباء کی طرف انتساب کو) حلال جاننے والے پر محمول کیا جائے گا، یا یہ کہ حدیث شریف میں اس سے کفرانِ نعمت یعنی اپنے حقیقی باپ کے حق کے انکار کا ارادہ کیا گیا یا یہ کہ اس عمل کی اہلِ کفر کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مجازاً اس پر کفر کا اطلاق کیا کیونکہ وہ جاہلیت میں ایسا کرتے تھے۔[383]

---

[382] (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان، من انتسب لغیر أبیه الخ، برقم: ۲-۱۲۴/۵۰۷)

[383] (اکمال اکمال المعلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه وهو یعلم، برقم: ۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲۸۱، ۲۸۰)(مکمل اکمال الاکمال، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه وهو یعلم، برقم: ۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲۸۰)

علامہ محمد امین ہرری نے لکھا کہ:

ذلک المنتسب کفراً حقیقیاً یخرجه عن الملّة ان استحل ذلک الانتساب، لأنه ما هو معلوم حرمته من الدّین ضرورة، و الا کفر کفراً بمعنی کفران نعمة الأبوّة أی جحد حق أبیه، لأن انتسابه لغیر أبیه اما قذف، أو کذب، أو عقوق و لا شیء من ذلک کفرٌ، قال القرطبی: أو أنه أطلق الکفر مجازاً لشبهه بفعل أهل الکفر لأنهم کانوا یفعلونه بالجاهلیة، و عبارته هنا۔

یعنی اگر وہ غیر باپ کی طرف انتساب کو حلال جانتا ہے تو وہ منتسب حقیقی کفر کا مرتکب ہو جائے گا جو اسے ملتِ اسلامیہ سے نکال دے گا کیونکہ یہ وہ ہے کہ جس کی حرمت کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہے ورنہ (یعنی اگر وہ اسے حلال نہیں جانتا تو) یہ کفر بمعنی کفرانِ نعمت ابوۃ ہے یعنی اس نے اپنے باپ کے حق کا انکار کیا، اس کی ناشکری کی اس لئے کہ اس کا اپنے باپ کے غیر کی طرف انتساب یا تو قذف (تہمت) ہے یا جھوٹ ہے یا عقوق (نافرمانی) ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی کفر نہیں ہے، امام قرطبی نے فرمایا کہ یا یہ ہے کہ اہل کفر کے فعل کی مشابہت کی وجہ سے اس پر کفر کا لفظ بولا گیا کیونکہ وہ زمانۂ جاہلیت میں اس طرح کیا کرتے تھے۔[384]

اور علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے غیر آباء کی طرف انتساب کرنے والا اگر اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے تو اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہو گا۔

چنانچہ امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی شافعی متوفی ۷۴۳ھ اور ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

فمن اعتقد اباحته کفر لمخالفة الاجماع، [و من لم یعتقد اباحته ففی] فمعنی کفره و جهان، أحدهما: أنه قد أشبه فعله فعل الکفّار، و الثّانی: أنه کافر نعمة الاسلام۔

---

[384] (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب بیان حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ)

یعنی پس جس نے اس (یعنی نسب بدلنے) کے مباح ہونے کا اعتقاد کیا وہ اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہوا اور جو اس کی اباحت کا اعتقاد نہ رکھے تو اس کے مرتکب کے کفر کے معنی میں دو وجہیں ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ اس (نسب بدلنے والے) نے اپنا فعل کافروں کے فعل کے مشابہ کر دیا اور دوسرا یہ کہ وہ نعمتِ اسلام کی ناشکری کرنے والا ہے۔[385]

شیخ الحدیث غلام رسول رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ انسان گُناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا اور حدیث میں اپنے والد کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ موؤل ہے، تاویل یہ ہے کہ جو کوئی اپنے والد کے غیر کی طرف اپنی نسبت کو حلال اور جائز سمجھے وہ کافر ہے یا مراد کفرانِ نعمت ہے، یا یہ مراد ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حق اور اپنے والد کے حق کا انکار کر دیا یا زجر و تہدید کے لئے فرمایا، حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو کوئی اپنی نسبت غیر کی طرف کرے یا اپنے آپ کو غیر خاندان میں شمار کرے اور اس کو جائز سمجھے وہ شخص کافر ہے اس زمانہ میں دیکھنے میں آیا ہے بعض سادات کی طرف اپنی نسبت کر لیتے ہیں تا کہ عوام کی نگاہوں میں محترم ہوں وہ اس حدیث کے مصداق ہیں۔[386]

اور حافظ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ٦٥٦ھ لکھتے ہیں:

فمن فعل ذلک مستحلا فهو کافر حقیقة تبقی الحدیث علی ظاهره، أما ان کان غیر مستحل فیکون الکفر الذی فی الحدیث محمولا علی کفران النعم و الحقوق فانه قابل

[385] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ٦/٣٩٦) (مرقاة، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الاول برقم: ٣٣١٥، ٦/٤٣٦)

[386] (تفهیم البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ٣٢٨١، ٥/٣٨٣، ٣٨٤)

الاحسان بالاساء ة ومن كان كذا صدق عليه اسم الكافر, ويحتمل أن يقال: أطلق على ذلک, لأنه تشبه بالكفار أهل الجاهلية أهل الكبر و الأنفة فانهم كانو ايفعلو نه ذلک۔

یعنی پس جس نے اسے (یعنی نسب بدلنے کو) حلال جانتے ہوئے ایسا کیا تو وہ حقیقۃً کافر ہو جائے گا، (اس صورت میں) حدیث شریف اپنے ظاہر پر باقی رہے گی، اگر حلال نہیں جانتا تو جس کفر کا حدیث شریف میں ذکر ہے وہ کفرانِ نعم اور کفرانِ حقوق پر محمول ہو گا کیونکہ اس نے احسان کے مقابلے میں اساءت کی اور جو ایسا ہو اس پر کفر کا اسم صادق آئے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے اس پر یہ لفظ بولا جائے گا کیونکہ اس نے اہل جاہلیت، اہل کبر کفار کے ساتھ مشابہت کی، بے شک وہ ایسا کیا کرتے تھے۔[387]

وان ثبت ذلک فالمراد من استحلّ مع علمه بالتّحريم وعلى الرّواية المشهورة فالمراد كفر النعمة، وظاهر اللفظ غير مرادٍ، وانما ورد على سبيل التّغليظ و الزّجر لفاعل ذلک، أو المراد باطلاق الكفر أن فاعله فعل فعلاً شبيها بفعل أهل الكفر۔

یعنی اگر وہ ثابت ہو تو مراد وہ شخص ہو گا جو اس فعل کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے اسے حلال جانتا ہے اور روایت مشہور کی بنا پر مراد کفرانِ نعمت ہے اور ظاہر لفظ مراد نہیں ہے اور یہ صرف اس حرام فعل کے مرتکب کے لئے تغلیظ وزجر کے طور پر وارد ہوا ہے یا یہ کہ اطلاقِ کفر سے مراد ہے کہ اس کے فاعل نے ایسا عمل کیا ہے جو اہل کفر کے عمل کے مشابہ ہے۔[388]

اور حافظ شہاب الدین احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

وعلى ثبوتها مؤوّلة بالمستحلّ لذلک مع علمه التّحريم، أو ورد على سبيل التّغليظ والزّجر لفاعله۔

---

[387](المفهم، كتاب الايمان، باب اثم من كفر مسلماً، برقم: ۵۱، ۱/۲۵۴)

[388](فتح البارى، كتاب المناقب، باب بعد باب نسبة اليمن الى اسماعيل عليه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۸/۶/۶۷۰)

یعنی اس کے ثبوت کی بنا پر یہ نسب بدلنے کے حرام ہونے کا علم رکھنے کے باوجود اسے حلال جاننے والے کے ساتھ مؤوّل ہے یا یہ فاعل کے لئے بطور تغلیظ وزجر کے وارد ہوا ہے۔[389]

اور علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان کورانی شافعی ثم حنفی متوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

وهو يعلمه الا كفر ان اعتقد ذلك, أو كفر بنعمة الله أو ذلك الفعل من أخلاق الكفّار۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "وهو يعلم الا كفر" کا مطلب ہے کہ اگر اس (کے حلال ہونے) کا اعتقاد رکھتا ہے یا یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی یا یہ کہ یہ فعل (یعنی نسب بدلنا، غیر باپ کی طرف نسب) کُفّار کے اخلاق سے ہے۔[390]

غیر مستحلّ کے حق میں اس کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ یہ عمل کفر تک پہنچانے والا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی لکھتے ہیں:

والكفر فيه بمعنى أن ذلك يؤدي اليه, أو استحل, أو كفر النّعمة۔

یعنی اس میں کفر اس معنی میں ہے کہ وہ (عمل) کفر تک پہنچانے والا ہے، اسے حلال جانتا ہے (تو کافر ہے) یا اس نے کفرانِ نعمت کیا۔[391]

نسب بدلنے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر فرمایا گیا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے "معجم الاوسط" میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے:

عن أبي بكر يقول: قال رسول الله ﷺ: كفر بالله: ادّعاء نسب لا يعرف، وكفرٌ بالله تبرّئٌ من نسبٍ وان دقّ۔

---

[389] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم ۳۵۰۸، ۱۹۸)

[390] (الکوثر الجاری الی ریاض أحادیث البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۶/۳۵۳)

[391] (الزواجر عن اقتراف الکبائر، برقم: ۲۹۳، ۲/۱۰۰)

یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے ایسے نسب کی طرف نسبت کرنا جو معروف نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے نسب سے برأت اگرچہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو۔[392]

اور ان الفاظ سے کہ:

عن أبی بکر الصّدیق قال: قال رسول اللہ ﷺ: من ادّعی نسباً لا یعرف کفر باللہ و انتفاء من نسب و ان دقّ کفر باللہ۔

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایسے نسب کی طرف نسبت کی جو معروف نہیں اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور نسب سے نفی اگرچہ (یعنی حقیر) ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔[393]

اسی طرح امام طبرانی نے ''**الدعاء**'' میں روایت کیا۔[394]

اور حافظ بزار نے اپنی مسند میں اور امام حافظ نور الدین ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے ''**کشف الاستار**'' میں ان الفاظ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

کفر باللہ تبرّیئٌ من نسب و ان دقّ۔[395]

اور حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ نے اپنی ''سنن'' میں، حافظ، ابو الحسن علی ابن الجعد متوفی ۲۳۰ھ نے اپنی ''**مسند**'' میں ان الفاظ سے موقوفاً روایت کیا ہے:

---

[392] (المعجم الأوسط، من اسمہ ابراھیم، برقم: ۲۸۱۸، ۲/۴۴)

[393] (المعجم الأوسط، من اسمہ معاذ، برقم: ۸۵۷۵، ۶/۲۲۱)

[394] (کتاب الدّعاء، ذکر من لعنہ الرسول ﷺ، برقم: ۲۱۴۳، ص ۵۸۷)

[395] (البحر الزّخار، برقم: ۷۰، ۱/۱۳۹) (کشف الأستار، کتاب الایمان، باب من تبرّأ من نسبہ، برقم: ۱۰۴، ۱/۷۰)

کفر باللہ ادّعاءٌ الیٰ نسبٍ لا یعرف، و کفرٌ باللہ تبرّیءٌ من نسبٍ و ان دقّ۔

یعنی غیر معروف نسب کی طرف نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اور نسب سے برأت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اگرچہ وہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو۔[396]

اور امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے "المصنف" میں ان الفاظ سے موقوفاً روایت کیا:

قال أبو بکر: کفر من ادّعی نسباً لا یعلم و تبرأ من نسبٍ و ان دق۔[397]

حدیث ابی بکر رضی اللہ عنہ کی اکثر روایات میں "کفر باللہ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے) اور "کفر باللہ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا) مذکور ہے، اسی طرح حدیث أبي ذرّ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں "الا کفر باللہ" یعنی جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ نسبت غیر کی جانب ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا" آیا ہے، یہ حدیث ابی بکر اور حدیث أبي ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت اگر اسی طرح ہو تو غیر مستحل کے حق میں اس کی تاویل میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس کے نطفہ سے پیدا کیا تھا اس شخص نے اس کا انکار کر کے کہا کہ مجھے اس کے نہیں فلاں کے نفطہ سے پیدا کیا گیا ہے گویا اس نے اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا اور مستحل کے حق میں تاویل کی حاجت نہیں ہے جیسا کہ ہماری ذکر کردہ دیگر عبارات سے ظاہر ہے اور اس جواب کے قریب حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی بعض شرّاحِ حدیث سے نقل کردہ یہ تاویل ہے، فرماتے ہیں:

---

[396] (سنن الدّارمی، کتاب الفرائض، باب ن ادّعی الی غیر أبیه، برقم: ۲۸۶۱، ۲/۲۷۰) (مسند ابن الجعد، بقية حديث الأعمش، برقم: ۳۶۹۱، ص ۳۹۴)

[397] (المصنّف لابن أبی شیبه، کتاب الأدب، باب مایکره الرّجل أن ینتمی الیه الخ، برقم: ۲۶۶۳۳، ۱۳/۳۳۱، ۳۳۰)

قال بعض الشّرّاح: سبب اطلاق الکفر هنا أنه کذب علی اللہ کأنه یقول: خلقنی اللہ من ماء فلان، ولیس کذلک لأنه انما خلقه من غیره۔

یعنی بعض شراح نے فرمایا کہ یہاں اطلاقِ کفر کا سبب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا، گویا کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں کے پانی (یعنی نطفہ) سے پیدا کیا حالانکہ ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے تو اسے (جس کے پانی سے پیدا ہونے کا اس نے دعویٰ کیا ہے) اس کے غیر (کے پانی) سے پیدا کیا ہے۔[398]

اور حدیثِ أبی ذر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب اس صورت میں ہے جب یہ اضافہ ثابت ہو اور یہ اضافہ امام بخاری اور امام مسلم کی روایات میں نہیں ہے اس لئے علماء کرام نے لکھا کہ اس اضافہ کا حذف ہی مناسب ہے چنانچہ علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی لکھتے ہیں:

ولیست هذه الزّیادة فی غیر روایته ولا فی روایة مسلم ولا اسماعیلی فحذفها أوجه لما لا یخفی۔

یعنی یہ اضافہ اس روایت کے غیر میں نہیں ہے نہ مسلم کی روایت میں ہے اور نہ اسماعیلی کی روایت میں ہے لہٰذا اس کا حذف اوجہ ہے اس لئے کہ اس کے حذف کا اوجہ ہونا مخفی نہیں ہے۔[399]

اور حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اکثر روایات میں یہ اضافہ مذکور ہے جب کہ بعض میں سے نہیں ہے اگر یہ اضافہ ثابت ہو اس کا وہی جواب ہو گا جو حدیث أبی ذرّ رضی اللہ عنہ کے ضمن میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیا۔

---

[398] (فتح الباری، شرح صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادّعی الی غیر أبیه، برقم: ٦٧٦٨، ٦٣/١٢/١٥)

[399] (ارشاد الساری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر أبیه، برقم: ٦٧٦٨، ١٩/٨)

اور علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ کفر کا لغوی معنی ہے کہ کسی شیء کو ڈھانپا تو کفر باللہ کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ عزّ وجلّ نے اسے جس کا بیٹا بنایا اس نے اس میں اللہ عزوجل کے حق کو ڈھانپ دیا۔

چنانچہ شارح صحیح بخاری علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

فان قیل: فتقول للرّاغب فی الانتماء الی غیر أبیه و موالیه کافر بالله کما روی عن أبی بکر الصّدیق أنه قال: کفر ابالله ادعاء نسب لا یعرف، و روی عن عمر بن الخطاب أنه قال: کان مما یقرء فی القراٰن: "لا ترغبوا اباء کم فانه کفر بکم" قیل: لیس معناه الکفر الذی یستحق علیه التخلید فی النار، و انما هو کفر لحقّ أبیه و لحقّ موالیه، کقوله فی النّساء: "یکفرن العشیر" و الکفر فی لغة العرب: التعظیة للشیء و الستر له، فکأنه تغطیة منه علی حقّ اللہ عزّ و جلّ فیمن جعله و لداً، لا أن من فعل ذلک کافراً بالله حلال الدّم۔

یعنی پس اگر کہا جائے کہ تم غیر باپ اور غیر مالک کی طرف انتساب میں رغبت رکھنے والے کو کہتے ہو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا جس نے غیر معروف نسب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا" اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "قرآن کریم میں جو پڑھا گیا ہے اس میں یہ تھا کہ "اپنے آباء سے اعراض نہ کرو پس یہ کفر ہے" تو جواب میں کہا جائے گا کہ اس کا معنی وہ کفر نہیں ہے کہ جس میں بندہ خلود فی النار کا مستحق ہوتا ہے، اور کفر صرف باپ کے حق اور مالکوں کے حق کی وجہ سے ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا عورتوں کے بارے میں فرمان ہے "یکفرن العشیر" (یعنی اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں) اور لغتِ عرب میں کفر کا معنی ہے کسی شیء کو

ڈھانپنا اور اسے چھپانا، تو گویا اللہ تعالیٰ نے اسے جس کا بیٹا بنایا اس نے اس میں اللہ عزّوجلّ کے حق کو ڈھانپ دیا، یہ نہیں کہ جو اس کا ارتکاب کرے گا وہ کفر باللہ کا مرتکب، حلال الدّم ہو جائے گا"۔[400]

نسب بدلنے والے پر لعنت فرمائی گئی

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

عن أنس بن مالک، قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من ادّعی الی غیر أبیه، أو انتمی الی غیر موالیه، فعلیه لعنة اللہ المتتابعة الیٰ یوم القیامة۔

یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا یا اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی قیامت تک لعنت ہے"۔[401]

امام ابو عیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

عن أبی أمامة الباهلی قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فی خطبة حجّة الوداع: ومن ادّعی الیٰ غیر أبیه، أو انتمی الیٰ غیر موالیه، فعلیه لعنة اللہ التابعة الیٰ یوم القیامة الحدیث۔

یعنی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا یا (جس غلام نے) اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا تو اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے"۔[402]

---

[400] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه الخ" ۳۸۴/۸)

[401] (سنن أبی داؤد کتاب الأدب، باب فی الرّجل ینتمی الی غیر موالیه، برقم: ۵۱۱۵، ۲۱۳/۵)

[402] (سنن الترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء "لاوصیة لوارث" برقم: ۲۱۲۰، ۱۷۸/۳، ۱۷۹)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابراهيم التيمي عن أبيه قال: خطبنا عليٌ بن أبي طالبٌ فقال من زعم أنّ عندنا شيئاً نقرؤة الا كتاب الله وهٰذه الصحيفة۔ قال: وصحيفة معلّقة في قراب سيفه فقد كذب فيها اسنان الابل وأشياء من الجراحات، وفيها قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم "ومن ادّعیٰ الی غير أبيه أو انتمیٰ الیٰ غير مواليه، فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين، لا يقبل الله منه يوم القيامة فرضاً ولا عدلاً۔" واللفظ لمسلم۔

یعنی ابراہیم تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا حالانکہ ان کی نیام کے ساتھ ایک صحیفہ لٹکا ہوا تھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ (قرآن) اور صحیفہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، وہ جھوٹا ہے، اس صحیفہ میں تو اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے اور کچھ زخموں کی دیت کا بیان ہے اور اس میں یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اور جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو اپنے مالک کے غیر کی طرف منسوب کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی، سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول نہ فرمائے گا اور نہ نفل"۔[403]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں کہ

---

[403] (سنن الترمذی، کتاب الولاء والهبة، باب ماجاء فيمن تولّی غير مواليه الخ، برقم: ۲۱۲۷، ۱۸۳/۳، ۱۸۴) (المسند، ۸۱/۱)

عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ: من انتسب الی غیر أبیه، أو تولی غیر موالیه، فعلیه لعنة اللہ و الملائکة و الناس أجمعین۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا نسب اپنے باپ کے غیر سے بیان کیا یا (جس غلام نے) اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا اس پر اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔[404]

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ اور حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن خارجة قال: کنت تحت ناقة النبی ﷺ فسمعته یقول: من ادّعی الیٰ غیر أبیه أو انتمی الیٰ غیر موالیه رغبة عنهم فعلیه لعنة اللہ و الملائکة و الناس أجمعین۔ و اللفظ للدارمی و زاد الطبرانی: لا یقبل منه صرف و لا عدل۔

یعنی حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی اونٹنی کے نیچے تھا تو آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرے یا اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا ان سے اعراض کرتے ہوئے تو اس پر اللہ تعالیٰ، سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے"۔[405]

لعنت سے مراد

---

[404] (سنن ابن ماجه، کتاب الحدود، باب: من ادّعی الی غیر أبیه الخ، برقم: ۲۶۰۹، ۳/۲۶۳)

[405] (سنن الترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء لا وصیة لوارث، برقم: ۲۱۲۱، ۳/۱۷۹، ۱۸۰) (سنن الدّارمی، کتاب السّیر، باب فی الذی ینتمی الی غیر موالیه، برقم: ۲۵۲۹، ۲/۱۹۶) (المعجم الکبیر، برقم: ۶۰ تا ۱۷، ۱۷-۱۵/۳۲ تا ۳۶)

حدیث شریف میں نسب بدلنے والے کے لئے لعنت مذکور ہے، یہ لعنت اس پر ہے جو اپنے آباء سے بیزاری ظاہر کرے اور اپنے آباء کے غیر کے نسب کا دعویٰ کرے جیسے غیر سیّد ہو کر سیّد ہونے کا دعویٰ کرے چنانچہ شارح صحیح البخاری علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

وانما لعن النبی علیه السلام المتبرئ من أبیه والمدّعی غیر نسبه فیمن فعل ذلک فقد رکب من الاثم عظیماً وتحمل من الوزر جسیماً، وکذلک المنتمی الی غیر موالیه۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ نے صرف اس پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے حقیقی باپ سے برأت ظاہر کرے اور حقیقی باپ کے غیر کے نسب کا مدّعی ہو، جس نے اس طرح کیا تو اس نے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا اور (گناہ کا) بڑا بوجھ اٹھالیا، اسی طرح وہ غلام جو اپنے مالک کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے۔[406]

اور لعنت کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جب اپنے مولیٰ کی نعمت کی قدر نہیں کرتا، اس کی نعمتوں کی ناشکری پر اتر آتا ہے تو ظالم قرار پاتا ہے اور ظالموں پر قرآن کریم میں لعنت مذکور ہے، چنانچہ حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اذا کفر نعمة مولاہ فقد صار ظالماً، وقد قال اللہ تعالیٰ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ (ھود۱۸)

یعنی جب وہ اپنے مولیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے تو وہ ظالم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے)۔[407]

---

[406] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه الخ، ۸/۳۸۳)

[407] (عارضة الأحوذی، کتاب الولاء، باب ماجاء فیمن تولی غیر موالیه، ۴، ۲۱۲۷/۸/۲۱۹)

اور لعنت کا معنی دھتکارنا اور دور کرنا ہے، احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں نسب بدلنے والے کے لئے قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت متابعہ مذکور ہے تو لعنت جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گی تو معنی ہو گا کہ وہ اس بندے کو رحمت سے دور فرما دیتا ہے، اور اسی طرح فرشتوں اور انسانوں کی لعنت بھی مذکور ہے، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت میں دو احتمال ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ اس شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جیسا کہ ظاہر حدیث میں ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ فرشتے چونکہ اہلِ ایمان کے لئے استغفار کرتے ہیں، بندہ جب اس جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اس پر نادم و پشیمان ہو کر توبہ نہیں کرتا تو وہ فرشتے اس کے لئے استغفار ترک کر دیتے ہیں اور اسی طرح انسانوں کی لعنت میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ انسان اس کام کو قبیح گردانتے ہوئے مرتکب کو چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابو بکر ابن العربی لکھتے ہیں:

واللعنة هی الطرد، فیکون المراد کما تقدم فی وقت أو حالٍ أو شخصٍ أو علی صفةٍ، وأما لعنة الملائکة فانهم کانوا یستغفرون له، فقطعهم الاستغفار ابعاد له عنهم، ویجوز أن یحمل علی ظاهره فیلعنونه، وأما لعنة الناس فهجرانهم،أو اطلاق اللعن له علی ظاهر الحدیث۔

یعنی اور لعنت دور کرنا ہے، دھتکارنا ہے جیسا کہ پہلے گزرا مراد ہو گی کسی وقت یا کسی حال میں یا کسی صفت پر (دور کرنا یا دھتکارنا) اور ملائکہ کی لعنت یہ ہے کہ وہ اس کے لئے استغفار کرتے ہیں تو فرشتے اس شخص کی (اس ممنوع فعل کے ارتکاب کے ذریعے) ان سے دوری کے سبب اس کے لئے استغفار قطع کر دیتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اس لعنت کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے کہا جائے کہ وہ

اس پر لعنت بھیجتے ہیں، اور لوگوں کی لعنت اُن کا اس شخص کو چھوڑنا ہے یا ظاہر حدیث کی بنا پر اس کے لئے لعنت کا اطلاق (یعنی لوگ اُن پر لعنت کرتے ہیں)۔[408]

نسب بدلنے والے پر اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے روایت کیا کہ:

عن سهل بن معاذ عن أبيه عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أنّه قال: انّ للّٰه تبارک و تعالیٰ عباداً لا یکلّمهم اللّٰه یوم القیامة، ولا یزکّیهم ولا ینظر الیهم۔" قیل: من أولٰئک یا رسول اللّٰه؟ قال: متبر من والدیه، راغبٌ عنهما، ومتبر من ولده، ورجل أنعم علیه قومٌ فکفر نعمتهم وتبرّا منهم۔

یعنی سہل بن معاذ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ انہیں پاک فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا۔" عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا: "اپنے والدین سے برأت کا اظہار کرنے والا، ان سے اعراض کرنے والا اور اپنی اولاد سے برأت کا اظہار کرنے والا اور وہ شخص جس پر کسی قوم نے انعام کیا پس اس نے ان کی نعمت کی ناشکری کی اور ان سے برأت کا اظہار کیا"۔[409]

اس حدیث شریف کو امام ابو القاسم طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے بھی "المعجم الکبیر" میں یحییٰ بن ایوب کلاھما عن زبان ان فائدة و بھذا الاسناد کے طریق سے روایت کیا ہے۔[410]

---

[408] (عارضة الأحوذی، کتاب الولاء، باب ماجاء فیمن تولی غیر موالیه، ۴/۲۱۲۷/۸/۲۱۹)

[409] (المسند ۳/۴۴۰)

[410] (المعجم الکبیر ۲۰/۱۹۵، برقم: ۴۳۷ وقال فیه: عن سهل بن معاذ بن أنس عن أبیه)

اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا، حقیقی باپ سے برأت اور اس سے اعراض ہے، اسی طرح نسب بدلنا اپنے آباء سے برأت اور ان سے اعراض ہے اور حدیث شریف میں برأت اور اعراض سے منع کیا گیا اور ارتکاب کرنے والوں کے لئے یہ وعیدیں بیان کی گئیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ انہیں ستھرا رکھے گا اور نہ ان پر نظر رحمت فرمائے گا۔

اوراس میں بھی وہی تاویلیں ہیں جو پہلے ذکر کی جاچکیں کہ اگر کوئی شخص اس برأت و اعراض کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے اسے حلال جانتا ہے تو حدیث شریف اپنے ظاہر پر رہے گی اور اگر حلال نہیں جانتا تو یہ کلمات صرف اس حرام فعل کے مرتکب کے لئے بطور تغلیظ وزجر وارد ہوئے۔

اور علمائے کرام نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام نہ فرمانا شدتِ غضب سے کنایہ ہے۔

چنانچہ علامہ ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں:

قوله: لا یکلّمهم الله: کنایة عن شدّة الغضب۔

اور انہیں ستھرا نہیں کرے گا" کا مطلب ہے کہ انہیں گناہوں کے میل سے پاک نہیں کرے گا اور ان کی طرف نہیں دیکھے گا کا مطلب ہے کہ نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا ورنہ کوئی بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔[411]

نسب بدلنا بہت بڑا بہتان ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

عبد الواحد بن عبد الله النّصری قال: سمعت واثلة بن الأسقع یقول: قال رسول الله ﷺ: انّ من أعظم الفری أن یدّعی الرّجل الیٰ غیر أبیه الخ۔

---

[411] (تحقیق مسند امام احمد، ۳۹۸/۲۴)

یعنی، عبد الواحد بن عبد اللہ النصری نے بیان کیا کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہت بڑا بہتان یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی نسبت اپنے والد کے غیر کی طرف کرے۔

اور وہ اس طرح کہ اس سے بڑا بہتان اور کیا ہو گا کہ آدمی اپنے خالق پر بہتان باندھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس کے نطفے سے پیدا فرمایا وہ کہتا ہے کہ نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے نہیں فلاں کے نطفے سے پیدا کیا ہے، اسی طرح اپنے باپ پر بھی بہتان ہے کہ میں تیرے نہیں فلاں کے نطفے سے پیدا ہوا ہوں، اسی طرح ماں پر بھی یہ عظیم بہتان ہے۔[412]

ذکر کردہ احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وعیدیں

علماءِ اسلام نے ارشاداتِ نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وارد کلمات کی جو توجیہات و تاویلات اور ان میں پائے جانے والے احتمالات ذکر کئے وہ اپنی جگہ درست ہیں، اس میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن ایک مسلمان کو چاہیئے کہ وہ نسب بدلنے والوں، غیر آباء کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں کے لئے حضور نبی کریم ﷺ نے جو وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں انہیں مد نظر رکھے، اور اس قبیح و شنیع عمل کی گرد سے بھی اپنے آپ کو بچائے اور ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ بہت بڑا بہتان ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

۲۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کلام نہیں فرمائے گا۔

---

412 (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم: ۳۵۰۹، ۲/۴۱۶، ۴۱۷)

۳۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں پاک نہیں فرمائے گا۔

۴۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان پر نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔

۵۔ اس پر جنت حرام ہے۔ جیسا کہ امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی، اور احمد نے اسے حضرت سعد بن اَبی وقاص اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۶۔ وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ جیسا کہ امام ابن ماجہ نے اسے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۷۔ اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جیسا کہ امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے اسے حضرت انس بن مالک اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۸۔ اس پر خود اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ جیسا کہ امام مسلم، ترمذی، ابن ماجہ نے اسے حضرت علی المرتضیٰ، ابن عباس اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۹۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول نہیں فرمائے گا اور نہ نفل۔ جیسا کہ امام مسلم، ترمذی اور طبرانی نے اسے حضرت علی المرتضیٰ اور عمر بن خارجہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۰۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جیسا کہ امام مسلم اور امام احمد نے اسے حضرت ابو ذرّ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۱۔ وہ کافر ہو جائے گا۔ جیسا کہ امام بخاری، مسلم، ابو داؤد اور احمد نے اسے حضرت ابو ذرّ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۲۔ نسب کا انکار کفر ہے۔ جیسا کہ امام ابن ماجہ، احمد، طبرانی اور ابن عدی نے اسے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۳۔ آدمی کا ایسے نسب کی طرف اپنی نسبت کرنا جو معروف نہیں، کفر ہے۔

۱۴۔ ایسے نسب کی طرف نسبت کرنا جو معروف نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی، ابن الجعد نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۵۔ نسب سے برأت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی، براز اور ابن الجعد نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۶۔ نسب کی نفی کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۷۔ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ جیسا کہ امام بخاری و مسلم نے اسے حضرت ابو ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

حکم

علماء اسلام نے قرآن کریم کی آیت اور حضور ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے نسب بدلنے کو غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرنے کو حرام و گُناہ لکھا ہے اور اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔

شارح بخاری شیخ الاسلام علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ "صحیح البخاری" کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وفی الحدیث تحریم الانتفاء النسب المعروف، والادعاء الی غیرہ۔

یعنی اور حدیث شریف میں معروف نسب کی نفی اور اپنے آپ کو حقیقی باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے کا حرام ہونا مذکور ہے۔[413]

شارح بخاری علامہ شریف الحق امجدی لکھتے ہیں: جان بوجھ کر نسب کو بدلنا حرام و گناہ ہے یہاں تک کہ اس حدیث میں اسے کفر تک فرمایا گیا ہے، نسب بدلنے کی دو صورتیں ہیں ایک نفی یعنی اپنے باپ کے نسب سے انکار کرنا، دوسرے اثبات یعنی جو باپ نہیں اسے اپنا باپ بتانا دونوں حرام ہیں جیسا کہ آج کل رواج پڑ گیا ہے بڑی آسانی سے لوگ اپنے آپ کو سید کہنے اور کہلانے لگتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ سید نہیں غالباً یہ بیماری پہلے بھی رائج تھی۔[414]

اور امام جمال الدین عبد الرحمن بن علی ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اپنے ایک رسالہ میں والدین سے اعراض اور غیر باپ کی طرف نسبت کو گناہ قرار دیا اور مسند امام احمد اور صحیحین سے احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء ذکر کی ہے۔[415]

اور امام ذہبی نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے جیسا کہ ان کی کتاب "الکبائر" میں ہے۔

اور علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی نے بھی اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔[416]

اہلِ بیتِ اطہار

اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین روئے زمین پر سب سے بہترین مخلوق ہیں کیونکہ ان ہی کے بارے میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ تواتر سے ملتی ہیں۔

---

[413] (عمدۃ القاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۲۵۹/۱۱)(فتح الباری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸،۸/۶/۶۷۰)(صحیح البخاری، برقم: ۳۵۰۸)

[414] (نزھة القاری شرح صحیح بخاری، کتاب المناقب، حدیث: ۱۸۵۳، ۱۹/۷)

[415] (بر الوالدین وصلة الرحم، فصل فیمن تبرأ من والدیه الخ، وفصل اثم من ادّعی الی غیر أبیه، ص ۶۱، ۶۲)

[416] (الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرة الثانیة والثالثة والتسعون بعد المائتین ۹۹/۲، ۱۰۰)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا۔ (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی کو دور رکھے، نبی اکرم ﷺ کے گھر والو! اور تم کو پاک وصاف فرمادے، جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔

"مسند" اور "معجم کبیر" میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، "نزلت ھٰذہ الأیة: فی خمسةٍ: النبیّ ﷺ وعلیّ رضی اللّٰہ عنہ وفاطمة رضی اللّٰہ عنہا والحسن رضی اللّٰہ عنہ والحسین رضی اللّٰہ عنہ" یعنی یہ آیۂ مبارکہ پانچ شخصیات کے لئے نازل ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ۔

شرفِ انفرادی تطہیر

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ:

"خرج النبی ﷺ ذات غداۃ وعلیہ مرطٌ مرجل من شعر اسود، فجاء الحسن رضی اللّٰہ عنہ فادخلہ ثم جاء الحسین رضی اللّٰہ عنہ فادخلہ ثم جائت فاطمة رضی اللّٰہ عنہا فادخلہا ثم جاء علی رضی اللّٰہ عنہ فادخلہ ثم قال: {اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا}

ایک دن نبی پاک ﷺ اُونی دھاری دار چادر اوڑھے صبح کے وقت باہر تشریف لائے اس اثناء میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو چادر میں داخل کر دیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کو بھی چادر میں داخل کر دیا، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ

عنہا تشریف لائیں تو ان کو بھی چادر میں داخل فرمادیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کو بھی چادر میں داخل فرمانے کے بعد آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

خاص اہلِ بیتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

''سنن ترمذی''میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنی چادر مبارک میں ڈھانپ کر فرمایا''اللّھمّ ھؤلآء اھل بیتی و حامتی - ای خاصتی - اذھب عنھم الرّجس و طھرھم تطھیراً۔ (اے اللہ! یہ میرے ''خاص اہل بیت''ہیں ان سے آلودگی کو دور فرما کر ان کو پاک وصاف فرمادے)۔ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں ان کے ساتھ ہوں جس پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا بے شک تو خیر پر ہے۔ اس سے مراد ہے ''انت من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''کہ تو تو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے گھر والی ہے۔{ازواج اور اولاد کی مجموعی صورت ہی کو اہلِ بیت کہا جاتا ہے}

یہ میرے اہلِ بیت ہیں!

''سنن ترمذی''میں حضرت ابن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو بلوایا اور ان کو چادر میں ڈھانپ کر فرمایا: ''اللّھمّ ھؤلاء اھلُ بیتی فاذھب عنھم الرِّجسَ و طھّرھم تطھیرا۔ کہ یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں ان کے ساتھ ہوں؟ جس پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''تیرا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے اور تو نیکی اور بھلائی پر ہے۔''

"مسلم" اور "ترمذی" میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب "آیتِ مباھلہ" سورۃ آل عمران، آیت ۶۱ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور فرمایا "أللّٰھمّ ھٰؤُلاءِ اَھلِی" اے اللہ! یہ میرے اہل (گھر والے) ہیں۔"

اھلُ بیتی حقّاً

"مستدرک" میں حضرت واثلہ بن الأسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے آپ رضی اللہ عنہ کے درِ اقدس پر حاضر ہوا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ میں وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں رسول اللہ ﷺ ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی دائیں ران پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بائیں ران پر بٹھایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو سامنے بٹھا کر ان سب کو چادر یا اپنی عباء میں ڈھانپ کر آیتِ تطہیر تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا: "اللھمّ ھؤُلاءاھل بیتی حقًّا" اے اللہ! یہ ہی میرے حقیقی اہلِ بیت ہیں۔"

"معالم العترۃ" اور "مسند امام احمد" میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز سیدۃ فاطمہ رضی اللہ عنہا صبح کے وقت ہنڈیا میں حلوہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور خدمتِ اقدس میں حلوہ پیش فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

سے پوچھا کہ میرے چچا کے بیٹے (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کہاں ہیں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ وہ گھر میں ہیں جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: فاذھبی فادعیہ وآتینی بنیہ! کہ تم جاؤ، ان کو اور اپنے دونوں صاحبزادوں کو ساتھ لے کر میرے پاس آؤ۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سب کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں تشریف لائیں۔ آپ ﷺ نے ان سب پر خیبر سے لائی ہوئی چادر ڈال کر فرمایا "اے اللہ! یہ آلِ محمد ﷺ ہیں ان پر تو اپنا درود اور برکات بھیج جیسا کہ تو آلِ ابراہیم پر بھیجتا ہے، بے شک تو بڑی تعریف اور بزرگی والا ہے"۔

"المطالب العالیہ" اور "فتح الباری" میں حضرت ابی الحمراء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کے وقت ایک دروازے کی چوکھٹ پر تشریف لا کر فرماتے "السلام علیک یا اھل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پھر فرماتے "الصلاۃ رحمکم اللہ" یعنی نماز کا وقت ہے، اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ پوچھا گیا کہ اس گھر میں کون ہے؟ فرمایا حضرت علی، سیدہ فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم۔

مصداقِ آیتِ تطہیر

"ضحاک" فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم آپ کے اہل ہیں کہ جن سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ناپاکی کو طہارت میں تبدیل فرمادیا ہے؟ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتی کہ آدمی کی بیوی ہی پیار و محبت میں سب سے زیادہ اس کے قریب ہوتی ہے۔ "والذی خصّ اللہ نبیّا، لقد خصّ اللہ بھٰذہ الأیۃ: فاطمۃ وزینب ورقیّۃ وامّ کلثوم وعلیّا والحسن والحسین وجعفراً و ازواج محمّد ﷺ خاصۃ واقرباءہ۔ جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے تحقیق اللہ

تبارک و تعالیٰ نے یہ آیۃ مبارکہ ان سے مخصوص فرمائی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، نبی کریم ﷺ کی ازواج مبارکہ رضی اللہ عنہن اور ان کے اقارب۔

تفسیر طبری میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا کے بعد جب شام تشریف لائے تو شام کے ایک شخص سے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تو نے سورۃ الاحزاب کی یہ آیت (اِنّما یرید اللہ۔۔۔) نہیں پڑھی، جس پر اس شخص نے سوال کیا کہ کیا آپ ہی وہ شخصیات ہیں؟ جواب میں حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! ہم ہی اس آیتِ مبارکہ کے مصداق ہیں۔

اہلِ بیتِ نسب

"صحیح مسلم" میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا اہل بیت میں آپ ﷺ کی ازواجِ مبارکہ بھی شامل ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ نبی پاک ﷺ کی ازواج بھی اہل بیت ہیں، لیکن وہ اہل بیتِ نسب نہیں ہیں۔ **وانما اھل بیت نسبه من حرم الصدقة** اور اہل بیت نسب وہی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں **"ھم آل علی و آل جعفر و آل عقیل"** کہ اولادِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اولادِ جعفر رضی اللہ عنہ اور اولادِ عقیل رضی اللہ عنہ۔

اہل بیت کی فضیلت کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول مبارک سے آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ **"اللّھمّ انّھم منّی و انا منھم"** اے اللہ! یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ ایک موقع پر

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خبردار! آگاہ رہو کہ جس نے میرے قرابت داروں کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی تو تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔

فضیلتِ بنو قریش و بنو ھاشم

حضرت سعد بن سہل الساعدی سے مرفوع حدیث روایت ہے کہ "احبّوا قریشاً، فانّ من احبّھم احبّہ اللہ" قریش سے محبت کرو، جو ان سے محبت کرے گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اس سے محبت فرمائے گا۔

"صحیح مسلم" میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان اللہ اصطفیٰ کنانہ من بنی اسماعیل و اصطفیٰ من بنی کنانہ قریشاً و اصطفٰی من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من بنی ھاشم" تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسماعیل میں سے کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنی کنانہ سے قریش کو پسند فرمایا اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔

مسلم، ترمذی، ابو حاتم، اور حمزہ السھمی نے فضائل العباس میں ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اولادِ آدم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پسند فرما کر ان کو اپنا دوست بنایا، پھر اولادِ ابراہیم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا، پھر اولادِ اسماعیل علیہ السلام سے نزار کو پسند فرمایا، پھر نزار سے مضر اور مضر سے کنانہ اور کنانہ سے قریش

کو چنا، پھر قریش سے بنی ھاشم اور بنی ھاشم سے عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور پھر اولاد عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے مجھے منتخب فرمایا۔ **صلی اللہ علیہ و آلہ و بارک و سلم۔**

صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۵ پر بنی ھاشم کی دوسری فضیلت سے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے کہ **قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا** میں نے زمین کے مشرق و مغرب کو تلپٹ کیا **فلم اجد رجلا افضل من محمد** ﷺ لیکن مجھے محمد ﷺ سے افضل کوئی شخصیت نہیں ملی۔ **و قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا** کہ میں نے زمین کا مشرق و مغرب چھان ڈالا لیکن میں نے بنو ہاشم سے افضل کسی کو نہ پایا۔

اہلِ بیتِ کرام سے احسان کا صلہ

دیلمی نے الفردوس میں حدیثِ نبوی ﷺ نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص میرے وسیلے سے روزِ قیامت شفاعت کا طلبگار ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ میری اہلِ بیت سے تعلق رکھے اور انہیں خوشیاں بہم پہنچائے۔"

"**ذخائر العقبیٰ**" میں حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "کیا تمہیں معلوم نہیں؟ بنی ہاشم کی عیادت فرض ہے اور ان کی زیارت نفل کا درجہ رکھتی ہے"۔

زیارتِ بنی ھاشم کی فضیلت

دار قطنی نے الفضائل میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "ہمارے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کو

چلو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بنی ہاشم کی عیادت فرض میں اور ان کی زیارت نوافل میں شمار ہوتی ہے۔"

طبرانی نے الاوسط میں حدیث حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جس کسی نے حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد کے کسی بھی فرد سے نیکی کا ہاتھ بڑھایا اور وہ شخص اس نیکی کا بدلہ ادا نہ کر سکا، تو اس کا بدلہ میرے ذمے ہے، کل جب وہ مجھے ملے گا تو میں ادا کروں گا"۔

ایک علوی عورت کی خدمت کا صلہ

"تذکرہ خواص الامہ فی معرفۃ الائمۃ" میں "سبط ابن الجوزی" نے حضرت عبد اللہ ابن المبارک رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ آپ ایک سال حج ادا کیا کرتے اور ایک سال جہاد میں شرکت فرمایا کرتے، سالِ حج میں انہوں نے پانچ سو دینار نکالے اور کوفہ میں اونٹوں کی خریداری کے لئے چل پڑے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ جو گندگی کے ڈھیر سے ایک مردہ بطخ کو صاف کر رہی ہے، میں اس کے قریب گیا اور مردہ بطخ کو صاف کرنے کی وجہ دریافت کی، جس پر اس عورت نے جواب دیا کہ اے عبد اللہ! تو مجھ سے ایسی بات کے متعلق پوچھ رہا ہے جس کا تجھ سے کوئی تعلق نہیں، حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں اچانک ایک خیال گزرا اور حقیقت حال کا پتہ لگانے کے لئے میں نے دوبارہ اصرار کیا، جس پر اس عورت نے کہا کہ اے عبد اللہ تو نے مجھے اتنا مجبور کر دیا ہے کہ اب میں تجھے اصل صورتحال سے آگاہ کرتی ہوں: انا امرأۃ

علویۃ ولی اربع بنات یتامیٰ مات ابوھنّ من قریب، کہ میں ایک علوی خاتون ہوں میری چار یتیم بچیاں ہیں ان کا باپ کچھ عرصہ قبل انتقال کر گیا ہے۔ اور آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا اور یقیناً اب ہم پر مردار بھی حلال ہو گیا ہے، اس لئے اب اس بطخ کو صاف کر کے اپنی بچیوں کے کھانے کے لئے لے جا رہی ہوں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے دل میں کہا "ویحک یا ابن المبارک" کہ اے ابن مبارک، حیف ہے تجھ پر، یہ سب کچھ کیا ہے؟ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے دل سے حج ادا کرنے کی خواہش جاتی رہی اور میں نے مذکورہ رقم اس پریشان خاندان کے حوالہ کر دی۔ زمانۂ حج گزر گیا اور لوگ حج کی ادائیگی کے بعد واپس آنا شروع ہو گئے۔ میں جس حاجی کو بھی حج کی مبارک باد دیتا تو وہ جواباً مجھے بھی حج کی مبارک باد پیش کرتا اور کہتا کہ ہم نے آپ سے فلاں مقام پر ملاقات کی ہے، اور ہم فلاں مقام پر آپ سے ملے تھے، حتیٰ کہ بے شمار لوگوں نے مجھے اس قسم کی باتیں بتائیں کہ میں اس بارے میں بہت زیادہ متفکر ہو گیا۔ فرأیت رسول اللہ ﷺ فی المنام، وھو یقول: یا عبد اللہ، لا تعجب فانک اغثت ملھوفۃً من ولدی، فسألت اللہ ان یخلق علیٰ صورتک ملکاً یحج عنک کل عامٍ الیٰ یوم القیامۃ، فان شئت ان تحج، وان شئت لا تحج۔ تو خواب میں مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اور آپ ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ اے عبد اللہ! تو اس بات پر تعجب نہ کر، تو نے میری اولاد کی ایک حاجت مند خاتون کی مدد کی، تو میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ تیری شکل و صورت کا ایک فرشتہ پیدا کر دے جو قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کرتا رہے، اب تو حج ادا کر یا نہ کر یہ تیری مرضی ہے۔

جامع کرامات اولیاء از علامہ محمد یوسف اسماعیل النبھانی رضی اللہ عنہ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ کا شمار اکابر مجتہدین میں ہوتا ہے، آپ بہت بڑے امام اور عارفین میں

عظیم شخصیت ہو گزرے ہیں۔ حضرت یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اپنی دونوں آنکھیں کھولیں، پھر ہنسے اور کہا لمثل ھٰذا فلیعمل العاملون کہ کام کرنے والوں کو ایسے ہی کام کرنے چاہئیں۔

ایک علوی خاتون سے نیکی پر مجوسی کو زیارتِ رسول ﷺ اور جنت میں محل

ابو الفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب الملتقط میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک علوی بزرگ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر بلخ میں مقیم تھے۔ کچھ عرصہ بعد اس علوی بزرگ کا انتقال ہو گیا اور ان کی خاتون دشمنوں کے خوف سے اپنی بچیوں کو ساتھ لے کر شدید سردی کی حالت میں سمرقند چلی گئیں۔ بچیوں کو مسجد میں چھوڑا اور خود ان کے کھانے کی تلاش میں باہر نکلیں، وہ خاتون بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک بزرگ شخص کے ارد گرد جمع ہیں، میں نے اس شخص کے بارے میں لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں، تو مجھے بتایا گیا کہ "ھٰذا شیخ البلد" کہ یہ شہر کے بڑے بزرگ آدمی ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی، اپنی ساری داستانِ غم سنائی جس پر انہوں نے کہا "اقیمی عندی البیّنہ انک علویۃ" تو مجھے اس بات کا ثبوت فراہم کر کہ تو علویہ (خاندانِ حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہے۔ اس نے میری کوئی بات نہ سنی اور میں مایوس ہو کر واپس مسجد کی طرف چل پڑی تو راستے میں دیکھا کہ ایک اور بڑے آدمی چبوترے پر بیٹھے ہیں، اور ان کے گرد بھی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا "ھذا ضامن البلد" کہ یہ شہر کا ذمہ دار آدمی ہے اور مجوسی ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید اس شخص کے ہاں میری مشکل کا حل نکل آئے، میں آگے بڑھی اور اپنی داستانِ غم اسے بھی سنا دی اور "شیخ البلد" سے بھی اپنی ملاقات کا ذکر کر دیا، مجوسی نے فوراً اپنے ملازم کو بلایا اور کہا کہ جا کر اپنی مالکن کو پیغام دو کہ فوراً تیار ہو کر باہر

آئے۔ کچھ ہی دیر میں اس مجوسی کی بیوی تیار ہو کر اپنی کنیزوں کے ہمراہ باہر آگئی، مجوسی نے اسے کہا کہ اس خاتون کے ہمراہ فلاں مسجد میں جاؤ اور ان کی بچیوں کو گھر لے کر آؤ۔ علوی خاتون بیان کرتی ہیں کہ مجوسی کی بیوی میرے ساتھ چلی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی، ہمارے لئے بہترین رہائش کا انتظام کیا، قیمتی لباس پہنائے اور مختلف قسم کے کھانوں سے ہماری تواضع کی۔ ہم نے انتہائی آرام و سکون کے ساتھ رات گزاری۔ آدھی رات کے وقت اس مسلمان "شیخ البلد" نے ایک خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اور سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تاجِ شفاعت پہنے ہوئے ہیں۔ ایک سبز زمرد کا محل بھی اس نے دیکھا، جس پر "شیخ البلد" نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے؟ جواب ملا یہ ایک مسلمان کا محل ہے۔ "شیخ البلد" رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف بڑھا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس سے اپنا رخِ انور موڑ لیا جس پر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آپ نے مجھ سے اپنا رخِ انور موڑ لیا جب کہ میں مسلمان ہوں، جس پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس شخص سے فرمایا: "اقم البینة عندی انک مسلم" کہ تو اپنے مسلمان ہونے پر دلیل دے۔ وہ شخص حیران و پریشان ہو گیا جس پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس شخص سے کہا کہ کیا اب تو وہ بات بھول گیا ہے جو تو نے اس علوی خاتون سے کہی تھی؟ وہ علوی خاتون اپنی بچیوں کے ہمراہ جس شخص کے گھر میں اب قیام پذیر ہیں، یہ اس شخص کا محل ہے۔ وہ شخص پریشانی کے عالم میں خواب سے بیدار ہوا، روتا ہوا اور اپنے منہ پر تھپڑ مارتا ہوا اس علوی خاتون کی تلاش کے لئے باہر نکل آیا۔ اسے پتہ چلا کہ وہ خاتون اس مجوسی کے ہاں قیام پذیر ہیں، وہ اس مجوسی کے پاس آیا اور اس علوی خاندان کے بارے میں پوچھا جس پر مجوسی نے جواب دیا کہ وہ میرے پاس مقیم ہیں۔ اس نے کہا کہ انہیں میرے ساتھ بھیج دو، مجوسی نے جواب دیا کہ اب یہ ناممکن ہے۔ "شیخ البلد" نے اس مجوسی سے کہا کہ یہ ہزار دینار ہیں ان کے بدلے اس خاندان کو میرے ساتھ کر

دو۔ مجوسی نے جواب دیا"لا واللہ ولا بمائۃ الف" کہ نہیں خدا کی قسم! اگر تو ایک لاکھ دینار بھی دے تو اب یہ ممکن نہیں! "شیخ البلد" نے جب زیادہ منت سماجت شروع کر دی تو اس مجوسی نے کہا کہ جو خواب تو نے دیکھا ہے، وہ خواب میں نے بھی دیکھا ہے، اور جس محل کا تو نے نظارہ کیا ہے تو میرے ہی لئے تیار کیا گیا ہے، اور اگر تو اپنے مسلمان ہونے پر نازاں ہے تو پھر سن لے، خدا کی قسم! میں اور میرے اہل خانہ رات کو اس وقت تک نہ سوئے کہ جب تک ہم سب نے اس علوی خاتون کے دستِ مبارکہ پر اسلام قبول نہیں کر لیا اور اب ہم پر اسلام کی برکات کا نزول بھی شروع ہو گیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا بھی شرف حاصل کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: القصر لک و لاھلک بما فعلت مع العلویۃ و انتم من اھل الجنۃ خلقکم اللہ مؤمنین فی القدم، یعنی یہ محل تیرے اور تیرے اہل خانہ کے لئے ہے اور یہ اس نیکی کا بدلہ ہے جو تو نے اس علوی خاتون کے ساتھ کی اور تم اہل جنت میں سے ہو کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم سب کو بہت پہلے سے مسلمان پیدا کیا تھا۔

امیر تیمور کو اہل بیت سے محبت کا صلہ

"بلخی" نے "ینابیع المودۃ" اور "صواعق محرقۃ" میں نقل کیا ہے کہ امیر تیمور کی وفات کے بعد قرأ حضرات اس کی قبر پر تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک قاری صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب قرأ حضرات کی جماعت کے ساتھ اس کی قبر پر آتا تو قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا اور جب کبھی اکیلا قبر پر آتا تو سورۃ الحاقۃ کی آیت ۳۰ اور ۳۱ تلاوت کیا کرتا: "پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔" اور یہ آیات میں اکثر تلاوت کیا کرتا، ایک رات جب میں سویا ہوا تھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، میں نے دیکھا کہ

آپ ﷺ تشریف فرماہیں اور پہلو میں امیر تیمور بھی بیٹھے ہوئے ہیں، قاری صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں ہی اسے ڈانٹتے ہوئے کہا "الی ھنا یا عدوّ اللہ و صلت" کہ اے دشمن خدا! تو یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو رسول اللہ ﷺ سے دور کر دوں جس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **دعه فانّه کان یحبّ ذرّیتی!** کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ وہ میری اولاد سے محبت کرتا تھا۔" میں خواب سے بیدار ہوا اور امیر تیمور کی قبر پر جو خلوت میں پڑھا کرتا تھا، اس کو ترک کر دیا۔

"صواعق محرقة" میں "الزین عبد الرحمن البغدادی الخلال" بیان کرتے ہیں کہ امیر تیمور کے کچھ وزراء نے انہیں بتایا کہ ایک مرتبہ امیر تیمور سخت بیمار ہوا، چند دن شدت اضطراب میں گزارنے کے بعد اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد خود ہی دوبارہ اس کا چہرہ ٹھیک ہو گیا، اس کی وجہ جب پوچھی گئی تو امیر تیمور نے خود بیان کیا کہ عذاب کے فرشتے میرے پاس آئے اور اسی دوران رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اس سے دور ہو جاؤ کیونکہ یہ شخص میری اولاد سے محبت اور ان سے احسان کیا کرتا تھا۔

نسب بدلنے کا شرعی حکم میں حضرت علامہ شیخ القرآن والحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ کا مطالعہ کیجئے۔ میں نے اس کتاب سے کچھ عبارات یہاں لکھ دی ہیں۔

(مفتاح السلوک ــــ جلد ہفتم)

الحاصل

اہل بیت سادات کے ساتھ محبت رکھنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

عن ابن مسعود حب آل محمد یو ما خیر من عبادة سنة و من مات علیه دخل الجنة۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل بیت کے ایک دن کی محبت پورے سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور جو اس سے محبت پر فوت ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔[417]

شفاعت کا حصول

أربعة أنا لهم شفيع يوم القيامة: المكرم لذريتي والقاضي لهم حوائجهم والساعي لهم في أمورهم عندما اضطروا إليه والمحب لهم بقلبه ولسانه۔

حدیث شریف: مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعًا روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا چار اشخاص ایسے ہیں قیامت کے دن جن کے لئے میں شفاعت کرنے والا ہوں گا (اور وہ یہ ہیں) میری اولاد کی عزت وتکریم کرنے والا اور ان کی حاجات کو پورا کرنے والا اور ان کے معاملات کے لئے تگ ودو کرنے والا جب وہ مجبور ہو کر اس کے پاس آئیں اور دل وجان سے ان سے محبت کرنے والا۔[418]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعًا روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں درخت ہوں اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے پھل کی ابتدائی حالت ہیں، اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پھول کو منتقل کرنے والے ہیں، اور حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس درخت کے پھل ہیں اور اہل بیت سے محبت کرنے والے اس درخت کے اوراق ہیں۔ وہ یقیناً یقیناً جنت میں (داخل ہونے والے) ہیں۔[419]

---

[417] (مسندالفردوس، ج ۱، ص ۱۸۸، رقم الحدیث: ۲۷۲۱)

[418] (کنزالعمال، ج ۱۲، ص ۱۸۸، رقم الحدیث: ۳۴۱۸۰، الناشر: مؤسسة الرسالة - بیروت)

[419] (مسندالفردوس، ج ۱، ص ۵۲، رقم الحدیث: ۱۳۵)

سادات کے ساتھ بھلائی پر انعام

حدیث شریف: حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اولادِ عبد المطلب میں سے کسی کے ساتھ کوئی بھلائی کی اور وہ اس کا بدلہ اس دنیا میں نہ چکا سکا تو اس کا بدلہ چکانا (کل قیامت کے دن) میرے ذمہ ہے، جب وہ مجھ سے ملاقات کرے گا۔[420]

اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض وعداوت

دوزخ میں ڈال دیا جائے گا

حدیث شریف: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ہم اہلِ بیت سے کوئی آدمی نفرت نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔[421]

یہودیوں کے ساتھ جمع کیا جائے گا

---

420 (طبرانی، معجم الاوسط، ج۲، ص۱۲۰، رقم الحدیث: ۱۴۴۶)

421 (صحیح ابن حبان، ج۱۵، ص۴۳۵، رقم الحدیث: ۶۹۷۸، مستدرک للحاکم، ج۳، ص۱۶۲، رقم الحدیث: ۴۷۱۷)

حدیث شریف: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہم سے مخاطب ہوئے، پس میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اے لوگو! جو ہمارے اہلِ بیت سے بغض رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اسے یہودیوں کے ساتھ جمع کرے گا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! اگرچہ وہ نماز، روزہ کا پابند کیوں نہ ہو اور اپنے آپ کو مسلمان گمان ہی کیوں نہ کرتا ہو؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: (ہاں) اگرچہ وہ نماز اور روزہ کا پابند ہی کیوں نہ ہو اور خود کو مسلمان تصور کرتا ہو۔[422]

(کشتئ نجات)

---

422 (طبرانی معجم الاوسط، ج۴، ص ۲۱۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۲، مجمع الزوائد، ج۹، ص ۱۷۲)

مکتوب نمبر ۵۲

[یہ مکتوب بھی سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف صادر ہوا:

نفسِ امارہ کی مذمت اور اس کے مرضِ ذاتی اور اس مرض کے ازالے کے علاج کے بیان میں۔

آپ کا مرحمت نامہ گرامی جس سے از روئے شفقت و مہربانی آپ نے اس مخلص دُعا گو کو ممتاز و مشرف فرمایا تھا، بندہ اس کے مضمون کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کے اجر وثواب کو عظیم کرے۔ آپ کی قدر و منزلت بلند کرے۔ آپ کو شرح صدر نصیب فرمائے، اور آپ کے کام آسان کرے آپ کے جَد اَمجد کی حرمت سے علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا۔ اللہ ہم سب کو ظاہراً باطناً ان کی متابعت پر ثابت و قائم رکھے۔ اور اس دُعا پر آمین کہنے والے پر رحم فرمائے۔]

تشریح

نفس کی چار اقسام ہیں

۱۔ نفسِ امارہ ۔۔۔ ۲۔ نفسِ لوامہ ۔۔۔ ۳۔ نفسِ ملہمہ ۔۔۔ ۴۔ نفسِ مطمئنہ

۱۔ نفسِ امارہ: سب سے بدترین اور رذیل نفس، نفسِ امارہ ہے، جو بالعموم کفار و مشرکین کا ہوتا ہے اور اس زمانے میں اکثر مسلمانوں کا بھی یہی نفس ہے۔ ایسے نفس والا شخص خوشی سے گناہ کرتا ہے اور پھر اپنے گناہ کو اعلانیہ طور پر ظاہر بھی کر دیتا ہے، نفس کے اس درجے کی سب سے بڑی پہچان

یہی ہے۔ پس اگر کوئی شخص گناہ پر ندامت محسوس نہ کرے تو سمجھ جائے کہ اُس کا نفس نفسِ امارہ ہے۔ایسے شخص کو دل کی گہرائیوں سے کثرتِ استغفار کرنی چاہیئے۔

۲۔ نفسِ لوامہ: گناہ سرزد ہونے کے بعد اپنے آپ کو لعنت وملامت کرنے والا نفس۔ یہ نفس بالعموم عام مسلمانوں کا ہوتا ہے، جو گناہ تو کر لیتے ہیں لیکن فوراً اپنے گناہ پر نادم ہو جاتے ہیں۔

۳۔ نفسِ مُلہمہ: یہ نفس بالعموم اولیاء کرام اور خاص خاص مؤمنین کا ہوتا ہے جب وہ کسی گناہ کا ارادہ کر لیں تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس میں رکاوٹ پیدا فرما دیتا ہے۔

۴۔ نفسِ مطمئنہ: یہ نفس بالعموم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہوتا ہے۔اور خاص خاص اولیاء اللہ کا بھی، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل ومکمل تابعداری کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔اس نفس والے کے دل میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکامات کے بارے میں کسی قسم کا وسوسہ اور شک پیدا نہیں ہوتا اور وہ ان احکامات کے سامنے دل وجان سے سرِ تسلیم خم کر کے اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔

نفسِ مطمئنہ کے مزید مختلف درجات ہیں، مثلاً راضی ومرضی وغیرہا۔ تو نفس کی مذکورہ اقسام پڑھ لینے کے بعد ہر انسان اپنے آپ کو اس کسوٹی پر پرکھ سکتا ہے کہ اس کا نفس کس درجہ کا ہے۔ نفسِ امارہ والے کو تو بالخصوص کثرت سے توبہ واستغفار کرنی چاہیئے تا کہ اُسے نفس کی اس رذیل قسم سے چھٹکارا مل سکے۔

[دوسری بات یہ ہے کہ بُرے دوست اور بدخو ہمنشین (نفس) کی شکایت کے طور پر چند فقرے لکھ کر روانہ کئے جا رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ قبول کر لینے والے کانوں سے ان کو سُنیں گے۔

مخدوما مکرما! انسان کا نفسِ امارہ جاہ اور سرداری کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے اس کا ارادہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے اَقران اور ہم عصر لوگوں پر بلندی اور فوقیت حاصل کرے۔ اور اس کی ذات کا تقاضا یہ ہے کہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہو، اور اس کے احکام کی اطاعت اور پیروی کرے، اور وہ خود کسی کا محتاج نہ ہو، اور نہ اس پر کوئی حکم چلائے۔ یہ دراصل اس کی طرف سے دعویٰ خدائی ہے، اور وحدہ لا شریک ذات **جل سلطانہٗ** کے ساتھ دعویٰ ہمسری ہے۔ بلکہ یہ بے سعادت نفس شرکت پر بھی راضی نہیں۔ یہ چاہتا ہے کہ صرف وہی حاکم ہو اور باقی سب اس کے محکوم و تابع ہوں۔

حدیثِ قدسی میں آچکا ہے:

عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ۔

ترجمہ: اپنے نفس سے عداوت رکھ، کیونکہ یہ میری دُشمنی پر کمربستہ ہے۔

تو اپنے نفس کی پرورش کرنا، اس کی مُرادیں حاصل کرنا، مرتبہ، سرداری، بڑائی اور تکبر وغیرہ فراہم کرنا، دراصل **اللہ تعالیٰ** کے دُشمن کی امداد کرنا اور اس کو تقویت پہنچانا ہے۔ اس کی قباحت اور بُرائی اچھی طرح محسوس کرنی چاہیئے۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہے:

الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي، فَمَنْ نَازَعَنِي فِي شَيْءٍ مِنْهُ أَدْخَلْتُهُ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: بڑائی میری چادر ہے اور عظمت اور بلند قدری میری شلوار ہے (یعنی یہ دو میری ذاتی صفات ہیں جو کسی بشر کو زیب نہیں دیتیں) تو جو شخص ان دونوں میں سے کسی کے بارے میں بھی مجھ سے جھگڑے گا (لینے کی کوشش کرے گا) میں اسے آگ میں داخل کروں گا۔[423]

423 (صحیح ابن حبان، ج ۲، ص ۳۵، رقم الحدیث: ۳۲۸، الناشر: مؤسسة الرسالة-بيروت)

تشریح

حدیثِ قُدسی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اس کلام کو کہا جاتا ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے کے بغیر کیا ہو، یعنی بطریقہ ُ القاء یا الہام۔ یہ حدیث، ہے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام لیکن نماز میں قرأت کی جگہ اس کو پڑھنے سے نماز نہ ہو گی کیونکہ یہ قرآن عظیم الشان کا جزو نہیں ہے۔ متوجہ ہونا چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ:

عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّھَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ۔

ترجمہ: اپنے نفس سے عداوت رکھ، کیونکہ یہ میری دُشمنی پر کمربستہ ہے۔

تو جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے تو ہمیں اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہر وقت نفس کے ساتھ عداوت ودشمنی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ نفس ہمیشہ انسان کو شرک، بدعت اور گمراہی کے دنگل میں دھکیلنے میں کمربستہ رہتا ہے اور یہ ہر وقت برتری وسرداری چاہتا ہے۔

بعینہٖ تکبر وغرور کی عادتِ رذیلہ اگر خدانخواستہ سالک میں پیدا ہو جائے تو اُسے بھی گمراہ کر دیتی ہے۔ لہٰذا سالک کو یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ میں سب سے اچھا ہوں کیونکہ یہ عُجب (خود پسندی) ہے جو تکبر کے زمرے میں آتا ہے۔ پس سالک کو ہر وقت عجز وانکساری کرنی چاہیئے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب کی ابتداء میں چند دعائیہ کلمات ہیں جن میں سے ایک جملہ یہ بھی ہے:

یَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْداً قَالَ اٰمِیْناً

یہ قطعہ شعر ایک معروف عاشق کی طرف منسوب ہے جس کو مجنوں کہا جاتا ہے اور وہ لیلیٰ کے عشق میں گرفتار تھا۔ روایت ہے کہ جب مجنوں کو اس کے والدین حرمِ کعبہ شریف میں لے گئے اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر اس کے ہاتھ میں دیا اور کہا دعا کر کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل سے لیلیٰ کا عشق نکال دے۔ مجنوں نے اس کی بجائے یہ شعر اپنی دعا میں پڑھنا شروع کر دیا:

یَا رَبِّیْ لَا تَسْلُبْنِیْ حُبَّهَا اَبَداً وَیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْداً قَالَ اٰمِیْناً

یعنی اے میرے رب! لیلیٰ کی محبت میرے دل سے نہ نکال اور جو میری اس دعا پر آمین کہے اس پر رحم فرما۔

اس مکتوب میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے نفسِ امارہ کی مذمت اور اس کے ذاتی مرض کا ازالہ وعلاج بیان فرمایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ انسان کا نفسِ امارہ فطری طور پر جاہ وریاست کی محبت رکھتا ہے اور اپنے ساتھیوں وہم عصروں پر فوقیت وبرتری کا خواہش مند رہتا ہے۔ گویا یہ نفسِ امارہ کا دعویٰ الوہیت وشرکت ہے۔ بلکہ بلا شرکتِ غیرے خود حاکمِ مطلق ہونے کا زعمِ باطل ہے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ نفس کی ایسی تمام خواہشات (جو کہ شرک اور تکبر پر مشتمل ہیں) کی تحصیل وتکمیل میں مشغول ہونا فی الحقیقت دشمنِ خدا کی امداد کرنا ہے۔

حالانکہ حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا ہے:

عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ۔

یعنی اپنے نفس کی مخالفت و دشمنی کیا کرو کیونکہ وہ میری مخالفت اور دشمنی پر کمربستہ ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث قدسی بھی اسی مضمون و مفہوم کو ثابت کرتی ہے:

الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي، فَمَنْ نَازَعَنِي فِي شَيْءٍ مِنْهُ أَدْخَلْتُهُ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: یعنی تکبر میری چادر ہے اور عظمت (بڑائی) میرا ازار ہے۔ پس جس نے ان دونوں میں سے کسی ایک چیز میں بھی مجھ سے جھگڑا کیا تو میں اس کو آتشِ دوزخ میں ڈال دوں گا۔[424]

بعض احادیث مبارکہ میں دنیا کو حق تعالیٰ کے نزدیک اسی لئے ملعونہ و مغضوبہ قرار دیا گیا ہے کہ دُنیا کا حصول نفس کی خواہشات کے حاصل ہونے میں مددگار ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے دشمن (نفس) کی مدد کرنے والا بالضرور مستحقِ لعنت وغضب ہے اور فقر کو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جو اپنے لئے فخر قرار دیا ہے اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ فقر میں نفس کی نامرادی اور عجز ثابت ہوتا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت سے مقصود بھی شرعی احکامات پر عمل کے ذریعے نفس کو عاجز اور خراب کرنا ہے کیونکہ شرعی احکامات نفسانی خواہشات کو دور کرنے کے لئے وارد ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کے دور کرنے میں شرعی احکامات میں سے ایک حکم پر عمل کرنا، ان ہزار سالہ مجاہدوں اور ریاضتوں سے بہتر ہے جو اپنی طرف سے کی جائیں بلکہ وہ مجاہدے وریاضتیں جو شریعت کے مطابق واقع نہیں ہوئے ہیں، نفسانی خواہشات کو مدد اور قوت دینے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ برہمنوں، جوگیوں، پادریوں اور حکمائے یونان کے مجاہدے ان کے لئے

---

424 (صحیح ابن حبان، ج ۲، ص ۳۵، رقم الحدیث: ۳۲۸، الناشر: مؤسسة الرسالة - بیروت)

فائدہ مند ثابت نہیں ہوئے اور نفس کی تقویت اور پرورش کے سوا انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کی ریاضتیں شرعی تقاضوں کے تابع واقع نہیں ہوئیں۔ مثال کے طور پر زکوٰۃ ادا کرنا شرعی حکم ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کا ایک دینار خرچ کرنا نفس کو ذلیل اور خراب کرنے میں اپنی مرضی کے ساتھ ہزار دینا خرچ کرنے سے زیادہ بہتر و مفید ہے۔ اور عید الفطر کے دن کھانا، پینا اپنی مرضی سے کئی سال کے روزے رکھنے سے زیادہ افضل ہے اور نماز فجر باجماعت ادا کرنا تمام رات نفلی نمازیں پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ غرضیکہ شریعت کے مطابق عمل کرنا خواہ وہ عمل بظاہر چھوٹا اور معمولی معلوم ہو نفس کے تزکیہ کا باعث بنتا ہے اور نجات، شریعت کے احکام بجالانے میں ہے نہ کہ محض مجاہدوں اور ریاضتوں میں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۸۴ تا ۲۸۶)

[کمینی اور خسیس دُنیا حق سبحانہٗ کے نزدیک اس بنا پر ملعون اور مبغوض ہے کہ دُنیا کا حصول نفس کی مرادیں حاصل ہونے میں اس کا ممد و معاون ہے۔ تو جو دشمنِ خدا کی مدد کرے وہ ضرور لعنت کا سزا وار ہے اور فقر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فخر ہے۔ کیونکہ فقر میں نفس کے لئے نامرادی ہے اور یہ اسے عاجز و بے بس کرتا ہے۔]

تشریح

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْھَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ۔

ترجمہ: دُنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے بغیر اللہ کے ذکر سے۔[425]

---

[425] (سنن الترمذی، ج ۴، ص ۵۶۱، الناشر: شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البابي الحلبي - مصر)

دُنیا کو دُنیا اس لئے کہا جاتا ہے کہ اہلِ لغت کے ایک قول کے مطابق دُنیا کا لفظ دُن سے بنا ہے اور دُن کے معنی ہیں تنکا۔ اور دنیا کی حقیقت اصل میں ایک تنکے سے زیادہ نہیں۔

اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ۔

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُنیا کی حیثیت ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو اس میں سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوتا۔[426]

نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

إن الله جل ثناؤه لم يخلق خلقا أبغض إليه من الدنيا وإنه منذ خلقها لم ينظر إليها۔

ترجمہ: بے شک اللہ جل شانہٗ نے ایسی کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی جو اس کے نزدیک دُنیا سے زیادہ ناپسندیدہ ہو اور بے شک اس نے جب سے اسے پیدا کیا ہے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں ہے۔[427]

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

يَا عَجَبًا كُلَّ الْعَجَبِ لِلْمُصَدِّقِ بِدَارِ الْخُلُودِ وَهُوَ يَسْعَى لِدَارِ الْغُرُورِ۔

ترجمہ: بڑا تعجب اس شخص پر ہے جو دائمی گھر (آخرت) کی تصدیق کرنے کے باوجود دُنیا کے لئے کوشاں ہو۔[428]

---

426 (سنن الترمذی، ج۴، ص ۵۶۰، الناشر: شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

427 (شعب الایمان للبیھقی، ج۷، ص ۳۳۸، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت)

428 (الزهد لابن ابی الدنیا، ج ۱، ص ۲۸، الناشر: دار ابن كثير، دمشق)

زمانۂ حاضر میں اگر کسی سے کہا جائے کہ آپ فجر کی نماز کیوں نہیں پڑھتے تو وہ کہتا ہے کہ تھکاوٹ تھی میں سویا ہوا تھا جاگ نہ سکا اور اگر درمیانی نمازوں کا پوچھا جائے تو کہتا ہے کہ کاروبار میں مصروف تھا اور اگر عشاء کی نماز کا کہا جائے تو کہتا ہے کہ کام سے دیر سے آیا تھا نیند آرہی تھی اس وجہ سے نماز نہ پڑھ سکا۔ عجیب بات یہ ہے کہ سارا دن یہ مزدوری یا کاروبار کرتا رہتا ہے اور نہ تو اس کو تھکاوٹ ہوتی ہے نہ ہی نیند آتی ہے بلکہ یہ چاق وچوبند رہتا ہے مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت کرتے وقت اسے تھکاوٹ اور نیند آجاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کے پاس (نعوذ باللہ من ذالک) دُنیا کی حیثیت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت سے زیادہ ہے۔

[انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو بھیجنے سے مقصود اور احکامِ شرعیہ کا مکلف بنانے میں حکمت اس نفسِ امارہ کو عاجز اور خراب کرنا ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتیں نفسانی خواہشات کو دور اور زائل کرنے کے لئے وارد ہوئی ہیں۔ جس قدر شریعت کے تقاضوں کے مطابق عمل ہو گا اسی قدر نفسانی خواہشات زوال پزیر ہوں گی۔ لہٰذا احکامِ شرعیہ میں سے ایک حکم کو بجالانا خواہشِ نفسانی کو زائل کرنے میں ان ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے بہتر ہے جو اپنے طور پر کئے جائیں۔ بلکہ یہ ریاضتیں اور مجاہدے جو روشن شرع کے مطابق واقع نہیں ہوئے نفسانی خواہشات کے مویّد بنتے ہیں اور ان کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ برہمنوں اور جوگیوں نے بھی ریاضتوں اور مجاہدوں میں کمی اور کوتاہی نہیں کی لیکن یہ سب کچھ ان کے لئے کچھ بھی سود مند ثابت نہ ہوا۔ اور انہیں ان سے نفس کی تقویت وتربیت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔]

تشریح

برہمن اور جوگی جو اسلام سے خارج ہیں وہ تو ہوئے خارج از بحث، افسوس اُن لوگوں پر جو اپنے آپ کو مسلمان اور طریقت والا کہتے ہیں لیکن اُن کی عبادات خود ساختہ اور چلے، بعید از شریعت ہوتے ہیں ان کے واقعات روزمرہ کے اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔

مثال کے طور پر اپنے آپ کو پیر کہنے والے ایک شخص نے یوں چلہ کیا کہ آبادی سے دور ایک قبرستان میں کمرہ نما قبر کھودی اور چند دنوں کا راشن پانی لے کر خود کو اس قبر میں بند کر لیا اور عبادت میں مصروف ہو گیا، کھلی فضا میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بے شمار نعمتیں کھا کر زندگی گزارنے والا شخص جب آب وہوا سے محروم کر دیا جائے اور دن کے اجالے سے بھی دور ہو جائے تو اُس کی زندگی کا کیا حال ہو گا؟ چند دنوں بعد ہی اُس کی حالت غیر ہو گئی۔ جب اُس کا چلہ چالیس (۴۰) دن بعد مکمل ہوا اور اُس کی قبر کھود کر اُسے باہر نکالا گیا تو وہ قریب از مرگ تھا۔ مگر شاباش ہے عوام کو جو اس دُشمنِ خدا کو بزرگ اور ولی اللہ کہنے لگے۔ ان لوگوں سے بشمول اُس شخص کے کون پوچھے کہ ایسی عبادت وریاضت اور چلے کا حکم شریعت نے کب دیا ہے؟ اور اگر نہیں دیا تو یہ خود ساختہ چلے اور ریاضتیں کیونکر فائدہ مند ہو سکتی ہیں اور ان کے ذریعے کون سی بزرگی اور ولایت مل سکتی ہے؟

ہماری اس بحث کے بعد عوام سوال کریں گے کہ اگر ایسے لوگ بزرگ اور ولی اللہ نہیں تو انہیں لوگوں کے دلوں کا حال اور ان کے گھریلو حالات کا علم کیسے ہو جاتا ہے؟ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جو عبادات اور ریاضاتِ شاقہ شریعتِ حقہٗ کی تعلیمات کے مطابق ہوں اُن کے نتیجے میں ایک مؤمن شخص کو دو انعام ملتے ہیں ایک تصفیۂ قلب اور دوسرا تزکیۂ نفس۔ جبکہ شریعت کے احکام کی مخالفت عبادتوں اور چلہ کشیوں سے صرف اور صرف تزکیۂ نفس ملتا ہے۔ وہ تزکیۂ نفس جس کے ساتھ تصفیۂ قلب کی دولت بھی میسر ہو وہ تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بیش بہا نعمت ہے

لیکن تصفیۂ قلب کے بغیر نفس کا تزکیہ کر لینا آفت و مصیبت اور سر اسر جہالت ہے۔ ایسا تزکیہ اگر نجاتِ اخروی کا ذریعہ بن سکتا تو غیر مسلم جوگی اور جادو گر (جو چلوں اور ریاضتوں سے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیتے ہیں) سیدھے جنت چلے جاتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سعادتِ اُخروی کے لئے صرف تزکیۂ نفس کافی وضروری نہیں ہے۔

اب ہم ان دو افراد کی پہچان بتا دیتے ہیں جن میں ایک تو تصفیہ وتزکیہ کی دونوں دولتوں سے فیض یاب ہے اور دوسرا صرف تزکیہ سے مسرور ہے۔ جو شخص لوگوں کو اُن کے دلوں کے بھید اور اُن کے امورِ غیبی کھول دے وہ تصفیۂ قلب کی دولت سے محروم ہو گا اور صرف تزکیہ نفس کی مشق کا حامل ہو گا۔ ایسا شخص قطعاً بزرگ نہیں ہو سکتا۔ اس جاہل شخص کو بھی اور اسے ولی سمجھنے والوں کو بھی کثرت سے استغفار کرنا چاہیئے اور اس قبیح دھندے سے اسلامِ حقیقی کی طرف آنا چاہیئے۔ رہا معاملہ تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس والے شخص کا تو ایسا فرد مؤمنِ حقیقی اور ولایت کے کسی ایک درجے کا حامل ہو گا لیکن وہ قطعی طور پر امورِ غیبی کی بات نہیں کرے گا، سوائے انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفِ رشید حضرت حماد بن امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہ اکبر کی شرح میں فرمایا ہے کہ:

وَمَا حَقٌّ لِلْاَوْلِيَآءِ اَنْ يَّتَكَلَّمَ مِنَ الْغَيْبِ وَالْغَيْبُ خَاصَةُاللهِ۔

ترجمہ: اور اولیاء کرام کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ غیب کی خبر دیں کیونکہ غیب (ذاتی) اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ (نور ظلم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

ریاضت کی قسمیں

ریاضت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ریاضتِ تابعین ۲۔ ریاضتِ منکرین

ریاضتِ تابعین

سنت اور شریعت کے مطابق مجاہدہ وریاضت بجالانا ریاضتِ تابعین کہلاتی ہے، جو اصلاحِ نفس کے لئے ہے اور اطمینان وتزکیۂ نفس کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ یہ اولیائے کرام کی ریاضت ہے جو اتباعِ سنت اور پیروئ شریعت پر مشتمل ہے۔

ریاضتِ منکرین

یہ ریاضت جو سنتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وشریعتِ اسلامیہ کے منکرین کا مشغلہ ہے صرف سببِ تصفیۂ نفس ہے جو مکشوفاتِ کونیہ کا باعث ہے۔ تزکیۂ نفس اور مکشوفاتِ عالمِ وجوب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ جوگیوں، برہمنوں، پادریوں اور حکمائے یونان کی ریاضت ہے۔ انہیں بعض ظاہری کمالات حاصل ہوتے ہیں لیکن قربِ خداوندی اور باطنی کمالات سے بے نصیب ہوتے ہیں۔ تصفیۂ نفس کی مثال تانبے پر سونے کا پانی چڑھانے سے واضح ہوتی ہے اور تزکیۂ نفس کا عمل کیمیاء کے ذریعے تانبے کو خالص سونا بنانے کے مشابہ ہے۔ گویا تصفیۂ نفس ملمع سازی ہے اور تزکیۂ نفس انقلابِ حقیقت۔ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ فَافْهَمْ

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۸۶، ۲۸۷)

مفتاح السلوک، جلد اول میں ہے:

مجاہدہ اور تزکیۂ نفس

تمہید: اہمیت تصوف کی بحث میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ نفس کی بعض صفات ذمیمہ اور خبیثہ ہوتی ہیں ان کا ازالہ فرضِ عین ہے۔ جیسے فقہائے کرام کا موقف ہے لیکن نفس کی صفاتِ رزیلہ محض خواہش اور اس کے حکم کو جان لینے اور تصوف واخلاق کی کتب پڑھنے سے زائل نہیں ہوتیں بلکہ ان اُمور کے ساتھ ساتھ مجاہدہ، عملی تزکیہ اور نفس کو اس کی شدید اور سرکش شہوات سے چھٹکارا دلانا بھی ضروری ہے۔

علامہ بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے:

النفس کالطفل ان تهمله شب علی　　　　حب الرضاع ان تفطمه تفطم

"انسانی نفس بچہ کی طرح ہوتا ہے، اگر تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دے گا تو یہ دودھ کی محبت پر جوان ہو جائے گا اور اگر تو اس کا دودھ چھڑائے گا تو یہ چھوڑ دے گا"۔

مجاہدہ کی تعریف

مجاہدہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اس کا اصل مادہ یا حروف اصلی "ج"، "ہ" اور "د" ہیں۔ جو کہ مشقت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے عربی میں لسی کو مجہود کہتے ہیں، کیونکہ اس کو بلونا پڑتا ہے۔ پہلے دہی بناتے ہیں، پھر دہی کو بلو کر اس میں سے مکھن نکالتے ہیں، تب لسی بنتی ہے۔ چونکہ اتنی مشقت سے گزر کر لسی بنی، اس لئے اسے مجہود کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی سواری کو مشقت میں ڈالتا تھا تو عرب لوگ کہتے تھے، "جَهَدَ دَابَتَهٗ" اس نے اپنے جانور کو مشقت میں ڈال دیا۔

حدیث مبارکہ میں اس کا تذکرہ ہے کہ جب غار حرا میں وحی اتری تو اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا:

اِقْرَأْ۔

"(اے اللہ کے حبیب ﷺ!) پڑھیے"۔

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

مَااَنَابِقَارِئٍ۔

"میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔

تو نبی ﷺ فرماتے ہیں:

فَأَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُھْدُ۔

"مجھے انہوں نے پکڑا اور زور سے دبایا، حتیٰ کہ مجھے مشقت محسوس ہونے لگی"۔

چنانچہ اردو زبان میں مشقت کو جہد یعنی مجاہدہ کہتے ہیں۔

اگر انہی حروف اصلی کو باب تفاعل میں لایا جائے، تو "تجاہد" کا معنی بنتا ہے:

بَذْلُ الْوُسْعِ التَّامِّ فِیْ اَمْرٍ۔

"کسی کام کے کرنے میں اپنی تمام ہمت کو خرچ کرنا"۔

جہد کا ایک معنی طاقت بھی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَالَّذِینَ لَایَجِدُونَ إِلَّا جُھْدَھُمْ (التوبة ۷۹)

اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے۔

مجاہدہ کا اصطلاحی معنی

اصطلاح میں مجاہدہ کا معنی ہے:

محاربة النفس الأمارة بالسوء بتحميلها ما يشق عليها مما هو مطلوب في الشرع۔[429]

"جو کام شرع شریف میں مطلوب ہے اور نفس کے اوپر اس کا کرنا بوجھ ہے، نفس کو مجبور کر کے اس کام کے کروادینے کو مجاہدہ کہتے ہیں"۔

کیونکہ نفس لذت اور آرام چاہتا ہے، عجب و خود پسندی چاہتا ہے۔ جبکہ شریعت کے اوپر عمل کرنے کے لئے جھکنا پڑتا ہے، اپنی میں کو مٹانا پڑتا ہے، لذتیں چھوڑنی پڑتی ہیں، تو یہ سب چیزیں نفس کے اوپر بہت بوجھ ہوتی ہیں۔ اسی لئے نفس کو مجبور کر کے شریعت پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کر دینے کا نام مجاہدہ ہے۔

مجاہدہ کے متعلق علماء کے اقوال

مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

المجاهدة حمل النفس على المشاق البدنية و مخالفة الهوى۔[430]

"مجاہدہ اپنے آپ کو بدنی مشقت اور خواہشات کی مخالفت پر مامور کرنے کا نام ہے"۔

ایک اور جگہ منقول ہے:

هي بذل المستطاع في أمر المطاع۔[431]

"امر ماموربہ میں اپنی مقدور بھر کوشش کا صرف کرنا مجاہدہ کہلاتا ہے"۔

ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

هی کف النفس عن ارادتها من الشغل بغير العبادة۔[432]

---

429 (التعاریف للمناوی، ص ۲۳۸)

430 (التعاریف للمناوی، ص ۲۳۸)

431 (نضرۃ النعیم، ج۸، ص ۳۳۰۵)

432 (فتح الباری، ج ۱۱، ص ۳۳۸)

"نفس کو عبادت کے علاوہ دوسرے مشاغل کے ارادہ سے روکنے کا نام مجاہدہ ہے"۔

بعض بزرگوں نے یہ بھی فرمایا:

هی منع النفس عن المعاصي و بمنعها من الشبهات و بمنعها من الإكثار من الشهوات المباحة۔[433]

"نفس کو گناہوں سے، مشتبہ چیزوں سے، اور جائز شہوات کی کثرت سے روکنے کا نام مجاہدہ ہے"۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجاہدے کے متعلق لکھا ہے:

الجهاد و المجاهدة استفراغ الوسع في مدافعة العدوّ۔[434]

"جہاد اور مجاہدہ دونوں اپنی ہمت کو دشمن کے مقابلے صرف کرنے کا دوسرا نام ہے"۔

مجاہدہ کی اہمیت

مجاہدہ کی اہمیت کے متعلق بھی علماء نے بہت کچھ لکھا ہے:

ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

من زين ظاهره بالمجاهدة حسن الله سرائره بالمشاهدة۔[435]

"جو کوئی اپنے ظاہر کو مجاہدے سے آراستہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدے سے نواز دیتے ہیں"۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا:

---

433 (نضرة النعيم، ج۸، ص ۳۳۰۵)

434 (مفردات القرآن للاصفهانی، ص ۱۰۱)

435 (الرسالة القشيرية، ص ۴۷)

من لم يكن له في بدايته قومة، لم يكن له في نهايته جلسة۔[436]

”جس کی ابتداء میں قومہ نہیں ہوتا، اس کی انتہاء میں جلسہ نہیں ہوتا“۔

ایک اور قول ہے:

مَنْ جَاهَدَ شَاهَدَ۔

”جس نے مجاہدہ کیا، اس نے مشاہدہ پالیا“۔

الحسن القزاز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

بني هذا الأمر (المجاهدة) على ثلاثة أشياء۔

”یہ معاملہ (مجاہدہ) تین چیزوں پر مشتمل ہے“۔

أن لا تأكل إلا عند الفاقة۔

”تم اس وقت تک نہ کھاؤ، جب تک فاقہ طاری نہ ہو جائے“۔

ولا تنام إلا عند الغلبة۔

”اس وقت تک نہ سوؤ جب تک نیند غالب نہ آجائے“۔

ولا تتكلم إلا عند الضرورة۔[437]

”اور ضرورت کے علاوہ کسی سے بات نہ کرو“۔

مخالفت نفس کا دلچسپ قصہ

ایک روایت میں ایک واقعہ آیا ہے:

أن راهبا اشتهر ببلاد مصر بالمكاشفة فقال عالم من المسلمين لا بد من قتله خوفا على المسلمين أن يفتنهم فقصده بسكين مسمومة، فلما طرق بابه قال اطرح السكين وادخل يا

---

[436] (الرسالة القشيرية، ص ۴۷)

[437] (الرسالة القشيرية، ص ۴۸)

عالم المسلمين، فطرحها ودخل فقال من أين لک فور المکاشفة قال بمخالفة النفس فقال هل لک في الإسلام قال نعم أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله فقال ما حملک علی ذلک قال عرضت الإسلام علی نفسي فأبت فخالفتها۔[438]

ایک راہب مصر کے علاقے میں اپنے کشف کی وجہ سے مشہور ہو گیا، مسلمانوں کے ایک عالم نے کہا کہ اس کے قتل کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ کہیں یہ مسلمانوں کو فتنہ میں نہ ڈال دے۔ تو انہوں نے ایک زہر آلود چھری سے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ جب وہ اس کے دروازے کے پاس پہنچے تو اس راہب نے کہا کہ اے مسلمانوں کے عالم! چھری پھینک دو اور اندر آ جاؤ! انہوں نے چھری پھینک دی اور اندر چلے گئے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہیں کشف کیسے ہونے لگا؟ تو اس نے جواب دیا کہ اپنے نفس کی مخالفت کرنے کی وجہ سے۔ تو مسلمان عالم نے پوچھا: کیا تم اسلام لاؤ گے؟ راہب نے کہا: ہاں اور کلمہ پڑھ لیا۔ عالم نے پوچھا کہ کس چیز نے تمہیں اس پر قائل کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس پر اسلام کو پیش کیا تو میرے نفس نے اس کا انکار کیا، چنانچہ میں نے نفس کی مخالفت کی (اور اسلام قبول کر لیا)۔

صالحین کے مقام تک پہنچنے کی شرائط

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

لَنْ يَنَالَ الدَّرَجَةَ الصَّالِحِيْنَ حَتّٰى يُجَاوِزَ سِتَّ عَقَبَاتٍ۔

"کوئی بھی شخص صالحین کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ چھ مرحلے پار نہ کر لے"۔

ان يغلق باب النعمة، وتفتح باب الشدّة.

"وہ نعمت کا دروازہ بند کر لے اور سختی کا دروازہ کھول لے"۔

---

[438] (نزھۃ المجالس و منتخب النفائس، ص ۸۹)

والثانية: تغلق باب العزِّ، وتفتح باب الذلِّ.

”وہ عزت کا دروازہ بند کرلے اور ذلت کا دروازہ کھول لے“۔

والثالثة: تغلق باب الراحة، وتفتح باب الجهد.

”وہ آرام کا دروازہ بند کرلے اور مشقت کا دروازہ کھول لے“۔

والرابعة: تغلق باب النوم، وتفتح باب السهر.

”وہ نیند کا دروازہ بند کرلے اور بیداری کا دروازہ کھول لے“۔

والخامسة: تغلق باب الغنى، وتفتح باب الفقر.

”وہ غنیٰ کا دروازہ بند کرلے اور فقر کا دروازہ کھول لے“۔

والسادسة: تغلق باب الأمل، وتفتح باب الاستعداد للموت۔

”وہ امید کا دروازہ بند کرلے اور موت کی تیاری کا دروازہ کھول لے“۔[439]

انسان کو تباہ کرنے والی چھ چیزیں

ذوالنون المصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

إنما دخل الفساد على الخلق من ستة أشياء:

”مخلوق میں خرابی چھ چیزوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے“۔

ضعف النية بعمل الآخرة.

”آخرت سے متعلقہ اعمال کرنے میں ارادے کی کمزوری“۔

صارت أبدانهم رهينة لشهواتهم.

”ان کے جسم اپنی شہوتیں پوری کرنے کے تابع ہوگئے“۔

غلبهم طول الأمل مع قرب الأجل.

---

[439] (الرسالۃ القشیریۃ، ص ۴۸)

"موت کے قرب کے باوجود لمبی امیدیں ان پر غالب آجاتی ہیں"۔

آثروا رضا المخلوقین علی رضا الخالق.

"وہ مخلوق کے راضی کرنے کو خالق کے راضی کرنے پر ترجیح دیتے ہیں"۔

اتبعوا أھواءھم ونبذوا سنۃ نبیھم صلی اللہ علیہ وسلم، وراء ظھورھم.

"وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں"۔

جعلوا قلیل زلاّت السلف حجۃ لأنفسھم، ودفنوا کثیر مناقبھم۔[440]

"وہ سلف صالحین کی معمولی غلطیوں کو اپنے لیے دلیل بنالیتے ہیں اور ان کے کثیر فضائل کو دفن کردیتے ہیں"۔

مجاہدہ احادیث کی روشنی میں

احادیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے مجاہدہ کے بارے میں بہت کچھ فرمایا ہے۔ مثلاً:

لیس عدوک الذي إذا قتلک أدخلک الجنۃ وإذا قتلتہ کان لک نورا۔

"تمہارا دشمن وہ نہیں کہ جو اگر تم کو قتل کرے تو تمہارے جنت میں جانے کا سبب بن جائے، اور اگر تم اس کو قتل کرو تو وہ تمہارے لیے نور ہو جائے"۔

ولکن عدوک نفسک التي بین جنبیک۔[441]

"لیکن تیرا دشمن تیرا نفس ہے، جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے"۔

---

440 (الرسالۃ القشیریۃ، ص ۴۹، الاعتصام للشاطبی، ص ۶۸)

441 (کشف الخفاء، ج ۲، ص ۱۷۰)

کیونکہ وہ تجھے دنیا میں الجھاتا ہے، اور تم اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر آمادہ کرو۔ عجیب بات ہے کہ آج کا انسان نفس کو پالنے میں مشغول ہے اور نفس اسے جہنم میں دھکیلنے میں مشغول ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا:

عادنفسک فإنها انتصبت لمعاداتي۔[442]

"اپنے نفس کی دشمنی کرو، اس لئے کہ وہ میری دشمنی سے تھک چکا ہے"۔

إن أخوف ما أتخوف علی أمتي الهوی۔[443]

"مجھے جس چیز کا امت پر سب سے زیادہ خوف ہے، وہ خواہشات نفسانی ہیں"۔

اس امت کو اللہ تعالیٰ رزق کی وسعت دے گا اور یہ خواہشات نفسانی پورا کرنے میں لگ جائے گی، آخرت کو بھول جائے گی۔

ثلاث مهلکات شح مطاع وهوی متبع وإعجاب المرء بنفسه۔[444]

تین چیزیں ہلاک کر دینے والی ہیں: ایسی کنجوسی جس پر عمل کیا جائے، اور ایسی خواہشات جن کی پیروی کی جائے اور کسی شخص کا اپنے آپ سے خوش ہونا"۔

مَا مِنْ شَيْءٍ يُعْبَدُ تَحْتَ ظِلِّ السَّمَآءِ أَبْغَضُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ هَوًى مُتَّبَعٍ۔[445]

---

442 (الاحکام للآمدی، ج ا، ص ۱۹۷)

443 (شعب الایمان، حدیث: ۱۰۱۳۲)

444 (شعب الایمان، حدیث: ۷۳۱)

445 (المطالب العالیۃ لابن حجر: حدیث: ۲۹۹۰)

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسمان کے سائے کے نیچے کوئی ایسا معبود نہیں جس کی پرستش کی جائے جو ان خواہشات نفسانی سے زیادہ مبغوض ہو“۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جہاد اور غزوہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

اِبْدَأْ بِنَفْسِکَ فَجَاهِدْهَا وَابْدَأْ بِنَفْسِکَ فَاغْزُهَا۔[446]

”تم اپنے نفس سے جہاد کرنے سے ابتداء کرو، اور اپنے نفس سے غزوہ کرنے سے ابتداء کرو“۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

أول ماتنكرون من جهاد كم أنفسكم۔[447]

”سب سے پہلے تم جس جہاد سے انکار کروگے، وہ تمہارا اپنے نفس کے خلاف جہاد ہوگا“۔

مجاہدے کی اقسام

مجاہدے کی تین قسمیں ہیں:

تلوار کے ساتھ جہاد

جِهَادُ الظَّاهِرِ مَعَ الْكُفَّارِ بِالسَّيْفِ۔

”یہ ظاہری جہاد ہے، جو کافروں کے ساتھ تلوار سے کیا جاتا ہے“۔

كَمَا قَالَ تَعَالَىٰ فِيْ حَقِّ عِبَادِهِ۔

---

446 (الزهد الكبير للبيهقي، ج ۱، ص ۳۸۴)

447 (جامع العلوم والحكم: ۱۹۲)

”جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے حق میں فرمایا ہے“۔

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (المائدة ۵۴)

”وہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے“۔

علم اور دلیل کے ساتھ جہاد

وَجِهَادٌ مَعَ اَصْحَابِ الْبَاطِلِ بِالْعِلْمِ وَالْحُجَّةِ۔

”اصحاب باطل کے ساتھ جہاد علم کے ذریعے اور دلیلیں قائم کر کے“۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (النحل ۱۲۵)

”اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو“۔

ایک اور جگہ فرمایا:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (الفرقان ۵۲)

تو کافروں کا کہانہ مان اور اس قرآن سے اُن پر جہاد کر بڑا جہاد۔

اور یہاں بِہٖ میں ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے۔

نفس کے ساتھ جہاد

وَجِهَادٌ مَعَ النَّفْسِ الْاَمَّارَةِ بِالسُّوءِ۔

”اور برائی پر آمادہ کرنے والے نفس سے جہاد“۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (العنكبوت ۶۹)

اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

نفس کے خلاف مجاہدے کی پانچ قسمیں بیان کی گئی ہیں:

اَوّلاً: مُخالَفَتُهَا فِيْ رَغَبَاتِهَا الْمُبْعِدَةِ عَنِ اللهِ وَ مَنْعُهَا عَنِ الشَّهَوَاتِ الْمُحَرَّمَةِ۔

"ان چیزوں کی مخالفت کرنا جن کی طرف نفس کو رغبت ہو اور جو اللہ تعالیٰ سے دور کر دینے والی ہوں اور ناجائز شہوات سے خود کو روکنا"۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى (٤٠) فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى (النازعات ٤١)

اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنّت ہی ٹھکانا ہے۔

ثَانِيًا: اَلْمُجَاهَدَةُ بِفِعْلِ الطَّاعَاتِ وَ اشْتِغَالِ النَّفْسِ بِالصَّالِحَاتِ۔

"اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خود کو نیک کاموں میں مشغول رکھ کر مجاہدہ کرنا"۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

المجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله۔[448]

"مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرے"۔

---

448 (صحيح ابن حبان، حديث: ٤٨٦٢)

ثَالِثًا: مُرَاقَبَةُ اللهِ الدَّائِمَةُ۔

"ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کا استحضار"۔

وَ اَنَّهٗ مَعَهٗ دَائِمًا يَعْلَمُ سِرَّهٗ وَ جَهْرَهٗ وَ هُوَ يَرَاهُ وَ يَسْمَعُهٗ وَ لَا تَخْفٰى عَلَيْهِ خَافِيَةٌ۔

"اور بے شک وہ اس کے ساتھ ہر وقت ہے، وہ اس کے راز بھی جانتا ہے اور کھلے ہوئے اعمال بھی، اور وہ اسے دیکھ بھی رہا ہے اور سن بھی رہا ہے، اور اس سے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے"۔

رَابِعًا: مُجَالَسَةُ الصَّالِحِيْنَ وَ الْعُلَمَآءِ الْعَامِلِيْنَ مِمَّا يَجْلُو الْقَلْبَ وَ يُضَعِّفُ النَّفْسَ۔

ایسے نیک لوگوں اور با عمل علماء کی مجلس جو دل کو جلا بخشے اور نفس کو کمزور کرے"۔

فَفِيْ ذٰلِكَ عَوْنٌ عَلٰى اِبْعَادِ النَّفْسِ عَنْ مُشْتَهَيَاتِهَا۔

"چنانچہ اس سے نفس کو اپنی پسند کی چیزوں سے روکنے میں مدد ملتی ہے"۔

خَامِسًا: اَلْاِسْتِعَانَةُ الدَّائِمَةُ بِاللهِ عَزَّ وَ جَلَّ عَلٰى مُجَاهَدَةِ النَّفْسِ۔

"ہر وقت اللہ تعالیٰ سے نفس کے خلاف مجاہدے میں مدد مانگنا"۔

وَ التَّضَرُّعُ اِلَيْهِ مَعَ الدُّعَاءِ الدَّائِمِ بِاَنْ يُّعِيْنَهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ۔

"اور ہر وقت گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نفس کے خلاف اس کے معاون بن جائیں"۔

كَمَا عَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ حِيْنَ اَسْلَمَ اَنْ يَّقُوْلَ۔

"جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے عمران بن حصین کو سکھایا، جب وہ اسلام لائے کہ وہ یہ کہیں:"

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَ اَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ۔

”اے اللہ! مجھے ہدایت عطا فرمائیں اور میرے نفس کے شر سے مجھے پناہ عطا فرمائیں“۔

الحاصل:

راغب اصفہانی اپنی کتاب ”مفردات قرآن“ میں فرماتے ہیں:

”الجهادو المجاهدة استفرا غ الوسع فی مدافعة العدو“

یعنی ”جہاد اور مجاہدہ دشمن کے مقابلہ کیلئے اپنی پوری قوت صرف کرنے کا نام ہے۔“

جہاد کی تین اقسام ہیں:

(۱): ظاہری دشمن کے ساتھ جہاد۔

(۲): شیطان کے ساتھ جہاد۔

(۳): نفس کے خلاف جہاد۔

اور یہ تینوں اقسام اس ارشادِ باری تعالیٰ سے مراد ہو سکتی ہیں:

(۱): وَجَاهِدُوْا فِی اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ (حج ۷۸)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر توڑ کوشش کرو جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے“

(۲): وَجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ۔ (توبہ: ۴۱)

ترجمہ: ”اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں“

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

جاهدوا اهوائكم كما تجاهدون اعدائكم۔

ترجمہ: ”اپنی خواہشات کے ساتھ جہاد کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتے ہو“۔[449]

[449] (المفردات فی غریب القرآن مادة جهد ص ۱۰۱)

مجاہدۂ نفس سے مراد نفس کی مذموم صفات چھڑانا اور اللہ کی شرع کو اس پر نافذ کرنا ہے۔

کتاب و سنت اور مجاہدۂ نفس:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔" (عنکبوت: ۶۹)

ترجمہ: "اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی رکھنے کیلئے ہم ضرور دکھادیں گے اپنے راستے۔"

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: المجاهد من جاهد نفسه فی الله "مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کیلئے اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے"[450]

مجاہدہ کا حکم:

تزکیۂ نفس فرضِ عین ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا اور تزکیۂ نفس، مجاہدہ کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اس طرح مجاہدہ بھی فرضِ عین ہے کیونکہ جس چیز پر واجب کی تکمیل موقوف ہو، وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

شیخ عبد الغنی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجاہدۂ نفس عبادت ہے اور علم کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں اور یہ ہر مکلف پر فرضِ عین ہے۔[451]

---

[450] (أخرجه الترمذی فی کتاب فضائل الجهاد وقال: حديث حسن صحيح، وزاد البيهقی فی "شعب الايمان" برواية فضالة: "والمجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله، والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب"۔ "مشکاة المصابيح للتبريزی" کتاب الايمان رقم ۳۴)

[451] (شرح طريقه محمديه، ج ۱ ص ۳۲۳)

کیاانسانی صفات کو تبدیل کرنا ممکن ہے؟

بلا شک وشبہ انسانی ناقص صفات اور مذمومہ عادات کو تبدیل کرنا ممکن ہے کیونکہ اگر ایسا کرنا ناممکن ہوتا، تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہ ُتَعالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم کی بعثت کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور نہ ہی آپ صَلَّی اللّٰہ ُتَعالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم کے بعد آنے والے علماء، عاملین، صوفیاء اور صلحاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی کوئی ضرورت تھی۔ جب بہت سے خونخوار درندوں اور پرندوں کو سدھارنا اور ان کی صفات کو تبدیل کرنا ممکن ہے تو وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے احسنِ تقویم کا تاج پہنایا ہے وہ بدرجہ اولی اس کا مستحق ہے۔

مجاہدۂ نفس سے مراد ان صفات کو یکدم جڑ سے اکھاڑ دینا نہیں بلکہ اس سے مراد صفاتِ سیئہ کو آہستہ آہستہ صفاتِ حسنہ میں تبدیل کرنا ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کیلئے اس کو صراطِ مستقیم کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔

غصہ اس وقت صفتِ مذمومہ ہے جب انسان اپنی ذات کیلئے غصہ میں آئے لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کیلئے غصہ میں آئے تو یہی صفت ممدوح ہو جاتی ہے۔ جس طرح رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ ُتَعالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم اس وقت جلال کا اظہار فرماتے، جب اللہ تعالیٰ کی حرمات کی بے ادبی ہوتی یا حدود اللہ میں سے کسی حد کو معطل کیا جاتا لیکن جب آپ صَلَّی اللّٰہ ُتَعالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف دی گئی اور طائف میں آپ صَلَّی اللّٰہ ُتَعالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم کی ایڑی مبارک کو لہو لہان کر دیا گیا، تو آپ صَلَّی اللّٰہ ُتَعالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم نے اپنی ذات کیلئے غصہ نہیں فرمایا، بلکہ اذیت دینے والوں کیلئے ہدایت کی دعا فرمائی اور ان کیلئے اللہ کی راہ میں عذر خواہ ہوئے۔

اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کی:

"اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون"[452]

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما وہ میری حقیقت کو نہیں جانتے"۔

اسی طرح تکبر بھی صفت مذمومہ ہے جب کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر تکبر کرے، مگر جب ایک مسلمان متکبر کافر کے مقابلہ میں تکبر کرے گا تو یہی صفت ممدوح ہو جائے گی کیونکہ اب یہ اللہ کے راستے اور شرعی حدود کے ضمن میں داخل ہے۔ اسی طرح اکثر صفاتِ مذمومہ مجاہدہ کے ساتھ تبدیل ہو کر ممدوحہ بن جاتی ہیں۔

مجاہدہ کا طریقہ

مجاہدہ کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ سالک نفس کی کسی خواہش پر راضی نہ ہو اور اس کے خالق و مالک نے نفس کے بارے میں جو خبر دی ہے اس پر کامل یقین رکھے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ۔ (یوسف:۵۳)

ترجمہ: "بے شک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا"

اور اسے معلوم ہونا چاہئے کہ نفس ہی وصول الی اللہ کیلئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس تک پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے۔ یہ نفس رکاوٹ اس وقت ہوتا ہے جب نفس امارہ ہو اور گناہوں اور حکمِ الٰہی کی مخالفت سے لطف اندوز ہو لیکن مجاہدہ اور تزکیہ کے بعد یہی نفس راضیہ اور مرضیہ بن جاتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکم کی پیروی اور اس کی ذات سے انس و محبت کے علاوہ اسے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔

---

[452] (رواه البخاري في صحيحه في كتاب أحاديث الأنبياء)

مؤمن جب اپنے نفسانی عیوب کا سراغ لگا لیتا ہے اور ان کے علاج کا سچا ارادہ کر لیتا ہے تو لوگوں کے عیوب میں مشغول ہونے اور ان کی غلطیوں کو شمار کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ اور جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ دوسروں کی غلطیاں شمار کرنے میں مشغول اور اپنے نفس کے عیوب سے غافل ہے تو جان لو کہ وہ احمق اور جاہل ہے۔ حضرت شیخ ابو مدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لا تلم المرء علی فعله　　و انت منسوب الی مثله

من ذم شیئا اتی مثله　　فانما دل علی جهله

(۱) تو کسی کو اس کے عمل پر ملامت نہ کر جب کہ تو ہی اس قسم کا عمل کرنے والا ہو۔

(۲) جو کسی عمل کی مذمت کرتا ہے اور پھر اس کو اختیار کرتا ہے تو یہ اس کی جہالت کی دلیل ہے۔

اسی لئے کہا گیا ہے:

لا تری عیب غیرک مادام فیک عیب　　و العبد لا یخلو من عیب ابدا

ترجمہ: ”جب تک تجھ میں عیب موجود ہے تو کسی غیر کے عیب کی طرف نہ دیکھ اور بندہ کبھی عیب سے خالی نہیں ہوتا۔“

جب انسان اپنے نفسانی عیوب کو جان لیتا ہے تو پھر اپنے نفس کی ناجائز خواہشات اور بری عادات کو ترک کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو عبادات اور طاعات میں مصروف کر لیتا ہے، اپنی رفتار کے مطابق بتدریج مجاہدہ کو جاری رکھتا ہے۔

وہ ابتداءً ان گناہوں کو ترک کر دیتا ہے جن کا تعلق زبان، کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، پیٹ اور فرج سے ہوتا ہے۔ پھر ان سات اعضاء کو ان عبادات کے ساتھ مزین وآراستہ کرتا ہے جو ان کے مناسب ہوں۔ یہ سات اعضاء دل کی طرف جانے والے سات راستے ہیں۔ اب انسان چاہے تو اس میں گناہ اور معصیت کی تاریکیوں کو داخل کر کے اس کو آلودہ اور بیمار کر دے چاہے تو اطاعت اور عبادات کر کے اس کو شفاف اور منور کر دے۔

پھر صفاتِ باطنہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور ناقص صفات یعنی تکبر، ریا اور غضب وغیرہ کو صفاتِ کاملہ میں تبدیل کرتا ہے کیونکہ مجاہدہ کا راستہ انتہائی دشوار گزار اور پُر پیچ ہے۔ اس لئے مرید کا تنہا اس میں داخل ہونا انتہائی مشکل ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ کسی ایسے مرشد کی صحبت اختیار کرے جو نفس کے عیوب سے باخبر اور اس کے علاج معالجہ کے طریقے جانتا ہو تاکہ مرید اس کی صحبت سے تزکیۂ نفس اور اس کے مختلف اسالیب کا عملی تجربہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے مرشد و شیخ سے روحانی فیض بھی حاصل کرے جو مرید کی شخصیت اور ذات کی تکمیل میں معاون ہو اور اسے برائیوں سے دور کر کے اعلیٰ درجہ پر فائز کرے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم وہ مرشدِ اوّل اور مُزکّیٔ اعظم تھے جنہوں صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تربیت کی اور اپنے حال و قال سے ان کے نفوس کا تزکیہ کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی صفات بیان کی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِیۡ الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ (الجمعہ ۲)

ترجمہ: ''وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کے دلوں کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''

اپنے آپ کو مرشد کے سپرد کرنا پھر اس کی صحبت پر استقامت اختیار کرنا ہی مرید کیلئے نفع مند ہے۔ جس طرح مریض اپنے آپ کو طبیب کے سپرد کر دیتا ہے لیکن جب شیطان مرید کے دل میں غرور اور حد سے بڑھ کر خود اعتمادی کی بیماری داخل کر دے اور وہ اپنی ذات پر بھروسہ کرنے لگے اور اپنے شیخ کی صحبت سے مستغنی ہو جائے تو محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس کا سفر وہیں موقوف ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا گمان ہوتا ہے کہ وہ منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ وہ اس سلسلہ سے منقطع ہو چکا ہوتا ہے جبکہ اس کا یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اس سے متصل ہے۔

شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر ''روح البیان'' میں فرماتے ہیں: ''درمیانہ طبقے کے بہت سے سالکین کو دورانِ سلوک کثیر آفات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جب ان کا نفس کثرتِ مجاہدات اور ریاضات سے اکتا جاتا ہے تو شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ وہ سلوک کی اس منزل تک پہنچ چکے ہیں جہاں شیخ کی صحبت اور اس کے احکام کو تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے وہ اپنے شیخ کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی خواہشات کی اتباع کے راستے پر چل نکلتے ہیں اور مختلف قسم کی مشکلات اور شیطان کے پھندہ میں پھنس جاتے ہیں۔ [453]

مجاہدہ کے متعلق عارفین اور مشائخ عظام کے اقوال

---

[453] (تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۱۴۹)

ابو العثمان مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! جس نے یہ گمان کیا کہ بغیر مجاہدہ کے اس کو مقام حاصل ہو گیا ہے یا اس پر کوئی چیز منکشف ہوئی ہے تو وہ غلطی پر ہے۔[454]

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے وہ فرماتے ہیں: اے گروہِ جوانان! محنت کرو قبل اس کے کہ تم میری عمر کو پہنچ جاؤ اور کمزور ہو جاؤ اور تمہارے اعمال میں کمی آ جائے جیسے میں کمزور ہو گیا ہوں اور میرے اعمال میں کمی واقع ہو گئی ہے حالانکہ اس عمر میں بھی کوئی نوجوان عبادت میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

جو انسان اپنے نفس کو اچھا گمان کرتا ہے وہ اپنے نفس کے عیوب کو نہیں پہچان سکتا۔ اپنے نفس کے عیوب کو وہی پہچان سکتا ہے جو تمام احوال میں اپنے نفس کو متہم کرتا ہے۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے ظاہر کو مجاہدہ کے ساتھ مزین وآراستہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدہ کے ساتھ عمدہ بنا دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔“(عنکبوت: ۶۹)

ترجمہ: ”اور جو بلند ہمت مصروفِ جہاد رہتے ہیں ہماری رضا کیلئے ہم انہیں ضرور دکھا دیں گے اپنے راستے“

جان لو کہ جو شخص آغاز میں صاحبِ مجاہدہ نہ ہو تو اس کا طریقت کے قریب تک سے بھی گزر نہ ہوا۔

---

[454](الرسالۃ القشیریۃ ص ۵۰-۴۸)

امام برکوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے عیب کو نہیں جانتا وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے کیونکہ گناہ کفر کے قاصد اور نامہ بر ہوتے ہیں۔[455]

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس کی نجات اسی میں ہے کہ بندہ اس کی خواہشات کی مخالفت کرے اور اس کو ان اشیاء پر برانگیختہ کرے جن کا حکم اس کے رب نے دیا ہے۔[456]

امام برکوی فرماتے ہیں کہ مجاہدہ یہ ہے کہ ہر وقت نفس کی مخالفت کی جائے۔ یہ عابدوں کا سرمایہ، زاہدین کا راس المال اور نفوس کی درستگی اور اس کی تذلیل کا دارومدار ہے اور ارواح کی تقویت اور تزکیہ اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچنے کا سبب اور وسیلہ ہے۔

اے سالک! تجھ پر لازم ہے کہ نفس کو خواہشات سے روکے اور اس کو مجاہدہ میں مشغول کرے، اگر تو اللہ سے ہدایت کا طالب ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱)"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔"(عنکبوت:۶۹)

ترجمہ:"اور جو بلند ہمت مصروفِ جہاد رہتے ہیں ہماری رضا کیلئے ہم انہیں دکھا دیں گے اپنے راستے"

(۲):"وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ۔"(عنکبوت:۶)

ترجمہ:"اور جو شخص کوشش کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کیلئے ہی کوشاں ہے"[457]

---

[455](الرسالۃ القشیریۃ ص ۵۰-۴۸)

[456](تعلیقات علیٰ الرسالۃ القشیریۃ)

[457](الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ ج ۱ ص ۴۵۵)

ابن عجیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مرید کیلئے ابتدائے طریقت میں داخل ہونے کیلئے مجاہدہ، مشقت اور صدق و تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ آخری منازل کو ظاہر اور روشن کرتا ہے۔ جس کا آغاز روشن ہو اس کی انتہا بھی روشن ہوتی ہے۔ اگر ہم کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ طلبِ حق میں اپنی جان، روح اور عزت و مرتبہ کو قربان کر دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ وہ مقامِ عبودیت تک پہنچ جائے اور وظائفِ ربوبیت ادا کرے تو ہم جان لیتے ہیں کہ اس کی انتہا محبوب تک پہنچنے پر ہو گی اور جب کسی کو دیکھیں کہ وہ اپنے امور میں کوتاہی کرنے والا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔[458]

قال محی الدین ابن عربی رحمه الله (من کتاب "الفتوحات المکیة" الریاضات والخلوات والمجاهدات وأثرها): "ولما رأت عقول أهل الایمان بالله تعالیٰ أن الله تعالیٰ قد طلب منها أن تعرفه بعد أن عرفته بأدلتها النظریة، علمت أن ثمّ علماً آخر بالله لا تصل إلیه من طریق الفکر، فاستعملت الریاضات والخلوات والمجاهدات وقطع العلائق، والانفراد والجلوس مع الله بتفریغ المحل، وتقدیس القلب عن شوائب الأفکار؛ إذ کان متعلق الأفکار الأکوان، واتخذت هذه الطریقة من الأنبیاء والرسل، وسمعت أن الحق جل جلاله (حدیث "ینزل الله إلی السماء الدنیا...الخ" رواه الدارمی فی باب الصلاة) ینزل الیٰ عباده ویستعطفهم فعلمت أن الطریق إلیه من جهته أقرب إلیه من الطریق من فکرها۔ ولا بد لأهل الإیمان وقد عرفوا قوله تعالیٰ (حدیث "اذا تقرب إلی العبد شبراً تقربت إلیه ذراعاً..." رواه البخاری عن أنس وأبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه وأبی عوانة رضی الله تعالیٰ عنه والطبرانی رضی الله تعالیٰ عنه عن سلیمان رضی الله تعالیٰ عنه) "من أتانی یسعیٰ أتیته هرولة" وأن قلبه (أی قلب المؤمن) وسع جلال وعظمته۔ فتوجه العقل إلیه تعالیٰ بکله وانقطع من کل ما یأخذ عنه من هذه القویٰ، فعند هذا التوجه (أفاض الله علیه من نوره علماً إلهیاً عرفه بأن الله تعالیٰ من

[458] (ایقاظ الھمم ج ۲ ص ۳۷)

طریق المشاهدة والتجلی، لا یقلبه کون ولا یرده کون) ولذلک قال اللہ تعالیٰ : {إِنَّ فِیْ ذٰلِکَ}[ق:٣٧] یشیر إلیٰ العلم ب اللہ من حیث المشاهدة{لَذِکْریٰ لِمَنْ کَانَ لَهُ قَلْبٌ}[ق:٣٧] ولم یقل غیر ذلک القوة کقوة وراء طور العقل تصل العبد بالرب۔فإن القلب معلوم بالتقلب فی الأحوال دائماً فهو لا یبقیٰ علیٰ حالة واحدة فکذلک التجلیات الإلهیة، فمن لم یشهد التجلیات بقلبه ینکرها بعقله، فإن العقل یقید غیره من القویٰ إلا القلب فإنه لا یتقید وهو سریع التقلب فی کل حال ولذا قال الشارع: ”إن القلب بین أصبعین من أصابع الرحمن یقلبه کیف یشاء“فهو یتقلب بتقلب التجلیات، والعقل لیس کذلک، فالقلب هو القوة التی وراء طور العقل، فلو أراد الحق فی هذه الآیة بالقلب أنه العقل ماقال {لِمَنْ کَانَ لَهُ قَلْبٌ}[ق:٣٧]فإن کل إنسان له عقل وما کلّ إنسان یعطیٰ هذه القویٰ التی وراء طور العقل، المسماة قلباًفی هذه الآیة، فلذلک قال{لِمَنْ کَانَ لَهُ قَلْبٌ}[ق:٣٧][459]

مجاہدہ کے بارے میں شبہات کا رد

اگر کوئی کہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ان لذات کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱): ”قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللہِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ“ (اعراف ٣٢)

ترجمہ: ”آپ فرمادیجئے کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کیلئے اور (کس نے حرام کئے) لذیذ پاکیزہ کھانے۔“

(۲): یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (مائدہ ٨٧)

---

[459] (الفتوحات المکیة ص ٣٤٣)

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ حرام کرو پاکیزہ چیزوں کو جنہیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو"۔

تو ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ نے حلال کو حرام نہیں بنایا کیونکہ ان کی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد اللہ تعالیٰ کی شرع کے ساتھ مقید رہنا ہے لیکن جب انہوں نے جان لیا کہ تزکیہ فرضِ عین ہے اور یہ بھی جان لیا کہ نفس کی صفاتِ سیئہ انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتی ہیں اور مراتب کمال میں ترقی سے روکتی ہیں تو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ وہ اپنے نفوس کو مہذب اور ان کو خواہشات کی قید سے آزاد کرائیں گے۔

عظیم صوفی حکیم ترمذی اس شبہ کا رد فرماتے ہیں کہ ان آیات سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم اس سے کسی چیز کو حرام کرنے کا ارادہ نہیں کرتے، بلکہ ہمارا مقصد تو تادیبِ نفس ہے۔ یہاں تک کہ نفس ادب سے آراستہ ہو جائے اور جان لے کہ اس نے کیسے عمل کرنا ہے۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے:

"اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ" (اعراف ۳۳)

ترجمہ: "بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور (حرام کر دیا) گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے۔"

حلال چیزوں میں حد سے تجاوز کرنا حرام ہے۔ اسی طرح فخر ومباہات، ریا اور اسراف حرام ہے۔ سالک کو ان چیزوں سے اس لئے روکا گیا ہے تا کہ اس کے دل میں خرابی پیدا نہ ہو جائے۔ جب میں نے دیکھا کہ نفس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رزق کو حاصل کرتا ہے اور مباہات کا ارادہ کرتا ہے تو میں نے جان لیا کہ اس نے حرام کو حلال کے ساتھ ملا لیا ہے اور شکر کو ضائع کر دیا ہے۔ اس کو تو رزق

اس لئے عطا کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے نہ کہ کفر۔ جب میں نے اس کا سوئے ادب دیکھا تو اس کو ان چیزوں سے منع کر دیا حتیٰ کہ وہ ذلیل اور تابع ہو گیا اور میرے رب نے جب مجھے اپنی ذات میں مجاہدہ کرتے ہوئے دیکھا تو مجھے اپنی راہ میں ہدایت فرمائی۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ہے:

"وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔" (عنکبوت ٦٩)

ترجمہ: "اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کیلئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ محسنوں کے ساتھ ہے"

میں مجاہدہ کی وجہ سے اس کے نزدیک محسن ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو گئی۔ اور جسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو جائے، وہ ایسے گروہ کے ساتھ ہو جاتا ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور ایسے چوکیدار کے ساتھ ہوتا ہے جو کبھی نہیں سوتا اور ایسے ہادی کے ساتھ ہوتا ہے جو کبھی نہیں بدلتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک نور پیدا کر دیتا ہے جو اسے جلد ہی آخرت کے ثواب کی طرف لے جاتا ہے، جیسا کہ حضور پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! "جب کسی بندہ کے دل میں نور القا کر دیا جائے تو اس کا دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے" عرض کی گئی یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کیا اس کی علامت بھی ہے؟ تو فرمایا ہاں اس کی علامت دارِ غرور سے پہلو تہی اور دار الخلود کی طرف رجوع اور قبل از وقت اس کی تیاری کرنا ہے۔

دل میں نور آ جانے کی وجہ سے سالک فانی دنیا سے پہلو تہی کرتا ہے اور اس نور کے ذریعہ دنیا کے عیوب، مصائب اور آفات اور فریب کاریوں کو جان لیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے دل سے بدکاری، ریا، فخر و مباہات اور حسد و تکبر نکل جاتا ہے۔ یہ تمام برائیاں اس وقت جنم لیتی ہیں جب

انسان دنیا کی تعظیم و محبت اور حلاوت کو دل میں بٹھالے۔ ان تمام آفات سے نجات کا ذریعہ صرف اور صرف مجاہدۂ نفس ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی تمام خواہشات کو ترک کر دیتا ہے۔[460]

بعض لوگ جہالت اور جلد بازی سے کام لیتے ہوئے یہ گمان کرتے ہیں کہ تصوف کے مجاہدات بدھ مت یا ہندو مت سے ماخوذ ہیں اور اس کی اصل نصرانی مذہب کی اس بے راہ روی سے ملتی ہے جس میں جسم کو عذاب دینا روح کی بالیدگی اور ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ تصوف کا تعلق اس رہبانی رجحان سے ہے جو ان تین افراد میں ظاہر ہوا جنہوں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی عبادت کے بارے میں پوچھا، جب انہیں بتایا گیا تو شاید انہوں نے اس کو قلیل گمان کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں صومِ دہر رکھوں گا، دوسرے نے کہا میں ساری رات قیام میں گزار دوں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے عزلت اختیار کروں گا اور شادی نہیں کروں گا۔ جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں ان کا معاملہ پیش کیا گیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ان کے افکار کی تصحیح کی، اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی فرمائی۔ ان سب اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ تصوفِ اسلامی کو کسی بھی دَور میں مستقل شریعت اور جدید دین کی حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنے کی عملی صورت اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی کامل اتباع کا نام ہے ان معترضین کو یہ شبہ اس وجہ سے لاحق ہوا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ تصوف میں دین حنیف کی حدود اور شرعی بنیادوں پر تزکیۂ نفس اور اس کی تربیت اور مجاہدہ کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پس انہوں نے بغیر کسی سوچ و بچار کے نصرانیوں

---

[460] (الریاضۃ وأدب النفس للحکیم الترمذی ص ۱۲۴)

کی بے راہ روی پر تصوف کو قیاس کیا حالانکہ دینی حدود میں مقید مجاہدہ کے دوران اور دینی غلو، انحراف اور حرام کو حلال کرنے اور تعذیب جسم میں بہت بڑا فرق ہے۔

اور یہ انتہائی ظلم وافتراء ہے کہ جو بھی مجاہدہ اور تزکیۂ نفس کا ارادہ کرے اس پر حکم لگادیا جائے کہ اس کا رجحان بدھ مت یا ہندو مت کی طرف ہے۔ جس طرح کہ مستشرقین اور ان کے متبعین کا خیال ہے یعنی ان پر یہ حکم لگا دیا جائے کہ یہ ان افراد کی پیروی کرتے ہیں جنھوں نے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی عبادت کو قلیل گمان کیا ہے۔ جس طرح کہ بعض جلد باز اور سطحی قسم کے لوگوں کا خیال ہے حالانکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ان تینوں کی اصلاح فرمادی تھی اور وہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی سنت اور ہدایت پر عمل پیرا ہو گئے تھے۔

اگر پوری تاریخِ تصوف میں کوئی ایسا شخص پایا جائے جس نے حلال کو حرام کیا ہو یا نصرانی راہبوں کی طرح اپنے جسم کو عذاب میں مبتلا کیا ہو تو وہ بدعتی ہے اور تصوف سے اس کا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس لئے تصوف اور صوفی کے درمیان فرق کرنا چاہیئے کیونکہ کوئی بھی صوفی ذاتی انحرافات سے مکمل طور پر تصوف کی نمائندگی نہیں کرتا، جس طرح مسلمان اپنے غلط کردار کی وجہ سے اِسلام کی نمائندگی نہیں کرتا۔ معترضین نے صوفی اور تصوف، مسلم اور مسلمان کے درمیان فرق ملحوظ خاطر نہیں رکھا بلکہ ان دونوں کو لازم وملزوم سمجھ کر کاملین کو منحرفین پر قیاس کرتے ہوئے ان کی بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

سالکین کے نزدیک سب سے محبوب چیز نفوس کی ترقی ہے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائیں تو اپنے مطلوب ومقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ نفس مجاہدہ اور ریاضت سے ترقی کرتا ہے اور تدریجاً امارہ

سے لوامہ، ملہمہ، راضیہ، مرضیہ اور مطمئنہ کی منازل طے کرتا ہے۔ وصول الی اللہ کے تمام مراحل میں سالک کیلئے مجاہدہ انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ ان مراحل میں آخری درجہ عصمت کا ہے اور یہ صرف انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا خاصہ ہے۔

اس بحث سے ہمیں ان سالکین کی خطا کا پتہ چلتا ہے جو منازلِ سلوک کی لازمی شرط مجاہدہ نفس میں پختہ نہیں ہوتے۔ پھر اپنے لئے مقامِ محبت کا دعوی کرتے ہیں اور محبین کا کلام گنگناتے رہتے ہیں اور اپنے دعوی کی تائید میں سلطان العاشقین حضرت ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام پیش کرتے ہیں:

وعن مذھبی فی الحب مالی مذھب   وان ملت یوما عنہ فارقت ملتی

"محبت کے متعلق میرا مذہب پوچھنے والو! سن لو محبت میں میرا کوئی مذہب نہیں اور ایک دن بھی محبت سے دور ہو جاؤں تو اپنی ملت سے خارج ہو جاؤں"۔

حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ شیخ ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مجاہدات کی ابتداء کیسے کی۔ یہاں ہم ان کا کچھ کلام ذکر کرتے ہیں جس میں انہوں نے دورانِ سلوک اپنے مجاہدات کا ذکر کیا ہے اور یہ کلام مجاہدہ کی اہمیت پر دال ہے مگر یہ جاننا چاہیئے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مجاہدات کی ابتداء نفسِ لوامہ سے کی ہے نہ کہ نفس امارہ سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو سالک مجاہدہ میں مشغول نہ ہو، نہ تو اس کے سلوک کی کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی اس کی محبت کا دعوی صحیح۔

فنفسی کانت قبل لوامہ متی   اطعھا عصت او اعص کانت مطیعتی
فارادتھا ما الموت ایسر بعضہ   واتعبتھا کیما تکون مریحتی
فعادت ومھما حملتہ تحملت   بہ منی وان خففت عنھا تاذت
واذھبت فی تھذیبھا کل لذاہ   بابعادھا عن عادھا فاطمانت

ولم یبق ھول دونھا مار کبته　　　واشھد نفسی فیه غیر زکیه

(۱) میرا نفس لوامہ تھا جب بھی میں اس کو مطیع بناتا تو نافرمانی کرتا اور جب اس کی بات نہ مانتا تو یہ مطیع ہو جاتا۔

(۲) میں نے اس کو مجاہدات میں داخل کیا لیکن اس پر قابو پانا آسان نہیں تھا میں نے اس کو تھکایا تاکہ مجھے راحت پہنچائے۔

(۳) پھر اس کی یہ حالت ہو گئی کہ اس پر جو بھی بوجھ ڈالتا وہ اٹھالیتا اور اگر بوجھ کو کم کرتا تو اس کو تکلیف ہوتی۔

(۴) اس کو مہذب بنانے کیلئے اسے ہر لذت سے بچائے رکھا اور اس کو خواہشات سے دور رکھا تو مطمئن ہو گیا۔

(۵) اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں جس سے میں دوچار ہوا ہوں اور میں اپنے نفس کی پاکیزگی کی گواہی نہیں دیتا۔

اسی وجہ سے شیخ ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محبت کے ان جھوٹے دعویداروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جنھوں نے نہ تو دنیا کو ترک کیا، نہ ہی مجاہدہ کو اپنایا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

رضوا بالامانی وابتلوا بعظوظھم　　　وخاضوا ابحار الحب دعوی فما ابتلوا

فھم فی السری لم یبرحوا من مکانھم　　　وما ظعنوا فی الیسر عنه وقد کلوا

(۱) بعض لوگ آرزوؤں سے راضی ہیں اور دنیا کی محبت میں مبتلا ہیں۔ محبت کے سمندر میں غوطہ زنی کا دعویٰ ہے لیکن ابھی تک ان کا پہلو بھی تر نہیں۔

(۲)رات کے سفر میں اپنی جگہ سے نہیں ملے نہ ہی کوچ کی تیاری کی حالانکہ تھکاوٹ سے نڈھال ہو چکے تھے۔

مجاہدہ سلوک کے تمام مراحل اور منازل میں بنیادی شرط ہے لیکن منازل میں ترقی کے مطابق سالک کے مجاہدہ کی صورت بدلتی رہتی ہے۔اس کی مثال اس طالبِ علم کی سی ہے جو پہلے پرائمری کے درجہ میں داخل ہوتا ہے پھر ترقی کر کے مڈل، ہائی، انٹر اور گریجویشن تک پہنچ جاتا ہے حالانکہ پرائمری اور گریجویشن کے مدارج میں زمین وآسمان کا فرق ہے،اور اسی طرح برائی کا حکم دینے والے اور خواہش کی طرف مائل ہونے والے نفس اور نفس مطمئنہ، راضیہ اور مرضیہ کے درمیان واضح فرق ہے۔

خلاصہ کلام: مجاہدہ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے طریقہ کی اصل ہے۔اسی لئے انہوں نے فرمایاہے۔ جس نے اصل کو اپنایا، اس نے مطلوب کو پالیا اور جس نے اصل کو ترک کر دیا وہ مطلوب سے محروم رہا۔اسی طرح وہ فرماتے ہیں کہ جس کی ابتداء مجاہدہ سے نہ ہو تو اس کی انتہا روشن اور منور نہیں ہو سکتی کیونکہ ابتداء، انتہاء اور انجام کیلئے دال اور مشید ہوا کرتی ہے۔

(مفتاح السلوک، جلداول)

[مثال کے طور پر ایک دام ادائے زکوٰۃ کے طور پر جس کا شریعت نے حکم دیا ہے نفس کی خواہشات کی ویرانی میں بے حکمِ شرع ہزار دینار صرف کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے۔اور شریعت کے حکم کے مطابق عید الفطر کے دن کھانا کھانا خواہش نفس کو زائل کرنے میں اپنے طور پر کئی سال روزے رکھنے سے زیادہ نفع دیتاہے۔اور فجر کی دو رکعت فرض نماز باجماعت ادا کرنا جو سُنت ہے،اس

سے کئی مراتب بہتر ہے کہ انسان ساری رات نفل پڑھنے میں گزارے اور فجر کی نماز جماعت سے ادا نہ کرے۔

مختصر یہ کہ جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو وہ اپنے آپ کو بزرگ جاننے کے مالیخولیا کی خباثت سے نکل نہیں سکتا۔ اور ایسی صورت میں نجات نا ممکن ہے۔ اس مرض کے ازالے کی فکر بہت ضروری ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو جائے کہ یہ مرض موتِ اَبدی (آخرت میں نجات سے محرومی) کی نیند سُلا دے۔

کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جو اندرونی اور بیرونی خداؤں کی نفی اور انہیں مٹانے کے لئے وضع کیا گیا ہے، نفس کے تزکیئے اور اس کی تطہیر کے لئے بہت ہی نافع اور مناسب ہے۔ اکابرِ طریقت قدس اللہ تعالٰی اسرارہم نے تزکیہ کے لئے اسی کلمہ کو اختیار فرمایاہے۔

تا بجاروب لَا نروبی راہ نرسی در سرائے اِلَّا اللہ

ترجمہ: یعنی جب تک تم لَا کی جھاڑو سے راستہ صاف نہیں کروگے اِلَّا اللہ کی سرائے میں قدم نہیں رکھ سکتے۔

چونکہ نفس سرکشی کے مقام میں رہتا ہے اور عہد توڑنے میں چُست ہے اس لئے اس کلمۂ طیبہ کے باربار تکرار سے ایمان کی تجدید کرتے رہنا چاہیئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

جَدِّدُوا إِيمَانَكُمْ بِقَوْلِ لَاإِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

ترجمہ: کلمہ لَاإِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ سے اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہو۔[461]

---

[461] (مسند احمد، ج۳، ص ۲۴۲۶، الناشر: جمعية المكنز الإسلامي)

اور مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفضائل القرآن میں اس حدیث کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"جَدِّدُوا إِيمَانَكُمْ" قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ كَيْفَ نُجَدِّدُ إِيمَانَنَا؟ قَالَ: "أَكْثِرُوا مِنْ قَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ"۔[462]

بلکہ ہر وقت اس کلمۂ طیبہ کا تکرار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ نفسِ امارہ ہر وقت خباثت پر تُلا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں اس کلمہ مبارک کے فضائل میں وارد ہوا ہے کہ اگر تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کو ایک پلہ میں رکھیں اور اس کلمہ کو دوسرے پلہ میں تو اس کا پلہ دوسرے پلہ پر غالب رہے گا۔

سلامتی کا نزول ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو اپنا شعار بنائے اور اپنے اوپر لازم جانے۔]

تشریح

معبودِ حقیقی صرف اور صرف ایک ہے جس پر تمام مسلمانوں کا ایمان ہے لیکن دُنیاداروں نے اُس وحدہٗ لاشریک کے علاوہ بھی اپنے لئے بے شمار معبودانِ باطلہ بنا رکھے ہیں، جن کی پیروی کرتے رہتے ہیں اور ہر دَم ان کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں مثلاً نفس و شیطان، مال ودولت، خواہشاتِ نفسانی اور لذاتِ حیوانی وغیرہ۔ اس لئے چاہیئے کہ ان باطل خداؤں کی نفی کے لئے انسان دن رات کلمہ طیبہ کا تکرار کرتا رہے۔ علاوہ ازیں اکثر اوقات انسان شریعت سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے اور بعض اوقات نفس سے مغلوب ہو کر غصے کی حالت میں کفریہ کلمات منہ سے نکال دیتا ہے جس کی وجہ سے انسان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے بلکہ انسان اپنے ایمان سے محروم ہو جاتا ہے اور

---

462 (مرقاۃالمفاتیح، ج۴، ص ۱۴۶۵، الناشر: دارالفکر، بیروت-لبنان)

اُسے خبر بھی نہیں ہوتی اس لئے اس کلمے سے اپنے ایمان کی تجدید کرتا رہے اور دل میں یہ کہتا رہے کہ یا اللہ دِن رات میں میرے منہ سے جتنے کفریہ الفاظ نکلے یا گناہ سرزد ہوئے میں اُن پر توبہ کرتا ہوں۔ میری توبہ قبول فرما اور میرے ایمان کی حفاظت فرما۔ (آمین)

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

کلمۂ طیبہ تزکیۂ نفس کا مجرب علاج ہے

مقامِ طریقت و مقامِ حقیقت

سطورِ بالا میں کلمۂ نفی اثبات کے تکرار کو تزکیۂ نفس کے لئے بنیادی نسخہ قرار دیا گیا ہے۔ اہلِ تصوف کے نزدیک اس کلمہ میں دو مقام موجود ہیں:

۱۔ مقامِ طریقت   ۲۔ مقامِ حقیقت

مقامِ طریقت

کلمۂ نفی اثبات کا پہلا جزو لَا اِلٰهَ ہے، اس میں ماسویٰ اللہ کی نفی ہے۔ اسی مقامِ نفی کو مقامِ طریقت کہا جاتا ہے۔

مقامِ حقیقت

کلمۂ نفی اثبات کا دوسرا جزو اِلَّا اللہ ہے، اس میں ذات کا اثبات ہے۔ اسی مقامِ اثبات کو مقامِ حقیقت کہا جاتا ہے۔ یعنی سالک جب شہودِ ماسویٰ سے فارغ ہو کر شہودِ مراتب وجوب تک رسائی حاصل کرلیتا ہے تو اس وقت اس کو مصداقاتِ قضایائے شرعیہ کا مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے۔ گویا مقامِ طریقت میں سالک کو شریعت کی صورت سے شریعت کی حقیقت کی طرف راہ ملتی ہے اور مقامِ

حقیقت میں پہنچ کر سالک تمام شرعی احکام واعمال کے ثمرات واثرات کو ازروئے کشف مشاہدہ کرلیتا ہے اور اگر ایسا سالک صاحبِ کشف نہ بھی ہو تب بھی اس کے اور عالمِ وجوب کے درمیان حجاب باقی نہیں رہتا۔ وَ ذَالِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

بینہ

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مقامِ نفی کو حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے انجام تک پہنچایا اور مقامِ اثبات کو حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انجام تک پہنچایا۔ تخلیق سے غرض یہ تھی کہ بندہ غیر کی گرفتاری سے نجات حاصل کرے اور مشاہدہ کی منزل پر فائز ہو جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (الأنعام ٧٦) فرماکر غیر کی گرفتاری سے نجات کا مرتبہ مکمل کیا اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ تَحَیُّرًا فِیْکَ فرماکر مشاہدہ کے مرتبہ کو تکمیل تک پہنچانے کی خبر ارشاد فرمادی۔ یہی وجہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام غیر کی گرفتاری سے نجات حاصل ہونے کا اعلان تو فرماتے رہے مگر دنیا میں مشاہدہ ورؤیت سے مشرف نہ ہوئے اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مشاہدہ ورؤیت سے مشرف ہوکر تخلیق کا مقصد ومفاد انجام تک پہنچا دیا اور کسی دوسرے نبی یا رسول کے آنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مقامِ حقیقت کو مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ مقامِ ختمِ نبوت کو بھی مکمل کردیا۔ (وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ)

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۸۸، ۲۸۹)

مفتاح السلوک، جلد سوم میں ہے:

ذکر نفی اثبات کا طریقہ

لطائف کے اذکار جاری ہونے اور اچھی طرح پختہ ہونے کے بعد ذکر نفی اثبات دیا جاتا ہے۔
اس کا طریقہ یہ ہے کہ بالکل اطمینان کے ساتھ ماسویٰ اللہ کو باطن سے مٹا کر بیٹھ جائے اور رابطۂ شیخ کے ساتھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر کرے، اس طرح کہ سانس بند کر کے لفظ ''لَا'' کو تصور کے ساتھ ناف سے اُٹھا کر سر کی آخری حد یعنی قالبی تک لے جائے اور لفظ ''اِلٰهَ'' کو پورے خیال کے ساتھ دائیں کندھے پر لے جائے اور تصوّر میں ماسویٰ اللہ کو نیچے پھینک دے اور لفظ ''اِلَّا اللہ'' کے ساتھ دل پر شدّت سے ضرب لگائے۔ یہاں تک کہ ذکر کی حرارت کا اثر تمام عالمِ امر کے لطائف میں ظاھر ہو۔ یعنی لفظ ''لا'' کے ساتھ باطن سے ماسویٰ اللہ کو اُٹھا کر اور 'الہ' کے ساتھ سیدھے کندھے کی جانب نیچے پھینک دے۔ اور لفظ ''الاّ اللہ'' کے ساتھ اپنے قلب میں تصوّر اللہ کو باقی رکھے۔ جب سانس میں سالک دقت محسوس کرے تو سانس کو طاق عدد پر خالی کر دے۔ یعنی اگر وہ حبس دم میں نفی اثبات کا ذکر دس مرتبہ کر چکا ہے اور سانس میں تنگی محسوس کرنے لگا ہے تو گیارہ پر سانس کو خالی کر دے۔ یعنی طاق عدد پر سانس چھوڑ دے اور بہ زبانِ حال محمدرّسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم پڑھے اور سانس کھولنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

اِلٰهِی اَنۡتَ مَقۡصُوۡدِیۡ وَرِضَاکَ مَطۡلُوۡبِیۡ اَعۡطِنِی مُحَبَّةَ ذَاتِکَ وَمَعۡرِفَةَ صِفَاتِکَ۔

ہر بار لا الہ الاّ اللہ کے ساتھ تصور میں ہی لا معبود الاّ اللہ، لا مقصود الاّ اللہ، لا موجود الاّ اللہ، لا مطلوب الاّ اللہ، ان چاروں میں سے کسی ایک کا معنیٰ دل میں حاضر رکھے، لیکن یاد رکھے کہ مذکورہ آٹھوں اذکار میں زبان بند رہے گی اور یہ سارے اذکار تصور سے کرنے کے ہیں۔

ایک بار پھر بتاتے چلیں کہ نفی اثبات میں ان باتوں کا خیال رکھیں:

۱) سانس بند رہے۔

۲) معنی دل میں حاضر رکھ کر مذکورہ بتلائے ہوئے طریقہ سے تصور قائم رکھے۔

۳) تعداد کا خیال رکھے کہ جب سانس کھولنا ہو تو طاق عدد پر ہی کھولے۔

۴) سانس چھوڑتے وقت محمدرّسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم تصوّر سے پڑھے۔

نفی اثبات میں زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے، کہ اس سے کافی حد تک مقامات طے ہو جاتے ہیں اور افاضہ و استفادہ کی قوّت کافی حد تک نفی اثبات سے بڑھتی ہے۔ یعنی آدمی میں نفی اثبات کی کثرت سے دوسرے کو فیض پہنچانے اور دوسرے سے فیض حاصل کرنے کی قوّت کافی حد تک پیدا ہوتی ہے۔

نفی اثبات کے فضائل

کلمہ طیبہ لا إله إلا الله محمد رسول الله۔ مشائخ نے فرمایا کہ اگر لطائف کے اسباق کرنے کے باوجود کچھ روحانی بیماریوں کے اثرات رہ جائیں تو اس کو دوسری دوا کھلائیں۔ اس کا نام کلمہ کا ذکر ہے۔

لا إله إلا الله محمد رسول الله۔ یہ گناہوں کی ظلمت کو مٹانے کے لیے حتیٰ کہ کفر اور شرک کی ظلمتوں کو ختم کرنے کی ایک تریاق ہے۔ یہ ایک جھاڑو ہے جو باطن کو صاف کر کے رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ کلمہ طیبہ کے فضائل میں علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا زکریا فضائلِ ذکر میں فرماتے ہیں،

کہ اخلاص پیدا کرنے کے لیے بھی جس قدر مفید اس کلمہ کی کثرت ہے اتنی کوئی دوسری چیز نہیں کہ اس کلمہ کا نام ہی جلاء القلوب (دلوں کی صفائی) ہے۔

یعنی کلمہ طیبہ کا نام ہی جلاء القلوب ، دلوں کو جِلا دینے والی ،منور کرنے والی عبادت ہے تو محدثین نے اس کا نام ہی "جِلاءِ القلوب" رکھا، سبحان اللہ!

لطائف پر مراقبے کے بعد ذکر کا طریقہ پہلے کی نسبت دوسرا ہو جاتا ہے۔ پہلے اسم ذات کا ذکر تھا، پھر آٹھواں سبق تہلیل کا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کلمہ طیبہ کے بارے میں حدیث مبارکہ سنیے۔

عن زید بن أرقم قال قال رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم من قال لا الہ الا اللہ مخلصا دخل الجنۃ۔

جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہو گا۔

قیل و ما اخلاصھا۔

کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے؟

قال ان تحجزہ عن محارم اللہ۔[463]

فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے۔

اب دیکھیے! ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کو دلیل مل گئی کہ اگر گناہوں سے بچنا ہے تو پہلے اللہ کا ذکر کریں، گناہوں کے زیادہ اثرات ختم جائیں گے۔ اگر کچھ اثرات رہ جائیں تو کلمہ طیبہ کا ذکر کریں کیونکہ کلمہ طیبہ حرام کاموں سے روکنے کے لیے سند کی مانند ہے، اللہ کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرمارہے ہیں۔ ان تحجزہ عن محارم اللہ کہ کلمہ اس بندے کو حرام کاموں سے روک لیتا ہے۔ سالک حرام کاموں سے تب رکے گا، جب روحانی بیماریاں ختم ہو جائیں گی۔ مثلاً

---

463 (رواہ الطبرانی فی الکبیر: ۵۰۷۴۔ مجمع الزوائد: ۱/ ۳۱)

شہوت، غضب، بخل، حسد، کبر جیسی بیماریوں سے نجات ہو گی تو گناہوں سے بچے گا تو یہاں حدیث مبارکہ سے دلیل ملی کہ کلمہ طیبہ کا ذکر انسان کی روحانی بیماریوں کے لیے شفاء بن جاتا ہے۔ من کو صاف کر دیتا ہے، کلمہ طیبہ ناپاک سینے کو بھی طیب بنا دیتا ہے۔

ہمارے مشائخ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کو پڑھنے والے، سمجھنے والے اور معرفت رکھنے والے بزرگ تھے۔ انھوں نے دین سے ہی یہ نکتے نکالے ہیں۔ ہم بھی انہی احادیث کو پڑھتے ہیں، ہمارے ذہن وہاں تک نہیں پہنچتے۔ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ بھی انہی احادیث کو پڑھتے ہیں اور ہیرے اور موتی نکال لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ انبیاء جیسی باتیں کرتے ہیں لیکن متکبر ہوتے ہیں۔ اب یہ کب ختم ہو گا جب ذکر کریں گے۔

ایک اور حدیث مبارکہ سنیے، علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا زکریا فضائلِ ذکر میں فرماتے ہیں، کہ صاحب احیاء نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے خطبہ پڑھا، جس میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص لا إله إلا الله کو اس طرح سے کہے کہ خلط ملط نہ ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم! اس کو واضح فرما دیں خلط ملط کا کیا مطلب ہے؟ ارشاد فرمایا کہ "دنیا کی محبت اور اسکی طلب میں لگ جانا۔" یعنی ایک طرف دنیا کی محبت ہو اور دوسری طرف بندہ ذکر کر رہا ہو تو اس طرح کلمہ کو خلط ملط کرنا ہے۔ اس لیے انسان پہلے توبہ کرے، رجوع الی اللہ ہو اور طبیعت کے اندر زہد پیدا ہو، تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عمل کرتا ہے، اس سے ترقی بہت جلدی ہوتی ہے۔ تو "لا إلهَ إلّا

اللہ" باطنی بیماریوں کو ختم کرنے کے لیے بہت مؤثر ہے۔اس لیے جو لوگ کلمے کا ذکر کرتے ہیں، ان پر موت کے وقت وحشت طاری نہیں ہو گی نہ قبر میں ہو گی۔ حدیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا:

لیس علی أھل لا إلہ إلا اللہ وحشۃ عند الموت و لا عند القبر۔[464]

جو کثرت سے کلمہ پڑھتے ہیں ان کو نہ موت کے وقت وحشت ہوتی ہے، نہ قبر میں۔

اللہ تعالیٰ ان کو سکون عطا فرما دیتے ہیں۔

علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا زکریا فضائلِ ذکر میں فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھا کرے اس کو حق تعالی شانہ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح اس کا چہرہ روشن ہو گا۔

اب بتائیں کہ سو دفعہ روزانہ پڑھنے پر چودھویں کے چاند کی طرح چہرہ ہوتا ہے تو مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ اس کو روزانہ ہزاروں دفعہ پڑھتے ہیں، سبحان اللہ ان کے کیا کہنے! چنانچہ ایسے بھی سالکین ہیں، جو تین ہزار مرتبہ..... پانچ ہزار مرتبہ... دو ہزار مرتبہ..... اکیس ہزار مرتبہ پڑھتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو ایک دن میں چالیس ہزار مرتبہ کلمے کی ضرب لگاتے ہیں۔ آپ سوچیں کہ قیامت کے دن ان کے چہرے کتنے منور ہونگے۔ سبحان اللہ! حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ " جن لوگوں کی زبانیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر و تازہ رہتی ہیں وہ جنت میں ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔

---

464 (رواہ الطبرانی والبیھقی، مجمع الزوائد: ۱۰/۸۲)

اب علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث ایک جگہ لکھتے ہیں اس کو توجہ سے سنیں، یہ کسی عام بندے کی بات نہیں ہے۔ یہ استاذ الاساتذہ، استاذ المحدثین کی بات ہے۔ حضرت اتنے بڑے محدث تھے کہ ان کے شاگرد بھی آگے محدث ہی بنے۔ فرماتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کے برابر کوئی بھی چیز نہیں۔ بد قسمتی اور محرومی ہے ان لوگوں کی جو اس کو ہلکا سمجھتے ہیں۔ البتہ اس میں وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے، جس قدر اخلاص ہوگا اتنا ہی وزنی یہ پاک نام ہو سکتا ہے، اسی اخلاص کے پیدا کرنے کے واسطے مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی جوتیاں سیدھی کرنا پڑتی ہیں۔

اب یہ ایک شیخ الحدیث کے لکھے ہوئے الفاظ ہیں کہ اس اخلاص کو حاصل کرنے کے لئے مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی جوتیاں سیدھی کرنا پڑتی ہیں۔

تہلیل کی مقدار اور حبس دم کے بارے میں محدثین کا قول

ایک دوسری جگہ حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا، "جامع الاصول میں لکھا ہے کہ لفظ اللہ کا ذکر ورد کے طور پر کم از کم پانچ ہزار کی مقدار ہے اور زیادہ کے لئے کوئی حد نہیں اور صوفیا رحمہم اللہ تعالیٰ کے لیے کم از کم پچیس ہزار روزانہ۔" اب یہ جو ہم اسم ذات کا ذکر کرتے ہیں، تو اس کی دلیل جامع الاصول کتاب سے ایک محدث فرمارہے ہیں، اس میں لکھا ہے کہ اس کی پانچ ہزار مقدار روزانہ ہے۔ سبحان اللہ! یہ اللہ اللہ کی ضرب لگانے کے بارے میں ہے، اسم ذات اللہ کے متعلق جامع الاصول میں لکھا ہے کہ پچیس ہزار مرتبہ ضرب لگائیں۔ حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں لطائف کے اسباق میں تھا، تو ہر لطیفے پر روزانہ اسی (۸۰) ہزار مرتبہ اللہ اللہ کے نام کی ضرب لگاتا تھا۔ اللہ اکبر کبیرا! دیکھو ان مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کتنا ڈٹ کر ذکر کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے صاف کر دیا کہ من صاف ہو گیا۔ اور لا الہ الا اللہ کی مقدار کے متعلق لکھا

ہے کہ کم از کم پانچ ہزار روزانہ ہو۔ اس مقدار میں مشائخ سلوک کی تجویز کے موافق کم و بیش ہوتی رہتی ہیں۔

تہلیل کے ذکر کے دو طریقے ہیں، ایک ہے سانس روک کر ایک سانس میں تصور سے اس کو اکیس مرتبہ کرنا، دوسرا ہے اس کو زبان سے کرنا۔ تو پہلے کو کہتے ہیں تہلیل خفی، یہ آٹھواں سبق ہے، اور نواں سبق ہے تہلیل لسانی لیکن دونوں سبق چونکہ لا إله إلا الله کے ہیں، تو اس لیے دونوں اکٹھے بھی دے دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت نے کئی مرتبہ لوگوں کو دونوں سبق اکٹھے دیے، فرمایا کہ ایک جیسے اثرات ہیں اس لیے دونوں سبق کر لیں لیکن پہلا ہے حبسِ دم کے ساتھ اور دوسرا ہے زبان کے ساتھ۔

اب یہ جو حبسِ دم ہے نا، اس پر لوگوں کو کوئی دفعہ اشکال ہوتا ہے۔ یہ بدعت کہاں سے آگئی، سانس بند کر کے ذکر کرتے ہیں۔ ایک سانس میں زیادہ سارا ذکر کرنا کہاں سے آگیا؟ اب اس کے لیے دلیل سنیے۔ علمائے کے دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا زکریا ہی لکھتے ہیں، ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے القول الجمیل میں اپنے والد سے نقل کیا ہے میں ابتدائے سلوک میں ایک سانس میں لا الہ الا اللہ دوسو مرتبہ کہا کرتا تھا اب یہ نقل کرنے والے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جن کو جامع الاسانید کہتے ہیں جو پاک و ہند کے علماء ہیں، سب کی حدیث کی سند بالآخر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہو کر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ تک پہنچی ہیں۔ اس دریا کا ایک ہی پل ہے، چنانچہ اکابر علمائے دیوبند کی بھی سند وہیں سے جاتی ہے تو اتنے بڑے محدث اپنی کتاب القول الجمیل میں اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ہیں، شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ وہ نقشبندی تھے اور ہم تو کہتے ہیں کہ ایک سانس میں اکیس

مرتبہ کہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں ایک سانس میں دوسو مرتبہ کہا کرتا تھااور اس بات کو نقل ایک محدث فرمارہے ہیں، ہمارے لیے اس سے بڑی سند کیا ہو سکتی ہے؟ اس لیے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ جو کہہ رہے ہیں یقیناً اس کو کرنے میں ہمارے باطن کی اصلاح ہے۔ شیطان ہمارے ذہن میں شکوک ڈالتا ہے، وسوسے ڈالتا ہے کہ یہ بدعت اور وہ بدعت کلمہ پڑھنا، اپنے دل کی صفائی کے لیے اور دل سے گناہوں کی رغبت ختم کرنے کے لیے تو حدیث پاک سے ثابت ہے تو علاج کی غرض سے اگر ہم اس کلمے کو پڑھیں، تو یہ حدیث پاک سے ثابت ہے۔ اس لیے تہلیل کو خوب کرنا چاہیے۔

آگے علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ ایک حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ لا الہ الا اللہ حق تعالیٰ شانہ کے غصہ کو دور کرتا رہتا ہے۔ جو بندہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کا غصہ اس سے دور ہوتا ہے۔ ایک حدیثِ مبارک کہ ہمارے سلسلے کے سردار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کا تذکرہ فضائلِ ذکر میں ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ شیطان بدبخت نے یہ کہا:

اهلكت الناس بالذنوب واهلكوني بلاإله إلا الله والإستغفار۔[465]

کہ "میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے لا الہ الا اللہ اور استغفار سے ہلاک کیا"۔

تو معلوم ہوا کہ یہ لا إله إلا الله کا سبق شیطان کو ہلاک کر دیتا ہے یعنی گناہوں کو مٹا دیتا ہے حتیٰ کہ شیطان اس بندے سے مایوس ہو جاتا ہے کہ یہ میرے ہاتھ سے گیا۔ اب یہ اللہ کی حفاظت میں آ

---

[465] (رواہ الطبرانی فی الدعاء:۵۰۴)

گیا۔ شیطان نے جو کہا ہے کہ انہوں نے مجھے مار دیا، اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کی امید مرجاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اب یہ بندہ میرے ہاتھوں سے چلا گیا، اب یہ اللہ پاک کی حفاظت میں آگیا۔ چنانچہ ہمیں کلمہ طیبہ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔

علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ اس کام یعنی دین میں دقتیں بھی پیش آتی ہیں، وساوس بھی گھیرتے ہیں، شیطان کی رخنہ اندازی بھی مستقل ایک مصیبت ہے، دنیاوی ضروریات بھی اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اس صورت میں مطلب ارشادِ نبوی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی کثرت ان سب چیزوں کا علاج ہے۔ "دنیا کی محبت بھی ختم ہوتی ہے، گناہوں کی رغبت بھی ختم ہوتی ہے، شیطان کے حملے سے بھی دفاع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے جس کا فضائلِ ذکر میں ذکر کیا گیا ہے، ذرا غور سے سنیے گا کہ "لا الہ الا اللہ" کا کلمہ اپنے پڑھنے والے سے ننانوے قسم کی بلائیں دور کرتا ہے۔ جن میں سب سے کم غم ہے جو ہر وقت آدمی پر سوار رہتا ہے۔"

کیا ضرورت ہے عاملین کے پیچھے بھاگنے کی؟ یہ تعویذ دے دو، وہ تعویذ دے دو اور ان اللہ کے بندوں نے بھی تعویذات فوٹو کاپی کروا کر رکھے ہوتے ہیں۔ آج کل نیا دور آگیا کہ فیض بھی فوٹو کاپی ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ! تو بھئی! اللہ کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے بتایا کہ کلمے کی کثرت کرنے سے اللہ تعالیٰ ننانوے قسم کی بلائیں دور کر دیتا ہے، یہ سب سے چھوٹا ہے، کہ جو ہر وقت بندے کے دل پر سوار رہتا ہے، وہ غم سب سے چھوٹا ہے، باقی بلائیں اس سے بھی بڑی ہوتی ہیں۔ زندگی کو پرسکون بنانے کا کتنا آسان طریقہ ہے۔ اس لیے کلمے کو روزانہ کثرت کے ساتھ کرنے کی کوشش کریں۔

اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو

چنانچہ کلمہ طیبہ کے بارے میں نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی ایک اور حدیث مبارکہ کتاب فضائل ذکر میں ہے، کہ "حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور ایسے اخلاص سے عمل کیا کر جیسا کہ وہ پاک ذات تیرے سامنے ہو اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کر"

یہاں ایک نکتہ سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ایک تو کلمہ کی کثرت کا حکم فرمایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کر تو مردوں میں شمار کرنے سے لمبی امید ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر انسان گناہوں کو آسانی سے چھوڑ تا ہے کہ میں تو بس اب مُردوں کی فہرست میں شامل ہو گیا ہوں۔

ایک مرتبہ ہمارا واسطہ کسی ضدی بندے سے پڑ گیا۔ وہ مجھے کہنے لگا کہ آپ جو "اللہ اللہ" کا ذکر کرتے ہیں، یہ کہاں سے ثابت ہے؟ عاجز نے کہا: قرآن سے۔ کہنے لگا: کیسے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ۔ (المزمل ۸) ذکر کر رب کے نام کا" میں نے کہا: رب کا نام کیا ہے؟ کہنے لگا: "اللہ۔ تو مطلب کیا بنا؟ اللہ کا ذکر کرو، اللہ کے نام کا۔ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ۔ (المزمل ۸) اللہ کے نام کا ذکر کرو۔ تو عاجز نے کہا کہ ہم اللہ کے نام کا ذکر کرتے ہیں۔ کہنے لگے نہیں، اللہ کا ذکر تو کرنا چاہیے۔ اس کا تو حکم ہے۔ یہ جو آپ بار بار کرتے ہیں اللہ کا ذکر کہ دل اللہ اللہ اللہ کہہ رہا ہے یہ جو متعدد دفعہ کرتے ہیں یہ جائز نہیں ہے۔ بھئی! اگر ایک دفعہ کرنا جائز ہے، تو متعدد کرنے میں آپ کو کیا تکلیف ہے؟ عجیب بات یہ ہے کہ ذکر ہم کرتے ہیں اور تکلیف ان کو ہوتی ہے تو جب اس نے یہ کہا کہ

جی بار بار کیوں کرتے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے ثابت ہے۔ کہنے لگا: نہیں، نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے تو یہ ثابت نہیں ہے، میں نے دورہ حدیث کیا ہوا ہے، میں جانتا ہوں۔ میں نے کہا: آپ نے دورۂ حدیث کیا ہوا ہے لیکن آپ نے کسی اللہ والے کی جوتی سیدھی نہیں کی ہوئی، آپ کو سمجھ نہیں ہے۔ کہنے لگا: اچھا آپ بتا دیجیے، ثابت کر دیجیے۔ میں نے کہا دیکھیں! نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے: لا تقوم الساعة حتی یقال في الأرض الله الله۔[466] "قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا" تو ایک دفعہ اللہ ہے یا زیادہ مرتبہ ہے؟ کہنے لگے ایک دفعہ سے تو زیادہ ہے۔ عاجز نے کہا: ہم بھی کہہ رہے ہوتے ہیں، اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ۔ بھئی! اللہ اللہ تو حدیث سے ثابت ہے تو ہم بھی یہی کر رہے ہوتے ہیں۔ بس اپنے قلب سے اللہ اللہ.... اللہ اللہ... اللہ اللہ! تو کہنے لگے اب اشکال دور ہو گیا ہے۔ الحمد للہ کہ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہر بات کے پیچھے حقیقت ہے۔ دیکھیں! پانی کے نل سے بار بار قطرہ گر رہا ہوتا ہے۔ نیچے ماربل لگا ہوتا ہے اور ہم نے دیکھا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد فرش میں اس جگہ سوراخ ہو جاتا ہے جہاں پانی کا قطرہ گر رہا ہوتا ہے۔ پانی کا قطرہ کتنا نرم ہے، پتھر کے اوپر تواتر سے گرتا رہا، اس نے وہاں جگہ بنا لی، اللہ کا نام اگر تواتر سے کسی پتھر جیسے دل پر بھی پڑتا رہے گا، یہ وہاں بھی راستہ بنا لے گا۔ چنانچہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ضدی بندہ پہنچ گیا۔ کہنے لگا کہ حضرت! یہ آپ کلمے کا ذکر کیوں کرتے ہیں؟ حضرت نے بڑی خوبصورت بات بتائی۔ حضرت نے

---

466 (مسلم، مجمع الزوائد:۱۳۵۹۹)

فرمایا کہ دیکھو! نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا ارشاد ہے: **لقنو الموتی۔**[467] کہ جو تمہارے مرنے والے لوگ ہوں ان کو کلمے کی تلقین کرو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ یہ حدیث مبارک کہ سے ثابت ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا اور نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا یہ بھی فرمان ہے کہ تم اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو۔ اب دونوں حدیثوں کو ملاؤ تو میں ہر لمحے اپنے نفس کو محسوس کر رہا ہوں کہ یہ مر رہا ہے، اور میں اس کو کلمے کی تلقین کر رہا ہوں۔ **لا إله إلا الله ..... لا إله إلا الله۔**

عن أم هانی قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا إله إلا الله لا یسبقها عمل ولا تترک ذنبا۔

حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ **لا إله إلا الله** سے آگے نہ کوئی عمل بڑھ سکتا ہے، اور نہ ہی یہ کلمہ کسی گناہ کو چھوڑ سکتا ہے۔[468]

ہمارے لیے سند ہے کہ جو بندہ تہلیل کا سبق اچھی طرح کر لے گا، اللہ اس کی معصیت سے حفاظت فرمالیں گے ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کلمے کا ذکر بھی کرتا ہے اور گناہوں سے جان بھی نہ چھوٹے۔ اب جو کہتے ہیں کہ گناہوں سے جان نہیں چھوٹی، وہ ذرا دیکھیں کہ کلمہ کا ذکر کتنا کرتے ہیں؟ مشکل سے چند سو دفعہ کرتے ہونگے، یا اتنا بھی نہیں کرتے ہونگے تو اگر انسان دوائی نہ کھائے اور پھر کہے کہ بخار ہی نہیں اتر رہا تو قصور تو اپنا ہے نا؟ اس لیے جو لوگ ان اسباق پر وقت لگائیں گے تو رب العزت ان کو کیفیتیں بھی عطا فرمائیں گے۔ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو ذکر اذکار بتائے ہیں، یہ مجرب روحانی دوائیاں ہیں، استعمال کریں، یقیناً گناہوں سے جان چھوٹے گی اور یہ بات کرتے

---

467 (ترمذی:۹۷۷)

468 (رواہ ابن ماجہ، کنز العمال:۱۷۸۱)

ہوئے، اس عاجز کے پاؤں کے نیچے چٹان ہے۔ عاجز ایسے یقین سے بات کر رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عاجز نے اپنی زندگی میں الحمد للہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کو معصیت سے نکل کر نیکی کی طرف آتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا ہے تو اس لیے معصیت کی ذلت سے بچنے کے لئے، مراقبہ اور تہلیل دو بہت اہم اعمال ہیں۔

کلمہ طیبہ تمام مخلوق سے زیادہ وزنی

اب تہلیل کیسے کرنا ہے؟ اپنے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات سے سن لیجیے۔

ایک حدیث قدسی امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دفتر دوم، مکتوب میں نقل کی ہے؟ فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّى اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ (حدیث قدسی میں) اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے "اگر میرے علاوہ ساتوں آسمان اور ان آسمانوں میں آباد شدہ فرشتے اور ساتوں زمینیں (ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ تو لا الہ الا اللہ والا پلڑا (اپنے بزرگی کے وزن کی وجہ سے جھک جائے گا۔ (فرماتے ہیں) کلمہ کیسے افضل اور وزنی نہ ہو جبکہ اس کلمہ کا پہلا جز (لا الہ) تمام ماسویٰ کی نفی کرتا ہے (خواہ وہ آسمان ہوں یا زمین، عرش ہو یا کرسی، لوح ہو یا قلم، عالم ہو یا آدم (سب کی نفی کرتا ہے) اور اس کلمہ کا دوسرا جزء (الا اللہ) معبود حق جل برھانہ کا اثبات کرتا ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ اس لیے اس کو افضل الذکر کہا گیا ہے۔

أفضل الذكر لا إله إلا الله

مکتوبات شریف میں امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول مکتوب ۵۲ میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: **جددوا ایمانکم بقول لا الہ الا الہ۔**[469] یعنی **لا الہ الا اللہ** (کی تکرار سے اپنے ایمان کو تازہ کر لیا کرو) بعض لوگ اپنی گاڑی روزانہ صاف کرواتے ہیں صبح کا وقت ہوتا ہے تو نوکروں کو بھیجتے ہیں کہ گاڑی کو صاف کر دو، روزانہ جوتے بھی صاف ہوتے ہیں، کہ دفتر جانا ہے تو گاڑی جوتے تو روزانہ صاف ہوں اور دل روزانہ صاف نہ ہو تو کتنی افسوس کی بات ہے۔ ذرا گھر کی صفائی میں کچھ ترتیب ذرا آگے پیچھے ہو جائے تو بیوی کی کم بختی آ جاتی ہے۔ وہ بیچاری گھر کو ایسے چمکا کر رکھتی ہے، کہتی ہے کہ میاں گھر آئے گا اور صفائی نہ ہوئی تو سخت ناراض ہو گا تو جوتے بھی صاف...... گاڑی بھی صاف...... کپڑے بھی صاف..... گھر بھی صاف.... اور خود انسان کا من ناپاک۔

اللہ اکبر! تو بھئی من کو تو صاف کرنے کی بہت ضرورت ہے اور من صاف ہو گا **لا إله إلا الله** کی کثرت سے، اب اس حدیث مبارکہ میں تو نبی **صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم** نے خود فرمادیا کہ ایمان کی تجدید کرتے رہو، اس کو روزانہ تازہ کرتے رہو۔ اس لیے وقت نکالنا اور تہلیل کا سبق کرنا، دل کو چمکانے کے لیے بہت ضروری ہیں۔

امام ربانی مجدد الفِ ثانی **قدس سرہٗ** ایک بہت خوبصورت بات لکھتے ہیں، پڑھ کر لطف آگیا۔ دفتر دوم، مکتوب ۳۷ میں فرماتے ہیں:

اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ اگر تمام عالم کو بھی صرف ایک مرتبہ کلمہ طیبہ (صدق دل سے) پڑھ لینے پر بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو بھی گنجائش ہے۔

---

[469] (مسند أحمد ۵/۲۳۹)

بہت بڑی بات لکھی ہے، تمام عالم کو صرف ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھ لینے پر بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو بھی گنجائش ہے۔ اللہ اکبر کبیرا! اور یہ بھی مشہود ہوتا ہے (یعنی کشف ہوا حضرت کو فرماتے ہیں یہ بھی مشہود ہوا ہے) کہ اس کلمۂ مقدسہ کی برکات کو اگر تمام عالم پر تقسیم کر دیں تو ہمیشہ کے لیے سب کو کافی ہوں گی اور سب کو سیراب کر دیں گی۔"

کلمے کی برکتیں سارے عالم کو سیراب کر سکتی ہیں

اگر کلمہ طیبہ نہ ہوتا تو اللہ کی طرف راستہ دکھائی نہ دیتا کتاب مبداء و معاد (منھا:۴۹) میں امام ربانی حضرت مجددالف ثانی قدس سرہ نے اس کلمہ کے فضائل لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ نہ ہوتا تو بارگاہِ قدس خداوندی جل سلطانہ کی طرف راہ کون دکھاتا؟ اور توحید کے چہرے سے نقاب کون اٹھاتا؟ اور جنتوں کے دروازے کون کھولتا؟ (بلکہ آپ قدس سرہ نے یہ بھی فرمایا کہ) صفات بشریہ کے پہاڑ کے پہاڑ اس "لا" کے تیشہ کو کام میں لا کر ہی کھودے جاتے ہیں اور تعلقات کی بے شمار دنیائیں اسی نفی کے تکرار کی برکت سے منتفی ہوتی ہیں۔"

یعنی اس کا کھانا، پینا، سونا، کم ہو جاتا ہے، اس کے اندر ملکوتیت آجاتی ہے۔ سبحان اللہ!

حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی کلمہ تو ہے جو تجلیات افعال سے (آدمی کو) تجلیات صفات تک لے جاتا اور تجلیات صفات سے تجلیات ذات تک پہنچاتا ہے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ تمام جہاں کلمہ طیبہ کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح دریا کے سامنے قطرہ ہوتا ہے اور یہ کلمہ شریف نبوت اور ولایت کے تمام کمالات کا جامع ہے۔

سبحان اللہ! مطلب یہ کہ آگے پھر جتنے بھی اسباق کھلتے ہیں، جس میں کمالاتِ ولایتِ علیا، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ وہ سارے اس کلمے کی کثرت کے ساتھ آگے بڑھتے

ہیں تو کلمہ طیبہ کا سبق لطائف کے بعد شروع ہوتا ہے، اور پھر کمالات کے اسباق میں بھی کلمہ کا ذکر بہت فائدہ دیتا ہے۔ کلمے کا ذکر سالک جتنا زیادہ کرتا جاتا ہے، اتنا کمالات نبوت اس پر زیادہ کھلتے ہیں۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۴۵ میں لکھا ہے کہ اہل اللہ کے نزدیک مسلم ہے کہ باطن کو منور کرنے میں اس کلمۂ مبارکہ سے زیادہ نفع دینے والی کوئی چیز نہیں ہے، صاحب استعداد سالک اس کلمہ کے پہلے جزو (لا الہ) کے ساتھ مطلوبِ حقیقی کے ماسوا کی نفی کرتا ہے اور اس کے دوسرے جزو (الا اللہ) کے ساتھ معبود برحق کا اثبات کرتا ہے جو کہ تمام سلوک کا خلاصہ ہے۔

تا بجاروب لا نہ روبی راہ   نرسی در سرائے الا اللہ

جب تک تو لا کی جھاڑو سے راستہ کو صاف نہیں کرے گا (اسوقت تک) الا اللہ کی سرائے میں نہیں پہنچے گا۔

دفتر دوم، مکتوب: ۴۶ میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" یہ کلمہ طیبہ طریقت و حقیقت اور شریعت مشتمل پر ہے۔

یعنی تینوں چیز میں طریقت، حقیقت، شریعت، تینوں اسی کلمے میں ہیں۔ سبحان اللہ! اور فرماتے ہیں کہ انسان جب اس کلمہ کو کرنا شروع کرتا ہے، تو لا الہ میں مقامِ طریقت ہے، اور الّا اللہ یہ مقامِ حقیقت ہے، اور محمد رسول اللہ یہ مقامِ شریعت ہے۔

کلمہ نفی کو خلیل علیہ السلام نے پورا کیا اور کلمۂ اثبات حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بعثت سے مکمل ہوئے۔

اب اس سے آگے ایک عجیب بات کہی ہے۔**سبحان اللہ!** مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم، مکتوب ۹۔

"جاننا چاہیے کہ کلمہ منفی کو حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے پورا کیا تھا اور شرک کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو آپ نے بند نہ کر دیا ہو، اسی لیے آپ انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کے امام قرار پائے اور پیشوا بن گئے۔ کیونکہ اس دنیا میں کمال کی انتہا اسی نفی کے اتمام کے ساتھ وابستہ ہے اور کلمہ طیبہ کے کمالات کا ظہور یعنی اثبات آخرت کی زندگی پر موقوف ہے۔"

اب یہ ایک نکتہ ہے کہ **لا الہ الا اللہ** میں سے یہ دنیا سالک کو صرف **لا الہ** کے کمال تک پہنچاتی ہے کہ نفی کامل ہو جائے۔ اور اس میں سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سب سے نمبر لے گئے۔ چنانچہ انھوں نے سب بتوں کو توڑ دیا **فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا (الأنبياء٥٨)** پھر اسباب کو توڑ دیا حتی کہ عالم خلق کے جتنے اسباب تھے، سب کو توڑ دیا اور پھر عالم ملکوت سے جبرئیل علیہ سلام ان کی مدد کرنے کے لیے آئے، ان کو بھی چھوڑ دیا۔ سبحان اللہ، جبریل علیہ سلام سے اتنا پوچھا کہ کیا اللہ جانتے ہیں کہ میں اس حال میں ہوں؟ تو جبرئیل علیہ سلام نے کہا: ہاں۔ فرمایا: **حسبي من سوالي علمه بحالي۔**[470]

کہ اللہ کو جو میرے حال کا پتہ ہے، اس لیے میں کسی سے سوال نہیں کرتا۔" سبحان اللہ! اللہ کو معلوم ہے کہ میں اس حال میں ہوں تو میں کیوں کسی سے مانگوں؟ اللہ کو یہ بات اتنی پیاری لگی کہ رب کریم نے فرمایا: **وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى (النجم٣٧)** (اور ابراہیم جس نے وفا کی) میرا ابراہیم بڑا

---

470 (مرقاۃالمفاتیح:١٥/١٦٨، کشف الخفاء:١١٣٦)

وفادار نکلا، وفا ہو تو ایسی ہو، میرا ابراہیم بڑا وفادار تھا۔ تو لا إله إلا الله کا کمال اس دنیا میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ لا اله سے مقام نفی مقصود ہے۔ اور انسان کامل نفی کرے، اپنی ذات کی مخلوق کی، اپنے ارادوں کی، تمناؤں کی، اسباب کی، ہر چیز کی نفی کرے حتی کہ ہمارے بزرگوں نے کہا جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا، یہ بھی اللہ کا غیر ہے، لا کلمے کے نیچے لا کر اس کی بھی نفی کر دینی چاہیے۔ تو کامل نفی، یہ اس دنیا میں حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ دنیا کے کمال کی انتہا ہے البتہ اثبات کا کمال آخرت میں ہو گا۔ اس لیے کہ آخرت میں رویت باری تعالی ہو گی۔ تو جب رویت باری تعالی ہو گی تو اثبات کا کمال تو وہاں نصیب ہو گا۔ معلوم ہوا کہ اثبات کا کمال آخرت میں نصیب ہو گا۔ لیکن نکتہ یہ ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم اس دنیا میں معراج پر تشریف لے گئے، اور اللہ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور اثبات کے فیوضات کو لے کر آئے تو الا اللہ کی تکمیل محبوب صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم پر ہوئی۔ کیا خوبصورت بات کہی ہے! کہ لا اله کی تکمیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام پر ہوئی تھی، اور الا اللہ کی تکمیل اللہ کے محبوب صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم پر ہوئی تھی۔

اللہ اکبر کبیرا! خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات اس دنیا میں رویت حق جل وعلا سے (شب معراج میں) مشرف ہوئے تو آپ نے کلمہ طیبہ کے جزء اثبات الا اللہ کے کمالات سے بھی اس دنیا میں بہت بڑا حصہ پالیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ کلمہ اثبات اس دنیا کے اندازے کے مطابق آپ علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام کی بعثت (تشریف آوری) سے کامل و مکمل ہو گیا اور اسی وجہ سے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ تجلی ذات کو آپ کے حق میں اس دنیا میں ثابت کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے آخرت کے وعدہ پر موقوف کرتے ہیں۔

توباقی انبیا کو تجلی کا وعدہ آخرت میں اور اللہ کے حبیب صَلَّى اللّٰہ تَعَالٰى عَلَيْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو وہ تجلی اسی دنیا میں ملی، معراج کے ذریعے سے۔سبحان اللہ!

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ےے میں خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس کلمہ طیبہ کا پہلا جزو (یعنی لا الہ) حق جل وعلا کے ماسوا کی نفی کرتا ہے اور وجود بشریت کے پہاڑوں کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور اس کا دوسرا جزو (یعنی الا اللہ) معبود برحق کا اثبات کرتا ہے جو کہ سیر وسلوک کا حاصل اور فنا اور بقا کے حصول کا ذریعہ ہے، اس کے برابر کوئی آرز نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی گوشہ میں تنہا ہو اور وہ اس مبارک کلمہ سے تر زبان رہے، اور اس کے اسرار کے سمندروں سے سیر اب وشاداب ہوتا رہے، مطلوب کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور مقصود کی طرف راستہ ظاہر ہو گیا ہے امیدوار رہیں۔

امید رکھنی چاہیے اور کلمہ کا ذکر کرنا چاہیے تاکہ اللہ رب العزت ہمیں بھی نعمت عطا فرمائیں۔ ہمارے سلسلہ عالیہ کے اسباق کی ترتیب اس طرح سے ہے کہ پہلے لطائف پر اللہ اللہ کا ذکر ہوتا ہے، تو اس میں ماسوی کی نفی تو ہو جاتی ہے۔ مگر ذکر کے اثرات تو طبیعت میں ہوتے ہیں، چونکہ اللہ کا اثبات جو کرتا ہے اللہ.......اللہ..... اللہ اب کسی طرف دھیان نہیں لیکن اللہ کی طرف تو دھیان ہے نا؟ تو یہ ایک کیفیت ہے۔ ہمارے بزرگوں نے کہا کہ اگرچہ تم نے ماسوا کی نفی کر دی لیکن جو اپنے اندر اللہ کے ذکر کا احساس ہے، یہ بھی تو ماسوا ہے، یہ الہ تو نہیں ہے نا؟ لہذا اس کی بھی نفی کر والہذا تحلیل کا سبق اس کے بعد لائے، تاکہ انسان کے من میں جھاڑو پھر جائے، ہر کیفیت ختم ہو جائے۔ اب اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا مگر اس کو ذکر سے فائدہ ہو ہی نہیں رہا تھا۔ بہت کوشش کی، بہت وقت گزارا مخلص تھا، مگر ذکر سے طبیعت کی مناسبت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ کافی

عرصہ کے بعد اس نے کہا کہ حضرت! میں نے اتنا وقت گزارا، میں سنورنا چاہتا ہوں، میری رہنمائی فرمائیں۔ یہ مشائخ بہت حکیم اور دانا ہوتے ہیں۔ تو حضرت نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبت تمہیں کس سے ہے؟ اس دیہاتی نے کہا کہ اچھی قسم کی کوئی بھینس ہو تو مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ حضرت نے فرمایا، اچھا! آج کے بعد ایسا مراقبہ کیا کرو کہ میں خود بھینس ہوں۔ بھئی تمہیں بھینس اچھی لگتی ہے، تو یہ مراقبہ کرو کہ میں بھینس ہوں۔ وہ تو بڑا خوش ہو گیا کہ بھینس کے بارے میں ہر وقت سوچوں گا، خیال رہے گا۔ چنانچہ اس نے مراقبہ کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دن مراقبہ کرتا رہا تو اس کو استغراق کی کیفیت حاصل ہو گئی، بھینس کے تصور میں ڈوبا ہوتا تھا۔ باقی سالکین بڑے حیران کہ حضرت نے اس کو بھینس کا مراقبہ بتایا ہے، یہ کیا بات ہوئی؟ اس دیہاتی کی یہ کیفیت ہو گئی کہ ایک مرتبہ وہ کمرے کے اندر کھڑا تھا تو حضرت نے اس کو بلایا کہ آپ ادھر آؤ، تو وہ کھڑا ہوا کہنے لگا کہ میں کیسے آؤں دروازے میں میرے سینگ اسکتے ہیں۔ اب اس کو بھینس کے خیال کا اس قدر غلبہ ہو گیا تھا کہ بیچارہ بھینس کا تصور کرتے کرتے خود ہی بھینس بن گیا۔ کہتا ہے کہ میں کیسے آؤں میرے تو خود سینگ اسکتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: الحمد للہ! ماسوا سے اس کو نفی نصیب ہو گئی، اب ہم اس بھینس کو ذبح کر دینگے، تو اس کو کلی نفی نصیب ہو جائے گی۔ ہمارے حضرات ماسوا سے انسان کو کاٹ کے اللہ کے ذکر پر لاتے ہیں، اور پھر یہ جو کیفیتیں بندے کے دل میں ہوتی ہیں، اس پر بھی لا الہ کا جھاڑو پھرا کر نفی کامل کا مرتبہ عطا فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور سمجھا گیا، کلمہ لا سے اس کی نفی کرو

چنانچہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دفتر اول مکتوب ۲۷۲ میں نقل ہے:

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا، یعنی آنکھوں سے دیکھا، کشف کی نظر سے، یا سنا گیا اور یا اپنی عقل سے جانا سمجھا گیا یہ بہت خوبصورت بات کہی ہے، سلوک کے لیے تو یہ بنیادی فقرہ ہے کہ جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا، وہ سب اس کا (یعنی اللہ کا غیر ہے کلمہ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔ لا کی تلوار چلا کر اس کی بھی نفی کر دو۔ چنانچہ آٹھواں سبق اور نواں سبق تہلیل یعنی نفی کا سبق ہے۔

اسی مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "حضرت خواجہ قدس سرہ کے اس کلام نے مجھ کو اس شہود سے نکالا اور مشاہدہ و معائنہ کی گرفتاریوں سے نجات بخشی اور میرے اسباب (ہستی) کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا۔

جزاہ اللہ سبحانہ عنی خیر الجزاء

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۴۲ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ کلمہ طیبہ کے اثبات کے تکرار کے وقت کلمہ مبارکہ محمد رسول اللہ کو بھی اس کے ساتھ ملائے یا نہ ملائے، اور اگر ملائے تو کتنی مرتبہ کے بعد ملائے؟ جواب: (کتنی مرتبہ کا کوئی تعین نہیں ہے ہر دس، یا بیس، یا ہر پچاس، یا سو، کے بعد ملائیں اور اس کلمہ کے تکرار سے اپنے مقاصد اور ارادوں کی نفی کرتا کہ اپنے ارادوں سے پوری طرح خالی ہو جائیں اور واحد حقیقی و مطلب تحقیقی کے سوا کچھ مقصود نہ رکھیں، اپنی مراد تلاش کرنا بندگی کے مقام کے لائق نہیں ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ تیرا مقصود ہے وہ تیرا معبود ہے۔"

عجیب بات کہی ہے! مشائخ نے فرمایا کہ جو تیرا مقصود ہے وہ ہی تیر معبود ہے۔ تو اس لیے ارادے ختم کر دیں، اپنے ارادوں کی نفی کر، مجھے کچھ نہیں چاہیے، کامل نفی ہو۔

اس لیے ہمارے مشائخ فرماتے تھے:

خداوند مقصود من توئی ورضا من توئی

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۳۹ فرماتے ہیں:

کلمہ نفی و اثبات جو کہ کلمہ توحید ہے دوسرے فائدے رکھتا ہے، باطن کو پاک کرتا ہے اور متفرق تعلقات کا جو کہ بشریت کے لوازم سے ہیں ازالہ کرتا ہے بلکہ وجود بشریت کو جڑ سے اکھاڑتا ہے اور فنا تک پہنچاتا ہے اور بقا تک رہنمائی کرتا ہے اور ظل سے اصل تک لے جاتا ہے اور اصل اصل تک اور اس اصل سے تیسری، چوتھی اور پانچھ اصل تک (اور) الا ماشاء اللہ (جہاں تک اللہ تعالی چاہے تحقق کر دیتا ہے۔

تو کلمہ کا ذکر فنا اور بقا کے دروازے کھولتا ہے۔ اس لیے ہمارے مشائخ نے پہلے اسم ذات کے اسباق رکھے، پھر کلمے کا سبق رکھے، تاکہ گناہ ختم ہوں اور معصیت سے جان چھوٹے۔ اور یہ چونکہ ماسوا کی کامل نفی کر دیتا ہے لہذا اس بندے کے اوپر فنا کے دروازے کھول دیتا ہے، چنانچہ تہلیل کے بعد کا سبق فنا کا سبق ہے، اس کو مراقبہ احدیت کہتے ہیں۔ اس سلوک کو سمجھنا کتنا آسان ہے۔ سبحان اللہ، ہمارے مشائخ نے اس سلوک کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ **لا الہ الا اللہ** کو پڑھنے کی نیت جیسی ہو ویسا ہی فیض ملتا ہے۔ کہ اگر تو اس کو کلمہ کی نیت سے پڑھیں، تو پھر انسان کو دل کی صفائی کا فیض ملتا ہے۔ اور یہ **لا الہ الا اللہ** قرآن کی آیت بھی تو ہے، تو فرماتے ہیں کہ آیت کی نیت سے پڑھیں تو مختلف انوارات وارد ہوں گے۔ اس لیے **لا الہ** کو کس نیت سے پڑھ رہے ہیں، یہ ضروری ہے۔ واقعی اگر

قرآن کی آیت سمجھ کر پڑھ رہے ہیں، تو پھر رحمتیں اتریں گی، اگر نفی کی نیت سے پڑھ رہے ہیں تو پھر اثرات اس کے اور ہوں گے۔

مقامات مظہری میں لکھا ہے کہ نفی اثبات کے ذکر کی ورزش سے بشری صفات کم ہو جاتی ہیں۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر بری عادت کا جدا جدا تکرار کلمہ طیبہ لا سے چند روز تک نفی کرے اور اس کی جگہ خدا کی محبت ثابت کرے یہاں تک کہ وہ بری خصلت زائل ہو جائے۔ نفسانی خواہش کے برعکس مقامات سلوک حاصل کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ بری خصلتیں نیک اوصاف میں تبدیل ہو جائیں۔

یعنی جو گناہ ہیں ان کو ذہن میں رکھ کر لا الٰہ الا اللّٰہ کا ذکر کرے تا کہ اللہ پاک اس گناہ سے نجات عطا فرما دیں۔

نفی اثبات افضل ہے یا نفلی عبادتیں؟

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲ میں لکھا ہے کہ ایک صاحب نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ میں ذکر زیادہ کروں یا نفل نماز میں پڑھوں یا قرآن کی تلاوت زیادہ کروں؟ تو اس دلچسپ سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

آپ نے دریافت کیا ہے کہ ذکر نفی و اثبات (لا إله إلا الله) تلاوت قرآن اور نماز میں طول قیام، ان تینوں میں کونسی چیز بہتر ہے؟ (جواب) ذکر نفی و اثبات وضو کی طرح ہے جو نماز کے لیے شرط ہے۔ کہ جب تک طہارت درست نہ ہو نماز کا شروع کرنا منع ہے، اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک فرائض و واجبات اور سنن کے علاوہ جو کچھ بھی نفلی عبادات کریں سب وبال میں داخل ہیں۔ پہلے اپنے مرض کو دور کرنا چاہیے جو کہ ذکر نفی واثبات پر

وابستہ ہے اس کے بعد دوسری عبادات وحسنات میں مشغول ہونا چاہیے جوکہ بدن کے لیے صالح غذا کی طرح ہیں، مرض کے دور ہونے سے پہلے جو غذ بھی کھائیں وہ فاسد و مفسد ہو گی۔

سبحان اللہ ! عجیب بات لکھی ہے ! فرماتے ہیں کہ ذکر نفی و اثبات وضو کی طرح ہے جو نماز کے لیے شرط ہے۔ بھئی ! وضو کرو گے تو تلاوت بھی کر سکو گے اور نماز بھی پڑھ سکو گے۔ فرماتے ہیں بیماری دور نہ ہوئی تو جتنی بھی اچھی غذائیں کھاتے رہیں الٹا نقصان ہی پہنچائیں گی۔اسی لیے جب من صاف نہ ہوا، کوئی بھی تسبیح پڑھیں نفل پڑھیں، انسان کو فائدہ نہیں ہو گا، پہلے من صاف کرو۔

مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۱۷ میں فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا ایک ہزار سے پانچ ہزار تک جس قدر ہو سکے تکرار کریں، ہیں تکرار کریں، تمام صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ باطن کو منور کرنے میں یہ کلمہ ذکر قلبی کی مانند بہت مفید ہے اور اشغال و مراقبات باطنی جو ہمارے طریقے میں معمول و مشہور ہیں صحبت و حاضری سے تعلق رکھتے ہیں۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول، مکتوب ۱۳۷ میں فرماتے ہیں کہ:

آخری دونوں ولایتوں (ولایت کبری وعلیا) کے حاصل کرنے میں نفی اثبات کا زبان کے ساتھ ذکر کرنا (تہلیل لسانی) ہے اور جو کمالات مرتبہ نبوت کے ساتھ وابستہ ہیں ان کے حصول میں مدد دینے والی چیز قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور نماز میں پڑھنا بالخصوص فرض نمازیں پڑھنا ہے۔

ولایت صغری سولہویں سبق تک حاصل ہو جاتی ہے۔اس کے بعد پھر ولایت کبری آتی ہے اور پھر ولایت علیا آتی ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ ولایت علیا اور ولایت کبری میں تو کلمہ کا ورد زیادہ فائدہ دیتا

ہے، اس کے اوپر جو کمالات نبوت اور کمالات رسالت کے اسباق ہیں، ان میں قرآن کی تلاوت اور نماز کی کثرت انسان کو زیادہ فائدہ دیتی ہیں۔

نفی اثبات کا طریقہ اور تعداد

اس ذکر نفی و اثبات کا طریقہ خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۱۳ میں لکھا ہے کہ:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے لگائے اور سانس کو ناف کے نیچے روکے اور کلمہ لا کو ناف سے کھینچے اور سر کے وسط تک پہنچائے اور الہ کو وسط سر سے دائیں کندھے پر لائے اور الّا اللہ کو دائیں کندھے سے دل صنوبری پر جو بائیں پہلو میں واقع ہے لائے، اس مجموعہ کا نقش لائے معکوس کی صورت پر ہو جاتا ہے اور ان کلمات کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانا خیال کے ساتھ ہونا چاہیے اور اعضا اور سانس کو حرکت نہ دے اور سانس ناف کے نیچے رکا رہے اور سانس کو جب تک روک سکے اس کلمہ کو کہتا رہے لیکن ہر سانس میں طاق عدد کہے جفت نہ کہے، اس لیے اس ذکر کو وقوف عددی کہتے ہیں اور جب سانس میں تنگی محسوس ہو اس کو چھوڑ دے اس کے بعد پھر سانس روکے اور سابقہ طریقوں کے مطابق ذکر مذکور کے پھر اسی طرح کرے پھر اسی طرح کرے (اور) پھر اسی طرح کرے۔"

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۴۳ میں فرماتے ہیں:

اور ذکر نفی و اثبات کی تعداد و وقت معین نہیں ہے جس وقت مہیا ہے کرے اور جب تک سانس (روکنا) ساتھ دے کہتا رہے خواہ کسی عدد تک پہنچے لیکن طاق کہے جفت نہ کہے اور اسی وجہ سے

اس ذکر کو وقوف عددی کہتے ہیں اور اگر کسی وقت حبس دم (سانس روکنا نہ کر سکے تو حبس دم کے بغیر کہے کیونکہ حبس دم لازمی شرط نہیں ہے۔

تو سانس کا روکنا اس سبق کی شرط نہیں ہے۔اب اگر کسی آدمی کو سانس کی بیماری ہے، وہ تو لمبا سانس نہیں روک سکتا۔ سانس کے ساتھ اس کو ذکر کرے۔ مشائخ اس کو سمجھاتے ہیں کہ اس کا طریقہ کیا ہے؟ تو فرمایا کہ حبس دم کے بغیر کرے کیونکہ حبس دم شرط نہیں ہے۔اس ذکر پر اس قدر مداومت کریں کہ سینہ کی وسعت میں حق سبحانہ کے سوا کوئی مراد و مقصود نہ رہے۔اور اس تعالیٰ شانہ کے مقصود ہونے کے سوا کوئی اور مراد نہ ہو تا کہ بندگی کی حقیقت ظاہر ہو جائے عبدیت کا مقام ملتا ہے۔لہذا یہاں پر آکر کہ سب بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس لیے اگر صحیح طریقے سے لطائف کے اسباق کیے ہوں، اور صحیح طریقے سے تہلیل کا سبق کرے، تو تمام نفسانی محبتوں سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ میرے تو اسباق تہلیل سے بھی اوپر کے ہیں اور ابھی بھی نفسانی تعلقات باقی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ سبق سے فائدہ ہی نہیں ہوا، دوبارہ سبق شروع کرنا چاہیے۔ صرف اسباق بڑھنے سے تو انسان کا سلوک طے نہیں ہو سکتا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ بیماری ختم ہوئی کہ نہیں۔ تہلیل کے سبق پر پہنچتے ہوئے، تمام مرادیں ختم ہو باتی ہیں۔جب ساری مرادیں ختم ہو گئیں تو نفسانی تعلقات سے نجات مل گئی۔

حضرت خواجہ معصوم بہ دفتر دوم، مکتوب ۳۲ میں فرماتے ہیں:

میرے مخدوم! آپ نے بہت محنت کی ہے، حق تعالیٰ اس پر اثر مرتب فرمائے، اگر آپ تکلف کے بغیر اضافہ کر سکتے ہیں تو اضافہ کریں بعض دوست اس سے زیادہ کہتے ہیں۔

ایک صاحب نے لکھا تھا کہ میں ایک سانس میں تہلیل ایک سو مرتبہ کرتا ہوں تو کیا یہ کافی ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ بہت ہے اور اگر زیادہ ہو سکتا ہے تو اور بھی زیادہ کریں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد تو ایک سانس میں (۲۰۰) مرتبہ کہا کرتے تھے، اور ماشاء اللہ ہمارے نو جوانوں سے اکیس مرتبہ بھی نہیں ہوتا۔ اصل میں محنت نہیں کرتے اور خود بخود تو یہ نعمت ملتی نہیں۔ محنت سے ملتی ہے۔ کرنے والے تو ایک سانس میں چالیس مرتبہ ستر مرتبہ، سو مرتبہ آسانی سے کر لیتے ہیں، جوانی میں کرنا مشکل نہیں ہے۔ بلکہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ روزانہ سانس بند کرے حبس دم تین سو مرتبہ کرے۔ تین سو مرتبہ! سنئے، مقامات مظہری میں منقول ہے، فرماتے ہیں کہ:

"حبس نفس سے نفی و اثبات کا ذکر تین سو بار سے کم کیا جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

یہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں ہے فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم دوائی پورے طریقے سے نہیں کھاتے لہذا معصیت کی بیماری سے کیسے حسان چھوٹے؟ دوستو! آج ہم نے آپ کو منزل کا نشان بتا دیا، ہم نہیں پہنچ سکے تو ممکن ہے کہ سننے والوں میں سے اللہ کسی کو پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ سب کے لیے اپنی رضا کو حاصل کرنا آسان فرمائے۔

واخر دعونا أن الحمد للہ رب العلمین۔

(مفتاح السلوک، جلد سوم)

مکتوب نمبر ۵۳

[یہ مکتوب بھی سیادتِ انتساب شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ علمائے سوء کا اختلاف جہان کی بربادی کا باعث ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے آباء کرام کے راستہ پر قائم اور ثابت رکھے۔

یہ بات سننے میں آئی ہے کہ بادشاہِ اسلام نے دیندارانہ فطرت کی خوبی کے باعث جو ان میں پائی جاتی ہے آپ کو حکم دیا ہے کہ چار دِیندار علماء مہیا کریں، جو ہر وقت دربارِ شاہی میں حاضر رہیں، اور احکام شرعی بیان کرتے رہیں، تاکہ کوئی امر خلافِ شرع واقع نہ ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ مسلمانوں کے لئے اس سے بہتر کیا خوشخبری ہو سکتی ہے، اور ماتم زدوں کو اس سے اچھی کیا بشارت ہو سکتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ حقیر اسی غرض کے لئے آپ کی

خدمت عالی کی طرف متوجہ ہے، جیسا کہ اس کا متعدد بار اظہار کر چکا ہے۔ ضرورت کے مطابق اس بارے میں بھی کچھ کہنے اور لکھنے میں اپنے آپ کو کوتاہی میں نہیں ڈالے گا۔ اُمید ہے کہ بوجھ محسوس نہیں کریں گے۔

غرض مند دیوانہ ہوتا ہے، چنانچہ عرض کرتا ہے کہ دیندار علماء بلاشبہ بہت کم ہیں جن کے دلوں سے مرتبہ اور سرداری کی محبت نکل ہو، اور جن کا مطلب و مدعا اس کے سوا کچھ نہ ہو کہ شریعت کی ترویج اور ملتِ اسلام کی تائید و تقویت ہو۔ طلبِ جاہ کی صورت میں ان عُلماء میں سے ہر ایک الگ الگ پہلو اختیار کرے گا اور اپنی فضیلت اور بزرگی کا اظہار کرے گا۔ اور اختلافی باتیں درمیان میں لائے گا، اور اس روش کو بادشاہ کی نزدیکی کا ذریعہ بنائے گا۔ اس صورت میں تبلیغِ دین کی مہم ابتری اور خرابی کا شکار ہو گی۔ گزشتہ زمانے میں بھی علماء کے اختلافات عالمِ اسلام کو بلا اور فتنے میں مبتلا کر چکے ہیں۔ ایسی ہی صورت اب بھی درپیش آسکتی ہے۔ اس طرح دین کی ترویج کیا ہو گی؟ الٹی دین کی تخریب ہو گی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اس سے پناہ، اور علمائے سوء کے فتنے سے بھی خدا کی پناہ۔ اس غرض کے لئے اگر ایک عالم کو منتخب کریں تو بہتر ہو گا۔ اگر علمائے آخرت میں سے کوئی میسر آجائے تو یہ کتنی بڑی سعادت ہو گی کیونکہ ایسے عالم کی صحبت کبریت احمر ہے۔ اور اگر ایسا نیک پرہیزگار عالم نہ مل سکے تو صحیح سوچ بچار کے بعد اسی جنس میں سے سب سے بہتر کا انتخاب کر لیں۔ اگر ایک چیز مکمل طور پر میسر نہ آسکے تو اسے بالکل ہی تو نہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔]

تشریح

حضرت احوص بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ:

سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى الله عَلَيْهِ سلم عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ: لَا تَسْأَلُونِي عَنِ الشَّرِّ وَسَلُونِي عَنِ الْخَيْرِ، يَقُولُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ: أَلَا إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَإِنَّ خير الْخَيْر خِيَار الْعلمَاء۔[471]

ترجمہ: ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے برائی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا مجھ سے برائی کے بارے میں سوال نہ کرو، مجھ سے بھلائی کے بارے میں سوال کرو، یہ بات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا بُرے لوگوں میں سب سے زیادہ برے علماء ہیں، اور بہتر لوگوں میں سب سے زیادہ بہتر علماء ہیں۔

علماء سوء دنیا و آخرت کو برباد کر دیتے ہیں اور علماء حق دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کو بھی آباد کر دیتے ہیں، اگر کوئی عالم جاہ و جلال اور دنیا کی خاطر علم سیکھے تو اس سے خیر کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے کیونکہ وہ جاہ و جلال اور مرتبہ حاصل کرنے کے لئے امراء کے درباروں کی نزدیکی کا خواہشمند ہوتا ہے۔ ایسا عالم علماءِ سوء میں شمار ہوتا ہے۔ اور جو عالم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لئے علم سیکھتا، اس پر عمل کرتا اور لوگوں میں دین کی اشاعت کرتا ہے اور جاہ و جلال اور دنیا کا خواہشمند نہیں ہوتا۔ وہ علماء حق میں سے ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مکتوب میں لکھا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن علماء کو تلاش کریں جنہوں نے صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کی خاطر علم سیکھا ہو اور اسی کی رضا کے لئے دین کی اشاعت کرتے ہوں نہ کہ جاہ و جلال کے لئے۔

---

[471] (مشكوٰة المصابيح، ج ۱، ص ۸۸، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

وہ علماء سوء ہی تھے جنھوں نے اکبر بادشاہ کے لئے سجدہ تحیہ کو جائز قرار دیا تھا، جب بھی کوئی عالم اکبر بادشاہ کے دربار میں اس کے پاس جاتا تو پہلے اسے سجدہ کرتا، دیکھنے والے لوگ ان علماء سوء سے کہتے کہ سجدہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بغیر کسی دوسرے کو کرنا حرام اور کفر ہے آپ کیوں اس طرح کرتے ہیں تو وہ لوگوں کو جواب میں کہتے کہ یہ بات (یعنی سجدہ کرنا) تو قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اُن کے بھائیوں نے سجدہ کیا ہے۔ حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بغیر کسی دوسرے کو سجدہ کرنے کو حرام اور کفر قرار دیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بغیر کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں بیوی سے کہتا کہ خاوند کو سجدہ کرے، مگر یہ جائز نہیں ہے۔ قرآن چونکہ متشابہ ومجمل ہے اور قرآن کے پہلے اور بڑے مفسر خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہیں اور ہم لوگ قرآن کا معنی ومفہوم نہیں سمجھتے بغیر اس کے کہ جو کچھ ہمیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔

یہ علماء سوء دنیا اور پیسوں کی خاطر ایک طرف تو اکبر بادشاہ کو سجدہ تحیہ کرتے تھے اور دوسری طرف اپنے لئے قرآن عظیم الشان سے دلیل ڈھونڈتے تھے تاکہ لوگوں میں اس عمل کی اشاعت ہو جائے کہ بادشاہ کے لئے سجدۂ تحیہ کرنا جائز ہے۔ یہ سب اُن بدبخت اور ضمیر فروش علماء سوء کے عمل کا نتیجہ ہے۔ اکبر بادشاہ کے لئے سجدہ تحیہ نہ کرنے اور اس عمل کو حرام کہنے کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو دو سال تک جیل میں ڈال دیا گیا، جہاں آپ کو قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ مگر آپ حق بات کہنے سے پیچھے نہ ہٹے۔

حکامِ وقت کی خوشنودی اور دولت و دنیا کمانے والے علماءِ سوء نے بے شمار ایسے خود ساختہ مسائل مشہور کر دیئے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نافرمانی وناراضگی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آسکتا مثال کے طور پر عورتوں کے سر کے بالوں کو مردوں کی طرح کٹوانے کو جائز قرار دیا گیا ہے اور اس کی دلیل کے طور پر سُنن ابی داؤد کی اُس روایت کا سہارا لیا گیا ہے جس کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے سر کے بال کٹوائے تھے۔ حالانکہ اس روایت کو دلیل بنانا سراسر جاہلیت ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہ فعل حج کے موقع پر تھا جس کی تابعداری دورانِ حج عورتیں آج بھی کرتی ہیں۔ حج کے علاوہ فیشن کے لئے کسی صورت اس کا جواز پیدا نہیں کیا جاسکتا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فرمانِ مبارک کا مفہوم ہے کہ جو عورت اپنے سر کے بالوں کو کاٹے وہ ایسے ہے گویا اس نے اپنا ایمان کاٹ ڈالا۔ اور دوسری جگہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ "عورت مردوں کی مشابہت نہ کرے" علاوہ ازیں بھی کئی دلائل موجود ہیں۔

پس لوگوں سے گزارش ہے کہ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خوشنودی درکار ہے اور دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی سعادت کی خواہش ہے تو دین کو دنیا کے لئے بیچنے والے ایسے نام نہاد علماء (سوء) کی ہر گز پیروی نہ کریں اور دین کے مسائل میں خود ہی مجتہد بن کر فیصلے کرنے کی بجائے دین کی اُن حدود کو نہ بگاڑیں جن کو سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کے مطابق وضع فرمایا

ہے۔ دین کی مکمل شدہ عمارت کو اپنی مرضی سے وسیع کر لینے کی صورت میں دنیا کو تو آباد کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں آخرت کی بربادی یقینی ہو جاتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حقائق کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں ہماری مدد فرمائے، آمین۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا ہے کہ بادشاہ جہانگیر کی طرف سے چار دین دار علماء کا شرع کے مسائل اور احکام بیان کرنے کے لئے دربارِ شاہی میں مامور کرنے کا حکم سُن کر بہت مُسرت حاصل ہوئی ہے۔ یہ فقیر بھی اسی غرض کے لئے آپ کی طرف متوجہ رہا ہے تاکہ دربارِ شاہی کی طرف سے دینِ اسلام کی ترویج کا کام کرایا جا سکے۔ اس سلسلہ میں کسی ایک متدیّن عالمِ آخرت کا انتخاب کیا جائے جو حُبِّ جاہ وریاست سے فارغ ہو تو بہت مناسب ہو گا کیونکہ ایک سے زیادہ علماء کا آپس میں متفق رہنا مشکل ہو گا۔ خاص کر حُبِّ جاہ وریاست اور بادشاہ کا قُرب حاصل کرنے کی مہم کی وجہ سے دین کی ترویج واشاعت میں رخنہ پڑ جائے گا۔ گزشتہ دور میں بھی علمائے سوء نے جہان کو فتنہ وفساد میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس فرمان میں آپ نے علمائے ابن الوقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جنہوں نے بادشاہ اکبر وجہانگیر کے لئے سجدۂ تعظیمی جائز قرار دیا تھا اور بہت سی بدعتوں کو رواج دیا تھا۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۹۳، ۲۹۴)

[کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ اور بے کار بیٹھا ہے۔ اس کا راز دریافت کیا تو ابلیس نے بتایا کہ اس وقت کے علماء ہمارے کام کو انجام دے رہے ہیں اور بہکانے اور گمراہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ (مجھے تگ ودو کی ضرورت نہیں)

عَالم کہ کامرانی وتن پروری کند

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

ترجمہ: جو عَالِم غرض پرستی اور تن پروری کرے وہ خود ہی گم کردہ راہ ہے دوسرے کی رہبری کیا کرے گا؟

غرض یہ ہے کہ اس معاملہ میں فکر صحیح اور سچے غور کو ملحوظ رکھ کر اقدام کریں۔ جب بات ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو پھر اس کا کچھ علاج نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ آپ جیسے دانا اور زیرک لوگوں کے سامنے ایسی باتوں کے اظہار میں شرم بھی آتی ہے لیکن اس مقصد کو اپنی سعادت کا ذریعہ ارو موجب خیال کرتے ہوئے آپ کو تکلیف دینے کا باعث بنا ہے۔]

تشریح

علوم شریعت کے درس و تدریس کے آداب و شرائط کے موضوع پر علماء کرام نے آداب المتعلمین میں احادیث مبارک سے استنباط کر کے کچھ مسائل ذکر فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فرمان مبارک کا مفہوم ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ کسی ایسے عالم سے علم حاصل کرے جس میں غصہ کی عادت نہ ہو۔ کیونکہ اگر استاد غصہ والا ہو گا تو شاگردوں کے سوال پر برہم ہو گا اور اس کا یوں برہم ہونا طالب علموں پر گراں گزرے گا۔ نتیجتًا ان کا علم حاصل کرنے کا شوق ختم ہو جائے گا اور علم پھیلنے سے رُک جائے گا۔ اس مسئلہ کی روشنی میں علماء کرام کو چاہیئے کہ علم پھیلانے کے معاملہ میں غصہ سے اعراض فرمائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَامِنْ شَئی بُدِیَ یَوْمِ الْاَرْبَعَاء التم۔

ترجمہ: جو کام بدھ کے دن شروع کیا جائے وہ ضرور پورا ہوتا ہے۔[472]

اسی وجہ سے علماء کرام اور فقہاء کرام نے اسباق کو بدھ کے دن شروع کرنے کو بہتر خیال فرمایا ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی معمول تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مسجدِ فتح میں پیر، منگل اور بدھ کے دن دعا فرمائی جو بدھ کے دن ظہر و عصر کے درمیان قبول ہوئی۔ اس حدیث کے راوی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے کوئی مشکل کام پیش آتا تو میں بدھ کے دن ظہر و عصر کے درمیان دعا کرتا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے قبول فرمالیتے۔ ثابت ہوا کہ اس دن ضرور کوئی مبارک ساعت ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اُستاد، علومِ شریعت کے درس دینے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھے۔ اپنی شہرت وعزت کی نیت نہ ہو۔ کیونکہ جس کام میں اخلاص نہ ہو وہ قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتا اور نہ ہی اس سے بہتری کی توقع کی جاسکتی ہے۔

(دارالمعـــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطور بالا سے واضح ہوا کہ مخلوق کی ہدایت اور گمراہی علماء سے وابستہ ہے، دیندار علماء انسانوں میں سب سے بہتر ہوتے ہیں اور دنیادار علماء انسانوں میں سب سے بدتر ہوتے ہیں۔

علماء کی دو قسمیں

پہلی قسم علمائے حق ہیں جن کو علمائے آخرت کہا جاتا ہے جو حُبِّ جاہ وریاست سے خالی ہوں اور دینِ اسلام کی ترویج وتبلیغ کے سوا ان کا کوئی مقصد نہ ہو۔ یہ انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔

---

472 (آداب المتعلمین، الفصل الخامس، ص ۱۹۰)

دوسری قسم علمائے سوء ہیں جن کو علمائے دُنیا کہا جاتا ہے جو دین کو دُنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ فکرِ آخرت سے خالی اور ابن الوقت ہوتے ہیں۔ ان کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہوتا ہے اور یہ مخلوق کو فرقہ بندی میں مبتلا کرتے ہیں۔

علماء کی دونوں قسموں کے بارے میں درج ذیل حدیث شاہد ہے۔

حضرت احوص بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والدِ گرامی سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم: أَلَا إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَإِنَّ خیر الْخَیْرِ خِیَار الْعلمَاء۔

(یعنی) رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ بُروں میں سب سے بُرے لوگ بُرے علماء ہیں اور نیکوں میں سب سے نیک لوگ نیک علماء ہیں۔[473]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۹۴، ۲۹۵)

بُرے لوگوں میں سب سے زیادہ بُرے علماء ہیں

حضرت احوص بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ:

سأل رجل النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن الشر. فقال: لا تسألوني عن الشر، وسلوني عن الخیر، یقولھا ثلاثاً، ثم قال: ألا إن شر الشر شرار العلماء، وإن خیر الخیر خیار العلماء۔[474]

ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے برائی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے برائی کے بارے میں سوال نہ کرو، مجھ سے بھلائی کے بارے میں سوال کرو یہ بات آپ

---

473 (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۸۸، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

474 (مشکاۃ المصابیح، ص ۳۷، الألبانی، ابن حجر عسقلانی)

ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی، اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا برے لوگوں میں سب سے زیادہ برے علماء ہیں اور بہتر لوگوں میں سب سے زیادہ بہتر، بہتر علماء ہیں۔

علماء سوء دنیا و آخرت کو برباد کر دیتے ہیں اور علماء حق دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کو بھی آباد کر دیتے ہیں، اگر کوئی عالم جاہ و جلال اور دنیا کی خاطر علم سیکھے تو اس سے خیر کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے کیونکہ وہ جاہ و جلال اور مرتبہ حاصل کرنے کے لئے امراء کے درباروں کی نزدیکی کا خواہشمند ہوتا ہے۔ ایسا عالم، علماء سوء میں شمار ہوتا ہے۔ اور جو عالم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کے لئے علم سیکھتا، اس پر عمل کرتا اور لوگوں میں دین کی اشاعت کرتا ہے اور جاہ و جلال اور دنیا کا خواہش مند نہیں ہوتا، وہ علماء حق میں سے ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مکتوب میں لکھا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان علماء کو تلاش کریں جنہوں نے صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کی خاطر علم سیکھا ہو اور اسی کی رضا کی خاطر دین کی اشاعت کرتے ہوں نہ کہ جاہ و جلال کے لئے۔

وہ علماء سوء ہی تھے جنہوں نے اکبر بادشاہ کے لئے سجدۂ تحیہ کو جائز قرار دیا تھا جب بھی کوئی عالم اکبر بادشاہ کے دربار میں اس کے پاس جاتا تو پہلے اسے سجدہ کرتا، دیکھنے والے لوگ ان علماء سوء سے کہتے کہ سجدہ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بغیر کسی دوسرے کو کرنا حرام اور کفر ہے آپ کیوں اس طرح کرتے ہیں تو وہ لوگوں کو جواب میں کہتے کہ یہ بات (یعنی سجدہ کرنا) تو قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا ہے۔ حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بغیر کسی دوسرے کو سجدہ کرنے کو حرام اور کفر قرار دیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بغیر کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں بیوی سے کہتا کہ خاوند کو سجدہ

کرے، مگر یہ جائز نہیں ہے۔ قرآن کریم چونکہ متشابہ اور مجمل ہے اور قرآن کریم کے پہلے اور بڑے مفسر خود حضور نبی کریم ﷺ ہیں، اور ہم لوگ قرآن کریم کا معنی و مفہوم نہیں سمجھتے بغیر اس کے کہ جو کچھ ہمیں آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔

یہ علماء سوء دنیا اور پیسوں کی خاطر ایک طرف تو اکبر بادشاہ کو سجدۂ تحیہ کرتے تھے اور دوسری طرف اپنے لئے قرآن عظیم الشان سے دلیل ڈھونڈتے تھے تاکہ لوگوں میں اس عمل کی اشاعت ہو جائے کہ بادشاہ کے لئے سجدۂ تحیہ کرنا جائز ہے۔ یہ سب ان بدبخت اور ضمیر فروش علماء سوء کے عمل کا نتیجہ ہے۔ اکبر بادشاہ کے لئے سجدۂ تحیہ نہ کرنے اور اس عمل کو حرام کہنے کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو دو سال تک جیل میں ڈال دیا گیا جہاں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ مگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حق بات کہنے سے پیچھے نہ ہٹے۔

حکام وقت کی خوشنودی اور دولت و دنیا کمانے والے علماء سوء نے بے شمار ایسے خود ساختہ مسائل مشہور کر دیئے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول حضور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی و ناراضگی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آسکتا۔ مثال کے طور پر عورتوں کے سر کے بالوں کو مردوں کی طرح کٹوانے کو جائز قرار دے دیا گیا ہے اور اس کی دلیل کے طور پر سنن ابو داؤد کی اس روایت کا سہارا لیا گیا ہے جس کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے سر کے بال کٹوائے تھے۔ حالانکہ اس روایت کو دلیل بنانا سراسر جاہلیت ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہ فعل حج کے موقع پر تھا جس کی تابعداری دوران حج آج بھی عورتیں کرتی ہیں۔ حج کے علاوہ فیشن کے لئے کسی صورت اس کا جواز پیدا نہیں کیا جاسکتا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان مبارک کا مفہوم ہے کہ جو عورت اپنے سر کے بالوں کو کاٹے وہ ایسے ہے گویا اس نے اپنا ایمان کاٹ ڈالا۔ اور دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "عورت مردوں کی مشابہت نہ کرے" علاوہ ازیں بھی کئی دلائل موجود ہیں۔

پس لوگوں سے گزارش ہے کہ اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی خوشنودی درکار ہے اور دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی سعادت کی خواہش ہے تو دین کو دنیا کے لئے بیچنے والے ایسے نام نہاد علماء (سوء) کی پیروی ہرگز نہ کریں اور دین کے مسائل میں خود ہی مجتہد بن کر فیصلے کرنے کی بجائے دین کی ان حدود کو نہ بگاڑیں جن کو سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وضع فرمادیا ہے۔ دین کی مکمل زدہ عمارت کو اپنی مرضی سے وسیع کر لینے کی صورت میں دنیا کو تو آباد کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں آخرت کی بربادی یقینی ہو جاتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ حقائق کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں ہماری مدد فرمائے۔ (آمین)

(شرح مکتوبات، دفتر اول، حصہ دوم، ص۷۸تا۸۰)

مکتوب نمبر ۵۴

[یہ مکتوب بھی سیادت وبزرگی کے مالک شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ بدعتی کی صحبت سے بچنا لازم وضروری ہے۔ بدعتی کی صحبت کا نقصان کافر کی صحبت کے نقصان سے بھی زیادہ ہے۔ اور بدعتی فرقوں میں سے سب سے بدترین فرقہ شیعہ شنیعہ ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اَجرِ عظیم عطا کرے۔ تمہاری قدر اور منزلت بلند کرے اور تمہارے کام آسان کرے، بحرمت سید بشر، جو نظر کی کجی سے پاک ومنزہ تھے۔ علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا۔

مَنۡ لَمۡ یَشۡکُرِ النَّاسَ لَمۡ یَشۡکُرِ اللّٰہَ۔

ترجمہ: جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ خدا تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔[475]

(بروایت سیدنا ابو سعید خذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث درجہ حسن میں ہے۔)

تو ہم فقیروں پر آپ کے احسانات کا شکر لازم ہے۔ اول اول ہمارے خواجہ (حضرت پیر دستگیر خواجہ محمد الباقی قدس سرہٗ) کی ظاہر دل جمعی کا سبب آپ ہی بنے تھے۔ آپ کے طفیل اس جمعیت میں ہم لوگ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طلب میں مصروف رہے اور اس کا وافر حصہ ہم لوگوں نے حاصل کر لیا۔

پھر دوبارہ مطابق کُبِرْتُ بِمَوْتِ الْکُبَرَاء (بڑوں کے فوت ہو جانے کے باعث مجھے بڑا بنا دیا گیا) جب نوبت اس طبقہ تک آ پہنچی تو فقراء کے جمع ہونے کا ذریعہ اور طالبانِ حق کے انتظام کا باعث بھی آپ ہی ہیں۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

گر بر تن من زباں شود ہر موی یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

ترجمہ: اگر میرے جسم کا ہر بال زبان بن جائے تو میں ہزار میں سے آپ کا ایک شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں سادات کرام اور مُحسنین کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ ساداتِ کرام کا تو اس وجہ سے کہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اولاد ہونے کا شرف رکھتے ہیں اور چونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر عظیم ترین نعمت، سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا

---

475 (سنن الترمذی، ج۴، ص ۳۳۹، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي - مصر)

وجود مبارک ہے، اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اولاد (سادات) کا شکر بجالانا ہم پر لازم وضروری ہے۔ اس شکریہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر ساداتِ کرام دینی معاملات میں رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے دیں تو ان کے اس احسان کے صلہ میں بھی شکر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے کہ "احسان کا بدلہ احسان کرنا ہے"۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا شکر بجالانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبارک طریقہ کو اپنایا جائے۔ اپنی زندگی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں کا مکمل احیاء کیا جائے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تعلیمات کو خلوصِ نیت سے عملی جامہ پہنایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر روز باوضو ہو کر درودِ ابراہیمی کے الفاظ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر درودِ ابراہیمی بھیجا جائے۔

اس مکتوب شریف میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا شکر بجالاؤ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا شکر اس طرح ادا ہو گا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں پر ہو بہو اس طرح عمل کیا جائے جس طرح کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے خیر وخیرات اور صدقات ادا کریں، دعائیں کریں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر درود بھیجیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سادات کی تعریف ومدح کرتے ہوئے حضرت شیخ فرید بخاری سے فرماتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وجہ سے ہمارے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس سلسلے میں کمال درجہ پر فائز ہو گئے۔

[میری یہ آرزو ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو دنیاوآخرت میں آپ کے جدِ مکرم سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم من الصلوات والتسلیمات کے طفیل ہر نامناسب بات سے محفوظ رکھے۔ یہ فقیر آپ کی صحبت گرامی سے دور پڑا ہوا ہے۔ مجھے علم نہیں کہ آپ کی مجلس شریف میں کس قسم کے لوگ آتے جاتے ہیں۔ اور خلوت وجلوت میں آپ کے مونس کیسے لوگ ہیں۔

خوابم بشد از دیدہ دریں فکر جگر سوز

کاغوش کہ شد منزل وآسائش خوابت

ترجمہ: جگر کو جلادینے والی اس فکر سے میری آنکھوں سے نیند اُڑگئی ہے کہ کس شخص کی آغوش آپ کی منزل اور آپ کی نیند کی آرام گاہ بنی ہوئی ہے۔

اس بات پر یقین رکھیں کہ بدعتی کی صحبت کی خرابی کافر کی صحبت کی خرابی اور نقصان سے زیادہ ہے۔ اور تمام بدعتی فرقوں میں سے بدترین وہ گروہ ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض وعناد رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خود اس گروہ کو کفار کے نام سے یاد کرتا ہے۔

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الفتح ۲۹)

ترجمہ: تاکہ اُن سے کافروں کے دل جلیں۔]

تشریح

کفار ومسلمانوں کے درمیان تقریباً ہر معاملے میں ہی فرق ہے۔ کیا عقائد وکیا رَسم ورواج اس لئے مسلمان عمومی طور پر کفار کی مجالس سے دور رہتے ہیں، لیکن اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے گمراہ اور بدعتی فرقوں سے دوری اختیار کرنا آج کے دور میں بالخصوص ناممکن بنا دیا گیا ہے اور جہاں پر اس

کی دیگر کئی وجوہات ہیں وہاں اصلی اور بنیادی وجہ فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت کے عقائد وتعلیمات سے لاعلمی وناشناسی ہے۔ اسی لئے ہمیں گمراہ فرقوں سے علیحدگی اختیار کرنا ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ ان کی محافل ومجالس کو اختیار کرنا کفار کی دوستی سے بڑھ کر خطرناک ہے۔ کیونکہ ایسے دوست نما دُشمن کا ضرر ونقصان بظاہر دیکھنے میں نہیں آتا لیکن ہمارے ایمان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرتا رہتا ہے۔ اپنے ارد گرد کے ماحول پر نظر ڈال کر دیکھ لیں نیکوکار اور باایمان خاندانوں کے نوجوانوں پر کون سا رنگ چڑھ چکا ہے اور یہ رنگ کون سی محافل کا نتیجہ ہے؟

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب کی ابتداء میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے شیخ فرید بخاری علیہ الرحمۃ کے لئے ان کی دینی خدمات اور درویشوں کی مالی امداد پر دعائیہ کلمات تحریر فرما کر ان کو بدعتی فرقوں کی صحبت ومحبت سے اجتناب کی وصیت فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے، اسی لئے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بدعتی کے ادب واحترام کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے کہ بدعتی کا احترام کرنے والا گویا دینِ اسلام کو برباد اور ویران کرنے کی کوشش کرنے والا ہے۔[476]

نیز ارشاد فرمایا:

---

476 (مشکوٰۃ، ص ۳۱)

إِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ، لَا يُضِلُّونَكُمْ، وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ۔

(یعنی) ان (بدعتی فرقوں) سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔[477]

قرآن حکیم میں اس کی واضح ممانعت موجود ہے:

فَلَاتَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِینَ (الأنعام ٦٨)

ترجمہ: تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کے حکم میں ظالموں سے مراد کفار، بدعتی اور فاسق وغیرہا ہیں۔ ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنے، صحبت اختیار کرنے اور میل جول رکھنے کی اجازت نہیں۔

بلکہ حدیث میں یہاں تک تصریح موجود ہے کہ:

ولا تؤاکلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولا تناکحوھم واذا مرضوا فلا تعودوھم، واذا ماتوا فلا تشھدوھم ولا تصلوا علیھم وَلا تصلوا معھم۔

(یعنی) ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور ان کے ساتھ پانی نہ پیو اور ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے نکاح ورشتہ نہ کرو، وہ بیمار ہو جائیں تو عیادت نہ کرو اور جب وہ مر جائیں تو اُن کے جنازے پر نہ جاؤ اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔[478]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۲۹۹ تا ۳۰۱)

العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ، جلد دہم میں ہے:

اہل سنت والجماعت اور بدعتیوں کے رد کا بیان

[477] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۰)

[478] (کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۴۰، ۵۴۲)

اس میں سولہ اقوال ہیں۔

پہلا قول: اس بارے میں کہ دین صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے

ہدایت کا طالب ابو شکور سالمی کہتا ہے کہ دین صرف اور صرف اور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ "(البينه: ۵) "اور انہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ "(الزمر: ۳) "آگاہ ہو جاؤ! دین خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے"۔

پھر دین (اسلام) یہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں، رسولوں، نبیوں، اولیاء اللہ اور تمام مسلمانوں کا دین ہے اور جو ان تمام سے جدا ہو اوہ دین سے بھٹکنے والا ہو گا۔

اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا "(آل عمران: ۱۰۳)

" اور اللہ کی رسّی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھوٹ نہ جانا (فرقوں میں بٹ نہ جانا)"۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے دین، سنت و جماعت سے جدا نہ ہو جاؤ۔

بہر حال سنت و جماعت سے جدا ہونا بدعت و گمراہی ہے اور بدعت و گمراہی والا دوزخیوں میں سے ہو گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلیل ہے:

وَلَاتَکُونُوا کَالَّذِینَ تَفَرَّقُوا (آل عمران: ۱۰۵)

"کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو جدا ہو گئے"۔

پھر فرمایا:

وَأُولَئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیمٌ (آل عمران: ۱۰۵)

"یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے"۔

اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت ہے کہ عنقریب میری امت میرے بعد تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی سوائے ایک کے سب دوزخی ہیں، تو وہ ایک (فرقہ ناجیہ) اہل السنت والجماعت ہیں۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: میری امت گمراہی پر کبھی بھی جمع نہیں ہو گی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے اور اسی طرح جماعت پر ہے، پس تم بڑی جماعت کی پیروی کرو۔

اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک دن اپنے دونوں ہاتھوں میں ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے، پھر (ہتھیلی کے) دائیں اور بائیں کئی خط کھینچے اور فرمایا: یہ کئی راستے ہیں اور ان میں سے ہر راستے پر شیطان ہے جو اپنی طرف دعوت دیتا ہے۔

پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تلاوت فرمایا:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ (الانعام ۱۵۳)

"اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور اَور راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی۔"

پھر سواد اعظم (بڑی جماعت) کے اصول رسول اللہ ﷺ کے اصحاب، ان کے پیرو تابعین اور تبع تابعین ہیں، جیسے حضرت ابو سعید خدری، حسن بن ابو سعید بصری، سفیان ثوری، اوزاعی، علقمہ اسود، ابراہیم نخعی، شعبی، مالک، حماد بن ابو لیلیٰ، امام ابو حنیفہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور متاخرین اور ان کے شاگردوں میں سے جنہوں نے ان کی پیروی کی، جیسے ابویوسف قاضی، محمد بن حسن شیبانی، زفر، حسن بن زیاد، داود طائی، محمد بن ادریس شافعی اور ابو عبداللہ مزنی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور خراسان کے فقہاء میں سے جیسے ابو مطیع بلخی، ابو سلیمان جرجانی، ابو حفص الکبیر بخاری، شقیق بن ابراہیم اور ابراہیم بن ادھم رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ سب امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد تھے۔

اور فقہاء دین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے جس نے ان کی پیروی کی اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے آج تک کے مسلمانوں میں سے ایک جماعت اور انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

اور ان کے علاوہ ایک جماعت کی زبان اور ہاتھوں سے دین کو بغیر کسی تنازع اور اختلاف کے لیا۔ پھر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل سنت والجماعت یہی مذکورہ شخصیات ہیں یعنی صحابہ کرام، آئمہ اور مسلمین اور آئمہ میں سے جنھوں نے ان کی پیروی کی کیونکہ اہل اھواء اور اہل بدعت بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہوگئے اور ان میں سے ہر فرقہ جب ایک مسئلہ میں اختلاف کرے گا تو اکہتر (۷۱) فرقے ہمارے ساتھ اس بات پر اتفاق کریں گے کہ ایک فرقہ ان کے مقابلہ میں خطاء کار ہے اور اپنے دین میں نئی چیز نکالنے والا ہے۔

اور اسی طرح جب دوسرا فرقہ کسی مسئلہ میں اختلاف کرے گا تو پہلا فرقہ اپنی خطا اور بدعت میں ہمارے ساتھ موافقت کرے گا۔

ایک کی مخالفت ایک مسئلہ میں معتبر نہیں، اسی پر رد کر دیا جائے گا تو ثابت ہوا کہ اہل سنت و الجماعت صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے متبعین کے ساتھ ہیں، قیامت تک فقہاء سے اور مسلمانوں سے اور متابعت و موافقت متحقق ہے، ہمارے مشائخ و آئمہ ہدیٰ بلاد شرق و چین میں فقہاء خراسان اور ماوراء النہر اور بلاد غزنیہ اور دیار ترکمیں اور ان سب کے ایک ہی طریق اور ایک وتیرہ پر قواعد دین اور ارکان اسلام ثابت کیے ہیں، اپنی حجتوں اور کتاب و سنت اور سیرت صحابہ و تابعین کے دلائل کے ساتھ، جن کا ذکر پہلے ہو چکا اور ان کے نام بھی بتا دیے گئے، یہی سبیل اللہ (اللہ کا راستہ) پہلی سبیل مرسلین اور سبیل مسلمین ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (یوسف ۱۰۸) "تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا

ہوں میں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں۔" اس کے معنی یہ ہیں کہ تم فرمادو کہ یہ میرا دین ہے جو کہ حجت، رویت، دلیل، نور، ضیاء اور بصیرت پر مبنی ہے پھر جو بغیر حجت کے راہ اختیار کرے گا وہ گمراہ ہو گا اور خطاء کار و مبتدع ہو گا۔

دوسرا قول: بدعت کا حکم کیا ہے؟

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں: بدعت حرام ہے اور اس پر قائم رہنا فسق میں مبتلا رہنے سے برا ہے۔

مبتدع پر لعنت اور اس کی بے عزتی کرنا جائز ہے۔ نوح بن ابی مریم، ابو یزید قمی سے اور وہ سعید ابن جبیر سے، وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کے لیے عمل کیا جماعت میں، اگر وہ عمل درست ہے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور اگر خطا کی تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے اور جس نے اللہ کے لیے کوئی عمل انفرادی طور پر کیا تو اگر وہ درست ہوا تو اللہ اسے قبول نہیں کرے گا اور اس نے خطا کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں ڈھونڈے۔

اور اوزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ابلیس نے اپنے لشکر سے کہا: تم بنی آدم کے پاس کس طرح آتے ہو؟ لشکریوں نے جواباً کہا: ہم ہر طرح سے ان کے پاس آتے ہیں مگر

وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو توحید کی حرمت سے بخش دیتا ہے۔ ابلیس نے کہا: میں انہیں ایسے گناہ میں ڈالتا ہوں کہ وہ توبہ کو نہ دیکھیں گے اور خواہشات ان میں ثابت ہو جائیں گی (یعنی خواہشات نفسانی کے پیرو ہو کر یہ سمجھیں گے کہ جو ہم کر رہے ہیں درست ہے۔

کیا بدعت فسق سے بری ہے؟ یہ جو ہم نے کہا کہ بدعت فسق سے بری ہے، اس لیے کہ فاسق اپنے فسق پر اصرار نہیں کرتا اور اپنے اوپر توبہ کو واجب جانتا ہے، مبتدع اپنی بدعت پر مصر رہتا ہے اور اس بدعت کا معتقد ہوتا ہے اور توبہ کو واجب نہیں جانتا ہے، اس لیے کہ وہ اپنی بدعت کو حق گمان کرتا ہے۔ فسق میں رہنا شیعہ ہونے سے اچھا ہے؟ کم برا ہے۔

ابن الحصین نے اپنے بھتیجے کو جب وہ اپنے فسق سے تائب ہو کر شیعیت میں داخل ہوا تو کہا پہلی حالت اچھی تھی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ سے راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے بدعتی کی عزت کیا اس نے گویا اسلام کے منہدم کرنے پر اعانت کی، نیز حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے اسلام میں نئی بات کا احداث کیا یا بدعتی کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور پناہ دی، اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے فرض کو قبول کرے اور

نہ نوافل مقبول ہوں۔ نیز حضور ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں کے عیب بیان کرنا عیب نہیں: فاسق معلق و مبتدع اور ظالم بادشاہ۔

نیز حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أترغبون عن ذكر الفاجر اذكروا الفاجر بما فيه كي يحذره الناس"۔

"کیا تم فاجر کے ذکر سے اعراض کرتے ہو فاجر میں جو عیب ہیں ان کا چرچا کرو تاکہ لوگ اس سے حذر کریں۔"

پس جو ہم نے کہا وہ صحیح ہے۔

تیسرا قول: اہل بدعت کے ساتھ مناظرہ کرنے کا بیان

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ اہل بدعت اور اہل اھواء کے ساتھ مناظرہ و مجادلہ جائز ہے۔ اور اہل ظواہر کہتے ہیں کہ کہ جائز نہیں اس لیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس بارے میں کچھ نہیں فرمایا، اگر جائز ہوتا تو وہ بھی شروع کرتے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جھگڑا چھوڑ دے اگرچہ تو حق پر ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ مبارک میں مبتدعین نہ تھے، اس لیے وہ مناظرہ میں شروع نہ ہوئے اور ان کے پاس تلوار تھی، کفار سے جہاد کرتے تھے اور ہمارے زمانے میں مبتدعین کثرت سے پیدا ہو گئے اس لیے مناظرہ کی ضرورت ہے اور مروی ہے کہ حضرت خلیفہ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "مسئلہ قدر"

میں حضرت خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مناظرہ کیا، اس کی تفصیل سے پہلے ذکر ہو چکا ہے، اگر مناظرہ ناجائز ہوتا شیخین کریمین مناظرہ نہ فرماتے۔

اور حدیث ودع المراء وإن کنت محقا۔ آمی کو چھوڑدے اگرچہ تو سچا ہو، کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مناظرہ اظہار حق کے لیے ہوتا ہے اور جب حق ظاہر ہو گیا تو جھگڑا کی ضرورت نہیں اور نہ مناظرہ اور حق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی خصم حق کو قبول نہ کرے اور توبہ نہ کرے تو تلوار سے مقابلہ کیا جائے۔

جھگڑا ظہور حق کے بعد جائز نہیں اور مبتدعین سے مناظرہ کے جواز کی دلیل یہ ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (النحل ۱۲۵)

"اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو"۔

دوسری دلیل:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (العنکبوت ۴۶)

"اور اے مسلمانو! کتابیوں سے نہ جھگڑو مگر بہتر طریقہ پر"۔

اللہ تعالیٰ نے مجادلہ مباح فرمایا، مگر صفت مذکورہ یعنی بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ (الانعام ۱۴۴)

"اور ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کیے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہیں۔"

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے مجادلہ کیا، فرمایا:

قَالُوا يَانُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا (ھود ۳۲)

"بولے اے نوح تم ہم سے جھگڑے اور بہت ہی جھگڑے تو لے آؤ۔"

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام نے نمرود بن کنعان سے مناظرہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے مناظرہ کی خبر دی:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ (البقرة ۲۵۸)

"اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی جب کہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جِلاتا اور مارتا ہے بولا میں جِلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم نے فرمایا تو اللہ سورج کو لاتا ہے پورب (مشرق) سے تو اس کو پچھم (مغرب) سے لے آ تو ہوش اُڑ گئے کافر کے۔"

علم کو چھپانے والا بہت بڑا مجرم ہے

جابر بن عبد اللہ سے رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب آخری میری امت پہلی میری امت کی نفی کرے، تو جس کے پاس علم ہو، وہ اپنے علم کا اظہار کرے، اس وقت علم کو چھپانے والا ایسے ہے جیسے میری وحی کو چھپانے والا۔

حضرت حماد بن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے والد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر میں علم کلام کو نہ سیکھوں تو کیا مجھے نقصان ہو گا؟ فرمایا: من وجہ نقصان ہو گا اور من وجہ نقصان نہ ہو گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ علم کلام کیوں نہیں سیکھا؟ اس لحاظ سے تو نقصان نہیں اور اس حیثیت سے کہ جب تم علم کلام نہیں جانو گے تو لوگوں سے مناظرہ نہیں کر سکو گے، اس پہلو سے نقصان ہے۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: اسلام کی مضبوط ترین گرہ "الحب فی اللہ و البغض فی اللہ" ہے یعنی اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے بغض ہو اور جب تک تم مبتدع اور غیر مبتدع کو نہ پہچانو گے تو کیسے اللہ کے لیے محبت کرو اور اللہ کے لیے بغض کرو گے؟

اے بیٹے! اس کی مثال اس کنویں کی سی ہے جو اوپر سے ڈھکا ہوا ہو اور جب تک تجھے علم نہ ہو تو تو کنویں میں گر جائے گا۔

پھر فرمایا: اے عالم! لوگ مجھے کہتے ہیں: اصحاب رسول ﷺ علم کلام نہیں جانتے تھے، تو اے معلم تو اس کا جواب دے کہ اصحاب رسول ﷺ کے دروالے پر دشمن تلوار سونت کر نہیں حاضر ہوتا تھا اور ہماری یہ حالت ہے کہ دشمن شمشیر بکف ہو کر ہمارے دروازہ پر حاضر ہوتا ہے تو جس کے

دروازہ پر دشمن ننگی تلوار لے کر آجائے تو اس پر واجب ہے کہ اس سے مقابلہ کرے اور جس کے دروازے پر دشمن تلوار سونت کر حاضر نہ ہو تو اس پر جنگ کی تیاری واجب اور ضروری نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اہل قدر سے ملاقات ہو تو پہلے سوال کرو، معلوم ہوا کہ اہل بدعت سے مناظرہ جائز و مباح ہے اور اگر ھواء اور اہل بدعت اور دوسرے کافروں سے مناظرہ اور مجادلہ جائز نہ ہوتا تو یہ مذاہب باطلہ اہل اسلام پر غالب آجاتے اور حق و باطل میں فرق ظاہر نہ ہوتا، اس لیے کہ حق دلیل و حجت کے ظاہر ہونے سے ظاہر ہوتا ہے اور دلیل و حجت کا اظہار مناظرہ سے ہوتا ہے، لہٰذا بوقت ضرورت مناظرہ جائز ہے اور اس غرض سے علم کلام و علم مناظرہ، علم مجادلہ پڑھنا، پڑھانا جائز ہے، بلکہ فی زمانہ ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ جل شانہٗ اعلم۔

چوتھا قول

اہل اھواء اور اہل بدعت کی تکفیر کا بیان

بعض فقہاء نے کہا کہ بدعت کفر ہے اور مبتدع کافر ہے، اس لیے کہ بدعت حرام ہے اور جس نے بدعت کا اعتقاد کیا اور جس نے حرام کو حلال جانا وہ کافر ہے۔

اور بعض نے کہا: مبتدع کافر نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل اھواء کی گواہی مقبول ہے تو جب ان کی گواہی مقبول ہے تو ثابت ہوا کہ وہ مسلمان ہیں۔

اور محمد ابن حسن رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: مبتدع کے پیچھے نماز جائز ہے، مگر مکروہ تحریمہ ہے، اس لیے کہ اس نے بدعت کو اپنے زعم میں حق سمجھا اور حلال جانا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ موول اور تاویل سے اس مسئلہ کو حلال جانا، لہٰذا تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اور بعض نے کہا کہ جب اس کی خطاء ظاہر ہو جائے اور توبہ نہ کرے، اپنے اس اعتقاد سے تو تکفیر کی جائے گی اور بعض نے کہا کہ جب اس کی خطاء ظاہر ہو جائے اور توبہ نہ کرے، اپنے اس اعتقاد سے تو تکفیر کی جائے گی اور صحیح یہ ہے کہ تکفیر مطلقاً جائز نہیں، اس لیے اہل اھواء اور اہل بدعت کے احوال مختلف ہیں اور اہل اھواء کئی قسم کے ہیں تو بعض جگہ ان کی تکفیر کی جائے گی اور بعض مسائل میں ان کی تفسیق کی جائے گی اور بعض حالتوں میں ان کی بدعت سیئہ ہو گی، اس سے توبہ واجب ہو گی بعض مسائل میں بدعت حسنہ ہو گی تو توبہ کی بھی ضرورت نہیں۔

ہم کہتے ہیں: بدعت کے بارے میں پانچ وجہ پر کلام کیا جائے گا:

(۱) ایک کلام اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق۔

(۲) دوسرے کلام اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں۔

(۳) تیسرے کلام خدا کے قضاء وقدر میں۔

(۴) چوتھے کلام بندوں کے افعال کے بیان میں۔

(۵) پانچواں کلام اصحاب رسول ﷺ کے متعلق۔

تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں یا کلام اللہ میں یا قضاء و قدر میں ناحق کلام کرے تو وہ بلا خلاف کافر ہے اور جو بندوں کے افعال میں یا اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں کلام کرے تو اگر نص صریح یا خبر متفق علیہ یا اجماع کے خلاف ہے تو بلا خلاف کافر ہے اور اگر اس کا کلام قیاس، خبر واحد کے خلاف ہے یا تاویل کرتا ہے تو محل تاویل میں بایں حیثیت کہ شبہ کی گنجائش ہے تو یہ موجب کفر نہیں، بدعت سیئہ ہو گی، اس سے توبہ واجب ہے۔

لیکن بدعت حسنہ جیسے قرآن پاک کو روانی اور غناء کے ساتھ پڑھنا جب کہ حد قراءت سے نہ نکلے، قرآن پاک کا جمع کرنا، قرآن پاک کا لکھنا، قرآن پاک کو تیس پاروں میں تقسیم کرنا، قرآن پاک پر اعراب لگانا، رکوع و منزل اور رموز لکھنا، اذان غنا (گاکر) کے ساتھ دینا، جب کہ حد سے باہر نہ ہو۔ یہ سب بدعت ہیں مگر بدعت حسنہ کہ (ان سے) توبہ واجب نہیں۔

پھر اہل اھواء اور اہل بدعت سے جنگ و قتال کرنا جب کہ ان کی بدعت حد کفر تک پہنچے تو اگر رجوع کر لیں اور توبہ کر لیں تو فبہا (بہتر) ورنہ سب کا قتل کرنا مباح ہے، اور اگر توبہ کر لیں اور تجدید اسلام کر لیں تو ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور بعض نے کہا: سب کی توبہ قبول کی جائے گی مگر رافضیوں اور شیعوں میں سے جو اباحیہ اور غالیہ ہیں ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، ایسے ہی قرامطہ اور زنادقہ فلاسفہ کے فرقے ہیں کہ ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی بلکہ توبہ کے بعد بھی قتل کر دیا جائے گا، جیسے توبہ سے پہلے قتل کیا جاتا، اس لیے کہ وہ صانع (پیدا کرنے والا) کے معتقد نہیں تو توبہ کس کی بارگاہ میں کریں گے؟

اور بعض نے کہا: اگر پکڑنے سے پہلے اور اپنی بدعت کے اظہار سے قبل تائب ہو جائیں تو توبہ قبول کرلی جائے گی اور اگر گرفتار کرنے کے بعد اور اظہار عقائد کے بعد توبہ کریں تو توبہ قبول نہیں کی جائے گی، قتل ہی کیے جائیں گے،یہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

کیا بدعتی پر ٹیکس لگایا جائے؟

اور مبتدع پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا، اگرچہ کافر ہے بدعت حد کفر تک پہنچی ہو اور نہ ان کو غلام بنایا جائے اور جب بدعت موجب کفر نہ ہو تو زجر و توبیخ اور منع واجب ہے اور تعزیر جس قدر ممکن ہو کی جائے کہ تعزیر سے وہ (بدعت سے) باز آ جائیں گے اور اگر بغیر قید کرنے اور کوڑے لگانے کے زجر و منع نا ممکن ہو تو حبس (نظر بند) اور زدو کوب کرنا جائز ہے۔

بدعتیوں کے سرغنے اور لیڈر کو قتل کر دو

اور ایسے ہی بغیر تلوار کے باز آنا ناممکن ہو تو اگر وہ اس فرقہ کا سرغنہ اور رئیس و لیڈر رہے اور ان کا مقتداء ہے تو اسے بدعات سے باز رکھنے کے لیے از روئے سیاست قتل کرنا روا اور جائز ہے اور ایسے ہی اہل شہر (اسلامی شہروں میں سے) دارالاسلام میں جب جمعہ و عیدین اور جماعت ترک کر دیں یا اذان و اقامت ترک کر دیں یا حکم و قضاء (عدالتی نظام اور فیصلوں) کو ترک کر دیں یا قراءت قرآن مجید کو ترک کر دیں تو ان کو تکلیف دی جائے اور اگر زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ کی پرواہ نہ کریں تو تلوار سے سیدھے کیے جائیں۔ سو اگر ان کو قتل کر دیا تو گناہگار نہ ہوں گے اور ان کے قتل میں مضائقہ نہیں۔

اور ایسے ہی اگر کوئی شخص نماز، روزہ، جمعہ اور عیدین، اذان و اقامت اور قراءت قرآن وغیرہ احکام مذکورہ میں کسی ایک کو چھوڑ دے تو اس کو تکلیف دی جائے اور اگر وہ زجر و توبیخ اور تہدید سے بھی باز نہ آئے اور اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کا خون ساقط ہے، قصاص نہیں لیا جائے گا۔

اور مہتدی ابو شکور سالمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے شیخ امام زاید ابو بکر محمد ابن حمزہ سمرقند سے ۴۶۵ء کے لگ بھگ سنا، جب کہ ان سے فقہ پڑھتا تھا اور ان سے "کتاب السرقه" وغیرہ پڑھیں۔

جب قطاع الطریق (ڈاکوؤں) کے متعلق مسائل و احکام بیان فرمائے جو اس آیت کریمہ کا معنی تھا:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِکَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (المائدة۳۳)

وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور مُلک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا اُن کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کر دیئے جائیں یہ دنیا میں اُن کی رُسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لیے بڑا عذاب۔

تو فرمایا: (امام صاحب نے) ڈاکو اگر بغاوت سے راستہ کی ناکہ بندی کر دے، پھر فرمایا: میں نے شیخ الاسلام رکن الدین والاسلام شمس الائمہ ابو محمد عبد العزیز احمد بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے ذکر کیا، انہوں نے اپنی "امالی" میں ذکر کیا کہ ڈاکو جب راستہ بند کر دے اور مال لوٹ لے اور قتل نہ کرے اور اپنے خروج (بغاوت) سے راستہ منقطع (ناکہ بندی سے) نہ کرے تو سلطان کو ازروئے سیاست اور زجراً اس کا قتل کر دینا جائز ہے اور اس معنٰی میں ہم کہتے ہیں کہ بدعتی جب بدعت کی دعوت دے اور لوگوں کو بدعت کی طرف بلائے اور اس سے ملک میں بدعت پھیلنے کا اندیشہ ہے تو اگرچہ اس کے کفر کا حکم نہیں دیا جائے گا لیکن سلطان کو حق پہنچتا ہے کہ زجراً و سیاستہً اس کو قتل کر دے، اس لیے کہ اس کا فساد بڑھ گیا عام ہو گیا اور موثر فی الدین ہے، لوگوں کا دین خراب کرے گا اور جب بدعت کفر کے درجہ میں ہو تو اس کا قتل عام جائز و مباح ہے اور اگر بدعت درجہ فسق میں ہو تو ان کا قتل عام مباح نہیں بلکہ جو ان کا رئیس و سردار اور سرغنہ اور معلم ہو تو قتل کر دیا جائے، زجر و امتناع کے لیے اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل قبلہ کا خون بہانا مباح نہیں، مگر تین باتوں میں سے اگر کوئی بات پائی جائے تو قتل جائز و مباح ہے: (۱) ایمان کے بعد مرتد ہو جائے (۲) احصان کے بعد زنا کا مرتکب ہو (۳) یا ناحق مسلمان کو قتل کرے۔

اور معتزلہ کے نزدیک اہل قبلہ کا قتل چار باتوں میں سے کوئی بات پائی جائے تو مباح ہے: (۱) گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو (۲) بدعت پیدا کرے (۳) سلطان پر تلوار سونتے (۴) یا فرائض میں سے کسی فرض کو معطل کر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پانچواں قول: فرقوں کا بیان

جان لو کہ دین جماعت کے ساتھ ہے اور جماعت سوادِ اعظم ہے۔

سوادِ اعظم کون ہیں؟

اور سوادِ اعظم جبر و قدر، تشبیہ و تعطیل اور نصب و رفض کے درمیان ہے۔

اہل سنت کون ہیں؟

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ اہل سنت و جماعت کون ہے؟ فرمایا:
جس میں نصب و رفض، جبر و قدر اور تشبیہ و تعطیل نہ ہو، وہ سوادِ اعظم ہے۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ امام جعفر ابن محمد صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ اے ابن رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! کیا اللہ تعالیٰ نے تمام امور بندوں کے سپرد کر دیے ہیں؟
فرمایا: اللہ تعالیٰ اجل و اعلیٰ (بلند و بالا) ہے کہ ربوبیت بندوں کے سپرد کر دے۔

پھر سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جبر کرتا ہے؟

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اعدل ہے کہ بندوں کو مجبور کرے اور پھر ان کو عذاب دے۔

عرض کیا: پھر کیا معاملہ ہے؟

فرمایا: بین بین ہے، نہ جبر ہے، نہ تفویض اور نہ اکراہ ہے، نہ تسلیط۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، سب فرقے جہنمی ہیں اور میری امت کے میرے بعد تہتر فرقے ہو جائیں گے، ایک کے سوا سب ناری ہیں۔ عرض کیا گیا: وہ ایک فرقہ ناجیہ کون سا ہے؟ فرمایا: جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں، آج کے دن جو اس طریق پر قائم ہو گا وہ نجات پانے والا فرقہ ہے۔

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے بعد اکہتر فرقے ہو گئے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بہتر فرقے ہو گئے اور میرے بعد میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے، ایک فرقے کے سوا سب جہنمی ہوں گے اور روایت کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: بہتر فرقے ہلاک ہو جائیں گے اور ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہو گا۔ نیز مروی ہے کہ بہتر فرقے ناری ہوں گے اور ایک جنت میں اور یہ بھی مروی ہے کہ کل جنتی ایک ناری عرض کیا گیا: ناری کون ہے؟ فرمایا: قدریہ۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ قدریہ خدائے قدوس کی وحدانیت کے منکر ہیں۔

اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ (القمر ۴۷)

"بے شک مجرم گمراہ اور دیوانے ہیں۔"

یعنی دنیا میں گمراہی میں، آخرت میں جہنم میں:

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (القمر ۴۹)

"بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازہ سے پیدا فرمائی۔"

اور قدریہ فرقہ اس کے منکر ہیں، اس سے پتا چلا کہ قدریہ کفار ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ابلیس نے چالیس دن تک سمندر میں غوطہ لگایا، ھاویہ میں داخل ہو کر درکات جہنم کو دیکھا اور ہر قوم کے "درکہ" کو دیکھا: مالک علیہ السلام نے بہ حکم الہیٰ اس کو علم و علامت دی اور اس کو بہتر رقعے دیئے، ہر رقعہ پر ہر بدعت کا نام لکھا۔ ابلیس نے ان رقعوں کو لے کر ان اہل بدعت میں پھیلا دیا، پھر یہ فرقے بہتر ہیں اور یہ چھ فرقوں سے نکلے ہیں: رافضیہ، ناجیہ، قدریہ، جبریہ، مشبہہ، معطلہ۔ پھر ہر صنف سے بارہ فرقے نکلے تو یہ بہتر فرقے ہو گئے، ہم ان کے اصل اور اعتقاد کو ذکر کریں گے اور ان کے نام بھی ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چھٹا قول: روافض کا بیان: رافضی کہنے کی وجہ

جاننا چاہیے کہ ان کو رافضی کیوں کہا جاتا ہے؟ اس لیے کہ انہوں نے دین اسلام کے اصولوں کو توڑا ہے، خداوند تعالیٰ نے ان کا نام کفار رکھا ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا: لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الحجرات ۲۹) "تاکہ اُن سے کافروں کے دل جلیں۔" اور نبی کریم ﷺ نے ان کا نام مشرکین رکھا، فرمایا: میرے بعد ایک قوم نکلے گی، ان کو رافضی کہا جائے گا، جب تم ان سے ملاقات

کر وان کو قتل کر دینا، اس لیے کہ وہ مشرک ہیں۔ ان رافضیوں کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کفریہ اقوال ہیں، بعض فسق اور بدعت ہیں، ہم ان کے اقوال بالترتیب بیان کرتے ہیں۔

بعض (رافضیوں) کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ آسمان سے اترے اور صورت لاہوتیہ سے نکل کر صورت ناسوتیہ کو اختیار کیا اور ایسے افعال کیے جن سے ربوبیت ثابت ہوتی ہے۔ پھر اپنی یعنی آسمان پر چڑھ گئے، اس قوم نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خدا کہا تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ان کو جلا دیا اور جو لوگ باقی رہ گئے، انہوں نے اعتقاد کیا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ خدا نہ ہوتے تو آگ کا عذاب نہ دیتے، اس عقیدہ والے کافر ہیں، اس میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

اور بعض نے کہا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نبوت میں حضور ﷺ کے شریک تھے اور یہ عقیدہ کفر ہے، اس لیے کہ جو نبی کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اور جو نبی نہیں اور اس کو نبی مانے تو وہ بھی کافر ہے اور جو شخص غیر نبی کو نبوت میں شریک کرے، وہ بھی کافر ہے۔

بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ نبوت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے لیے تھی مگر جبرئیل خطا اور غلطی سے نبی کریم ﷺ پر وحی نازل کر گئے اور جبرائیل حضور ﷺ کی صداقت کی وجہ سے حضور ﷺ کی طرف مائل ہو گئے اور یہ کفر ہے اور بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک متصل ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

اور بعض نے کہا: جو اہل بیت کے علم کا حامل ہے خواہ نبوت کا دعویٰ کرے یا اپنی نبوت کا اظہار نہ کرے یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

بعض کا عقیدہ ہے کہ زمانہ کسی وقت امام سے خالی نہیں ہوتا اور امام اولاد حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہوتا ہے اور وہ براہ راست خدا سے علم حاصل کرتا ہے یا جبرئیل علیہ السلام سے اور جو اس امام کو نہ پہچانے اور اس پر ایمان نہ لائے اور اسی حالت میں مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے، یہ عقیدہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ یہ نبوت کا ثابت کرنا ہے۔

بعض کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کی اولاد اور اصحاب دنیا کی طرف رجوع کریں گے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے، یہ بھی کفر ہے اس لیے کہ نص اور قیامت کا انکار ہے۔

بعض کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کی اولاد کی روح دوسرے جسم میں داخل ہو کر دنیا میں لوٹ آئے گی اور اپنے دشمنوں سے انتقام لے گی اور وہ امام ہوں گے، یہ بھی کفر ہے۔

اور بعض خلاف ما انزل اللہ کتاب کی تاویل کرتے ہیں، یہ بھی کفر ہے۔

بعض کا عقیدہ ہے کہ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال نہیں فرمایا کہ وہ اپنے روح و جسم کے ساتھ آسمان میں ہیں اور ہر آسمان میں علی موجود ہیں اور رعد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی آواز ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے، اس لیے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کی اولاد حاضر ہوتے ہیں، یہ بھی کفر ہے اور بعض نے کہا کہ شراب، متعہ، لواطت حرام نہیں اور جو اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی اور جو دفعۃً واحدۃً (یک بارگی) اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو واقع نہ ہوں گی اور یہ کفر ہے اور بعض نے کہا: حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ حضور ﷺ سے زیادہ جاننے والے، زیادہ فصیح اور زیادہ بہادر شجاع تھے، یہ بھی کفر ہے۔

اور بعض کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کفر کیا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے پہلے خلافت کو قبول کیا اور جن لوگوں نے ان سے بیعت کی وہ کافر ہیں۔

اور بعض نے کہا: حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ نے بھی کفر کیا کہ انھوں نے خلافت و امارت کو چھوڑ دیا حالانکہ ان کا حق تھا اور جو حق کو چھوڑ دے اور حق کو چھپائے وہ کافر ہے، یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ امت نے اماموں کو نہیں پہچانا حالانکہ وہ بارہ امام ہیں، ان میں سے آٹھ نے تو اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور اپنا امام ہونا ظاہر کیا اور تین امام چھپے ہوئے ہیں اور ایک باقی ہیں وہ مہدی ہیں۔ ان سب کی بیعت واجب ہے اور جو ان کی مخالفت کرے وہ کافر ہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

اور بعض نے کہا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ حضور ﷺ کے وصی قائم تھے، جو ان کے سوا غیر کی بیعت کرے وہ کافر ہے، یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔ یہ مسائل اور ان جیسے اور مسائل کفریہ ہیں اور بعض باتیں کفر نہیں بدعت ہیں، جیسے کہ حضرت علی، ابو بکر، عمر، عثمان سے افضل ہیں، اگرچہ ان کی خلافت بالاجماع صحیح ہے۔

اور بعض نے کہا: جن صحابہ کرام نے حضرت علی پر خروج کیا (یعنی آپ کے خلاف بغاوت کی) ان پر لعنت کرنا واجب ہے، جیسے حضرت معاویہ و طلحہ و زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اور بعض نے کہا کہ فاجر کے پیچھے نماز مطلقاً جائز نہیں۔

اور بعض نے کہا: وصیت واجب ہے۔

اور بعض نے کہا: کچھ لوگ بنات آدم سے پیدا ہوئے ہیں اور کچھ لوگ حور العین سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے کہ شیث علیہ السلام نے حور العین سے نکاح کیا تھا، عربوں کی اصل ان ہی سے ہے۔

اور بعض نے کہا کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بہن سے نکاح جائز نہ تھا، ان کا نکاح حور العین سے ہوتا تھا۔

انسان شریف یا شریر کیوں ہوتا ہے؟

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جب نطفہ صدق نیت سے ہیجان کرتا ہے تو اولاد انسان ہوتی اور جب نطفہ وسوسہ شیطان سے ہیجان کرتا ہے تو اولاد شیطان ہوتی ہے اور شیطان شریک ہوتا ہے "اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ: وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (الاسراء ۶۴) "اور ان کا ساجھی ہو مالوں اور بچوں میں۔" یہ تمام مسائل غیر صحیح ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ (النساء ۱) "جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔" اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ (الکھف ۱۱۰) اور وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (الاسراء ۶۴) کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد زنا ہے، شرکت نہیں اس لیے کہ زنا شیطان کے وسوسہ سے ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور اہل بیت کی محبت سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔ یہ مسائل سب کے سب فسق و بدعت ہیں، کفر نہیں۔

اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جس نے کلام کیا یا اعتقاد کیا ان امور کا، جس نے نص قطعی کا یا نص قطعی اس کے قائم مقام جیسے "سنت ظاہرہ ثابتہ" اور اجماع امت کا انکار کیا وہ کافر ہے یا کوئی مومن شخص کسی مومن کو کہے: اوئے کافر! تو کہنے والا کافر ہو جائے گا یا مومن کے کفر کی شہادت دی تو وہ بہ طریق اولیٰ کافر ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا: جو اپنے مسلمان بھائی کو بلا وجہ کافر کہے تو وہ کفر اس

کہنے والے پر لوٹتا ہے اور جو کوئی ایسا کلمہ کہے یا اس کا اعتقاد کرے کہ عامتہ الناس اس کے خلاف ہوں یا خبر واحد کے خلاف کرے اور اس کو اس میں شبہ ہو تو یہ بدعت ہو گا، کفر نہ ہو گا۔

ساتواں قول: ناصبیہ کا بیان

معلوم ہونا چاہیے کہ ناصبیہ، فرقہ خارجیہ ہی ہے اور انہی کو حروریہ کہتے ہیں، اس لیے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے خلاف مقام حرورا میں بغاوت کی تھی اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو معاذ اللہ کافر کہتے ہیں اور جو (حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کو کافر کہے، وہ خود کافر ہے۔

اور ان (حروریہ) میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تو مسلمان سمجھتے ہیں، باقی تمام امت میں ہم کسی کو نہیں جانتے کہ مسلمان ہے یا کافر ہے؟ بلکہ سب منافق ہیں ان کا یہ عقیدہ کفر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایمان مجہول ہے اور لوگ پورا ایمان نہیں جانتے، اس لیے وہ مومن نہیں، یہ بھی کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ جہاد ہمیشہ فرض ہے، مسلمانوں اور مومنوں میں سے کسی کو جہاد ترک کرنا جائز نہیں، مرد ہو یا عورت، فقیر ہو یا غنی اور جو جہاد نہ کرے، وہ کافر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کسی کو دینا جائز نہیں، اس لیے کہ فسق و فجور اور منکرات ظاہراً ہو رہے ہیں، ہم کافر و مومن کو نہیں پہچان سکتے اور یہ بھی کفر ہے۔

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ عورتیں پھولوں کی مانند ہیں تو ہر ایک کو ان کا سونگھنا جائز ہے اور ان سے وطی کرنا بغیر نکاح اور بغیر ملک یمین کے جائز ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض ان میں سے وہ ہیں کہ جس نے کہا: "تحاکم" جائز نہیں، اس لیے کہ حکم صرف اللہ کا ہے۔

یعنی:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (الانعام ۵۷)

جو اپنوں میں سے کسی کو حاکم بنائے وہ کافر ہے اور انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو "حکم" بنایا، یہ بھی عقیدہ کفر ہے۔

ان میں سے بعض کا عقیدہ ہے کہ امام اور خلیفہ حق نہیں، باطل ہے اور امراء و قضاۃ (ججوں) کو مقرر کرنا جائز نہیں۔ حکم (فیصلہ کرنا)، جمعہ کا قیام اور جماعت جائز نہیں، اس لیے کہ ہم نہیں جانتے کہ مسلمان کون ہے، کافر کون ہے؟ اور نہ ہی ہم یہ جان سکتے ہیں کہ امامت کا اہل کون ہے؟ یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

ان میں سے بعض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپس میں اختلاف کیا اور ایک دوسرے کے خلاف جنگیں کیں تو ہم پر معاملہ مشتبہ ہو گیا، ہم حق و باطل کو پہچان نہیں سکتے، لہٰذا ہم توقف کریں گے، نہ بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ انہوں نے اجماع کو توڑا ہے اور انہوں نے کسی کو امام مقرر نہیں کیا

اور ایسے مدعی امارت پر خروج کرنا جائز رکھا اور ایسے ہی انہوں نے کہا کہ مومن جب چھوٹا یا بڑا گناہ کرتا ہے تو کافر ہو جاتا ہے، یہ سب کلمات ان کے کفریہ ہیں کیونکہ ان میں نص کا انکار ہے اور خرق اجماع ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرمایا کہ میرے سبب سے دو جماعتیں ہلاک ہوں گی: محب مفرط اور مبغض مفرط۔

اور روایت کیا گیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اکٹھے مسجد میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا: اسی طرح تم دونوں جنت میں داخل ہو گے اور جو تم دونوں سے محبت کرے گا وہ مومن ہے اور جو تم سے بغض رکھے گا وہ منافق ہے، پھر ان کے بعض کلمات بدعت ہیں لیکن موجب کفر نہیں، مثلاً ان کا یہ کہنا کہ زندوں کی دعائیں اور صدقات مُردوں کو نفع نہیں دیتے۔

اور ایسے ہی ان کا یہ کہنا کہ زمین پر پیشاب کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ تمام زمین ہمارے لیے مسجد ہے، واجب ہے کہ کوزے میں پیشاب کر کے اس کو پانی میں ڈالے۔

بعض کہتے ہیں کہ کسی کے ساتھ ملنا جلنا، کھانا پینا جائز نہیں، اس لیے کہ ہم نہیں جانتے کہ پاک ہے یا ناپاک؟

بعض کہتے ہیں کہ لوہے کی وصیت کرنا واجب ہے کہ جس سے جہاد کرنا ممکن ہو، جس نے وصیت نہیں کی وہ ظالم ہے۔

بعض نے کہا کہ گوز باقی رہتا ہے، اس لیے پاجامے میں نماز جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے اس میں گوز باقی ہو اور اسی طرح کی باتیں ہیں، سب بدعت ہیں، ان سے توبہ واجب ہے اور تکفیر واجب نہیں۔

آٹھواں قول: قدریہ کا بیان

فرقہ قدریہ کا گمان یہ ہے کہ قیاس ”دلیل شرعی“ سے اقویٰ ہوتا ہے، اگرچہ نص ہی کیوں نہ ہو اور اس طرح (ان کے نزدیک) قیاس سنت مشہورہ سے بھی اقویٰ ہے، لہٰذا اسی معنی کے لحاظ سے انہوں نے شر کے مقدر من اللہ ہونے کا انکار کر دیا اور انہوں (قدریہ) نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے کام بندوں کے سپرد کر دیے ہیں اور ان کو اپنے کاموں کی تخلیق اور ان کے بجالانے کا خالق ومالک بنا دیا ہے، گویا کہ تمام افعال کے خالق وہ خود ہیں اور امر و نہی ان کے لیے بیان کر دی ہے اور تخلیق، ارادہ، مشیت، قضا و قدر غرضیکہ ان کے افعال میں سے کسی چیز میں اللہ تعالیٰ کا کوئی امر بھی جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ عذاب دینے میں حکیم و عادل کہلائے اور یہ ان کا کفر ہے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرا خالق ثابت کیا۔

دو خالق ماننا کفر ہے

بعض لوگوں نے کہا کہ خیر اللہ کی طرف سے اور اس کی قضاء سے ہے اور شر (برائی) ہماری طرف سے یا ابلیس کی طرف سے ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی ربوبیت کی نفی کر دی ہے۔

قدریہ کے چند چیدہ چیدہ عقائد باطلہ کی نشاندہی

ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے تمام صفات کا انکار کیا ہے

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔

اور بعض یہ کہتے کہ جنت و دوزخ مخلوق ہیں نہ باقی ہیں۔

بعض وہ ہیں جو صراط، میزان اور حساب کا انکار کرتے ہیں اور یہ سب کفریات ہیں۔ ایسے عقائد رکھنے والے کافر ہیں اس لیے کہ انہوں نے نص اور ربوبیت کا انکار کیا ہے۔

بعض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خیر روح لاھوتی سے ہے اور شر روح شیطان سے ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اعمال کو ہم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کی جانب سے ہیں یا بندوں کی جانب سے ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کو ثواب دیا جائے گا یا عذاب دیا جائے گا۔ یہ بھی کفر ہے اس لیے کہ نص کا انکار کیا اور اعمال پر ثواب و عتاب کے عقیدہ رکھنے کا انکار کیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا کیونکہ شیطان کے پیدا کرنے میں تخلیق کفر، ارادہ کفر اور ارادہ شر پایا جاتا ہے۔ یہ عقیدہ کفر ہے اس لیے کہ اس میں نص کا انکار ہے اور دو قدیم ثابت کرنا لازم آتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے سوا تمام اعمال مخلوق ہیں۔ یہ بھی کفر ہے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے سوا دوسرا خالق مان لیا۔

بعض کہتے ہیں: نسخ جائز نہیں اور آسمان سے نازل ہونے والی ہر کتاب پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہ بھی کفر ہے اس لیے کہ نص کا انکار کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ (الصافات ۹۶) "اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔" دوسرا قول اللہ تعالیٰ ابلیس کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ (ص ۷۶) تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔"

صحیح یہ ہے کہ جو خدا کے سوا دوسرا خالق ثابت کرے وہ کافر ہے، اور جس نے قدر کا انکار کیا اس نے اللہ کے سوا دوسرا خالق ثابت کیا تو وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔

بعض کہتے ہیں: لوگوں سے عہد و پیماں کرنا اور بیعت صحیح نہیں۔

اور بعض کہتے ہیں: ہر حال میں کسب واجب ہے، یہ بدعت ہے اس سے توبہ کرنا واجب ہے، کفر نہیں ہے کہ اس میں تاویل ہو سکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا:

"اذا رایتم القدریۃ فاقتلوھم فانھم مجوس ھذہ الامۃ"۔

یعنی جب قدریوں کو دیکھو تو ان کو قتل کر دو کہ وہ اس امت کے مجوس ہیں (یعنی آتش پرست)۔

نواں قول: فرقہ جبریہ کا بیان

جبریہ کا عقیدہ ہے کہ مخلوق کو نیکی کا ثواب ملے گا اور لیکن برائی پر عتاب نہیں کیا جائے گا۔ کفار اور گنہگار معذور ہیں، ان سے سوال نہیں ہو گا، اس لیے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ اس میں مجبور ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص ابن مسعود اور عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن زبیر اور عبد اللہ ابن عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاس حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ جیسے کفر کے ساتھ طاعت نفع نہیں دیتی، ایمان کے ساتھ معصیت بھی نقصان نہیں دیتی، ان سب نے فرمایا۔

اور اس مسئلہ کا نام مسئلہ عبادلہ ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ مرجیہ پر ستر پیغمبروں نے لعنت کی۔

مرجیہ کے دو گروہ ہیں: (۱) مرجیہ مرحومہ (۲) ملعونہ۔

مرجیہ مرحومہ، وہ اصحاب رسول ﷺ ہیں اور مرجیہ ملعونہ جن پر لعنت کی گئی، یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معصیت نقصان نہیں دیتی اور عاصی پر عذاب نہیں ہو گا۔

عثمان بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھا کہ آپ مرجیہ ہیں؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ مرجیہ دو قسم کے ہیں۔ ملعونہ، ہم اس سے بیزار ہیں اور ایک مرجیہ مرحومہ وہ اصحاب رسول ﷺ ہیں، آپ نے اس میں یہ بھی لکھا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایسا ہی کہا۔

آپ نے دیکھا نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدة ۱۱۸)

"اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔"

پھر مرجیہ اور جبریہ کے کلام سے جو کفر ہے وہ یہ ہے کہ نیکی اور برائی حقیقت میں بندے کے افعال نہیں ہیں اور جو بندہ کرتا ہے فاعل اللہ تعالیٰ ہے، یہ کفر ہے اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو موصوف بہ قبائح کیا ہے، زنا وغیرہ سے کہ جیسے وہ خالق ہے ایسے ہی وہ فاعل بھی ہے، انہوں نے کہا کہ اگر ان کو قبائح اور زنا وغیرہ پر عذاب دے تو یہ ظلم ہوگا اور یہ عقیدہ کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ فعل بندے سے مجازاً ظاہر ہوتا ہے اور حقیقت میں ہمیں استطاعت نہیں، بندہ درخت کی مانند ہے، جب ہوا اس کو حرکت دیتی ہے تو وہ ہلتا ہے تو ایسے ہی بندہ درخت کی طرح مجبور ہے اور یہ کفر ہے، اس لیے کہ یہ تثلیث ہے اور کفر و معاصی اور برائیوں پر مجبور کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں کہ وہ سزا دے اور جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو پیدا کر کے فارغ ہو گیا ہے اور تخلیق کر کے اب آرام کر رہا ہے اور قلم خشک ہو گیا ہے اور جو چیز اپنے وقت میں ظاہر ہو رہی ہے، بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ہو رہی ہے اور یہ کفر ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو شغل اور فراغت کے وصف سے موصوف کیا ہے اور انہوں نے امر و نہی کے زوال کا عقیدہ رکھا اور اسی طرح ربوبیت و فعل کے زوال کا اعتقاد کیا، یہ کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو آگ میں جلائے گا اور انہیں مارے گا اور زندہ کرے گا، پھر ان کو جلا اور مرا ہوا باقی رکھے گا اور یہ عقیدہ کفر ہے، اس لیے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عذاب دے گا مگر افعال پر نہیں، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ جو دل میں خیر و شر کا خطرہ گزرے تو اس کا اتباع جائز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا، یہ بھی کفر ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے وحی اور امر کو دل کے ساتھ ثابت کیا اور الہام کو جائز رکھا اور یہ کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ بندہ جب غایت محبت کو پہنچتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور جام محبت نوش کرتا ہے تو اس سے شرعی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے اور اس سے عبادت اٹھ جاتی ہے اور تفکر ہی اس کی عبادت ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ بعض نے کہا: تفکر ادائے فرض سے افضل ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کا مال مشترک ہے، تمام بنی آدم اس میں شریک ہیں۔ مال دنیا آدم و حوا کی وراثت ہے اور جو کوئی جس چیز کو لے لے وہ اسی کا حق ہے اور کسی کو منع کرنے کا حق اور جواز نہیں ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ جس نے علم سیکھا تو وہ لوگوں کے مال میں شریک ہے اور کہتے ہیں کہ جو اس کو منع کرے کافر ہو جائے گا اور یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرض نہیں، اگر چاہیں کریں، اگر چاہیں چھوڑیں اور یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ بندہ ایمان اور کفر کے بغیر اور کسی چیز کا مکلف نہیں ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ عبادات کا امر تکرار کو واجب نہیں کرتا اور یہ کفر ہے۔

اور بعض نے کہا کہ مومن حقیقت میں مومن نہیں ہے اور نہ ہی کافر، حقیقت میں کافر ہے کیونکہ آخر میں ان میں تغیر جائز ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا: اپنے ایمان میں بھی شک ہے اور انہوں نے کہا کہ ایمان اور شہادت کیا یہ ایمان ہے، کیا کفر زائل ہو جائے گا؟ یہ بھی کفر ہے۔ ان کے کلام میں کچھ چیزیں وہ ہیں جو بدعت ہیں کفر نہیں ہیں مثلاً جیسے کہ ان کا کہنا کہ ثواب اور عتاب تقسیم کر دیا گیا ہے نہ زیادہ ہو نہ کم برابر ہے کوئی کرے یا نہ کرے اور یہ بدعت سیئہ ہے اس لیے کہ افعال کے لیے تاثیر ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کل میسر لما خلق له" ہر ایک کے لیے آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔

بعض نے کہا کہ قضاء سبقت کر گئی ہے، نیک بخت کے لیے نیک بختی ہے اور بدبخت کے لیے بدبختی ہے۔

بعض (مرجیہ) کہتے ہیں: ایمان یہ ہے کہ حق و باطل میں سے تمام چیزوں کی پہچان ہو جائے اور اس کا وہ عالم ہو تو مومن ہے ورنہ نہیں اور یہ مسئلہ مسئلہ تقلید ہے۔

اور بعض نے کہا: ایمان عمل ہے، اقرار اور تصدیق کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں: ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ ایمان میں استثناء و تخصیص جائز ہے اور اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ قیاس حجت نہیں، ایسے ہی رافضیوں نے قیاس کا انکار کیا کہ وہ حجت نہیں تو اگر ہر قیاس مراد ہے اور ہر قیاس کا انکار کیا تو یہ کفر ہے اس لیے کہ قیاس حجت ہے اور اس کا حجت ہونا

نص سے ثابت ہے اور اگر بعض قیاس مراد ہے تو کفر نہیں، بدعت ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

دسواں قول: معطلہ کا بیان

سب سے پہلا فرقہ سوفسطائیہ کا ہے اور وہ تین قسم کے ہیں۔

بعض نے کہا: اشیاء اور اسماء کی کوئی حقیقت نہیں جیسے آگ اور پانی کو آگ اور پانی کہا جاتا ہے اور بسا اوقات اس کا الٹ اور برعکس ہو جاتا ہے یعنی آگ پانی ہو جائے اور پانی آگ ہو جائے، یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ اس میں نص کا انکار ہے اور یہ عبودیت و ربوبیت اور احکام نبوت سب کے معطل ماننے کے عقیدہ کی طرف پہنچا دینے والی بات ہے۔

اس لیے ممکن ہے کہ جو مُرسل ہے وہ مرسل ہو جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ بندہ رب ہو جائے اور رب بندہ ہو جائے۔

جواب میں یوں کہا جائے کہ تمہارے نزدیک نفی حقائق کی بھی کچھ حقیقت ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ ہے تو انہوں نے اپنے ہی قول کا باطل کر دیا کہ انہوں نے حقیقت کو ثابت کیا اور اگر وہ کہیں کہ نہیں تو ان سے کہا جائے گا کہ اگر نفی حقائق کی حیثیت نہیں ہے تو پھر ثبوت صحیح ہو گیا، یعنی حقائق اشیاء کا ثبوت ہو گیا۔

اور دوسری بات ہم کہتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ عالم کی کوئی حقیقت نہیں؟ تو اگر وہ کہیں کہ ہاں کوئی حقیقت ہے تو انہوں نے عالم کو ثابت کیا اور اپنے کلام کو باطل کیا اور اگر وہ کہیں کہ نہیں، تو پھر ہم کہیں گے کہ تم نے نفی عالم کا حکم کس لیے کیا حالانکہ تم جانتے ہی نہیں؟

اور بعض نے حقائق اشیاء اور اسماء اشیاء میں شک کیا اور کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ آیا اشیاء کی حقیقت ہے یا نہیں؟ تو ہم کہیں گے کہ تمہیں اپنے ''وجود'' میں بھی شک ہے؟ اگر کہیں: ہاں، تو یہ اور فرقہ اولیٰ ایک (تھیلی کے چٹے بٹے) ہو گئے اور اگر کہیں کہ ہمیں اپنے وجود میں شک نہیں تو انہوں نے حقائق کو ثابت کر دیا۔

بعض نے گمان کیا کہ اشیاء کی حقیقت ہے لیکن جو جس نے اعتقاد کیا کہ کسی چیز کی حقیقت کا، وہی اس کی حقیقت ہے لیکن ان کا یہ کہنا صحیح نہیں، اس لیے کہ بعض لوگوں نے اعتقاد کیا ہے کہ عالم قدیم ہے اور بعض نے اعتقاد کیا ہے کہ عالم حادث ہے اور اگر ایسا ہی ہو جیسا وہ کہہ رہے ہیں تو ہم اعتقاد کرتے ہیں کہ ان کا قول باطل ہے تو ہمارا قول درست ہو جائے گا اور بعض نے کہا کہ صانع عالم حقیقت کو نہ پہچانتا ہے اور نہ ادراک کرتا ہے تو یہ بھی کفر ہے کیونکہ اوصاف معرفت نص سے ثابت ہیں اور جب حقیقتاً وہ پہچانا ہی نہیں جانتا تو عالم میں کسی کا ایمان صحیح نہیں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مومن کا نام مومن رکھا ہے۔

اور بعض نے کہا کہ ہم نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ شے ہے یا شے نہیں بلکہ اس میں توقف کرتے ہیں اور یہ کفر ہے، اس لیے کہ نص کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ (الانعام ۱۹) ''تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس کی تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے۔'' پھر شے اور ذات ایک چیز ہے یعنی شے کا انکار کرنا ذات کا انکار کرنا ہے۔

بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان (جگہ) میں اترا ہوا ہے اور اس سے کسی چیز کا بیان نہیں، یہ بھی کفر ہے۔

بعض کہتے ہیں: اپنے نفس کے لیے رب کا ثابت کرنا اور اس کا انکار کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ اس نے صانع اور نص کا انکار کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ چار صفتیں: علم، قدرت، تخلیق اور مشیت غیر مخلوق ہیں، باقی صفات مخلوق ہیں۔ یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ ذات وصفات میں تغیر وزیادت کو جائز ماناجو کہ کفر ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مخلوق یا غیر مخلوق نہیں کہتے۔ یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَلَّمَ اللهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (النساء۱۶۴) "اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔" اور اس نے اس میں شک کیا، یہ بھی کفر ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ قراءت و قرآن ایک ہے، لفظ و ملفوظ ایک ہے، یہ بھی کفر ہے اس لیے کہ تخلیق قرآن کو جائز مانا۔ بعض نے قرآن کو مخلوق مانا، یہ بھی کفر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت ونار فنا ہو جائیں گی، یہ بھی کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ مومن جہنم میں نہیں جائے گا اور "ورود" کے معنیٰ حضور کے ہیں دخول کے نہیں۔ یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ نص کا انکار کیا ہے "ورود" بامعنی دخول ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے: ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا (مریم ۷۲) پھر ہم ڈر والوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل گرے۔"

بعض کہتے ہیں: حوض، صراط اور میزان در حقیقت وہ نہیں جو ہم جانتے ہیں، اس کے خلاف ہے۔ حوض سے مراد پانی ہے، صراط سے مراد دین ہے، میزان سے مراد عدل ہے اور عرش سے مراد ملک ہے اور کرسی سے مراد علم ہے۔ یہ کفریات نہیں، اس لیے کہ انہوں نے محل تاویل میں تاویل کرتے ہوئے خطا کی ہے کیونکہ ان چیزوں کے نام نص سے ثابت ہیں اور ان کی کیفیت معلوم

نہیں۔ بعض نے عذاب قبر کا انکار کیا۔ بعض فقہاء نے فرمایا کہ کفر ہے کہ نص کے منکر ہیں۔ بعض فقہاء نے فرماتے ہیں کہ کفر نہیں کیونکہ یہ خبر واحد سے ثابت ہوا ہے اور صحیح یہ ہے کہ کفر ہے۔ بعض نے دیدار الٰہی کا انکار کیا اور اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

گیارہواں قول: مشبہہ کا بیان

جاننا چاہیے کہ مشبہہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات ثابت کی ہیں اور اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور انہوں نے اپنی رائے سے دو حدیثوں پر تجاوز کیا بغیر علم کے اور بغیر معنٰی کے انہوں نے سماع سے تجاوز کیا جب کہ یہ دونوں طریقے فاسد ہیں اس لیے کہ علم و حکمت کے لحاظ سے جائز نہیں کیونکہ مجرد رائے موجب علم نہیں جب تک کسی شے کا احاطہ دلیل سے یا خبر سے نہ کیا جائے اور ایسے ہی سماع بغیر معنٰی کے نہیں سمجھا جاتا اور ان لوگوں نے دلیل و احاطہ کو قیاس کے ساتھ چھوڑ دیا مجرد سماع سے۔ اسی وجہ سے بعض نے کہا: صانع عالم جوہر ہے اس لیے کہ موجود ہے اور ان کی یہ بات "رائے بلا علم" اور قیاس بالواسطہ ہے اور یہ کفر ہے۔

بعض (مشبہہ) کا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ انبیاء کی صورت پر ہے اور ان کا یہ عقیدہ کفر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ خدا (معاذ اللہ) جسم ہے مگر جسموں کی طرح نہیں، یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنی رائے سے خدا کا وہ وصف بیان کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو موصوف نہیں کیا اور نہ ہی علماء کا اس پر اتفاق ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا انسان کی صورت ہے اور یہ کفر ہے۔

اور بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے "معاذ اللہ" گوشت و خون، ہاتھ، ہتھیلی، انگلی (یعنی تمام لوازمات جسم) ثابت ہیں۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا: "قلوب العباد بین

اصبعین من اصابع الرحمٰن" بندوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں ہیں۔ یہ ان کا کفر ہے اس لیے کہ سماع ہے اور معنٰی کچھ اور ہیں۔

حضرت اصمعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اصابع سے مراد لغت میں اثر ہے (یعنی اصابع از روئے لغت اثر سے عبارت ہے)۔ بعض نے کہا کہ اللہ کی صورت ہے مگر ہم نہیں جانتے، یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ معرفت کا انکار کیا۔

بعض کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ چمکتا ہوا نور ہے، یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ نص کا انکار کیا۔

نص یہ ہے:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٌ (الشوریٰ ۱۱)

"اس جیسا کوئی نہیں۔"

بعض (مشبہہ) کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اترتا اور آتا ہے، اب اگر انہوں نے آنا اور اترنا انتقال مکانی کے ساتھ کہا ہے تو یہ کفر ہے، اس لیے کہ انتقال جائز رکھا اور اگر نزول و مجئیی (اترنا اور آنا) بغیر کیف و انتقال ہے تو کفر نہ سی، خطا ضرور ہے۔

بعض (مشبہہ) نے کہا کہ خدا عرش پر موجود ہے، اس نے عرش پر قرار پکڑا اور تکیہ لگایا۔ یہ کفر ہے، اس لیے کہ نص کا انکار کیا اور ذات خداوندی کو عرش پر یا فوق العرش ثابت کرنا یہ کفر ہے اور جہت ثابت کرنا بھی کفر ہے اس لیے کہ مخلوق سے تشبیہ دی اور اس کے لیے حد و نہایت، جانب و جہت ثابت کی اور یوں کہتے کہ اللہ تعالیٰ علی العرش بلا کیف اور بغیر ذات کے ہے تو کافر نہ ہوتے بلکہ خطاوار ہوتے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے قدم (پاؤں) ہیں، اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جہنم پکار تا رہے گا: ”ھل من مزید حتی یضی الرب قدمیه فیھا“ کیا اور ہے؟ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں قدم اس میں رکھ دے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد قدم بمعنی قدیم علم ہے، جو کافر و فاجر اس کے علم قدیم میں (جہنمی ہیں) ان کو جہنم میں داخل فرمادے گا۔

دلیل یہ ہے کہ:

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (الفجر ۲۲)

”اور تمہارے رب کا حکم آئے اور فرشتے قطار قطار۔“

اگر کہا جائے کہ حدیث میں تو آیا ہے:۔۔۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں اور بالفرض اگر ثابت ہو تو ہم کہتے ہیں کہ ”رجل“ کے معنٰی جماعت کے ہیں، جیسے عرب کا مقولہ ہے: ”مررت برجل جراد“ کہ میں ٹڈیوں کے لشکر و جماعت کے پاس سے گزرا۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ ”نزول“ بمعنی ”انزال“ ہے، جیسے ”ضرب الامیر فلانا یعنی امر بالضرب“ امیر نے فلاں کو مارا یعنی مارنے کا حکم دیا، اسی طرح یہاں بھی نزول و انزال کا حکم دیا نہ کہ خود اترا۔ دوسرے حضور سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”ینزل بضم الیاء“ اور اگر یہ روایت صحیح ہے تو اشکال ہی اٹھ گیا۔

حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ ”النزول من الرب الافضال علی العباد“ نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر فضل فرمانا ہے، اگر کہا جائے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (الفجر ۲۲)

"اور تمہارے رب کا حکم آئے اور فرشتے قطار قطار۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَأَتَى اللّٰہُ بُنْیَانَھُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ (النحل ۲۶)

تو اللہ نے ان کی چنائی کو نیو (بنیاد) سے لیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِلَّآ أَنْ یَأْتِیَھُمُ اللّٰہُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ (البقرۃ ۲۱۰)

مگر یہی کہ اللہ کا عذاب آئے چھائے ہوئے بادلوں میں۔

ہم نے کہا: اس کے معنیٰ "وجاء ربک" "ای حکم ربک و امر ربک" یعنی تمہارے رب کا امر اور حکم اور معنیٰ فَأَتَى اللّٰہُ بُنْیَانَھُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ (النحل ۲۶) یعنی "استھلکھم اللہ" اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا "واستاصلھم" اور ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور "ھل ینظرون" الخ اور "ظلل" کے معنیٰ ابر کے ہیں جو تحت العرش ہے، نیز انہوں نے کہا کہ "یاتیھم اللہ" کا معنی ہے: "یاتی اللہ حکم من الاحکام" اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے حکم آ جائے۔

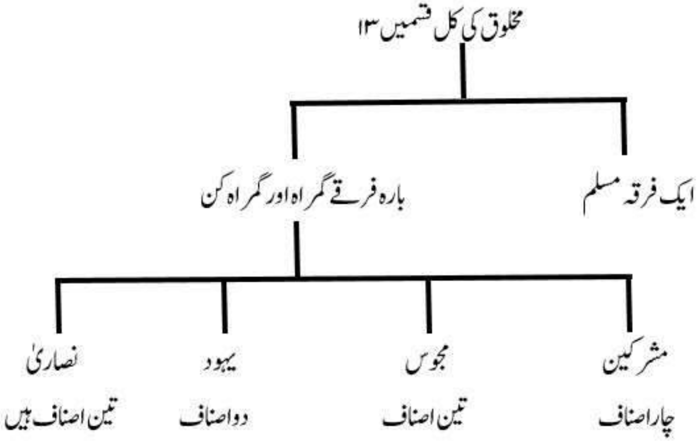
پھر کلام لوٹتا ہے حرف واحد کی طرف (یعنی پورے کلام کا تال کار ایک نکتہ ہے)۔

وہ یہ کہ اشکال ازروئے لغت واقع ہوا ہے، لفظاً جو کہ معنیٰ کے موافق نہیں اور اہل لغت و اہل تفسیر خوب جانتے سمجھتے ہیں اور ان کا جہاد معتبر ہے اور ان کا اجماع اس پر حجت ہے۔

اور ارباب لغت اور ارباب تفسیر متفق ہیں کہ ان آیات کو ظاہر پر محمول کرنا جائز نہیں، ابہام ان میں اولیٰ ہے۔ تاویل ان میں حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کے ساتھ موصوف کرنا کہ جس سے تشبیہ اور تغیر و حدوث ثابت ہو یا مخلوق کی صفات کے مشابہ ہو خواہ نص میں ہو یا غیر نص میں، بلا خلاف کافر ہو جائے گا۔ ایسی نصوص میں یقیناً تاویل کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بارہواں قول: کفر و شرک کا بیان

جاننا چاہیے کہ مخلوق تیرہ قسموں میں متفرق ہو گئی ہے۔



لیکن اصل شرک حضرت اخنوخ علیہ السلام جن کو ادریس علیہ السلام کہتے ہیں، ان کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ادریس علیہ السلام تک مخلوق میں سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔

بعض نے ذکر کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں کفر ہوا کہ قابیل اور اس کی اولاد نے آدم علیہ السلام کے حکم کو رد کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔

کفر و شرک میں فرق

فرق یہ ہے کہ کفر کے معنیٰ حق کو چھپانا ہے اور شرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔

یہود و نصاریٰ کون ہیں؟

یہود و نصاریٰ کفار ہیں مشرک نہیں۔ فرق اسم وصفت کے اعتبار سے ہے لیکن حقیقت اور حکم میں شرک اور کفر کے درمیان کچھ فرق نہیں سوائے چند جگہوں کے وہ مقامات اور مواقع یہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے، ایسے ہی ان کی عورتوں سے نکاح کرنا مسلمانوں کے لیے حلال ہے، اگرچہ کافر ہیں۔

بعض فقہاء نے فرمایا: کفر و شرک الگ الگ دو چیزیں ہیں، یہاں تک کہ اہل کتاب میں سے کوئی ایک یا کوئی مجوسی اپنی ملت کو چھوڑ کر شرک میں داخل ہو جائے تو اس کو مجبور کیا جائے گا اور تکلیف دی جائے گی کہ اپنی ملت کی طرف لوٹ جا اور یہ قول امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے اور امام ابو

حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجبور نہیں کیا جائے گا اس کو چھوڑ دیا جائے، اس لیے کہ کفرو شرک ایک چیز ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ حقیقت میں کفرو شرک میں کچھ فرق نہیں اور یہ اختلاف اس معنٰی کے لحاظ سے واقع ہوا کہ اہل کتاب سے جزیہ (ٹیکس) لیا جائے گا اور جو ان کی مثل ہیں مثلاً مجوسی اور صابی وغیرہ سے اور مشرکین پر جزیہ (ٹیکس) مقرر نہیں کیا جائے گا، یہ حکم امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ہے۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک تمام کافر خواہ یہود و نصاریٰ ہیں یا ہنود و مجوس سب پر جزیہ مقرر کیا جائے گا۔ اگر اہل کتاب میں سے کوئی اپنی ملت چھوڑ کر مشرکین کی ملت میں داخل ہو جائے تو امام شافعی کے نزدیک اس میں بیت المال کا حق باطل کرنا ہے اور اہل بیت المال کا نقصان کرنا اور انہیں ضرر پہنچانا ہے تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اپنی ملت میں واپس آئے اور امام اعظم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جزیہ لیا جائے گا، رجوع پر مجبور کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن حقیقت میں کفرو شرک ایک چیز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ سب جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

شرک کب شروع ہوا؟

یہ جو ہم نے کہا کہ شرک اخنوخ علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوا اس لیے کہ یہ پہلے نبی ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ نے کتاب اتاری، جس میں تیس صحیفے تھے اور ان کو اسی وجہ سے ادریس کہتے ہیں کہ درس و تدریس میں کثرت سے مشغول رہتے تھے اور وہ علم نجوم بھی جانتے تھے۔

کیا ادریس علیہ السلام حیات ظاہری کے ساتھ زندہ ہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام نے موت کا ذائقہ چکھا اور دوزخ کو دیکھا اور وہ (ادریس علیہ السلام) جنت میں

ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے موت کا ذائقہ نہیں چکھا، وہ زندہ ہیں اور ان کے شاگرد لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور انھوں (شاگردوں) نے حضرت ادریس علیہ السلام سے علم حاصل کیا اور وہ پانچ شخص تھے: ایک کا نام ود تھا، دوسرے کا نام سواع، تیسرے کا نام یغوث، چوتھے کا نام یعوق اور پانچویں کا نام نسر تھا۔ جب ادریس علیہ السلام آسمان کی طرف اٹھائے گئے تو یہ پانچ شاگرد باقی رہ گئے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی جدائی اور مفارقت میں بہت غمگین تھے اور آپ کو انہوں نے نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد لوگوں کو علم سکھاتے، جب ان پانچوں شاگردوں کا بھی انتقال ہو گیا تو لوگ حیران و پریشان تھے کہ کس سے احکام سیکھیں؟ اور اس پر ان کو بہت غم اور فکر تھا چنانچہ ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اگر ہم ان پانچوں کی تصویر بنا کر رکھ لیں تاکہ ہمیں تسلی ہو اور عبادت میں مشغول ہوں تو انہوں نے ان پانچوں کی تماثیل بنا کر انہی کے نام سے ہر ایک کو موسوم کر دیا اور ان کی طرف دیکھا کرتے اور اللہ تعالیٰ کی مورتیاں عبادت کرتے، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے وفات دی اور یہ دین اسلام پر تھے۔ پھر جب ان کی اولاد (جوان) ہوئی تو ابلیس ان کے پاس آیا اور ان مورتیوں کے پیٹ میں داخل ہو کر کہنے لگا کہ "انا ربکم و رب ابائکم فاعبدونی" میں تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا رب ہوں، میری عبادت کرو کہ تمہارے باپ دادا بھی مجھ کو پوجتے تھے اور ان کو یہ علم نہ ہوا کہ ان کے باپ دادا بت پرستی نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد اعتقاد کر لیا اور ان کی مثل سونے چاندی اور تانبے کی صورتیں بنا لیں اور ان پانچوں کے نام رکھ دیے اور نوح علیہ السلام کے زمانہ تک انہی بتوں کو

پوجتے رہے اور اپنی اولاد کو بھی وصیت کرتے رہے کہ انہی بتوں کو پوجتے رہنا اور ود، سواع، یعوق، نسر، یغوث کو نہ چھوڑنا۔

حضرت نوح علیہ السلام ان کو اسلام کی دعوت دیتے لیکن انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی اطاعت نہیں کی تو نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (نوح ٢٦)

اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔"

تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو غرق کر دیا، ان میں سے اسی اشخاص باقی بچے جو اسلام پر قائم رہے۔ چالیس مرد اور چالیس عورتیں، پھر سب کا انتقال ہو گیا اور تین شخص باقی رہے جن کے نام درج ذیل تھے:

(۱) سام　　(۲) حام　　(۳) یافث

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی پشتوں سے اولاد آدم کو نکالا اور وہ اصنام (بت) کیچڑ میں چھپا دیے گئے۔

پھر جب حضرت اسماعیل علیہ السلام مبعوث ہوئے تو ابلیس نے ان پانچ بتوں کو کیچڑ سے نکال کر ایک غطفان نامی قبیلے کو دیے، پھر اور بت تراشتے گئے یہاں تک کہ ان کی تعداد ۳۶۰ ہو گئی۔

تو مشرکین کی چار اصناف ہو گئیں:

(۱) ایک صنف نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ نعوذ باللہ۔

(۲) ایک صنف نے کہا: اصنام (بت) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

(۳) ایک نے کہا: اصنام اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔

(۴)ایک نے کہا: فرشتے اور اصنام دونوں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں ہیں نہ اس کے شرکاء ہیں، لیکن انہوں نے کہا کہ اصنام آسمان کی طرح ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔

جب یہ بت ہم سے راضی ہوتے ہیں تو آسمان کا خدا ہم سے راضی ہوتا ہے اور یہ ان کو پوجتے تھے۔

پھر ہمارا اجماع ہے کہ کفر ابغض المبغوضات ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہاں تک کہ کافر جب کفر کرتا ہے تو قریب ہے کہ زمین و آسمان پھٹ جائیں اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ہلاک کر دے، ان کی نحوست کی وجہ سے اور ان کی وجہ سے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (۹۰) أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا (مریم ۹۱)

قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں ڈھ (مسمار ہو) کر اس پر کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد بتائی۔

اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جو شخص کفر نہ کرے لیکن دوسرے کے کفر پر راضی ہو، اگرچہ ایک ساعت کے لئے ہو تو وہ کافر ہو جائے گا، یہاں تک کہ اگر کوئی کافر کہے: مسلمان کر لو اور یہ کہے کہ ایک ساعت صبر کر و یا کہے کہ فلاں کے پاس جا تو کافر ہو جائے گا۔

ایسے ہی اگر ظلم و معصیت پر راضی ہو تو کافر ہو جائے گا اور اگر کفر و معصیت اور ظلم کو پسند کرے تو کافر ہو جائے گا اور ایسے ہی جو کفر و اسلام میں یا معصیت و طاعت میں فرق نہ کرے کافر

ہو جائے گا یا حلال و حرام میں فرق نہ کرے تو کافر ہو جائے گا اور ایسے ہی اگر نیت کی کہ کفر کرے گا تو فی الفور کافر ہو جائے گا۔ ایسے ہی اگر کسی مسلمان کے کفر پر گواہی دے تو اسی وقت کافر ہو جائے گا اور اسی طرح اگر بغیر تقیہ کے شعائر کفر کا اظہار کیا تو کافر ہو جائے گا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ۔

تیرہواں قول: آتش پرستوں کا بیان

جان لیجئے کہ مجوس (آتش پرست) تین قسم کے ہیں ایک زمزومیہ اور وہ یہ کرتے ہیں کہ جب آتش کدہ میں داخل ہوتے ہیں تو منہ سے سیٹی بجاتے ہیں اور اصل میں ان کی ابتداء اس وقت سے ہوئی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تو ابلیس نے آکر ان سے سرگوشی کی اور کہا: حکیم و علیم کے لئے یہ اچھا اور مستحسن نہیں کہ ایک چیز کو پیدا کرے اور پھر اس کی ضد کو پیدا کرلے اور اس پر ضد کو مسلط کردے یہاں تک کہ اس کو ہلاک کردے لیکن (بلکہ) ہر حسین و جمیل نافع ہوں، نور ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور قبیح گمراہ اور گمراہ کن چیز نقصان دہ اور نار ہے اور وہ ابلیس کی طرف سے ہے اور یہ دونوں بھائی ہیں (یعنی اچھی چیزوں کو پیدا کرنے والا خدا ہے اور بری اور نقصان دہ اشیاء کا پیدا کرنے والا شیطان ہے)۔

ایک کا نام یزدان ہے اور دوسرے کا نام اہرمن ہے اور ان دونوں میں پہلے سے عداوت تھی یہ (متذکرہ بالا فرقہ مجوس) اس پر اعتقاد رکھتے ہیں اور آپ کی پوجا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے اس لئے نہیں جلایا کہ وہ آگ کی پوجا کرتے تھے اور ہم بھی اس لئے آگ کی پوجا کرتے ہیں تاکہ آگ ہمیں آخرت میں نہ جلائے۔

اور بعض نے ایک دوسری علت نکالی کہ قابیل کی قربانی کو آگ میں اس لئے جلایا کہ آتش پرست تھے اور ہابیل کی قربانی کو آگ نے جلادیا کہ وہ آتش پرست نہ تھا اور یہ لوگ منہ بند رکھتے ہیں تاکہ آگ کو ان کے سانس سے تکلیف نہ پہنچے اور نیز آگ کے سامنے سوتے نہیں اور آگ بجھنے نہیں دیتے۔

مجوسیوں کے ایک فرقے کا نام شماسیہ ہے، وہ آفتاب پرست ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ سورج اللہ تعالیٰ کا بڑا نور ہے۔

اور تیسری صنف کو شمسیہ کہتے ہیں یہ قوم ہر نور کو پوجتی ہے جیسے سورج، چاند، ستارے، آگ وغیرذلک۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تمام انوار اصل میں ایک ہی نور تھا جب مخلوق یعنی عرش، لوح، آسمان پیدا نہیں ہوئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو پیدا کیا یہ انوار متفرق ہو گئے اور یہ دیکھنے میں متفرق ہیں اور حقیقت میں ایک ہی نور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔

اور اس قول کا مآل و مرجع بھی دراصل تناسخ ہی قرار پاتا ہے اور جوہر بسیط میں قول فلاسفہ کے مشابہ ہے۔

دیگر فرقوں کا بیان

اور ایسے ہی وثنیہ، برامہ اور ثمنیہ اہل ہیبت میں سے اور حلولیہ بلادِ خاقانیہ سے، سب یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور پھر مجوس کا حکم رتبہ میں اہل کتاب کی طرح ہے۔ اس لئے کہ ان کے پاس شبہۃ الکتاب ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ مجوس کے پاس اللہ تعالی کی طرف سے کتاب ہے اور ان میں ایک عادل بادشاہ تھا اور لوگ اس سے اس کے عدل کی وجہ سے محبت کرتے تھے، پھر یہ بادشاہ اپنی بہن پر عاشق ہو گیا اور اس

سے صحبت کر بیٹھا، اس (بہن) نے لوگوں سے راز فاش کر دیا اور (اپنے بھائی) بادشاہ کی شکایت کی اور لوگ یہ سن کر بادشاہ کے خلاف نکل کھڑے ہوئے۔

بادشاہ اپنے محل پر چڑھا اور کہنے لگا: اے لوگو! ہم جنات کی اولاد ہیں ؟ سب نے کہا: ہم آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہیں۔ بادشاہ نے کہا: کیا آدم علیہ السلام کی شریعت تھی سب نے کہا: ہاں تھی تو بادشاہ نے کہا: ان کی شریعت اولیٰ ہے (یعنی اس میں بہن سے نکاح جائز تھا)۔

سب نے کہا تو سچ کہتا ہے، پھر بادشاہ لوٹ آیا اور اپنی بہن سے نکاح کر لیا اور اپنے حبالۂ نکاح میں لے لیا، پھر جب رات کو سویا تو اللہ تعالیٰ نے کتاب اٹھالی۔

اور بعض نے کہا کہ ان کے پاس کتاب کے مشابہ ہے، اس معنی کے لحاظ سے کہ ان میں متنبی تھا، اس کو زردشت کہتے ہیں، اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور ایک کتاب اس نے لوگوں کے سامنے پیش کی اس کو ژندوپاژند کہا جاتا تھا اور اس نے کہا: یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس میں احکام وقصص اور امر و نہی وغیرہ بہت سی باتیں ہیں جو سب خلاف شرع ہیں اور اس کتاب (ژندوپاژند) کی زبان ایسی ہے کہ کسی نے اس زبان کے ساتھ تکلم نہیں کیا اور یہ تین قسم ہیں:

(۱)زرادشتہ (۲)مردکیہ (۳)نوشیروانیہ

اور ان کا کفر ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دامن رحمت میں پناہ دے۔

چودہواں قول: یہودیوں کا بیان

معلوم ہونا چاہیے کہ یہود کی دو قسمیں ہیں ۔(۱)عزیزیہ (۲)سامریہ، اسی کو سماریہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں ظاہر ہوئے اس لئے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس کو خراب کیا اور ان کے بچوں کو قیدی بنالیا اور حضرت عزیر علیہ السلام بھی قیدیوں میں

تھے اور وہ کم سن تھے اور ان کو قید کر کے سر زمین عراق پہنچادیا تھا، چنانچہ جب بخت نصر فوت ہو گیا اور اس کی جگہ دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوا اور اس نے بنی اسرائیل کی ایک عورت سے نکاح کر لیا اور وہ عورت اسے بہت محبوب تھی، اس کو بہت چاہتا تھا۔

ایک دن بادشاہ نے کہا: مانگ جو تیری حاجت ہو۔ اس پر وہ (اس کی محبوب بیوی) کہنے لگی: بنی اسرائیل (جو قید تھے) مجھے بخش دے۔ اسی نے بنی اسرائیل اسے بخش دیئے اور ان سب کو بیت المقدس بھیج دیا اور حضرت عزیر علیہ السلام جب جوان ہو گئے، حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور ان کے دہن اقدس میں دم کیا، پھونک ماری تو حضرت عزیر علیہ السلام کو تمام "تورات" حفظ ہو گئی، پھر جب تمام قیدی بیت المقدس بھیج دیئے گئے اور بیت المقدس میں کچھ بچے کھچے بوڑھے آدمی رہ گئے تھے، ان قیدیوں نے ان مشائخ کو خبر دی کہ ہم میں ایک شخص "تورات" کا حافظ ہے تو مشائخ نے کہا کہ ہاں! ہم نے بھی سنا ہے کہ قیدیوں میں ایک شخص ہے جس کو "تورات" حفظ ہے تو انہوں نے "تورات" طلب کی، آپ نے "تورات" پڑھ پڑھ کر سنائی تو ان میں سے ایک آیا اور کہنے لگا: میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ اس نے ایک جگہ "تورات" چھپا رکھی ہے چنانچہ نو آدمیوں نے مزید گواہی دی اور اس کی تصدیق کی کہ جبات مصفوفہ میں "تورات" چھپائی ہوئی ہے، جو ایک انگور کے باغ میں ہے، لہٰذا سب وہاں گئے اور تلاش و جستجو کے بعد انہیں "تورات" کا ایک نسخہ مل گیا، اب انہوں نے اس دریافت شدہ نسخہ کا اس نسخہ سے مقابلہ کیا جو حضرت عزیر علیہ السلام نے لکھوایا تھا تو انہوں نے اس میں ایک لفظ کی بھی زیادتی یا کمی نہ پائی تو اب ابلیس اور اس شیطان مردود نے لوگوں کو اس طرح بہکایا کہ کہنے لگا کہ اگر عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے نہ ہوتے تو "تورات" انہیں حفظ نہ ہوتی، یہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، متبنی بنے ہوئے ہیں اور "تورات" چالیس جزوں پر مشتمل تھی، چار آدمیوں

کو پوری حفظ تھی: (۱) موسیٰ (۲) ہارون (۳) یوشع (۴) عزیر علیہم السلام اجمعین اور ان یہودیوں کے پاس ایک دو صحیفہ تھے۔ ابلیس نے کہا کہ یہ ابن اللہ (اللہ تعالیٰ کے بیٹے) ہیں، خدا نے ان کو بیٹا بنایا ہے، لوگ معتقد ہو گئے اور "عزیر ابن اللہ" کہنے لگے۔

یہود کی دوسری قسم

یہود کی صنف ثانیہ سامریہ ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو گوسالہ پرستی کرتے یعنی بچھڑے کی پوجا کرتے تھے، یہ اس لیے کہ سامری نے ایک بچھڑے کا مجسمہ بنایا جو آواز نکالتا تھا اور سامری نے کہا تھا کہ ہمارے جسم ناپاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور یہ گائے پاک ہے، ہم اس کی عبادت کریں تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت کرے، یہ لوگ اور بت پرست برابر ہیں۔ ان یہودیوں اور بت پرستوں میں کچھ فرق نہیں۔

اور یہودیوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے پہلے کوئی شریعت نہ تھی اور ان کے بعد بھی کوئی شریعت نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے سوا کوئی پیغمبر صاحب شریعت نہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوگا، اگر دیدار جائز و ممکن ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو کیوں منع کیا گیا اور جب منع کیا گیا تو یہی صحیح ہوا کہ خدا کا دیدار نہ ہوگا۔

بعض یہودی وہ ہیں جو حضور اقدس ﷺ کو عرب و عجم کے لیے صاحب شریعت مانتے ہیں کیونکہ ان (عرب و عجم) کے پاس شریعت نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ان کی طرف بھیجا اور بنی اسرائیل کے پاس تو کتاب و شریعت تھی، لہٰذا کتاب و شریعت کا نسخ جائز نہیں۔

اور اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے اور یہی منصوص ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ:
وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِیرًا وَنَذِیرًا" (سبا:۲۸)
اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔
والحمدللہ بکرۃ واصیلا۔

پندرھواں قول: نصاریٰ کا بیان

نصاری کی تین قسمیں ہیں: (۱) ملکائیہ (۲) نسطوریہ (۳) ماریعقوبیہ۔

اور یہ فرقے اس لیے ظاہر ہوئے کہ ان کے اور یہود کے درمیان عداوت تھی اور سخت لڑائی جھگڑے رہتے تھے اور بے شمار یہودیوں کو نصاریٰ نے قتل کر دیا تھا۔

ایک یہودی عالم تھا، اس کے سبب سے منازعت تھا، اس نے ازراہ عذر تدبر کیا اور اپنا ہاتھ اپنے چہرے پر مارا اور اپنی آنکھ پھوڑ دی، پھر نصاریٰ کے پاس آیا اور کہا: تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ سن نے کہا: ہاں! پہچانتے ہیں۔ کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام فلاں رات آسمان سے اترے اور فرمایا: ای فلاں! تونے میری امت کے ساتھ کیا کیا اور ایک تھپڑ رسید کیا تو میری آنکھ پھوڑ دی تو میں نے اسی وقت یہودیت سے توبہ کرلی اور یہودی مذہب کا بطلان مجھ پر ظاہر ہو گیا، اب میں عیسائی ہوں۔ لوگوں نے اس کو سچا جان لیا اور اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور اس کے سپرد کر دیا کہ اس سے تعلیم حاصل کریں، اس (یہودی عالم) نے ان میں سے تین آدمی چن لیے: ملکا، نسطور اور ماریعقوب۔ جب ان تینوں نے خوب علم حاصل کر لیا اور اس کے معتقد ہو گئے تو ایک دن ملکا کہ تو عیسیٰ کو جانتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! وہ اللہ تعالیٰ کے

رسول اور نبی اور روح اللہ ہیں۔ اس یہودی نے کہا: ایسی بات نہ کرو، کیا کسی نے مادرزاد اندھوں کو بینا کیا؟ کوڑھی اور برص زدہ لوگوں کو اچھا کیا؟ اور مردہ کو زندہ کیا؟ اور پرندہ کو پیدا کیا؟

بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہیں، آسمان سے اتر کر جو کچھ کیا کر گزرے اور پھر آسمان پر چڑھ گئے۔

اور یہ بات کسی سے نہ کہنا صرف اپنے دل میں رکھنا اور اس نے اپنے دل میں رکھا اور اعتقاد کیا۔

نسطور سے علیحدہ ہو کر کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جانتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! وہ اللہ کے نبی اور روح اللہ ہیں اور اس کے بندے تھے۔ اس یہودی نے کہا: ایسی بات نہ کرو کیا کسی نبی نے ایسا ایسا کیا؟ وہی بات اس سے بھی کہی جو ملکا سے کہی تھی اور کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، آسمان سے اتر کر انہوں نے ایسا ایسا کیا اور پھر آسمان کی طرف لوٹ گئے۔ نسطور نے یہ بات مان کر اعتقاد کر لیا۔

پھر ماریعقوب سے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جانتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! وہ اللہ کے نبی اور رسول اور اس کی روح ہیں، رومیوں میں سے تھے۔ یہودی نے کہا کہ اس بات سے توبہ کرو اور یہ اعتقاد کرو کہ وہ الٰہ اور ابن الٰہ تھے، اس لیے کہ لاہوت آسمان سے اتر کر ناسوت میں داخل ہوئے اور پھر عیسیٰ بن کر نکلے اور وہ تین میں کا تیسرا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی خبر دی:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (المائدۃ ۷۳)

”بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے“۔

اور پھر ان کے قول کا ابطال فرمایا:

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (المائدۃ ۷۵)

مسیح ابن مریم نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے۔

پھر وہ حبر (عالم) ان کے پاس سے چلا گیا۔ ایک دن تینوں شاگرد جمع ہوئے اور ہر ایک نے کہا: دین یہ ہے، دوسرے نے کہا: دین یہ ہے۔ تیسرے نے کہا: دین اس طرح ہے۔ پھر ان میں اختلاف

ہوا اور قتل و قتال شروع ہو گیا یہاں تک کہ ان کے چالیس ہزار افراد ہلاک ہو گئے اور یہ اختلاف ان میں اسی طرح باقی رہا۔

اختلاف کی دوسری وجہ

بعض فقہاء نے فرمایا کہ ان میں اختلاف اس لیے پیدا ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے اور نبوت کا دعویٰ کیا اور عزیر علیہ السلام کا سو سال پہلے انتقال ہو چکا تھا اور ''تورات'' ان کے پاس موجود نہ رہی تھی تو بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر اللہ کے نبی ہیں تو ''تورات'' لائیے، اس لیے کہ عزیر علیہ السلام ہم سے ''تورات'' لے گئے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اول سے آخر تک ''تورات'' بغیر کسی کمی و بیشی کے لکھ دی، پھر اس میں لوگوں نے اختلاف کیا۔

بعض نے کہا: اس میں کمی بیشی ہے اور تغیر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو زندہ فرمایا۔ آپ اٹھے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے اور لوگ عیسیٰ علیہ السلام سے مناظرہ کرنے لگے۔ صحرہ کے پاس جو مسجد میں ہے لوگوں نے آپ کو پہچان لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت عزیر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے عزیر! تورات کہاں رکھی ہے؟ عزیر علیہ السلام نے فرمایا: اسی مسجد میں فلاں ستون کے نیچے۔ انہوں نے وہ جگہ کھودی اور وہاں سے ''تورات'' مل گئی پھر اس ''تورات'' کا مقابلہ اس ''تورات'' سے کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لکھوائی تھی اس کو ہو بہو وہی پایا بغیر زیادتی و نقصان کے، ایک لفظ بھی بدلا ہوا نہ پایا۔

ابلیس آیا اور ان کو بہکایا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اس لیے کہ جو انسانوں میں سے مر گیا وہ قیامت کو اٹھایا جائے گا اور عزیر علیہ السلام مرے ہی نہ تھے بلکہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پاس چلے گئے تھے اور اب آسمان سے اترے ہیں۔

اور بعض نے کہا: مسیح ابن اللہ ہیں، اس لیے کہ اگر وہ ابن اللہ نہ ہوتے تو "تورات" کے حافظ نہ ہوتے حالانکہ وہ بغیر حفظ کیے حافظ تھے تو ان میں اختلاف رونما ہوا۔ نعوذ باللہ من وسوسۃ الشیطٰن

سولھواں قول: تناسخیہ کا بیان

تناسخیہ کی چار قسمیں ہیں، پھر ان سے (ذیلی شاخیں) چوراسی نکلتی ہیں گویا کہ ان کی چوراسی اصناف ہیں۔

صنف اول کے عقائد و نظریات

پہلی صنف اللہ کو نور مانتی ہے، اس کا کہنا ہے کہ تمام انوار اللہ تعالیٰ (جو کہ نور) کے نور سے نکلے ہیں، سورج، چاند، ستاروں کا نور اور اسی طرح آنکھ کا نور اور سماعت، قوت، کلام و غیر ذلک تمام اللہ تعالیٰ کے نور سے ہیں اور روح، اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے (یونہی) نار اور دوسرے انوار بھی اللہ تعالیٰ کے نور سے ہیں اور یہ سب انوار کی عبادت کرتے ہیں اور بلاد ہند اور کشمیر میں براہمہ کا یہ مذہب ہے اور عرب و عجم میں مجوس کا یہی مذہب ہے اور ایسے ہی مجوس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو نار سے پیدا کیا اور نار اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے تو ابلیس اللہ تعالیٰ کا بھائی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی بکواس سے بلند و بالا ہے۔ اسی وجہ سے وہ آگ کو پوجتے ہیں کہ ابلیس آگ سے پیدا ہوا ہے۔

دوسری صنف

یہ کہتے ہیں کہ تمام ارواح اور تمام اعیان صانع کا جز ہیں، اس لیے کہ جب صانع نے تمام اشیاء کو پیدا کیا تو صانع کا فعل اور صنع اس سے شروع ہو کر مصنوع تک منتہیٰ پزیر ہوا اور صنع و فعل مصنوع میں حلول کیے ہوئے ہیں، پس مفعولات صانع کے جز سے حاصل ہوتے ہیں اور جو یہ کہے کہ تکوین اور مکون اور تفصیل اور مفعل ایک ہیں تو یہ قول تناسخیہ سے لازم آتا ہے۔

مانویہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ بذات خود ہر مکان میں حلول کیے ہوئے ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ہر شاہد (نظر آنے والی چیز) میں اللہ تعالیٰ حلول کیے ہوئے ہے اور وہ ہر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو آنکھوں سے محسوس ہوتی ہے، جیسے انوار و اعیان، پہاڑ اور پانی، درخت، گھوڑا، اونٹ، گائے، بکری اور نباتات، مرد و زن وغیرہ اور یہ حلاجیہ میں حلولیہ کا مذہب ہے اور غالیہ روافض کا بھی یہی مذہب ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ خدا ہیں۔

اسی وجہ سے "فرقہ مانویہ" جو بلاد چین، ختن، تبت، ختا اور خاقانیہ وغیرہ کی طرف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انسان کو جس چیز کی بھی خواہش ہو مثلاً غیروں کی عورتیں اور ان کی لونڈیاں، ان کی بیٹیاں، بیٹے یہ سب مباح ہیں اور کہتے ہیں کہ جو منع کرے وہ کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ اشتہاء اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ اشتہاء کرتا ہے اپنے نفس کے لیے اپنی طرف سے، بعض نصاریٰ کا بھی یہی مذہب ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خواہش کی مریم علیہ السلام سے اور مریم علیہ السلام میں داخل ہوا اور مریم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، یہ (نصاریٰ) اس اعتقاد و بکواس کی وجہ سے کافر ہوگئے اور اللہ تعالیٰ ان خرافات اور صفات مخلوقات سے منزہ و مبرا ہے۔

تیسری صنف

انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس سے نور لیا اور اس کی تین قسمیں کیں تو پہلی قسم سے تو جنت کو پیدا کیا اور اس کا نام "مکان الاماکن" رکھا اور قسم ثانی سے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان کا نام "نفس روحانیہ" رکھا اور تیسری قسم سے آدمیوں کی روحیں پیدا کیں اور اس کا نام "نفس انسانی" رکھا۔

اور اس معنیٰ کے لحاظ سے کہا کہ جنت قدیم ہے اور ملائکہ قدیم ہیں اور ارواح قدیم ہیں ان کا کفر ظاہر ہے۔

پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح اور جنت سے نور لے کر دنیا جہاں کو پیدا کر ڈالا، اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ زمین و آسماں حادث ہیں تو پھر ان میں کون وفساد کہاں سے داخل ہو گا؟

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا مکان جنت ٹھہرایا اور آدمیوں کی ارواح کا مکان دنیا میں اور آدمیوں کی ارواح نے اپنے بارے میں سوچا کہ ہمارا درجہ اور ہماری فضیلت فرشتوں کی روحوں سے زیادہ ہے اور مکان ان کا اعلیٰ وپائیدار ہے تو ہم محدث کیسے ہوئے؟

تو پھر انہوں نے آسمان پر چڑھنے کا عزم کیا، یہ گمان کرتے ہوئے کہ ہم زبردستی فرشتوں سے وہ مکان لے لیں گے جو کہ جنت ہے اور یہ عزم تمام روحوں نے کیا، بلکہ کافروں اور سرکشوں کی روحوں نے کیا اور ایمان والوں کی ارواحنے خوف و امید کے ساتھ بغیر قصد کے ان کی فرماں برداری کی اور ارواح انبیاء علیہم السلام جانتی تھیں کہ ایسا نہیں ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف نہیں ہو سکتا تو مجبوراً انہوں نے بھی متابعت کی۔

پھر جب یہ سب روحیں آسمان پر چڑھیں اور ارواح ملائکہ کے ساتھ جمع ہوئیں تو انبیاء و علماء کی روحوں نے حکمت سیکھ لی، اس لیے کہ وہ مکرمین ہیں تو ان کو فضیلت حاصل ہے اور انہوں نے کہا کہ وحی و انباء (خبر دینا) اس علم و حکمت سے ہے۔ پھر قرآن و کلام وغیرہ روحوں کے لیے ہے اور وہ اس کے کلام اللہ ہونے اور جبریل علیہ السلام کے لیے وحی کا انکار کرتے ہیں اور انہوں نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے: "**الارواح جنود مجندۃ فما تعارف ھناک ایتلف ھھنا وما تنا کر ھناک اختلف ھھنا**" انہوں نے اس حدیث کے پیش نظر کلام کے یہ معنیٰ مذکورہ بالا لیے اور انہوں نے کہا

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور ان کو آسمان سے زمین کی طرف دفع کر دیا اور انہیں زمین میں دھنسا دیا اور وہ مٹی اور کیچڑ میں خلط ملط ہو گئے اور یہ معنٰی ہیں اس آیت کے:

"ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ" (التین ۵)

"پھر اسے ہر نیچی سے نیچی سی حالت کی طرف پھیر دیا۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے روئے زمین سے ایک مٹھی لی مع اجزاء و ارواح کے اور اس مشت خاک سے روحوں کو ظاہر کیا اور آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، پھر نبات و زرع اور درخت اور پتھروں اور متحرک چیزوں کو جو بھی زمین سے نکلتی ہے، یہ نکلی ہوئی روحیں اور ان کی نشو و نما روحوں کی تاثیر سے ہوتی ہے تو ہر وہ روح جس کے گناہ مٹا دیے گئے۔

اس لیے کہ آدمی کل کو کھاتا ہے اور یہ جز آدمی کی روح سے متصل ہو جاتا ہے اور بعض بہائم کھا جاتے ہیں بعینہ گناہ کی وجہ سے، پھر آدمی جب اس حیوان کو کھاتا ہے تو بسا اوقات پرندوں اور درندوں کو کھاتا ہے۔

اور بعض اوقات کوئی بھی نہیں کھاتا، نباتات یا پھل اور بہیمہ مر جاتا ہے نجس، تو جو روح اس میں تھی وہ زمین کی طرف لوٹ جاتی ہے یا درندے اور کتے کی طرف تو پھر ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف اور ایک شئ سے دوسری شے کی طرف ہمیشہ منتقل ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ گناہوں سے پاک ہو جانے کے بعد آدمی تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر آدمی جب گناہ کرتا ہے اور مر جاتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم سے نکل کر کتے یا خنزیر یا کافر کے جسم میں داخل ہوتی ہے تو اس میں اسے عذاب دیا جاتا ہے، اس کلام کا ماحصل یہ ہے کہ آخر کار تمام روحیں گناہوں سے پاک ہو جاتی ہیں،

کیونکہ سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے اور دنیا میں کسی روح نے باقی نہیں رہنا تو اس وقت عالم فنا ہو جائے گا اور تمام روحیں بغیر عقاب و عذاب جنت میں ہوں گی اور یہ (سب بکواس) کفر ہے۔

اور سب کچھ انہوں نے اس بنیاد پر کہا کہ انسان کبھی گھاس ہو تا ہے اور کبھی چوپایہ اور درندہ اور کبھی کافر و فاجر اور کبھی مومن ہو تا ہے اور کبھی نبی ہو تا ہے اور یہ اہل مصر وغیرہ کے بعض روافض کا مذہب ہے۔

صنف چہارم کے عقائد و نظریات

صنف چہارم کے نزدیک ارواح تین ہیں: (۱) روح کلی (۲) روح جزئی (۳) روح متصل۔

روح کلی وہ ہے جس کے ساتھ اشیاء قائم ہیں، فلاسفہ اس کو جوہر بسیط کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور مراد اس سے صانع لیتے ہیں۔

روح جزئی، وہ حیوان اور آدمی ہے۔

تیسری روح متصل ہے جزسے کل کی طرف اور وہ ہوا ہے اس لیے کہ کلام و سمع و بصر اور علم و حکمت اور برہان اور ذہن و عقل یہ سب روح کلی کے ساتھ اور روح جزئی کی طرف بواسطہ ثالث اثر کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہی معنیٰ وحی کے ہیں اور دوسری وحی کی حاجت نہیں اور یہ کفر ہے۔

اور بعض نے کہا: ارواح مخلوق و محدث ہیں، لیکن ہر جسد کے لیے علیحدہ روح کی حاجت نہیں، روح ایک جسم سے نکلتی ہے اور دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن روحیں بغیر جسد کے اٹھائی جائیں گی اور ثواب و عقاب روح کو بغیر جسد کے ہو گا۔

اور بعض نے کہا کہ جسد روح کے لیے اسی طرح ہے، جیسے بدن کے لیے کپڑا اور لباس ہو تا ہے، اس لیے کہ روح ایک جسم سے نکلتی ہے اور دوسرے جسم میں داخل ہو تی ہے تو اس کے دردمند

ہونے سے اس کو درد و الم سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور اس کے متلذذ ہونے سے اس کو بھی لذت حاصل ہوتی ہے اور اس کے احساس کرنے سے یہ بھی احساس کرتی ہے اور یہ لوگ بھی قیامت کے منکر ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ خصومات (جھگڑے) کے فیصلے اور قرض کی ادائی سب کے سب دنیا میں ہوتے ہیں، اس کا بیان یہ ہے کہ جو شخص مر گیا اور دوسرے شخص کے ذمہ اس کے لیے مال ہے، پھر اس کی روح دوسرے شخص میں داخل ہو گی اور اس بدن میں واقع ہو گی، اگرچہ بہیمہ حیوان ہے یا انکار کرے اس کے پاس جب کہ درندہ ہو یا آدمی کسی وجہ سے بھی ہو، بہر حال یہ اپنا قرض اس سے لے گا اور وصول کر کے چھوڑے گا، خواہ ظلم سے لے خواہ ہدیہ یا ہبہ سے یا چوری وغیرہ کر کے، اس سے لے گا ضرور اور اگر اس کی روح حیوان میں داخل ہوئی مثلاً گائے، بیل، اونٹ، گھوڑے وغیرہ میں تو اگر اس نے کوئی حق لینا ہے تو وہ بغیر خدمت کے مر جائے گا۔

پھر ان کے ساتھ مناظرہ کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ صانع کی معرفت اور اس کا ثابت، صفات باری تعالیٰ کا اثبات اور یہ کہ صانع صفات محدثات سے منزہ ہے، پس اس لیے جائز نہیں کہ وہ متحیز یا متبعض ہو، اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

اس کے بعد اثبات وحی اور صاحب وحی کے سچا ہونے کے متعلق گفتگو اور کلام کرنا چاہیے، تو اس نے ان کے کلام کے خلاف خبر دی ہے اور صاحب وحی کی خبر صدق (سچی) ہے اور حجت ہے اور نص ناطق ہے اور ان کے کلام کے خلاف ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک ہے کہ:

لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ (التغابن ۷)

"تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہارے (اعمال) تمہیں جتا دیئے جائیں گے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ:

الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ (الانعام ۹۳)

آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا بدلہ اس کا کہ (اللہ پر جھوٹ) لگاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (یٰس ۶۵)

آج ہم ان کے مونہوں پر مُہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کیے کی گواہی دیں گے۔

اور اس لیے کہ اجساد روح کے ساتھ گناہ کرنے میں شریک ہیں تو جزا میں بھی یقیناً شریک ہوں گے۔

اور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ:

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا (النحل ۱۱۱)

"جس دن ہر جان اپنی ہی طرف جھگڑتی آئے گی۔"

یعنی نفس روح کے ساتھ مجادلہ (جھگڑا) کرے گا بایں طور کہ نفس کہے گا: تو نے گناہ کیا ہے اور روح کہے گی کہ تو نے گناہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ"

ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ (الزمر ۳۱)

"پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔"

اس کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ روح جسم سے اور جسم روح سے یعنی روح اور جسم آپس میں جھگڑا کریں گے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ

نے روح کو نور، نار اور ریح سے پیدا کیا ہے، یعنی آدمیوں کی روح کو نور سے پیدا کیا ہے اور اور شیاطین کی روحوں کو آگ سے اور پرندوں کی روحوں کو ہوا سے پیدا کیا ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ ہر جسم میں جدا روح ہے اس لیے کہ ارواح جسموں کے ساتھ قیامت کے دن محشور میں ہوں گی اور حساب لینے کے بعد بدلہ دیا جائے گا۔

اور اگر ہر جسم کے لیے علیحدہ روح نہ ہو تو اس صورت میں حقیقت یہ ہے کہ نہ تو حشر ہو سکے گا اور نہ ہی ہر جسم اور روح کو علیحدہ علیحدہ حساب اور انہیں جزاء و سزا دی جا سکے گی۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (المدثر ۳۸)

"ہر جان اپنی کرنی میں گروی ہے۔"

پھر اس پر دلیل ہے کہ قیامت کے دن تمام اجساد حاضر ہوں گے اور ہر جسم گواہی دے گا، روح، اعضاء اور نفس پر جو کچھ انھوں نے عمل کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (فصلت ۲۱)

"اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کیوں گواہی دی وہ کہیں گی ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی۔"

اور اگر بعض اجساد حاضر ہوں اور بعض حاضر نہ ہوں تو جزا و سزا بعض کو ہو گی اور بعض کو نہیں تو یہ عدل نہ ہو گا اور ہم نے دلائل منصوصہ سے ثابت کر دیا کہ جسم جلد اور تمام اعضاء سمیت حاضر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (یٰسٓ ٦٥)

"آج ہم ان کے مونہوں پر مُہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کیے کی گواہی دیں گے"۔

پھر اس پر دلیل کہ روح مخلوق ہے، یہ ہے کہ:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (الاسراء ٨٥)

"تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے"۔

یعنی تم فرماؤ کہ روح مخلوق ہے اور جسم میں داخل ہوتی ہے میرے رب کے حکم سے۔ پھر یہ بھی ہے کہ روح مامور ہے اور مامور مخلوق ہوتا ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ (فصلت ١٠)

"اور اس میں اس کے بسنے والوں کی روزیاں مقرر کیں یہ سب ملا کر چار دن میں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رزقوں کا اندازہ فرمایا، ان کے جسموں کے پیدا کرنے سے چار دن پہلے اور ہر دن ایک ہزار برس کے برابر ہے، تو یہ روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے۔

روح کے مخلوق ہونے پر عقلی دلیل

اور روح کے مخلوق ہونے پر عقلی دلیل یہ ہے کہ وہ جسم میں داخل ہوتی ہے اور جسم سے نکلتی ہے تو یہ تحویل اور انتقال ہے اور تحویل اور انتقال حدث ہے اور جو حدث کو قبول کرے وہ محدث اور مخلوق ہے۔

(العطایاالسیفیۃفی فتاویٰ النقشبندیۃ، حصہ دھم)

[قرآن مجید اور شریعتِ مطہرہ کی تبلیغ واشاعت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کی ہے۔ اس مبارک گروہ پر طعن واعتراض لازم آتا ہے۔ قرآن حکیم کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کیا ہے۔ اگر حضرت عثمان مطعون و قابل اعتراض ٹھہریں تو قرآن کو بھی غلط کہنا پڑے گا۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں زندیق اور بے دین لوگوں کے عقائد سے پناہ میں رکھے)

وہ اختلافات اور جھگڑے جو صحابہ کرام علیہم الرضوان میں واقع ہوئے، خواہشِ نفسانی کے باعث ہرگز نہیں تھے۔ یہ حضرات خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت پاک میں تزکیہ کے مقام میں پہنچ چکے تھے اور امارگی سے انہیں آزادی مل گئی تھی۔

میں اس قدر جانتا ہوں کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہٗ اس باب میں حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر تھے۔ لیکن ان کی یہ خطا خطاءِ اجتہادی ہے جو حدِ فسق تک نہیں پہنچاتی بلکہ اس طرح کی خطا میں ملامت کی بھی گنجائش نہیں۔ کیونکہ خطاءِ اجتہادی میں مخطی کے لئے بھی ایک درجہ ثواب ہے۔ اور یزید بدقسمت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے نہیں۔ اس کی بدبختی میں کسے کلام ہو سکتا ہے؟ اس بدبخت نے جو کام کیا وہ کوئی کافر فرنگ بھی نہیں کر سکتا۔

بعض علمائے اہلِ سُنت نے اس پر لعنت کرنے میں توقف کیا ہے، اس پر راضی ہونے کی بنا پر نہیں کیا بلکہ رجوع اور توبہ کے احتمال کی رعایت کے باعث کیا ہے۔

آپ کی مجلس شریف میں قطبِ زمان بندگی مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معتبر کتابوں میں سے ہر روز کچھ نہ کچھ حصہ پڑھا جانا چاہیئے۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ انہوں نے صحابہ پیغمبر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کس طرح صفت وثنا کی ہے اور کیسے ادب سے ان کو یاد کیا ہے تاکہ مخالف لوگ شرمندہ اور ذلیل ہوں۔

آج کل اس بدخواہ گروہ نے بہت غلو کرنا شروع کر رکھا ہے اور ملک کے اطراف وجوانب میں پھیل چکے ہیں۔ اسی بنا پر اس بارے میں چند کلمات لکھے گئے ہیں تاکہ آپ کی صحبت اور مجلس شریف میں اس طرح کے بدخواہوں کو جگہ نہ مل سکے۔ ثَبَّتَکُمُ اللہ تعالیٰ عَلَی الطَّرِیْقَۃِ الْمَرْضِیَّۃِ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو پسندیدہ طریقہ پر قائم رکھے۔]

(دار المعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

صحابہ کرام اور فرقۂ رافضیہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ تمام بدعتی فرقوں میں سے سب سے بُرا فرقہ وہ ہے جو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بغض رکھتا ہے اور وہ فرقہ رافضیہ (شیعہ) ہے۔ اہل سنت اور شیعہ کے اختلاف کا آغاز عہدِ صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہو چکا تھا۔ اس فرقہ نے اہلِ سنت سے علیحدہ تشخص قائم کر لیا اور رفتہ رفتہ اپنے اعمال وعقائد خود وضع کر لئے جس کے نتیجے میں جمہورِ اہلِ اسلام سے الگ ہو گئے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے دورِ تجدید میں یہ فرقہ ہندوستان میں کافی پھیل چکا تھا۔ آپ نے اس کے خلاف بھرپور جہاد فرمایا اور ہندوستان میں اس فرقہ کا زور توڑ کے رکھ دیا۔ یہ آپ کی تجدیدی کرامات کا فیض ہے کہ ہند وپاک میں آج تک اہلِ سُنت کو بالادستی حاصل ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وہ برگزیدہ شخصیات ہیں جن کے ذریعے قرآن وشریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی نشرواشاعت وتبلیغ ہوئی۔ یہی وہ مقدس لوگ ہیں جنہیں صحبتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی برکت سے تزکیۂ نفس کی دولت میسر آئی۔ ان کے باہمی اختلافات نفسانی خواہشات کی بنیاد پر نہ تھے بلکہ اجتہاد اور اخلاص پر مبنی تھے۔ خصوصاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جامع القرآن ہیں اگر ان کو مطعون کیا جائے تو قرآن بھی مطعون ہو گا۔ غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بغض رکھنا اور ان کی بارگاہ میں بے ادبی وگستاخی کرنا کفر ونفاق تک پہنچا دیتا ہے۔ وَالْعَیَاذُ بِاللہِ۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کو لُغتِ قریش پر جمع کیا

واضح رہے کہ پہلے مرتبے میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے قرآن حکیم کتابی شکل میں جمع فرمایا تھا۔ چونکہ قرآن پاک قبائلِ عرب کی آسانی کے لئے لُغاتِ سبعہ میں نازل ہوا تھا اور ان لغتوں میں اختلافِ معنوی نہ تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کو لغاتِ سبعہ کی بجائے لُغتِ قریش پر جمع کیا[479] جو قبائل عرب میں سب سے افضل قبیلہ تھا اور اُن کی لُغت بھی افصح وابلغ تھی۔ نیز صحیح

---

479 قَالَ عُثْمَانُ فَاکْتُبُوہُ بِلِسَانِ قُرَیْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۹۷)

روایات سے ثابت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی رحلتِ مبارکہ کے سال میں حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ لُغت قریش میں ہی تکرار فرماتے رہے اور بعد میں اسی لُغت کو فضیلت وترجیح دیتے ہوئے قرآن حکیم کو کتابی شکل میں جمع کرکے متعدد نسخے دوسرے ملکوں میں بھی تقسیم کئے اور آج تک اُمت مسلمہ اسی لُغتِ قریش پر جمع کیئے ہوئے قرآن کریم پر یقین واعتماد رکھتی ہے اور اسی پر عمل پیرا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلِکَ۔

یزید کا کردار کافرِ فرنگ سے بھی بُرا ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک یزید پلید کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے نہیں ہے۔ اس کو بدبخت اور بدنصیب اور فاسق کہنا چاہیئے۔ واقعہ کربلا میں یزید کا کردار فرنگی کافر کے کردار سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ بلکہ ایک مکتوب میں آپ نے یزید کو مستحقِ لعنت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

"او مستحق لعنت است۔۔۔ اگر ایں سخن در باب یزید می گفت گنجائش داشت یزید بے دولت از زُمرۂ فسقہ است توقف در لعنتِ او بناء بر اصل مقرر اہل سنت است کہ شخص معین را اگرچہ کافر باشد تجویز لعنت نہ کردہ اند مگر آنکہ بہ یقین معلوم کنند کہ ختمِ اُو بر کُفر بودہ۔۔۔ نہ آنکہ او شایان لعنت نیست"۔[480]

(یعنی) یزید مستحقِ لعنت ہے اگر یہ بات یزید کے بارے میں کہی جائے تو گنجائش ہے۔ یزید بدبخت فاسقوں میں سے ہے۔ بعض علماء کی طرف سے اس پر لعنت کے بارے میں جو توقف کیا جاتا ہے وہ اہل سنت کے ایک اصول کے مطابق ہے کہ جب تک کسی کے متعلق یقین نہ ہو جائے کہ اس کا

---

[480] (دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۵۱)

خاتمہ کُفر پر ہوا ہے وہ کسی شخصِ معین پر لعنت نہیں کرتے، یہ توقف اس لئے نہیں کہ یزید لعنت کا مستحق نہیں ہے۔

چنانچہ علماءِ اہل سنت کی واضح اکثریت یزید کے بارے میں یہی رائے رکھتی ہے۔ بعض علماء نے یزید کے کُفر کا قول بھی کیا ہے، بہر حال اس کے فاسق وفاجر ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۰۲، ۳۰۳)

فتاوٰی خلاصہ قلمی کتاب الصلوۃ فصل ۱۵ اور خزانۃ المفتین قلمی کتاب الصلوۃ فصل فی من یصح الاقتداء بہ ومن لا یصح میں ہے:

الرافضی ان فضل علیا علی غیرہ فھو مبتدع ولو انکر خلافۃ الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ فھو کافر۔

رافضی اگر مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے افضل جانے توبدعتی گمراہ ہے اور اگر خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر ہو تو کافر ہے۔[481]

فتح القدیر شرح ھدایہ مطبع مصر جلد اول ص ۲۴۸ اور حاشیہ تبیین العلامہ احمد شلبی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۳۵ میں ہے:

فی الرافض من فضل علیا علی الثلاثۃ فمبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق او عمر رضی اللہ عنھما فھو کافر۔

رافضیوں میں جو شخص مولٰی علی کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے افضل کہے گمراہ ہے اور اگر صدیق یا فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے۔[482]

---

481 (خزانۃ المفتین کتاب الصلوۃ فصل من یصح الاقتداء بہ ومن لا یصح قلمی ۲۸/۱)

482 (خزانۃ المفتین کتاب الصلوۃ فصل من یصح الاقتداء بہ ومن لا یصح قلمی ۲۸/۱)

وجیز امام کردری مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۱۸ میں ہے:

من انکر خلافۃ ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فھو کافر فی الصحیح ومن انکر خلافۃ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فھو کافر فی الاصح۔

خلافتِ ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر کافر ہے، یہی صحیح ہے، اور خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر بھی کافر ہے، یہی صحیح تر ہے۔[483]

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۳۴ میں ہے:

قال المرغینانی تجوز الصلوۃ خلف صاحب ھوی و بدعۃ ولا تجوز خلف الرافضی والجھمی والقدری والمشبہ ومن یقول بخلق القرأن، حاصلہ ان کان ھوی لا یکفر بہ صاحبہ تجوز مع الکراھۃ والا فلا۔

امام مرغینانی نے فرمایا بد مذہب بدعتی کے پیچھے نماز ادا ہو جائیگی اور رافضی، جہمی، قدری، تشبیہی کے پیچھے ہوگی ہی نہیں، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اُس بد مذہبی کے باعث وُہ کافر نہ ہو تو نماز اُس کے پیچھے کراہت کے ساتھ ہو جائے گی ورنہ نہیں۔[484]

فتاوٰی عالمگیریہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۸۴ میں اس عبارت کے بعد ہے:

ھکذا فی التبیین والخلاصۃ وھو الصحیح ھکذا فی البدائع۔

ایسا ہی تبیین الحقائق و خلاصہ میں ہے اور یہی صحیح ہے ایسا ہی بدائع میں ہے۔

---

483 (فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ نوع فیما یتصل بھا مما یجب اکفارہ من اھل البدع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۸)

484 (تبیین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ والحدث فی الصلوۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱/ ۱۳۴)

اُسی کی جلد ۳ صفحہ ۲۶۴ اور بزازیہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۹ اور الاشباہ قلمی فن ثانی کتاب السیر اور اتحاف الابصار والبصائر مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۷ اور فتاوی انقرویہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۵ اور واقعات المفتین مطبوعہ مصر ص ۱۳ سب میں فتاوی خلاصہ سے ہے:

الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنہما والعیاذ باللہ تعالٰی فھو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللہ تعالٰی وجہہ علیہما فھو مبتدع۔

رافضی تبرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو معاذ اللہ بُرا کہے کافر ہے، اور اگر مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے افضل بتائے تو کافر نہ ہوگا مگر گمراہ ہے۔[485]

اُسی کے صفحہ مذکورہ اور برجندی شرح نقایہ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۴ ص ۲۱ میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

من انکر امامۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ فھو کافر وعلی قول بعضھم ھو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر وکذٰلک من انکر خلافۃ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فی اصح الاقوال۔

امامت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کا منکر کافر ہے، اور بعض نے کہا بد مذہب ہے کافر نہیں، اور صحیح یہ ہے کہ وُہ کافر ہے، اسی طرح خلافت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر بھی صحیح قول پر کافر ہے۔[486]

---

485 (فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ھندیۃ نوع فیما یتصل بھا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۹)

486 (برجندی شرح نقایہ کتاب الشہادۃ فصل یقبل الشہادۃ من اھل الھواء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۲۱، ۲۰)

وہیں فتاوٰی بزازیہ سے ہے:

ویجب اکفارھم باکفارعثمان وعلی وطلحۃ وزبیر وعائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

رافضیوں، ناصبیوں اور خارجیوں کا کافر کہنا واجب ہے اس سبب سے کہ وہ امیر المومنین عثمان و مولی علی و حضرت طلحہ و حضرت زبیر و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو کافر کہتے ہیں۔

بحر الرائق مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۱۳۱ میں ہے:

یکفر بانکارہ امامۃ ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ علی الاصح کانکارہ خلافۃ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ علی الاصح۔

اصح یہ ہے کہ ابو بکر یا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی امامت و خلافت کا منکر کافر ہے۔[487]

روافض بد مذہب سے قطع تعلق واجب ہے

(۱) قال سھیل بن عبداللہ من صحح ایمانہ و اخلص توحیدہ لا یأنس الی مبتدع ولا یجالسہ۔

سہیل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں۔ صاحب ایمان خالص توحید والا نہ تو مبتدع سے محبت کرے اور نہ اپنے پاس بٹھائے۔

(۲) ولا یکاثر اھل البدعۃ۔[488]

(نیز مسلمان) اہل بدعت سے خوش طبعی نہ کرے۔

(۳) ولا یدانیھم۔

(نیز) کسی مبتدع کے نہ (توخود) قریب جائے اور نہ (ان کو اپنے قریب چھوڑے)۔

---

[487] (فتاوی رضویہ، ج ۱۴ (کتاب السیر)، ص ۲۴)

[488] (حقائق التفسیر ثم یعقوب چرخی، ص ۲۲)

(۴)من تحبب الی مبتدع نزع نور الایمان من قلبه۔

(نیز)جو مسلمان مبتدع سے محبت کرے گا۔اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیا جاتا ہے۔

(۵)ولا یوا کله ولا یشاربه۔

(نیز)مسلمان کسی (مبتدع) کو نہ کھانا کھلائے اور نہ اسے پانی پلائے۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی مبتدع کو سلام تک نہ کیا جائے۔

(٦)ولا یسلم علیهم لان امامنا احمد بن حنبل قال من سلم علی صاحب البدعة فقد احبه لقول رسول اللہ ﷺ افشو السلام بینکم تحابوا (الیٰ قوله ﷺ) وقال فضیل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما من احب صاحب البدعة احبط اللہ عمله و اخرج نور الایمان من قلبه۔[489]

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی مبتدع کو سلام تک نہ کیا جائے۔کیونکہ ہمارے امام سیدنا احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے۔کہ سلام کرنا(مبتدع کو اس لئے منع ہے)کہ سلام سبب محبت ہے(تو گویا تو نے مبتدع کو سلام کر کے اس سے محبت کا اظہار کیا جبکہ مبتدع سے اجتناب ضروری ہے چہ جائیکہ کہ محبت ہو مبتدع کو سلام کرنا اس لئے منع ہے کہ سلام ذریعہ محبت ہے(دیکھئے) حضور پر نور ﷺ نے فرمایا(سلام آپس میں) سلام خوب پھیلاؤ(ایک دوسرے کو سلام کرو) کیونکہ اس سے محبتیں بڑھتیں ہیں، فضیل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے بدعتی سے محبت کی اس کے نیک اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں نیز اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیا جاتا ہے۔

489(غنیة الطالبین، ص ۵۵)

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ولا یجالسہ۔(بد مذہب کے پاس مت بیٹھو)[490]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: جس نے بدعتی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بغض و نفرت کی نگاہ سے دیکھا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دل کو امن سے بھر دے گا۔[491]

جس مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مبتدع کو ذلیل کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دل کو ہر طرح کا امن عطا فرمائے گا۔[492]

اور جس نے بدعتی کو حقیر ذلیل کیا اللہ تعالیٰ اس گستاخ کی تذلیل کی وجہ سے قیامت کے دن جنت میں اس کو دوسرے جنتیوں سے سو درجے بلند عطا فرمائے گا۔[493]

واذا رایتم مبتدعا فی الطریق فخذ طریقا آخر۔

جس راستے سے مبتدع رافضی کو آتا دیکھو اپنا راستہ تبدیل کر لو۔

کیونکہ یہ مغضوب ہے یعنی وہ انسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے غضب نازل فرمایا ہے۔ راستہ اس لئے تبدیل کر لو کہ کہیں اس کی قربت سے بھی اللہ تعالیٰ کے غضب میں نہ آئے)۔

---

490 (غنیۃ الطالبین، ص ۵۵ ثم یعقوب چرخی)

491 (المقاصدلسنیۃ، ص ۷۸)

492 (غنیۃ الطالبین)

493 (غنیۃ الطالبین، ج ۲، ص ۵۵)

مکتوب نمبر ۵۵

[اظہارِ محبت میں سیادت پناہ شیخ عبد الوہاب بخاری کی طرف صادر فرمایا:

کچھ عرصہ پہلے ربط و تعلق کے علاوہ دل کو آپ سے مزید محبت پیدا ہو چکی ہے۔ اس بنا پر فقیر آپ کے لئے غائبانہ دعا میں مشغول و مصروف ہے۔ اور جب کہ سرورِ کائنات، فخر موجودات علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے:

مَنْ اَحَبَّ اَخَاهُ فَلْيُعْلِمْ اِيَّاهُ۔

ترجمہ: جو مسلمان بھائی سے دوستی رکھتا ہو تو چاہیئے کہ اسے اس سے واقف کر دے۔[494]

آپ سے اپنی محبت کا اظہار کرنا مناسب اور بہتر خیال کیا۔ اور اس محبت کے سبب جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اقرباء (سادات کرام) سے پیدا ہو چکی ہے، اُمیدواری کا رشتہ پورے طور پر ہاتھ میں لا چکا ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان (سادات کرام) کی محبت پر استقامت نصیب فرمائے، بحرمۃ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام۔]

---

494 (رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء فی اعلام الحب، رواہ المستدرک علی الصحیحین للحاکم، باب حدیث عبداللہ بن عمرو، رواہ صحیح ابن حبان، باب ذکر الامر للمرء، اذا احب اخاہ فی اللہ ان یعلمہ ذلک میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ إِيَّاهُ، رواہ مسند احمد، باب حدیث المقدام بن معدی کرب الکندی میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ، ادب المفرد للبخاری، باب اذا احب الرجل اخاہ فلیعلمہ میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ: إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ أَنَّهُ أَحَبَّهُ)

تشریح

سادات کے ساتھ محبت کے بارے میں بہت سی احادیث موجود ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اولین وآخرین پیغمبر ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں آپ لوگوں کے درمیان قرآن اور اپنی اولاد کو چھوڑ کر جا رہا ہوں ہم اہلِ سنت وجماعت ہیں نہ رافضی ہیں اور نہ ہی خوارج۔ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکامات پر عمل کیا اور دُنیا سے ایمان کی حالت میں رُخصت ہوئے ان کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہا جاتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ:

کل تقی نقی آلی۔

ترجمہ: ہر تقی (جس نے تقویٰ قبل از بلوغ اور بعد از بلوغ دونوں کو اختیار کیا ہو) اور نقی (جس نے تقویٰ کو صرف بعد از بلوغ اختیار کیا ہو) میری آل سے ہے۔[495]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے سے میری یہ توقع ہے کہ وہ اہلِ بیت سے محبت کرے۔

اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ ہم سب پر اہلِ بیت، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ہر تقی و نقی کے ساتھ محبت کرنا واجب ہے اور یہ محبت

---

495 (تفسیر روح البیان، ج۱۰، ص۴۹۵)

اس وجہ سے ہے کہ یہ سب لوگ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تابعدار ہیں۔

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے حضرت شیخ عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے ساتھ ربط و محبت میں زیادتی پیدا ہونے اور ان کے لئے بے اختیار غائبانہ دعا کرتے رہنے کی اطلاع دی ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے جب کسی مسلمان بھائی سے تمہیں محبت ہو جائے تو اس کو بتا دینا چاہیئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ نیز غائبانہ دعا کی حدیث میں بہت فضیلت وارد ہے۔

أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَسْرَعَ الدُّعَاءِ إِجَابَۃً دَعْوَۃُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ۔

(یعنی) سب سے زیادہ جلدی قبول ہونے والی دعا غائب کی دعا ہے جو وہ کسی غائب کے لئے کرے۔[496]

اور دوسری حدیث میں یوں ہے:

إِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِأَخِیہِ بِظَھْرِ الْغَیْبِ، قَالَتِ الْمَلَائِکَۃُ: آمِینَ، وَلَکَ بِمِثْلٍ۔

(یعنی) جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ (پسِ پُشت) دُعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں آمین اور تیرے لئے بھی اسی طرح دعا ہے۔[497]

---

496 (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۱۵)

497 (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۱۴)

سادات کی محبت

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ساداتِ کرام کی محبت اور تعظیم کے حوالے سے قرباءِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ذکر فرما کر اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى (الشوریٰ ۲۳)

یہاں قربیٰ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی قرابتِ نسبی مراد لی گئی ہے

اسی طرح قرآن کی دوسری آیت إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الأحزاب ۳۳) میں اہل بیت کے رجس (آلودگی) سے پاک ہونے کا حکم سنایا گیا ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

حب آل محمد جواز علی الصراط، والولایۃ لآل محمد أمان من العذاب۔

(یعنی) آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت، صراط سے گزرنے کا ذریعہ ہے اور آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دوستی عذابِ دوزخ سے امان ہے۔[498]

نیز فرمایا:

وَمَنْ مَاتَ عَلیٰ حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) مَاتَ مَغْفُوْراً لَهُ۔

(یعنی) جو اہل بیت کی محبت پہ مرا وہ بخشا جائے گا۔[499]

اسی طرح بعض دیگر احادیث میں ایسے شخص کے لئے شہید کا درجہ حاصل ہونے اور اہل سنت کے طریقے پر مرنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

---

498 (الشفا، ج۲، ص۳۷)

499 (نور الابصار، ص ۱۱۲)

واضح ہو کہ آل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کمالِ ایمان کی علامت ہے اور اس کا بغض ایمان کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر سادات کرام کی محبت اور تعظیم فرض قرار پائی ہے۔اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا۔

حضرت مجدد پاک قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ حضرت والد ماجد کی زبان پر بارہا یہ قول ہوتا تھا:

"حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے اہلِ بیت کی محبت حفظِ ایمان اور حُسنِ خاتمہ میں بہت زیادہ دخل رکھتی ہے"۔

چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اپنے والد ماجد (حضرت شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے ان کے وصال سے تھوڑی دیر پہلے اس قول کے بارے میں استفسار کیا کہ اس وقت آپ کی ایمانی حالت کیسی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ الحمد للہ میں اہل بیت کی محبت میں سرشار اور اسی دریائے نعمت میں غرق ہوں۔[500]

مکتوب کے آخر میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اہل بیت کی محبت پر استقامت کی دعا مانگی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم سب کا محبتِ اہلِ بیت پر خاتمہ فرمائے۔(آمین بجاہ آل سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات)

(البینات شرح مکتوبات، ج۲، ص۳۰۸تا۳۱۰)

---

[500] (زبدۃ المقامات(مترجم)، ص ۱۸۴)

اہل بیت کی محبت

الحمدللہ الذی کشف لاولیائه بواطن ملکوته وقشع لأصفیائه سرائر جبروته واراق دم المحبین بسیف جلاله واذاق سرالعارفین بروح وصاله هو المحی لموات القلوب بانوار ادراک صمدیته وکبریائه والمنعش لها براحة روح المعرفة للنشراسمائه والصلوۃ والسلام علی رسوله محمدواله واصحابه وازواجه وذریته اجمعین۔

حضور ختم الرسل ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو خالق کائنات جلّ وعلانے اپنے قرب کے انتہائی مقام پر فائز فرمایا جہاں کوئی نہ پہنچ سکا اور کمالات عالیہ عنایت فرما کر پوری کائنات میں ممتاز اور فائق فرمایا، اور قاسمِ فیضانِ الٰہی بنا کر شرفِ خلافتِ مطلقہ عطا فرمایا۔ اس لئے جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ آپ ﷺ کے توسل سے ہی ملتا ہے۔ اس پر حدیث "**انما انا قاسم و اللہ یعطی**" ناطق ہے۔ آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والی اشیاء بھی متبرک اور قابلِ احترام ہوتی ہیں۔ وہ حضرات جنہیں آپ ﷺ سے ایمان کے ساتھ کسی طرح کی بھی نسبت ہو، وہ قابل صد احترام ہیں۔ آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والے دو طبقے ہیں، ایک طبقہ کے لوگ وہ ہیں جو آپ ﷺ کے خاندان کے افراد ہیں اور آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں جنہیں اہل بیت کہتے ہیں۔ اور ایک طبقہ کے لوگ وہ جو آپ ﷺ سے خاندانی نسبت نہیں رکھتے مگر آپ ﷺ پر ایمان لائے انہیں صحابی کہتے ہیں۔ دونوں طبقات کی نسبت آپ ﷺ سے ہے اسی وجہ سے دونوں طبقات کی محبت و عزت و احترام لازم ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بغض و نفرت دوسرے کی نفرت و بغض کو مستلزم ہے کیونکہ دونوں کی علت ذاتِ پاک مصطفی ﷺ ہے۔ لہٰذا اہل بیت سے محبت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام ؓ کی محبت بھی لازمی ہے اور صحابہ کرام کی محبت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کی محبت بھی لازمی امر ہے۔

اہل بیت کی محبت کی آڑ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں گستاخی و بے ادبی سخت ترین جرم و گناہ وزندیقیت ہے۔

امام ابو زرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم الرازی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۶۴ھ کا یہ ارشاد بہت سے اکابر نے نقل کیا ہے:

اذا رأیت الرجل ینتقص احدًا من اصحاب رسول اللہ ﷺ فانہ زندیق وذٰلک ان الرسول عندنا حق والقرأن حق وانما ادیٰ الینا ھٰذا القرأن والسّنن اصحاب رسول اللہ ﷺ وانمایریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسّنۃ والجرح بھم اولیٰ وھم زنادقۃ۔

”جب کسی کو صحابہ کرام میں سے کسی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے نزدیک برحق ہیں، قران حق ہے اور یہ قرآن و سنت ہمیں اصحابِ رسول ﷺ نے ہی پہنچایا ہے (جو لوگ صحابہ ث پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کریں تا کہ اس طرح سے وہ کتاب و سنّت کو مجروح کر سکیں ایسے لوگ خود قابلِ جرح ہیں اور زندیق ہیں۔“

ہمارے اس دور میں اپنے آپ کو سادات گر داننے والے کچھ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بہت بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ ایسا کہنے والا قطعی طور پر سید نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حرامی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی شان اور رتبہ ہے۔ بار گاہِ رسالت ﷺ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، حضور خاتم النبیین ﷺ نے آپ کے بارے میں ہادی اور مہدی کے الفاظ استعمال کئے، مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے ان کے بارے میں مختلف دعائیں فرمائیں۔

چنانچہ سیدنا عبد الرحمن بن ابی عمر فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ان الفاظ میں دعا فرمائی:

اللّٰھم اجعلہ ھادیًا مھدیًّا و اھدہ و اھد بہٖ۔

اے اللہ! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کے لئے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ فرما اور ان کو ہدایت دے اور ان کو دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا۔[501]

ایک اور روایت میں جو سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، سید دو عالم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے:

اللّٰھمّ علّم معاویۃ الکتاب و الحساب و قہ العذاب۔

"اے اللہ! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذابِ جہنم سے محفوظ فرما۔"[502]

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و لا ارتیاب ان دعاء النبی ﷺ مستجاب فمن کان ھٰذا حالہ فکیف یرتاب فی حقہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا یقینا قبول ہوتی ہے لہٰذا جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے بارہ میں ان کی قبولیت میں کس طرح شک کیا جا سکتا ہے۔"[503]

---

501 (التاریخ الکبیر ۴:۳۲۷، طبرانی المعجم الاوسط ۱:۳۸۰، ترمذی ۲:۲۱۱، اسد الغابہ ۴:۳۸۶، البدایہ و النہایہ ۸:۱۲۱، تاریخ الاسلام للذہبی ۲:۳۱۹، حلیۃ الاولیاء ۸:۳۵۸، طبقات ابنِ سعد ۷:۱۳۶، تاریخ بغداد ۱:۲۰۸، الاصابہ ۲:۴۰۶، وقال الترمذی حسن غریب، الفتح الربانی ۲:۳۵۶، تہذیب الاسماء و اللغات للنووی رحمۃ اللہ علیہ ۲:۱۰۳)

502 (مسند امام احمد ۴:۱۲۷، تاریخ الاسلام للذہبی رحمۃ اللہ علیہ ۲:۳۱۸، البدایہ و النہایہ ص ۱۲۱، کنز العمال ۷:۸۷، الاستیعاب ۳:۳۸۱، انساب الاشراف بلاذری ۴:۱۰۷، مجمع الزوائد ہیثمی ۹:۳۵۶، صحیح ابن حبان ۱۰:۱۲۹، الاصابہ ۱:۳۸۵)

503 (مرقاۃ ۱۱:۱۳۸)

اس حدیث میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے ایک تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے علم الکتاب کی دعا فرمائی اور دوسرے علم الحساب کی، جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے، اور تیسرے وقه العذاب کی تاکہ دنیامیں امورِ خلافت کی انجام دہی میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو آخرت میں اس پر مواخذہ نہ ہو، یہ تینوں دعائیں کسی معمولی آدمی کے لئے نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ صرف اس کے لئے ہو سکتی ہیں جس سے خاص محبت اور الفت کا رشتہ ہو۔

الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ مختلف اوقات میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے آپ کو تعلیمِ کتاب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ و مصئون رہنے کی دعا فرمائی۔ اور ایک امتی کے لئے سب سے بڑا سرمایہ حیات یہی ہے کہ اس کا نبی اس دنیامیں اس کے لئے تعلیم کتاب فہم دین اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی انہی دعاؤں کے اثرات تھے کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے صفتِ عدل سے نوازا، اور ان کے عدل و انصاف اور وسیع القلبی اور لوگوں کے ساتھ مروت و عدالت سے پیش آنے کی بناء پر کوئی ان کو "المهدی" کہنے پر مجبور ہوتا۔ [504]

اور کوئی ان کو "المصحف" کہتا۔ [505]

اور کوئی انہیں عدل و انصاف کا پیکر کہتا۔

---

504 (العواصم من القواصم ص ۲۰۵ تعلیقه، البدایه والنهایه ۸:۱۳۵)

505 (البدایه والنهایه ۸:۱۲۱)

چنانچہ امام اعمشؒ کی مجلس میں ایک روز سیدنا عمر بن عبد العزیز کا تذکرہ چل پڑا۔ امام اعمشؒ نے فرمایا: اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کو پالیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا۔" لوگوں نے پوچھا: "حضرت! کس چیز کا پتہ چل جاتا؟ ان کے حلم و بردباری کا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ ان کے عدل و انصاف کا۔"[506]

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سرکارِ دوعالم ﷺ کی نظر شفقت کا اس حدیث سے بھی پتہ چلتاہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایاہے۔

سیدنا عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی بات کے بارے میں مشورہ چاہا، یہ دونوں حضرات اس بارے میں کچھ نہ کہہ سکے اور دربارِ رسالت پناہ میں عرض کر دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتاہے، آپ ﷺ نے ان کا یہ جواب سن کر فرمایا: **ادعوا معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔** "معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ۔"

سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کو قریش کے دو آدمیوں پر اس قدر یقین نہیں کہ قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کو طلب فرمارہے ہیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھو کیونکہ: **فانّہ قویّ امینٌ** (کیونکہ یہ قوی اور امین ہیں)۔[507]

---

[506] (العواصم من القواصم ۳۰۵ تعلیقہ)

[507] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۲، تاریخ الاسلام للذہبی رحمہ اللہ ۲:۳۱۹، مجمع الزوائد ۹:۳۵۵)

تاریخ وحدیث کی کتابوں میں کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت وامارت کے بارے میں کچھ بشارات بھی دی تھیں جن کو آپ کی خلافت کے بارے میں پیش گوئی بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے سرورِ کائنات ﷺ نے ایک یا دو مرتبہ میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا:

یا معاویة! ان ولیت امرًا فاتق اللّٰہ واعدل۔

"اے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اگر تجھے امور مملکت وخلافت سونپے جائیں تو اللہ سے ڈرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔"[508]

اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔

علامہ ابن اثیرؒ اور ابو بکر ابن ابی شیبہؒ وغیرہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

یا معاویة! ان ولیت فاحسن۔

"اے معاویہ ص! اگر امورِ مملکت تجھے سونپے جائیں تو لوگوں سے حسنِ سلوک سے پیش آنا اور امورِ مملکت وخلافت کو احسن طریق سے سرانجام دینا۔"[509]

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے یہ کلمات فرمائے تھے، اسی روز سے مجھے یقین تھا کہ میں حکومت کے معاملات میں ضرور مبتلا ہوں گا، یہاں تک کہ مجھے حکومت مل گئی۔"

---

508 (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۳، مجمع الزوائد ۵:۱۸۶، ۹:۳۵۵، مسند احمد ۴:۱۰۱، تطہیر الجنان ۱۸، دلائل النبوۃ ۶:۴۴۶)

509 (المصنف ابن ابی شیبہ ۱۱:۱۱۷، اسد الغابہ ۴:۳۸۷، البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۳، المطالب العالیہ لابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ ۴:۱۰۸)

اسی وجہ سے علماء نے لکھاہے کہ آپ کو حکومت حضور ﷺ کی دعا کی وجہ سے ملی تھی۔

چنانچہ علامہ خفاجیؒ فرماتے ہیں:

"سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مختلف شہروں اور مملکتِ اسلامیہ کے جو خلیفہ بنے وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا۔"[510]

آپؓ کی خلافت کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی طاقت اور عزم وہمت کے بارے میں بھی حضور ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا:

ان معاویۃ لایصارع احدًا الّا صرعہ معاویۃ۔

"معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بھی نبرد آزما ہو گا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے پچھاڑ دے گا۔"[511]

یہ تو دنیا کی کامیاب وکامرانی کی بشارت تھی، آخرت میں آپ پر انعام ذکر فرماتے ہوئے سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یبعث اللّٰہ تعالیٰ معاویہ یوم القیمۃ وعلیہ رداء من الایمان۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حالت میں اٹھائے گا کہ ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہو گی (جس میں وہ لپٹے ہوئے ہوں گے)۔"[512]

علامہ ذہبیؒ نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

---

510 (نسیم الریاض ۳:۱۲۶)

511 (کنز العمال ۷:۸۷)

512 (کنز العمال ۶:۱۹۰)

اپنے آپ کو جناب رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ چمٹا لیا، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"معاویہؓ! تمارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم سے ملا ہوا ہے؟"۔

امیر معاویہؓ نے عرض کی:

"یا رسول اللہ! میرا پیٹ اور سینہ آپ ﷺ کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔"

یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے دعا کے طور پر فرمایا:

اللّٰھمّ املأہ علمًا۔

اے اللہ! اس کو علم سے بھر دے!۔

حافظ ذہبیؒ نے فرمایا:

زادابو مسھر و حلماً۔

ابو مسہر نے اپنی روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے علم کے ساتھ حلم کی بھی دعا فرمائی: "یعنی اے اللہ اس کے سینے اور پیٹ کو علم اور حلم سے بھر دے۔"[513]

جناب خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کی انہی دعاؤں اور پیش گوئیوں کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعتِ قلبی اور حلم سے نواز تھا اور حضور ﷺ کے ارشاد گرامی **ان ولیت فاحسن** پر آپ نے اس طرح عمل فرمایا کہ تاریخ میں اس کی مثال شاید ہی ڈھونڈے سے ملے۔ جتنا کوئی آپ کی مخالفت کرتا اور آپ کو ایذا اور تکلیف دیتا اُتنا ہی اس کے ساتھ نیک سلوک فرماتے اور ہر ممکن طریق سے اس کی تالیفِ قلب فرماتے، اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ آپ کو "سید کریم" فرمایا کرتے تھے۔

---

513 (تاریخ الاسلام ۲:۳۱۹، التاریخ الکبیر ۴:۱۸)

ابن تیمیہ نے آپؓ کی سیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کو یوں لکھا ہے:

من المعلوم من سیرۃ معاویۃ انه کان من احلم الناس و اصبرھم علی من یؤذیه و اعظم الناس تالیفًا لمن یعادیه۔[514]

"آپ کی سیرت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ حد درجہ حلیم وبردبار تھے اور ایذاء دینے والے کی ایذاء کو سب سے زیادہ صبر و تحمل اور بردباری سے برداشت کرتے اور جو کوئی ان کی مخالفت کرتا آپ اس کی تالیفِ قلب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھتے۔"

آپ کی اسی وسعتِ قلبی اور بُردباری سے متاثر ہو کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی اور بڑے بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالب اپنے بھائی کو چھوڑ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملے اور جنگ صفین میں سید معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو کر اپنے بھائی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ لڑی۔

چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ لکھتا ہے:

وفارق (عقیل) اخاہ علیّاً امیر المؤمنین فی ایّام خلافته وھرب الیٰ معاویۃ وشھد صفین معه۔[515]

"عقیل اپنے بھائی علی امیر المؤمنین سے ان کے ایامِ خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے گئے اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے) صفین کی جنگ لڑی۔"

514 (منهاج السنّة ۲:۲۱۹)

515 (عمدۃ الطالب فی الانساب آل ابی طالب ص ۱۵)

آپؐ کی وسعتِ قلبی، بردباری اور عدل و انصاف کی ایک نہیں سینکڑوں مثالیں تاریخ کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفخری ص ۱۴۵، العقدالفرید ۲:۳۰۴، ۱۶۵، مروج الذھب ۵:۴۱۰)

لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حلم اور بردباری کو اپنی کتابِ زندگی کا ایک امتیازی باب بنالیا تھا۔[516]

آپ اکثر فرماتے تھے:

اِنی لارفع نفسی من ان یکون ذنب اعظم من عفوی او جھل اکثر من حلمی او عورۃ لا اواریھا بستری او اسائۃ اکثر من احسانی۔

"میں اپنے نفس کو اس امر سے بچاتا ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے یا کوئی خطا ایسی ہو جسے دامن میں نہ چھپا سکوں یا کوئی ایسی برائی ہو جس کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں۔"[517]

آپ کا یہ قول بھی تاریخ کی کتابوں میں جلی حروف میں ملتا ہے:

انی لاحول بین الناس و بین السنتھم مالم یحولوا بیننا و بین سلطاننا (ملکنا)۔

"میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔"[518]

---

516 (ھسٹری آف دی عربز، پروفیسر ھٹی انگریزی)

517 (طبری ۶:۱۸۷، البدایہ والنہایہ ۸:۱۳۵، ابن الاثیر جلد ۳)

518 (طبری ۶:۳۳۶، الکامل لابن الاثیر ۳:۲۶۳، تاریخ الاسلام و الحضارۃ الاسلامیہ ۲:۱۴۷)

آپ کی وسعتِ قلبی اور حلم وبردباری کا تذکرہ لسانِ نبوت نے ان الفاظ میں فرمایا:

احلم امّتی معاویۃ۔

”میری امت میں سب سے بڑا حلیم اور بردبار معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔“[519]

غرضیکہ حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر آپؓ کی انتہائی تعریف فرمائی اور آپ کے متعلق بعض وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن کی وجہ سے آپ کو بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر امتیاز حاصل ہے۔

اسی وجہ سے ۴۱ھ میں تمام امت نے متفقہ طور پر آپؓ کو ساری دنیائے اسلام کا خلیفہ منتخب کر لیا اور سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔[520]

فتح مکہ تک تو آپ نے اپنا اسلام گھر والوں سے چھپائے رکھا۔[521]

لیکن فتح مکہ کے بعد آپ نے حضور رسالت مآب ﷺ کی ہم رکابی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا اور اپنی شجاعت وبہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ آپ نے غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شرکت فرمائی اور حضور ختمی مرتبت ﷺ نے آپ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت فرمایا۔[522]

---

519 (تطہیر الجنان بر حاشیہ صواعق محرقہ از ابن حجر مکی ص ۵۵)

520 (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ۸:۴۱، فتح الباری ۱۳:۵۳، مہیج الاحزن ۴۸، ناسخ التواریخ ج۶ کتاب دوم ص ۷۹، بخار الانوار از ملا باقر مجلسی جلد ۱۰ ص ۱۲۴ وغیرہم)

521 (البدایہ والنہایہ ۸:۱۱۷، تطہیر الجنان لمعاویۃ بن ابی سفیان ص ۱۰، حیوۃ الحیوان ۱:۱۰۴، الاصابہ تذکرۃ معاویہ اسد الغابہ ۴:۳۸۵)

522 (الاستیعاب ۳:۳۷۷)

صرف علمی اور عملی لحاظ ہی سے آپ کو دربار رسالت میں قرب حاصل نہیں تھا بلکہ نسبی اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ کو حضور ختمی مرتبت سے تعلق اور قرب حاصل تھا، ایک تو چو تھی پشت میں آپ ﷺ سے ملتے تھے اور دوسرے آپ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے حقیقی بھائی تھے، اس لحاظ سے آپ آنحضرت ﷺ کے برادرِ نسبی اور مسلمانوں کے ماموں تھے۔

کتابِ وحی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بناء پر سرکارِ دوعالم ﷺ کو آپ پر خاص اعتماد تھا، اسی اعتماد کی وجہ سے بارگاہِ رسالت سے آپ کو کتابتِ وحی کا منصبِ جلیلہ عطا ہوا۔[523]

خود شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:

کان (معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) احد کتّاب رسول اللہ ﷺ۔

"معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے۔"[524]

آپ کا کاتبِ نبویؐ ہونا تاریخ کی سب کتابوں میں مرقوم ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے مفضل الخلابی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے:

ان زید بن ثابت کان کاتب وحی رسول اللہ ﷺ و کان معاویۃ کاتبہ فیما بینہ و بین العرب۔

---

[523] (تقریب التہذیب ص ۳۵۷، کنز العمال ۲:۲۴۹، البدایہ والنہایہ ۸:۱۱۸، آداب السلطانیہ للفخری ص ۱۴۵، النجوم الزاہرہ ۱:۱۵۴، الاستیعاب ۳:۳۲۵)

[524] (ابن ابی الحدید ۱:۲۳۸)

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی وحی کے کاتب تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ اور عرب کے دوسرے قبائل یا ملوک کے درمیان خط و کتابت کا فریضہ سر انجام دیتے تھے۔"[525]

اگرچہ علامہ ذہبیؒ نے اس روایت کو نقل تو کر دیا ہے لیکن دوسری روایت اس کی تردید کرتی ہے، لہٰذا مختلف روایات کے درمیان تطبیق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف وحیِ الٰہی کے کاتب تھے لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحیِ الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کے دوسرے امور کی کتابت بھی سر انجام دیتے تھے۔

چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے اسی صفحہ پر سند صحیح کے ساتھ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے:

كنت العب فدعاني رسول الله ﷺ فقال ادع لي معاوية وكان يكتب الوحي۔

"میں کھیل رہا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہؓ کو بلاؤ اور معاویہؓ وحی لکھا کرتے تھے۔"[526]

اس سلسلہ میں ایک روایت مسند احمد میں بھی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر لاؤ۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں حضور ا کے کاتبِ وحی

---

525 (تاریخ اسلام للذهبی ۲:۳۱۸)

526 (تاریخ اسلام للذهبی ۲:۳۱۸)

تھے، چنانچہ میں دوڑتا ہوا گیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرکارِ دوعالم اکا یہ پیغام دیا کہ سرکارا آپ کو بلا رہے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو تم سے کوئی کام ہے۔"[527]

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ صرف سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مراسلات اور فرامین کی کتابت فرماتے تھے، بعض نے لکھا ہے کہ صرف وحی کی کتابت فرماتے تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ وحی اور فرامین و مراسلات دونوں کی کتابت فرماتے تھے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ آپ وحی کی کتابت فرماتے تھے۔[528]

اور طبرانی نے بسند حسن روایت کیا ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورا کی کتابت کیا کرتے تھے، یعنی وحی کی بھی اور مراسلات و فرامین کی بھی۔[529]

چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے کہا کہ:

"ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم انے مسعود بن وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر ان کی قوم کی طرف مراسلہ بھیجا جو آپ انے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لکھوایا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، کیسے لکھوں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: پہلے بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم لکھو اس کے بعد دوسرا مضمون جو میں لکھواؤں وہ لکھو، چنانچہ آپؓ نے ایسے ہی لکھا۔"[530]

---

527 (مسند امام احمد ص ۳۳۵)

528 (البدایہ والنہایہ ۸:۲۱)

529 (مجمع الزوائد ۹:۳۵۷)

530 (الاصابہ ۳:۳۹۳)

تاریخ میں مختلف فرامین کا ذکر ملتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بنو امیہ کے اس نوجوان سے لکھوائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ان پر کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک شخص سیدنا وائل بن حجر الکندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے ہیں، یہ اپنی قوم کے رئیس اور اپنے علاقے کے سردار تھے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے لئے بڑی دعائیں فرمائیں، وہ حضرموت سے آکر مسلمان ہوئے، نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک قطعہ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا، نبی اکرم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جاؤ اور ان کے لئے ایک قطعہ اراضی متعین کرکے ان کی تحویل میں دے دو، حضور ﷺ نے ساتھ ہی ان کے لئے ایک مکتوب تحریر کرایا جس میں سیدنا وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے اور میرے اہل خانہ کے لئے مزید مال و متاع کے لئے ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔ اس کی تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل فرمائی ہے۔[531]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ محدّثین اور اصحابِ تاریخ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سیدنا بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساحل البحر کے علاقہ معاون القبیلۃ میں چند قطعاتِ اراضی عنایت فرمائے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں ایک وثیقہ تحریر کروا کر انہیں عطاء فرمایا۔[532]

---

531 (تاریخ الکبیر ۱۷۵:۴، اسد الغابہ ۵:۸۱، الاصابہ ۳:۵۹۲، صحیح ابن حبان ۹/۱۰:۱۲۶، تحت وائل بن حجر الکندی ص)

532 (المستدرک حاکم ۳:۵۱۷، معجم البلدان ۱۵:۳۰۷)

محدثین نے اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے جس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتبِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہونے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نزدیک ان کے با اعتماد ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مشہور صحابی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا ایک والانامہ ارسال فرمایا، اس مراسلہ کے جواب میں قیصر روم کا خط لے کر اس کا قاصد التنوخی حضور سرکارِ دوعالم اکی خدمت میں حاضر ہوا۔

ہرقل روم کا قاصد التنوخی بیان کرتا ہے کہ:

''سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مقامِ تبوک میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان تشریف فرماتھے۔ میں ہرقل کا خط لے کر وہاں گیا۔ میں آپ اکو نہیں پہچانتا تھا، میں نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کہ محمد (ا) کون ہیں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں ہوں۔ میں نے وہ مکتوب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لئے دیا، جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ مکتوب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں لکھا تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین وآسمان کے برابر ہے تو فرمایئے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ (گویا کہ یہ ایک سوال تھا جو قیصر روم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے پوچھا تھا)۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

سبحان اللہ! اذا جاء اللیل فاین النہار؟

سبحان اللہ! جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟

جب یہ مراسلہ پڑھ لیا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے قیصرِ روم کے قاصد سے فرمایا کہ:

"آپ مکتوب لانے والے ہیں اور پیغام رساں کا احترام اور حق ہوتا ہے، ہم چونکہ اس وقت مسافرت میں ہیں، اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ہدیہ یا عطیہ ہوتا تو ہم آپ کو ضرور دیتے۔"

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی یہ بات سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص اٹھا اور عرض کی کہ میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں، چنانچہ وہ شخص اپنے سامان میں سے ایک نہایت عمدہ پوشاک نکال کے لایا اور اسے میری گود میں رکھ دیا، میں نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بعد ازاں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ اس قاصد کو کون اپنے ہاں ٹھہرائے گا؟ اس پر انصار کا ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور مجھے اپنے پاس ٹھہرایا۔[533]

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امورِ مملکت کے نہایت اہم خطوط نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑھواتے تھے اور انہی سے ان کے جواب بھی لکھواتے تھے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

---

533 (مسندامام احمد ۳:۴۴۱، البدایہ والنہایہ ۴:۷۴، مجمع الزوائد ۵:۱۶، ۸:۲۳۵)

نے بعض تحریرات اور وثیقہ جات پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کو بھی بطورِ گواہ پیش کیا۔[534]

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ جو اسلام کے چار ستون تھے، جہاں انہوں نے اپنی گواہی ثابت کی وہیں حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی گواہ کے طور پر دستخط ثبت کرنے کے لئے فرمانا، ان کی کتابِ زندگی کا ایک نہایت پُر اعتماد باب ہے، بلکہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی یہ ایک پیش گوئی تھی کہ میرے پہلے یہی پانچ خلفاء ہیں جو تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تحریر پر بطور گواہ اپنے دستخط ثبت فرمارہے ہیں۔[535]

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتبِ وحی ہونے کو شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ ابن ابی الحدیدؒ کا حوالہ تو ہم پہلے نقل کرچکے ہیں لیکن یعقوبی جو شیعہ فرقہ کا ستون سمجھا جاتا ہے، اس نے بھی صاف الفاظ میں اقرار کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کاتبانِ وحی میں سے تھے اور نہ صرف وحی بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فرامین اور مراسلات بھی اکثر آپؓ ہی تحریر فرماتے تھے۔

چنانچہ لکھا ہے:

وکان کتابہ الّذین یکتبون الوحی والکتب والعھود علی بن ابی طالب وعثمان بن عفان وعمرو بن العاص بن امیّہ ومعاویۃ بن ابی سفیان و شرجیل بن حسنۃ۔

---

534 (ملاحظہ ہو سیرت الحلبیہ ۳:۲۴۱)

535 (سیرت حلبیہ ۳:۲۴۰)

"اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کاتبین جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے وحی، مراسلات و معاہدات اور مواثیق وغیرہ لکھا کرتے تھے، وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمرو بن العاص بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہم تھے۔"[536]

ہماری اس بات کی تائید ابن حزم اور علی بن برہان الدین الحلبی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

وکان زید بن ثابت من الزم النّاس لذٰلک ثمّ تلاہ معاویۃ بعد الفتح فکانا ملازمین لکتابتہ بین یدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الوحی وغیر ذٰلک لا عمل لھما غیر ذٰلک۔

"سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فتح مکہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ اکی خدمت میں کتابت کے لئے ہمیشہ حاضر رہنے والے لوگوں میں سے تھے، چاہے وہ کتابت وحی کی ہو یا غیر وحی کی۔"[537]

آپ کے کاتبِ وحی ہونے کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں بھی ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں:

(الاستیعاب ۳:۳۷۵، الاصابہ ۳:۴۱۲، مجمع الزوائد ۹:۳۵۷، زاد المعاد ۱:۳۰)

---

536 (تاریخ یعقوبی ۲:۸۰)

537 (جوامع السیرۃ ص ۲۷)

روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ یہ ذمہ دارانہ منصب حضور ﷺ نے اللہ رب العزت کے حکم سے عطا فرمایا چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین بارگاہِ رسالت میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ:

یا محمد اقراء معاویۃ السلام و استوص بہٖ خیرًا فانہ امین اللہ علیٰ کتابہٖ و وحیہ و نعم الامین۔

"اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم)! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کہیئے اور اس کو نیکی کی تلقین کیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں ور بہترین امین ہیں۔"[538]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کاتبِ وحی بنانے کے لئے حضور ختمی مرتبت انے جبریل امین سے مشورہ فرمایا، جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا:

استکتبہ فانہ امین۔

"آپ ان کو کاتب وحی بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں۔"[539]

اگر آپ کی امانت کے متعلق جبرئیل امین کی یہ گواہی نہ بھی ہوتی تب بھی آپ کا صرف کتابتِ وحی کے منصب پر فائز رہنا ہی آپ کے امین ہونے کے لئے کافی تھا کیونکہ جس طرح وحی لانے والے کے لئے امین ہونا شرط ہے تاکہ وہ وحی الٰہی کے لانے میں کوئی خیانت نہ کرسکے، اسی طرح کاتبِ وحی کے لئے بھی امین ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کتابتِ وحی میں کوئی خیانت نہ کرسکے۔ لہٰذا جس طرح آپ کا کاتبِ وحی ہونا مسلّم ہے اسی طرح آپ کا امین ہونا بھی مسلّم ہے۔

---

538 (البدایہ والنہایہ ۱۲۰:۸)

539 (البدایہ والنہایۃ ۱۲۰:۸)

كما لا يخفىٰ على من له ادنىٰ من الفهم۔

کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ آپ کو عطا فرمایا جانا جہاں آپ کی دینی اور علمی علوّ مرتبت کی دلیل ہے وہاں آپ کی علمی اور فکری بلندی کی بھی دلیل ہے کیونکہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں صرف سترہ (۱۷) آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں ایک سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔[540]

پورے مکہ میں جبکہ صرف سترہ یا بیس لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آپ کا کتابت کے فن سے واقف ہونا آپ کی بہترین تربیت اور علمی بلندی کی دلیل ہے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عادل، ثقہ اور صالح صحابی ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے گھر آپ کی حقیقی ہمشیرہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ بڑے عالم اور مجتہد صحابی ہیں۔ آپ کے لئے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دعا فرمائی۔ آپ کی شان میں گستاخی کرنا اور آپ کو برا کہنا رفض ہے۔ ایسا شخص ہر گز ہر گز سُنی نہیں ہے۔ اس کے پیچھے ہر گز ہر گز نماز نہ پڑھی جائے۔ ایسا شخص حلالی نہیں ہے، بلکہ ولدِ زنا ہے۔

جیسا علامہ شامی نے لکھا ہے:

من طعن فی علماء امة لا یلو من الا اُمّه۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

"اللہ اللہ فی اصحابی۔۔الخ"۔

میرے صحابہ کے معاملے اللہ سے ڈرو۔

540 (الحضارة الاسلامیه ص ۲۶)

یعنی ان کی عزت و عظمت و حرمت کا خیال رکھو۔ کیونکہ صحابی کا نصف سیر جو گندم خیرات کرنا دوسروں کے لاکھوں من سونا خیرات کرنے سے افضل و بہتر ہے۔ دین ہمیں صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے توسل سے ہی ملا ہے دونوں میں کسی کی تنقیص و توہین سے دین کے معتمد بہ حصہ سے انکار لازم ہے۔

جو لوگ صحابہ کرام کی گستاخی کرتے ہیں وہ سخت ترین گمراہ ہیں اگرچہ وہ سید ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل چیز ایمان اور عقیدہ ہے اگر عقیدہ خراب ہے یعنی کوئی شخص سید بد عقیدہ (مثلاً خارجی، رافضی، وہابی نجدی، قادیانی وغیرہ) ہو جائے تو وہ سادات سے نکل جاتا ہے۔ اور اسے سید کہنا بھی درست نہیں۔ قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں جب اس نے عقیدتاً و عملاً اپنے والد محترم جو اللہ کے نبی تھے کا انکار کیا اور ساتھ نہ دیا تو اللہ نے فرمایا:

"انہ لیس من اھلک۔۔الخ"۔

یعنی وہ تمہارے اہل بیت میں سے نہیں ہے۔

صحابہ کرام اور اہل بیت کرام آپس میں مثالی محبت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کا احترام فرماتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہماری آپس کی محبت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی وجہ سے ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ مبارک کو غور اور محبت سے کیوں دیکھتے ہیں۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے سنا کہ علی کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔"

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد محترم سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ حضور ا کے بعد سب سے افضل کون ہے تو آپؓ نے فرمایا ابو بکر صدیق ص۔۔۔الخ ایک مرتبہ ایک صحابی کی نماز جنازہ پڑھانے تشریف لائے واپسی پر جب وہ سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سواری کی رکاب کو پکڑ کر احتراماً اوپر کر دیا تاکہ وہ صحابی آرام سے سوار ہو جائیں تو ان صحابی نے کہا آپ نے ایسے کیوں کیا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہمیں اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل علم کی اسی طرح تعظیم کریں۔ تو ان صحابیؓ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل بیت کی اس طرح تعظیم کریں۔ (سبحان اللہ)

صحابہ کرام اور اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بشری تقاضوں کے پیش نظر کوئی رنجش ہو بھی گئی ہو تو وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر چھوڑ دی جائے گی اور دونوں گروہوں کے متعلق خیر کی بات ہی کہنی لازم ہے کیونکہ دونوں نے صحبتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے فیض پایا ہے اور دونوں گروہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے محبوب ہیں اور دونوں کی عزت و حرمت کی تلقین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمائی ہے اور قرآن کریم نے ان تمام حضرات کو "رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ" کی بشارت عطا فرمائی ہے۔

لٰہذا اسادات حضرات بھی اس بات کو نگاہ میں رکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں توہین و بے ادبی کتنا سنگین جرم ہے کہ اس بے ادبی و گستاخی کی وجہ سے سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ناراضگی لازم آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی، اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت عطا فرمائے اور ان کی عزت و حرمت کا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرمائے بلکہ ہر مؤمن مسلمان کی محبت اور عزت ہمیں عطا فرمائے اور ہمیں صالحین کے ساتھ قیامت میں اٹھائے۔آمین بجاہ النبی الکریم۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اپنے اہلِ بیت کے بارے میں وصیت کا بیان

عن أبی سعید عن النّبی ﷺ قال: ألا انّ عیبتی الّتی آوی الیھا أھل بیتی، و انّ کرشی الأنصار۔ فاعفوا عن مسیئھم و اقبلوا من محسنھم۔ رواہ التّرمذی و ابن أبی شیبۃ۔ و قال أبو عیسی: ھذا حدیث حسنٌ۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! میرا جامہ دان جس سے میں آرام پاتا ہوں میرے اہل بیت ہیں اور میری جماعت انصار ہیں۔ ان کے بُروں کو معاف کر دو اور ان کے نیکوکاروں سے (اچھائی کو) قبول کرو۔“ اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[541]

عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: انّی تاركٌ فیکم خلیفتین: کتاب اللہ حبلٌ ممدودٌ ما بین السّماء والأرض۔ أو ما بین السّماء الی الأرض، وعترتی أھل بیتی، و انّھما لن یّتفرّقا حتی یردا علیّ الحوض۔ رواہ أحمد۔

---

[541] (أخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب، باب: فی فضل الأنصار وقریش، ۷۱۳/۵، الرقم: ۳۹۰۴ و ابن أبی شیبۃ فی المصنف، ۳۹۹/۶، الرقم: ۳۲۳۵۷، والشیبانی فی الآحاد والمثانی، ۳۳۲/۳، الرقم: ۱۷۱۶، و ابن سعد فی الطبقات الکبری، ۲۵۲/۲)

”حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: بے شک میں تم میں دو نائب چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جو کہ آسمان و زمین کے درمیان پھیلی ہوئی رسی (کی طرح) ہے اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت اور یہ کہ یہ دونوں اس وقت تک ہرگز جدا نہیں ہوں گے جب تک یہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہیں پہنچ جاتے۔“ اس حدیث کو امام احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے۔[542]

عن عبد الرّحمٰن بن عوف قال: افتتح رسول الله ﷺ مكّة ثم انصرف الى الطّائف فحاصرهم ثمانية أو سبعة، ثمّ أدخل غدوة أو روحة ثم نزل ثمّ هجر۔ ثم قال: أيّها النّاس، انّي لكم فرطٌ وانّي أوصيكم بعترتي خيرًا، وانّ موعدكم الحوض۔۔۔۔ الحديث۔ رواه الحاكم، وقال: هذا حديث صحيحٌ۔

”حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مکہ فتح کیا پھر طائف کا رخ کیا اور اس کا آٹھ یا سات دن محاصرہ کئے رکھا پھر صبح یا شام کے وقت اس میں داخل ہو گئے پھر پڑاؤ کیا پھر ہجرت فرمائی اور فرمایا: اے لوگو! بے شک میں تمہارے لئے تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا اور بے شک میں تمہیں اپنی عترت کے ساتھ نیکی کی وصیت کرتا ہوں اور بے شک تمہارا ٹھکانا حوض ہو گا۔۔۔ الحدیث۔“ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[543]

---

542 (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۵/۱۸۱، الرقم: ۲۱۶۱۸، والهيتمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۶۲)

543 (أخرجه الحاكم فی المستدرک، ۲/۱۳۱، الرقم: ۲۵۵۹)

عن زید بن أرقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: أیّھا النّاس، انی تاركٌ فیکم أمرین لن تضلّوا ان اتّبعتموھما، وھما: کتاب اللہ، وأھل بیتی عترتی۔ ثمّ قال: أتعلمون أنّی أولی بالمؤمنین من أنفسھم ثلاث مرّاتٍ قالوا: نعم، فقال رسول اللہ ﷺ: من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ۔ رواہ الحاکم وقال الحاکم: صحیحٌ۔

”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں اور اگر تم ان کی اتباع کروگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور وہ دو چیزیں کتاب اللہ اور میرے اہل بیت ہیں پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو میں مؤمنین کی جانوں سے بڑھ کر ان کو عزیز ہوں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایسا تین مرتبہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: ہاں یارسول اللہ! تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا مولی ہے۔“ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[544]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لمّا نزلت ھذہ الآیۃ: {قل لا أسئلکم علیہ أجرًا الّا المودّۃ فی القربی} قالوا: یا رسول اللہ، من قرابتک ھؤلاء الّذین وجبت علینا مودّتھم؟ قال: علیّ وفاطمۃ وابناھما۔ رواہ الطّبرانی۔

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت: {قل لا أسئلکم علیہ أجرًا الا المودّۃ فی القربیٰ} نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی قرابت کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ

---

544 (أخرجہ الحاکم فی المستدرک، ۳/۱۱۸، الرقم: ۴۵۷۷)

وسلم نے فرمایا: علی، فاطمہ، اور ان کے دو بیٹے (حسن و حسین)۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[545]

عن زيد بن أرقم رضى الله تعالىٰ عنه فى رواية طويلة: قال: قال النّبى صلى الله عليه وآله وسلم: انظروا كيف تخلفونى فى الثقلين۔ فنادى منادو ما الثقلان يا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، قال: كتاب الله طرف بيد الله وطرف بأيديكم فاستمسكوا به لا تضلّوا، والآخر عترتى وانّ اللّطيف الخبير نبّأنى أنّهما لن يّتفرّقا حتى يرادعلىّ الحوض، سألت ربّى ذلك لهما، فلاتقدّموهما فتهلكوا، ولا تقصروا عنهما فتهلكوا، ولا تعلموهم فانّهم أعلم منكم ثمّ أخذ بيد علىّ فقال: من كنت أولى به من نفسى فعلىّ وليّه اللّهم وال من والاه وعاد من عاداه۔ رواه طبرانى۔

"حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: پس یہ دیکھو کہ تم دو بھاری چیزوں سے مجھے کیسے باقی رکھتے ہو۔ پس ایک نداء دینے والے نے ندا دی یارسول اللہ! وہ دو بھاری چیزیں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب جس کا ایک کنارا اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا کنارا تمہارے ہاتھوں میں ہے پس اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگے اور دوسری چیز میری عترت ہے اور بے شک اس لطیف خبیر رب نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں چیزیں کبھی بھی جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ یہ میرے پاس حوض پر حاضر ہوں گی اور ایسا ان کے لئے میں نے اپنے رب سے مانگا ہے۔ پس تم لوگ ان پر پیش قدمی نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ہی ان سے پیچھے رہو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ان کو سکھاؤ کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: پس میں جس

---

545 (أخرجه الطبرانى فى المعجم الكبير، ۳/۶۷، الرقم: ۲۶۸۱، والهيثمى فى مجمع الزوائد ۹/۱۶۸)

کی جان سے بڑھ کر اسے عزیز ہوں تو یہ علی اس کا دوست ہے اے اللہ! جو علی کو اپنا دوست رکھتا ہے تو اسے اپنا دوست رکھ اور جو علی سے عداوت رکھتا ہے تو تو اس سے عداوت رکھ۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[546]

عن مصعب بن عبد الرّحمٰن بن عوف عن أبيه قال: لمّا فتح رسول الله ﷺ مكّة انصرف الى الطّائف فحاصرها سبع عشرة، أو تسع عشرة، ثمّ قام خطيبًا فحمد الله وأثنى عليه۔ ثمّ قال: أوصيكم بعترتي خيراً، وأنّ موعدكم الحوض۔ والّذي نفسي بيده لتقيمنّ الصلاة ولتؤتنّ الزّكاة، أو لأبعثنّ اليكم رجلاً منّي۔ أو كنفسي يضرب أعناقكم۔ ثمّ اخذ بيد عليّ رضي الله تعالىٰ عنه فقال: بهذا۔ رواه البزّار۔

"حضرت مصعب بن عبد الرحمن بن عوف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مکہ فتح کیا اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم طائف کی طرف روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سترہ دن طائف کا محاصرہ کئے رکھا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خطاب کے لئے کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا: میں اپنی عترت کے بارے میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور بے شک تمہارا ٹھکانہ حوض کوثر ہو گا اور نماز قائم کرو گے اور زکوۃ ادا کرو گے یا میں تمہاری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا میری طرح کا ہے اور جو تمہاری گردنیں مارے گا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت علی رضی

---

546 (أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، ٥/١٦٦، الرقم: ٤٩٧١)

اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اس آدمی سے میری مراد یہ ہے۔" اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔[547]

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا لوگوں کو اہلِ بیت کی محبت پر اُبھارنے کا بیان

اہل بیت النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ در حقیقت اس محبت کی محرک اہل بیت کی نسبت ہے۔ جو ذاتِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے مربوط و منسلک ہے اور دوسری وجہ آنجناب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی اپنی ذاتی محبت اپنی نسل پاک سے ہے اور یہ عاشقانہ دستور واصول ہے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بالترتیب محبت ومودت کا موجب ذکر فرمایا ہے:

قال صلی الہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم احبو اللہ تعالیٰ لما یغفر کم بہ من نعمة واحبونی لحب اللہ تعالیٰ واحبوا اھل بیتی لحبی۔

"فرمایا اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں غذا اور نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور میری اہل بیت سے محبت کرو کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔"

---

[547] (أخرجه البزار فی المسند، ۳/۲۵۸، ۲۵۹، الرقم: ۱۰۵، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۶۳)

محبت کے اس ایمان افروز دستور کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس محبوب پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے:

قل لا اسألکم علیہ اجراً الاّ المودّۃ فی القربیٰ (الشوری ۲۳)

فرمادو میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

مفسر روح البیان اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ویجوزان یراد بالقربی اھل قرابتہ قیل یا رسول من قرابتک ھؤلاء الذین وجبت علینا مودتھم قال علی وفاطمہ وابنای ای الحسن والحسین ث۔

"یہ حقیقت ہے کہ قرابت سے مراد آنجناب رسالت مآب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی قرابت اور نسل پاک ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کون قریبی ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔ فرمایا وہ علی فاطمہ اور میرے دو بیٹے حسن اور حسین ہیں رضی اللہ عنہم۔

علماء کرام اور مفسرینِ عظام نے "آل" کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

عترۃ الرجل اھل بیتہ ورھلہ الا؟؟نون والاستعمالھم العترۃ علی انحاء کثیرۃ۔

یعنی کسی شخص کی آل اسکے گھر والے ہوتے ہیں اور وہ افراد جو اس کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اس لئے آل کا استعمال کئی اقسام میں منقسم ہے۔ ایک اہل گھر کے افراد ہیں مثلاً ازواج مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہنّ)۔ دوسرے وہ حضرات جن کا تعلق نسب و نسل سے ہے۔ ان میں سے بعض بہت زیادہ قریب ہیں جیسے حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت امّ کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) اور حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین، حضرت محسن اور انکی بہنیں (اخوات) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ تیسرے وہ حضرات جو ان کی نسبت کچھ دور ہیں جیسے حضرت عباس، حضرت حمزہ اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم۔ چوتھے درجہ میں حضرت عبد المطلب اور حضرت ہاشم کی

اولاد جس پر زکوۃ ممنوع ہے۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔پانچویں درجہ میں ہر متقی اور صالح و مخلص مؤمن بھی آل میں داخل ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں آنحضرت **صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم** نے فرمایا:(**السلمان منا اھل البیت**)اور فرمایا(**اٰلِ محمد کل تقی**)اس اعتبار سے سب صحابہ کرام **رضی اللہ تعالیٰ عنہم** آل میں داخل ہیں۔

یہاں جس آلِ اطہار کا بیان کرنا چاہتا ہوں وہ حضرت فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد ہے۔اگرچہ اس کے ضمن میں آل کے تمام افراد داخل ہونگے لیکن خصوصیّت اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔

جیساکہ مفسرین کرام نے اس ضمن میں وضاحت کی ہے:

والحق وجوب محبة قرابته ﷺ من حیث انّھم قرابته ﷺ کیف کانوا وکلما کانت جھة القرابة اقوی کان طلب المودة اشد فمودة العلویین الفاطمیین الزم من محبة العباسین (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) واٰثار تلک المودة التعظیم والاحترام والقیام باداء الحقوق اتم قیام۔

اہل بیت کی محبت کے مراتب ہیں حق بات یہ ہے کہ جس اہل کو جتنی نزدیک تر قربت ذاتِ فخر موجودات(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)سے ہو گی ان کی محبت کا وجوب بہ نسبت دوسروں کے اتنا ہی زیادہ ہو گا۔لہٰذا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد پاک کی مودّت حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد سے زیادہ ہو گی۔ اہل بیت کرام کی محبت کی علامت ان کی تعظیم واحترام اور محبت کے حقوق کی ادائیگی میں ہے۔

آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت اپنی اہل سے کس قدر زیادہ تھی اس کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جا سکتا ہے:

أخرج ابو سعید عن النبی ﷺ انه قال لا تصلوا علی الصلاۃ البتراء قالوا وما الصلاۃ التبراء یا رسول اللہ قال تقولون اللھم صلی علی محمد وتنکتون بل قولوا اللھم صلی علی محمد وآل محمد۔[548]

"سرور کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا مجھ پر ناقص صلاۃ وسلام نہ پڑھا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا نامکمل صلاۃ کیا ہے۔ فرمایا یہ کہ تم کہتے **اللھم صلی علی محمد** اور پھر خاموش ہو جاتے ہو (ایسا نہ کرو) بلکہ یوں پڑھا کرو **اللھم صلی علی محمد وآل محمد** اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صلاۃ وسلام میں اہل بیت کی عدم شمولیت سے شرف قبولیت کامل نہیں ہوگا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللہ ﷺ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الیٰ الارض وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی۔[549]

"آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے اسے تھاما (یعنی سے عملی اعتبار سے قبول کیا) تو میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ ان دونوں چیزوں میں سے ایک دوسرے سے عظیم تر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) جو ایک طویل رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے، اور دوسری چیز میری اولاد ہے میری اولاد اور

---

548 (خزینۃ الاسرار ص ۱۸)

549 (مشکوٰۃ ص ۵۷۹)

قرآن کریم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے آکر ملیں گے۔ پس لوگو! سوچ لو میرے بعد میری اولاد کے ساتھ تم کیا برتاؤ کروگے۔

فائدہ: اہل بیت کے سلسلہ میں آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک شرط اور معیار بیان فرمایا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ وعدنی ربی فی اھل بیتی من اقر منھم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لا یعذبھم۔[550]

سرور کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میرے رب نے میری اہل بیت سے متعلق میرے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ان کو عذاب سے محفوظ فرمائے گا۔ بشرطیکہ وہ توحید و رسالت پر یقین رکھتے ہوں یعنی اہل بیت کا صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا:

سألت ربی ان لا یدخل النار احدا من اھل بیتی فاعطانی ذلک۔

میں نے اپنے رب سے عرض کی کہ میری اہل بیت کے کسی فرد کو دوزخ میں داخل نہ فرمانا تو میرے رب نے میرا سوال پورا کیا اور میری مراد مجھے عطا فرمائی۔

(شرح) فاستدل بعض العلماء بہ علی ان ذریتہ ﷺ یموتون علی اکمل الاحوال۔

ترجمہ: "بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل بیت کا ہر فرد موت کے وقت اکمل الاحوال پر انتقال کرے گا۔" (یعنی مرتے وقت ان کو ولایت کبریٰ کا درجہ ملے گا۔)

---

550 (رسائل الستہ لابن عابدین الشامی علیہ الرحمہ ص ۵)

حرم شریف کے ایک امام نے علماء کے اس فیصلہ کو پڑھا اور دلائل پر غور کیا تو یقین کر لیا کہ اس کے دلائل قوی ہیں لیکن اس کے بعد پھر خیال آیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اہل بیت کے فرد جو بھی کرتے رہیں (گناہ اور نافرمانی وغیرہ) پھر بھی وہ ولی کامل ہو کر انتقال کریں گے؟ یہ درست نہیں ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اپنے تصنیف شدہ رسائل ستہ میں لکھتے ہیں:

فنظر الیٰ الدلیل فراٰہ قویا ثم استبعد ذلک بما یبلغہ عن شرفاء مکہ المشرفہ فنام فرای حضرت صاحب الرسالۃ (ﷺ) فی منامہ وھو معرض عنہ فقال اتستبعد ان یموت اھل بیتی علی اکمل الاحوال او کما قال فاستیقظ خائفًا ورجع عن ذلک۔[551]

"امام کعبہ نے جب اہل بیت کی فضیلت کے قوی دلائل دیکھنے کے باوجود ان کی فضیلت کو تسلیم نہ کیا کیونکہ اس نے سادات کے بعض نوجوانوں کو اچھے کام کرتے نہیں دیکھا تھا، تو اس نے ایسا خیال کیا تھا۔ خواب میں رسالت مآب ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا جب ملنے کیلئے خدمتِ اقدس کی طرف آیا، تو آپ ﷺ نے اعراض فرمایا اور انکار کر دیا، اس کی معذرت پر فرمایا کہ تجھے میری اہل بیت کی موت علی اکمل الاحوال (ولایت کبریٰ) سے انکار ہے۔ نیند سے خوف زدہ ہو کر بیدار ہوا اور اس جرم سے توبہ کی۔

آلِ بیت النبی ﷺ کی فضیلت میں کئی ایک آیات قران حکیم میں مذکور ہیں۔

ان میں سے ایک یہ آیت مبارکہ ہے:

قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (آل عمران ٦١)

---

551 (رسائل ستہ ص ٦)

”تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔“

آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے کہ نجران کے علاقہ میں رہنے والے نصرانیوں نے اپنے مذہب (نصرانیت) کی حقانیت کیلئے آنجناب نبوت مآب ﷺ سے مباہلہ کی تاریخ متعین کی جب آنے کا وقت آیا تو سرور دو عالم ﷺ نے حضرت حسین کو گود میں اٹھایا اور حضرت حسن کا داہنا ہاتھ پکڑا۔ حضرت فاطمہ پیچھے اور حضرت علی ان کے پیچھے (رضی اللہ عنہم) آپ ﷺ نے ان نفوسِ قدسیہ سے فرمایا میں جو دعا مانگوں تم آمین کہنا۔ اسی اثنا میں نصاریٰ کا وفد بھی پہنچ گیا۔ وفد کے پادری نے وفد سے کہا سنو! مذہب کی تائید اپنی جگہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سامنے نظر آنے والے مقدس و منوّر چہرے اگر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے چل کر ہمارے پاس آجائے تو لازماً آجائے گا۔ اب مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سے مباہلہ نہ کریں اور معافی مانگ لیں ورنہ مباہلہ میں ان کی دعاؤں سے ہمارا دنیا سے نام بھی مِٹ جائے گا۔ اس پر نصرانی متفق ہوگئے۔ ان کی معذرت پر رحمتِ دو عالم نورِ مجسّم ﷺ نے مباہلہ ترک فرمایا اور ان پر تاوان (جزیہ) رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر یہ نصرانی مباہلہ کرتے تو تمام نصرانی اور ان کا علاقہ، درخت اور پرندے درندے سب جل کر راکھ ہو جاتے۔ اور دنیا میں نام کا ایک نصرانی باقی نہ رہتا ان کے لئے آسمان سے آگ اتر رہی تھی، میری دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو واپس لے لیا۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما نزلت ھٰذہ الآیۃ ندع ابنائنا و ابنائکم دعا رسول اللہ ﷺ علیّا و فاطمۃ و حسنًا و حسین, فقال اللّٰھمّ ھٰؤُلاءِ اھل بیتی۔ رواہ مسلم۔

”سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت **نَدْعُ اَبْنَائَنَا وَ اَبْنَائَکُمْ** نازل ہوئی، تو آنحضور ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور یہ

فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، اس کے بعد عیسائیوں سے مباہلہ کے لئے ان چاروں کو لے کر گئے مگر وہ مقابلہ پر نہ آئے۔"[552]

صاحبِ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے متعلق شیعوں کے اعتراضات کے جوابات دے کر آخر میں تحریر فرمایا ہے:

لکنّ ھٰذہ القصۃ تدلّ علی کون ھٰؤُلاء الکرام احبّ النّاس الی رسول اللہ ﷺ۔[553]

یعنی اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں حضرات جناب رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب تھے۔

علماء کرام نے اس آیت کے تحت نتیجہ اخذ کیا کہ:

فعلم انھم المراد من الاٰیۃ وان اولاد فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنھا) وذریتھا یسمون ابنائہ ﷺ وینسبون الیہ نسبۃً صحیحۃً نافعۃً فی الدنیا والاخرۃ۔

"معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں جنکا ذکر ہے وہ حضرات اہل بیت مراد ہیں، اور بلا شبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد آپ ﷺ کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اور ان کی آپکی ذاتِ بابرکات سے جو نسبت ہے بالکل درست اور دنیا اور آخرت میں نفع بخش نسبت ہے۔

اسی نسبت کے اعتبار سے حدیث شریف میں مذکور ہے:

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم الدعاء محجوب حتی یصلی علی محمد واھل بیتہٖ۔ اللّٰھم صلّ وسلم علی محمد واٰلہٖ۔ (الدیلمی)

---

552 (مشکوۃ شریف، ج ۲ ص ۵۶۸)

553 (تفسیر مظھری، ج ۲ ص ۶۲)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: الدعاء محجوب عن السماء حتی یتبع بالصلاۃ علی محمدٍ و آلہٖ۔

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ دعا آسمان سے اس وقت تک پردہ میں رہتی ہے جب تک اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود نہ بھیجا جائے۔“[554]

عن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کل دعاءٍ محجوب عن السماء حتی یصلی علی محمد ﷺ و علی آل محمد ﷺ۔

”حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر دعا اس وقت تک آسمان کے نیچے حجاب میں رہتی ہے جب تک حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود نہ بھیجا جائے۔“[555]

خلاصہ: قرآن و سنت کے دلائل اس پر شاہد ہیں کہ کائنات و ممکنات کا ہر ذرّہ آنحضرت ﷺ کی رحیمانہ شفقت سے ہر وقت مستفیض ہے۔ اور آپ کا وصفِ دائمی ہے کہ دنیا ومافیہا آنجناب کے زیرِ نظر ہے۔

اس کی دلیل ملاحظہ ہو:

قال ان اللہ تعالیٰ رفع لی الدنیا و انا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذا۔

---

554 (عسقلانی، لسان المیزان، ۳: ۵۳، رقم: ۱۵۰)

555 (بیھقی، شعب الایمان، ۲: ۲۱۶، رقم: ۱۵۷۵)

"اللہ تعالیٰ نے دنیا ومافیہا اور قیامت تک ہونے والے حالات میرے سامنے روشن اور ظاہر فرمادیئے ہیں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔"[556]

جو لوگ اہل بیت کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، اور ان کا احترام اور اعزاز بجالاتے ہیں اور جو خدمت کرتے ہیں ان کا بدلہ انہیں دنیا میں بھی ملتا ہے اور قیامت میں بھی دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس سے باخبر ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان خدمت گذاروں کو خواب میں شرفِ زیارت سے مشرف فرماتے ہیں۔

علامہ شامی کتاب الحج میں نقل کرتے ہیں:

في المسامرات عن رجل اراد الحج فحمل الف دينار يتأهب بهافجاء ته امرأة في الطريق وقالت له اني من أل بيت النبي صلى الله عليه وآله وسلم وبي ضرورة فافرغ لها مامعه فلما رجع حجاج بلده صار كلما لقي رجلا منهم يقول له تقبل الله تعالىٰ منک فتعجب من قولهم فرای النبي صلى الله عليه وآله وسلم في نومه وقال له تعجبت من قولهم تقبل الله تعالىٰ منک قال نعم يا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال ان الله تعالىٰ خلق ملكا على صورتک حج عنک و هو يحج عنک الى يوم القيامة باكرامک لامرأة مضطرة من أل بيتي۔[557]

"مسامرہ (کتاب کا نام) میں ہے کہ ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا اور ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان لے کر نکلا تو راستہ میں ایک باپردہ خاتون سامنے آکر کہنے لگی میں سیّد زادی ہوں اور ضرورتمند ہوں، تو اس نے ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان خاتون کو دے دیا اور واپس گھر آگیا جب اس شہر کے حاجی واپس آنے لگے تو شہر کے لوگوں نے ان کا استقبال کیا ان میں یہ شخص بھی تھا، حاجیوں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کا حج قبول فرمائے (آپ پہلے آگئے ہیں) یہ بڑا متعجب ہوا۔ جب سویا تو خواب میں سرور

---

556 (الفتوحات الاحمدیہ ص ۲۷ بحوالہ الطبرانی)

557 (الشامی ج ۲ ص ۲۷۵)

کونین نور العین ﷺ نے اس کو شرفِ زیارت بخشا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تو حاجیوں کی مبارکباد سے متعجب ہوتا ہے؟ عرض کی جی ہاں یارسول اللہ! فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری صورت کا ایک فرشتہ پیدا فرمایا اس نے تیری طرف سے حج ادا کیا اور آئندہ قیامت تک کرتا رہے گا۔ کیونکہ تو نے میری اولاد کی عزت و تعظیم کی ہے۔ (سبحان اللہ)۔

قال ﷺ حرمت الجنة علی من ظلم اهل بیتی و أذانی فی عترتی و من اصطنع صنیعة الیٰ احد من ولد عبد المطلب ولم یجازه فانا اجازیه علیها غدًا اذ لقینی یوم القیامة۔ (روح البیان)

"آنجناب ﷺ نے فرمایا جو لوگ میرے اہل بیت پر ظلم کرتے ہیں اور میری اولاد کی وجہ سے مجھے ایذا اور تکلیف پہنچاتے ہیں ان پر جنت حرام ہے۔ اور جو شخص حضرت عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے اور وہ اس کو بدلہ نہیں دے سکتا تو کل اس کو میں بدلہ دوں گا۔ جب اس کی ملاقات مجھ سے قیامت میں ہوگی۔"

عن ابن عباسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: أحبوا اللہ لما یغذوکم من نعمه، وأحبّونی بحبّ اللہ عزوجل۔ وأحبّوا أهل بیتی لحبّی۔ رواه الترمذی والحاکم۔ وقال أبو عیسی: هذا حدیث حسن۔

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے محبت کرو ان نعمتوں کی وجہ سے جو اس نے تمہیں عطا فرمائیں اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کے سبب اور میرے اہل بیت سے میری محبت کی خاطر محبت

کرو۔" اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[558]

عن العباس بن عبد المطّلب رضی اللہ عنہما قال: کُنّا نلقی النّفر من قریش وھم یتحدّثون فیقطعون حدیثھم، فذکرنا ذلک لرسول اللہ ﷺ، فقال: ما بال أقوامٍ یتحدّثون فاذا رأوا الرجال من أھل بیتی قطعوا حدیثھم واللہ لا یدخل قلب رجلٍ الایمان حتّی یحبّھم للہ ولقرابتھم منّی۔ رواہ ابن ماجہ والحاکم۔

"حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم جب قریش کی جماعت سے ملتے اور وہ باہم گفتگو کر رہے ہوتے تو گفتگو روک دیتے ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جب میرے اہل بیت سے کسی کو دیکھتے ہیں تو گفتگو روک دیتے ہیں؟ اللہ رب العزت کی قسم! کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو گا جب تک ان سے اللہ تعالیٰ کے لئے اور میرے قرب کی وجہ سے محبت نہ کرے۔" اسے امام ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔[559]

عن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما قال: قلت: یا رسول اللّٰہ، انّ قریشًا اذا لقی بعضھم بعضا لقوھم ببشرٍ حسنٍ، واذا لقونا لقونا بوجوہ لا نعرفھا۔ قال: فغضب النّبیّ ﷺ غضبًا شدیدًا وقال: والّذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبّکم للہ ولرسولھم

558 أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب، باب: مناقب أھل البیت النبی ﷺ، ۵/۶۶۴، الرقم: ۳۷۸۹، والحاکم فی المستدرک ۳/۱۶۲، الرقم: ۴۷۱۶، والبیھقی فی شعب الایمان، ۱/۳۶۶، الرقم: ۴۰۸)

559 أخرجه ابن ماجة فی السنن، المقدمة، باب: فضل العباس بن عبد المطلب ص، ۱/۵۰، الرقم: ۱۴۰، والحاکم فی المستدرک، ۴/۸۵، الرقم: ۶۹۶۰، والمقدسی فی الأحادیث المختارة، ۸/۳۸۲، الرقم: ۴۷۲، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۱۱۳، الرقم: ۶۳۵۰، والسیوطی فی شرح سنن ابن ماجة، ۱/۱۳، الرقم: ۱۴۰)

ولقرابتي۔ رواه أحمد والنّسائی والحاکم والبزّار۔ وفی روایة: قال: واللّٰه، لا یدخل قلب امریئٍ ایمانٌ حتّی یحبّکم للّٰه ولقرابتي۔

''حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں عرض کیا: یا رسول اللہ! قریش کے بعض لوگ جب آپس میں ملتے ہیں تو حسین مسکراتے چہروں سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ایسے چہروں سے ملتے ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے (یعنی جذبات سے عاری چہروں کے ساتھ)۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یہ سن کر شدید جلال میں آ گئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی بھی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور میری قرابت کی خاطر تم سے محبت نہ کرے۔'' اسے امام احمد، نسائی، حاکم اور بزار نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: خدا کی قسم کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہ ہو گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور میری قرابت کی وجہ سے تم سے محبت نہ کرے۔[560]

عن أبی سعیدٍ الخدریّ رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: سمعت النبی ﷺ یقول علی هذا المنبر: ما بال رجالٍ یقولون: انّ رحم رسول اللّٰه ﷺ لا تنفع قومه یوم القیامة، بلی واللّٰه، انّ رحمی موصولة فی الدّنیا والآخرة۔ وأنّی أیّها النّاس، فرطٌ لکم علی الحوض فاذا جئتم قال رجلٌ: یا رسول اللّٰه أنا فلانٌ بن فلانٍ وقال: یتحقّق أنا فلانٌ بن فلانٍ وقال لهم: أمّا النّسب فقد عرّفته ولکنّکم أحدثتم بعدی وأرتددتم القهقریّ۔ رواه احمد والحاکم۔

---

560 (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند ۱/۲۰۷ الرقم: ۱۷۷۲، ۱۷۷۷، ۱۷۶۵۶، ۱۷۶۵۷، والحاکم فی المستدرک، ۳/۳۷۶، الرقم: ۵۴۳۳، ۲۹۶۰، والنسائی فی السنن الکبری، ۵/۵۱ الرقم: ۸۱۷۶، والبزار فی المسند، ۶/۱۳۱، الرقم: ۲۱۷۵، والبیهقی فی شعب الایمان، ۲/۱۸۸، الرقم: ۱۵۰۱، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۶۱، الرقم: ۷۰۳۷)

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا ان لوگوں کا کیا ہو گا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے نسبی تعلق قیامت کے روز ان کی قوم کو کوئی فائدہ نہیں دے گا کیوں نہیں! اللہ کی قسم بے شک میرا نسبی تعلق دنیا و آخرت میں آپس میں باہم ملا ہوا ہے اور اے لوگو! بے شک (قیامت کے روز) میں تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا پس جب تم آ گئے تو ایک آدمی کہے گا یا رسول اللہ! میں فلاں بن فلاں ہوں پس حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اس کا فلاں بن فلاں کہنا پایہ ثبوت کو پہنچے گا اور رہا نسب تو تحقیق اس کی پہچان میں نے تمہیں کرا دی ہے لیکن تم میرے بعد احداث کرو گے اور الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔“ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔[561]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه: قال: قال رسول الله ﷺ خيركم، خيركم لأهلی من بعدی۔ رواه الحاكم وأبو يعلی۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین وہ ہے جو میرے بعد میری اہل کے لئے بہترین ہے۔“ اس حدیث کو امام حاکم اور امام ابو یعلی نے بیان کیا ہے۔[562]

---

561 (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۱۸/۳، الرقم: ۱۱۱۵۴، والحاكم فی المستدرک، ۸۴/۴، الرقم: ۶۹۵۸، وأبو يعلی فی المسند، ۴۳۳/۲، الرقم: ۱۲۳۸، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ۳۶۴/۱۰)

562 (أخرجه الحاكم فی المستدرک، ۳۵۲/۳، الرقم: ۵۳۵۹، وأبو يعلی فی المسند، ۳۳۰/۱۰، الرقم: ۵۹۲۴، وابن أبی عاصم فی السنة، ۶۱۶/۲، الرقم: ۱۴۱۴، والديلمی فی مسند الفردوس، ۱۷۰/۲، الرقم: ۲۸۵۱، والخطيب فی تاريخ بغداد، ۲۷۶/۷، الرقم: ۳۷۶۵، والمناوی فی فيض القدير، ۴۹۷/۳، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ۱۷۴/۹)

عن عبد الرحمٰن بن أبي ليلى عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: لا يؤمن عبدٌ حتى أكون أحبّ اليه من نفسه و أهلي أحبّ من أهله و عترتي أحبّ اليه من عترته و ذاتي أحبّ اليه من ذاته۔ رواه الطبراني و البيهقي۔

”حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں اور میرے اہل بیت اس کے اہل خانہ سے محبوب تر نہ ہو جائیں اور میری اولاد اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائے اور میری ذات اسے اپنی ذات سے محبوب تر نہ ہو جائے۔“ اسے امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔[563]

عن الحسن بن علي: أنّ رسول الله ﷺ قال: الزموا مودّتنا أهل البيت، فانّه من لقي الله عز وجل وهو يودّنا دخل الجنّة بشفاعتنا، والّذي نفسي بيده: لا ينفع عبد عمله الّا بمعرفة حقنا۔ رواه الطبراني۔

”حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم اہل بیت کی محبت کو لازم پکڑو پس بے شک وہ شخص جو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم س حال میں اللہ سے ملا کہ وہ ہم سے محبت کرتا تھا تو وہ ہماری شفاعت کے صدقے جنت میں داخل ہو گا اور اس ذات

563 (أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، ۷/۷۵، الرقم: ۶۴۱۶، وفي المعجم المعجم الأوسط، ۶/۵۹، الرقم: ۵۷۹۰، والبيهقي في شعب الايمان، ۲/۱۸۹، الرقم: ۱۵۰۵، والديلمي في مسند الفردوس، ۵/۱۵۴، الرقم: ۷۷۹۵، والهيثمي في مجمع الزوائد، ۱/۸۸)

کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کو اس کا عمل فائدہ نہیں دے گا مگر ہمارے حق کی معرفت کے سبب۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[564]

عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما قال: کان لآل رسول الله ﷺ خادمٌ تخدمهم يقال لها: بريرة فلقيها رجلٌ فقال: يا بريرة، غطي شعيفاتک، فانّ محمّدًا لن يغني عنک من الله شيئاً قال: فأخبرت النبيّ ﷺ: فخرج يجرّ رداءه محمّرة وجنتاه، وكنا معشر الأنصار نعرف غضبه بجر ردائه وحمرة وجنتيه۔ فاخذنا السلاح ثم أتيناه فقلنا: يا رسول الله مرنا بما شئت فوالّذی بعثک بالحق، لو أمرتنا بأمهاتنا وآبائنا وأولادنا، لأمضينا قولک فيهم، فصعد ﷺ المنبر فحمد الله عزوجل وأثنى عليه۔ وقال: من أنا؟ فقلنا: أنت رسول الله۔ قال: نعم، ولكن من أنا؟ فقلنا: محمد بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشمٍ بن عبد منافٍ۔ قال: أنا سيد ولد آدم ولا فخر، واوّل من تنشقّ عن الأرض ولا فخر، واوّل من ينفض التّراب عن رأسه ولا فخر، وأوّل داخل الجنّة ولا فخر، ما بال أقوامٍ يزعمون أنّ رحمی لا ينفع۔ ليس كما زعموا انّی لأشفع وأشفّع، حتى أنّ من أشفعُ له ليَشفعُ فيُشَفّعُ، حتى انّ ابليس ليتطاول طمعًا فی الشّفاعة۔

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ایک خادمہ تھی جو ان کی خدمت بجالاتی، اسے "بریرہ" کہا جاتا تھا پس اسے ایک آدمی ملا اور کہا: اے بریرہ اپنی چوٹی کو ڈھانپ کر رکھا کر بے شک محمد ا تمہیں اللہ کی طرف سے کچھ فائدہ نہیں پہنچاسکتے۔ راوی بیان کرتے ہیں پس اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے باہر تشریف لائے درآنحالیکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دونوں رخسار مبارک سرخ تھے اور ہم (انصار کا گروہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے غصے کو آپ صلی اللہ

---

[564] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الأوسط ۲/۳۶۰، الرقم: ۲۲۳۰، والهيثمی فی مجمع الزوائد ۹/۱۷۲)

تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چادر کے گھسیٹنے اور رخساروں کے سرخ ہونے سے پہچان لیتے تھے پس ہم نے اسلحہ اٹھایا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس آ گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ جو چاہتے ہیں ہمیں حکم دیں پس اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں ہماری مائوں، آباء اور اولاد کے بارے میں بھی کوئی حکم فرمائیں گے تو ہم ان میں بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قول کو نافذ کر دیں گے پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا: میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ہاں لیکن میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: میں حضرت آدمں کی اولاد کا سردار ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، میں ہو پہلا شخص ہوں جس کی قبر پھٹے گی لیکن کوئی فخر نہیں اور میں وہ پہلا شخص ہوں جس کے سر سے مٹی جھاڑی جائے گی لیکن کوئی فخر نہیں، اور میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میرا رحم (نسب و تعلق) فائدہ نہیں دے گا ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں۔ بے شک میں شفاعت کروں گا اور میری شفاعت قبول بھی ہو گی یہاں تک کہ جس کی میں شفاعت کروں گا وہ یقیناً دوسروں کی شفاعت کرے گا اور اس کی بھی شفاعت قبول ہو گی یہاں تک کہ ابلیس اپنی گردن کو بلند کرے گا شفاعت میں طمع کی خاطر (یا کسی طور اس کی شفاعت بھی کوئی کر دے)۔'' اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[565]

---

565 (أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط، ٥/٢٠٣، الرقم: ٥٠٨٢، والهيثمي في مجمع الزوائد، ١٠/٣٧٦)

تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہم سے محبت نہ کرے اور اس وقت تک محبت کرنے کے کا دعویٰ خام ہے جب تک ہماری اہل بیت و عترت اور قریبوں سے محبت نہ کرے۔[566]

ایک اور مقام پر امام الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہمیں اپنی جان سے محبت نہ رکھے اور ہماری عترت کو اپنی عترت سے اور ہماری اہل بیت کو اپنے اہل بیت سے محبوب نہ رکھے۔ اور ہماری ذات کو اپنی ذات سے محبوب نہ سمجھے۔[567]

ایک اور مقام پر حضور سرورِ کائنات فخر موجودات باعث تخلیق کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

والله لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبهم لله ولقرابتهم منی۔

"خدا کی قسم انسان کے دل میں اس وقت تک ایمان ہی داخل نہیں ہوتا جب تک میرے قریبوں سے محبت نہ کرے۔"[568]

امام الانبیاء تاج دارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو اپنی صاحبزادی والا شان اور آپ کی اولاد طاہرہ سے اس قدر والہانہ محبت ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کرکے فرمایا: میری آلِ پاک کی محبت تم پر لازم اور واجب قرار دی گئی ہے۔ اور فرمایا کہ ہماری شفاعت اور جنت الفردوس میں داخلہ کا انحصار محض اس بات پر ہے کہ ہمارے گھر والوں سے مودت و محبت کرو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

566 (الصواعق المحرقہ ص ۱۴۵)

567 (الصواعق المحرقہ ص ۱۷۲)

568 (الصواعق المحرقہ ص ۲۳۰)

وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کی قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر اہل بیت کے بارے میں ہمارا حق نہیں پہچانو گے تو تمہارا کوئی عمل بھی تمہیں نفع نہیں دے گا۔[569]

عن أبی رافعٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنّ رسول اللہ ﷺ قال لعلیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنت وشیعتک تردون علیّ الحوض رواء مروّیین، مبیّضة وجوهکم۔ وانّ عدوک یردون علیّ ظماءً مقبّحین۔ رواہ الطبرانی۔

"حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے علی! تو اور تیرے (چاہنے والے) مددگار (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر چہرے کی شادابی اور سیراب ہو کر آئیں گے اور ان کے چہرے (نور کی وجہ سے) سفید ہوں گے اور بے شک تیرے دشمن (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر بدنما چہروں کے ساتھ اور سخت پیاس کی حالت میں آئیں گے۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[570]

اولادِ فاطمہ (سادات) پر جہنم حرام ہے

عن جابر بن عبد اللہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: انّما سمّیت بنتی فاطمة لأنّ اللہ عزوجل فطمها وفطم محبّیها عن النّار۔ رواہ الدّیلمی۔

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: بے شک میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے

---

569 (جامع الصغیر، ج ۱ ص ۱۰۱، الصواعق المحرقہ ص ۱۷۳، الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۲/۳۶۰، الرقم: ۲۲۳۰، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۳۱)

570 (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱/۳۱۹، الرقم: ۹۴۸، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۳۱)

اور اس کے چاہنے والوں کو آگ سے چھڑا (اور بچا) لیا ہے۔" اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[571]

بنتِ رسول، خاتونِ جنّت، سیدہ بتول، سلام اللہ علیہا کا اسمِ مقدس ہی ایسا ہے جس کے معنی ہیں آزاد کرانے والی۔

چنانچہ لفظِ فاطمہ کی تشریح کرتے ہوئے محدثین نے لکھا ہے:

و فاطمة کما قال ابن ابن درید مشتقة من الفطم و هو قطع سمیت بذالک لان اللہ تعالیٰ فطمها عن النار۔

"اور فاطمہ! جیسا کہ کہا ابنِ درید کے بیٹے نے کہ یہ فطم سے مشتق ہے جس کا معنی ہے علیٰحدہ کرنا۔ اور فاطمہ کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے علیٰحدہ کر دیا ہے۔"[572]

و اخرج الدیلمی مرفوعا انها سمیت فاطمة لان فطمها و محبّیها عن النّار۔

"اور دیلمی نے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ آپ کا نام فاطمہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے محبین کو آگ سے علیحدہ کر دیا ہے۔[573]

ان فاطمة قد احصنت فرجها فحرّمها اللہ و ذریّتها علی النّار۔

"بیشک فاطمہ پاک دامن ہے، آپ کو اور آپ کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام فرمادیا ہے۔[574]

---

571 (أخرجه الدیلمی فی مسند الفردوس، ۱/۳۴۶، الرقم: ۱۳۸۵، و الخطیب فی تاریخ بغداد، ۱۲/۳۳۱، والمناوی فی فیض القدیر، ۳/۴۳۲)

572 (اسعاف الراغبین حاشیه نور الابصار ص ۸۰، شرح فقه اکبر ص ۱۳۰)

573 (صواعق محرقه ص ۱۸۸ نور الابصار ص ۴۵)

574 (المستدرک حاکم ۳/۱۵۲، الامن و العلیٰ ص ۲۳۸، اشرف الموبد ص ۴۴، مراة شرح مشکوة ۲۵۲)

علاوہ ازیں بھی بیشتر فرامین رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سیّدہ فاطمۃ الزہرا کی تمام اولاد پاک جہنم سے محفوظ رہے گی۔

چند ایک روایت مزید ملاحظہ فرمائیں:

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔

(اور بیشک اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے)۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین کرام نے لکھا ہے:

عن ابن عباس قال رضا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لا یدخل احد من اھل بیتہٖ النار۔

"کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اہل بیت میں سے کوئی ایک فرد بھی جہنم میں نہ جائے۔"[575]

کتبِ احادیث میں آتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کیا کہ یااللہ میرے اہل بیت سے ایک شخص بھی جہنم میں نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے میرا یہ سوال قبول فرمالیا۔

عن عمران بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سألت ربّی ان لا یدخل النار احدا من اھل بیتی فاعطانیھا۔ (حدیث صحیح ولم یخرجاہ)۔[576]

اور اولادِ فاطمہ پر دوزخ حرام ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا

---

575 (تفسیر قرطبی جز ۳۰ ص ۲۸۴ اشرف الموبد ص ۴۴)

576 (المستدرک ۳/۱۵۰، اشرف الموبد ۴۴)

ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے حسب نسب منقطع ہو جائیں گے مگر ہمارا سبب و نسب منقطع نہیں ہو گا۔

چنانچہ روایات صحیحہ میں آتا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ کل سببٍ و نسب ینقطع یوم القیامۃ الا سببی و نسبی۔[577]

عن ابن مسعودٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النّبی ﷺ قال: حبّ آل محمّدٍ یوماً خیر من عبادۃ سنۃٍ و من مات علیہ دخل الجنّۃ۔ رواہ الدّیلمی۔

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اہل بیتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ایک دن کی محبت پورے سال کی عبادت سے بہتر ہے اور جو اس محبت پر فوت ہوا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔“ اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[578]

قال علیہ الصلوۃ و السلام: ”الا و من مات علی حبّ آل محمد مات مغفورا۔ الا و من مات علی حبّ محمد مات تائبا۔ الا من مات علی حب آل محمد مات مؤمنا۔ الا و من مات علی حبّ آل محمد مات شہیدا متکمل الایمان۔ الا و من مات علیٰ حبّ اٰل محمد یبشرہ ملک الموت بالجنۃ ثم منکرا و نکیرا۔ الا و من مات علی حب آل محمد یزف الی الجنۃ کما تزف العروس الی البیت زوجہا و فتح لہ فی قبر بابان الجنۃ جعل اللہ قبرہ مزار ملائکۃ رحمۃ۔ الا و من مات علی حبّ آل محمد مات علی السنۃ و الجماعۃ۔

---

577 (المستدرک ۳/۱۶۴، خصائص کبریٰ ۲/۲۲۵ جامع الصغیر ۲/۹۳ اشرف الموجد ص ۴۵ الروضۃ الفیحانی تواریخ النساء ص ۱۶۴ طبقات ابن سعد ۸/۳۸۲)

578 (أخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، ۲/۱۴۲، الرقم: ۲۷۲۱)

”اے مسلمانو: آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد امیں مرے گا وہ بخشا ہوا مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد امیں مرے گا وہ تائب مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں مرے گا وہ تائب مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں مرا وہ مؤمن مرا۔ آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبِّ آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں مرا وہ شہید اور کامل الایمان مرا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں مرا ملک الموت اور منکر نکیر اسے جنت کی بشارت دیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں مرا جنت ایسے جائے گا جیسے دولہن اپنے خاوند کے گھر جاتی ہے، قبر میں اس کے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنائے گا۔ آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبِّ آلِ محمد میں مرا وہ سنت وجماعت پر مرا۔“[579]

عن عليّ بن حسين: أنّه ﷺ قال: يا عليّ انّ الله قد غفر لک ولذرّيّتک ولولدک ولأهلک، ولشيعتک ولمحبّي شيعتک فابشر۔ رواه الدّيلمي۔

”حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اے علیؓ! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیری اولاد کو اور تیرے گھر والوں کو اور تیرے مددگاروں کو اور تیرے مددگاروں کے چاہنے والے کو بخش دیا ہے پس تجھے یہ خوشخبری مبارک ہو۔“[580]

---

579 (تفسیر کبیر ۷/۳۹۰، تفسیر ابن عربی ۲/۲۱۲، تفسیر روح البیان ۴/۴۰۷، تفسیر کشاف ۴/۳۳۹، اشرف المویدا ۱۵۷، نزھۃ المجالس ۲/۲۲۲)

580 (أخرجه الديلمي في مسند الفردوس، ۵/۳۲۹، الرقم: ۸۳۳۷)

اہل بیت کے ساتھ دشمنی کرنے والا یا منافق، یا ولدِ زنا، یا ناپاک حمل سے ہے

واخرج ابن عدی والبیهقی فی شعب الایمان عن علی رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من لم یعرف حقّ عترتی والانصار والعرب فهو الاحدی ثلاثٍ: أما منافق، وأما لزِنیةٍ، وأما امرؤٌ حملت به اُمّه لغیر طهر۔

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص میرے اہل بیت اور انصار اور عرب کا حق نہیں پہچانتا تو اس میں تین چیزوں میں سے ایک پائی جاتی ہے: یا تو وہ منافق ہے، یا وہ حرامی ہے، یا وہ ایسا آدمی ہے جس کی ماں بغیر طہر کے اس سے حاملہ ہوئی ہو۔“ اس حدیث کو امام دیلمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔[581]

حضور امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یحبنا اهل البیت الا مؤمن تقی ولا یبغضنا الا منافق وشقی۔

”ہمارے اہل بیت سے وہی محبت رکھے گا جو مؤمن اور متقی ہے اور ہمارے اہل بیت پاک سے وہی بغض رکھے گا جو منافق اور بد بخت ہے۔“[582]

ایک اور مقام پر سرتاج الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من بغض اهل البیت فهو منافق۔

”جو ہمارے اہل بیت سے بغض رکھتا ہے وہ منافق ہے۔“[583]

---

581 (أخرجه البیهقی فی شعب الایمان، ۲/ ۲۳۲، الرقم: ۱۶۱۴، الدیلمی فی مسند الفردوس، ۳/ ۶۲۶، الرقم: ۵۹۵۵، والذهبی فی میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ۳/ ۱۴۸)

582 (اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

583 (اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حرمت الجنة علی من ظلم اھل بیتی و اذانی فی عترتی۔

"جو میرے اہل بیت پر ظلم کرتا ہے اور میری عترت کو ایذا دیتا ہے اس پر جنت کو حرام کر دیا گیا ہے۔"[584]

سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

الا و من مات علی بغض آل محمد جاءیوم القیامة کتب بین عینیه آئس من رحمة اللّٰه۔

"جو ہماری آل پاک سے بغض کی حالت میں مرے گا جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان تحریر کر دیا جائے گا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا ہے۔"[585]

الا من مات علی بغض آل محمد لم یشم رائحة الجنة۔

آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بغض رکھنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔[586]

مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اپنے خاص لطف و کرم سے اہل بیتِ مصطفی علیہم السلام کی محبت عطا فرمائے اور ان سے بغض رکھنے والوں کے سایہ سے بھی محفوظ فرمائے، اہل بیت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بغض اور دشمنی کی سزا قطعی طور پر جہنم ہے اور

---

[584] (تفسیر کشاف ۴/۳۹۹)

[585] (کشاف ۴/۳۹۹، روح البیان ۴/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶، ابن عربی ۲/۲۱۲، نزھة المجالس ۲/۲۳۸، اشرف المؤبد ۱۵۲)

[586] (تفسیر کبیر ۷;۳۹۰، تفسیر روح البیان ۴/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶، ابن عربی ۲/۲۱۲، نزھة المجالس ۲/۲۳۸، اشرف المؤبد ۱۵۲)

یہ کسی دنیاوی عدالت کا فیصلہ نہیں بلکہ ان کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلے ہوئے جملے ہیں جن کا ہر ارشاد حکمِ خداوندی اور ناقابلِ ترمیم ہے۔

اب آپ سرکارِ دوعالم علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے مزید ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

ایک دفعہ تاجدار دوعالم امام الانبیاء ﷺ نے اپنی صاحبزادیٔ مکرمہ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے شہزادوں کو گود میں لے کر فرمایا:

من احبھما فقد احبنی و من ابغضھما فقد ابغضنی۔

جو ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے محبت رکھتا ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ ہم سے بغض رکھتا ہے۔[587]

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے اہل بیت کرام سے اختلاف رکھنے والوں کو فرماتے ہیں کہ وہ شیطان کے ساتھی ہیں۔ چنانچہ کتب احادیث میں آتا ہے کہ میری آلِ پاک میری امت کے لئے امان ہے اور تمہیں اختلاف سے بچاتی ہے جو قبیلہ بھی ان سے مخالفت کرے گا وہ شیطان کی جماعت ہے۔[588]

کائنات کی سلامتی آلِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے

ایک مقام پر تاجدارِ دوعالم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا میری آل پاک کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے جو اس پر سوار ہوگیا اس نے نجات حاصل کرلی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ خود ہی ہلاک ہوگیا۔

---

587 (البدایہ والنہایہ ۸/۲۶۵ المستدرک ۳/۱۶۶ و دیگر کتب احادیث متفقہ علیہ)

588 (خصائص الکبریٰ ۲/۱۴۵ اشرف صواعق محرقہ ۱۵۳)

دوسری جگہ فرمایا میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کرلی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ غرق ہو گیا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔

اسی طرح تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کرلی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ جہنم کا ایندھن بن گیا۔[589]

عن علی قال: قال رسول اللہ ﷺ: النّجوم أمان لأھل السّماء۔ فاذا ذھبت النجوم ذھب أھل السّماء۔ وأھل بیتی أمانٌ لأھل الأرض۔ فاذا ذھب أھل بیتی ذھب أھل الأرض۔ رواہ الدیلمی۔

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ستارے اہل آسمان کے لئے امان ہیں پس جب ستارے چلے گئے تو اہل آسمان بھی چلے گئے اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے امان ہیں پس جب میرے اہل بیت چلے گئے تو اہل زمین بھی چل گئے۔“ اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[590]

---

589 (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳/۴۵، الرقم: ۲۶۳۷، ۱۲/۳۴، الرقم: ۲۳۸۸، ۲۶۳۸، ۲۶۳۶، وفی المعجم الاوسط، ۴/۱۰، الرقم: ۳۴۷۸، ۵/۳۵۵، الرقم: ۵۵۳۶، ۶/۸۵، الرقم: ۵۸۷۰، فی المعجم الصغیر، ۱/۲۴۰، الرقم: ۳۹۱، ۲/۸۴، الرقم: ۸۲۵، والحاکم فی المستدرک، ۳/۱۶۳، الرقم: ۴۷۲۰، والبزار فی المسند، ۹/۳۴۳، الرقم: ۳۹۰۰، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۱/۲۳۸، الرقم: ۹۱۶، والقضاعی فی مسند الشھاب، ۲/۲۷۳، الحدیث ۱۳۴۳، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۶۸، صواعق محرقہ ص ۱۵۳، اشرف الموبد ص ۱۵۲)

590 (أخرجه الدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۱۱، الرقم: ۶۹۱۳، مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج ۱۱ ص ۳۹۹، ۴۰۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ کی تین حُرمات ہیں جو ان کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے دین و دنیا کے معاملات کی حفاظت فرماتا ہے اور جو ان تین کو ضائع کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرماتا،“ سو عرض کیا گیا: ”یارسول اللہ! وہ کون سی تین حرمات ہیں؟“ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ”اسلام کی حرمت، میری حرمت اور میرے نسب کی حرمت۔“ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

عن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: وعدنی ربّی فی أهل بیتی من أقرّ منهم بالتّوحید ولی بالبلاغ أن لا یعذبهم۔ رواه الحاکم وقال: هذا حدیثٌ صحیح الأسناد۔

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھ سے میرے اہل بیت کے بارے میں وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جو بھی میری توحید کا اقرار کرے گا اسے یہ بات پہنچا دی جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دے گا۔“ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[591]

محبت اہل بیت فرض اور ان پر درود نہ پڑھنے سے نماز نہیں

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یا اهل بیت رسول اللہ حبّکم فرض من اللہ فی قرأن انزله۔

اے اہل بیت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آپ سے محبت رکھنا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس کو اس نے اتارا ہے فرض قرار دیا ہے۔

---

591 (أخرجه الحاکم فی المستدرک، ۳/۱۶۳، الرقم: ۴۷۱۸، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۸۲، الرقم: ۷۱۱۲)

كفاكم من عظيم القدر انّكم　　من لم يصلّ عليكم لا صلوة له

اے اہل بیت آپ کی عظمت وشان کے لئے یہی کافی ہے کہ جس نے آپ پر درودنہ پڑھا اس کی نماز ہی نہیں۔

رافضی اور ناصبی

اذا نحن فضّلنا عليًّا فِانَّنا　　روافض باالتفضيل عند ذی الجهل

جب ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کو بیان کیا تو بیشک ہم بہ سبب بیان تفضیل کے جاہلوں کے نزدیک رافضی ہوئے۔

وفضل ابی بكرٍ اذا ماذ كرته　　رميت بنصبٍ عند ذكری للفضل

اور جس وقت ہم فضائل حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں تو اس وقت ہم پر ناصبی ہونے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

قالو الرّفضت قلت كلا　　ما الرفض دينی ولا اعتقادی

جن جاہلوں نے مجھ کو رافضی کہا تو میں نے جواب دیا کہ حاشا میرا دین اور میرا اعتقاد رافضیوں کا سا نہیں۔

محبت اہل بیت عین ایمان

لٰكن تولّيت غير شكٍّ　　خير امامٍ و خير هادی

لیکن اس میں شک نہیں کہ میں بہتر امام اور بہتر ہادی کے ساتھ دوستی رکھتا ہوں۔

ان كان رفضًا احبّ ال محمد　　فليشهد الثّقلان انّی رافض

اگر آل محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ بیشک میں رافضی ہوں۔

قرآن اور اہل بیتِ نبوت سے وابستگی نورِ ہدایت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام فریضہ حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے باہر غدیر خم کے مقام پر تشریف فرما ہوئے جہاں سے مختلف اطراف کی طرف راستے جاتے ہیں تو مختلف علاقوں سے آئے ہوئے اصحاب کو الوداع کہنے سے پہلے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ ”اے میرے ساتھیو! میں اپنے فرائض کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکا ہوں۔ سنت الٰہیہ کے موافق کسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آجائے اور مجھے اس کی تکمیل کرنا پڑے اس لئے میں تمہاری ہدایت و نجات کے لئے آخری بات کہہ دینا چاہتا ہوں تاکہ تم ہدایت صراط مستقیم سے بھٹک نہ جاؤ۔

وانا تارک فیکم الثقلین اوّلھما کتاب اللہ فیه النّور والھدیٰ فخذوا بکتاب اللہ واستمسکوا بہٖ۔ وقال واھل بیتی اذکر اللہ فی اھل بیتی وقال ثلاثاً۔

(یعنی) میں تم میں دو بیمثل عمدہ نفیس چیزیں چھوڑے جا تا ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) جو نورِ ہدایت سے بھرپور ہے، اس کو بہت مضبوطی سے پکڑے رہنا دوسری گرانقدر اور بزرگ چیز میرے اہل بیت (گھر والے) ہیں، میں تم کو خدا یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں، اور تین بار اس کا تکرار فرمایا۔

اولاد کو تین باتوں کی تعلیم

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”اپنی اولاد کو تین باتوں کی تعلیم دو: حبّ نبیّکم وحبّ اھل بیتهٖ وقرأۃ قرآن۔ اپنے نبی کی محبت، اہل بیت کی محبت اور قرآن پڑھنے کی محبت۔“

اللہ تعالیٰ ہم کو حب رسول وحب اہل بیت وحب قرآن سے سرشار فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔(آمین)۔

اہل بیت مصطفی ﷺ

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ أَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَ کُمْ تَطْھِیْرًا۔

اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے اہل بیت عظام کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کو پاک اور خوب پاک فرمایا ہے اور کوئی ناپاکی ان کے قریب نہیں آسکتی۔اب اس آیت میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل بیت سے یہاں کون مراد ہیں اور دوسرا یہ کہ رجس ناپاکی سے کیا مراد ہے تیسرا یہ کہ امتیازی شان کیا ہے اور چوتھا یہ کہ تطہیر کیا ہے۔

علماء ومفسرین کرام علیہم الرحمۃ کی کثرت رائے یہ ہے کہ یہ آیت سیدنا حضرت علی المرتضی، سیدہ فاطمۃ الزہرہ، سیدنا امام حسن، اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نازل ہوئی اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ **عنکم** اور اس کے بعد تمام ضمیریں مذکر ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ازواجِ مطہرات کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ اس کے بعد **واذکر مایتلیٰ فی بیوتکن** ہے۔

چنانچہ علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر کبیر میں آیت تطہیر کے ماتحت فرماتے ہیں:

فالأولیٰ ان یقال ھم اولادہ وازواجہ والحسن والحسین منھم وعلی منھم لانہ کان من اھل بیتہ بسبب معاشرہ بنت النبی ﷺ وملازمتہ النبی ﷺ۔

"اولی اور حسن بات یہی ہے کہ اہل بیت نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اولاد، بیویاں اور سیدنا حسن، اور سیدنا حسین ہیں، سیدنا علی المرتضی بھی اہل بیت سے ہیں اس لئے کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شہزادی سیدہ (فاطمہ) سے معاشرت کے باعث اور آپ کی معیت کی وجہ سے وہ اہل بیت میں شامل ہیں، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس نست میں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔

اور علامہ صاوی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

فی اھل بیت سکنہ وھنّ ازواجہ واھل بیت نسبہ وھنّ ذریّۃ۔

آیت میں اہل بیت سکونت ازواجِ مطہرات ہیں اور اہل نسب جو آپ کی اولاد ہے تمام شامل ہیں۔

اور محقق علی الاطلاق علامہ شیخ شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"بیت سہ است بیت نسب، بیت سکنی، وبیت ولادت پس بنو ہاشم اولاد عبد المطلب اہل بیت پیغمبر اند صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از جہت نسب و ازواج و مطہرات آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیت سکنی اند و اولاد شریف آں حضرت اہل بیت ولادت اند"۔

یعنی اہل بیت تین ہیں:

(۱)بیت نسب (۲)بیت سکنی (۳)بیت ولادت

پس حضرت عبد المطلب کی اولاد بنو ہاشم ہیں، وہ پیغمبر اسلام کے نسب کے لحاظ سے اہل بیت ہیں اور ازواجِ مطہرات نبی ﷺ کی اہل بیت سکنی ہیں اور اولاد شریف آنحضرت علیہ السلام کی اہلبیتِ ولادت ہیں۔

اس کے ساتھ ہی آگے چل کر شیخ محقق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی اہل بیت میں سیدنا علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمۃ الزہرا اور سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خصوصی امتیازی اور انفرادی مقام حاصل ہے اس لئے کہ سرکار ابد قرار علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کے ساتھ خصوصی محبت و پیار ہے اس لئے ان کی فضیلت و بزرگی اس وجہ سے زیادہ ہے۔

ثابت ہوا کہ اہلبیت میں ازواجِ مطہرات النبی ﷺ یقیناً شامل ہیں یہ اس آیت سے کسی طریق سے خارج نہیں ہیں۔

رجس کے معنی ازروئے قرآن

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (المائدة ٩٠)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں۔"

یہاں آیت میں شراب، جوئے، بتوں اور فال کے تیروں کو "رجس" فرمایا گیا ہے۔

إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ (الأنعام١٤٥)

"مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا خون، وہ نجس ہے، یا بطور نافرمانی اس پر (ذبح کیوقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔"

وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ (الحج ۳۰)

"اور تمہارے لئے حلال کئے گئے بے زبان چوپائے، سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور رہو بتوں کی گندگی سے۔"

ان دو آیات میں مردار بہتا ہوا خون، گوشت خنزیر اور بتوں کے نام پر ذبح کئے گئے جانور کو رِجْسٌ فرمایا گیا ہے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ (التوبة۵ ۱۲)

"اور جن کے دلوں میں آزار ہے، انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی"۔

كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ (الأنعام۵ ۱۲)

"اللہ یونہی عذاب میں ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں کو۔"

فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ (التوبة۵ ۹)

"تو تم ان کا خیال چھوڑو وہ تو نرے پلید ہیں۔"

ان تین آیات میں منافقین کے نفاق بے ایمان، اور بے عقلی پر رجس کا اطلاق کیا گیا ہے۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (یونس ۱۰۰)

"اور عذاب ان پر ڈالتا ہے جنہیں عقل نہیں۔"

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ (الأعراف ۷۱)

"کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا۔"

ان دو آیات میں عذابِ خداوندی کو رجس فرمایا گیا ہے۔

ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ شراب، جوا، جاری خون، خنزیر کا گوشت، بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، منافقین اور ان کے نفاق بے دینی وبے ایمانی اور عذابِ خداندی وغیرہم پر ''رِجس'' کا اطلاق ہوا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ۔

اے نبی کے اہل بیت اکرام میں نے تم کو تمام اعتقادی و عملی ناپاکیوں اور برائیوں سے بالکل پاک اور منزہ فرما کر قلبی صفائی، اخلاقی ستھرائی اور تزکیہ ظاہر وباطن کا وہ اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے تم دوسروں سے ممتاز وفائق ہو۔

سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھرانے کا اہل بیت اور اہل کساء ہونے کا بیان

عن صفيّة بنت شيبة قالت: قالت عائشة رضى الله عنها: خرج النّبى ﷺ غداةً وعليه مرطٌ مرحّلٌ من شعرٍ أسود، فجاء الحسن بن على رضى الله عنهما فأدخله، ثمّ جاء الحسين رضى الله تعالىٰ عنه فدخل معه، ثمّ جائت فاطمة رضى الله عنها فأدخلاها، ثمّ جاء علىّ رضى الله تعالىٰ عنه فأدخله، ثمّ قال: انّما يريد الله ليذهب عنكم الرّجس أهل البيت ويطهّركم تطهيرا۔ رواه مسلم۔

''حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صبح کے وقت باہر تشریف لائے درآنحالیکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی جس پر سیاہ اون سے کجاووں کے نقش بنے ہوئے تھے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انہیں اس چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے

اور ان کے ہمراہ چادر میں داخل ہو گئے، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انہیں اس چادر میں داخل فرمالیا، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انہیں بھی چادر میں لے لیا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: "اے اہل بیت! اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک و صاف کر دے۔" اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[592]

عن عمر بن أبی سلمة ربیب النبی ﷺ قال لمّا نزلت هذه الآیة علی النبی ﷺ: {إِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيْرًا} فی بیت أمّ سلمة، فدعا فاطمة و حسنًا و حسینًا رضی اللہ تعالیٰ عنهم فجلّلهم بکساء و علیّ رضی اللہ تعالیٰ عنه خلف ظهره فجلّله بکساء، ثمّ قال: اللّٰهمّ هؤلاءِ أهلُ بیتی، فأذهب عنهم الرّجس و طهّرهم تطهیرًا۔ رواه التّرمذی و أحمد۔

"پروردۂ نبی حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں یہ آیت مبارکہ۔۔۔ اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور فرما دے اور تم کو خوب پاک و صاف فرما دے۔۔۔ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا اور ایک کملی میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ

---

592 (أخرجه مسلم فی الصحیح، کتاب: فضائل الصحابة، باب: فضائل أهل بیت النبی، ۴/۱۸۸۳، الرقم: ۲۴۲۴، و ابن أبی شیبة فی المصنف، ۶/۳۷۰، الرقم: ۳۶۱۰۲، و أحمد بن حنبل فی فضائل الصحابة، ۲/۶۷۲، الرقم: ۱۱۴۹، و ابن راهویه فی المسند، ۳/۶۷۸، الرقم: ۱۲۷۱، و الحاکم فی المستدرک ۳/۱۶۹، الرقم: ۴۷۰۷، و البیهقی فی السنن الکبریٰ، ۲/۱۳۹، و الطبرانی فی جامع البیان، ۲۲/۷، ۶)

تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پیچھے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انہیں بھی ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے نجاست دور کر اور ان کو خوب پاک وصاف کر دے۔" اس حدیث کو امام ترمذی اور احمد نے روایت کیا ہے۔[593]

سادات کرام کی جو تعظیم و تکریم کتب احادیث سے ظاہر ہے وہ بیان سے باہر اور گمان سے بالا ہے۔ قلم کی ہرگز طاقت نہیں کہ اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و اکرام کا احاطہ کر سکے۔ ہم قارئین کی خدمت میں التماس کریں گے کہ جو شخص بھی اہل بیتِ رسول ﷺ کا فرد ہونے کا دعوی دار ہے، آپ بہر طور اس کی تعظیم و تکریم اولادِ مصطفی ﷺ سمجھ کر کریں، اور ہرگز اس ٹوہ میں نہ جائیں کہ ممکن ہے یہ سیّد نہ ہو۔

ہم نے اشرف المؤبد و دیگر متعدد کتب میں پڑھا ہے کہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد پاک سے ایک شہزادی فقر کی حالت میں ایک غنی مسلمان کے پاس کسی ضرورت سے تشریف لے گئیں اور اسے بتایا کہ میں سیدزادی ہوں، اس لئے میری مدد کرو، تو اس شخص نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مجھے کیا معلوم تم سید زادی ہو یا نہیں۔ وہ شہزادی بتولؓ پریشانی کے عالم میں واپس آ گئیں اور ایک یہودی سے اپنی حاجت بیان فرمائی۔ یہودی نے ایک برقعہ پوش اور خاندانِ سادات کی خاتون سمجھ کر ان کی نہایت تعظیم و تکریم سے ضرورت پوری کر دی۔ رات کو اس مسلمان اور یہودی دونوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے اس مسلمان کو جنت میں داخل ہونے سے یہ فرما کر منع فرما دیا کہ جب تمہیں ہماری بیٹی کے سیدہ ہونے پر شک تھا تو ہم تمہارے مسلمان ہونے پر کیسے یقین کر لیں،

---

593 (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: تفسیر القرآن باب: ومن سورة الأحزاب، ۵/۳۵۱، ۶۶۳، الرقم: ۳۲۰۵، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۶/۲۹۲، وفی فضائل الصحابة، ۲/۵۸۷، الرقم: ۹۹۴، والحاکم فی المستدرک، ۲/۴۵۱، الرقم: ۳۵۵۸، ۳/۱۵۸، الرقم: ۴۷۰۵، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳/۵۲، الرقم: ۲۶۶۲)

اور اس یہودی کو عزت سے جنت میں داخل ہونے دیا۔ یہودی نے جب یہ خواب دیکھا تو صبح بیدار ہوتے ہی مسلمان ہو گیا۔

اگر کوئی اپنا نسب تبدیل کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ نسب بدلنے والوں کے متعلق سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ ملعون و مردود ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام لوگ لعنت کرتے ہیں۔

اللّٰھمّ انا نسئلک حبک وحب حبیبک الکریم وحب اٰلہٖ وصحابته وحب من یحبک وحبّ عملٍ یقربنا الیٰ حبک مع الاخلاص فی القول والعمل وحسن الختام عند انتھاء الاجل والعون علی الاتمام یا ذالجلال والاکرام الحمدللہ الذی بنعمته تتمّ الصّالحات وصلی اللہ تعالیٰ علی رسوله المصطفیٰ واٰلہٖ اولی الاجتباء وصحابته ذوی الارتضاء آمین یا ربّ العٰلمین۔

مکتوب نمبر ۵۶

[ایک سید صاحب کی سفارش کے سلسلے میں یہ مکتوب بھی شیخ عبدالوہاب بخاری کی طرف صادر فرمایا:

سادات کرام کی ذوات جو کثیر البرکات ہیں، سرورِ دین ودُنیا سے جزئیت (نسبی تعلق) کی بنا پر اس سے بلند تر ہیں کہ فقیر زبانِ قاصر کے ساتھ ان کی فضیلت اور صفت وثنا کرے۔ صرف اپنی سعادت کا ذریعہ جانتے ہوئے اس باب میں جرأت کرتا ہے۔ بلکہ اس وسیلہ سے اپنی ستائش کرتا ہے۔ اور ان کے ساتھ دوستی کا اظہار کرتا ہے جس کا مامور ہے۔

اے اللہ! ہمیں بطفیل حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ساداتِ کرام کے ساتھ محبت کرنے والوں سے کر۔

اس عریضۂ نیاز میر سید احمد سادات سامانہ (یہ ہندوستان میں سرہند شریف کے قریب ایک شہر کا نام ہے) میں سے ہے۔ اور طالب علم اور ایک نیک آدمی ہے۔ اسبابِ معاش کی تنگی کا شکار ہے۔ اسی بنا پر اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا ہے۔ اگر سرکارِ عالی میں گنجائش ہو تو شخصِ مذکور اس کا اہل ہے۔ اور اگر آپ کے گنجائش نہ ہو تو اپنے مخلصین میں سے کسی کو سفارش کریں تا کہ یہ شخص تنگی معاش کے اسباب سے بے فکر ہو جائے۔ جبکہ یقین تھا کہ خود آنجناب فقرا اور محتاج لوگوں کی طرف پوری توجہ رکھتے ہیں۔ خاص کر سادات عظام کی امداد کی طرف زیادہ توجہ فرماتے ہیں تو یہ چند کلمے لکھنے کی جرأت کی۔ روانگی کے وقت یہ شخص اگرچہ رُخصت کی سعادت سے سعادت مند نہیں ہوا، تاہم مخلصین کے گروہ میں شامل ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ساداتِ کرام کی محبت اور اخلاص پر استقامت عطا فرمائے۔ زیادہ گستاخی کی جرأت نہیں کرتا۔]

تشریح

ہر دور کے صوفیاء عظام نے ساداتِ کرام کی عزت وتوقیر کرنے کی تعلیمات دی ہیں کیونکہ انہیں تاجدارِ دوعالم کے ساتھ نسبی تعلق ہے اور خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بھی اپنے اہلِ بیت کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے کا فرمایاہے اور یہ حقیقت ہے کہ سادات کے ساتھ معاملات میں تعاون کرنا کثیر البرکت اَمر ہے۔ اور تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں ساداتِ کرام کے ساتھ احسان کرنے والوں کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے دونوں جہانوں میں سرخرو فرمایاہے۔

حکایت

حضرت علامہ حافظ شمس الدین محمد الذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) کتاب الکبائر میں فرماتے ہیں کہ بلخ میں ایک خاندان علوی سادات سے تعلق رکھنے والا رہتا تھا، صاحبِ خاندان کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ وہ بڑے مالدار اور شریف النسب لوگ تھے اس لئے اس کی بیوہ اس ڈر سے کہ اب جو غربت آپڑی ہے اس پر اہلِ تعلق طعنہ نہ دیں وہ اس مقام کو چھوڑ کر اپنی یتیم لڑکیوں کے ہمراہ کسی اور علاقہ میں چلی گئی، موسم نہایت سرد تھا اس لئے اس نے ایک ویران مسجد میں اپنی لڑکیوں کے چھپایااور تلاشِ معاش میں چل دی، چنانچہ اس کا گزر دو ایسے مالداروں پر ہوا جو اس شہر کے رئیسوں میں سے تھے لیکن ایک مسلمان تھا اور ایک آتش پرست۔ وہ پہلے مسلمان کے پاس اپنی ضرورت وپریشانی کا اظہار کرتے ہوئے پہنچی اور کہا کہ میں علوی خاندان کی شریف خاتون ہوں اور میری یتیم لڑکیاں بھی ہیں، میری پریشانی کا کوئی حل نکالا جائے تو بہتر ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے مگر اپنے شریف

اور سادات ہونے پر گواہی پیش کرو، اس عورت نے کہا میں یہاں اجنبی ہوں میری گواہی کون دے گا؟ اس پر رئیس نے منہ پھیر لیا اور کوئی توجہ نہ دی۔

اب یہ عورت یہاں سے مجوسی مالدار کے گھر پہنچی اور اس سے سارا قصہ کہہ سنایا، اس مجوسی نے اپنی عورتوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ اس کے ہمراہ جاکر اس کی بچیوں کو بلا لاؤ، چنانچہ وہ سب آئیں، اس نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ یہ شریف النسب مصیبت زدہ خاندان ہے انہیں نہلاؤ، دھلاؤ، ان بچیوں کے لئے کپڑوں کا انتظام کرو اور عمدہ کھانا کھلاؤ۔ چنانچہ وہ بیوہ اپنی بچیوں کے ساتھ بڑے مزے سے کھا پی کر بے فکر ہو کر سو گئی۔

اسی رات وہ مسلمان جس نے اسے بلا مدد واپس کر دیا تھا خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ قیامت کا میدان قائم ہے، ایک نہایت ہی عجیب وغریب اور شاندار محل ہے جس میں ہیرے جواہرات سے مرصع تخت بنے ہوئے ہیں اور وہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی تشریف فرما ہیں، اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یہ محل کس کے لئے ہے؟ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ایک مؤمن موحد اُمتی کا ہے۔ اس نے کہا کہ میں بھی موحد مؤمن ہوں۔ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ گواہی پیش کر کہ تو مؤمن موحد ہے۔ اب تو وہ شخص نہایت پریشان ہوا کہ کہاں سے گواہی لاؤں؟ پھر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ایک شریف عورت تمہارے پاس اپنی حاجت لے کر آئی تھی، تو نے بھی اس سے گواہی طلب کی تھی" پس کیا تھا نہایت غمگین اور نادم ہوا، اسی میں اس کی آنکھ کھل گئی۔ صبح شہر بھر میں گھومتا رہا کہ کوئی اس عورت کا پتہ بتادے، کسی طرح اس مجوسی کے گھر پہنچ ہی گیا اور اس سے کہا "اس مسلمان بیوہ عورت کو اور اس کی بچیوں کو ہمارے حوالے کر دو" اور اسے خطیر

رقم دینے کا وعدہ بھی کیا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ایک نہایت شاندار محل کے قریب تشریف فرما ہیں اور مجھ سے فرمارہے ہیں کہ یہ مکان تمہارے لئے ہے، تم نے شریف بیوی عورت اور اس کی یتیم بچیوں کے ساتھ جو مہربانی کا سلوک کیا ہے اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان کی دولت بھی عطا فرمائی اور یہ مکان بھی تمہارے لئے بنایا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی قسم رات گزرنے سے پہلے میں اور میرے پورے گھر کے لوگ اس بیوہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکے ہیں۔

وہ امیر اپنے غرور اور اپنی حماقت پر اپنا سا منہ لے کر لوٹ گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور آخرت کے نفع کا احساس نصیب فرمائے۔ (آمین)

غربت ایک معاشی حالت ہے جو دیگر لوگوں کی طرح سادات پر بھی آسکتی ہے۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ کی رقم کے علاوہ دیگر صدقات وخیرات سے بھی ان کی مدد کی جاسکتی ہے۔

رہا حصولِ علم اور کسبِ تصوف کا معاملہ تو یہ امور بقیہ لوگوں کی طرح سادات کرام کے لئے بھی لازم وضروری ہیں۔ حصولِ علم اور اخلاص کی دولت تلاش کرنا شریعت نے تمام مسلمانوں کے لئے لازمی قرار دیا ہے ان سے کسی کو استثنیٰ حاصل نہیں۔

(دارالمعـــرفت، جلد دوم)

اہل بیت کے ساتھ محبت پر تمام اُمتِ مسلمہ کو مامور کیا گیا ہے، جس پر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم گواہ ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے اردگرد مستحق سادات کرام کی مالی امداد کریں، اس ضمن میں ان (سادات کرام) کو نفلی

صدقات وغیرہ دیئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ دورِ حاضر میں اگر ضرورت پڑے اور کوئی چارہ نہ ہو تو فرضی صدقات کی صورت میں بھی سادات کرام کی مالی معاونت کی جاسکتی ہے۔

العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیۃ، جلد دوم میں ہے:

اَلقَولُ المَقبُولُ فِی جَوَازِ الصَّدَقَةِ عَلٰی آلِ الرَّسُولِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یعنی

جوازِ صدقات بر فقراء سادات

بعض مولوی و مفتی حضرات کہتے ہیں کہ بنی ہاشم (سادات کرام وغیرہ) کو زکوۃ، صدقات، خیرات، صدقۂ فطر و چمڑہ دینا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ وہ مقروض، نادار، محتاج اور تنگدست ہی کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ اسلام کی روشنی میں تمام اقسام کے صدقات وخیرات وزکوۃ عشر وفطرانہ نادار، محتاج، قرض دار، سادات کرام کو دینا جائز اور درست ہیں۔ اس لئے کہ دین حق اسلام میں صدقات وخیرات وزکوۃ وعشر وغیرہ کی مشروعیت کی حکمتوں میں سے اعلیٰ حکمت وسبب وہی ہے جسے خود کلام اللہ شریف نے منصوص فرماکر بیان فرمایا: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ: الخ (توبة ٦٠) یعنی صدقات تو فقراء ومساکین ہی کا حق ہے اور اس کی سب سے اعلیٰ تفسیر جو خود معلم کائنات صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے متفق حدیث میں فرمائی ہے تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ۔[594]

---

[594](صحیح البخاري ج ٢ ص ١٢٨ رقم الحدیث ١٤٩٦، صحیح مسلم ج ١ ص ٥١ رقم الحدیث ٣١)

یعنی صدقات فریضہ واجبہ اغنیاء سے لے کر فقراء کو دی جاتی ہے لہذا ملت اسلامیہ کے فقراء ومساکین صدقات کے حق دار ہیں چاہے وہ سادات ہوں یا غیر سادات تمام اس میں شامل ہیں اگر خود شرع کسی فرد کو کسی وقت وزمانہ یا حال وعلت سے مستثنیٰ فرما کر اس کی حاجت روائی کیلئے کوئی خاص بندوبست مقرر کر دے تو وہ اس کا حق ہے مگر وہ وقت زمانہ حال اور علت نہ رہے تو قاعدہ شرعیہ ہے۔

لِأَنَّ الْحُکْمَ یَدُوْرُ مَعَ الْعِلَّۃِ۔[595]

جب وہ زمانہ وحال اور سبب علت نہ رہے تو وہ حکم استثناء بھی نہ رہے گا جیسا کہ حالت خوف وسفر کہ امیں وہ حکم نہیں رہتا جو اس حالت میں تھا۔کتب مذہب میں ہے کہ طاعات ومعاصی پر اجرت لینا صحیح نہیں جبکہ اذان حج امامت تعلیم قرآن وحدیث وفقہ سب طاعات سے ہیں اور اجرت لینے دینے پر علماء وعوام کا معمول ہے بعض نے اقامت اور وعظ کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔

حالانکہ شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ) نے تصریح فرمائی ہے:

واجمعوا علی ان الاجارۃ علی تعلیم الفقه باطلة۔

مگر معمول علماء ہے کہ حج وزیارت کی تربیت وتعلیم پر اجرت معمول متواتر ہے اور تعلیم وتلاوت قرآن بھی عوام وخواص کا معمول ہے باوجودیکہ علامہ کی مجموعہ رسائل طبعہ مصر ص ۱۷۴ رسالہ سابعہ میں ہے قرآن کے متعلق لا یجوز فی مذھب من مذاھب الاسلامیة ولا فی دین من الادیان السماویة مگر تلاوت وقرأت پر اجرت کا معمول کتنا عام ہے جن پر خلاف معمول حکم کے خلاف عمل ہو رہا ہے اگر مانعین حضرات کی طرح علم وانصاف کی آنکھیں بند کر کے عدم جواز وممانعت کا حکم نافذ کر دیا جائے تو کیا خلق کثیر پر ظلم نہ ہو گا۔تو آخر کیا علت ہے اجرت پر ان کاموں

---

[595] (شامی ج۳ ص ۳۹)

کو جاری رکھنے کی یہی ہے کہ بغیر اجرت کے یہ کام کرنے والوں کا زمانہ نہ رہا اور کام کرنے والوں کی ضرورت وحاجت کی علت کی بناء پر ضرورتاً اور اضطراراً امور دین کو جاری رکھنے کیلئے جواز کا حکم وفتویٰ دیا گیا ہے۔[596]

(وَ) لَا لِأَجْلِ الطَّاعَاتِ مِثْلُ (الْأَذَانِ وَالْحَجِّ وَالْإِمَامَةِ وَتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ) وَيُفْتَى الْيَوْمُ بِصِحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ وَالْإِمَامَةِ وَالْأَذَانِ۔

جس طرح ان امور پر اجرت لینا دینا ایک زمانے میں صحیح نہ تھا تو جواز کا حکم وفتویٰ بھی نہ تھا اور اب وہ زمانہ نہ رہا۔ یونہی عہد نبوی ﷺ اور خیر القرون دور خلافت میں بیت المال کے مال غنیمت سے آل رسول ﷺ بنی ہاشم سادات کو خمس الخمس دے کر ان کے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا بندوبست مقرر تھا لہذا صدقات وغیرہ سے لینا دینا ممنوع ومکروہ رکھا گیا۔ روایات میں لاتحل اور لاتنبغی کہا گیا ہے وہ زمانہ تاسیس ضابطہ کا زمانہ تھا اگر آل رسول ﷺ کو صدقات وغیرہ ملتے تو کوئی ضعیف الاعتقاد شک وطعن میں مبتلا ہو کر دین وایمان سے محروم نہ ہو بیٹھے کہ یہ شارع علیہ السلام نے اپنوں کیلئے مشروع کیے اس اندیشہ کا محل اب نہ رہا۔ بعض افراد کے مطالبے پر فرمایا کہ تمہاری حاجت روائی کا بندوبست خمس الخمس سے کر دیا گیا ہے وہی کافی ہے پس وہ علت اب نہ رہی تو وہ حکم بھی نہ رہا۔ وجود علت کا حکم عدم علت میں ہو تو فقراء ومساکین کی حق تلفی ہو اور صاف ضرر ہو اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ الضرر یزال یعنی ضرر کو دور کرنا مشروع ہے۔ خمس الخمس ملنے کے وقت وحال کا حکم خمس الخمس نہ ملنے کے وقت وحال میں لگانا قطعاً غلط اور قیاس مع الفارق ہے۔

---

[596] (درمختار ج ۲ ص ۹۷ ا مجتبائی) پر ملاحظہ ہو۔

تفسیر احمدی طبع علیمی میں ہے:

غاية مافی الباب انهم يستحقونه اذاكانوافقراء وذالک لانهم لماطلبواالزكاة فمنعهاعليه السلام عنهم وقال يامعشربنی هاشم ان الله حرم عليكم غسالة الناس واوساخهم وعوضكم منهابخمس الخمس من الغنيمة فقد جعل رسول الله ﷺ خمس الخمس عوضاعن الزكاة والزكاة انمايستحقهاالفقراءفكذاهذاوقدصح ان الخلفاءالراشدين كلهم قسمواعلی نحومانقلناهكذافی شرح الوقاية والهداية۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ خمس الخمس زکوۃ کا عوض ہے جو آل رسول ﷺ کیلئے ہوا اور زکوۃ کے مستحق فقراء ہی ہیں تو خمس الخمس کے مستحق بھی فقراء ہی ہیں پس آل رسول ﷺ سادات بنی فاطمہ سے جو فقراء مساکین محتاج ہو زکوۃ وصدقات ان کو دینا جائز بلکہ دوسروں سے زیادہ ثواب ہے ایک ادائے زکوۃ کا اور دوسرا قرابت نبوی ﷺ کا اس مسئلے میں بعض علماء سے لغزش ہوئی ہے مگر مذہب حنفی سنی میں تمام صدقات بنی ہاشم وآل رسول ﷺ کیلئے حلال اور درست ہیں۔

جامع الرموز طبع نول کشور فصل مصرف الزکوۃ ص ۱۵۰ میں ہے:

وعن ابی حنيفةروايتان وبالجوازنأخذلأن الحرمةمخصوص بزمانه ﷺ۔

امام ابو جعفر الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس چیز کو اختیار کیا ہے کہ صدقات زکوۃ وعشر وغیرہ بنی ہاشم آل رسول ﷺ سادات کرام کو دینا جائز ہے اور ناجائز ہونے کا زمانہ اب نہیں ہے۔

(طحاوی ص ۳ طبع مصر ۴۳۴) پر تصریح ہے:

واختارالطحاوی دفعهالبنی هاشم وكذاروی ابوعصمةعن الامام انه يجوزالدفع الی بنی هاشم فی زمانه لان عوضهاوهوالخمس الخمس لم يصل اليهم العوض عادواالی المعوض واقره القهستانی كذافی شرح الملتقیٰ اھ۔

شرح معانی الآثار میں ہے:

رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ. حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ, عَنْ أَبِيهِ, عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي يُوسُفَ, عَنْهُ أَنَّ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا كَانَتْ حَرُمَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَا جُعِلَ لَهُمْ فِي الْخُمُسِ الخمس فَلَمَّا انْقَطَعَ ذَلِکَ مَا كَانَ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ فَبِهَذَا نَأْخُذُ۔

ص ۳۹۳اور امام طحاوی اصحاب ترجیح میں سے ہیں ان کے "فبھذانأخذ" کہنے سے یہ روایت مرجح ہو گئی اور حرمت و ممانعت والی روایت مرجوح ہو گئی اور فتاویٰ شامی میں امام ابن عابدین نے تصریح فرمائی ہے کہ:

المرجوح کالمنسوخ والحکم والفتویٰ بالمرجوح حرام۔

نیز فرمایا:

الحکم والفتیا بماھو مرجوح خلاف الاجماع۔

بعض کا یہ کہنا کہ صدقات کی علت حرمت آل رسول ﷺ پر مجموعۂ امرین ہے۔اول صدقات کا وسخ ہونا دوسرا خمس الخمس کا ملنا۔قرین قیاس یہ ہے کہ مجموعۂ امرین کا ارتفاع حکم حرمت کا ارتفاع ہو سو وسخ ہونا یوں مرتفع ہوا کہ:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيهِ سے قاعدہ الضرورۃ تبیع المحظورات۔

تو حظر اباحت میں داخل ہو گیا اور دوسرا امر خمس الخمس کا ملنا بوجہ عدم خلافت اور بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے موقوف ہو گیا پس ارتفاع مجموعہ امرین سے علت حرمت بھی مرتفع ہو گئی تو اس قاعدہ کے تحت "سقوط العلۃ یستلزم لسقوط المعلول" یعنی جو حکم جس علت پر ہو، اس علت کے اٹھ جانے سے حکم بھی اٹھ جایا کرتا ہے لہذا صدقات وزکوۃ سادات کرام کیلئے جائز اور حلال ہیں۔

اوراصحاب ترجیح سے محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام صاحب فتح القدیر بھی اسی کے مؤید ہیں اورامام طحاوی (مجتہدفی المسائل) کے فتویٰ کو نقل فرمارہے ہیں:

قال العلامة الحموی شارح الاشباه والنظائروفی شرح الآثارعن ابی حنیفة ان الصدقات کلهاجائزة علی بنی هاشم والحرمة کانت فی عهدرسول الله ﷺلوصول خمس الخمس الیهم فلماسقط ذالک بموته ﷺحلت لهم الصدقة قال الطحاوی وبالجوازنأخذاه۔"

قال العلامة القهستانی فی جامع الرموزوعن ابی حنیفة روایتان وبالجوازنأخذه فالحرمة مخصوص بزمانه ﷺاه۔وفی شرح الملتقی الابحرعن الامام جوازدفع الهاشمی زکوة لمثله وعنه الجوازفی زماننامطلقاقال الطحاوی وبه نأخذ"۔

برھان شرح مواہب الرحمٰن میں تصریح ہے:

وروی ابوحنیفة انه یجوزفی هذاالزمان وانما کان ممتنعافی ذالک الزمان،اه۔

اور کفایۃ حاشیہ ہدایۃ میں ہے کہ:

قوله (ولاتدفع الی بنی هاشم) وفی شرح الآثارللطحاوی رحمة الله تعالیٰ علیه عن ابی حنیفة رحمة الله تعالیٰ علیه لابأس بصدقات کلهاعلی بنی هاشم والحرمة فی عهدالنبی ﷺللعوض وهوخمس الخمس فلماسقط ذلک بموته ﷺحلت لهم الصدقة....قال الطحاوی رحمة الله تعالیٰ علیه وبالجوازنأخذ۔

ترجمہ: یہ قول کہ بنی ہاشم کوزکوۃ نہیں دی جائے گی امام طحاوی امام ابوحنیفۃ رحمہ اللہ سے شرح الآثار میں نقل کرتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے تمام صدقات بنی ہاشم کو دینے پراور حرمت آپ ﷺ کے زمانے اطہر میں تھی کیونکہ انہیں خمس الخمس عوض میں ملتا تھاجب آپ ﷺ

مبارک کے وصال کے ساتھ **خمس الخمس** ساقط ہو اتوان کیلئے صدقہ وزکوۃ حلال ہے۔ اور آخر میں امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ جواز کی صورت کو ہم لیتے ہیں۔[597]

اور تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:

وَقَدْ ذُكِرَ فِي شَرْحِ الْآثَارِ أَنَّهُ يَجُوزُ فِي زَمَانِنَا إعْطَاءُ الزَّكَاةِ لِبَنِي هَاشِمٍ الْأَخْيَارِ لِعَدَمِ وُصُولِ خُمُسِ الْخُمُسِ إلَيْهِمْ بِسَبَبِ إهْمَالِ النَّاسِ أَمْرَ الْغَنَائِمِ وَالْوَاجِبُ عَلَيْهِمْ فَإِذَا لَمْ يَحْصُلْ الْمُعَوَّضُ عَادُوا إلَى الْعِوَضِ وَبِهِ أَخَذَ مِنْ الْآثَارِ حَاوِي الْإِمَامِ الْجَلِيلِ الطَّحَاوِيّ۔

ترجمہ: اور تحقیق کے ساتھ شرح الآثار میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے زمانے میں بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے کیونکہ ان کو خمس الخمس نہیں مل رہا ہے اس سبب کے ساتھ کہ لوگوں نے غنائم کے معاملے کو چھوڑ دیا ہے اور جو ان پر واجب ہے اس کو بھی پس جب معوض حاصل نہ ہو جائے تو عوض کی طرف آنا پڑے گا (جب خمس الخمس نہیں مل رہا ہے تو زکوۃ لے سکتے ہیں) اور امام طحاوی نے آثار سے اسی کو لیا ہے۔[598]

فیض الباری علی صحیح البخاری میں ہے:

ونقل الطحاوي عن أمالي أبي يوسف: أنه جاز دفعُ الزكاة إلى آل النبيّ صلى الله عليه وسلّم عند فُقدان الخُمُس، فإنَّ في الخُمُس حقَّهم، فإذا لم يوجد، صح صرفُها إليهم. وفي البحر عن محمد بن شجاع الثَّلْجي عن أبي حنيفة أيضًا جوازه. وفي عقد الجيد أن الرازي أيضًا أفتى بجوازِه. قلتُ: وأخذُ الزكاةِ عندي أسهلُ من السؤال، فأفتي به أيضًا (نقل العيني عن الأَصْطَخْري أيضًا: أنهم إن مُنِعُوا الخُمُس جاز صرفُ الزكاةِ إليهم)۔

---

[597](الکفایۃ شرح الہدایۃ ج ۱ ص ۱۳۸، البنایۃ فی شرح الہدایۃ ج۳ ص ۵۵۴)

[598](تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۱ ص ۳۰)

ترجمہ: امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب امالی سے امام طحاوی نقل کرتے ہیں کہ زکوۃ نبی کریم ﷺ کی آل کو دینا جائز ہے جب ان کو خمس الخمس نہ دیا جا رہا ہو پس تحقیق کے ساتھ خمس میں ان کا حق ہے پس جب وہ نہ پایا جائے تو ان کی طرف زکوۃ کا رجوع ہونا صحیح ہے اور بحر میں محمد بن شجاع الشلجی امام اعظم ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کا جواز نقل کرتے ہیں اور عقد الجید میں ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ زکوۃ کا لینا میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے سوال سے اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام عینی اسطخری سے اسی طرح نقل کرتے ہیں اگر انہیں خمس سے منع کیا جائے تو انہیں زکوۃ دینا جائز ہے۔[599]

اور الفتاویٰ السراجیہ میں ہے:

لو ادی الی ھاشمی لا یجوز (ھذا ھو القول المعروف المذکور فی عامۃ الکتب و القول الاخر ان الصدقات انما کانت محرمۃ علیھم لأجل خمس الخمس فلما انقطع ذلک عنھم جاز دفع الزکاۃ الیھم، وھذہ روایۃ ابی عصمۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ[600]، و ابن سماعۃ عن أبی یوسف[601]، وھکذا نقل الطحاوی عن أمالی أبی یوسف[602] و اختارہ الطحاوی۔[603]

قال الزیلعی فی "تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۰۳" وروی أبو عصمۃ عن أبی حنیفۃ جواز دفع الزکاۃ الی الھاشمی فی زمانہ وروی عن أبی حنیفۃ أن الھاشمی یجوز لہ أن یدفع زکاتہ إلی الھاشمی۔

---

[599] (فیض الباری شرح علی صحیح البخاری ج۳ ص ۵۲)

[600] (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۰۳)

[601] (البنایۃ ج۳ ص ۵۵۴)

[602] (فیض الباری ج۳ ص ۵۲)

[603] (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۳۳)

وقال الشيخ الشبلی فی حاشیة علی "تبیین الحقائق"قال الطحطاوی:هذه الروایة عن أبی حنیفة لیست بالمشهورة۔اہ۔غایة ۔وفی شرح الآثار عن أبی حنیفة لا بأس بالصدقات کلها علی بنی هاشم والحرمة للعوض وهو خمس الخمس، فلما سقط ذلک بموته علیه الصلاة والسلام حلت لهم الصدقة،قال الطحاوی:وبه نأخذ۔انتهیٰ۔

وقال السغدی فی "النتف فی الفتاویٰ ص ۱۲۴ "(من لا تعطی لهم الزکاة) الخامس: إلی بنی هاشم فی قول أبی یوسف ومحمد وأبی عبدالله،ویجوز فی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ۔

وقال العینی فی "البنایة ج۳ص ۵۵۴"وروی ابن سماعة عن أبی یوسف أنه قال:لا بأس بصدقة بنی هاشم بعضهم علی بعض۔

وممن قال بالجواز من المتأخرین:الشیخ یوسف القرضاوی (فقه الزکاة ۲/۱۸۰) والدکتور وهبة الزحیلی (الفقه الاسلامی وأدلته ۲/۸۸۴)،والشیخ أنورشاه الکشمیری (فیض الباری ۳/۵۲) والقاضی مجاهدالاسلام القاسمی (مجلة بحث ونظر ص-۹۹ ۱۱۰)

وللاستزادة انظر:"حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار ۱/۴۳۸"و"حاشیة الشرنبلالی علی دررالحکام ۱/۱۹۱" و "فقه الزکاة ۱۸۸-۲/۱۸۷"و"معارف السنن ۵/۲۶۶"و"فتاوی محمودیة ۹/۵۶۰"۔

اسی طرح الیاس زادہ وبرجندی وشرح نقایہ شرنبلالی وغیرہ سب کے سب آل رسول ﷺ بنی ہاشم کیلئے صدقات کو بالتصریح جائز وحلال کہتے ہیں ۔تمام کتب مذاہب مثلاً برھان ،ملتقی الابحر، نھر الفائق ، حموی شرح الاشباہ والنظائر،جامع الرموز، الیاس زادہ ،برجندی ،شرح نقایہ، نورالایضاح، فتح القدیر، کفایہ اور معانی الآثار میں ثابت اور متقرر ہے۔اور یہ فتویٰ من جانب مجتہد ہے اور فتویٰ کی علامات میں سے ایک علامت "فبهذا نأخذ" ہے۔

قال فی الدر المختار اما العلامة للافتاء فقوله و علیه الفتویٰ، و به یفتی، و به نأخذ...الخ۔

لہٰذا مسئلہ ہٰذا جواز صدقات بر بنی ہاشم وسادات مذہب سنی حنفی میں ثابت اور محقق ہے اور ان حضرات کا صدقات لینا درست و جائز ہے۔

قرآن پاک میں صریح حکم ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَیرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیهِ (البقرة)

ترجمہ: پس جو ناچار ہوا نہ حکم شرع سے باغی بن کر اور نہ حد ضرورت سے بڑھ کر کھائے تو اس پر گناہ نہیں۔

جب ضرورۃ لابدیہ شرعیہ میں میتہ (مردار) بھی مباح ہوتا ہے تو بحالت حاجت لابدیہ شرعیہ سادات بنی ہاشم کیلئے صدقہ وزکوۃ جو بعلت وصول خمس الخمس کے (جو ان کی حاجت روائی کیلئے کافی تھا) ممنوع ومکروہ تھے تو اس زمانہ وعلت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کیوں مباح اور حلال نہ ہوں گے بلکہ ضرور حلال ہوں گے صدقات کی مشروعیت فقراء ومساکین کی حاجت مندی اور ضرورت ہی کی بناء پر ہے تو جب تک حاجت وضرورت باقی ہے صدقات کی مشروعیت اباحت ہے۔

تفسیر احکام القرآن باب ذکر الضرورۃ المبیحۃ لاکل المیتۃ میں ہے کہ:

وقد فصل لکم ماحرم علیکم الا مااضطررتم الیه (الانعام) فاقتضیٰ ذلک وجود الاباحة بوجود الضرورة فی کل حال وجدت الضرورة فیها۔

پس جس زمانہ وحال میں ضرورت ہو اباحت ومشروعیت کا حکم ہے۔ صدقات وزکوۃ اہل بیت بنی ہاشم سادات پر مباح وحلال ہیں ان کو دینے میں کوئی حرج نہیں اور نہ انہیں لینے میں کوئی گناہ ہے بلکہ ان کو دینے سے منع کرنا مذہب وملت کے علم سے محرومی وجہالت ہے اور ان کو باوجود فقر

ومحتاجی کے نہ لینا بھی جہالت اور گناہ ہے حتی کہ اگر اس فقر ومحتاجی میں مفتی کے غلط فتویٰ کی بناء پر اور اپنی لاعلمی سے صدقات وزکوۃ سے جان، آبرو اور دین کی تباہی کی نوبت آئی تو گناہ اور نہ لینے والے پر ہے اور یہ **ولاتقتلوا انفسکم** فرمان خداوندی کی صریح خلاف ورزی ہے جو قطعی حرام ہے۔ لہٰذا اب عدم خلافت وبیت المال سے **خمس الخمس** کے عدم وصول اور فقراء واحتیاج کے عدم جواز کا فتویٰ ظلم وبربریت وجہالت ہے۔ اللہ معاف فرمائے۔

احکام القرآن (طبع مصر) میں ہے:

قال اللہ تعالیٰ ولاتقتلوا انفسکم "ومن امتنع من المباح حتی مات کان قاتلا نفسہ متلفالھا عند جمیع اھل العلم.... الخ۔

خلاصہ کلام

تمام اقسام کے صدقات محتاج سادات کو دینا اور لینا فی زماننا جائز، درست اور حلال ہیں۔ اگر صدقات وزکوٰۃ کے علاوہ کسی اور صورت سادات کرام کی مالی مدد ہو سکے تو بہتر ہے، اور اگر کوئی اور چارہ نہ ہو تو اس زمانہ میں سادات کرام کی مالی معاونت زکوٰۃ اور صدقات کی صورت میں کی جاسکتی ہے، لیکن اگر حیلہ ہو جائے (مثلاً کسی غریب آدمی کے ذریعے یہ زکوٰۃ ان تک پہنچائی جائے اور وہ اپنی جانب سے یہ سادات کرام تک پہنچائے) تو یہ زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔ **واللہ ورسولہ اعلم!**

(العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ، حصہ دوئم)

مکتوب نمبر ۵۷

[نصیحت کے متعلق شیخ محمد یوسف کی طرف صادر فرمایا:

حق سبحانہٗ بطفیل حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا آپ کو آپ کے آباءِ کرام کے طریقہ مستقیمہ پر استقامت عطا فرمائے۔

آپ کے خاندان میں بزرگی موروثی شے ہے۔ایسے طریقہ پر زندگی گزاریں کہ یہ وراثت میسر آجائے۔ ظاہر کو ظاہرِ شریعت کے ساتھ اور باطن کو باطنِ شریعت کے ساتھ جو کہ حقیقت سے عبارت ہے آراستہ اور مزین رکھیں۔ کیونکہ حقیقت وطریقت حقیقتِ شریعت اور اس حقیقت کے راستے سے عبارت ہیں۔ یہ بات نہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت وحقیقت امرِ دیگر ہے۔ کیونکہ یہ تو الحاد اور زندقہ ہے۔ آپ کے متعلق فقیر کا گمان بہت نیک ہے۔ بعض واقعات کو بھی اس معنیٰ کا گواہ پاتا ہے۔ اور اس ماجرے کا کچھ قدرے بیان آپ کے والد بزرگوار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے بھی کیا تھا۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ شیخ عبد الغنی درستی سے آراستہ اور نیک فطرت ہے۔ اگر آپ کی بلند خدمت میں کسی کام کے سلسلے میں رجوع کرے تو ضرور اس کی طرف التفات اور توجہ فرمائیں۔

والسلام والاکرام]

تشریح

تصوف کی حقیقت و حکمت سے ناواقف صوفیاء اور علماء سوء کہتے ہیں نظر آتے ہیں کہ شریعت الگ ہے اور طریقت جدا اَمر ہے۔ اپنے اس قول کو بنیاد بنا کر جاہل صوفی کہتے ہیں کہ ہمیں صوفیت کی صورت میں معرفت کی دولت میسر ہے اس لئے ہمیں شریعت کے احکامات پر عمل کی ضرورت نہیں رہی جبکہ علماءِ سوء کہتے ہیں کہ ہم شریعت کے پابند ہیں اسی لئے سلوک کی ضرورت نہیں پڑتی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ان دونوں گروہوں کے اس قول کو الحاد وزندقہ فرمایاہے اور تعلیم دی ہے کہ ان دونوں (یعنی شریعت وطریقت کی) دولتوں کو اکٹھا کرنا لازم وضروری ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی تعلیم کی اس بات کا قرونِ اولیٰ سے ثبوت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ قول ہے جسے ہم نے پہلی جلد میں بھی بیان کیا ہے یعنی:

مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ، وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ، وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ۔

ترجمہ: جس نے فقہ (کا علم) حاصل کیا اور تصوف کو نہ جاناوہ فسق وفجور میں پڑ گیا اور جو تصوف میں ڈوب گیا اور فقہ سے نابلد رہا وہ زندیق ہوا اور جس نے دونوں کو جمع کیا اس نے حق کو پالیا۔[604]

اب ہم اس بات کو ذرا وضاحت سے بیان کر دیتے ہیں تاکہ سالکین کے ساتھ ساتھ علماءِ ظواہر کو بھی یہ بات سمجھنا آسان ہو جائے۔

---

604 (مرقاۃالمفاتیح شرح مشکوٰۃالمصابیح، ج ۱، ص ۳۳۵)

شریعت صورتِ ایمان اور طریقت و تصوف ایمان کی حقیقت ہے۔ صورتِ ایمان تو یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تمام احکامات کو دل و جان سے تسلیم کر کے اُن پر عمل کیا جائے، اور حقیقتِ ایمان یہ ہے کہ ان اعمال پر عمل کرنے والے کے قلب کا تصفیہ اور اُس کے نفس کا تزکیہ ہو جائے۔ تو جسے صورتِ ایمان کے ساتھ ایمان کی حقیقت بھی نصیب ہو جائے وہی دراصل مؤمنِ حقیقی ہے اور یہی وہ کامل مؤمن ہے جسے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنن مبارکہ کی حکمتوں کا ادراک ہوتا ہے، اور پھر اِن سُنتوں کو عملی طور پر اپنانا اُس کے لئے آسان تر ہو جاتا ہے۔ ایسے خوش نصیب انسان کا ایمانِ غیبی، ایمانِ شہودی کا درجہ حاصل حاصل کر لیتا ہے لیکن صرف ظاہر شریعت پر عمل کرنے والے شخص کو یہ حکمتیں اور یہ درجات کہاں نصیب ہو سکتے ہیں اور شریعت سے منہ موڑ کر صرف طریقت کا دم بھرنے والے جاہل صوفی کے لئے ان مراتب کا حصول تو سرے سے ناممکن ہے۔

پس ثابت ہوا کہ شریعتِ مطہرہ اور تصوف دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کی لازم و ملزوم ہیں اور ان میں سے ایک کو ماننا اور کسی دوسرے کا انکار سراسر الحاد و زندیقیت ہے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اس مکتوب میں نصیحت فرمائی ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ اپنا ظاہر، ظاہرِ شریعت کے ساتھ اور اپنا باطن، باطنِ شریعت کے ساتھ آراستہ رکھے۔ یعنی شریعت کی صورت اور حقیقت دونوں حاصل کرے۔ واضح ہو کہ شریعت کی حقیقت تزکیۂ نفس کے بعد ہاتھ آتی ہے، جبکہ انسان، نفس اور خواہشاتِ نفس سے خلاصی پا لیتا ہے۔ شریعت کی حقیقت تک پہنچنے سے

مراد یہ ہے کہ سالک شان الکلام اور صفت الکلام کے ظلال کی تجلیات سے بہرہ اندوز ہو اور اس مرتبہ کے حصول کی علامت یہ ہے کہ سالک مِصداقاتِ قضایائے شرعیہ کے صِدق کامشاہدہ کرنے لگے۔

طریقت اس راستہ کو کہتے ہیں جو حقیقت تک پہنچائے اور طریقت وشریعت دونوں کی حقیقت تجلیاتِ قرآنیہ سے حاصل ہوتی ہے۔کیونکہ حقیقتِ قرآن کا تعلق ذات اور اس کی شیونات وصفات سے ہے اور قرآنِ لفظی، کلامِ نفسی کا ظل ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کے اوامر اور نواہی کے مطابق زندگی بسر کرنے والا انسان صورتِ شریعت سے حقیقتِ شریعت تک پہنچ جاتا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۱۷)

مفتاح السلوک، جلد اول میں ہے:

تصوف کی کیا تعریف ہے، صوفی کسے کہتے ہیں، شریعت اور طریقت میں کیا فرق ہے؟

تصوف: دل کی صفائی اور ظاہر وباطن میں حضوراقدس سرورکائنات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی کامل پیروی اوراحکام شریعت کی کامل پابندی کانام ہے۔

صوفی: اس کو کہتے ہیں جس نے اپنے آئینۂ دِل کو ظلمات شہوات لذات نفسانیہ سے مصفی ومجلی کرلیاہو اوراس کی ہر حرکت وسکون اورافعال واقوال قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے عین مطابق ہو لیکن جو شخص ایک قدم بھی شریعت سے پیچھے ہٹااور پابندیٔ شریعت کواس نے چھوڑدیااور حرام کو اپنے حق میں حلال سمجھ لیا۔وہ کلیتہً صوفی حق آگاہ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ خائب، خاسر اور گمراہ ہے۔صوفیت کی اس کو ہوا بھی نہیں لگی۔اگرچہ بظاہر لباس صوفیانہ ہو۔آسمان تک اڑجاتاہو اور پانی پر چل سکتاہو۔یہ

سب کے اس شعبدے ہیں۔ کرامت نہیں۔ کفار بھی اس قسم کے شعبدے دکھایا کرتے ہیں۔ جس کو عربی زبان میں استدراج کہتے ہیں۔ کرامت تو صرف منبع حق سے صادر ہوتی ہے۔

حضرت مولانا نورالدین جامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

اگر صد ہزار خوارق عادات برایشاں ظاہر شود ۔چوں نہ ظاہر ایشاں موافق احکام شریعت است نہ باطن ایشاں موافق آداب طریقت باشد آں از سبیل مکر واستدراج خواہد بود۔

ترجمہ:اگر ایسے شخص سے جس کانہ ظاہر احکامِ شریعت کے مطابق ہو اور نہ باطن آداب طریقت کے موافق ہو۔اگر کوئی کام ظاہر ہو جائے جو خوارق عادات سے ہوں تو وہ مکر اوراستدراج ہے۔ کرامت نہیں۔

حضرت غوث صمدانی محبوب یزدانی مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

خوارق عادات اگرازولی موصوف باوصاف ولایت ظاہر گردد کرامت گویند واگراز مخالف شریعت صادر شود استدراج۔

ترجمہ : اگر خرق عادت ولی سے ظاہر ہو جو اوصاف ولایت سے موصوف ہو اس کو کرامت کہتے ہیں اور اگر مخالف شریعت سے ظاہر ہو اس کو استدراج کہتے ہیں۔[605]

حضرت ابو عبد اللہ محمد ابن خفیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

التصوف تصفية القلوب واتباع النبی صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم فی شریعته۔

---

605 (لطائف اشرفیہ ص ۱۲۶)

ترجمہ: تصوف یہ ہے کہ دل کو صاف کیا جائے اور رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی پیروی کامل ہو۔[606]

حضرت سیدی و مولائی جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واتباع النبی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم فی الشریعۃ۔

ترجمہ: تصوف شریعت میں سرور کائنات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اتباع کا نام ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بعض گمراہوں نے صوفیوں کا لباس پہن لیا ہے اور اپنے آپ کو صوفی کہلاتے ہیں حالانکہ صوفیوں سے ان کو کچھ تعلق نہیں۔"

اور یہ صوفی گمراہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا تک پہنچے ہوئے ہیں اور شریعت کی پابندی تو صرف عوام کیلئے ہے۔ صوفی شریعت سے بے نیاز ہیں۔ ایسے گمراہ صوفیوں کا یہ قول خالص الحاد اور زندقہ ہے کیونکہ فکل حقیقۃ ردتھا الشریعۃ فھی زندقۃ۔

یعنی جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ زندقہ ہے۔[607]

امام شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں:

علم التصوف تفرع من عین الشریعۃ۔

ترجمہ: علم تصوف چشمۂ شریعت سے نکلی ہوئی جھیل ہے۔[608]

---

606 (طبقات کبریٰ ص ۱۲۰)

607 (عوارف المعارف ج ا ص ۴۲)

608 (طبقات کبریٰ ص ۱۴)

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں:

اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو کہ وہ ہوا میں چارزانو بیٹھ سکتا ہے تو اس سے فریب مت کھاؤ۔

حتی تنظروا کیف تجدونہ عندالامر والنھی و حفظ الحدود وآداب الشریعۃ۔

ترجمہ: جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض واجب مکروہ و حرام اور محافظت آداب شریعت میں اس کا کیا حال ہے۔[609]

حضرت ابوسعید خراز، حضرت ذوالنون مصری سری سقطی اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔

کل باطن یخالفہ ظاھر فھو باطل۔

ترجمہ: جو باطن ظاہر کے مخالف ہو وہ باطل محض ہے۔[610]

حضرت سیدی قطب العالم غوث الاعظم السید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

"محبوب مطلق کے علاوہ کسی غیر کی طرف دھیان مت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ہر امر و نہی کی حفاظت کرنا۔ اگر تم سے حدود شریعت میں کسی قسم کا خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنے میں پڑا ہوا ہے اور شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے تو فوراً حکم شریعت کی طرف آ اور اس سے لپٹ جا اور اپنی خواہشات نفسانی کو چھوڑ دے۔

کیونکہ کل حقیقت لاتصدیق لہ باالشریعۃ فھی باطل۔

ترجمہ: جس حقیقت کو شریعت تصدیق نہ فرمائے وہ باطل ہے۔

---

609 (رسالہ قشیریہ ص ۱۸)

610 (رسالہ قشیریہ ص ۲۸)

ان تصریحات اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت ہوا کہ:

۱۔ تصوف حضوراقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم کی شریعت کی کامل پابندی کا نام ہے۔

۲۔ جو شخص شریعتِ اسلام کی پابندی کرتا ہے اور سنتِ رسول اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اورآدابِ طریقت کو اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے وہ صوفی ہے۔

وہ لوگ جو صوفیت کا جامہ پہن کر صوفی بنے ہوئے ہیں اوراحکامِ خدااوررسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم کی پابندی نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمیں نماز،روزہ سے کیاکام۔ہماری نمازیہی چرس بھنگ اورناچناگاناہے۔ان کوتوطریقت کی ہوابھی نہیں لگی۔واصل بخداہوناتوعلیحدہ بات ہے کیونکہ:

خلاف پیغمبر کسے رہ گزید　　　　اوہرگزبمنزل نخواہدرسید

شریعت

حضوراکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم کے بتائے ہوئے راستے کوشریعت کہتے ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جس کامنتہیٰ اللہ رب العزت جل مجدہ ہے اور جس پر چل کر انسان خداتک پہنچتاہے۔

قرآنِ مقدس کااعلان ہے:

إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴿ھود ۵۶﴾

ترجمہ:"بیشک میرارب سیدھے راستہ پرملتاہے۔"

یہی وہ راہ ہے جس کامخالف گمراہ وبے دین ہے۔

قرآن شریف میں ارشاد ہے:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿الانعام ۱۵۳﴾

ترجمہ: اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور، اور راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیز گاری ملے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شریعتِ محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم ہی وہ راستہ ہے جو وصول الی اللہ ہوتا ہے اور جس سے حقائقِ اشیاء کا انکشاف ہوتا ہے اسی طرح طریقت بھی اس راہ ہی کا نام ہے اور اس کا شریعت سے جدا ہونا محال ہے۔ شریعت ایک چشمہ ہے اور طریقت اسی چشمہ سے نکلا ہوا ایک دریا ہے۔ جس کو ہر لحظہ اس کی ضرورت وحاجت ہے۔ شریعت درخت ہے اور طریقت اس کا پھل ہے۔ درخت کے بغیر پھل کا ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے طریقت ہر آن شریعت کی محتاج ہے اور جو شخص طریقت کو شریعت سے جدا مانتا ہے وہ بندۂ شیطان ہے۔

حضرت امام عبد الوہاب الشعرانی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

من نظر الی کون الحقیقة تخالف الشریعة او عکسه فهو اعور فان الشریعة هی اساس علم الحقیقة التی یترقی السالک منها الی درج الحقیقة فلا یصح طلب الحقیقة من غیر معرفة الشریعة لانه لا یدخل الی الحقیقة الا من باب الشریعة۔

ترجمہ: جو شخص دیکھے کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے یا شریعت حقیقت کے مخالف ہے تو یہ شخص اندھا ہے اس لئے کہ شریعت علمِ حقیقت کی بنیاد ہے جس پر سالک ترقی کرتا ہے حقیقت کے درجے کی طرف۔ پس شریعت کی معرفت کے بغیر حقیقت کو طلب کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ شریعت کے دروازے کے بغیر حقیقت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں:

وسمعت سیدی علیاالخواص رضی اللہ عنہ یقول مراراً:من ظن ان الحقیقة تخالف الشریعة اوعکسه فقدجهل ,لانه لیس عندالمحققین شریعة تخالف حقیقة ابداًحتی قالوا:شریعةبلاحقیقةعاطلة,وحقیقةبلاشریعةباطلة۔

ترجمہ: میں نے سیدی علی الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے بار بار یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے یہ گمان کیا کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے یاشریعت حقیقت کے مخالف ہے تو بے شک اس نے جہل اختیار کیا اس لئے کہ محققین کے نزدیک شریعت حقیقت کے مخالف کبھی بھی نہیں ہو سکتی، یہاں تک کہ محققین نے فرمایا کہ شریعت بغیر حقیقت کے بے فائدہ ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے باطل ہے۔

تیسری جگہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وکان سیدی ابراھیم الدسوقی رضی اللہ عنه یقول :الشریعة کالشجرة والحقیقة ثمرتھا۔

ترجمہ: اور سیدی ابراہیم الدسوقی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ شریعت کی مثال درخت کی سی ہے اور حقیقت اس کا پھل ہے۔[611]

علم باطن ہچو مسکہ، علم ظاہر ہچو شیر
کے بود بے شیر مسکہ کے بود بے پیر پیر

[611] (الاجوبةالمرضیةعن ائمةالفقهاءوالصوفیاء ص ۱۵۶-۱۵۳)

معلوم ہوا کہ طریقت نام ہی شریعت کا ہے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بتائی ہوئی راہ پر چلنا اور شریعتِ اسلام کا پورا پورا احترام کرنا اور اپنی ہر حرکت و سکون کو شریعتِ اسلام کا پابند بنالینا یہی طریقتِ اسلام ہے جس طریقت کو شریعتِ محمد یہ جائز قرار نہ دے وہ طریقت ہی نہیں ہے بلکہ شیطان کی راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطانی راستوں سے بچائے اور صراط مستقیم پر قائم ودائم رکھے۔

شریعت تمام کمالات کی اصل ہے

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے خواجہ محمد فاروق کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ شریعت کے تمام کمالات کی اصل ہے خواہ وہ کمالات نبوت ہوں یا کمالات ولایت ہوں

الحمدللہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است

(دوست کی جو بات بیان کی جائے پسندیدہ ہے)

میرے مخدوم! کمالات ولایت شریعت کی صورت (ظاہر) کا نتیجہ ہیں اور کمالت نبوت شریعت کی حقیقت (باطن) کا پھل ہیں پس ولایت و نبوت کی کمالات سے کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو کہ شریعت کے دائرہ سے باہر وہ اور وہ اس (شریعت) سے بے نیاز ہوں، ہاں بعض معاملات جو کہ مذکورہ کمالات کے علاوہ ہیں کہ جن کے حاصل ہونے میں اعتقاد عمل کی کوئی تاثیر نہیں ہے ان کا فاضہ ہونا تفضل و احسان کی راہ سے ہے اور وہ معاملات اصالتا انبیائے مرسل علی نبینا و علیہم و علی جمیع الانبیاء الصلوات والبرکات کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اور ان سے گزرنے کے بعد وہ معاملات ہیں کہ جن کا فیضان محبت کی راہ سے ہے جو کہ تفضل و احسان سے اوپر ہے کہ بالاصالت حبیب و کلیم علیہما الصلوۃ والسلام کا

حصہ ہے اور جو معاملات کہ محبوب ذاتیہ سے تعلق رکھتے ہیں حضرت حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے لئے خاص ہیں۔ یہ معاملات اگرچہ شریعت غرا(روشن) کے دائرہ سے باہر ہیں لیکن چونکہ شریعت اصل وبنیاد ہے (اس لئے) اس سے کسی قسم کا استغنا نہیں رکھتے جان لیں کہ یہ مذکورہ معاملات اگرچہ اصالت کے طور پر ان اکابر کے ساتھ مخصوص ہی لیکن جائز ہے کہ ان کے کامل تابعداروں کو (بھی) وراثت کے طور پر ان سے حصہ مل جائے اور متبوع کی طرح اس کے طفیل میں اس کی خاص دولت سے ہم آغوش ہو جائے (حاصل کرلے)

دمد صبح از گریبانم گر آں مہ درکنار آید

اگر وہ ماہ (محبوب) گود میں آجائے تو میرے گیربان سے صبح طلوع ہو جائے۔

چونکہ تابع ہمیشہ طفیلی اور اس کے دستر خوان سے کھانے والا ہے (اس لئے) متبوع کے ہمسروں کی بہ نسبت اس کے مساوی اور افضل ہونے کا توہم لازم نہیں آتا ہے، یہ معارف حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے خاص اسرار میں سے ہیں، اور تابع کامل سے مراد وہ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) خود ہیں یا جو ان کے مثل ہے ہم جیسے بوالہوسوں کو ان امور کا ایبان کرنا اور سننا بھی حسن قبول کی شرط کے ساتھ غنیمت ہے اور اس کا ایمان رکھنا داخل کمال ہے۔

ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علیٰ کل شیء قدیر۔ والسلام[612]

---

[612] مکتوب:60، ص:161،162، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

شیخ الاسلام والمسلمین امام اہل السنۃ والجماعۃ الشاہ امام احمد رضا افغانی ثم بریلوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کی اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سپاسیوں کو ہوتے ہیں، پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں اسی نار جحیم وعذاب الیم تک پہنچاتے ہیں۔[613]

کمال دو چیزوں پر موقوف ہے:

امام معصوم قدس سرہ نے مرزا محمد صادق کے نام اس بارے میں کہ معاملہ دو چیزوں یعنی صاحب شریعت صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کے اتباع اور شیخ مقتدا کی محبت پر موقوف ہے اور قضاو قدر کے مسئلہ کی تشریح میں تحریر فرمایا۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ مکتوب مرغوب جو آپ نے قاصد کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا چونکہ دوستوں کی عافیت وسلامتی پر مشتمل تھا مسرت وشادمانی کا باعث ہوا، اللہ تعالیٰ شریعتِ عالیہ اور سنت منورہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے راستہ پر استقامت ومداومت نصیب فرمائے پس بلاشبہ یہی کام کی اصل ہے اور اسی پر نجات کا مدار ہے اور اس کے علاوہ بے فائدہ زحمت اٹھانا ہے۔ میرے مخدوم! اگر دو چیزوں یعنی صاحب شریعت (صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم) کا اتباع اور شیخ مقتدا (پیر) کی محبت میں استقامت واستحکام ہے اور احوال ومواجید (کیفیات) میں سے کچھ بھی نہیں ہے تو غم نہیں ہے، آخرکار اس کو سب کچھ دیدیں گے اور اکابر کے احوال ومواجید سے اس کو محروم نہیں چھوڑیں گے، اور اگر ان دو چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل ہے اور

---

[613] فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۷، ص ۱۳۳، دار اھل السنۃ

اس کو احوال و مواجید حاصل ہیں تو خرابی کے سوا کچھ نہیں ہے اور وہ جو کچھ رکھتا ہے استدراج کی قسم سے ہے اس مقصد کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا چاہیئے، ملاقات حاصل ہونے تک ذکر و فکر میں مشغول رہیں، اور غیر جنس اور طریقہ کے مخالف کی صحبت سے بچتے رہیں **فر منهم اكثر ما تفر من الاسد** (جتنا تو شیر سے بھاگتا ہے اس سے زیادہ ان سے بھاگ)[614]

شریعت کی مخالفت مغز کے سوائے چھلکا

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے سیادت پناہ میر محمد نعمان کے نام اس بارہ میں تحریر فرمایا کہ صوفیائے کرام کی نسبت کے حصول کا مصداق احکام شریعت کے ساتھ آراستگی ہے۔

بسم الله حامدا و مصليا على رسوله الكريم: اللہ تعالیٰ (آپ کی) ذات بابرکات کو اپنے الطاف میں شامل رکھ کر ارشاد (ہدایت) کی مسند پر جلوہ فرما رکھے اور ہستی موہوم (انانیت) سے آزاد کرکے ہمیشہ کی نیتی (فنائیت) کے ساتھ موصوف کرے تاکہ حقیقی ہستی (بقا باللہ) جلوہ گر ہو اور خود اپنے ساتھ حاضر رہے یہ معنی ذوقی اور وجدانی ہیں کہنے اور سننے میں صحیح طرح پر نہیں آتے اور نظر و فکر سے یہ معمہ نہیں کھلتا کہ آسانی (فطرع) تکالیف کے باوجود نہ ہونے کے کیا معنی ہیں اور ہونا اور نہ ہونا ایک ہی وقت میں کسی طرح ہو گا **عرفت ربی بجمع الاضداد** (میں نے اپنے رب کو ضدوں کے جمع ہونے سے پہچانا) ایک بزرگ نے کہا ہے کہ ہر چیز میں رحمت ہے سوائے عشق کے کہ قتل کرتے ہیں اور مقتول سے خون بہا مانگتے ہیں۔ یعنی گم شدہ (فانی) سے احکام بندگی معاف نہیں کرتے اور اس نسبت کا مصداق شرعی احکام کے ساتھ آراستہ ہونا ہے کیونکہ اس کا کمال فنا اور اطمینان نفس تک پہنچاتا ہے اور نفس مطمئنہ سے موافقت کے سوا اور کچھ نہیں آتا شریعت کا مخالف اور اس میں

---

[614] مکتوب: 83، ص 147، دفتر دوم، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

سستی کرنے والا جو شخص بھی اس نسبت کا دعوی کرتا ہے مغز سے سوائے چھلکے کے اور کچھ حاصل نہیں رکھتا اور جو کچھ رکھتا ہے وہ استدراج کے راستہ سے ہے۔ وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ وَ هُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (آل عمران ۸۵) اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہو گا۔

امید ہے کہ اس ناکارہ کو دعائے خیر سے نہیں بھلائیں گے اور قبولیت کے اوقات میں اس کیلئے استقامت کی دعا کرتے رہیں گے پس بیشک استقامت کرامت سے افضل ہے۔ والسلام[615]

یقینی نجات شریعت کی بجا آوری میں ہے

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے مرزا عبید اللہ کے نام بلند ہمتی پر ترغیب اور دوسرے مشاہدات پر اس شہود کی فضیلت کے بارے میں جو کہ احکام شرعیہ میں رونما ہوتا ہے تحریر فرمایا۔

الحمدللہ و السلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ برادر اعزار شداد ارجمند کا مکتوب عزیز میر دوست محمد نے پہنچا کر خوش وقت کیا، اللہ تعالیٰ عافیت اور ترقیات کے ساتھ رکھے۔ آپ نے لکھا تھا کہ غیر و غیرت کے شہود کی اس حد تک کامل نفی ہوگئی ہے کہ کسی ظلی اور اعتباری مغائرت کو بھی پسند نہیں کرتا بلکہ کوئی دوسرا وجود ثابت کرنا کفر معلوم ہوتا ہے اس کے باوجود بندگی اور عبادت کی رعایت اپنی جگہ پر قائم ہے اور آپ ظاہری شرع کے طریقوں سے حتیٰ الامکان ایک دقیقہ بھی ترک نہیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کا شکر بجالائیں کہ باطن اس قسم کے حال سے پوری طرح مغلوب ہوا اور ظاہر آداب شرعیہ پر قائم رہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ دن بدن استقامت کو زیادہ کرے کیونکہ یقینی نجات اس میں ہے اور اس کے ماسوا میں خطرہ ہے ہمت کو بلند رکھیں اور ان احوال کو

---

[615] مکتوب:101، ص237،238، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

وصول کے لئے سازوسامان جانیں اور ترقی کے زینے تصور کریں اور مطلوب کو وراء الوراء طلب کریں اور شہود و مشاہدہ سے باہر تلاش کریں۔ ایک بزرگ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا عرض کیا یارسول اللہ توحید کیا چیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تیرے دل میں وسوسہ گزرے یا تیرے خیال میں آئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے ماوراء ہے۔

آپ نے لکھا تھا حضرت خاتمیت علیہ من الصلوات اور مہاومن التسلیمات اتمہا کی حقیقت کے ساتھ محبت کرنا ایک کامل ترین مقام سے ہے اور احکام شرعیہ کے غوامض (باریکیاں) خاص شکلوں میں کیفیت کے بغیر متجلی ہوتے ہیں اور مقصود کے چہرہ کو دوسرے آئینوں سے زیادہ صاف انکشاف بخشتے ہیں۔ میرے مخدوم! اس شہود کہ جو کہ احکام شرعیہ کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے ان شہودات کے ساتھ جو اس عالم فانی کے آئینوں میں ظاہر ہوتے ہیں کیا نسبت؟ اس لئے کہ احکام شرعیہ کو عالم آخرت کے موجودات کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ اس عالم میں ممکن کے وجود کی جانب کو ترجیح دیکر صفات کے حسن وجمال کا مظہر بنادیں گے جو کہ ان کے وجود میں ثابت ہیں بخلاف اس عالم فانی کی موجودات کے کہ ممکن کے عدم کی جانب کو تربیت دیکر اس حسن وجمال کا مظہر بنایا گیا ہے جو عدم صفات کے احتمال کی جانب میں نمودار ہوا ہے اس لئے کہ صفات واجبی کے لئے کہ ہر دو عالم (عالم فانی وعالم آخرت) موجودات جن کے مظاہر ہیں جس طرح ان کے وجود کی جانب میں حسن وجمال موجود ہے (اسی طرح) ان کے عدم کے احتمال کی جانب میں بھی حسن وجمال ثابت ہے لیکن جو حسن کہ عدم میں نمودار ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ حنظل کو شکر کے غلاف کر دیں اور شیریں محسوس کرادیں اس لئے آخرت کی لذتیں اور نعمتیں سب پسندیدہ مقبول اور ترقی بخش ہوئیں اور آخرت رضا کا گھر ہوا اور دنیا غضب کا گھر ہوئی اور اس کی فانی نعمتوں میں مشغول ہونا ناپسندیدہ ہوا کیونکہ اس مقام کا حسن

وجمال عدم کے زہر آب کے ساتھ مخلوط ہے اس معاملہ کی تحقیق ہمارے حضرت عالی قدس سرہ کے مکتوبات کی جلد ثالث کے مکتوب صدم میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے وہاں سے طلب کریں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ جو کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی ہیں (یہ سب) خطاب ازلی ہیں جو کہ صفت کلام سے تعلق رکھتے ہیں پس اس جگہ نفس اسم کا ظہور عدم کے آئینوں کے بغیر ہو گا اور ان تمام ظہورات کو جو کہ عدم کے آئینوں میں اسماء کے ظلال کے ساتھ وابستہ ہیں اس ظہور سے کیا مساوات اور کونسی نسبت ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس وقت میں لوگ طریقہ کے لئے بہت زیادہ مجبور کرتے ہیں الخ۔ میرے مخدوم! جس جگہ طالب صادق دیکھیں اور استخارہ موافق آجائے اور دل بے تکلف متوجہ ہو جائے تو طریقہ بتادیں ورنہ مجبوری نہیں ہے لیکن اگر بعض وسوسے اور اندیشے اس کام میں پیش آئیں اور تو ان سے استغفار ضروری ہے آپ نے ولایت کبریٰ کے کمالات اور نبوت کے خصائص اور قدوۃ المحققین ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس کی ولایت کے خواص میں سے بعض کے بارے میں دریافت کیا تھا میرے مخدوم ان امور میں سے اکثر حضرت عالی (قدس سرہ) کے مکتوبات میں واضح اور مشرح ہیں (ان کو) مطالعہ فرمائیں۔[616]

تمام کمالات شریعت غرا میں مندرج ہیں:

ولی کامل صاحبِ ممدوح نور اللہ مرقدہ نے شاہ خواجہ ترمذی کے نام آیت کریمہ اسۡتَجِيبُوا لِرَبِّكُمۡ (الشوریٰ ۴۷) میں ذکر کی ہوئی استجابت کے بیان میں اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ بیشک تمام کمالات شریعت غرا میں مندرج ہیں۔

[616] مکتوب: 123، ص 276، 275، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

اسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ مَا لَکُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّ مَا لَکُمۡ مِّنۡ نَّکِیۡرٍ (الشوریٰ ۴۷)

قبل اس کے کہ ایسا دن آپہنچے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لوٹانے والا نہیں ہے، تم اپنے رب کا حکم مانو، اس روز نہ تمہارے لئے کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہارے لئے کوئی (اللہ سے) روک ٹوک کرنے والا ہوگا۔

ظاہری استجابت (ماننا) احکام شریعت کے ساتھ آراستہ ہونا اور سنن مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ساتھ جو کہ ظاہر کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں زینت حاصل کرنا ہے اور باطنی استجابت حق تعالیٰ و تقدس کے ماسوا سے انقطاع و بے تعلقی پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ان اسرار و معارف کے ساتھ جن کا تعلق باطن سے ہے آراستگی حاصل کرنا ہے۔ پہلی بات (ظاہری استجابت) شریعت کی صورت ہے اور دوسری بات (باطنی استجابت) شریعت کی حقیقت ہے، پس ظاہری و باطنی کمالات شریعت حقہ کے دائرہ میں داخل ہیں، لہٰذا شریعت کی صورت اصل ہے اور اس کی حقیقت اس پر مرتب ہونے والا پھل ہے پس یہ (شریعت) کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصۡلُہَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُہَا فِی السَّمَآءِ (ابراھیم ۲۴) (اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی اصل (جڑ) ثابت (قائم و مضبوط) ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں) پس اصل (جڑ) کی قوت کے مطابق پھل اور شاخیں اکثر و اعلیٰ ہونگی پس کمال وصول کی علامت کمال تقویٰ و کمال اتباع شریعت غرّا، دارالغرور (دنیا) سے کنارہ کشی اور دارالقرار (آخرت) کے لئے تیار رہنا ہے۔ اور نبی مختار صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم اور آپ کی آل ابرار اور تمام انبیاءِ کرام و ملائکہ عظام اور تمام صالحین پر صلوٰۃ و سلام ہو جبتک رات اندھیری اور دن روشن ہوتا ہے (یعنی ہمیشہ ہو) آمین۔[617]

---

[617] مکتوب: 126، ص 279، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

تمام کمالات سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اتباع میں منحصر ہیں

صاحبِ ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ محمد حکیم ولد قاضی اسلم کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ تمام کمالات سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں منحصر ہیں اور اس بات کے بیان میں کہ مرشد کے باطن سے فیض حاصل کرنا مرید کی محبت کے اندازے کے مطابق ہے۔

حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوت کے بعد شفقت شعار کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس حدود کے فقرا کے احوال و اطوار احمد کے لائق ہیں اور اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی اور شریعت پسندیدہ و سنت منورہ مصطفویہ علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحتیہ کے راستہ پر آپ کی استقامت کے لئے دعا کی گئی ہے۔ پس بیشک ظاہری و باطنی کمالات شریعت منورہ کے دائرے میں مندرج اور خاتم الانبیاء علیہ و علیہم الصلوات والبرکات العلیٰ کے اتباع میں منحصر ہیں پس جذبہ و سلوک (کی) آنحضرت (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) کے آثار سے امید رکھی جاتی ہے اور فنا و بقا (دونوں) آنحضرت کے طریقوں (سنتوں) میں موجود ہیں اور تینوں ولایتیں یعنی صغریٰ و کبریٰ و علیہا آپ کے سمندروں کے قطرے ہیں اور نبوت و رسالت (دونوں) آنحضرت کے انوار سے ماخوذ ہیں اور مقطعات قرآنیہ آنحضرت کے اسرار کے رموز ہیں صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم

گرامی نامہ نے جو کہ آپ نے اس دور افتادہ ناکارہ کے نام موسوم فرمایا تھا پہنچکر مسرور کیا امید ہے کہ آپ اس طریقہ کی نگہداشت رکھیں گے باطنی تعلق کے سلسلہ کو جاری رکھیں گے جو کہ دعا اور غائبانہ توجہ کا سبب ہے اور اس بات کی کوشش کرتے رہیں گے کہ یہ سلسلہ اور زیادہ قوی ہو جائے اور کمال کو پہنچ جائے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ فیض پہنچانے والے کے باطن سے برکات جاری

ہونا اس تعلق کی مطابق ہے۔

طالب کا باطن ان انوار سے جس قدر زیادہ روشن ہو گا فیض پہچانے والے کے باطن سے صورت فیضیہ کا ظہور اسی قدر زیادہ ہو گا کسی نے خوب کہا ہے مصرع

بقدر آئینہ حسن تو می نماید روے (تیرا حسن بقدر آئینہ رونما ہوتا ہے)

دوستوں سے سلامتی خاتمہ کی دعا کی امید کی گئی ہے۔[618]

تمام ترکیفیات میں بھی شریعت کی پابندی لازمی ہے

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے خواجہ محمد ماہ پسر خواجہ عبدالرحمٰن نقشبندی کے نام تعزیت و نصیحت کرنے اور شریعت عالیہ و سنت منورہ اور دوام ذکر پر ترغیب دینے کے بارے میں تحریر فرمایا:

حمد و صلوٰۃ و ارسال تسلیمات کے بعد عرض ہے کہ کیا لکھا جائے کہ ہولناک واقعہ اور وحشت انگیز نمبر کے سننے پر دوستوں کو کس قسم کی مصیبت پہنچی اور کتنا رنج و غم پیش آیا انا للہ و انا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ کے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) لیکن چونکہ مولائے حقیقی جل شانہٗ کی تقدیر و ارادہ سے صبر و رضا کے سوا چارہ و مفر نہیں ہے۔

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری
کہ خوش بود ز عزیزان تحمل خواری

(اگر تو مجھے آزار پہنچائے تب بھی میں تجھ سے رو گردانی نہیں کرونگا کیونکہ عزیزوں کی طرف سے ذلت کو برداشت کرنا اچھا ہوتا ہے۔)

---

[618] مکتوب: 130، ص 284، 283، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

آپ کو چاہیئے کہ شریعت و طریقت کے راستہ پر قائم رہیں تاکہ حقیقت تک راہ پائیں اور اپنے بزرگوں کے طریقے اور روش کو نہ چھوڑیں تاکہ ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوں، دنیاوی زندگی بہت تھوڑی ہے اور آخرت کا معاملہ دائمی و ابدی ہے ایسا کام کرنا چاہیئے کہ نجات اخروی حاصل ہو جاے اور مالک حقیقی سے سرخروئی نصیب ہو جائے، حق سبحانہٗ نے آدمی کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے اور اس کی مرضی پر نہیں چھوڑا ہے کہ وہ جو کچھ سمجھ میں آئے کرے اور جس طرح چاہے زندگی بسر کرے اس کو اوامر و نواہی کا پابند بنایا ہے، انسان اس کے سوا چارہ نہیں رکھتا کہ اس (اللہ تعالیٰ) کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی بسر کرے جس چیز کا اس کو امر کیا گیا ہے اس کو بجالائے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے کنارہ کش ہو جائے اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ سرکش بندہ ہو گا اور طرح طرح کی سزاؤں کا مستحق ہو گا۔ ذکر و فکر میں مشغول رہیں اور اگر ذکر کہنے میں دل کو بیزاری پیدا ہو اور وہ ذکر کہنے سے باز رکھے تو محض وقوف قلبی یا بے کیف توجہ میں مشغول ہو جائیں اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "آرام و جمعیت اس میں ہے کہ دل کی حرکت جس طرح کی ہو اور دل میں کوئی خیال نہ گزرے یہاں تک کہ اسم ذات کے تلفظ کا خیال بھی نہ گزرے جس وقت یہ صفت ظاہر ہوتی ہے تمام چیزوں سے روک دیتی ہے، اس حال میں آرام و جمعیت زیادہ سے زیادہ مشاہدہ کرتا ہے۔" میرے مخدوم! یہ حال عمدہ ہے اور دل کو ماسوا سے جس قدر بھی قطع تعلق حاصل ہو جائے نعمت ہے لیکن بشرطیکہ فرائض و واجبات میں خلل واقع نہ ہو ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے لیکن صفت مذکورہ کو ہاتھ سے نہ دیں اور ڈرتے اور کانپتے رہیں اور سنت پیغمبر صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم پر مضبوطی سے قائم رہیں راہِ نجات یہی ہے اور اس کے علاوہ بیکار محنت کرنا ہی آپ کی استقامت کیلیئے دعا کی گئی ہے۔ **ثبتنا اللہ سبحانہ و ایاکم علی جادۃ الشریعۃ العلیۃ** (اللہ تعالیٰ ہمیں

اور آپ کو شریعت عالیہ کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے)۔[619]

تلک خیالات تربی بھا اطفال الطریقة

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے مولانا حسن علی کے نام علوم شرعیہ کے حاصل کرنے اور حضرت محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی سنت کو زندہ کرنے پر ترغیب دینے اور دیگر نصیحتوں کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلواۃ اور دعائیں دینے کے بعد سعادت آثار برادر عزیز مولانا حسن علی اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے حال کو اچھا کرے اور اس کی امیدیں پوری فرمائے کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ (اس طرف کے) احوال حمد کے مستحق ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و احسان ہے اللہ تعالیٰ سے اقارب کے طریقہ پر ثابت قدمی اور استقامت کی دعا کی گئی ہے پس بیشک یہی کام کا سرمایہ اور نجات کا مدار ہے اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے، اے بھائی! چونکہ آخری زمانہ کے اوقات ہیں دین کے معاملہ میں سستی آگئی ہے اور سنت متروک ہوگئی اور بدعت پھیل گئی ہے (اس لئے) علوم کا حاصل کرنا اور ان کو پھیلانا اس طرح کی ظلمانی دور میں اہم کاموں میں سے ہے، اور سنت محمدیہ علی صاحبہا الصلواۃ والسلام والتحیۃ کو زندہ کرنا اعظم مقاصد میں سے ہے علوم شرعیہ کے حاصل کرنے اور ان کی نشر و اشاعت اور سنت مصطفوی علی صاحبہا الصلواۃ والسلام والتحیۃ کے زندہ کرنے میں کمر ہمت مضبوط باندھیں اور نامرادی کے گوشے اور جازی و نیستی کی صفت کے ساتھ بارگاہ الٰہی عزّ برا ہانہ میں دائمی نگرانی (حضوری) کو ترک نہ کریں اور احوال و مواجید کی کچھ فکر نہ کریں کیونکہ ان کا کمال آخرت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ امور جن کے ساتھ صوفیائے وقت خوش ہیں یا وہ کَسَراب بقیعة یحسبها

[619]مکتوب:129، ص206،205، دفتر سوم، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

الظمان ماء (جیسا کہ چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت جس کو پیاسا آدمی (دور سے) پانی سمجھتا ہے) کی قسم سے ہیں یا ان کی تسلی کے لئے ہیں، ہزاروں میں سے کسی ایک کے لئے ظاہر کرتے ہیں جس کسی نے بھی یہ کہا ہے خوب کہا ہے: **تلک خیالات تربی بھا اطفال الطریقة** (یہ وہ خیالات ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی پرورش کی جاتی ہے) (یہ گھر دنیا) عمل کا گھر ہے، طاعات کی ادائیگی میں مَردوں کی طرح رہیں اور خلوت و گوشہ نشینی کو غنیمت جانیں، ظاہری معاش کے کاموں کو حضرت **الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (الذٰریٰت ۵۸)** (نہایت مضبوط قوت والے رزاق یعنی اللہ تعالیٰ) کے سپرد کردیں اور جمعیت (اطمینان) کو اس کی تدبیر کے ترک میں جانیں کیونکہ تدبیر اور اسباب جمع کرنے کا معاملہ دور و تسلسل کی طرف لے جاتا ہے اور اس سے کامل جمعیت (اطمینان) کا حاصل ہونا عادۃً محال ہے۔ دیگر یہ کہ آپ کے والد بزرگوار کے لئے فاتحہ پڑھی گئی، **انا للہ و انا الیہ رجعون** (بیشک ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی رحمت میں شامل فرمائے اور پسماندگان کو اپنی قضا پر رضا نصیب فرمائے (ان کے ایصال ثواب کیلئے) فاتحہ و صدقہ اور (ان کی مغفرت طلب کرنے کے لئے) استغفار سے ہمیشہ ان کو یاد کرتے ہیں۔[620]

الاستقامت فوق الکرامة:

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے خواجہ محمد صدیق کے نام شریعت پر استقامت چاہنے اور مرشد کی محبت پر رہنمائی کرنے کے متعلق اور اس بارے میں حصولِ نسبت اور چیز ہے اور اس کا علم ہونا اور چیز ہے اور اس چیز کی وضاحت میں کہ حال ہو اور اس حال کا علم نہ ہو، تحریر فرمایا:

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ مکتوب پسندیدہ کچھ نیاز (ہدیہ) کے ساتھ

---

[620] مکتوب: 178، ص 347، 346، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

یکے بعد دیگرے پہنچا اور اس کے لمبے چوڑے مقدمات واضح ہوئے۔ میرے مخدوم! اس طرف سے کمال صفائی ہے کوئی غبار اپنے دل پر نہ لائیں، مایوسی دشمنوں کو نصیب ہو، اپنے کام میں کوشش کرتے رہیں اور جس حال میں بھی ہوں نیستی کی صفت کی طرف دائمی توجہ کو ہاتھ سے نہ دیں اور حضرت حق سبحانہ سے استقامت طلب کریں۔ الاستقامۃ فوق الکرامۃ (استقامت کرامت سے افضل ہے) آپ نے سنا ہوگا، فقیر بھی آپ کی استقامت کے لئے دعا گو ہے، امید ہے کہ اس کے آثار ظاہر ہوں گے، اگر احوال و مواجید سے کچھ بھی ظاہر نہ ہو اور شریعت پر اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) اور ان کے درویشوں کی محبت پر استقامت حاصل ہو تو کوئی خوف نہیں ہے اور حقیقت سے بے نصیب نہیں ہے اور اگر معاملہ برعکس ہے تو استدراج کے سوا کچھ نہیں جاننا چاہئے، اس تعلق کو مضبوط رکھنا چاہئے۔ ہمارے بزرگوں کی نسبت بہت بلند اور عقل کے دائرے سے باہر ہے، مشکل ہے کہ ادراک (سمجھ) کا ہاتھ یکایک (یکدم) اس کے دامن تک پہنچے اگرچہ (یہ نسبت) حاصل ہو کیونکہ حصول اور چیز ہے اور اس (حصول) کا علم دوسری چیز ہے یعنی نسبت کے حصول کا علم باطن کے لئے ہے کیونکہ علم التذذ اسی کے نصیب ہے اگرچہ ظاہر کے ساتھ ملا ہوا ہے چنانچہ باطن کا علم والتذاذ ابتدا میں ہمسائیگی کی وجہ سے ظاہر میں بھی سرایت کرتا ہے اور ظاہر بھی واجد و لذت یافتہ ہو جاتا ہے اور جب کام انتہا کو پہنچ جاتا ہے (اور) باطن ظاہر سے حصہ لیتا ہے اور اپنے آپ کو خالی اور بے نسبت پاتا ہے بلکہ کبھی (ایسا) ہوتا ہے کہ باطن کے ساتھ کمال بے مناسبتی کی وجہ سے ہدایت یافتہ مبتدی کو جس نے کہ اندراج النہایۃ فی البدایۃ (ابتدا کا انتہا میں درج ہونا) کے حکم کے مطابق انتہا کی چاشنی پائی ہے اور قلب سے جو کہ جذبہ کا مقام ہے نہیں نکلا ہے۔ اس کے مقلب (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ نہیں ملا اور ظاہر میں ذوق و وجد کے ساتھ موصوف ہے اپنے آپ سے زیادہ کامل جانتا ہے اور اپنے آپ

سے نسبت کی نفی کر کے اس کو صاحبِ نسبت جانتا ہے یہی وجہ ہے کہ طالب اس قسم کے مبتدی اور متوسط کی صحبت میں بظاہر زیادہ رشد و ہدایت سمجھتا ہے اور وجد والتذاذ زیادہ دیکھتا ہے چونکہ اس کا مرشد شوق ووجد کے ساتھ لذت پارہا ہے اس لئے مرید میں بھی یہ کیفیت پر تو (عکس) ڈالتی ہے۔ شیخ الاسلام (قدس سرہٗ) کے پاس، کیونکہ وہ تمہارے لئے خرقانی سے زیادہ فائدہ مند ہوتے یعنی خرقانی منتہی تھے مرید ان سے کم فائدہ حاصل کرتا۔ راقم کہتا ہے یعنی وہ فائدہ جو کہ وجد و دانش سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ مطلقاً فائدہ کیونکہ کامل فائدہ وہ ہے جو کہ منتہی کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، پہلے فائدہ کو اس فائدے کے ساتھ کیا نسبت ہے وہ فائدہ کی صورت ہے اور یہ فائدہ کی حقیقت ہے لیکن چونکہ نہایت بلندی کی وجہ سے اس کی نسبت معروف ادراک سے باہر ہے طالب میں بھی اسی کیفیت کے ساتھ ظہور کرتا ہے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت یہی تھی۔ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (آل عمران ٦٠) (پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو) والسلام۔ [621]

احیائے سنت

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے مولانا محمد صدیق کے نام سنت کو زندہ کرنے اور بدعت کو مٹانے پر ترغیب دینے اور الہام کے ظنی ہونے اور بندگی کے پسندیدہ طریقے کے بیان میں تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً اللہ العظیم مصلیا علیٰ رسولہ الکریم

اس وقت میں عہد نبوت کے بعد اور قیامت کے قرب کی وجہ سے بدعت شائع ہو گئی ہے اور اس کی ظلمتوں نے دنیا کا احاطہ کر لیا ہے اور سنت اجنبی (ان جانی) ہو گئی ہے اور اس کے انوار پوشیدہ ہو گئے ہیں، متروکہ سنتوں کو زندہ کرنے اور شرعی علوم کو شائع کرنے میں کمر ہمت کو خوب مضبوط

[621] مکتوب: 179، ص 348، 347، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

باندھیں اور اس امر کو بارگاہ خداوندی جل سلطانہ کی کمال رضامندی کا وسیلہ بنائیں اور بارگاہ محمدی (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہٖ وَسلَّم) کے قرب کو اس عمل کے ذریعہ تلاش کریں، حدیث شریف کا مضمون ہے کہ جو شخص میری ایسی سنت کو زندہ کرے گا کہ جس پر عمل متروک ہو چکا ہے تو اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ احیائے سنت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اس پر خود عمل کرے اور اس سنت کے زندہ کرنے کا اعلیٰ درجہ اس کو رواج دینا اور دوسروں سے اس پر عمل کرانے میں کوشش کرنا ہے۔ خاتمہ کے مبہم ہونے کے درد و غم کا اظہار جو آپ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں بجا ہے، یہ ابہام کمر شکن ہے آج اس درد سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ کوئی شخص خالی نہیں ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اپنے بارے میں قبولیت کا کچھ اثر یقین و خرم کے ساتھ مشاہدہ نہیں کرتا ہے۔" میرے مخدوم! اس قسم کے امور میں جزم و یقین نزول وحی کے زمانہ میں (حاصل رہا ہے اور اس زمانہ کے علاوہ اور وقت میں علامات و آثار و بشارات جو کہ طمانیت قلب کا سبب ہوں ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ ابہام (ذو معنیٰ ہونے) کا وہم درمیان میں ہے (اس لئے) درد و اضطراب دامنگیر ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ "اپنی عبادات و طاعات کو قبولیت کے لائق نہیں جانتا اس بنا پر بعض اوقات ان کے ادا کرنے سے سستی برتتا ہے۔" میرے مخدوم! اس عالم (دنیا) میں عمل (مطلوب اور ضروری ہے خواہ قبولیت کے قابل جانیں یا نہ جانیں عمل کرنا چاہیے اور اس سے استغفار کرنا چاہئیے گریہ و زاری کے ساتھ اس کی قبولیت طلب کرنی چاہئے تا کہ قبولیت کے لائق ہو جائے اور نورانیت پیدا کرلے اعمل و استغفر (عمل کر اور استغفار کر) بندگی کا طریقہ یہی ہے اور اس کے علاوہ شیطانِ لعین کا بہکانا ہے۔ دیگر جو محبت و دلی توجہ کہ فقیر کو آپ کی جانب ہے اس کا کیا اظہار کرے جو محبت کہ آپ کو ہمارے ساتھ ہے وہ اسی کا اثر ہے فرع میں جو کچھ ہے وہ اصل کی طرف سے آیا ہے، شروع

سے اسی طرح ہوتا آیا ہے، آیت کریمہ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ (المائدة ۵۴) (وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں) اور آیت کریمہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (البينة ۸) (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے) میں اپنی محبت ورضا کو ان کی محبت ورضا پر مقدم رکھا ہو اور حدیث قدسی وأنا إليهم لَأَشَدُّ شوقاً (یقیناً میں ان کی طرف زیادہ شدت کا شوق رکھتا ہوں) میں اپنے اشد شوق کو ثابت کیا ہے۔[622]

تمام خیر سنت نبویہ میں ہی ہے:

امام عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

فاعمل يا اخي بالسنة فان الخير كله فيها والله يتولى هداك۔

اے میرے بھائی سنتوں کے مطابق زندگی گزار کہ تمام خیر اسی میں ہے[623]

الخیر فی الاتباع والشر فی الابتداع

قال الإمام أبو القاسم القشيري رحمه الله: "لا ينبغي لمريد أن يعاهد الله تعالىٰ على فعل شيء مما لم يكلفه الله تعالى به، فإن في مكروهات الشريعة ما يغني عن ذلك"۔

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مرید کے لئے مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس عمل کا اس کو مکلف نہیں بنایا وہ اس پر اللہ تعالیٰ سے عہد وپیمان کرے کیونکہ جو کام شریعت میں مکروہ ہیں ان میں سے بعض کام اس سے بے نیاز کرتے ہیں۔

ثم إنه قد لا يعانُ على ما عاهد ربه عليه من ذلك، لعدم دخوله تحت شرعه الأصلي، فإنه تعالى ما ضمن المعونة إلا لمن هو تحت إمره المشروع على ألسنة رسله، و في القرآن العظيم "رهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم إلا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعايتها" فالخير كله في قدم الاتباع

---

[622] مکتوب: 228، ص 422، 421، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

[623] لواقح الانوار القدسية في بيان العهود المحمدية۔ ص: 650 دار الكتب العلمية

الشر فی الابتداع۔

پھر جب وہ کسی کام کا اپنے رب سے وعدہ کرتا ہے تو اس کی مدد نہیں کی جاتی کیونکہ وہ کام شریعت کے اصل امور میں داخل نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اس کام کی مدد کی ضمانت دیتا ہے جن کا حکم اس نے اپنے رسولوں کی زبان سے دیا ہے اور قرآن مجید میں ہے: وَرَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔ "اور وہ راہب بنا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ فرمائی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے بنایا جیسا اس کے بنانے کا حق تھا۔" (الحدید:۲۷)

پس بھلائی مکمل طور پر شریعت کی اتباع میں ہے اور بدعات میں برائی ہے۔[624]

الفقہ فی الدین مفتاح الطریق

ومن هنا قالوا المريد: تفقه فی دينک أولاً ثم تعال ادخل الطريق و ذلک ليقل التفاته إلى غير الطريق، فربما شرع فی مجلس ذكر مثلاً فصار درسه يدعوه إلى مطالعته، والهضور مع الطلبة، و كثرة الجدال، و ذلک يفرق عن المعنى المقصود فی الطريق، من دوام المراقبة لله تعالى وحده، على أن غالب دقائق العلوم يدخلها حظوظ النفس، و مبنى الطريق كلها على مخالفة النفس والله أعلم۔

اسی وجہ سے مشائخ مرید سے کہتے ہیں پہلے اپنے دین کی سمجھ اختیار کرو پھر آکر طریقت میں داخل ہو یہ اس لئے کہ طریقت کے غیر کی طرف اس کی توجہ کم ہو۔ مثلاً بعض اوقات وہ مجلس ذکر میں شروع ہوتا ہے تو اس کا درس اس کو مطالعہ اور طلبہ کے ساتھ حاضری کی دعوت دیتا ہے۔ نیز وہ "مجادلہ" (لڑائی جھگڑے) کی کثرت اختیار کرتا ہے اور اس طرح اس بات سے اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے جو طریقت میں مقصود ہوتی ہے اور وہ مسلسل اللہ وحدہٗ کی طرف توجہ (مراقبہ) ہے۔ علاوہ ازیں علوم کی غالب باریک باتیں نفس کی

---

[624] الانوار القدسیۃ فی معرفۃ قواعد الصوفیۃ جلد 1

خواہشات میں شامل ہو جاتی ہیں جب کہ طریقت کا دار و مدار مکمل طور پر نفس کی مخالفت پر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[625]

شریعت وطریقت سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی نظر میں

شریعت و طریقت، دو راہیں مُتَبَایِن نہیں (کہ ایک دوسرے سے جدا اور ایک دوسرے کے خلاف ہوں) بلکہ بے اِتِّباعِ شریعت خدا تک وُصول محال۔ شریعت تمام اَحکامِ جسم و جان وروح و قلب وجملہ عُلُوْمِ اِلٰهِیّه و مَعارِفِ نا مُتَنَاهِیَه کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے، و لہٰذا باجماعِ قطعی جملہ اولیائے کرام کے تمام حقائق کو شریعتِ مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں حق و مقبول ہیں ورنہ مردود و مخذول (مطرود و نامقبول)، (تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط و مدار ہے، شریعت ہی مُحِک و معیار ہے اور حق و باطل کے پرکھنے کی کسوٹی۔

شریعت "راہ" کو کہتے ہیں اور شریعتِ محمدیه عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلاۃُ وَ التَّحِیَّةُ کا ترجمہ ہے:
"محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی راہ۔"

اور یہ قطعاً عام و مطلق ہے نہ کہ صرف چند احکامِ جسمانی سے خاص، یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور اس پر صبر و استقامت کی دُعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ (الفاتحه ٦) (ہم کو سیدھا راستہ چلا) ہم کو محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی راہ پر چلا، ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔

---

625 الانوار القدسیة فی معرفة قواعد الصوفیة جلد 1

یونہی طریق، طریقہ، طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو، تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے، اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادتِ قرآنِ عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک، جنت تک نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں، کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآنِ عظیم باطل و مردود فرما چکا۔

لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے اسی راہِ روشن کا ٹکڑا ہے، اس کا اس سے جدا ہونا محال و ناسزا ہے، جو اسے شریعت سے جدا مانتا ہے اسے راہِ خدا سے توڑ کر راہِ ابلیس مانتا ہے، مگر حاشا، طریقتِ حقّہ راہِ ابلیس نہیں قطعاً راہِ خدا ہے)نہ بندہ کسی وقت کیسی ہی ریاضات و مجاہدات بجالائے (کیسی ہی ریاضتوں، مجاہدوں اور چِلّہ کشیوں میں وقت گزارا جائے) اس رُتبہ تک پہنچے کہ تکالیفِ شرع (شریعتِ مطہرہ کے فرامین و احکامِ امر و نہی) اس سے ساقط ہو جائیں اور اسے اَسْپ بے لگام وشُتُر بے زمام کر کے چھوڑ دیا جائے۔

(قرآن عظیم میں فرمایا: اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (هود ۵٦) "بے شک اسی سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔" اور فرمایا وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (الانعام ۱۵۳)

شروع رکوع سے احکامِ شریعت بیان کر کے فرماتا ہے: "اور اے محبوب! تم فرما دو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ لگ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے جدا کر دیں گے۔" دیکھو! قرآنِ عظیم نے صاف فرما دیا کہ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے جس کا مُنۡتَهَا اللہ ہے، اور جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دُور پڑے گا۔

طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباعِ شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سَنِّیَاسیوں کو دیئے جاتے ہیں پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں، اسی نارِ جحیم وعذابِ اَلیم تک پہنچاتے ہیں۔ (مقالِ عرفاء) صوفی وہ ہے کہ اپنے ہَوا (اپنی خواہشوں، اپنی مرادوں) کو تابعِ شرع کرے (بے اتباعِ شرع کسی خواہش پر نہ لگے) نہ وہ کہ ہَوا (وہوس اور نفسانی خواہشوں) کی خاطر شرع سے دستبردار ہو (اور اتباعِ شریعت سے آزاد)۔

شریعت غذا ہے اور طریقت قوت، جب غذا ترک کی جائے گی قوت آپ زَوال پائے گی۔ شریعت آنکھ ہے اور طریقت نظر (اور) آنکھ پھوٹ کر نظر (کا باقی رہنا) غیر مُتَصَوَّر، (عقل سلیم قبول نہیں کرتی تو شریعتِ مطہرہ میں کب مقبول ومعتبر)۔

بعد اَز وصولِ (منزل) اگر اتباعِ شریعت سے بے پروائی ہوتی (اور احکامِ شرع کا اتباع لازم و ضرور نہ رہتا یا بندہ اس میں مختار ہوتا) تو سیّد العالمین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم اور امام الواصلین علی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجۡہَہٗ اس کے ساتھ احق ہوتے (اور ترکِ بندگی و اتباعِ شرع کے باب میں سب سے مقدم وپیش رَفۡتُ) نہیں (یہ بات نہیں اور ہرگز نہیں) بلکہ جس قدر قربِ (حق) زیادہ ہوتا ہے شرع کی باگیں اور زیادہ سخت ہوتی جاتی ہیں (کہ) حَسَنَاتُ الۡاَبۡرَارِ سَیِّئَاتُ الۡمُقَرَّبِیۡنَ (ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے لیے عیب ہوتی ہیں)

نزدیکاں رابیش بود حیـــران

(قریب والوں کو حیرت زیادہ ہوتی ہے۔)

اور

جن کے رُتبے ہیں سِوا، ان کو سوا مشکل ہے

آخر نہ دیکھا کہ سیّد المعصومین صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم رات رات بھر عبادات و نوافل میں مشغول اور کارِ اُمّت کے لیے گریاں وملول رہتے، نمازِ پنجگانہ تو حضور پر فرض تھی ہی، نمازِ تَہَجُّد کا ادا کرنا بھی حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر لازم بلکہ فرض قرار دیا گیا، جب کہ اُمّت کے لیے وہی سنت کی سنت ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگ زُعم کرتے ہیں کہ احکامِ شریعت تو وصول کا ذریعہ تھے اور ہم واصل ہو گئے یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت! فرمایا: "وہ سچ کہتے ہیں، واصل ضرور ہوئے مگر کہاں تک؟ جہنم تک۔ چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں اگر ہزار برس جیوں تو فرائض و واجبات تو بڑی چیز ہیں جو نوافل و مستحبّات مقرر کر دیئے ہیں بے عذرِ شرعی ان میں کچھ کم نہ کروں۔"

تو خلق پر تمام راستے بند ہیں مگر وہ جو رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی نشانِ قدم کی پیروی کرے

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہر گز بمنزل نہ خواہد رسید

جس کسی نے پیغمبر صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے خلاف راستہ اختیار کیا ہر گز منزلِ مقصود پر نہ پہنچے گا۔

توہینِ شریعت کفر (اور علمائے دینِ متین کو سب و شتم، آخرت میں فضیحت و رسوائی کا موجب) اور اس کے دائرہ سے خُروجِ فِسق (و نافرمانی)۔

صوفی (تقویٰ شعار) صادق (العمل) عالِم سُنّی صحیح العقیدہ خدا و رسول کے فرمان (واجب الاذعان کے مطابق) پر ہمیشہ یہ عقیدت رکھتا ہے کہ (یہاں اصل میں بیاض ہے)، (علمائے شرع مبین وَارِثانِ خاتم النبیین ہیں اور علومِ شریعت کے نگہبان و علمبر دار، تو ان کی تعظیم و تکریم صاحبِ شریعت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی تعظیم و تکریم ہے اور اس پر دین کا مدار) اور عالمِ مُتَدَیِّن خدا طلب (خدا پرست، خدا ترس، خدا آگاہ) ہمیشہ صوفی سے (یہاں اصل میں بیاض ہے)، (بتواضع و انکسار پیش آئے گا کہ وہ حق آگاہ اور حق کی پناہ میں ہے) اور اسے اپنے سے افضل و اکمل جانے گا (کہ وہ دنیاوی آلائشوں سے پاک ہے) جو اعمال اس (صوفی صافی حق پرست و حق آگاہ) کے اس کی نظر میں قانونِ تقویٰ سے باہر نظر آئیں گے (ان سے صرفِ نظر کرکے معاملہ عالم الغیب والشہادۃ[5] پر چھوڑے گا بمصداق:

ای کہ حمال عیبِ خویشتنید　　　طعنہ بر عیبِ دیگراں مکنید

(اے اپنے عیبوں کو اُٹھانے والو! دوسروں کے عیب پر طعنہ زنی مت کرو۔)

اے اللّٰہ! سب کو ہدایت اور اس پر ثبات و استقامت (ثابت قدمی) اور اپنے محبوبوں اور سچے پکے عقیدوں پر جہانِ گُزراں سے اُٹھا۔ اٰمِیۡن یَا اَرۡحَمَ الرّٰحِمِیۡن!

اَللّٰھُمَّ لَکَ الۡحَمۡدُ وَ اِلَیۡکَ الۡمُشۡتَکٰی وَ اَنۡتَ الۡمُسۡتَعَانُ ط وَ لَا حَوۡلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی [626]

---

[626] اِعۡتِقَادُ الۡاَحۡبَابِ فِی الۡجَمِیۡلِ وَ الۡمُصۡطَفٰی وَ الۡاٰلِ وَ الۡاَصۡحَابِ

ہر باطن جو ظاہر شریعت کے مخالف ہو باطل ہے:

حضرت ابو سعید خزار نے فرمایا:

کل باطن یخالفه ظاهر فهو باطل

ہر باطن جو ظاہر کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔یعنی ہر وہ حقیقت (باطنی احوال) جو شریعت کے مخالف ہو باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔[627]

امام العارفین حضرت سلطان باہو قدس سرہ لکھتے ہیں:

کل باطن مخالف لظاهر فهو باطل۔

ہر وہ باطنی معاملہ جو ظاہر شریعت کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔[628]

اتباع شریعت کے بغیر وصول الی اللہ ناممکن ہے

حضرت ابو الحسن وراق فرماتے ہیں:

لا یصل العبد الی اللہ الا باللہ و بموافقة حبیبه صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله وَ سلَّم فی شرائعه، و من جعل الطریق الی الوصول فی غیر الاقتداء یضل من حیث یظن انه مهتد۔

بندہ اللہ تک صرف اللہ کے ذریعے اور شریعت میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی موافقت کے ذریعے پہنچتا ہے جس کسی نے بھی رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی پیروی کے بغیر وصول الی اللہ کا راستہ اختیار کیا وہ گمراہ ہو گیا خواہ وہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتا رہے۔ (جیسا کہ اس زمانے کے متصوفین کا گمان فاسد ہے)[629]

---

[627] عوارف المعارف ص:36، حقائق عن التصوف ص ۳۹۰

[628] حق نمائے، (نور الھدیٰ) ص ۵۱

[629] حقائق عن التصوف، ص ۳۹۰

شیخ عبد اللہ بن ابی بکر قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

ماعندنا طریق الی اللہ تعالیٰ الا الشریعۃ وھی الاصل و الفرع

ہمارے نزدیک شریعت کے علاوہ وصول الی اللہ کا کوئی راستہ نہیں اس لئے کہ یہی اصل اور یہی فرع ہے۔[630]

شیخ احمد زروق نے فرمایا:

و کل شیخ لم یظھر بالسنة فلا یصح اتباعه لعدم تحقق حاله و ان صح فی نفسه و ظھر علیه ألف ألف کرامة من امره۔

ہر وہ شیخ جو ظاہر میں سنت کو نہ اپناسکا اسکی تابعداری درست نہیں اور حال یہ ہے کہ وہ اپنے گمان میں خود کو درست تصور کرتا ہو اور خواہ وہ ہزارہا کرامتیں دکھائے۔[631]

اور کہا گیا ہے کہ تصوف شریعت سے کوئی الگ راستہ نہیں بلکہ تصوف شریعت پر عمل پیرا ہونے کا ہی نام ہے۔ اس لئے پہلے شریعت پر کاربند ہونا ضروری ہے پھر تصوف کی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ اور طریقت و حقیقت اصل میں شریعت ہی کو بام عروج تک پہنچانے کا نام ہے۔[632]

امام ربانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

فان ریاضات اھل الباطل (المتصوفین) و مجاھداتھم التی لا توافق الشریعة الغراء (و ھو اظھر من الشمس) الا یحصل منھا شیء غیر الخسارہ۔

---

[630] عقائد السنیہ مصنف عثمان بن عیسیٰ الصدیقی الحنفی ص ۱۰ میر محمد کتب فروش پشاور

[631] حقائق عن التصوف، ص ۳۹۲، ۳۹۳

[632] تصوف کی باتیں ص ۴۳

پس بے شک اہل باطل (جاہل صوفی) کی وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو شریعت (جو کہ روشن ہے) کے موافق نہ ہو سوائے خسارے کے کچھ فائدہ نہیں۔[633]

کتب تصوف کے ساتھ کتب فقہ کا مطالعہ بھی ضروری ہے:

امام ربانی مجدد الف ثانی نوراللہ مرقدہٗ نے شیخ نظام الدین القانیسری کی طرف خط لکھا جس میں آپ نے فقہ کی کتب کا ذکر و مطالعہ کی تلقین کی ہے۔

فکما انه یذکر فی مجلسه الشریف من کتب التصوف، کذالک ینبغی ان یذکر فیه من الکتب الفقیهة، و الکتب الفقهیة بالعبارة الفارسیة کثیرة مثل مجموعة خانی و عمدة الاسلام و الکنز الفارسی بل لا ضرر اصلا ان لم یذکر من کتب التصوف فانه یتعلق بالاحوال لا دخل له فی القال و عدم مذاکرة الکتب الفقهیة محتمل للضرر، و زیادة الاطناب موجبة للملال، القلیل یدل علی الکثیر۔ (شعر)

و بشت عند کمن خفی ضمائر
نبذا و خفت سامة من کثرة

پس جس طرح آپ کی مجلس میں کتب تصوف کا ذکر و مطالعہ ہوتا ہے اسی طرح کتب فقہ کا بھی ذکر و مطالعہ ہو۔ اور زبان فارسی میں فقہ کی بے شمار کتب موجود ہیں جیسے مجموعہ خانی عمدۃ الاسلام اور کنز فارسی بلکہ اگر آپ کی مجلس میں کتب تصوف کا ذکر و مطالعہ نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ تصوف کا احوال سے تعلق ہے وہ قال میں نہیں لیکن کتب فقہ کے زیر مطالعہ نہ ہونے سے ضرور نقصان کا احتمال ہے۔ زیادہ لمبی بات ملال کی موجب ہو گی۔ تھوڑی چیز زیادہ پر دلالت کرتی ہے۔

---

[633] مکتوب ٢٠٦، ص ٣٧٨، جلد 01، دار الکتب العلمیہ بیروت

تیرے سامنے میں نے بہت تھوڑا غمِ دل بیان کیا ہے
مجھے ڈر محسوس ہوا کہ تو دل آرزدہ ہو گیا ورنہ باتیں تو بہت[634]

شریعت کے تین اجزاء:

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اعلم ان للشریعة ثلاثة اجزاء العلم والعمل والاخلاص۔ وما لم یتحقق کل من هذه الاجزاء الثلاثة لا تتحقق الشریعة۔ و متیٰ تحققت الشریعة فقد تحقق رضا الحق سبحانه و تعالیٰ الذی هو فوق جمیع السعادات الدنیویة و الاخرویة و رضوان من اللہ اکبر فکانت الشریعةمتکلفةبجمیع السعادات الدنیویه والاخرویه,ولم یبق مطلب یقع فیه الاحتیاج الی ماوراءالشریعة۔

والطریقة والحقیقة اللتان امتازت بهما الصوفیة خادمتان للشریعة فی تکمیل جزئها الثالث الذی هو الاخلاص فالمقصود من تحصیل کل منهما تکمیل الشریعة لا امر اخر وراء الشریعة۔

جان لو کہ شریعت کے تین جزء ہیں: (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص، جب تک یہ تینوں اجزاء نہ پائے جائیں شریعت متحقق نہیں پاتی اور جب شریعت متحقق ہو گئی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جو تمام دنیاوی واخروی سعادتوں سے اعلیٰ ہے بھی متحقق ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی تھوڑی رضامندی بھی بہت ہے۔ اس لئے شریعت تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں کی ضامن و کفیل ہے۔ اور کوئی ایسا مطلب و مقصود نہیں جو شریعت سے الگ ہو اور انسان کو اس کی حاجت ہو۔ طریقت و حقیقت جس کے ساتھ صوفیاء کرام ممتاز ہیں دونوں شریعت کے خادم ہیں ان دونوں سے شریعت کے تیسرے جزء جو کہ اخلاص ہے

---

[634] المکتوبات الربانیة مکتوب 19، ص ۸۴، دار الکتب العلمیة

کی تکمیل ہوتی ان دونوں (طریقت و حقیقت) سے مقصود بھی شریعت کی تکمیل ہے نہ کہ کوئی اور امر جو شریعت کے علاوہ ہو۔[635]

امام ربانی قدس سرہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وھذا الاخلاص جزء من اجزاء الشریعة فان للشریعة ثلاثه اجزاء العلم و العمل و الاخلاص فالطریقة و الحقیقة خادمتان للشریعة فی تکمیل جزء الاخلاص و ھذاھو حقیقة الامر و لکن لا یدرک فھم کل احد ذالک و اکثر خلق العالم قد اطمانوا بالمنام و الخیال و اکتفوا بالجوز و الموز، فماذا یدرکون من کمالات الشریعة و انا یصلون الی حقیقة الطریقة و الحقیقة فیزعمون الشریعة قشرا و الحقیقة لبا و لا یدرون ما حقیقة المعاملة بل یغترون بترھات الصوفیه و یفتتنون بالاحوال و المقامات السفلیه۔

اور یہ اخلاص شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ اس لئے کہ شریعت کے تین جز ہیں:

(۱) علم　　(۲) عمل　　(۳) اخلاص

پس طریقت و حقیقت دونوں اس جزء یعنی اخلاص کو کمال تک پہنچانے میں شریعت کے خادم ہیں اور یہی حقیقت ہے لیکن ہر شخص اس چیز کا فہم و ادراک نہیں رکھتا۔ اکثر مخلوق خواب و خیال میں آرام کر رہی ہے۔ اور اکھروٹ و ناریل (معمولی چیزوں) پر کفایت کر چکی ہے۔ شریعت کے کمالات کو کیا جانے اور طریقت و حقیقت کی ماہیت کو کیا پائے۔ اکثر لوگ شریعت کو پوست اور حقیقت کو معزز خیال کرتے ہیں مگر جانتے نہیں کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ بلکہ صوفیاء کی (بحالت سکر میں نکلی ہوئی) باتوں میں آ گئے اور احوال و مقامات سے فتنہ میں آ گئے ہیں۔[636]

---

[635] مکتوب ج ۳۶، ص ۱۰۸، دار الکتب العلمیة بیروت

[636] مکتوب ۴۰ ص 116، جلد 01 دار الکتب العلمیة بیروت

معلوم ہوا کہ شریعت علاوہ جس بھی چیز کو انسان اپنی حاجت سمجھتا ہے دراصل وہ اسکی نفسانی خواہش ہے جیسے وہ شریعت پر مقدم رکھتا ہے اور اپنے گمان باطل میں اسے عین شریعت سمجھتا ہے۔ فتدبروا ایها الجهلاء لعلكم تهتدون۔

شریعت کی مخالفت حقیقت کے عدم وصول کی علامت ہے:

امام ربانی قدس سرہ مکتوب ۸۴ میں لکھتے ہیں:

ان مخالفة الشريعة علامة عدم الوصول الى حقيقة الامر۔

بے شک شریعت کی مخالفت حقیقت کے عدم وصول کی علامت ہے۔[637]

شریعت و طریقت ایک دوسرے کا عین ہیں:

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ فرید رحمہ اللہ کی طرف خط صادر فرمایا:

فان الطريقة و الشريعة كل منهما عين الاخر لا مخالفة بينهما مقدار شعرة و انما الفرق بينهما بالاجمال و التفصيل و الاستدلال و الكشف و كلما هو مخالف للشريعة فهو مردود و كل حقيقة ردته الشريعة فهو زندقة و طلب الحقيقة مع الاستقامة فى الشريعة حال اهل الكمال من الرجال۔

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں، ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت نہیں۔ فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف کا ہے۔ جو چیز بھی شریعت کے خلاف ہو وہ مردود ہے اور ہر حقیقت جیسے شریعت رد کردے وہ زندقہ (باطل) ہے۔ شریعت پر استقامت کے ساتھ حقیقت کو طلب کرنا اہل کمال مردوں کا کام ہے۔[638]

---

[637] مکتوب ۸۴، ص 206، جلد 01، دار الکتب العلمیة بیروت

[638] مکتوب ۴۳، ص ۱۲۵، جلد 01، دار الکتب العلمیہ بیروت

مذکورہ بالا مکتوب میں آپ علیہ الرحمہ نے بالکل واضح جاہل صوفیوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ شریعت کو قائم رکھتے ہو حقیقت کو طلب کرنا مردوں کا کام ہے۔

سیدی افضل الدین قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

كل حقيقة شريعة وعكسه۔

تمام حقیقت شریعت اور اس کا عکس (تمام شریعت حقیقت) ہے۔[639]

استدراج:

آپ علیہ رحمہ نے مکتوب ۷۸ میں لکھتے ہیں:

فان حصلت له الاحوال والمواجيد فرضاً مع وجود مخالفة الشريعة ولو مقدار شعرة فهي داخلة في الاستدراج

پس اگر حاصل ہو جائے احوال و مواجید شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی کیوں نہ ہو تو وہ استدراج میں داخل ہے۔[640]

امام العارفین حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

اے دوست! شریعت میں محکم ہو جا کہ اس راہ میں نعوذ باللہ استدراج نہیں۔[641]

سراج السالکین مفتاح العارفین حضرت اشرف جہانگیر سمنانی نور اللہ مرقدہ نے فرماتے ہیں:

خارق عادات، معجزہ، استدراج اور سحر ایک ہی امر ہے جب کسی پیغمبر یا مدعی نبوت سے زمانہ جواز نبوت میں کوئی خلاف عادات امر ظاہر ہو تو اس کو معجزہ کہیں گے اور اگر ولی سے جو اوصاف

---

[639] الميزان الكبرى، ص ۵۶، دار الكتب العلمية

[640] مكتوب ۷۸، ص ۱۹۴، جلد 01، دار الكتب العلمية بيروت

[641] طرفة العين، ص ۱۹، شبير برادرز

ولایت سے متصف ہو اس کا ظہور ہو یعنی کوئی امر خلاف عادت ظہور میں آئے تو کرامت ہے اور اگر کسی مخالف شریعت سے ایسا عمل صدور میں آئے تو استدراج ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)[642]

حصول تصوف سے قبل عقائد کا درست ہونا لازمی ہے:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ولا بد اولا من تصحیح الاعتقاد و تصدیق ما علم من الدین بالضرورۃ۔ ثم العلم و العمل بماتکفل ببیانہ علم الفقہ ایضا ضروری ثم سلوک طریق الصوفیہ ایضا مطلوب۔

اور ضروری ہے اولا عقائد کا درست ہونا اور اس امر کی تصدیق سے جو تواتر و ضرورت دین کے طور پر معلوم ہو (اس کے بغیر) چارہ نہیں پھر علم و عمل ضروری ہے جن کا متکفل علم فقہ ہے اور پھر طریقہ صوفیہ کا سلوک بھی مطلوب (ضروری) ہے۔[643]

عارف باللہ احمد عرب الشرنوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

یجب علی المرید قبل الاشتغال بالذکر و الریاضہ ان یحصل من علم التوحید مایصح بہ اعتقادہ علی مذہب اہل السنۃ و الجماعۃ۔

مرید پر واجب ہے کہ ذکر اور ریاضت میں مشغول ہونے سے پہلے علم التوحید حاصل کرے جس کے ذریعے اس کے عقائد درست ہوں جو کہ مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کے موافق ہے۔[644]

---

[642] ملفوظات محبوب یزدان حضرت سید اشرف جہانگیر سخنانی نور اللہ مرقدہ حصہ اول، لطیفہ پنجم، ص ۱۷۳

[643] مکتوب ۲۱۰، ص ۳۹۲، جلد 01، دار الکتب العلمیۃ بیروت

[644] تائیۃ السلوک الی ملک الملوک ص ۷۶، دار الکتب العلمیۃ

طریقت و حقیقت علوم شرعیہ کے خادم ہیں:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

یقین ھذاالفقیر ان طریق الصوفیة خادم للعلوم الشرعیه لانه امر مباین لها و قد حققت ھذافی کتبی و رسائلی۔

اس فقیر کا یقین (کامل) ہے کہ صوفیہ کا طریقہ (طریقت و حقیقت) علوم شرعیہ کے خادم ہیں نہ کہ اس کے علاوہ کچھ اور امر اور فقیر نے اپنی کتابوں اور رسائل میں اس معنیٰ کی تحقیق کی ہے۔[645]

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

الاحوال المواجید تابعة، للاحکام الشرعیة و اعتقدوا ان الاذواق و المعارف خادمة للعلوم لا یعوضون الجواھر النفیسة الشرعیة بجوز الوجدو موز الحال مثل الاطفال

اور اس طرح طریقہ عَلمیہ کے بزرگواروں نے احوال و مواجید کو احکام شریعہ کے تابع کیا ہے اور اذواق معارف کو علوم دینیہ کا خادم بنایا ہے۔ احکام شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے اخروٹ وضقہ کے عوض ہاتھ سے نہیں دیتے۔[646]

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

الا یرون ان الفقیر قد کتب فی کتبه و رسائله ان الطریقه و الحقیقة خادمتان للشریعة۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔[647]

---

[645] مکتوب ۲۱۰، ص ۳۹۲، جلد 01، دارالکتب العلمیة بیروت

[646] المکتوبات الربانیة ج ۱ مکتوب ۲۲۱، ص 421 دارالکتب العلمیة

[647] مکتوب ۲۶۱، ج ۲ ص 41، دارالکتب العلمیة

ظاہر کو ظاہر شریعت اور باطن کو باطن شریعت سے مزین کرنا:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ شیخ محمد یوسف کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اعنی تحلیه الظاهر بظاهر الشریعة و تزیین الباطن بباطنها الذی هو عبارة عن الحقیقة فان الطریقة و الحقیقة عبارتان عن حقیقة الشریعة۔ و الطریقة هی نفس تلک الحقیقة الشریعةامر و الطریقةو الحقیقةامر ان آخر ان مغایر ان لها، فان اعتقاد ذالک الحادو زندقة۔

میری مراد یہ ہے کہ ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور باطن کو باطن شریعت کے ساتھ جو حقیقت شریعت سے عبارت ہیں۔ آراستہ اور مزین رکھیں کیونکہ طریقت و حقیقت، حقیقت شریعت سے عبارت ہیں اور یہ بات نہیں کہ شریعت اور چیز اور طریقت و حقیقت اور چیز و امر دیگر ہیں اس لئے کہ یہ تو الحاد اور زندقہ ہے۔[648]

شریعت درخت تو حقیقت اسکا پھل:

سیدی ابراہیم الدسوقی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فالشریعةهی الشجرة، و الحقیقةهی الثمرة۔

پس شریعت درخت ہے اور حقیقت (اس کا) پھل۔[649]

اور دوسرے مقام پر فرمایا: الشریعة کاشجرة و الحقیقة ثمرتها، فلا بد لکل واحدة من الاخریٰ۔ شریعت درخت کی مانند ہے اور حقیقت اس کا پھل ہے پس ضروری ہے ہر ایک کے لئے دوسرا۔ یعنی شریعت و طریقت ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔[650]

---

[648] مکتوب ۵۷، ص ۱۵۲ جلد 01، دار الکتب العلمیہ بیروت

[649] الطبقات الکبریٰ: ترجمہ سیدی ابراھیم الدسوقی، ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیة

[650] الاجوبہ المرضیة ص ۱۵۶ دار البیروتی

کشف کب صحیح ہو گا؟

سیدی عارف باللہ عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

الکشف الصحیح لا یأتی دائمًا الا موافقا للشریعة۔

کشف کبھی صحیح نہیں ہوتا مگر شریعت مطہرہ کے موافق۔[651]

سیدی ممدوح قدس سرہ لکھتے ہیں:

ان اللہ تعالیٰ قد اقدر ابلیس کما قال الغزالی وغیرہ علی أن یقیم و لمکاشف صورة المعل الذی یأخذ علمه منه من سماء او عرش او کرسی لو قلم او لوح، فربما ظن المکاشف أن ذالک العلم عن اللہ فأخذ به ضل و اضل، فمن هنا او جبوا علی المکاشف انه یعرض ما أخذه من العلم من طریق کشفه علی الکتاب و السنة قبل العمل به فان وافق فذاک و الا حرم علیه العمل به۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے ابلیس مردود کو قدرت دی ہے جیسے امام غزالی وغیرہ (اکابر صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ صاحب کشف آسمان، عرش، کرسی، قلم، لوح، سے علوم حاصل کرتا ہے اور گمان یہ کرتا ہے کہ اسے یہ علوم اللہ کی طرف سے حاصل ہوئے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوا دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اسی لیئے ائمہ اولیاء نے صاحب کشف پر یہ واجب کیا کہ جو علم بذریعہ کشف حاصل ہو اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے کتاب و سنت پر پیش کرو اگر موافق ہو تو بہتر ورنہ اس پر عمل کرنا حرام ہے۔[652]

---

[651] المیزان الکبریٰ للشعرانی، فصل ان قال قائل ان امرا ص ۱۷ دار الکتب العلمیة

[652] المیزان الکبریٰ، فصل ان قال قائل ان احدًا ص ۱۷ ، دار الکتب العلمیة

شریعت وطریقت وحقیقت کی مثال:

الشریعة ان تعبده و الطریقة ان تقصدهٗ و الحقیقة ان تشهدة

شریعت یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور طریقت یہ ہے کہ اس کا مقصد حاصل کیا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ کیا جائے۔[653]

قیوم الزمان حضرت اخوندزادہ سیف الرحمٰن پیر ارچی مبارک شریعت و طریقت کا باہمی تعلق بیان فرماتے ہیں:

شریعت کی مثال درخت کے تنے کی طرح ہے جبکہ طریقت کی مثال شاخوں کی سے ہے۔ اگر کسی درخت کی شاخیں کاٹ دی جائیں تو اس پر پھل کیسے آئے گا۔ طریقت اور شریعت ایک ہی گاڑی کے دو پیے ہیں۔

صاحب ممدوح قدس سرہ شریعت، طریقت اور حقیقت کو مثال کے ذریعے واضح فرماتے ہیں کہ:

جیسے جھوٹ بولنا منع ہے اگر کوئی شخص کوشش کرے کہ اس کی زبان پر جھوٹ جاری نہ ہو تو یہ شریعت ہے اگر دل سے جھوٹ کا خیال نکل جائے تو یہ طریقت ہے۔ اگر زبان و دل دونوں سے یہ بات نکل جائے تو یہ حقیقت ہے۔[654]

---

[653] الاجوبة المرضیة ص ۱۵۶ دار البیروتی

[654] مناقب امام خراسان ص، 26،27 السیف فاؤنڈیشن

کیا حقیقت شریعت کی مخالفت کا نام ہے؟

سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من ظن ان الحقیقۃ تخالف الشریعۃ او عکسہ فقد جھل, لانہ لیس عند المحققین شریعۃ تخالف حقیقہ ابدا حتی قالوا ، شریعۃ بلا حقیقۃ عاطلۃ، و حقیقۃ بلا شریعۃ باطلۃ۔

جس نے گمان کیا کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے یا اس کا عکس (شریعت حقیقت کی مخالفت کا نام ہے) پس یقیناً اس نے جہالت کی (جاہلوں والی بات کی) بیشک محققین کے نزدیک ہمیشہ سے شریعت حقیقت کی مخالف نہیں ہے۔ یہاں تک کہ محققین نے کہا: شریعت بغیر حقیقت کے عاطل ہے (عامل کا بغیر عمل کے عمل کے لئے رونا) اور حقیقت بغیر شریعت کے باطل (مردود) ہے۔[655]

امام عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ نے لکھتے ہیں:

من نظر الی کون الحقیقۃ تخالف الشریعۃ او عکسہ فھو اعور فان الشریعۃ ھی اساس علم الحقیقۃ التی یترقی السالک منھا الی درج الحقیقۃ فلا یصح طلب الحقیقۃ من غیر معرفۃ الشریعۃ لانہ لایدخل الی الحقیقہ الا من باب الشریعۃ۔

جو شخص دیکھے کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے یا اسکا عکس (شریعت حقیقت کے مخالف ہے) تو یہ شخص اندھا ہے اس لئے کہ شریعت علمِ حقیقت کی اساس ہے جس پر سالک حقیقت کے درجات کی طرف ترقی کرتا ہے۔ پس شریعت کی معرفت کے بغیر حقیقت کو طلب کرنا درست نہیں اس لئے کہ شریعت کے دروازے کے بغیر حقیقت میں داخل ہوا نہیں جا سکتا۔[656]

---

[655] الاجوبۃ المرضیۃ ص ۱۵۵ دار البیروتی

[656] الاجوبۃ المرضیۃ ص 152، دار البیروتی

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اور اتباع سنت:

امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

آخر ماہ رمضان بعد از تراویح کسلے در خود یافتم رفتم بر فراش خود تکیہ کنم وقت اضطجاح از علیہ کسل فراموشم شد کہ پھلوی راست خود را اول بر زمین نھم چنانچہ مسنون است بر پھلوی چپ تکیہ نمودم بعد از دراز کشیدن بیادم آمد کہ ترک سنت شد نفس از کاھلی چناں معقول ساخت کہ از روی سہو و نسیان شدہ لیکن سدا خوف ترک سنت شدی جزم تمام برخواستہ بہ پھلوی راست اضطجاع نمودم متابعت آن عمل از کرم الٰہی فیوضیات انوار نامتناھی لظہور رسید و ندارد دادند بایں قدر کہ رعایت نمودی ترا در آخرت از ھیچ وجہ عذاب نکنم و بسبب ایں رعایت خادم کہ پائی تو می مالید آن را نیز آمرزیدم۔

یعنی کہ رمضان المبارک کا مہینہ گزر رہا تھا اور آخری عشرہ تھا تو اس میں تھکاوٹ ہو جاتی ہے سارا مہینہ گزر چکا ہوتا ہے کہتے ہیں کہ تھکا ہوا تھا تراویح پڑھ کے آیا تو کیا ہوا۔ جس وقت تراویح پڑھ کے آیا تھا تھکا ہوا تھا بستر پر سونا تھا تو خیال نہ رہا۔

سنت یہ تھی کہ پہلے دایاں کندھا بستر پر رکھنا تھا لیکن میرا بایاں کندھا بستر پر لگ گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تھکا ہوا تھا خیال نہ رہا اور یوں لیٹ گیا کہ پہلے بایاں کندھا بستر پر لگا پھر دایاں کندھا بستر پر لگا تو مجھے خیال آیا کہ آج پہلی مرتبہ خلاف سنت کام کیا ہے۔ سونے کے لحاظ سے شریعت کا یہ تقاضا تو نہیں تھا۔ تو کہتے ہیں کہ میں لیٹا تھا تو میرا نفس مجھے تاویلیں بیان کرنے لگا

کہ اب جی بھر کے سو گئے ہو اور بائیں سے پلٹ کر دائیں کندھے کی طرف ہو جاؤ۔ تو ایسا ہو جاتا ہے اس طرح کی باتیں میرے نفس میں آنے لگیں۔

بالآخر میں نے اپنے نفس کی وہ کیفیت جو تھی اس کو چھوڑا میں نے کہا کہ جب تک سیدھا کھڑا ہو کے پھر نہ لیٹوں کہ دایاں کندھا پہلے لگے اور بایاں بعد میں اس وقت تک میرے دل کو اطمینان نہیں آئیگا۔[657]

سب سے بڑی دولت:

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ فرماتے ہیں:

درست عقیدہ احکام شریعت کی رعایت، اخلاص اور حق تعالیٰ کی طرف دائمی توجہ سب سے بڑی دولت ہے، کوئی ذوق وجدان اس بڑی نعمت کے برابر نہیں۔[658]

حضرت پیر سائیں روزے دھنی بادشاہ قدس سرہ فرماتے ہیں:

شریعت بڑی دولت ہے۔ شریعت اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایسی ایک نعمت ہے۔ جس کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ مگر موجودہ زمانے کے اندھے صوفیوں پر تعجب ہے جو کہا کرتے ہیں کہ شریعت اور طریقت میں اختلاف ہے اور بڑا فرق ہے۔ مثلاً اگر کوئی جھوٹا سانا سمجھ بچہ راستے سے ہٹ کر ایسے مقام پر چلا جارہا ہو کہ آگے کنواں ہو اور ددوسرا کوئی شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر اس غلط راہ سے ہٹا کر سچے راستہ پر لے آئے۔ تو اس کو اختلاف کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس بچہ کی مخالفت تو یہ ہو گی کہ اس کو اس کے حال پر رہنے دیا جائے کہ بھلے کنویں میں جا گرے۔ شریعت بھی گمراہوں کو سیدھے

---

[657] عمدۃ المقامات

[658] تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۹۲، زاویہ پبلیشرز

راستہ پر لگانے والی ہے۔ پھر شریعت کو طریقت سے مختلف کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے۔[659]

تین اصناف کی صحبت سے بچو، غافل علماء، مداہنت والے فقراء اور جاہل صوفی:

حضرت خواجہ محمد معصوم نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اے بھائی صحبت ناجنس سے پرہیز کر۔ یحیٰی معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین اصناف کی صحبت سے بچو، غافل علماء، مداہنت والے فقراء اور جاہل صوفی۔ جو شخص مسند شخصی پر بیٹھا ہے مگر اس کا عمل سنت رسول صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے مطابق نہیں تو اس سے دور بھاگ بلکہ اس شہر میں بھی نہ رہ مبادا اس کی طرف کبھی دل مائل ہو جائے۔ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَالہ وَسلَّم کی سنت کے تارک کو کبھی عارف نہ سمجھو اور اس کی کرامات (یعنی استدراج) و زہد توکل پر فریفتہ نہ ہو کیونکہ ایسی باتیں یہود و نصاریٰ و جوگیہ سے بھی ظاہر ہو سکتی ہیں۔ خوارق کا انحصار ریاضت پر ہے اور معرفت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ فلاں آدمی پانی پہ چلتا ہے فرمایا: آسان بات ہے، تنکا بھی پانی پر چلتا ہے۔ کسی نے کہا فلاں آدمی ہوا میں اڑتا ہے فرمایا: مکھی بھی ہوا میں اڑتی ہے۔ کسی نے کہا کہ فلاں آدمی ایک لحظہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں چلا جاتا ہے فرمایا: شیطان ایک لحظہ میں مشرق سے مغرب تک چلا جاتا ہے۔ ان چیزوں کی کوئی قیمت نہیں۔ مرد وہ ہے جو لوگوں کی مجلس میں رہتا ہے، لین دین کرتا ہے۔ اہل و عیال رکھتا ہے لیکن ایک لحظہ کے لئے بھی خدا سے غافل نہیں ہوتا۔[660]

---

[659] مخزن فیضان ملفوظات شریف (اردو)، ص ۲۸۴، سکندریہ پبلیکیشنز

[660] مکتوب ۱۱۰ جلد دوم، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۴۱۷، ۴۱۸، زاویہ پبلشر

طریقت بلا شریعت ممکن نہیں:

حضرت صوفی حافظ غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ نے متابعت شریعت کے بارے میں فرمایا:

(۱) طریقت بلا شریعت ممکن نہیں۔

(۲) حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا کہ میرا طریقہ بالکل شریعت و سنت ہے۔

(۳) مدار کار دو چیزوں پر ہے۔ ایک توجہ مرشد دوسری اتباع سنت۔ [661]

حقائق و معانی کے دروازے کب کھلتے ہیں:

حضرت یوسف ھمدانی قدس سرہ نے اپنے رسالہ در آداب طریقت میں فرمایا:

چوں ارباب مذاہب و علماء سلف صالح رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین از وساوس شیطان حذر کردہ انداز معاصی و مخالفت خود را منزہ داشتہ پندیں ھرادادر حقائق و معانی و شرح برایشاں کشادہ شد۔

جب ارباب مذاہب اور علماء و سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے شیطانی وسوسوں سے اپنے آپ کو بچایا، گناہوں اور مخالفت شریعت سے خود کو پاک کر لیا تو ان پر حقائق و معانی اور ان کی شرح کے دروازے کھل گئے۔ [662]

---

[661] تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۵۴۶، زاویہ پبلیشرز

[662] رسائلِ مشائخ نقشبندیہ، ص ۱۴۳، تنظیم اسلامی پبلیشرز

حضرت خواجہ عبد الخالق قدس سرہ کو اپنے شیخ مکرم امام العصر حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہ کی نصیحت:

چوں خواجہ احمد یسوی بولایت ترکستان سفر کند خلیفہ تو خواہی بودن، زنھار بر جادہ شرع حضرت محمد رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) باشی واز حد شرع ذرہ ای تجاوز نکنی وہر کرا بینی کہ مخالفت شرع میکند منع کنی واللہ تعالٰی اعلم۔

جب خواجہ احمد یسوی ولایت ترکستان کی طرف سفر کر جائیں تو تم خلیفہ ہوگئے۔ خبر دار! حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے جادہ شریعت پر قائم رہنا اور شرعی حدود سے زرہ بھر بھی تجاوز نہ کرنا۔ جس شخص کو تو دیکھے کہ وہ شریعت کی مخالفت کر رہا ہے، اسے منع کرنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ یاد رہے کہ دین ایک ہی ہے، شریعت، طریقت اور حقیقت جدا جدا تین دین نہیں بلکہ یہ اس ایک ہی کی شاخیں ہیں۔[663]

صوفیاء کے نزدیک شریعت سر کا تاج ہے:

امام العارفین پیر سائیں سید محمد راشد روزہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اہل ظاہر کہتے ہیں کہ شریعت ازار (پاجامہ) اور طریقت کرتہ اور حقیقت چادر اور معرفت دستار کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ لیکن ہمارا مذھب اور طریقہ یہ ہے کہ شریعت جس کو اہل ظاہر ازار (پاجامہ) سمجھتے ہیں یہ ہمارے لیئے دستار اور سر کا تاج ہے۔ (یعنی شریعت)[664]

---

[663] رسائل مشائخ نقشبندیہ، (رسالہ صاحبیہ مصنف خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ) ص ۱۵۱، تنظیم اسلامی پبلشرز

[664] مخزن فیضان ملفوظات شریف (اردو) ص ۲۸۲، سکندریہ پبلیکیشنز، جاھل وجعلی وبناوٹی صوفیوں کا رد ص ۲۰۰۔

تمام علوم کا مرکز:

سیدی عارف باللہ ابراہیم الدسوقی القرشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الشریعۃ اصل و الحقیقۃ فرع فالشریعۃ جامعۃ لکل علم مشروع۔

شریعت اصل ہے اور حقیقت فرع ہے پس شریعت تمام علوم کا مرکز ہے۔[665]

ہر صوفی فقیہ ہوتا ہے:

عارف باللہ امام التصوف سیدی عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

قد أجمع القوم علی أنه لا یصلح للتصور فی طریق اللہ عزوجل الا من تبحر فی علم الشریعۃ و علم منطوقھا و مفھومھا و خاصھا، و عامھا ناسفھا و نسوفھا و تبحر فی لغۃ العرب حتیٰ عرف مجازات و استعاراتھا، و غیر ذالک فکل صوفی فقیہ و لا عکس۔

یقیناً صوفیاء کرام کی جماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ شخص طریقت میں صدر بننے کے لائق نہیں مگر وہ جو علم شریعت کا سمندر ہو اور اس کے منطوق، مفھوم، خاص، عام، ناسخ، منسوخ کا علم رکھتا ہو اور لغۃ العرب کا ماہر ہو یہاں تک کہ اس کے مجازات اور استعارات وغیرہ جانتا ہو پس ہر صوفی فقیہ ہوتا اور اس کا عکس نہیں۔ (ہر فقیہ صوفی نہیں ہوتا)[666]

---

[665] الطبقات الکبریٰ للشعرانی، حضرت ابراهیم الدسوقی، ص ۲۳۵، دار الکتب العلمیة

[666] الطبقات الکبریٰ، مقدمة الکتاب، ص ۱۰، دار الکتب العلمیة

اللہ سے محبت کرنے والے کی علامت:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

علامات المحب للہ عزوجل متابعة حبیب اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلّم فی اخلاقہ و افعالہ و اومرہ و سننہ۔

اللہ سے محبت کرنے والے کی علامات میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ کے حبیب صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلّم کے اخلاق مبارکہ افعال حکم اور سنتوں میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلّم کی اتباع کرے۔[667]

ظاہر میں خلاف سنت باطن میں ریا کی علامت ہے:

سیدی ابو عثمان سعید بن اسماعیل الحبری قدس سرہ فرماتے ہیں:

خلاف السنة یابنی فی الظاهر علامة ریاء فی الباطن۔

اے میرے بیٹے ظاہر میں خلاف سنت باطن میں ریا کی علامت ہے۔[668]

جو شریعت کا امین نہیں وہ طریقت کا بھی امین نہیں ہو سکتا:

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ ایک شخص سے ملاقات کے لیے گئے جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کامل اللہ کا ولی ہے آپ اس کی مسجد میں اس کے آنے کا انتظار فرماتے رہے جب وہ آیا تو اس نے مسجد میں ہی گلا صاف کرکے بلغم مسجد میں پھینک دیا۔ جس پر آپ مبارک نے اس سے سلام تک نہ کیا اور فرمایا: هذا رجل غیر مأمون علی ادب من آداب الشریعة، فکیف یکون أمینا

---

[667] الرسالة القشیریة ترجمہ ابو الفیض ذو النون المصری ص ۱۱، دار الاسلام

[668] الرسالة القشیریہ ترجمہ ابو عثمان سعید بن اسماعیل الجبری ص ۲۴، دار السلام

علی اسرار الحق۔ یعنی یہ شخص تو آداب شریعہ میں کسی ایک ادب کا بھی امین نہیں تو یہ کیسے حق کے اسرار کا امین ہو سکتا ہے۔[669]

شریعت و طریقت دو راہیں متبائن نہیں:

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اھل السنۃ امام احمد رضا خان افغانی ثم بریلوی المختار قدس سرہ لکھتے ہیں: شریعت و طریقت دو راہیں متبائن نہیں (کہ ایک دوسرے سے جدا اور ایک دوسرے کے خلاف ہوں) بلکہ بے اتباع شریعت خدا تک وصول محال۔ شریعت تمام احکام جسم و جان و روح و قلب و جملہ علوم الٰہیہ و معارف نامتناہیہ کو جامع ہے، و لہذا باجماع قطعی جملہ اولیائے کرام کے تمام حقائق کو شریعت مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں حق و قبول ہیں ورنہ مردود۔[670]

طریق صوفیہ دو اصولوں پر ہے:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے میر محمد نعمان کی طرف خط ارسال فرمایا:

هذا الطريق على اصلين الاستقامة على الشريعة على حد لا ينبغي ان يرضى بترك ادنى آدبها و رسوخ محبة شيخ الطريقة و الثبات عليها و الاخلاص على نهج لا يبقى مجال الاعتراض عليه اصلا بل يكون جميع و حركاته و سكناته مستحسنة و محبوبة فى نظر المريد۔

یہ طریق دو اصولوں پر ہے۔ ایک شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنی چاہیئے کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے آداب کو بھی ترک کرنے پر راضی نہ ہوں، اور دوسرا شیخ طریقت کی محبت اور اخلاص پر اس طرح راسخ اور ثابت قدم ہوں کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کریں بلکہ اس کے

---

[669] الرسالة القشيرية، باب ولاية ص ۱۶۱، دار السلام۔ عوارف المعارف ص:37

[670] اعتقاد الاحباب فی الجمیل و المصطفیٰ و لآل و الاصحاب، ص ۱۶۵، مکتبۃ المدینۃ دعوت اسلامی

تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں مستحسن اور محبوب ہوں۔[671]

شرعی احکام میں مبتدی و منتہی مساوی ہیں:

سیدی ممدوح قدس سرہ نے شیخ بدیع الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف خط ارسال فرمایا جس میں آپ نے قرآن کریم کے محکمات اور متشبہات اور علماء راسخین کے کمالات کو بیان فرمایا:

فان کل حکم شرعی ثابت للمبتدی فھو ثابت ایضا للمنتھی و عامۃ المؤمنین و اخص الخواص من العارفین سو اسیۃ فی ھذا المعنیٰ متساویۃ الاقدام فیه لا فرق بین شخص و شخص والمتصوفۃ القاصرون والملاحدۃ الخائبون فی صدد اخراج رقابھم من ربقۃ الشریعۃمتخیلین بان الحکام الشریعۃ مخصوصۃ بالعوام و اما الخواص فھم مکلفون بالمعرفۃفقط کما انھم یعتقدون من جھلھم ان الامراء و السلاطین لیسوا مکلفین بغیر العدل و الانصاف و یقولون ان المقصود من اتیان الشریعۃ حصول المعرفۃ فاذا حصلت المعرفۃ سقطت التکالیف الشرعیۃ و یستشھدون فی اثبات مدعاھم بقولہ تعالیٰ و اعبدربک حتی یاتیک الیقین ای باللہ کما قال سھل التستری یعنی انتھاء العبادۃ حصول معرفۃ الحق سبحانہ۔ و الظاھر ان مراد من فسر الیقین بکونہ باللہ ھو کون انتھاء الکلفۃ فی العبادۃ حصول معرفۃ الحق، جل و علا، لا انتھاء نفس العبادۃ فان ذالک مفض الی الالحاد و الزندقۃ وھم یزعمون ایضًا ان عبادۃ العارفین، ریائیۃ فانھم یعلمون ما یعلمون من الطاعۃ و العبادۃ لیقتدیٰ بھم فی ذالک المبتدؤن و اتباعھم لا لکونھم محتاجین الیھا و ینقلون فی تایید ھذا لقول اقوالا عن المشائخ حیث قالوا ما لم یکن الشیخ منافقًا و مرائیًا لا ینتفع بہ المرید خذلھم اللہ سبحانہ ما اجھلھم و احتیاج العارفین الی العبادۃ علیٰ نھج لیس فی المریدین عشرۃ فان عروجاتھم مربوطۃ بالعبادۃ و ترقیاتھم منوطۃ باتیان الاحکام الشرعیۃ و ما یتوقع للعلوم غداً من ثمرات العبادۃ فھو حاصل للعارفین الیوم فھم اذا احقاءُ بالعبادۃ و احوج الی ایتان الاحکام

---

[671] المکتوبات الربانیۃ مکتوب ۲۲۸، ج ۱ ص ۴۳۳ دار الکتب العلمیۃ

الشرعية عن غيرهم ينبغي ان يعلم ان الشريعة عبارة عن مجموع الصورة والحقيقة فالصورة ظاهر الشريعة والحقيقة باطن الشريعة فالقشر واللب کلاهما من اجزاء الشريعة۔

پس بے شک تمام حکم شرعی جو ثابت ہیں مبتدی پر وہی ثابت ہیں منتہی پر عام مؤمنین اور اخص الخواص عارفین اس حکم میں مساوی اور برابر ہیں اور (جاہل) صوفی اور بے سروسامان ملحد اس چیز کے درپے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی اطاعت سے نکال لیں۔ اور احکام شرعیہ کو عوام کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں۔ یہ لوگ خیال رکھتے ہیں کہ خواص صرف معرفت ہی کے مکلف ہیں۔ جیسے کہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل وانصاف کے سوا اور کسی چیز کے ساتھ مکلف نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجالانے سے مقصود یہ ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے۔ اور جب معرفت حاصل ہو جائے تو پھر شرعی تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں اور اس آیت کو بطریق شہادت پیش کرتے ہیں۔ وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ (الحجر ۹۹) اپنے رب کی عبادت کر حتیٰ کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے اور یقین کے معنٰی "اللہ" مراد ہیں۔ جیسے کہ سہل تستری رحمہ اللہ نے کہا۔ یعنی عبادت کی انتہا خدا کی معرفت حاصل ہونے تک وہی ہے۔ بظاہر جس شخص نے یقین کے معنٰی اللہ سبحانہ کے کئے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہو گی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہا حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جانے تک پہنچانے والا ہے۔ اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عارفوں کی عبادت رہائی ہے۔ یعنی عارف اس وجہ سے عبادت کرتے ہیں کہ ان کے مقتدی اور متبعین ان کی اقتداء کریں۔ نہ یہ کہ عارف عبادت کے محتاج ہیں۔ اور اس قول کی تائید میں مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب تک شیخ منافق اور ریاکار نہ ہو مرید اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتے۔

"اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے یہ لوگ کیسے جاہل ہیں" عارفوں کو عبادت کی اس قدر حاجت ہے کہ اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو حاصل نہیں کیونکہ ان کے عروج عبادات پر ہی منحصر ہیں۔ اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کے بجالانے پر منحصر ہیں۔ عبادات کے ثمرے اور فائدے جن کی توقع عوام کو کل قیامت کے دن ہے عارفوں کو وہ ثمرات آج ہی حاصل ہیں۔ پس یہ عبادت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو شریعت کی بہت زیادہ حاجت ہے۔ جاننا چاہیئے کہ شریعت صورت اور حقیقت کے مجموعہ سے مراد ہے۔ صورت ظاہر شریعت اور حقیقت باطن شریعت پس قشر ولب یعنی پوست و مغز دونوں شریعت کے اجزاء ہیں۔

صاحب ممدوح رحمہ اللہ نے اسی مکتوب شریف میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وبالجملة ان الکمالات الصوریة والمعنویة منحصرة عندهؤلاء الاکابر فی الکمالات الشرعیة۔

منجملہ تمام ظاہری و باطنی کمالات ان بزرگواروں کے نزدیک کمالات شرعیہ میں منحصر ہیں۔[672]

از ابتداء تا انتہاء بغیر شریعت چارہ نہیں:

امام ربانی قدس سرہ نے مرزا شمس الدین کی طرف خط ارسال فرمایا کہ اس بیان میں کہ از ابتداء تا انتھاء شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔

ولا یغلطن هنا شخص فیقول انه قد حصل فی هذا الموطن الاستغناء عن صورة الشریعة وحقیقتها ولم یبق الاحتیاج الی اتیان الاحکام الشرعیة لانا نقول ان الشریعة اصل هذا الامر وأساس هذه المعاملة وکل ما یتعالی الشجر او یتطاول البنیان ویبنی فوقه القصور والایوان لا

---

[672] المکتوب نمبر 276، جلد02، ص111، ١٠١ دارالکتب العلمیة

یستغنیان عن الاصل و الاساس و لا یزول عنهما الاحتیاج الذاتی فان البیت العلو مثلا کل ما کان أرفع و أعلیٰ لا یکون له بد من البیت السفل و لا یزول احتیاجه عنه اصلا فان طرأ الخلل فی السفل فرضاً یؤثر ذالک الخلل فی العلو ایضا و یستلزم زوال السفل زوال العلو فالشریعة لازمة فی جمعیع الحال و جمعیع الوقت و کل شخص محتاج الی اتیان احکامها۔

یہاں کوئی شخص غلطی نہ کھائے اور کہے کہ اس مقام میں صورت شریعت اور حقیقت شریعت سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور احکام شرعیہ کے بجالانے کی ضرورت باقی نہیں۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریعت اس کام کی اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے۔ درخت چاہیے کتناہی اونچا اور بلندی میں چلا جائے اور دیوار چاہے کتنی ہی بلندی میں چلی جائے اور محلات بلند اس پر تعمیر کئے جائیں۔ اصل اور بنیاد سے بے نیازی نہیں ہو سکتی اور اس کی ضرورت سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ مثلا ایک بلند مقام چاہے کتنی بھی بلندی پیدا کرے اور پستی سے دور چلا جائے۔ نیچے والے مکان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور نیچے والے مکان سے اس کی محتاجی زائل نہیں ہو سکتی اور اگر نیچے والے مکان میں خرابی پیدا ہو تو وہ خرابی اوپر کے مکان میں بھی اثر کرے گی اور نیچے والے کا زوال اوپر والے زوال کا باعث بنے گا۔ بس شریعت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے اور اس کے احکام کی بجا آوری کے سب محتاج ہیں۔ (کہ شریعت ہی اصل الاصول ہے)[673]

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مثنوی میں ایک حدیث نقل کی ہے جو یہ ہے: اَلشَّرِیْعَتُ اَقْوَالِیْ و الطَّرِیْقَتُ اَفْعَالِیْ وَ الْحَقِیْقَتُ اَحْوَالِیْ وَ المَعْرِفَۃُ سِرِّیْ۔ (شریعت میرے اقوال کا نام ہے، طریقت میرے اعمال کا، حقیقت میری باطنی کیفیت کا اور معرفت میرا راز ہے)

---

[673] المکتوب 363 جلد ۲ ص ۷۴۴ دار الکتب العلمیة

نیز حضرت سید علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے چوتھے باب میں حدیثِ نبوی صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نقل فرمائی ہے:

مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَھْلِ تَصَوُّف فَلَا یُؤ مِنُ کُتِبَ عِنْدَ اللّٰہِ مِنَ الْغَافِلِیْن۔

یعنی جس نے اہل تصوف کی دعوت سنی اور قبول نہ کی تو اللہ کے نزدیک وہ غافلین میں لکھا جاتا ہے۔

بعض حضرات اس قسم کی احادیث کو خبرِ واحد یا خبر آحاد کا نام دے کر زیادہ معتبر قرار نہیں دیتے لیکن اہل اللہ کے نزدیک یہی وہ احادیث ہیں جو حقائق سے لبریز اور معرفت کی جان ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن احادیث کے بہت راوی ہیں وہ زیادہ تر احکام طہارت، وضو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، خرید و فروخت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور عوام الناس کے سامنے آنحضرت صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے بیان فرمائیں۔ لیکن اسرار و رموز اور حقائق و معارف کی باتیں آپ نے چیدہ چیدہ اصحاب کے سامنے بیان فرمائیں اس لئے نہ ان کو تواتر نصیب ہوا نہ کثرتِ روایت۔ دراصل اہل معرفت کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی یہی احادیث ہیں جن کو اصول حدیث کی رو سے خبر واحد یا اخبار احاد کہا گیا ہے۔ ان دو احادیث کا بھی یہی حال ہے، روایت کے طور پر ضعیف اور معرفت کے نقطۂ نگاہ سے نہایت بلند۔ علاوہ ازیں کتبِ حدیث میں بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں جن میں تصوف کا لفظ تو نہیں آیا لیکن ہیں تصوف اور معرفت کی جان۔ مثلاً ایک حدیث قدسی یہ ہے جو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے کہ جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس کے کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے، مجھ سے دیکھتا ہے، مجھ سے ہر کام کرتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے۔ اب کوئی شخص جتنا زور لگائے اس حدیث

کے باطنی معنی کو اس سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ یہ حدیث بھی علم باطن یا باطنی بصیرت سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ میں پیچھے کی طرف بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے کی طرف دیکھتا ہوں۔ یہ بھی نظرِ باطن پر دلالت کرتی ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نہ اپنے آسمانوں میں سما سکتا ہوں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں لیکن اپنے بندۂ مؤمن کے قلب میں سما سکتا ہوں۔ عبد مؤمن کے قلب کی یہ وسعت صرف اہل تصوف ہی جانتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں۔ علمائے ظاہر کے نزدیک اس کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مؤمن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اب علمائے ظاہر اس کا کیا مطلب نکال سکتے ہیں۔ ظاہر میں اس کا کوئی مطلب ہی نہیں نکل سکتا۔ یہ سب علم باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ [674]

(مفتاح السلوک، جلد اول)

بستان العارفین میں ہے:

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے شریعت بھی ایک راستہ ہے اور طریقت بھی، اس وجہ سے روح کو مکمل اور ابدی سکون دینے کے لئے شریعت اور طریقت دونوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

شریعت اور دونوں نام الگ الگ استعمال ہوتے ہیں جیسے روح اور جسم دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک، قلب، جگر، معدہ اور آنکھیں سب الگ الگ اعضاء ہیں۔ لیکن بدن

---

[674] (روحانیت اسلام، صفحہ ۲۷ تا ۲۸)

انسانی کی تکمیل ان سب کے مجموعے سے ہوتی ہ، ان میں سے کسی ایک کو لے کر دوسرے سے استغناء نہیں ہو سکتا، نہ ایک کا وجود دوسرے کے لئے منافی ہے، نہ ایک کا عمل دوسرے کے عمل سے ٹکراتا ہے۔

اسی طرح عقائد، فقہ، تصوف بلاشبہ الگ الگ علوم ہیں۔ مگر انسان کامل یعنی مؤمن و مسلم ان سب کے مجموعے سے ہی بنتا ہے۔ قرآن وسنت کی پیروی سب پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہے، ان میں سے کسی ایک کو لے کر دوسرے سے استغناء ایسا مہلک ہے جیسے کوئی شخص کانوں کی حفاظت کرے اور آنکھوں کو ضائع کر دے۔ شریعت کو تصوف کے خلاف یا تصوف کو شریعت (فقہ) کے خلاف سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا آنکھوں اور کانوں کو ایک دوسرے کے خلاف سمجھنا۔ جن حضرات کو حق تعالیٰ نے قرآن وسنت کی کامل تعلیمات کا جامع بنایا ہے وہی ان سب کی حقیقت کو پہچاننے والے ہیں اُن کے ارشادات سے اِن علوم کا صحیح مقام اور مرتبہ معلوم ہو سکتا ہے۔

حضرت شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قوت القلوب میں لکھتے ہیں:

هما علمان اصليان لا يستغنى احدهما عن الآخر بمنزلة الاسلام و الايمان مرتبط كل منهما بالآخر كالجسم و القلب لا ينفك احد من صاحبه۔

یعنی "یہ دونوں علوم اصلی ہیں جو ایک دوسرے سے مستغنی نہیں۔ بمنزلہ اسلام اور ایمان کے ہر ایک دوسرے کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ جیسے جسم اور قلب کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا"۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الشريعة ظاهر الحقيقة و الحقيقة باطن الشريعة وهما متلازمتان لا يتم احدهما الا بالآخر۔

یعنی ”شریعت حقیقت کا ظاہر ہے اور حقیقت شریعت کا باطن ہے، دونوں لازم وملزوم ہیں، ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل نہیں ہو سکتی“۔

حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

من تفقه و لم يتصوف فقد تفسق و من تصوف و لم يتفقه فقد تزندق و من جمع بينهما فقد تحقق۔

یعنی ”جس نے علم فقہ حاصل کیا مگر علم تصوف حاصل نہ کیا وہ فاسق ہوا، جس نے علم تصوف حاصل کیا مگر علم فقہ حاصل نہ کیا وہ زندیق ہوا اور جس نے ان دونوں علوم کو جمع کیا پس وہ محقق ہوا“۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الطريقة و الشريعة متلازمتان۔

”طریقت اور شریعت دونوں لازم وملزوم ہیں“۔

یاد رہے کہ علم تصوف کوئی عجمی علم نہیں بلکہ خالص مکی اور مدنی چیز ہے البتہ جاہل صوفیاء کی وہ باتیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں ہمیشہ رد کی جائیں گی۔

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں:

كل طريقة ردته الشريعة فهو زندقة و الحاد۔

یعنی ”طریقت کی ہر وہ بات جسے شریعت رد کرے زندقہ اور کفر ہے“۔

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے: ”شریعت بغیر طریقت کے نِرا فلسفہ ہے اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ ہے“۔

آپ نے ایک جملہ میں ان تمام علوم کی پوری حقیقت کھول دی ہے۔ شریعت یعنی ظاہری اعمال کا علم تو بہت سے منافقین کو بھی تھا اور آج بھی سینکڑوں یہودی، نصرانی، لامذہب دہریئے اور مستشرقین ان علومِ اسلامیہ کے بڑے محقق اور جاننے والے موجود ہیں مگر وہ نِرا فلسفہ ہے، دین نہیں ہے، دین تب ہو گا جب اِن احکام کے ہونے کا اعتقاد بھی ہو اور احکامِ ظاہری و باطنی پر عمل بھی ہو اس لئے صرف علومِ ظاہرہ کی فن دانی اور تحقیقی مباحث نہ کوئی دینی کمال ہے اور نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت ہے۔

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید فرمایاہے:

صحبتنا و تعلمنا آداب الطریقۃ و السلوک متصلۃ الٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم بالسند الصحیح۔

یعنی "ہماری صحبت اور ہماری تعلیم جو آداب تصوف و سلوک کا سیکھنا ہے، یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سند صحیح کے ذریعے ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے علمِ ظاہری و علم باطنی یعنی شریعت و طریقت دونوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سیکھا ہے"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

حفظت من رسو اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ و اما الآخر فلو فبثثتہ قطع ھذا البلعوم۔[675]

یعنی "میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے علم کے دو برتن محفوظ کر لئے ہیں پھر ایک کو لوگوں میں پھیلا دیا ہے اور دوسرے کو اگر پھیلاؤں تو یہ گردن کاٹ دی جائے"۔

---

[675] (مشکوٰۃ، کتاب العلم، الفصل الثالث)

اس حدیثِ مبارک سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے دو علوم سیکھے، یعنی ایک علمِ ظاہری اور دوسرا علمِ باطنی یعنی طریقت۔ اُس وقت سے اُمت میں ان علوم کی اشاعت وترویج جاری وساری ہے۔ آج کے دور میں علم ظاہر کو فقہ یا شریعت اور علم باطن کو طریقت یا تصوف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں علوم انسان کی ایمانی تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔ جس طرح کنز وھدایہ وغیرہ فقہ کی کتب پڑھنا ضروری ہے اسی طرح ابو طالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب قوت القلوب، امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اربعین اور مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی مکتوبات وغیرہ پڑھنا بھی ضروری ہے۔

اگر روایت میں کمال حاصل کرنے کے لئے عسقلانی سے استفادہ کرنا ضروری ہے تو درایت میں کمال حاصل کرنے کے لئے حضرت شیخ جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت سلطان بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اکتساب فیض بھی ضروری ہے۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے: ''جس کا باطن ناپاک ہو اس کا ظاہر پاک ہو ہی نہیں سکتا''۔

چوتھی صدی ہجری کے مشہور عالم اور شیخ الصوفیہ امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے زمانے کے مشائخ صوفیاء کے لئے ایک مفصل پیغام بنام ''رسالۂ قشیریہ'' لکھا ہے اور بعد کے تمام مصنفین کی کتابوں کا مدار اور متن یہی کتاب سمجھی گئی ہے۔ اس کے مقدمہ میں انہوں نے بڑی وضاحت سے آئمہ صوفیاء کے مقالات سے ثابت کیا ہے کہ طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ شریعت وسنت پر پوری طرح عمل کرنے کا نام ہی طریقت ہے۔

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

كل شريعة غير مويدة بالحقيقة فغير مقبول و كل حقيقة غير مقيدة بالشريعة فغير محصول۔

یعنی "شریعت کی ہر وہ بات جس کی تائید حقیقت سے نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور حقیقت کی ہر وہ بات جو کہ شریعت کی قیود میں نہ ہو، حاصل کرنے کے قابل نہیں"۔

(بستان العارفین، ص ۲۳ تا ۲۷)

مکتوب نمبر ۵۸

[سیادت مآب سید محمود کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ جس راہ کے طے کرنے کے ہم در پے ہیں وہ سارے کا سارا سات قدم ہے۔ اور اس اَمر کے بیان میں کہ دوسرے سلاسل کے مشائخ کے بخلاف مشائخ نقشبندیہ نے سیر کی ابتداء عالمِ امر سے کی ہے۔ اور اس بیان میں کہ ان بزرگوں کا طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے۔ اور جو اس کے مناسب باتیں ہیں۔

التفات نامہ گرامی وارد ہو۔ چونکہ اس سے بلند گروہ (نقشبندیہ) کی باتیں سُننے کا شوق معلوم ہوتا تھا، اس بنا پر سوال کا جواب دینے اور مطلوب و مدعا کی طرف رَغبت دلانے کے لئے ناچار چند باتیں تحریر میں لائی ہیں۔]

تشریح

طریقت کے چار سلاسل میں سے سلسلۂ نقشبندیہ اور دیگر تین سلاسل (قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ) کے درمیان فرق اور طریقۂ نقشبندیہ کی باقی طرق پر فضیلت کو پہلی جلد کے مکاتیب میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے، لیکن یہ ایسا فضلِ خداوندی والا سلسلہ ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں کے فضائل کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے۔

اس مکتوب میں سلسلۂ نقشبندیہ کے باطنی لطائف کی سیر کو واضح کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان میں دو عالم پنہاں ہیں۔ ایک عالمِ اَمر اور دوسرا عالمِ خَلق۔ عالمِ امر میں پانچ لطائف ہیں یعنی قلب، روح، سر، خفی اور اخفٰی، جبکہ عالمِ خلق میں اجمالاً دو لطائف ہیں اور تفصیلاً پانچ۔ اجمالی لطائف نفسی اور قالبی ہیں اور تفصیل کے لحاظ سے ایک لطیفہ نفسی اور چار عناصر (مٹی، پانی، آگ اور ہوا)

ہیں۔ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں سیر و سلوک کی ابتدا لطیفۂ قلب سے ہوتی ہے۔ توجہاتِ شیخِ کامل اور فضلِ خداوندی سے لطیفہ قلب کی سیر مکمل ہونے کے بعد لطیفۂ روح کی سیر شروع ہوتی ہے۔ علیٰ ھذا القیاس عالمِ اَمر کے پانچوں لطائف کی سیر کو مکمل کرکے ظاہری طور پر عالمِ خلق کی سیر کو شروع کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے تصریح کی ہے کہ نقشبندیہ میں عالمِ خلق، عالمِ اَمر کی سیر کے دوران ہی طے ہو جاتا ہے۔

سلوک کی ابتدا لطیفۂ قلب سے ہونے کی اصل وہ حدیث مبارکہ ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔

ترجمہ: اور سُن لو کہ جسم کے اندر ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے سُن لو کہ وہ (گوشت کا ٹکڑا) دِل ہے۔[676]

یہی وجہ ہے کہ مشائخِ نقشبندیہ نے سلوک کو قلب سے شروع کیا ہے تاکہ دیگر باطنی اصلاحات میں اصلاحِ قلب کی وجہ سے آسانی ہو۔ اور یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے کہ نقشبندیہ کا سلوک باقی سلاسل کی نسبت بہت آسان ہے۔

بقیہ سلاسلِ طریقت (چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ) میں سلوک کو عالمِ خلق سے شروع کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ریاضاتِ شاقہ کی جاتی ہیں تب جا کر جذب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے لیکن سلسلۂ نقشبندیہ میں قلب کی ابتدا میں ہی جذبہ کی صوری دولت ہاتھ آجاتی ہے۔ والحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

---

676 (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۹۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

عالمِ اَمر اور اس کے لطائفِ خمسہ کے مقامات عرشِ الٰہی سے اوپر واقع ہیں۔ ان سے اوپر اللہ جل شانہٗ کی صفاتِ فعلیہ پھر صفاتِ ذاتیہ پھر شیونات، شیونات سے اوپر اعتبارات اور ان سے اوپر ذاتِ بحت جل وعلا ہے۔

تمام تر مخلوق (زمین وآسمان، جنت ودوزخ، لوح وقلم، عرش وملائکہ اور دیگر ذی روح مخلوقات وغیرہ) کو پیدا کرنے کے لئے اللہ جل شانہٗ نے اپنی صفاتِ فعلیہ کو ان کی جانب متوجہ کیا جن کے اثرات سے یہ سب کچھ عالمِ وجود میں آ گیا۔

بعینہٖ سلسلۂ نقشبندیہ میں شیخِ کامل اپنے باطن کو عالمِ اَمر کی طرف متوجہ کرکے وہاں سے انوارات وتجلیات اخذ کرتا ہے اور پھر ان کو سالک کے سینے میں منعکس کر دیتا ہے۔ سالک فوراً اپنے اندر اس کے اثرات کو محسوس کرتا ہے۔ لیکن یہاں ایک باریک نقطہ کو سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جو انسان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی حدود کو پھلانگتا ہے اور اس کی زندگی کے اکثر شبانہ روز سُنتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خلاف ورزیوں میں گزرتے ہیں اور اس کا جسم حرام کے رزق سے پرورش پاتا ہے تو اس کے لطائف پر گناہوں کی وجہ سے زنگ کی تہہ جم جاتی ہے۔ ایسا شخص اگر کسی کامل ولی کی صحبت کی طرف مائل ہو تو اُس ولی اللہ کو ایسے گناہ آلودہ لطائف سے پہلے زنگ کو دھونا پڑتا ہے تب جا کر وہ شخص لطائف کے اثرات کو محسوس کرتا ہے۔ لہٰذا وہ لوگ جو دُنیا میں منہمک رہے ہوں اور زندگی بھر حلال وحرام میں تمیز نہ کی ہو، وہ شیخِ کامل کی پہلی محافل میں توجہات کے اثرات کو محسوس نہ کر سکیں تو اس سے بد دل نہ ہوں اور نہ ہی شیخِ کامل پر اعتراضات کرنے لگیں بلکہ اپنی خلافِ شرع عادات کو دور کریں اور نیک محافل کو ترک نہ کریں۔ اس طرح وہ ضرور بالضرور توجہاتِ عالیہ سے مستفید ہوں گے۔ یہ بات بھی جان لیں کہ چار سلاسل طریقت میں ذکرِ خدا کا طریقہ اور اذکار

الگ الگ ہیں لیکن سب کا مطلوب و مقصود ایک ہی ذاتِ الٰہی ہے۔ اور اُسی کے آگے سر بسجود ہوتے ہیں اُسی کی رضا کے طالب ہیں کیا نقشبندی و قادری اور کیا چشتی و سہر وردی۔

[مخدوم گرامی! جس راستے کو ہم طے کرنے کے درپے ہیں وہ سارا سات قدم ہے۔ جس طرح انسان کے سات لطیفے ہیں۔ دو قدم تو عالمِ خلق میں ہیں جو قالبی اور نفسی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور پانچ قدم عالمِ امر میں ہیں، جو قلب، روح، سِر، خفی اور اخفٰی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں دس ہزار حجابات اٹھاتے ہیں۔ یہ حجابات نورانی ہوں یا ظلمانی (سیاہ):

ان للہ سبعین الف حجاب من نور و ظلمۃ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ستر ہزار پردے ہیں نور اور ظلمت کے۔[677]]

تشریح

عالمِ اَمر کے پانچ قدم ہیں جنہیں لطائفِ پنجگانہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں سے پہلا قدم یا پہلا لطیفہ لطیفۂ قلب ہے، اس پر صفاتِ فعلیہ سے فیض آتا ہے، دوسرا لطیفہ روح کا ہے، اس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ، ثبوتیہ و حقیقیہ ذاتیہ سے فیوض وبرکات نازل ہوتے ہیں۔ تیسرا لطیفہ سِر کا ہے اس پر شیونات سے فیض آتا ہے۔ چوتھا لطیفہ خفی کا ہے، یہ لطیفہ اعتبارات سے فیض لیتا ہے اور ان چار لطائف کے بعد افضل ترین اور جامع لطیفہ لطیفۂ اخفٰی آتا ہے، اس لطیفہ کو ذاتِ جل شانہٗ سے فیوض وبرکات عطا کئے جاتے ہیں۔

---

677 (رواہ مشکوٰۃ، تفسیر روح البیان، سورۃ الاحزاب، پارہ ۲۹، آیت ۷۲، تفسیر المظھری، سورۃ الاعراف، پارہ ۹، آیت ۱۴۳)

عالمِ اَمر کے پانچ لطائف میں سے ایک لطیفہ (مثلاً قلب) حقیقی طور پر ذاکر ہو جائے اور اسے فناءِ اَتم حاصل ہو جائے تو ایسے قلب والا سالک، صالح ہو جاتا ہے اس کا ظاہر شریعت کے ظاہر کے مطابق اور اس کا باطن شریعت کے باطن کے مطابق ڈھل جاتا ہے لیکن ایسی کیفیات کے لئے سالک کو پہلے شریعتِ حقہٗ کے احکام کا عملی طور پر تابع ہونا لازم و ضروری ہے۔

حدیثِ مبارکہ کے مطابق اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اور بندے کے درمیان جن ستر ہزار پردوں کا ذکر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ اور اللہ جل مجدہٗ کے درمیان دس ہزار پردے حائل ہیں۔ جب کسی سالک کا پہلا لطیفۂ قلب حقیقی طور پر ذاکر ہوتا ہے تو لطیفۂ قلب اور اللہ جل شانہٗ کے درمیان سے دس ہزار پَردے دور ہو جاتے ہیں۔ پھر لطیفۂ رُوح کے ذاکر ہونے سے دَس ہزار پردے مزید ہٹ جاتے ہیں، وعلیٰ ھذا القیاس سات لطیفے ذاکر ہونے سے ستر ہزار پردے دور ہو جاتے ہیں اور شریعتِ مطہرہ کی خلاف ورزیوں اور نفس کی اطاعت کی وجہ سے بندے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے درمیان جو قدرتی بُعد اور دُوری ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے اور سالک کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا حقیقی اور مکمل قُرب حاصل ہو جاتا ہے۔

یہاں پر سالکین و عوام الناس کے لئے ایک غور طلب بات ہے جس کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ سالکین کے لئے تو یہ کہ جو سالک پہلے لطائف پر رُکے رہتے ہیں اور ذکرِ کثیر و اتباعِ سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم نہیں کرتے وہ ترقی سے محروم رہتے ہیں اور یوں تمام لطائف سے ستر ہزار پردوں کے ہٹ جانے اور کامل قُربِ الٰہی کی دولت حاصل نہیں کر سکتے انہیں چاہیئے کہ اپنے تمام اوقات کو ذکرِ کثیر سے منور کریں اور اپنی عملی زندگی میں شریعتِ حقہٗ کے نورانی رنگ بھریں

تا کہ یکے بعد دیگرے اُن کے لطائفِ سبعہ سے پردے اُٹھ جائیں اور اُنہیں قُربِ الٰہی کی نادر دولت ہاتھ آسکے۔

عوام الناس اور علمائے ظواہر جو سرے سے تصوف کے نزدیک بھی نہیں جاتے اور نہ ہی اسے ضروری سمجھتے ہیں یا اپنے آباؤ اجداد کی رسم سمجھ کر تصوف و سلوک سے برائے نام تعلق پیدا کر لیتے ہیں یا کسی ناقص شیخ سے بیعت کر لیتے ہیں اور کامل و مکمل ولی اللہ کی تلاش کی بجائے یوں ہی ساری زندگی گزار دیتے ہیں انہیں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے اس مکتوب پر خاص توجہ دینی چاہیئے۔ اور ان کی تعلیمات کے مطابق کسی کامل و مکمل شیخ سے سلوک کی منازل طے کرنی چاہئیں تا کہ اُنہیں بھی لطائفِ باطنی کے ذکر کی چاشنی اور قُربِ خداوندی کی حقیقی دولت نصیب ہو۔ ورنہ تصوفِ حقیقی سے انکار یا ناقص پیر کے دَر پر زندگی گزار دینے کی صورت میں ستر ہزار پَردوں سے خلاصی کیسے ملے گی؟ اور قُرب کسے عطا ہو گا؟

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس سالک پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل ہو جائے اور اُس کے صرف لطیفۂ قلب ہی کو فناءِ حقیقی کی دولت میسر آنے کی وجہ ابتدائی دس ہزار پَردوں سے خلاصی نصیب ہو جائے تو اُسے چاہیئے کہ اس دولتِ عظمیٰ کے شکر کے طور پر کم از کم دس ہزار فقہی مسائل یا احادیثِ مبارکہ تو سیکھے اور ان پر عمل کرے۔ طریقت وہ راستہ ہے جس پر اس اُمت کے اولین سالکین کرام (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) عملی طور پر چلے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پہلی ہی صحبت مبارکہ سے اُن سے نورانی و ظلمانی پردے دور ہو گئے تھے، اس لئے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی احادیث سُن کر یاد کرنے اور فقہی مسائل کو سمجھ کر اُن پر عمل کرتے۔ لہٰذا اُن قدسی نفوس کی اتباع کرتے ہوئے آج کے دور

میں، جبکہ شریعتِ مطہرہ پر عمل ختم ہو چکا ہے اور تصوف کی تعلیمات کو پسِ پُشت ڈال دیا گیا ہے، ضرورت اس اَمر کی ہے کہ فقہی مسائل کو علماءِ حق سے سیکھا جائے اور اُن پر عمل کیا جائے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اہلِ طریقت نے وصول الی اللہ کی منزل کو سات قدم قرار دیا ہے۔ سات قدموں سے مراد سات لطائف ہیں، جن میں سے دو قدم عالمِ خلق میں سے ہیں یعنی لطیفہٗ قالبی (جو عناصر اربعہ پر مشتمل ہے) اور دوسرے قدم سے مراد لطیفہٗ نفس کا طے کرنا ہے اور عالمِ اَمر سے تعلق رکھنے والے پانچ قدموں سے مراد عالمِ اَمر کے پانچ لطیفے ہیں اور وہ یہ ہیں: قلب، روح، سِر، خفی اور اخفٰی۔

بینہ

حدیثِ نبوی علٰی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے مطابق ذاتِ حق تعالٰی اور بندے کے درمیان ستر ہزار ظلمانی و نورانی حجابات ہیں۔ جب بندہ اخلاصِ نیت کے ساتھ کسی مرشدِ کامل کی رہنمائی میں وصول الی اللہ کی منزلوں میں قدم رکھتا ہے تو ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں دس ہزار حجابات اٹھائے جاتے ہیں حتیٰ کہ آخری قدم تک ستر ہزار حجابات اٹھ جاتے ہیں۔

واضح ہو کہ حجاباتِ ظلمانی سے مراد غفلت کے پردے ہیں اور حجاباتِ نورانی سے مراد اللہ تعالٰی کی عظمت و کبریائی کے پردے ہیں۔ پردے اٹھنے کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ ہر قدم پر اپنے آپ سے دور اور حق تعالٰی کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یعنی انفس و آفاق کی کثافتیں اور کدورتیں دور ہوتی جاتی ہیں اور بندہ قربِ خداوندی کی منزلوں میں گم ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ولایتِ خاصہ کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔ وَذَالِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

حافظ شیرازی نے کیا خوب فرمایا ہے:

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست

تو خود حجاب خودی حافظ از میاں بر خیز

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۲۱، ۳۲۲)

مفتاح السلوک، جلد دوم میں ہے:

طریقہ اسباق سلسلہ نقشبندیہ سیفیہ

پہلا ذکر قلبی: خواجہ خواجگان سلطان الاولیاء یکتائے زمانہ حضرت علامہ مجمع البحرین اخندزادہ سیف الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم وفیوضاتہم مریدین کو پہلا ذکر "قلبی" دیتے ہیں۔ اس لطیفہ کا رنگ زرد ہے اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ ذکر اس طرح دیا جاتا ہے کہ شہادت والی انگلی مقامِ قلب پر (جو کہ بائیں پستان کے دو انگل نیچے ہے) رکھتے ہوئے زبان سے تین بار اسم ذات "اللہ" تلقین کرتے ہیں، پھر زبان بند کرواتے ہیں۔ سالک ذکر میں مشغول رہتا ہے اور شیخ کامل مکمل اس کو توجہ کرتا ہے (توجہ کہتے ہیں اپنی قلبی طاقت کو دوسرے کے قلب پر ڈالنا) یہاں تک کہ اس کا لطیفہ قلب ذاکر ہو جاتا ہے۔ اس دورانیہ میں صفات فعلیہ سے تجلی ہوتی ہے اور ستر ہزار حجابات جو کہ اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان نور و ظلمت کے ہیں، ان میں سے دس ہزار حجابات رفع ہو جاتے ہیں۔ سالک قرب بلا کیف سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے۔ یہ لطیفہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے، تو سالک ان کی ولایت سے حصہ پاتا ہے اور لطیفہ قلب میں صفائی پیدا ہونے کے بعد ایک دوسرا لطیفہ نظر آجاتا ہے جو کہ لطیفہ روح (اصل الاصل) ہے۔ ماسوا اللہ تعالیٰ کے

نسیان اور ذات حق کے ساتھ محویت لطیفہ قلب کے ذاکر ہونے کی تاثیر ہے۔ لطیفہ قلب کا حرکت کرنا دافع غفلت اور دافع شہوت ہے۔

دوسرا ذکر روحی: یہ ذکرِ قلبی کے جاری ہونے کے بعد دیتے ہیں۔ لطیفہ روح کا رنگ سرخ ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا مقام سینہ انسان میں دائیں پستان کے دو انگل نیچے کی جانب مائل بہ پہلو ہے اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ سالک اس لطیفہ میں بھی ذکر کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر حالت میں مشغول رہتا ہے اور شیخ مبارک اس کو توجہ دیتا ہے یہاں تک کہ یہ لطیفہ بھی ذاکر ہو جاتا ہے اور سالک پر صفاتِ ثمانیہ ثبوتیہ ذاتیہ حقیقیہ سے تجلی ہوتی ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار حجابات مزید رفع ہو جاتے ہیں۔ اور سالک قرب بلا کیف سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یہاں سالک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے ولایت سے حصہ لیتا ہے۔ اور جب یہ لطیفہ ذاکر ہو جائے اور اس میں صفائی پیدا ہو جائے تو اس میں تیسرا لطیفہ نظر آ جاتا ہے جو کہ لطیفہ سِر ہے جو کہ اصل اصل الاصل ہے۔ ذکرِ روحی کی تاثیر اسم ذات کی صفاتی تجلیات کا ظہور ہے۔ اس لطیفہ کی حرکت سے غصہ و غضب کی کیفیت میں اعتدال اور طبیعت میں سکون پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا ذکر سرّی: لطیفہ سِر کا رنگ سفید ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ یہ ذکر لطیفہ روحی کے جاری ہونے کے بعد دیتے ہیں اس کا مقام بائیں پستان کے دو انگل اوپر مائل بہ بائیں ہاتھ ہے۔ اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ اس کا اثر اللہ تعالیٰ کے شیونات اور اعتبارات کا ظہور ہے۔ یہ مشاہدہ اور دیدار کا مقام ہے (صاحب کشف کے لئے)۔ حرص کا خاتمہ ہوتا ہے، دینی معاملات میں فیاضی اور فکر آخرت کی بیداری پیدا ہوتی ہے۔ اس لطیفہ کے ذاکر ہونے کے ساتھ ساتھ سالک

شیونات سے تجلی لیتا ہے اور یہ لطیفہ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اس لئے سالک ان کی ولایت سے اس میں حصہ لے لیتا ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار حجابات یہاں بھی اٹھ جاتے ہیں اور سالک قرب کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ اس لطیفہ کے صیقل ہونے کے بعد ایک اور لطیفہ نظر آجاتا ہے جو کہ لطیفہ خفی ہے (جو کہ اصل اصل اصل الاصل ہے)۔

چوتھا ذکر خفی: چوتھا ذکر خفی ہے۔ لطیفہ خفی کا رنگ سیاہ ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ یہ ذکر سری کے جاری ہو جانے کے بعد دیتے ہیں۔ ذکر خفی کا مقام دائیں پستان کے بالکل برابر میں دو انگشت اوپر ہے۔ یہ ذکر بھی اسم جلالت "اللہ" کا ہے۔ اس لطیفہ میں سالک ذکر کرتا ہوا صفات سلبیہ کی تجلیات سے بہرہ ور ہوتا جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولایت سے حصہ لے لیتا ہے۔ ساتھ ساتھ ستر ہزار حجابات میں سے مزید دس ہزار حجابات اور بھی اٹھتے جاتے ہیں اور سالک قرب بلا کیف سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس لطیفہ میں ایک اور لطیفہ نظر آجاتا ہے جو کہ لطیفہ اخفیٰ (اصل اصل اصل الاصل) ہے۔ جس طرح کہ ایک آئینہ دوسرے آئینہ کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے اور اس میں اس کا عکس نظر آتا ہے۔ اس لطیفہ کے ذاکر ہونے کا اثر یہ ہے کہ حسد، بخل، کینہ، غیبت وغیرہ سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

پانچواں ذکر اخفیٰ: لطیفہ اخفیٰ کا رنگ سبز ہے اور یہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہٖ وَسلَّم کے زیر قدم ہے۔ یہ خفی کی پختگی کے بعد دیا جاتا ہے اس کا مقام لطیفہ سری اور خفی کے بالکل درمیان اور برابر میں ہے۔ اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ جب سالک ذکر کرتا رہے اور شیخ سے توجہ لیتا رہے تو یہ لطیفہ بھی ذاکر ہو جاتا ہے۔ ذاکر ہونے کے ساتھ شانِ جامع سے تجلی لیتا ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار اور حجابات قطع ہو جاتے ہیں۔ سالک اور بھی قریب ہو جاتا ہے

اور یہ لطیفہ چونکہ حضرت محمد مصطفی صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کے زیر قدم ہے لہٰذا سالک ان کی ولایت سے حصہ لیتا ہے۔ اس لطیفہ کے ذاکر ہو جانے کا اثر یہ ہے کہ سالک تکبر، فخر و غرور اور خود پسندی وغیرہ سے نجات اور حضور و اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس لطیفہ میں سالک کو اپنا نفس نظر آجاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں فرمایا "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ یہاں سالک پر عارف کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

چھٹا ذکر نفسی: ذکر اخفٰی جاری ہونے کے بعد نفسی ذکر دیا جاتا ہے۔ اس کا مقام پیشانی کے اوپر بال اُگنے کی جگہ پر ہے اور اس کا رنگ خاکی ہے۔ اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ لطیفہ نفس میں ذکر کرتے ہوئے سالک نفس کو امارگی سے اطمینان و راضیت و مرضیت کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نفس مطمئنہ ہونے کے بعد راضیہ و مرضیہ بن جاتا ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار حجابات اور بھی قطع ہو جاتے ہیں۔

ساتواں ذکر قالبی: لطیفہ قالبی کا رنگ آتش نما ہے۔ اس ذکر کو سلطان الاذکار بھی کہا جاتا ہے اور ذکر قالبی بھی۔ اس کا مقام سَر کے اوپر والی جانب، سَر کے بالکل درمیان میں ہے لیکن فیض پورے جسم میں داخل ہوتا ہے۔ اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ سالک ذکر کرتا ہو الطیفہ قالب کے عناصر اربعہ یعنی ہوا، آگ، مٹی اور پانی، کی سرکشی کو اعتدال کی طرف لانے میں کوشش کرتا ہے جس کو رسول اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے جہادِ اکبر سے تعبیر کیا ہے۔ جب غزوہ خندق سے آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین واپس فرما رہے تھے، تو آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا "رجعنا من الجھاد الاصغرِ الی الجھاد الاکبر" (ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس ہوئے)۔ یہاں پر اکثر لوگ جہاد اکبر سے نفس کے ساتھ جہاد مراد

لیتے ہیں۔ لیکن یہ خطا ہے۔ کیونکہ رسول اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اور صحابہ کرام کے نفوس پہلے سے مطمئن وراضیہ ومرضیہ تھے۔ تو جہادِ اکبر سے مراد اس حدیث میں عناصرِ اربعہ کے ساتھ جہاد کرنا ہے، جن کی طبیعت میں سرکشی ہے۔ سالک جب تک ان کی طرف متوجہ رہتا ہے، تو یہ اعتدال کی حالت میں ہوتے ہیں اور جیسے ہی توجہ ہٹاتا ہے تو یہ اپنی اصل (سرکشی) کی طرف لوٹتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَأۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ (الحجر ۹۹) یعنی مرتے دم تک عبادت کا امر دیا گیا ہے۔

لطیفہ قالبی میں ذکر کرتا ہوا سالک حجاباتِ نور و ظلمت میں سے دس ہزار حجابات اور بھی قطع کر دیتا ہے اور وصلِ عریانی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ یعنی ستر ہزار حجابات تمام کے تمام رفع ہو جاتے ہیں۔ اس کی تاثیر رزائل بشریہ اور علائق دنیویہ سے مکمل رہائی پالینے کے بعد تمام بدن میں ظاہر ہوتی ہے۔

(مفتاح السلوک، جلد دوم)

[اول قدم میں جو عالمِ اَمر میں رکھتے ہیں تجلّیٔ افعال ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے قدم میں تجلّیٔ صفات، تیسرے قدم میں تجلیاتِ ذاتیہ کا آغاز ہو جاتا ہے، پھر تجلیات کے فرق کے مطابق آگے ترقی کرتا چلا جاتا ہے، جیسا کہ اہلِ معرفت سے پوشیدہ نہیں۔ اور ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں بندہ اپنے سے دور اور حق سبحانہٗ کے نزدیک ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان قدموں کے مکمل ہونے کے ساتھ قُربِ الٰہی بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ فنا اور بقا سے مشرف کر دیئے جاتے ہیں اور ولایتِ خاصہ کے درجے تک پہنچا دیئے جاتے ہیں۔]

تشریح

سابقہ صفحات میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ جو سالک سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے تصوف کے سات قدموں کا راستہ مکمل کر لیتا ہے اس کے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے درمیان کے ستر ہزار پردے اُٹھ جاتے ہیں اور اُسے فناءِ اَتم واَکمل نصیب کر کے ولایتِ خاصہ میں پہنچا دیا جاتا ہے لیکن یہ گمان ہر گز نہ کرنا چاہیئے کہ جس طرح حضرت رسالتِ خاتمیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم واللہ رب العزت کے درمیان سے پردے ہٹ گئے تھے اُسی طرح اس اُمت کے سالکوں سے بھی ہٹا دیئے جاتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)۔ کیونکہ ایسی سوچ غلط ہے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہمسری اور برابری کیسے ہو سکتی ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے تو وہ پردے حقیقی طور پر اُٹھا لئے گئے تھے جبکہ اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ سے ان پردوں کو ظلی طور پر ہٹایا جاتا ہے۔

وحدت الوجود کا مشرب رکھنے والے اولیاء (جن میں حضرت محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ ولایت، نبوت سے افضل ہے اور نبی کو ولی سے فیض ملتا ہے تو یہ بات بھی بے اصل اور حقیقت سے دور ہے۔ نبوت بہر حال بہتر ہے۔ نبوت کے چشمۂ فیض سے ہی ولایت کو سیراب کیا جاتا ہے۔ چاہے کوئی ایسا ہی نبی ہو جس کا نام بھی نہ سُنا گیا ہو اور اس کا ایک بھی اُمتی نہ ہو، وہ نبی بھی اونچے درجے کے اولیاء سے ہر طرح اور ہر لحاظ سے افضل ہے۔

[طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ نے اس سیر کی ابتداء عالمِ اَمر سے اختیار کی ہے اور عالمِ خلق کو بھی اس سیر کے ضمن میں طے کر لیتے ہیں۔ بخلاف دوسرے سلسلوں کے مشائخ قدس سرہم کے۔ لہٰذا طریقۂ نقشبندیہ وصول کے لئے دوسرے سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے۔ تو ضروری طور پر دوسروں کی انتہا ان کی ابتداء میں درج ہے۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

ترجمہ: میرے گلستان سے میری بہار کا اندازہ کرلو۔

ان بزرگوں کا طریقہ بعینہٖ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو حضور خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی پہلی صحبت میں ہی بطریقِ اندراج نہایت در ہدایت وہ کچھ میسر آگیا جو کامل اولیاءِ اُمت کو نہایت پر پہنچ کر بھی بہت کم ہی میسر آتا ہے۔ لہٰذا وحشی علیہ الرحمۃ قاتلِ سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صرف ایک بار صحبتِ خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پہنچا، حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جو خیر التابعین ہیں افضل قرار پایا۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں، یا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ؟ تو آپ نے جواب دیا "وہ غبار جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ کئی درجے عمر بن عبد العزیز سے افضل ہے"۔ تو یہ سوچنا چاہیئے کہ جس گروہ کی ابتداء میں دوسروں کی نہایت درج ہے، ان کی نہایت کیسی ہوگی؟ اور دوسروں کے علم میں ان کی نہایت کیسے آسکتی ہے؟

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المدثر ۳۱)

ترجمہ: اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور

حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند

روبہ از حیلہ چسا بگسلد ایں سلسلہ را

ترجمہ: اگر کوئی کوتاہ نظر اس گروہ کو قصوروار ٹھہرائے، تو حاشَ للہ کہ میں زبان پر اس گلہ کو لاؤں۔ جہان کے سارے شیر اس سلسلہ سے منسلک ہیں۔ لومڑی حیلے بہانے سے اس سلسلے کو کس طرح توڑ سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس نادر الوجود گروہ کی محبت نصیب فرمائے۔

کاغذ پر لکھی ہوئی یہ تحریر اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں بلند مرتبہ معارف اور اعلیٰ درجے کے حقائق درج ہیں۔ اُمید ہے کہ ان کو عزت و عظمت سے رکھیں گے۔ وَالسلام]

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کرام نے سیر باطن کی ابتداء عالمِ اَمر سے اختیار فرمائی ہے یعنی اپنے سلوک کی بنیاد تصفیۂ قلب وروح ودیگر لطائف پر رکھی ہے تاکہ لطائف میں پہلے جذبہ پیدا ہو، اور وہ جلد از جلد عروجی منازل طے کریں اور اس عروج کے ضمن میں سالک فضائلِ شریفہ اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو اور عاداتِ رذیلہ وخصائلِ کثیفہ سے خالی ہو جائے یعنی یہ مشائخ پہلے سالک کو تجلیۂ لطائف کی تعلیم وتربیت دیتے ہیں۔ اس کے بعد تخلیہ وتزکیۂ لطائف کی منزلوں تک پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح تجلیۂ لطائفِ عالمِ امر کے ضمن میں خودبخود عالمِ خلق کے لطائف کا تزکیہ بھی ہو جاتا ہے جبکہ دوسرے سلاسل کے مشائخ نے عالمِ خلق کے لئے علیحدہ اور عالمِ اَمر کے لئے جداگانہ سیر تجویز فرمائی ہے جس کی وجہ سے ان کے سلوک میں

طوالت آگئی ہے اور مشائخِ نقشبندیہ جذبے کی مدد سے راہِ سلوک جلدی طے کر لیتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے جذبے کو سلوک پر مقدم رکھا ہے۔ ان بزرگوں کی ابتداء میں دوسروں کی انتہاء درج ہونے کا یہی مطلب ہے کہ دوسرے سلاسل کے بزرگ جذبہ آخر میں دیتے ہیں اور یہ پہلے دیتے ہیں تاکہ وصول کی منزل قریب تر ہو جائے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ نقشبندی مشائخ کا طریقہ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے یعنی اس طریقے میں حصولِ فیض کا دار و مدار صحبتِ شیخ پر ہے نہ کہ ریاضت پر۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت کی برکت سے سب کچھ حاصل کیا تھا۔ سلسلۂ نقشبندیہ کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں مرید صحبتِ شیخ کی برکت سے فائض المرام ہوتا ہے جبکہ دوسرے سلاسل میں ریاضت کے بغیر فیض نہیں ملتا۔ نیز سلسلۂ نقشبندیہ کی خصوصیات سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس سلسلہ کے اکثر مشائخ کو وصلِ عریانی نصیب ہوتا ہے جبکہ دوسرے سلاسل کے اکثر مشائخ وصلِ مطلق سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ وصلِ مطلق میں صرف ظلمانی حجابات اٹھائے جاتے ہیں، نورانی حجابات باقی رہتے ہیں۔ لیکن وصلِ عریانی میں تمام ظلمانی و نورانی حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں اور صفات، شیونات و اعتبارات کے نورانی حجابات میں سے کوئی بھی حجاب حائل نہیں رہتا۔ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۲۳، ۳۲۴)

مکتوب نمبر ۵۹

[یہ مکتوب بھی سید محمود کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ نجاتِ اَبدی میسر آنے کے لئے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس بیان میں کہ اہلِ سنت وجماعت کی اتباع کے بغیر نجات متصور نہیں۔ اور اس بیان میں کہ علم و عمل تو شریعت سے مستفاد ہیں اور اخلاص کا حصول طریقِ صوفیہ کے سلوک پر موقوف ہے۔ نیز اس بیان میں کہ اخلاصِ عمل اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے لئے تمام اعمال، افعال اور حرکات و ممکنات میں حاصل ہے۔

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی شاہراہ پر استقامت عطا فرمائے اور کُلی طور پر اپنی جنابِ قدس کی گرفتاری نصیب فرمائے۔

آپ کا مکتوب شریف اور مراسلہ لطیف وارد ہو کر موجبِ فرحت ہوا، اور فقراء سے محبت کے اسباب اور اس بلند درجہ گروہ کے ساتھ آپ کے اخلاص وعقیدت وضاحت کو پہنچا۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ (اے اللہ! اس محبت اور اخلاص میں زیادتی کر)۔

آپ نے مفید اور نصیحت کی باتوں کا مطالبہ کیا ہے۔ مخدومِ گرامی! آدمی کے لئے تین چیزوں سے چارہ نہیں تا کہ نجات ابدی میسر آئے۔ علم، عمل اور اخلاص۔

پھر علم دو قسم ہے۔ ایک وہ علم جس سے عمل مقصود ہے۔ اس علم کے بیان کی کفیل فقہ ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور یقینِ قلبی ہے۔ اس علم کی تفصیل مطابق آرائے صائبہ اہلِ سنت وجماعت علمِ کلام میں آچکی ہے اور اہلِ سنت ہی ناجی فرقہ ہے۔ ان بزرگوں کی اتباع

کے بغیر نجات متصور نہیں۔ اگر بال برابر بھی مخالفت ہے تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یہ بات کشفِ صحیح اور الہامِ صریح سے یقین کے درجہ تک پہنچی ہے، اس میں غلطی کا احتمال نہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں ایک مکمل اسلامی ضابطۂ حیات کا طریقۂ کار اور اصول واضح کیا ہے، جس پر عمل کر کے ایک مسلمان حیاتِ سرمدی و نجاتِ ابدی حاصل کر سکتا ہے۔ وہ طریقہ اور اصول شریعتِ حقہ کے تین اجزاء کا حصول ہے یعنی:

۱۔ علم ۲۔ عمل ۳۔ اخلاص

علم کے دو درجے ہیں۔ پہلے درجے میں ایمانیات یعنی عقائد کا علم حاصل کرنا ہے۔ یہ علم از بس لازم و ضروری ہے اور جب تک یہ فریضہ ادا نہیں ہوتا کوئی بھی شخص اُس وقت تک مؤمنِ حقیقی نہیں ہو سکتا۔ یہ علم سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حاصل کیا اور پھر اُن پاکیزہ ہستیوں سے تابعین کرام و تبع تابعین نے سیکھ کر کتابی شکل میں محفوظ کیا۔ عقائد کا یہ علم اہل سنت و جماعت کے ناجیہ گروہ کی کتابوں میں آج تک محفوظ ہے۔ ان کُتب میں فقہ الاکبر سرفہرست ہے جسے خود حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصنیف کیا ہے۔ اس اہم اور ابتدائی کتاب کی پہلی شرح حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفِ رشید حضرت حماد بن نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھی، جس کا نام نور الظلم ہے۔ علاوہ ازیں ابو المنتہیٰ، ملا علی قاری، عقائد شرح العقائد النسفی، خیالی اور نبراس عقائدِ اہل سنت و جماعت کی مستند و مدلل کتابیں ہیں جن کو پڑھ کر عقائد کی درستگی کی جا سکتی ہے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج کے مسلمان نے اپنے عقائد کے لئے خود ساختہ طریقے نکال لئے ہیں اور بے اصل و بے بنیاد قسم کے عقائد کو دِل

ودماغ میں بسالیاہے اور جن کتابوں اور شروح کی طرف رجوع ضروری تھااُن سے سراسر نابلند ہو چکا ہے۔

عقائد کی درستگی کے بعد شریعت کے حلال وحرام، فرائض، واجبات اور سُنن اور دیگر احکام کے علم کا حصول اور اس پر عمل کرنالازم وضروری ہے کیونکہ علم، عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ حضرت ابو داوٗد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نہ جاننے والے کے لئے ایک دفعہ ہلاکت وافسوس ہے اور جو علم پر عمل نہیں کرتا اس کے لئے سات بار ہلاکت وافسوس ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا اور اسے سکھایا آسمان کی بادشاہی میں اُسے ''عظیم'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنے (حاصل کئے ہوئے) علم پر عمل کرتے ہیں انہیں ایسے علوم کی توفیق ملتی ہے جو اُن کے پاس نہیں ہوتے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو جاہل لوگ اس سے علم سیکھنا پسند نہیں کرتے، کیونکہ عالم جب عمل نہیں کرے گا تو اس کا علم نہ اس کو نفع دیتا ہے نہ کسی اور کو اگرچہ اُس نے علم کے بوجھ لاد رکھے ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ فرشتے تین چیزوں سے تعجب کرتے ہیں:

۱۔ اس فاسق عالم سے جو لوگوں کو ایسے علوم بتاتا ہے جن پر خود عمل نہیں کرتا۔

۲۔ اس گنہگار کی قبر سے جسے خوب چونا گچا گچ کیا جاتا ہے۔

۳۔ فاسق وفاجر شخص کے جنازہ پر منقش چادروں سے۔

حضرت بشیر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ محدثین حضرات کو کہا کرتے تھے کہ ان احادیث کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ پوچھا گیا کہ ان کی زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟ فرمایا ہر دوسو احادیث میں سے پانچ پر عمل کیا کرو۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ علم کا اول درجہ خاموشی ہے، دوسرا کان لگا کر سُننا، تیسرا اُسے محفوظ کرنا، چوتھا اُس پر عمل کرنا، پانچواں اُسے پھیلانا اور عام کرنا۔[678]

پس عمل سے پہلے علم کا ہونا ضروری ہے تاکہ عمل پایۂ تکمیل تک پہنچے اور قبولیت کا شرف حاصل کر سکے۔ تو حصولِ علم میں سب سے پہلے بنیادی وضروری مسائل جیسے استنجاء، وضو، تیمم، غسل، نماز وروزہ وغیرہ کے مسائل اور حقوق العباد کو سیکھنا اور ان کے مطابق زندگی گزارنا فرض ہے۔ صرف چہرے کو داڑھی اور سر کو دستار سے سجا لینا اور فرض نماز کے لئے مساجد کی آمد ورفت ہی شریعت نہیں ہے۔ احادیث میں ایمان کے ۷۷ یا ۷۹ شعبے بیان کئے گئے ہیں اور ان سب کو اپنی عملی زندگی میں لانے سے ہی ایمان کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

تیسرے اور آخری درجے پر اخلاص کی دولت کا حصول ہے کیونکہ اخلاص کے بغیر عمل، بارگاہِ الٰہی میں نہیں پہنچ سکتا اور حقیقتِ اخلاص پر فائز ہونے کے لئے کبارِ مشائخ کی تعلیمات کے مطابق سلوک طے کرنا لازم وضروری ہے۔ بلکہ تصوف وسلوک کا مقصد ومدعا ہی حصولِ اخلاص ہے۔ اور اخلاص کہتے ہیں اعمال سے ریا کے ختم ہو جانے کو اور کسی بھی نیک کام کو صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے کرنا۔

---

678 (تنبیہ الغافلین باحادیث سید الانبیاء والمرسلین للسمرقندی، باب العمل بالعلم)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ قَالُوا: وَمَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: الرِّيَاءُ۔

ترجمہ: مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ اندیشہ شِرکِ اصغر کا ہے، (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے) عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم شرکِ اصغر کیا ہے؟ (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے) ارشاد فرمایا: "ریا"۔[679]

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو جنت کی طرف لے جانے کا حکم ہو گا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے اور اس کی خوشبو محسوس کرنے لگیں گے اور وہاں عالی شان محل اور دیگر نعمتیں جو اہلِ جنت کے لئے ہوں گی دیکھنے لگیں گے تو ندا آئے گی کہ ان کو واپس لے آؤ۔ ان کا جنت میں کوئی حصہ نہیں۔ وہ حسرت اور ندامت کے ساتھ واپس ہوں گے اور عرض کریں گے "یا اللہ! اچھا ہوتا کہ آپ ہمیں یونہی جہنم بھیج دیتے اور جنت کے یہ انعامات نہ دکھاتے جو آپ نے اپنے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے لئے تیار کرائے ہیں"۔ ارشاد ہو گا کہ ایسا کرنا بھی مقصود تھا، تم اپنی تنہائیوں میں بڑے بڑے گناہوں کے ساتھ ایسے اعمال دکھاتے تھے جو تمہارے دلی عزائم کے خلاف ہوتے تھے۔ تمہیں لوگوں کا ڈر ہوتا تھا مگر میرا ڈر نہ ہوتا تھا۔ تم نے لوگوں کا جلال محسوس کیا مگر میرا جلال نہ مانا۔ لوگوں سے شرما کر تو کوئی کام چھوڑا مگر مجھ سے حیا کر کے نہیں چھوڑا۔ سو آج میں تمہیں

---

[679] (مسند احمد، ج ۳۹، ص ۳۹، الناشر: مؤسسة الرسالة)

اپنا دردناک عذاب چکھاؤں گا اور میرے عظیم ثواب سے محرومی جو تمہارے مقدر ہوئی، وہ اس کے علاوہ ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ایسے عمل کو قبول نہیں کرتے جس میں ایک ذرے کے برابر بھی رِیا (شامل) ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان تین چیزوں (علم، عمل، اخلاص) سے اپنی مختصر اور عارضی زندگی کو مزین کریں۔ عقائد کے علم کے لئے قرونِ اولیٰ کے فقہاءِ احناف ماتریدیہ کے بتائے ہوئے علم کے مطابق اپنے عقیدہ کو درست کرنا چاہیئے۔ اور فقہی مسائل کے لئے امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اُن کے اصحاب اور ان کے متبعین فقہاء کی مستند کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ یوں ہی اخلاص کے لئے صوفیاء کرام کے بتائے ہوئے طرقِ تصوف کے قواعد کے مطابق اپنی خلوتوں کو ذکرِ الٰہی سے روشن کریں اور ان تین دولتوں (علم، عمل اور اخلاص) کے لئے خود ساختہ طریقوں سے اجتناب کریں۔

قرآن وحدیث شریف سے مسائل کا استنباط کرنا اول اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کام تھا ان کے بعد فقہاء کرام جن کی صفِ اول میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے شاگرد حضرات شامل ہیں، پھر دیگر مجتہدین۔ آج کل لوگ اپنے آپ کو سُنی یا حنفی کہہ دیتے ہیں لیکن عقائد کا پوچھیں تو یا تو سرے سے علم ہی نہیں ہوتا یا کسی گمراہ فرقے کے عقائد سے وابستہ ہوتے ہیں۔ تو یہ بات جان لیں کہ گمراہ فرقوں کے عقائد رکھنے والے پر ولایت حرام ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ نجاتِ ابدی حاصل کرنے کے لئے علم، عمل اور اخلاص بنیادی شرائط ہیں۔

علم دو قسم کا ہے، ایک وہ علم جس سے مقصود عمل ہے اور وہ علم فقہ ہے۔ دوسرا وہ علم جس سے مقصود اعتقاد کی درستگی اور یقین کا حصول ہے اور وہ علمِ کلام ہے۔

اخلاص بھی دو قسم کا ہے۔ ایک صورتِ اخلاص ہے اور دوسری حقیقتِ اخلاص۔ صورتِ اخلاص یہ ہے کہ انسان سے بعض اعمالِ شرع، تکلف کے ساتھ اور بعض بلا تکلف صادر ہوں۔ کیونکہ انسان کا نفسِ امارہ، حصولِ اخلاص کے راستے میں رکاوٹ بنتا رہتا ہے۔ لہٰذا جب تک تزکیۂ نفس نہ ہو جائے اخلاص کی حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی۔

حقیقت اخلاص یہ ہے کہ انسان کے تمام اقوال، افعال، اعمال اور حرکات و سکنات رضائے الٰہی کے تابع ہو جائیں اور بلا تکلف و تعمل اس سے اعمالِ صالحہ صادر ہوتے رہیں اور اس کو حصولِ اخلاص کے لئے نیت کو درست کرنے کی محنت نہ کرنی پڑے یہ اخلاص آفاقی و انفسی خداؤں کی نفی کرنے پر موقوف ہے جو فناء کے ساتھ وابستہ ہے اور یہی ولایتِ خاصہ کا مرتبہ ہے۔

جو شخص دائمی اخلاص والا ہو وہ مُخلَص (بفتحِ لام) ہے اور جو دائمی اخلاص والا نہ ہو وہ مُخلِص (بکسرِ لام) ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۲۷، ۳۲۸)

[تو کس قدر مبارک ہے وہ شخص جسے ان کی متابعت کی توفیق مل گئی اور ان کی تقلید کا شرف حاصل ہو گیا۔ اور خرابی ان کے لئے جو ان کی مخالف راہ پر چلے، اور ان سے الگ ہو گئے اور ان کے اصول چھوڑ گئے اور ان کے گروہ سے نکل گئے، تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے

راستے پر ڈالا۔ اور رویتِ حق تعالیٰ اور شفاعت کے منکر ہوئے۔ اور ان پر صحبت کی فضیلت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل پوشیدہ رہے۔ اور اہل بیت کی محبت اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد پاک سے دوستی سے محروم رہ کر ان بے شمار بھلائیوں کے حصول سے روک دیئے گئے جو اہل سنت وجماعت کو حاصل ہوئی ہیں۔]

تشریح

ابتداءِ اسلام میں دو گمراہ گروہ رافضی اور معتزلی تھے جنہوں نے اہلِ سُنت وجماعت کے حق راستے کو چھوڑ کر مخالف راستے کو اختیار کیا، یہ گروہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستے پر ڈال دیا۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں قیامت کے روز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شفاعت سے کوئی دوزخ کی آگ سے نجات نہیں پاسکتا اور نہ ہی جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ جبکہ آج کے دور میں اپنے آپ کو تصوف کا علمبردار کہنے والے چند لوگوں نے رویتِ الٰہی کو دنیا میں ہی ثابت کر دیا ہے۔ حالانکہ احادیثِ مبارکہ کی تعلیمات اور اہلِ سُنت وجماعت کی ناجی فقہاء کے متفقہ عقیدے کے مطابق دُنیا میں رویتِ باری تعالیٰ ناممکن ہے۔ اور اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا دیدار ہونا حتمی اور لازمی ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شفاعت سے ہم دوزخ کی آگ سے نجات پاکر جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ کتاب وسنت کی واضح تعلیمات کے ساتھ ساتھ کشف والہام کے طریقے پر بھی اہل سنت کی حقانیت وصداقت، ظاہر ومنکشف ہوئی ہے۔ لہٰذا اہلِ

سنت کے علماء کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے کیونکہ یہی وہ ناجی گروہ (نجات یافتہ) ہے، حدیث پاک میں جس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ۔

(یعنی) سب سے بڑی جماعت کی پیروی کرو کیونکہ جو اس جماعت سے الگ ہوا وہ دوزخ میں گیا۔[680]

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ۔

(یعنی) میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔[681]

چنانچہ یہی وہ خوش نصیب گروہ ہے جو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت سے وابستہ ہے اور حدیث مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِی[682] کا مصداق ہے جس کو اَلسَّوَادُ الْاَعْظَمُ اور اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ کہا جاتا ہے۔ اہل سنت کے بزرگوں کی مخالفت کرنے والا اور ان کے اصولوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے والا دائمی ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْهَا۔

مخالفینِ اہل سنت

اہل سنت کے مخالفین میں معتزلہ، خوارج اور روافض کے نام سرفہرست ہیں باقی تمام فرقے ان ہی کی شاخیں ہیں۔ یہ تمام فرقے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے راستے سے ہٹ کر بدعتی اور گمراہ ہو گئے ہیں اور اہلِ سنت سے خارج ہو گئے۔

680 (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۰)
681 (سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۲۷۹)
682 (سنن الترمذی، ج ۲، ص ۸۹، مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۰)

معتزلہ

وہ گمراہ فرقہ ہے جو مسلمہ اعتقاداتِ شرعیہ اور ضروریاتِ دینیہ کا منکر ہے اور دائرۂ اہل سنت سے خارج ہے۔

خوارج

یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شفاعت اور محبتِ اہلِ بیت کے منکر ہیں۔ خصوصاً حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی مخالفت اور بغض پر کمربستہ ہیں اور سیدہ بتول فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولادِ امجاد کی محبت سے محروم و بے نصیب ہیں۔

روافض

یہ لوگ قرآن مجید کی جامعیت و سالمیت کے منکر ہیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معاذ اللہ ظالم، فاسق بلکہ مرتد قرار دیتے ہیں۔ اَستَغفِرُ اللّٰہَ۔

نیز حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور خلافت بلافصل کے بھی منکر ہیں، حالانکہ ان کی فضیلت و خلافت بلافصل پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ثابت ہو چکا ہے۔ یہ لوگ ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی معصومیت کے قائل ہیں، یہ فرقہ شیعہ اور اثنا عشریہ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۲۸ تا ۳۳۰)

استاد العلماء سید احمد شاہ نور اللہ مرقدہٗ اپنی کتاب "الانتقام الحقیق عن ابناء الزندیق" میں لکھتے ہیں:

سوال: روافض کے عقائد کس قبیل سے ہیں؟

جواب: **یبغضون الاسلام کما یبغضوا الیھود وقالوا اصحاب محمدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم من اشرار اھل الدین (العیاذ باللہ)۔**

یعنی اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مفسدین دین کے ہیں۔(العیاذ باللہ)

اور ان روافض کا حکم یہ ہے:

وقد حرّقهم عليّ بن أبي طالب رضي الله عنه بالنار, ونفاهم إلى البلدان الاخر فالسيف مسلول عليهم إلى يوم القيامة۔[683]

[اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتفاق ہے کہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو حالاتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بہت بڑے جاننے والے ہیں، فرماتے ہیں کہ "لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد مجبور ہوئے، تو انہیں اس نیلے آسمان کے نیچے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر کوئی شخص نہ ملا تو انہوں نے اپنی گردنوں کا والی انہیں بنالیا"۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے تصریح ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم افضلیتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر متفق تھے۔ تو یہ صدرِ اول (دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہے۔ لہٰذا یہ افضلیت کا مسئلہ قطعی ہے، جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔

---

683 (العقدالفرید، ج۲، ص۲۱۸)

اور اہلِ بیتِ رسول علیہ السلام کا حال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا، اور جو اس سے دور رہا ہلاک ہو گیا۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ارشاد میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ستارے قرار دیا، اور ستاروں سے لوگ راستہ پاتے ہیں۔ اور اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سفینہ نوح علیہ السلام سے تشبیہ دی۔ اس طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ کشتی پر سوار ہونے والے کے لئے ستاروں کی رعایت ضروری ہے تا کہ ہلاکت سے بچا رہے۔ ستاروں کا لحاظ کئے بغیر اس کے لئے نجات ممتنع اور نا ممکن ہوتی ہے۔]

تشریح

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع سے ظہور پذیر ہوئی ہے اس لئے اس کا ماننا اہل سنت وجماعت کے عقائد رکھنے والے کے لئے ضروری ہے۔ خلافت کے لئے دوسرا نمبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، تیسرا نمبر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور چوتھے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اسی ترتیب سے اُن سب کی فضیلت ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مِثْلَ أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ مِثْلُ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هلك۔

ترجمہ: میرے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال کشتیٔ نوح علیہ السلام کی طرح ہے۔ جو شخص اس میں آ گیا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے ہٹ گیا ہلاک ہو گیا۔[684]

---

684 (مشكوٰة المصابيح، ج٣، ص ١٧٤٢، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ۔

ترجمہ: میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ستاروں کی مانند ہیں (لہٰذا تم ان کی اتباع و پیروی کرو کیونکہ) ان میں سے تم جس کی بھی اتباع و پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔[685]

[اور ضابطے کی جو بات ذہن میں ہونی چاہیئے یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا انکار کُل کا انکار ہے۔ کیونکہ خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت میں یہ سب حضرات مشترک ہیں۔ اور صحبت کی فضیلت سب فضائل وکمالات سے فائق وبلند ہے۔ اسی بناء پر حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خیر التابعین ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ادنیٰ مرتبے تک بھی نہیں پہنچ سکے۔ لہٰذا صحبت کی فضیلت کا کوئی شے بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایمان صحبت اور نزولِ وحی کی برکت سے شہودی ہو چکا ہے۔ اور ایمان کا یہ رُتبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد کسی کو بھی نصیب نہیں۔ اور اعمال ایمان پر متفرع ہوتے ہیں اعمال کا کمال ایمان کے کمال کے مطابق ہے۔]

تشریح

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت مبارکہ کے فیض یافتہ تھے۔ وہ نزولِ وحی کے وقت ملائکہ کرام کا مشاہدہ کرتے اور تاثیرِ قرآن کو محسوس کرتے تھے۔ اس لئے ان کا ایمان شروع ہی سے شہودی ہو چکا تھا بدیں وجوہات وہ قُربِ الٰہی

---

[685] (مشكوة المصابيح، ج٣، ص١٦٩٦، الناشر: المكتب الإسلامي-بيروت)

کے اُس درجہ پر فائز ہو چکے تھے جس درجے پر بعد میں آنے والوں کا پہنچنا ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو خیر التابعین ہیں) اس قدر فضیلت اور کرامات کے باوجود ادنیٰ درجہ کے صحابی کو نہ پہنچ سکے۔

تصوف وسلوک کے عملی مخالف لوگ اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کب پیری مریدی کی ہے؟ ان عقل کے اندھوں کو یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ پیری و مریدی (یعنی سلوک) کا مقصد اپنے ایمانِ استدلالی کو ایمانِ شہودی میں تبدیل کرنا ہے اور یہ شہودی ایمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پہلی مجلسوں میں ہی مل چکا تھا۔ اس لئے انہیں رسمی طور پر سلوک کی ضرورت ہی نہیں رہی لیکن جب نبوت کا آفتاب غروب ہوا اور دُنیا دوبارہ تاریک ہونے لگی تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ورثاء حقیقی (یعنی علم و عمل کے جامع مُقرب الہٰی) نے نبوت ورسالت کے جاری وساری چشمے سے اخذِ فیض کرکے لوگوں کے ایمانِ استدلالی کو ایمانِ حقیقی و شہودی میں تبدیل کرنے کے لئے تصوف وسلوک کا کام جاری کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تصنیفِ لطیف قول الجمیل میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مرشد (حضرت شاہ عبدالرحیم قدس سرہٗ) سے سُنا جو اپنے طویل خواب کو ذکر کرتے تھے جس میں انہوں نے حضرات حسنین اور سید الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو فرمایا کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی نسبت کے بارے میں پوچھا کہ آیا یہی نسبت ہے جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زمانۂ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں حاصل تھی تو (انہوں نے) مجھے اپنی نسبت میں مستغرق ہونے کا امر کیا (اورانہوں نے)خوب تامل کیا پھر فرمایا کہ یہ بلا فرق وہی نسبت ہے۔

پس ثابت ہوا کہ تصوف وسلوک کا جو عظیم کام اُس وقت سے آج تک حقیقی شکل میں سینہ بہ سینہ چل رہا ہے یہ قطعاً خلافِ سُنتِ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہیں ہے۔بلکہ عین طریقۂ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے جسے قائم ودائم رکھنے کے لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے علمائے حق کے وجودوں کو سبب بنایا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں سلاسلِ اربعہ (نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ وسہروردیہ) کے اذکار واشغال کا موجودہ شکلوں میں نہ ہونا تصوف کو ہرگز باطل نہیں کرتا جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو قرآن عظیم الشان وحدیثِ مبارکہ کے فہم کے لئے قواعدِ صَرف ونَحو کی حاجت نہ تھی اور اہلِ عجم اور بالفعل عرب اس کے محتاج ہیں۔

مفتاح السلوک، جلد ہفتم میں ہے:

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا بیان

بعض علماء حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت سے انکار کرتے ہیں حالانکہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مبارک فرماتے ہیں:

لا اجداحدًا فضلنی علیٰ ابی بکرٍ و عمر االا جلدته حدّ المفتریّ۔

یعنی میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما سے افضل کہتا ہے،اسے الزام تراشی کی سزا کے طور پر اسّی کوڑے ماروں گا۔[686]

686(دار القطنی، صواعق، محرقہ ص ٦٠)

عن عليٍّ رضی اللہ عنہ قال خیر النّاس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکرٍ و خیر النّاس بعد ابی بکرٍ عمر۔

یعنی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے افضل عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔[687]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔[688]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں:

کنّا معاشر اصحاب رسول اللہ ﷺ و نحن متوافرون نقول افضل ھٰذہ الامّۃ بعد نبیّنا ابو بکر ثم عمر ثم عثمان رواہ ابن عساکر۔

یعنی ہم صحابہ رسول کا گروہ اور ہم وافر تعداد میں ہوتے تھے، کہا کرتے تھے کہ اس امت میں ہمارے نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ۔[689]

نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں اجماع کی ضرورت نہیں ہوتی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا کسی مسئلہ پر متفق ہونا منع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت نے اس حدیث میں مذکور اجماع کو تسلیم کیا ہے۔

---

[687] (ابن ماجہ حدیث رقم ۱۰۶، مسند احمد حدیث رقم ۸۳۶)
[688] (بخاری حدیث رقم ۳۶۹۷، ابو دائود حدیث رقم ۴۶۲۷)
[689] (مرام الکلام ص ۱۴۶ از علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ)

چنانچہ حضرت علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قولہ ﷺ کنّا نخیر تصریح علی الاجماع۔

یعنی اس حدیث کے الفاظ کنا نخیر میں اجماع پر تصریح موجود ہے۔[690]

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ نے الفصل الاول فی الاجماع کا عنوان قائم کر کے سب سے پہلے اسی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نقل فرمایا ہے۔[691]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں:

وعنہ قال اجتمع المہاجرون والانصار علیٰ ان خیر ھذہ الامۃ بعد نبیہا ابو بکر وعمر وعثمان۔

یعنی تمام مہاجرین اور انصار کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم۔[692]

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر الصّدّیق رضی اللہ عنہ ثم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ثم عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ ثم علیّ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہ۔[693]

---

[690](مراحم الکلام ص ۴۶)

[691](مطلع القمرین قلمی ص ۶۷)

[692](مرقاۃ جلد ۱۱ ص ۳۳۴)

[693](فقہ اکبر مع شرح ص ۶۱، ۶۲)

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل سنت کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ شیخین کو افضل مانا جائے اور ختنین سے محبت کی جائے۔ گویا یہ مسئلہ امام صاحب کے نزدیک قطعی ہے اسی لئے اس کا منکر سنیت کی علامت کھو بیٹھتا ہے۔

حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فی کلامہٖ دلالۃ علیٰ انّ من فضل علیًا علی الشّیخین فھو خارج من اھل السنّۃ والجماعۃ۔

یعنی امام صاحب کے کلام میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل کہا وہ اہل سنت سے خارج ہے۔[694]

تمام علماء وصوفیاء اہلسنت کا اجماع:

امام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اتّفق اھل السّنّۃ انّ افضلھم ابو بکر ثم عمر۔

یعنی اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل ابو بکر ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ۔[695]

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اجمع اھل السنۃ ان افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علیّ ثم سائر العشرۃ ثم باقی اھل البدر ثم باقی اھل احد ثم باقی اھل البیعۃ ثم باقی الصحابۃ، ھٰکذا حکی الاجماع علیہ ابو منصور البغدادی۔

---

[694] (الطریقۃ الاحمدیہ فی حقیقۃ القطع بالافضلیہ ص ٦)

[695] (شرح نووی ج ٢ ص ٢٧٢)

یعنی اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر علی رضی اللہ عنہ، پھر باقی عشرہ مبشرہ پھر باقی اہل البدر، پھر باقی اہل احد پھر باقی اہل بیعتِ، پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم۔ ابو منصور بغدادی نے بھی اسی ترتیب پر اجماع نقل کیا ہے۔[696]

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

هو افضل الاولیآء من الاوّلین والاخرین وقد حکی الاجماع علیٰ ذٰلک ولا عبرة بمخالفة الروافض هنالک۔

یعنی صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اگلے پچھلے تمام اولیاء سے افضل ہیں، اس پر اجماع ہے اور اس کی مخالفت کرنے والے رافضی ہیں۔ ان کی مخالفت کا یہاں کوئی اعتبار نہیں۔[697]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل نہ ماننے والا رافضی ہے اور اس کا عقیدہ خبیث ہے۔[698]

امام ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وفی الروافض انّ من فضل علیّاً علیٰ الثلاثة فمبتدع۔

یعنی روافض کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جس نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تین خلفاء پر فضیلت دی تو وہ بدعتی ہے۔[699]

اس عبارت میں ایسے تفضیلیوں کو رافضی کہا گیا ہے۔

---

[696] (تاریخ الخلفاء ص ۳۷)

[697] (شرح فقہ اکبر ص ۶۱)

[698] (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۱۸)

[699] (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۶۰)

تبیین الحقائق میں بھی یہی عبارت ہے:

وفی الروافض انّ من فضل علیاً علیٰ الثلاثۃ فمبتدع۔[700]

امام سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انّ رافضی اذا کان یسبّ الشیخین ویلعنھما فھو کافر وان کان یفضل علیا علیھما فھو مبتدع۔

یعنی رافضی اگر شیخین کو گالی دیتا ہو اور ان پر لعنت بھیجتا ہو تو کافر ہے اور اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتا ہو تو بدعتی ہے۔[701]

(مفتاح السلوک جلد ہفتم)

[اور لڑائیاں اور جھگڑے جو ان کے درمیان واقع ہوئے، وہ نیک مرادوں اور بلیغ حکمتوں پر محمول ہیں۔ وہ جہالت یا خواہشِ نفسانی کے تحت نہیں تھے، بلکہ اجتہاد اور علم کی بنا پر تھے۔ اگرچہ بعض کے اجتہاد میں غلطی واقع ہوگئی۔ ایسے خطاکار کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کا ایک درجہ ہے۔ یہی افراط اور تفریط کے درمیان راہ ہے جس کو اہلِ سنت وجماعت نے اختیار کیا ہے، اور یہی محفوظ اور مضبوط تر راستہ ہے۔

مختصر یہ کہ علم و عمل تو شرع سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اخلاص جو علم و عمل کے لئے روح کی مانند ہے، اس کا حصول طریقہ صوفیہ کے سلوک سے وابستہ ہے۔ جب تک سیر الی اللہ قطع نہ کرے اور سیر فی اللہ سے موصوف نہ ہو، اخلاص کی حقیقت دور رہتی ہے اور مخلص لوگوں کے کمالات سے انسان

---

[700] (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۳۵)

[701] (فتاویٰ شامی ج۳ ص ۳۲۱)

الگ رہتا ہے۔ ہاں عام مؤمنوں کو بھی تکلف ومشقت سے بعض اعمال میں اگرچہ کچھ قدرے ہی ہو اخلاص میسر آجاتا ہے۔]

تشریح

تصوف کی مشہور گیارہ اصطلاحات میں سے دو اہم اصطلاحیں "یاد کرد" ہے اور دوسری "یاد داشت"۔

سیر الیٰ اللہ سے مراد یاد کرد ہے کہ سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ اور سیر فی اللہ سے مراد یاد داشت ہے کہ سالک جو بھی کام کاج کرے چاہے وہ دنیوی کام ہو یا اُخروی اسے ہمہ وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ یاد رہتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فلاں فلاں کام میں یہ حکم فرمایا ہے۔ جو سالک ابتدأ میں ذکر کرتا ہے وہ یاد کرد میں ہوتا ہے اور جب سالک اس کیفیت سے ترقی کرکے سیر فی اللہ میں داخل ہو جائے تو وہ یاد داشت میں داخل ہو جاتا ہے۔

[لیکن وہ اخلاص جس کا ہم بیان کر رہے ہیں وہ تمام اقوال وافعال اور حرکات وسکنات میں بے تکلف اور بے مشقت اخلاص ہے۔ اور اس اخلاص کا حصول آفاقی اور نفسی الٰہوں کی نفی سے وابستہ ہے اور فنا اور بقا پر موقوف ہے۔ اور ولایتِ خاصہ تک وصول سے میسر آتا ہے۔ وہ اخلاص جو تکلف اور کوشش کا محتاج ہے ہمیشہ نہیں رہتا۔ حصولِ دوام کے لئے بے تکلف میسر آنا درکار ہے۔ اور یہ مرتبہ حق الیقین میں جا کر نصیب ہوتا ہے۔ پس اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں صرف حق عزّ وجلّ کے لئے کرتے ہیں، اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ کیونکہ ان حضرات کے نفس حق تعالیٰ کی ذات پر فدا ہو چکے ہیں۔ حصولِ اخلاص کے لئے انہیں نیت درست کرنے کی حاجت نہیں (یعنی ان کی

نیتیں خود بخود ہی درست رہتی ہیں) کیونکہ ان کی نیت فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے باعث درست ہو چکی ہے۔]

تشریح

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لَا یُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے ماں، باپ اپنے بچوں اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔[702]

پس جو سالک سلوک کے راستہ کی ابتدا میں ہو اُسے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ محبت وپیار، تکلف کے ساتھ کرنا پڑتا ہے اور یوں ہی ذکرِ الٰہی میں اُسے مشقت وتکلیف اٹھانی پڑتی ہے لیکن جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل اُس کے شاملِ حال ہو جائے اور اس ابتدائی کیفیت (یعنی یاد کرد) سے نکل کر منتہی ہو جائے (یعنی یاد داشت کے مرتبہ میں داخل ہو جائے) تو اسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ بے تکلف پیار ومحبت ہو جاتی ہے اور اخلاص کی حقیقی دولت میسر آجانے کی وجہ سے کیا ذکرِ الٰہی اور کیا شرع کے باقی معاملات، سب میں اُس کو راحت وسکون حاصل ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں اسی طرح اشارہ ہے کہ جب مؤمن ایک نماز پڑھ لیتا ہے تو دوسری کے انتظار میں رہتا ہے۔

---

702 (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[مثلاً جو شخص اپنے نفس کا گرفتار ہے وہ جو کچھ کرے اپنے نفس کے لئے ہی کرتا ہے۔ چاہے نیت کرے یا نہ کرے۔ اور جب اس کی یہ گرفتاری دور ہو جائے اور حق تعالیٰ کی گرفتاری نصیب ہو جائے تو ایسی جگہ پر پہنچ جاتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے ناچار حق تعالیٰ کے لئے ہی کرتا ہے۔ نیت حاضر ہو یا نہ ہو۔ نیت اس کام میں درکار ہوتی ہے جو درجۂ احتمال میں ہو اور جو چیز متعین ہو نیت کے ذریعہ اس کے تعین کی ضرورت نہیں۔ اور اس مقام کا حصول اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ دوامِ اخلاص والا شخص مُخلَص کہلاتا ہے، اور جس شخص کا اخلاص دائمی نہیں، بلکہ کسبِ اخلاص کا محتاج ہے وہ مُخلِص بکسر لام ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اور طریقہ صوفیاء اختیار کرنے سے علم و عمل کو جو نفع پہنچتا ہے، یہ ہے کہ علومِ کلامیہ استدلالیہ کشفیہ ہو جاتے ہیں۔ اور تمام اعمال کی ادائیگی میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ سستی جو نفس اور شیطان کی طرف سے طاری ہوتی ہے زائل اور معدوم ہو جاتی ہے۔

ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد]

تشریح

اخلاص کی ابتدائی صورت والے سالک کو مُخلِص کہا جاتا ہے ایسے شخص پر جب کوئی مشکل آجائے تو فوراً نماز کی طرف راغب ہونے لگتا ہے اور تسبیح ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے لیکن جب وہ مشکل حل ہو جائے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو بھول جاتا ہے لیکن جسے اخلاص کی حقیقی دولت مل گئی ہو وہ مُخلَص کہلاتا ہے۔ ایسا شخص مشکل و آسانی کی ہر حالت یادِ الٰہی میں گزارتا ہے اور کسی بھی صورت میں ریا، عجب (خود پسندی) اور غرور و تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں بھی اخلاص کی حقیقی دولت

نصیب فرمائے بحرمت سید المرسلین وخاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم (آمین)۔

(دارالمعرفت، جلددوم)

مکتوب نمبر ۶۰

[یہ مکتوب بھی سیادت پناہ سید محمود کی طرف صادر فرمایا:

خطرات اور وساوس کے بالکلیہ دفع ہو جانے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی ذات قدس کے ساتھ دوامِ گرفتاری کی نعمت سے مشرف فرمائے کیونکہ حقیقی آزادی اسی گرفتاری میں ہے۔ خطراتِ نفسانی کا رُک جانا اور وسوسوں کا دور ہو جانا حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس سرہم کے طریقہ میں مکمل طور پر حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اس بزرگ خانوادہ کے بعض مشائخ نے خطراتِ نفسانی کا چلہ کاٹا ہے اور اس پورے چلے میں اپنے باطن کو خطروں اور وسوسوں کے آنے سے دور رکھا ہے۔ حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مقام میں فرمایا ہے کہ خطروں اور وسوسوں کے دور ہونے سے وہ خطرے اور وسوسے مراد ہیں جو مطلوب کی طرف دوامِ توجہ میں مانع اور رکاوٹ بنیں۔ مطلق دفعِ خواطر مراد نہیں۔]

تشریح

دوامِ ذکر کے دو درجے ہیں

۱۔ دوامِ ذکرِ ناقص   ۲۔ دوامِ ذکرِ کامل

دوامِ ذکرِ ناقص

پہلے درجے کا دوامِ ذکر یہ ہے کہ جب سالک ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو تو اس کے دل سے وساوس وخطراتِ نفسانی دور ہوں یا جب نماز وغیرہ جیسے بھلائی کے کاموں میں لگا رہے تو وساوس سے محفوظ ہو لیکن جوں ہی ذکر اذکار یا نماز سے فارغ ہو تو شیطانی وسوسے دوبارہ عود کر آئیں چونکہ اس سالک کے

ذکر کی کیفیت ناقص ہے اس لئے اس کو پیش آنے والے خطرات ووساوسِ شیطانی، قُربِ الٰہی کے راستے میں رکاوٹ بنے رہتے ہیں تاوقتیکہ اسے فضلِ خداوندی سے اِس نقص سے نکال کر کمال تک نہ پہنچادیا جائے۔

دوامِ ذکرِ کامل

اس درجے کا سالک جب ذکر میں مصروف ہو یا نماز پڑھ رہا ہو تو وساوس سے محفوظ رہتا ہے لیکن جب ذکرِ الٰہی یا دیگر بھلائی کے کاموں سے فارغ ہو چکا ہو تب بھی وسوسے اُسے تنگ نہیں کرتے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس سالک کو یکسوئی کی کامل دولت نصیب ہو چکی ہوتی ہے اور اس کا باطن ہمہ تن متوجہ الیٰ اللہ رہتا ہے اس لئے وہ ایسے وساوس سے مامون رہتا ہے جو اُسے قُرب کے راستے سے دور لے جانے کا سبب بن سکتے ہوں۔ کامل دوامِ ذکر کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اس درجے والے سالک کی زندگی کا ہر قدم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت میں اُٹھتا ہے۔ وہ جو کام بھی کرتا ہے اُس کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ اس کام میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تعلیمات کیا ہیں یا جو کام میں کرنے لگا ہوں یہ سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مطابق ہے یا مخالفِ سُنت؟ پس قدم قدم پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کرنا ہی دراصل کامل دوامِ ذکر ہے، اور جس خوش نصیب کو یہ دولتِ عظمیٰ مل جائے اسے کثرت سے شکر ادا کرنا چاہیئے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی نقل کرتے ہیں کہ:

مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا، وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ، وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الجَنَّةَ۔ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ هَذَا اليَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ، قَالَ: وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي۔

ترجمہ: جو شخص حلال کھاتا ہے، سُنت کے موافق عمل کرتا ہے لوگوں کو تکلیف نہیں دیتا، وہ جنت میں جائے گا۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس طرح کے لوگ تو بہت ہیں۔ ارشاد فرمایا ابھی میرے بعد والے زمانے میں بھی رہیں گے، پھر تھوڑے ہو جائیں گے۔[703]

عن أبي بن كعب، رضي الله عنه قال: عليكم بالسبيل والسنة، فإنه ليس من عبد على سبيل وسنة ذكر الرحمن عز وجل ففاضت عيناه من خشية الله عز وجل فتمسه النار، وليس من عبد على سبيل وسنة ذكر الرحمن فاقشعر جلده من مخافة الله عز وجل إلا كان مثله كمثل شجرة يبس ورقها فبينا هي كذلك إذ أصابتها الريح فتحاتت عنها ورقها إلا تحاتت عنه ذنوبه كما تحات عن هذه الشجرة ورقها، وإن اقتصادا في سبيل وسنة خير من اجتهاد في خلاف سبيل الله وسنته، فانظروا أعمالكم، فإن كانت اجتهادا أو اقتصادا أن تكون على منهاج الأنبياء وسنتهم۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم سیدھے راستے اور سُنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو لازمی پکڑے رکھو، پس کوئی بندہ ایسا نہیں جو سیدھے راستے اور سُنت پر قائم ہوتے ہوئے اللہ عزوجل کا ذکر کرے اور اللہ عزوجل کے خوف کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں اور پھر اسے دوزخ کی آگ چھولے اور کوئی ایسا بندہ نہیں جو سیدھے

---

[703] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۶۶۹، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

راستے اور سُنت پر قائم ہوتے ہوئے اللہ کا ذکر کرے اور اس کے بال اللہ عز وجل کے خوف سے کھڑے ہو جاتے ہوں مگر اس کی مثال اس درخت جیسی ہے جس کے پتے خشک ہو گئے ہوں چنانچہ اسی حالت میں جب ہوا چلتی ہے تو اس کے پتے گرنے لگتے ہیں۔ اس آدمی کے گناہ بھی (اللہ تعالیٰ کے ذکر سے) اس طرح گرتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے۔ بے شک سیدھے راستے اور سُنت کے مطابق اعتدال والا عمل اس مجاہدے اور مشقت والے عمل سے بہتر ہے جو سیدھے راستے اور سُنت کے خلاف ہو لہٰذا اپنے اعمال پر خوب نظر رکھو خواہ اعتدال والے ہوں یا مجاہدے والے تمہارے اعمال (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقے اور ان کی سُنت کے مطابق ہونے چاہئیں۔[704]

مندرجہ بالا دو درجوں کے علاوہ بھی ذکر کا ایک درجہ ہے جو دوام کے زمرے میں نہیں آتا۔ اس درجے والے سالک کو دورانِ ذکر و نماز بھی وسوسے تنگ کرتے ہیں اور خیالات میں دلجمعی اور یکسوئی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ایسے مبتدی سالک ذکر کرنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے وساوسِ نفسانی اور خطراتِ شیطانی سالک کے سلوک اور قُرب کے راستے میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ تو چاہیئے کہ ان کا تدارک کیا جائے اور کوشش و تکلف سے ذکر کی عادت بنائی جائے۔ وساوس کے تدارک کے لئے شیخ کی اجازت سے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کا وِرد قوی تاثیر رکھتا ہے۔

---

[704] (حلية الاولياء وطبقات الاصفياء، ج ١، ص ٢٥٢، الناشر: السعادة- بجوار محافظة مصر، دار الكتاب العربي—بيروت، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، دار الكتب العلمية- بيروت)

[اور اس بلند سلسلے کا ایک درویش وَ أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ ۱۱) (اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو) کے مطابق اپنے حال کی یوں خبر دیتا ہے کہ:

"دل سے خواطر اور وسوسے اس حد تک دور ہو چکے ہیں کہ اگر بالفرض عُمرِ نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس صاحبِ قلب کو دے دیں، تو بھی ہر گز اس کے دل پر کسی خطرے کا گزر نہیں ہو سکتا"۔]

تشریح

موجودہ زمانے کے سالکین کو چاہیئے کہ وہ مندرجہ بالا (عمرِ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام) فقرے کو اپنے اوپر اطلاق نہ کریں۔ کیونکہ اس دور میں ہر طرف عورتوں کی کثرت ہے جن سے ہماری آنکھیں بچ نہیں سکتیں۔ اس لئے ہمارے قلوب وسوسوں سے محفوظ نہیں رہے۔ ہاں اگر ہم اَکلِ حلال پر اکتفا کریں اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے سے مکمل اجتناب کریں اور بال برابر بھی شریعت کی خلاف ورزی نہ کریں تو پھر ممکن ہے کہ ہمارا قلب مطمئن ہو کر وسوسوں اور خطراتِ نفس سے محفوظ ہو جائے لیکن پھر بھی ضرورت نہیں کہ ہر سالک کو یہ دولت نصیب ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس بات کی توثیق کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ:

لَا وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلَامِ وَاللّٰهِ مَا أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النِّسَاءِ إِلَّا بِمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ يَقُولُ لَهُنَّ إِذَا أَخَذَ عَلَيْهِنَّ قَدْ بَايَعْتُكُنَّ كَلَامًا۔

ترجمہ: ہر گز نہیں واللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ہاتھ نے (عہد لیتے وقت) کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان سے صرف زبان سے عہد (بیعت) لیتے واللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے عورتوں سے صرف ان

ہی چیزوں کا عہد لیا جن کا اللہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو حکم دیا تھا۔ عہد لینے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان سے فرماتے تھے کہ میں نے تم سے عہد لے لیا ہے یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صرف زبان سے کہتے (ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں)۔[705]

[یہ نہیں کہ اسے خواطر ووساوس کے دور کرنے میں تکلف کی ضرورت پڑے کیونکہ جو شے تکلف سے وجود میں آتی ہے وقتی اور عارضی ہوتی ہے، ہمیشہ اور دائمی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس درویش کی حالت تو یہ ہے کہ اگر سالہا سال خواطر اور وسوسوں کو دل میں لانے کی کوشش کرتا رہے تو بھی وسوسوں کا گزر اس کے دل پر نہیں ہو سکتا۔ صرف چالیس دن کے چلے کا تعین تکلف اور تصنع کی خبر دیتا ہے۔ تعمل اور تکلف مرتبۂ طریقت میں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تکلف اور تصنع سے چھوٹ جائے۔ یاد کرد مرتبۂ طریقت میں ہے اور یاد داشت درجہ حقیقت میں۔]

تشریح

یاد کرد اور یاد داشت حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی وضع کردہ آٹھ (۸) اصطلاحات میں سے دو اصطلاحیں ہیں۔ یاد کرد وہ درجہ ہے جس درجہ میں سالک تکلف کے ساتھ ایک اندازے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ اور جب ذکر کی مجلس سے اُٹھتا ہے تو اُس کا دھیان اور قلب کی توجہ ذکرِ الٰہی کی طرف نہیں رہتی۔ یہ درجہ طریقت میں شمار ہوتا ہے جبکہ یاد داشت درجۂ حقیقت میں ہے اور یاد داشت سے مراد یہ ہے کہ سالک کا ہر لمحہ اور ہر سانس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر میں گزرے اور کسی بھی وقت اُس کے لطائف پر غفلت نہ آئے۔ ایسے سالک کو

---

705 (صحیح البخاری، ج ٦ ١، ص ٣٣٩، المکتبۃ الفاروقیۃ)

تکلف اور بناوٹ کے ساتھ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ ذکرِ کثیر کی برکت سے اُس کے لطائف جاری ہو چکے ہوتے ہیں اور اسی ذکرِ کثیر کی برکات کے طفیل اس کا ہر قدم شریعت کی تابعداری میں اُٹھتا ہے۔

کچھ لوگ ذکرِ کثیر کی بجائے چلہ کشیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ان کا مقصد اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کا حصول نہیں ہوتا، بلکہ وہ دنیاوی مشکلات کو حل کرنے اور پریشانیوں سے نجات پانے کے لئے کسی آیت کریمہ یا اسماءِ خداوندی میں سے کسی مناسب اسم کا ورد کرتے رہتے ہیں تاکہ ان کا رزق فراخ ہو جائے یا کاروبار مل جائے۔ ان کا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اُس فرمان پر یقین نہیں ہوتا جس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود ٦)

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جو سمندر میں دیگر مخلوقات کو اور پتھر میں کیڑے کو رزق دینے پر قادر ہے، بھلا وہ اشرف المخلوقات کو بھوکا پیاسا کیوں مارے گا؟ یہ تو انسان ہے جس کا اپنے خالق ومالک اور رازقِ حقیقی پر یقین وتوکل ہی نہیں رہا۔ اگر چلہ ہی کرنا ہے تو اس نیت سے کرے کہ "اے اللہ! آئندہ میرے گھر میں جو بچہ پیدا ہونے والا ہے وہ تیرا تابعدار اور تیرے دین کا خادم ہو" یا اس طرح کے دیگر اُمور جن سے دینِ اسلام کو تقویت ملے۔

[پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ خواطر اور وساوس کو تکلف سے روکنا وقتی شے ہے، جس طرح انہیں روکنے کے لئے دس روز یا چالیس روز کا چلہ۔ اس طرح سے مطلوب کی طرف دوامِ توجہ محال ہے کیونکہ تکلف مرتبہ طریقت میں ہے۔ اور طریقت میں دوام متصور نہیں۔ اور یہ دوام جو مرتبہ

حقیقت میں نصیب ہوتا ہے اس بنا پر ہے کہ مقامِ حقیقت میں تکلف محال ہے۔ پس مرتبہ تکلف میں خطرے کا آنا دوامِ توجہ سے مانع ہے۔ اور اس بلند سلسلہ کے مبتدیوں کو جو دوامِ نگرانی نصیب ہوتی ہے وہ ایک اَمرِ دیگر ہے۔ اور وہ دوامِ توجہ جسے ہم بیان کر رہے ہیں وہ یادداشت سے عبارت ہے اور نہایت مرتبہ کمال ہے۔ حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایاہے کہ یادداشت سے اوپر پنداشت ہے، یعنی کوئی اور مرتبہ نہیں۔

اس قسم کے احوال کے اظہار سے مقصود اس بلند طریقہ کے طالبوں کو مزید رغبت دلانا ہے۔ اگرچہ منکر لوگوں کے انکار میں ہی اضافہ ہوگا:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا (البقرۃ ٢٦)

ترجمہ: اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے، اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔

مثنوی:

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است — وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است

آبِ نیل است و بقبطی خوں بود — قومِ موسیٰ را نہ خوں بود آب بود

ترجمہ: یعنی جو شخص اس کو فسانہ اور بے اصل کہتا ہے وہ خود بے اصل اور غیر معتمد ہے۔ اور جس نے اس کو اپنا نقد سرمایہ قرار دیا وہ مرد ہے۔ دریائے نیل پانی ہے مگر قبطیوں (فرعونیوں) کے لئے خون تھا لیکن قومِ موسیٰ علیہ السلام کے لئے خون نہیں تھا بلکہ پانی تھا۔

وَالسَّلَامُ وَالْاِكْرَامُ۔]

تشریح

یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یاد کرد مرتبۂ طریقت میں داخل ہے۔ یہ وہ درجہ ہے جس میں سالک اپنے شیخ کی تعلیمات کے مطابق لطائفِ عشرہ پر اسمِ ذات یا نفی اثبات کا ذکر تکلف و مشقت کے ساتھ کرتا ہے اور شریعت کے اوامر ادا کرنے میں کوفت محسوس کرتا ہے۔

اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل سالک کے شاملِ حال ہو جائے اور وہ یاد کرد کی کیفیت سے یادداشت (یعنی مرتبۂ حقیقت) میں پہنچ جائے تو پھر ذکر کے دوران اُسے کسی قسم کی کوفت محسوس نہیں ہوتی نہ ہی شرعی اُمور کی ادائیگی میں تنگی محسوس کرتا ہے۔ اُسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اوامر کی بجا آوری میں لذت و فرحت ملتی ہے۔ اور وہ کسی صورت شریعت سے پیچھے نہیں ہٹتا چاہے اُس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ اس کی زندہ مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک زندگیاں ہیں۔ مثلاً حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار نے زندہ سولی پر لٹکا دیا تھا اور سوئیوں سے اُن کے جسم مبارک کو نوچتے ہوئے اسلام سے پھر جانے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ساتھ چھوڑ دینے کی شرط پر آزاد کر دینے کی پیشکش کرنے لگے لیکن آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی توجہاتِ عالیہ کی بدولت اُن مبارک ہستیوں کو جو لذتِ دینِ حق کی گرفتاری مل چکی تھی وہ لذت کفر کی آزادی میں کہاں تھی؟ اس لئے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت قبول کر لی لیکن اپنے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شان میں بال بھر گستاخی کرنا قبول نہ کیا۔ یہ واقعہ مرتبۂ یادداشت کی واضح مثال ہے۔

اب ہم اپنے آپ کو اس کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا ہمیں بھی درجۂ حقیقت (یعنی یادداشت) میں سے کچھ حصہ نصیب ہوا ہے یا نہیں۔

شادی کے موقع پر جب ایک دین دار گھرانے کے مذہبی سوچ والے لڑکے کے رشتے کی بات چلتی ہے تو لڑکی والوں کی طرف سے باقی اُمور پر شرائط طے ہو جاتی ہیں لیکن مسئلہ درپیش ہو جاتا ہے لڑکے کی داڑھی کا۔ لڑکی والے کہتے ہیں کہ اگر لڑکا داڑھی منڈوا دے تو ہمیں رشتہ منظور ہے ورنہ نہیں۔ اور اپنے آپ کو دین دار کہنے والے صرف شادی کے لئے اپنے چہرے سے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مبارک سُنت کا صفایا کر دیتے ہیں کیا یہی ہے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم؟ اور مرتبہ ٔحقیقت میں اس کی کوئی گنجائش ہے؟

دوسری مثال: اپنے پیارے اور چہیتے والدین کی ہر دَم خدمت کرنے والا شخص جب شادی کے بندھن میں بندھ جاتا ہے تو اُس کی لاڈلی بیوی اپنی ساس وسُسر کی خدمت کرنا کہاں گوارا کر سکتی ہے؟ تھوڑے ہی دنوں بعد اُس کی طرف سے والدین سے علیحدگی کے اشارے ملنے لگتے ہیں اور اپنے آپ کو صوفی وسالک کہنے والا دین دار شخص بوڑھے والدین کا اکلوتا بیٹا والدین کو اکیلا چھوڑ کر بیوی بچوں سمیت علیحدگی اختیار کر لیتا ہے اور خواہش مند ہوتا ہے مرتبہ ٔیادداشت کا۔!! اور ہمارے معاشرے میں ایسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ ذراسا غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کی بھی توفیق عطا فرمائے ورنہ قُربِ الٰہی کی دولت کا حصول ناممکن ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران ۸)

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرات خواجگان نقشبندیہ کی تعلیمات کے مطابق یہ امر ذہن نشین رہے کہ وصول الی اللہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خطراتِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی ہیں۔ جب تک یہ دور نہ ہو جائیں اور

سالک تہذیبِ اخلاق اور فنائے قلب وفنائے نفس کے مرتبے سے مشرف نہ ہو جائے کوئی عبادت، ریاضت، ذکر اور وظیفہ زیادہ نافع ومفید ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا سالک کے لئے سب سے پہلے رذائلِ عادیہ اور کدوراتِ بشریہ مثلاً حسد، تکبر، غصہ وغضب، ریا وطمع، بغض وعجب، کینہ، حُبِ جاہ وریاست، حُبِ مال ودیگر، نفسانی خواہشات وغیرہا کے داغ دھبوں سے پاک وصاف ہونا نہایت ضروری ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حضرات خواجگان نقشبندیہ کے طریقے میں ان تمام روحانی بیماریوں کا شافی علاج بدرجہ اتم موجود ہے۔ بعض اکابر مشائخ نے نفئ خواطر کے چلے بھی کھینچے ہیں، لیکن چلے تکلف اور تعمل کی خبر دیتے ہیں جبکہ مقصود کا بلا تکلف وتعمل حاصل ہونا یادداشت ہے۔ھُوَ الْمَطْلُوْبُ۔

آپ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنے متعلق فرمایاہے کہ اس درویش کو بفضلہٖ تعالیٰ منعِ خواطر ودفعِ وساوس میں اس قدر ملکہ حاصل ہے کہ اگر بالفرض اس کو حضرت نوح علیہ السلام کی عمر بھی دے دی جائے تو اس مدت میں کوئی وسوسہ یا خطرہ اس کے دل پر نہیں گزر سکے گا اور نہ ہی دوامِ حضور کا یہ ملکہ ایک لمحہ کے لئے منقطع ہو سکے گا۔

سلسلہ نقشبندیہ میں نفسانی خطروں اور شیطانی وسوسوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے مراقبات، اذکار، تہلیلات ونفی اثبات کے ذریعے یاد کرد اور یادداشت کا طریقہ اختیار کیا گیاہے جو سالکین کے لئے انتہائی مجرب اور مؤثر نسخہ ہے۔(وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذَالِکَ)

یاد کرد اور یاد داشت کا طریقہ و فرق

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یاد کرد مقامِ طریقت میں ہے اور یادداشت مقامِ حقیقت میں۔ سالک جب تک نسیان ماسویٰ اللہ کے درجہ تک نہیں پہنچتا وہ یاد کرد کے مقام میں ہے اور وہ تکلف اور تعمل میں ہے۔ اور اگر بغیر تکلف اور تعمل کے مطلوب کا مشاہدہ حاصل ہے اور ملکۂ حضور دائمی ہے تو مقامِ یادداشت میں ہے اور یہی مقامِ حقیقت ہے اور اگر سالک مبتدی، تکلف کے ساتھ عالمِ وجوب کی طرف توجہ قلبی کرے تو اس کو نگہداشت کہتے ہیں اور اگر مراتبِ وجوب میں پہنچ کر دوامِ حضور حاصل کرلے تو اس کو یادداشت کہتے ہیں۔

بینہ نمبرا

واضح ہو کہ مذکورہ بالا مقاصد کا حصول محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی عنایت پر موقوف ہے۔ **سالک کو چاہیئے کہ کسی شیخ کامل کی صحبت اور تربیت میں رہ کر یہ دولتِ عظمیٰ حاصل کرے۔** محض خلوتوں، اربعین و عشروں (چالیس روزہ و دس روزہ چلوں) سر دُرِّ مقصود حاصل نہ ہوگا۔ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرز پر ہمارا طریق صحبت ہے نہ کہ خلوت۔ کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے۔ حضرات نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم نے کام کی بنیاد جمعیت و حضور پر رکھی ہے، یہ حضرات غیبی شکلوں اور صورتوں پر متوجہ نہیں ہوتے کشوف و کرامات وانوار کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے اور طالب کو چار چیزوں کے حاصل کرنے کی رغبت دلاتے ہیں۔

اور وہ چار چیزیں یہ ہیں:

ترجیہاتِ اربعہ

۱۔جمعیت ۲۔ حضور ۳۔جذبات ۴۔واردات

جمعیت

حریمِ دل میں فضول خیالات اور باطل وسوسوں کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور ماسویٰ اللہ کا خیال بالکل ہی دور ہو جائے۔

حضور

دل ہر وقت اور ہر حال میں مبداءِ فیاض کی طرف متوجہ رہے۔ سوتے، جاگتے، خاموشی میں یا بات چیت کے دوران، غصہ میں یا نرمی میں کَاَنَّهٗ یَرَی اللہ یعنی گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے کا مصداق ہو جائے۔

جذبات

لطائف کی کشش اپنے اصول کی طرف ہو اور وہاں سے دوسرے اصولوں کی طرف وَهَلُمَّ جَرًّا مِنَ الْاُصُوْلِ اِلٰی اُصُوْلِهَا اِلٰی اَنْ یَبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَهٗ۔ یعنی اسی طرح ایک اصول سے دوسرے اصول کی طرف بڑھتا جائے مرتے دم تک۔

واردات

اوپر کی جانب سے قلب پر ایک فیضان ایسا ہوتا ہے جس کی تاب لانا اور برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے۔

بینہ نمبر ۲

معلوم رہے کہ جہتِ فوق کی رعایت، شرف کی وجہ سے اور اس جانب میں توجہ کی عادت کی وجہ سے ہے ورنہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو دائرہ جہات سے باہر تلاش کرنا چاہیئے اور طریقت میں اس واردات کو عدم اور وجودِ عدم کہتے ہیں۔ شروع میں دلِ سالک پر کبھی مہینے میں یہ ورود ہوتا ہے پھر ہفتے عشرے میں، رفتہ رفتہ روز وشب میں ایک آدھ بار پھر کچھ دن گزرنے کے بعد متواتر ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اتصال تک پہنچ جاتا ہے۔[706]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۳۳ تا ۳۳۵)

[706] (مدارج الخیر ملخصاً، ص ۷۰)

مکتوب نمبر ۶۱

[یہ مکتوب بھی سیادت مآب سید محمود کی طرف صادر فرمایا:

کامل اور کامل کرنے والے شیخ کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب اور ناقص کی صحبت سے اجتناب کرنے اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اس مکتوب میں تصوف کی ایک انتہائی اہم اور بنیادی تعلیم کی طرف راہنمائی کی ہے اور وہ ہے شیخ کا کامل ہونا۔ پس شیخ اگر کامل ہو گا تو مرید میں بھی کمال پیدا ہو گا اور اگر خدانخواستہ پیر ہی ناقص ہوا تو مریدین کا نقص کیسے دور ہو گا؟ تو ضروری معلوم ہوا کہ کامل و ناقص شیخ کے درمیان فرق کو بیان کر دیا جائے تا کہ عام آدمی کو اس بارے میں علم ہو جائے۔

کامل شیخ اور ناقص شیخ میں فرق

کامل شیخ کی (کامل پیر) کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شیخ کامل کا مسلمان ہونا اولین شرط ہے۔ اگر اسلام کے ظاہری لبادے میں ملبوس شخص کسی دوسرے باطل دین کا پیروکار ہو تو اس سے مریدین کی اصلاح کا وجود میں آنا سرے سے ہی ناممکن ہے۔ بلکہ ایسے گمراہ شخص تو دراصل اپنے باطل مذاہب کی طرف ہی لوگوں کو راغب کریں گے اور انہیں ایک حقیقی مومن بنانے کی بجائے اسلام سے دور لے جائیں گے۔

۲۔ شیخ کامل کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل سنت وجماعت (حنفی) کے ناجیہ فرقے کے عقائد رکھتا ہو اور اسے ان عقائد کے بارے میں تفصیلی علم ہو، بعد ازاں فقہ حنفی کی کتابوں کو کسی باعمل عالم سے پڑھ کر مسائل فقہیہ سے واقفیت حاصل کر چکا ہو اور شریعت کی حِل و حرمت کو جانتا ہو۔ زمانے

بھر میں جتنے اولیاء اللہ ہوئے ہیں ان سب کا تعلق ہمیشہ اہل سنت و جماعت کے مسلک سے رہا ہے۔ اور کبھی بھی دیگر گمراہ فرقوں میں کوئی ولی پیدا نہیں ہوا۔

پس جو شیخ، عالم نہیں ہو گا وہ اپنے مریدین کی دینی و دنیاوی معاملات میں راہنمائی کیسے کرے گا اور انہیں خلافِ شرع امور سے کیسے روکے گا۔ پس اس بات سے ان جہال فقراء کی حالت کا قیاس کرلیں جو کہتے ہیں کہ پیروی و مریدی میں علم کا ہونا ضروری نہیں بلکہ علم، درویشی کو مضر ہے اس لئے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت امرِ دیگر ہے۔ حالانکہ صوفیانِ قدیم کی کتب اور ملفوظات (مثلاً قوت القلوب، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، عوارف و معارف اور غنیۃ الطالبین وغیرہ) میں صاف تصریح ہے کہ طریقت و تصوف کے لئے علمِ شریعت شرط ہے۔ تو ان کی جہالت کا اندازہ لگالیں کہ جن مرشدوں کا نام صبح و شام مثلِ ورد کرتے ہیں ان کے کلام سے بھی غافل ہیں۔

۳۔ مرشد کامل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ متقی ہو۔ یعنی کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ مرشد کے لئے تقویٰ شرط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیعت، باطن کی صفائی کے لئے مشروع ہوئی ہے اور باطن کی صفائی میں بدونِ عمل کے فقط زبانی قول کافی نہیں۔ سو جو مرشد تقویٰ کی صفت نہ رکھتا ہو اور زبانی تقریروں پر کفایت کرتا ہو وہ حکمتِ بیعت کو برہم کرنے والا ہے۔

۴۔ شیخِ کامل کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مشروع امور کا حکم کرتا ہو اور خلافِ شرع کاموں سے روکتا ہو۔ یوں نہ ہو کہ مخلوق کے خوف سے احکامِ شریعت بیان کرنے کا حوصلہ ہی نہ رکھتا ہو یا خلافِ شرع کاموں کو دیکھے تو خود بھی ان کا حصہ بن جائے۔

۵۔ بیعت لینے والے مرشد کی پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ خود کسی کامل کی صحبت میں رہا ہو اور عرصہ دراز تک کاملین سے ادب سیکھا ہو اور سلوک کی منازل طے کر کے نورِ باطن حاصل کر چکا ہو۔ اور اس کے تصوف کا سلسلہ سینہ بہ سینہ مختلف واسطوں سے ہوتا ہوا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچتا ہو۔ یوں نہ ہو جیسے بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم محض اہل اللہ کی قبور سے اخذِ فیض کرتے ہیں اور ہمیں ظاہری بیعت کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ ایسا معاملہ تصوف کے قوانین کے خلاف ہے گو قبور سے فیض لینا نہ صرف ممکن ہے بلکہ ثابت بھی ہے۔ مذکورہ بالا پانچ شرائط کامل و مکمل شیخ کے لئے لازم و ضروری ہیں اور جس شیخ میں یہ صفات نہیں ہوں گی وہ ناقص ہو گا اور اپنے مریدین و متوسلین کی تربیت کرنے کی لیاقت سے محروم ہو گا اور پھر آخرت میں اللہ جل شانہٗ کے سامنے جوابدہ۔

یہ چند اہم و ضروری شرائط بیان کی گئی ہیں تاہم ان کے علاوہ بھی چند صفات ہیں جس کا ایک شیخ میں ہونا بہتر و احسن ہے لیکن فتنہ و فساد کے اس دور میں اگر مذکورہ بالا صفات والا مرشد بھی مل جائے تو بہت بڑی بات ہے۔

[اللہ تعالیٰ نظر کی کجی سے آزاد اور تمام انسانوں کے سردار نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل اپنی ذات کی طلبی میں زیادتی اور اضافہ نصیب فرمائے۔ اور جو چیزیں مطلب و مقصد تک پہنچنے میں رکاوٹ اور منافی ہیں ان سے کامل اجتناب عطا فرمائے۔

التفات نامہ گرامی نے اپنی آمد سے مشرف کیا۔ چونکہ آپ کے مکتوب گرامی سے طلب و شوق اور درد و پیاس کا اظہار ہوتا تھا اس لئے نظر کو بہت اچھا لگا۔ کیونکہ یہ چیز حصولِ مطلوب کی بشارت

دیتی ہے۔ اور دردِ مقصود کو پانے کا مقدمہ اور سبب ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں: "اگر اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ دینا ہوتا تو وہ چاہت اور طلب عطا نہ کرتا"۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے یہاں پر "درد" کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے کہ درد وہ چیز ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عنایات بے پایاں کے حصول کی علامت ہے۔ اور جسے درد کی یہ دولت مل جائے تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے کچھ نہ کچھ عطا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن جس درد کو ہم بیان کر رہے ہیں وہ دراصل دردِ باطنی ہے نہ کہ دردِ ظاہری۔

علامہ اقبال نے اسی درد کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے:

تمنا دردِ دل کی ہو تو خدمت کر فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

کامل و مکمل شیخ کی صحبت میں توجہات باطنی کے نتیجے میں سالک اکثر اپنے لطائف پر درد کا احساس کرتے ہیں لیکن جن سالکین کے عالمِ امر پر عالمِ خلق غالب ہوا انہیں درد کا احساس یا تو ہوتا ہی نہیں یا پھر انتہائی کم ہوتا ہے۔ درد کے احساس کی یہ کیفیت ایک ظلی کیفیت ہے اس کو مقام نہ سمجھنا چاہیئے اور نہ ہی یہ "درد" مطلوب و مقصود ہے بلکہ سالک کا مقصود وہ "واحدِ حقیقی" ذات ہے جسے کسی احساس کے ساتھ محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ جو احساس سالک اپنے باطن میں کرتے ہیں وہ صفات و شیونات کا اثر ہوتا ہے جو شیخ کے لطائف کی وساطت سے سالک کے لطائف میں ظاہر ہوتا ہے اور یہ ایک ظلی کیفیت ہے۔ جو اولیاء اللہ کا حصہ ہے۔ ان کیفیات کا اصل انبیاء کرام علیہم السلام کا نصیب

ہے۔ تاہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل سے ولایتِ اصلی سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کامل تابعداروں کو بھی حصہ ملتا ہے۔

ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَشَاءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیمٌ (المائدۃ ۵۴)

[دولتِ طلب کے حصول کو نعمتِ عظمیٰ جانتے ہوئے جو کچھ اس کے مخالف ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیئے تاکہ اس طلب میں سستی راہ نہ پائے۔ اور اس حرارت میں ٹھنڈک اثر نہ کر جائے۔ اور اس طلب کی حفاظت کے اسباب میں سب سے بڑی دولت اس کے حصول کا شکر کے ساتھ قائم ہونا ہے۔

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَأَزِیدَنَّکُمْ (ابراھیم ۷)

ترجمہ: اگر احسان مانوگے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

اور جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ میں ہر وقت التجاء اور تضرع ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے چہرۂ طلب کو اپنے کعبۂ جمال لازوال سے پھیر نہ دے۔ اور اگر حقیقت التجا و تضرع میسر نہ آئے تو صورتِ التجاء وتضرع کو ہاتھ سے نہیں کھونا چاہیئے۔

فَإِنْ لَمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکَوْا۔

ترجمہ: اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بناؤ۔[707]

میں اس معنی ومطلب کا بیان ہے۔]

---

[707] (سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۴۰۳، الناشر: دار الفکر - بیروت)

تشریح

سالک کو چاہیئے کہ ذکر کے اثر کی کیفیت میسر آنے پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ یا اللہ آپ کا شکر ہے کہ ذکر کا اثر میرے باطن میں پیدا ہو گیا ہے گو میں اصلِ حقیقت تک نہیں پہنچا ہوں۔ اگر سالک اس نعمت پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے مزید عطا فرمائے گا۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

مکتوب گرامی کی ابتداء میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے طلب اور درد و شوق کی اہمیت واضح فرمائی ہے۔ دراصل وصول الی اللہ کے لئے سب سے پہلی شرط طلبِ صادق اور درد و شوق ہی ہے جو سالک کے لئے منزلِ مقصود تک پہنچنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دولتِ عظمیٰ انسان کو ودیعت فرمائی، اور فرشتے گو اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار، عابد اور ساجد ہیں مگر درد و طلب کی یہ نعمت ان کے حصے میں بھی نہیں آئی۔

مولانا روم مست بادۂ قیوم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست　　　درد را جز آدمی در خورد نیست

صوفیائے کرام کے نزدیک آیت کریمہ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (الأحزاب ۷۲) میں امانت سے درد و شوق ہی مراد ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

لیکن یاد رہے کہ یہ طلب اور درد و شوق محض عنایت خداوندی ہے۔ ان کا حصول اور باقی رہنا اللہ کے فضل پر موقوف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل دستگیری نہ فرمائے تو یہ دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔

کسی نے کیا خوب کہا:

میری طلب بھی ہے ان کے کرم کا صدقہ　　　　قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

اس کیفیتِ درد وشوق کی محافظت کے لئے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے دو طریقے بیان فرمائے ہیں:

اول: اس نعمت کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔

دوم: اس کیفیت کے باقی رہنے کے لئے بارگاہِ خداوندی میں التجاوزاری کرتے رہنا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (إبراهيم٧) اور حدیث مبارکہ: فَإِنْ لَمْ تَبْكُوا فَتَبَاكَوْا۔[708]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۳۹، ۳۴۰)

[شوق و درد کی یہ حفاظت شیخ کامل و مکمل کی خدمت میں پہنچنے کے وقت تک ہے۔ اس کی خدمتِ اقدس میں پہنچ جانے کے بعد اپنی مرادیں اس کے حوالے کر دے جس طرح میت غسال کے ہاتھ میں۔

فنا اول فنافی الشیخ ہے۔ پھر یہی فنا، فنافی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ بن جاتی ہے۔

زاں روی کہ چشم تست احول
معبود تو پیر تست اول

ترجمہ: چونکہ تیری نظر اول میں احول (ایک کو دو دیکھنے والی ہے) اس لئے تیرا قبلہ گاہ تیرا پیر و مرشد ہے۔]

---

[708] (سنن ابن ماجہ، ص ۹۶)

تشریح

فنا کو مکتوبات شریف کی اول جلد میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ یہاں پر یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ فنا کے تین درجے ہیں یعنی:

(۱) فنافی الشیخ (۲) فنافی الرسول (۳) فنافی اللہ

۱۔ فنافی الشیخ: کامل شیخ کا مبتدأ فیض صفاتِ الٰہیہ کا ظل ہے اس لئے چونکہ سالکینِ طریقت کو صفات کے ظل سے فیض شیخ کے ذریعے ملتاہے اس لئے اس مقام سے فیض یاب ہونے والے کو فنافی الشیخ کہا جاتا ہے۔ گویا صفات کے ظلی مقام اور سالک کے درمیان مرشد رابطہ اور پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر سالک حقیقی معنوں میں طالبِ صادق ہو تو شیخ کی توجہات سے مستفید ہونے کے بعد سالک اپنے شیخ سے محبت وپیار کرنے لگتاہے اور چونکہ محبوب کی ہر ادا مُحب کو محبوب ہوتی ہے اس لئے مریدِ صادق اپنے شیخ کا رنگ اختیار کرلیتاہے اور ظاہر وباطن میں شیخ کی پیروی کرنے لگتاہے۔ اس کا لباس، حُلیہ اور نشست وبرخاست اپنے شیخ جیسا ہو جاتا ہے اور اسی مناسبت سے اس نسبت والے مرید کو فنا فی الشیخ کہا جاتا ہے۔

۲۔ فنافی الرسول: انبیاء علیہم السلام کی ولایت کی ابتداء صفاتِ ذاتیہ الٰہیہ سے ہوتی ہے اور ان کے باطن کو انہی صفات سے فیض یاب کیا جاتا ہے۔ فنافی الشیخ کے مقام والے سالک کی استعداد جب قوی ہو جاتی ہے تو اس پر صفاتِ ذاتیہ سے تجلیات آنا شروع ہو جاتی ہیں اور سالکِ حقیقی کو انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی ایک ساتھ ربط پیدا ہو جاتا ہے اور وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مکمل تابعداری کرنے لگتاہے۔ اور خلافِ شرع امور سے اجتناب کرنے لگتاہے۔ اس مقام والے سالک کو فنافی الرسول کہا جاتا ہے۔

۳۔ فنا فی اللہ: صفاتِ ذاتیہ کے بعد جب سالک شیونات کو بھی طے کر لیتا ہے تو اسے فنا فی اللہ کا مقام عنایت ہو جاتا ہے۔ فنا کا یہ درجہ سب سے اعلیٰ و ارفع درجہ کہلاتا ہے۔ اس مقام والے سالک کا حقیقی محبوب و مطلوب صرف اللہ وحدہ لا شریک ہوتا ہے اور اس کا ہر قدم اپنے محبوب خدا کے احکام کے مطابق اٹھتا ہے۔

[کیونکہ افادے اور استفادے کا راستہ طرفین کی مناسبت پر مبنی ہے۔ ابتداء میں طالب کو اس کی کمال پستی اور کمینگی کے باعث جناب اقدس عز سلطانہٗ کے ساتھ مناسبت نہیں ہوتی۔ اس وقت درمیان میں دو جہتوں والا واسطہ اور برزخ درکار ہے۔ اور وہ شیخ کامل و مکمل کی ذات ہے۔

اور سستی اور خرابی کا قوی ترین سبب شیخ ناقص کی طرف طلب و رجوع ہے، جس نے ابھی سلوک وجذبہ کا کام مکمل نہیں کیا اور اپنے آپ کو مسندِ شیخی کی طرف کھینچ لایا ہے۔ طالب کے لئے اس کی صحبت زہرِ قاتل ہے اور اس کی طرف رجوع مہلک مرض ہے۔]

تشریح

کامل و مکمل شیخ (جسے عرفِ عام میں ولی اللہ کہا جاتا ہے اس) کا سینہ انوارات و تجلیات کا مظہر ہوتا ہے جہاں سے تشنگانِ طریقت و سلوک اپنے خالی باطن کو سیراب کرتے ہیں۔ لیکن اس باطن کی سیرابی کے لئے مرید و شیخ کے درمیان مناسبت کا ہونا اولین شرط ہے۔ اگر مرید کو اپنے شیخ سے مناسبت نہ ہوگی تو وہ فیوض وبرکات سے کماحقہٗ بہرہ مند نہیں ہو سکے گا۔

اس معرفت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مناسبت کو بیان کر دیا جائے تاکہ مقصد و مدعا واضح ہو جائے۔

کامل مشائخ کے روحانی مشرب پانچ ہیں: یعنی مشربِ حضرت آدم علیہ السلام، مشربِ حضرت نوح و ابراہیم علیہ السلام، مشربِ حضرت موسیٰ علیہ السلام، مشربِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مشرب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ہر مرشد ان پانچ مشارب میں سے کسی ایک مشرب پر فائز ہوتا ہے۔ سب سے اعلیٰ مشرب ہمارے آقا و مولیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشرب ہے اور اس مشرب سے وابستہ شیخ سے ہر کس و ناکس فیض حاصل کر سکتا ہے لیکن دوسرے مشارب والے شیوخ سے وہی سالک فیض اخذ کر سکتے ہیں جن کا اپنا بھی وہی مشرب ہو جو ان کے مرشد کا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر شیخ موسوی مشرب ہو تو اس سے وہی سالک فیض لے سکتا ہے جو خود بھی موسوی مشرب ہو اور اسی کو مناسبت کہا جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جب کوئی سلوک کا شائق بیعت کے ارادے سے شیخ کے پاس جائے تو بیعت سے پہلے دونوں استخارہ کر لیں تاکہ مناسبت کے ہونے یا نہ ہونے کا علم ہو جائے۔ اگر دونوں میں مناسبت ہو گی تو شیخ اس مرید کی اصلاح کر کے اسے تکمیل کے مراحل طے کروا دے گا اور اگر مناسبت نہ ہو گی تو تکمیل و ارشادِ معنوی نہیں ہو سکے گی۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بیعت کے معاملے میں استخارے کی اہمیت کو ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے اور کوئی جگہ ایسی نظر نہیں آتی جہاں بیعت کی سنت ادا کرنے سے پہلے استخارہ کروا لیا جاتا ہو۔

[طالب کی بلند استعداد کو اس طرح کی صحبت پستی کی طرف لے آتی ہے اور بلندی سے نیچے گرا دیتی ہے۔ مثلاً وہ مریض جو طبیبِ ناقص سے علاج کروائے وہ درحقیقت اپنے مرض میں زیادتی کی کوشش کر رہا ہے اور اپنی ازالۂ مرض کی قابلیت و استعداد کو ضائع کر رہا ہے۔ اگرچہ اس کی دوا ابتدائے مرض میں قدرے تخفیف پیدا کرتی ہے مگر فی الحقیقت وہ عین نقصان اور ضرر ہے۔

بالفرض یہ مریض اگر طبیبِ حاذق تک پہنچ جائے تو طبیبِ حاذق پہلے طبیبِ ناقص کی دوا کے اثرات زائل کرنے کی فکر کرے گا اور مسہلات کے ساتھ اس کا علاج کرے گا۔ اس کے اثرات کے ازالے کے بعد مرض کے دور کرنے کی طرف توجہ کرے گا۔

ان بزرگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے کا دارومدار صحبت پر ہے کہنے سننے سے کام نہیں بنتا بلکہ یہ چیز طلب میں سستی پیدا کر دیتی ہے۔ احتمال یہ ہے کہ چند روز تک دہلی اور آگرہ کی طرف میرا جانا ہو گا۔ اگر آپ اکیلے ادھر آجائیں اور روبرو ہو کر جلدی سے کچھ اخذ کر لیں تو اس کی گنجائش ہے۔ اس سے زیادہ گفتگو تکلیف دہ امر ہے۔

باقی سوالات جو پوچھے گئے تھے ان کا جواب یہ ہے کہ جناب مشیخت پناہ، معارفِ دستگاہ شیخ تاج کا وجود اس صوبہ میں غنیمت ہے۔ وہ بزرگ شخصیت ہے لیکن آپ کی استعداد کو ان کے طریقہ سے مناسبت کم ہے۔ رابطہ کے حصول کے بغیر مطلوب کا حصول مشکل و دشوار ہے۔ آگے آپ مختار ہیں۔ اگر کبھی کبھی اپنے حالات لکھ بھیجا کریں تا کہ اس طرح اس طرف سے بھی کچھ لکھ بھیج دیا جایا کرے تو مناسب ہے۔ کیونکہ اس طرح اخلاص و عقیدت کا سلسلہ ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔]

تشریح

کامل استعداد والا شخص (یعنی محمدی المشرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم صفات والا) اگر بیعت کرتے وقت اس بات کا خیال نہ رکھے کہ جس مرشد سے میں بیعت کرنے والا ہوں، وہ محمدی المشرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نہیں ہے بلکہ نچلے مشارب میں سے کسی مشرب کے ساتھ وابستہ ہے، تو اس عمل سے اس سالک کی (قرب و وصول الیٰ اللہ کے مدارج طے کرنے والی) استعداد جل کر ختم ہو جائے گی اور اسے اپنا گوہرِ مقصود نہ مل سکے گا۔ عام دنیاوی حالات میں اس کی مثال یوں سمجھیں کہ

اگر کسی پی ایچ ڈی کی ڈگری رکھنے والے کو کسی سرکاری دفتر کی صفائی کرنے کا ذمہ سونپ دیا جائے تو اس کا کیا حال ہو گا۔ اور اسے اس کی ڈگری کا کہاں تک فائدہ ہو گا۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ علمی لیاقت جو اسے پی ایچ ڈی کرنے کی وجہ سے ملی تھی، اس سے وہ مستفید نہ ہو سکے گا۔

یہی حال ہوتا ہے سلوک میں اعلیٰ استعداد رکھنے والے سالک کے ساتھ، جس کو اس کی استعداد کے مطابق اعلیٰ ترقیاتِ باطنی اس وجہ سے نہ مل سکیں کہ اس کا شیخ بذاتِ خود اعلیٰ استعداد کا مالک نہ تھا۔ یعنی محمدی المشرب نہ تھا بلکہ دوسرے کسی مشرب کا فیض یافتہ تھا۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس درد و طلب کی امانتِ عظمیٰ کی محافظت، سالک کو آخر وقت تک کرنی چاہیئے تا آنکہ اس کو شیخ کامل اور مکمل تک رسائی حاصل ہو جائے۔ جب شیخ کامل میسر آجائے تو اپنی تمام مرادیں اور سارے معاملات اس کے سپرد کر دینے چاہئیں اور خود شیخ کے سامنے اس طرح بے اختیار و مطیع ہو جائے جس طرح مردہ غسل دینے والے کے ہاتھوں میں بے اختیار ہوتا ہے، اور اپنی تمام خواہشات کو ترک کرکے شیخ کامل کی رضا کے تابع ہو جائے، اس کی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھے اور اس کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سمجھے۔ حصولِ فیض کے لئے تسلیم وانقیاد ہی پہلی منزل ہے۔ اہلِ طریقت کے نزدیک اس کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي (آل عمران ۳۱) اور أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹) کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عملی نمونہ بن کر دکھا دیا۔ نیز آیت مبارکہ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ (الکهف ۷۰) میں حضرت خضر علیہ السلام نے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حصولِ علم وفیض کے لئے تسلیم واطاعت پر اور اعتراض نہ کرنے پر پابند رہنے کی تاکید فرمائی۔

مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

چوں گرفتی پیر را تسلیم شو　　　　ہم چو موسیٰ زیرِ حکم خضر رو

نیز چونکہ شیخ کامل، مریدوں کے درمیان نبوت کی وراثت کے طور پر نبی کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لہٰذا شیخ کے آداب بھی آدابِ نبوت کی نہج پر استوار کرنے چاہئیں۔ مشائخ نے اپنی کتابوں میں یہ روایت نقل فرمائی ہے: اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ۔ شیخ اپنے مریدوں کے درمیان اسی طرح ہوتا ہے جس طرح نبی اپنی اُمت کے درمیان۔ لیکن یہ حقیقت ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ یہ آداب شیخ کامل کے ہیں۔ شیخِ ناقص اور گندم نما جو فروش، خلاف شرع پیروں اور ملنگوں کے لئے یہ آداب ہرگز نہیں اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر کامل شیخ کی تعریف اور اس کی علامات بیان کردی جائیں۔

شیخ کامل

شیخ کامل وہ ہوتا ہے جو:

۱۔ عالمِ ربانی ہو اور اہل سنت کے معتقدات پر یقین رکھتا ہو۔

۲۔ متبع سنت اور پابندِ شریعت ہو۔

۳۔ صاحبِ اجازت وخلافت ہو۔

۴۔ اس کا شجرۂ طریقت مستند ومتصل ہو۔

۵۔ مرتبۂ احسان پر فائز ہو اور صاحبِ مشاہدہ ہو۔

۶۔اپنے سلسلۂ طریقت کا سلوک طے کر چکا ہو۔

۷۔خود بھی کامل ہو اور دوسروں کو بھی کامل بنا سکے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

علم بہ تفصیلِ احوال ومقامات ومعرفت بہ حقیقتِ مشاہدات وتجلیات وحصولِ کشوف والہامات وظہورِ تعبیراتِ واقعات از لوازمِ این مقامِ عالی است۔(وَبِدُوْنِهَا خَرْطُ الْقَتَاد)[709]

یعنی احوال ومقامات کا تفصیلی علم اور معرفت، مشاہدات وتجلیات کی حقیقت جاننا اور کشف والہامات کا حصول اور واقعات کی تعبیرات کا ظہور اس بلند مقام کے لوازمات سے ہے۔

شیخِ ناقص

وہ ہوتا ہے جس نے سلوک طے نہ کیا ہو، سنت وشریعت کا پابند نہ ہو اور مذکورہ آداب وشرائط پر پورا نہ اُترے۔ ایسے شیخ ناقص کی مثال نیم حکیم جیسی ہے، اس کی صحبت زہرِ قاتل ہے۔ اس سے طریقہ اخذ کرنا اپنی استعداد وصلاحیت کو ضائع کرنا ہے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہ ہر دست نباید داد دست

شیخ ناقص دراصل وصول الی اللہ کی راہ میں رکاوٹ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طلب اور درد وشوق میں فتور کا سبب بنتا ہے۔ ایسے شیخ ناقص کی صحبت اور بیعت سے دور رہنا چاہیئے، وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیتا ہے۔

---

709 (دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۲۴)

اقسامِ فنا

وصول الی اللہ کے لئے شیخِ کامل کی صحبت و ملازمت بنیادی ارکان میں سے ہے۔ کیونکہ شیخ کی محبت و اطاعت اہلِ طریقت کے نزدیک وصول الی اللہ کا مقدمہ ہے۔ مرید کو چاہیئے کہ تصورِ شیخ کو اس قدر پختہ بنائے کہ فناء فی الشیخ کی منزل تک جا پہنچے۔

فناء اول فناء فی الشیخ ہے، اور پھر یہی فناء فناء فی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

فنا کا معنی و تعریف

فناء کا لغوی معنی ختم ہو جانا ہے لیکن اربابِ طریقت کے ہاں یہ ایک اصطلاح ہے جس کا معنی اوصافِ مذمومہ کا سقوط اور اخلاقِ محمودہ کا وجود ہے۔

چنانچہ فاضلِ اجل حضرت سید شریف جرجانی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں:

عَدَمُ الْاِحْسَاسِ بِعَالَمِ الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ وَھُوَ بِالْاِسْتِغْرَاقِ فِی عَظْمَةِ الْبَارِیّ وَمُشَاھَدَةِ الْحَقِّ وَاِلَیْهِ اَشَارَ الْمَشَائِخُ بِقَوْلِھِمِ الْفَقْرُ سَوَارُ الْوَجْهِ فِی الدَّارَیْنِ۔[710]

یعنی مشاہدۂ حق اور عظمتِ باری (تعالیٰ) میں اس درجہ استغراق کہ عالمِ ملک و ملکوت کا بھی احساس نہ رہے فنا کہلاتا ہے۔ مشائخ کرام نے اپنے قول اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِی الدَّارَیْنِ۔ (فقر دارین میں سیاہ روئی کا نام ہے) میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

---

[710] (کتاب التعریفات)

اہلِ طریقت نے فنا کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ فناء فی الشیخ

فرطِ محبت کی وجہ سے شیخ کے تصور میں اس طرح گم ہو جانا کہ اس کے اپنے حواس پر شیخ کی شکل وصورت اور حرکات وسکنات کا غلبہ ہو جائے اور اپنی ہستی کو بھول جائے یہاں تک کہ شیخ کی صورت وسیرت کے سانچے میں ڈھل جائے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جیسا کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فناء فی الشیخ کے مرتبے میں اس قدر مغلوب ہو چکے تھے کہ صورت وسیرت کے اعتبار سے جمالِ نبوت کا آئینہ دار بن گئے اور ہجرت کے موقع پر اہلِ مدینہ کے لئے آقا اور غلام میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

۲۔ فناء فی الرسول

عشقِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات اور اتباعِ سُنت کے غلبے کی وجہ سے سالک کا اوصاف وکمالاتِ نبوت کا وارث اور آئینہ دار ہو جانا فناء فی الرسول کہلاتا ہے۔

۳۔ فناء فی اللہ

دورانِ سلوک تجلیاتِ الٰہیہ میں اس درجہ استغراق واستہلاک کہ سالک کو اپنی ہستی کی ہوش نہ رہے اور ماسویٰ اللہ کا نسیان ہو جائے۔ اور حظوظِ نفسانی سے مکمل نجات مل جائے فناء فی اللہ کہلاتا ہے۔

فناء کی ان اقسامِ ثلاثہ کے متعلق حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے:

پیر نگر کو آکے نبی نگر کو جا　　　نبی نگر میں بیٹھ کے درشن یار کا پا

بینہ

واضح رہے کہ شیخ فیوض کا واسطہ ہے جب تک واسطہ درست نہ ہو گا مطلب تک راستہ کس طرح پائے گا۔ پس فنا فی الشیخ کے بغیر فناء فی اللہ حاصل ہونا مشکل ہے اور مرید کو چاہیئے کہ اپنے ارادے کو اپنے شیخ کے ارادہ کے تابع کر دے اور اپنے آپ کو پوری طرح اس کے سپرد کر دے اور اس کی صحبت میں کَالْمَیِّتِ بَیْنَ یَدِیَ الْغَسَّالِ ہو جائے۔ اور یہ معنیٰ تمام طریقوں میں درکار ہے، خاص طور پر ہمارے طریقہ میں کیونکہ اس طریقۂ عالیہ میں اِفادہ واستفادہ انعکاسی ہے اور صحبت پر موقوف ہے۔ پس شیخ مقتداء کے ساتھ مناسبت کے اسباب جس قدر زیادہ رکھتا ہو گا صحبت کی تاثیر اسی قدر زیادہ ہو گی اور فیض اخذ کرنے کا راستہ اسی قدر کشادہ ہو گا۔ ہاں اگر کوئی شخص اویسی ہو، ظاہری پیر کا محتاج نہ ہو اور صرف عنایتِ الٰہی اس کے حال کی کفالت کرنے والی ہو تو ممکن ہے کہ فنا فی الشیخ کے بغیر اس کو فنا فی اللہ حاصل ہو جائے۔[711]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۴۱ تا ۳۴۵)

[711] (مکتوباتِ معصومیہ، دفتر اول، مکتوب ۵۰)

شیخ طریقت کیسا ہونا چاہیئے

اے اللہ کے طالب یہ بات جان لو کہ شیخ یا پیر و مرشد کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ شیخ کامل مکمل　　　۲۔ شیخ ناقص　　　۳۔ شیخ مقلد

شیخ کامل: شیخ کامل مکمل وہ مبارک ہستی ہے جن میں یہ دس شروط ضرور موجود ہونگی:

اول اعظم شرط یہ ہے: کہ ان کا ظاہر متابعتِ رسول اکرم ﷺ سے مزین ہوگا اور ان کا باطن ماسوائے اللہ سے آزاد ہوگا۔ علم ظاہر ولایت کے لئے شرط نہیں۔ بلکہ شرط ارشاد ہے بقدر مفروض کے۔

دوم شرط دوام ذکر (ہمیشہ ذکر) ہے: اور شغل اللہ سبحانہ ہے اور اللہ سبحانہ سے صبر، توکل، قناعت، رضا اور تسلیم کے ساتھ امید رکھنا۔ اور لوگوں سے اعراض اور ناامیدی باطن میں رکھنا اور نہ ظاہر میں۔ اس لئے کہ غفلت ظاہری حضور باطن میں اثر نہیں رکھتا۔ اور ان کے ظاہر سے باطن کو دنیاوی کام سرائت نہیں کرتا جب ان کا باطن آگاہ ہو۔ اگر ان کا ظاہر غافل ہو جس طرح روغن بادام کو روغن کنجد (تیل) کے ساتھ ملایا جائے دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ اور جب یہ روغن الگ الگ ہوں تو پھر ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں۔ ان میں فرق بھی ہے اور نام بھی الگ الگ لئے جاتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر معرفتِ الٰہی کی خوشبو حرام ہے جس کے باطن میں رائی کے دانے کے برابر دنیا کی محبت موجود ہو۔ اس لئے کہ اس کا ظاہر اس کے باطن سے کئی مرحلوں میں الگ واقع ہوتا ہے۔ اور آخرت سے دنیا میں آیا ہے۔ اور لوگوں سے میل جول پیدا رکھا ہے۔ اور مناسبت کے حصول کے لئے جو مشروط ہے افادہ اور استفادہ میں اور اگر وہ دنیا کے متعلق باتیں کرتا ہو اور اس کی مناسبت اسباب دنیوی سے ہو تو گنجائش رکھتی ہے۔

اور یہ کوئی مذموم بات نہیں ہے بلکہ اچھی بات ہے اس لئے حقوق العباد معطل نہ ہو جائے اور استفادے اور افادے کا طریقہ بند نہ ہو جائے۔ پس اس شخص کا باطن بہتر ہے اس کے ظاہر سے اور اس کا حکم جو نما گندم فروش کے مترادف ہے۔

اندروں شو آشنا واز برو بیگانہ باش

این چنین زیبا روش کم تربود اندر جہان

یعنی اپنے باطن سے آشنا ہو جاؤ اور ظاہر سے بیگانہ ہو جاؤ۔ ایسی راہ اختیار کرنے والے دنیا میں کم تر ہوتے ہیں۔

تیسری شرط شیخ کامل مکمل کی یہ ہے: کہ سلسلہ رسول اللہ ﷺ سے بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس تک پہنچ چکا ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے: کہ کسی پیر کامل مکمل کی اجازت اور سند ارشاد ان کو حاصل ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے: کہ فنائے نفس اور فنائے قلب کے مدارج حاصل ہوئے ہوں۔

چھٹی شرط یہ ہے: کہ علمِ سلوک میں ولایتِ کبریٰ تک مدارج طے کر چکا ہو۔ اور اس وقت انہیں ارشاد کرنے میں کامل مکمل مختار گردانا گیا ہو۔ اور طریقت کے اعلیٰ مدارج ولایت علیا سے لا تعین تک کے مقامات سے ان پر فیض جاری و ساری ہو۔

ساتویں شرط یہ ہے: کہ جو کوئی کسی پیر کامل مکمل کی صحبت میں بیٹھ جاتا ہے، تو اس پر رقتِ قلب طاری ہو، کہ اس کا طبعی میلان اور رجحان حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ بلکہ پیر کامل مکمل کی نظر سے بشر عقیدت و مناسبت باطنی ماسویٰ اللہ تعالیٰ کے باقی تمام اشیاء معدوم ہو جاتے

ہیں، اور ملاقاتی کے دل میں محبتِ الٰہی ٹھاٹھیں مارنا شروع کر دیتی ہے۔ اور اگر اس کا عقیدہ نہ ہو اور مناسبتِ باطن نہ رکھتا ہو تو بندہ فیوضات و برکاتِ باطنی سے محض محرومِ مطلق ہی رہے گا۔

ہر کہ روی بے بہود نداشت دیدن روی نبی سود نداشت

آٹھویں شرط یہ ہے: جان لو، کہا گیا ہے کہ شیخ کامل مکمل زندہ بھی کرا سکتا ہے اور یہ لازم ہے کہ شیخ یہ کام کرے۔ اس لئے کہ موت و حیات سے مراد جسمانی موت و حیات نہیں ہے بلکہ اس سے مراد نفس کی موت و فنا ہے اور باطن کی بقا اور حیات ہے۔ جبکہ ولایت کے یہی مقامات اور کمالاتِ باطن شیخ کامل مکمل کی توجہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں، جس کے لئے شیخ مقتدیٰ اور کامل مکمل بہ اذنِ الٰہی ذمہ دار ہے۔ جسمانی فناء و بقاء کے ساتھ شیخ کا کوئی واسطہ نہیں۔

نویں شرط یہ ہے: کہ شیخ جذب اور سلوک کی دولت سے مالا مال ہوا ہوتا ہے۔ اور فناء اور بقاء کی سعادت سے مستعد کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور بطریقہ کمال سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، اور سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء کے مدارج تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اور ان کا جذبہ ان کے سلوک میں مقدم ہو اور ان کی تربیت ہوئی ہو۔ تو ان کی مثال کبریت احمر کی ہے۔ ان کی باتیں دوا ہوتی ہیں اور ان کی نظریں شفاء ہوتی ہیں، ان کے لئے جن کے قلوب مر گئے ہوں اور یہ توجہ سے متعلق ہے، اور پریشان دلوں کے لئے ان کے التفات سے تازگی ملتی ہے۔

دسویں شرط یہ ہے: کہ شیخ کا اعتقاد اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے ساتھ راسخ ہو اور گمراہ اعتقادات سے اپنے آپ کو بچانے والا ہو، جیسے شیعہ، روافض، معتزلہ، وہابیہ، اور پنج پیریہ وغیرہ۔ اور ان کی بیان شدہ روایات پر بھی عمل نہ کرتا ہو۔

یہ جملہ بیان شدہ مسائل حجۃ السالکین صفحہ ۱۲۰ اور مکتوبات امام ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول حصہ دوم مکتوب نمبر ۲۱، صفحہ ۳۸ میں بیان کئے گئے ہیں۔

صاحبِ روح البیان حضرت اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو مرشدِ کامل کی علامات بیان کی ہیں، انہیں نقل کرتے ہیں:

(۱) جب تو اس کی مجلس میں بیٹھے تو ایمان کی تازگی اور روحانی کیف و سرور محسوس کرے۔ اس کی گفتگو اللہ کے لئے ہو۔ کلمات خیر کے سوا کچھ نہ بولے۔ وعظ و نصیحت کے علاوہ کچھ گفتگو نہ کرے۔ اس کی کلام کی طرح اس کی صحبت بھی نفع رساں ہو۔ اس کا قرب و بعد دونوں حالتیں نفع سے خالی نہ ہوں۔ اور اس کے الفاظ کی طرح اشارات بھی فائدہ مند ہوں۔

(۲) اس کے متبعین اور مریدین میں ایمان، اخلاص، اور تواضع پائی جائے جب ان سے ملاقات ہو تو وہ محبت صدق ایثار اور خالص اخوت کا اعلیٰ پیکر دکھائی دیں۔ ماہر طبیب کی پہچان، اس کے آثار اس کی محنت کے نتائج سے ہوتی ہے۔ یعنی اس سے شفایاب ہونے والے مریض قوی اور صحت مند ہوتے ہیں۔

نوٹ: اکثرت اوقات مرشدِ کامل اپنے مریدین سے دنیاوی معاملات پر بھی گفتگو فرماتے ہیں، اور اس بات کا سنت ہونا احادیثِ کثیرہ سے بھی ثابت ہے۔ گفتگو جس موضوع پر بھی ہو، مرشدِ کامل کے سینہ سے فیض و انوارِ الٰہی مسلسل مریدین و سامعین کے سینوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا مرید کو اعتراض و انکار سے ہر حال میں بچنا چاہیئے تا کہ محروم نہ رہے۔

شیخ ناقص: شیخ ناقص وہ ہے جس نے سلوک اور جذبہ کے مراحل طے نہیں کئے ہوں اور اپنے پیر و مرشد کے مسند پر بیٹھا ہوا ہو۔ پس طریقت کے طالب کو اس قسم کے شیخ ناقص کی صحبت میں بیٹھنا زہر قاتل ہے۔ اور اس کی تابعداری ایک ایسا مرض ہے جو طالبِ طریقت (کی عاقبت) کے لئے موت کا باعث ہے۔ اگر کسی طالب میں کافی استعداد ہو تو اس قسم کے پیر ناقص سے اس کو بہت بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ باطنی قوت کو کم کر دیتا ہے، بلندی کے بجائے پستی کی طرف لے جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی مریض ناقص طبیب کے پاس بغرض علاج چلا جائے تو گویا اس مریض نے اپنی بیماری کو بڑھانے میں کوشش کی ہے۔ ناقص طبیب کی دوا جتنی مقدار میں بھی کھائی جائے، فوری طور پر مرض میں افاقہ ہو جائے گا۔ لیکن در حقیقت اس کا مرض بڑھتا جائے گا۔ یا مخالف دوا دے دیں تو ایک بیماری کی جگہ دوسری بیماری جنم لے گی۔

بس یہی مثال ناقص پیر کی ہے۔ مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ ناقص پیر سے ایسا بھاگو جس طرح چیتے سے اپنے آپ کو بچاتے ہو۔ اس لئے کہ وہ باطنی امراض میں اور بھی اضافہ کر دیتا ہے۔ استعداد کم کر دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہلاکت تک پہنچا دے۔

اور ناقص پیر کے بارے میں امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

فرّ منه کما تفرّ من الاسد۔

ناقص سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔

اور یہ بھی فرماتے ہیں:

دستِ ناقص دستِ شیطان است و دیو۔

ناقص کا ہاتھ شیطان اور دیو کا ہاتھ ہے۔

نور العقائد فی بیان عقائد اھلسنت و الجماعۃ میں صفحہ ۳۵۰ پر حضرت ملا صالح محمد القاضی سابقا بقالات قندھار افغانستان لکھتے ہیں:

فصحبة الشيخ الناقص الذى لم يتم امره بالسلوك والجذبة۔ سم قاتل والانابة اليه مرض مهلك۔ يضيع استعداد المريد الرفيع۔ ويفسده مثل فساد البيضة۔ فلا يجوز اخذ الطريق الى الله تعالى من الناقص لمامر۔ ولا من المقلد بآبائه الكاملين المكملين غير سالك مسلكهم۔ وغير واصل مبلغهم۔ لان الارادة لا تصح الا بالتعليم والتعلم۔ وحصول درجة التكميل۔ وليس فيه شيء من ذالك۔ وايضا الشيخ الناقص مثل الزانى۔ ومريده ولد الزانى۔ والشيخ الناقص مثل الصنم ۔ ومريده مثل عابد الصنم۔ ويفتضح هو ومريده على رؤس الاشهاد يوم القيامة۔ والشيخ الناقص مثل الطبيب الجاهل۔ يعل الصحيح۔ ويقتل المريض۔ والشيخ الناقص اشرار الاشرار۔ وافجر الافجار۔ والشيخ الناقص مثل المنافق۔ ينطفىء نور فقره عند الموت۔ واحاطت به ظلمات المتراقمة۔ مثل ظلمات الليلة المظلمة المتغيمة المطيرة وادركته اللعنة۔ والغضب والخزلان۔ كما ينطفىء نور كلمة المنافق عند الموت۔ واحاطت به ظلمات الكفر۔ ووصل الى درك الاسفل من النار۔ والشيخ الناقص مثل الدجال۔ ومثل الفرق الضالة۔ ومثل الرافضية والوهابية۔ ويكون بينه وبين مريده مخاصمة والتبرى يوم القيامة۔ كما بين التابع والمتبوع من الفريق الضالة الكفرة۔ والى غير ذالك من انواع العذاب والنكال۔ فينبغى للمريد ان يجتهد فى معرفة من يصلح شيخا۔ ويجوز الاقتداء به۔ لان هلاك اكثر الطالبين۔ بل عموم الناس بالاقتداء بالائمة المضلين۔ وافتراق الامة الى ثلث وسبعين فرقة نشاء من الصوفية الذين ما كانوا على ماجاء به النبى صلى الله عليه وآله وسلم۔ هذه الجملة منقولة من قطب الارشاد۔ وروح البيان۔ والمكتوبات۔ وفتوح الغيب۔ والفتوحات۔ والابريز۔ وجامع الكرامات۔ ولطائف المنن۔ وعهود۔ وبحر مورود۔ وانيس الوحيد۔ والفتاوىٰ الحديثية۔

وہ شیخِ ناقص جس کا کام سلوک اور جذبہ سے تام نہ ہوا ہو اس کی صحبت زہرِ قاتل ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا مہلک مرض ہے جو کہ بلند درجہ مرید کے استعداد کو بھی ضائع کر دینے والی ہے اور مرید کو اس طرح فاسد کرتا ہے جس طرح گندہ انڈہ۔ تو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے میں ناقص سے استفادہ جائز نہیں ہے ما قبل بیان کی وجہ سے۔ اور نہ اس شخص سے استفادہ جائز ہے جو اپنے کاملین مکملین باپ دادا کا مقلّد ہو لیکن ان کے راستے پر جانے والا نہ ہو اور ان کے مقام تک پہنچنے والا نہ ہو، کیونکہ پیری مریدی تعلیم و تعلم (افادہ و استفادہ) کے بغیر صحیح نہیں اور کمال کے درجے تک پہنچنے کے بغیر بھی پیری مریدی صحیح نہیں اور ان (ناقص سجادہ گان) میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔ اور اسی طرح ناقص پیر زناکار کی طرح ہے اور اسکا مرید ولدِ زنا کی طرح ہے۔ اور ناقص پیر بت کی طرح ہے اور اس کا مرید بت پرست کی طرح ہے اور رسوا ہو گا، یہ ناقص اور اسکا مرید قیامت کے دن لوگوں کے سامنے شیخ ناقص جاہل طبیب کی طرح ہے جو تندرست کو بیمار کر دیتا ہے اور بیمار کو مار دیتا ہے۔ شیخ ناقص بدتر سے بدتر ہے اور فاجروں سے بڑا فاجر ہے۔ شیخ ناقص منافق کی طرح ہے جس کی فقر کی روشنی موت کے وقت بجھ جائیگی اور اس پر تہہ در تہہ تاریکیاں چھا جائیں گی اس رات کی تاریکیوں کی طرح جو اندھیری ہو اور بادل والی ہو اور بارش برسنے والی ہو۔ یہ (ناقص پیر) لعنت میں، قہر میں اور رسوائی میں مبتلا ہو جائے گا۔ جس طرح منافق کے کاموں کی نورانیت موت کے وقت ختم ہو جائے گی اور اس کو ظلماتِ کفر گھیر لیں گی اور جہنم کے نیچے والے طبقے میں پہنچ جائے گا۔ شیخ ناقص دجال کی طرح ہے، گمراہ فرقوں کی طرح ہے، رافضیہ اور وہابیہ کی طرح ہے۔ شیخ ناقص اور اسکے مرید کے درمیان بروز محشر جھگڑا ہو گا اور ایک دوسرے سے بیزاری ہو گی، جس طرح گمراہ کافر فرقوں کے

تابع اور متبوع کے درمیان جھگڑا اور ایک دوسرے سے بیزاری ہو گی اور اسکے علاوہ عذاب اور عبرت ہو گی۔"

شیخ مقلد: شیخ مقلد اس مرشد کو کہتے ہیں جب کوئی شیخ اس دنیا سے رحلت فرما جائے اور وہ اپنی جگہ خلیفہ کامل مکمل مقرر نہ کرے اور اس کا کوئی وارث اپنے آپ سے خود اس کا خلیفہ بنائے۔ اور ان کی گدی پر قبضہ کرے صرف اس لئے کہ اس کی عزت اور مرتبہ سمجھی جائے۔ یعنی اس کا مطلب صرف دنیا کا حصول ہے۔ مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ شیخ مقلد کی صحبت سے ایسا بھاگو جیسے چیتے سے بھاگا جاتا ہے۔

مکتوب نمبر ۶۲

[جناب مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ جو جذبہ سلوک سے پہلے ہے وہ مقاصد میں سے نہیں، بلکہ وہ آسانی کے ساتھ منازلِ سلوک طے کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور جو جذبہ سلوک کے بعد نصیب ہوتا ہے وہ مقاصد میں سے ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔]

تشریح

لطائفِ انسانی دو حصوں میں منقسم ہیں۔ پانچ لطائف عالمِ اَمر کے ہیں اور پانچ لطائفِ عالمِ خلق کے۔ عالمِ اَمر والے لطائف (قلب، روح، سِر، خفی اور اخفٰی) کو طے کرنا جذبہ کہلاتا ہے اور عالمِ خلق کے لطائف (یعنی نفس اور اس کے چار عناصر) کو کبار مشائخ کے قوانینِ تصوف کے مطابق طے کرنا سلوک کہلاتا ہے۔

جذبہ کے دو درجے ہیں۔ ایک جذبہ وہ ہے جو سلوک کو طے کرنے سے پہلے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں عوام الناس بھی شریک ہیں اور ابتدائی سالک بھی۔ یہ جذبہ تصوف میں مطلوب و مقصود نہیں ہے بلکہ امورِ شرعی پر عمل پیرا ہونے کا شوق پیدا کرنے میں مدد و معاون ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جو جذبہ مقصود ہے وہ دوسرے درجہ والا جذبہ ہے جو لطائفِ عشرہ کا سلوک طے کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور سالک کو ولایت پر مشرف کرتا ہے۔ ابتدائی جذبہ کی علامات شیخِ کامل کی توجہات کا اثر ہوتی ہیں جبکہ جذبۂ انتہائی کے حصول میں سالک کی کوششوں کے ساتھ ساتھ فضلِ خداوندی بھی شاملِ حال ہوتا ہے نیز یہ جذبہ صفاتِ ذاتیہ کا پَرتَو پڑنے سے پیدا ہوتا ہے اس لئے بلند ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جذبہ کے اعلٰی درجہ کے حصول کے لئے کوشاں رہنا چاہیئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بلند ہمت والوں کو دوست بناتا ہے۔

[اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

حق تعالیٰ تک وصول کے راستے کے دو جزو ہیں: جذبہ اور سلوک، یا تصفیہ اور تزکیہ۔ وہ جذبہ جو سلوک سے پیشتر ہے مقاصد میں سے نہیں ہے، اور وہ تصفیہ جو تزکیہ سے پہلے نصیب ہوتا ہے وہ بھی مطالب میں سے نہیں ہے۔ ہاں وہ جذبہ جو سلوک کو مکمل کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور وہ تصفیہ جو تزکیہ کے حصول کے بعد میسر آتا ہے اور سیر فی اللہ سے تعلق رکھتا ہے وہ البتہ مقاصدِ مطلوبہ میں سے ہے۔ وہ جذبہ اور تصفیہ جو سلوک سے پہلے ہے وہ سلوک کے راستوں پر آسانی سے چلنے کے لئے ہے۔ سلوک کے بغیر کام نہیں بنتا۔ اور منازل طے کرنے کے بغیر مطلوب کا جمال سامنے نہیں آتا۔ پہلا جذبہ دوسرے جذبے کے لئے صورت کی مانند ہے۔ فی الحقیقت ایک کو دوسرے سے کوئی مناسبت نہیں۔ پس نہایت کے بدایت میں اندراج سے مراد جو اس بلند سلسلہ کے مشائخ کی عبارات میں واقع ہے یہ ہے کہ نہایت کی صورت بدایت میں درج ہے۔ ورنہ حقیقتِ نہایت بدایت میں نہیں سما سکتی۔ نہایت کی بدایت سے کوئی مناسبت نہیں۔ اس بحث کی تحقیق اس رسالہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے جو حقیقتِ جذبہ و سلوک وغیرہ میں تحریر کیا گیا ہے۔

الغرض صورت سے حقیقت کی طرف عبور کرنا ضروری ہے، اور حقیقت کی طرف بڑھنے کی بجائے صورت پر اکتفاء کرنا دور رہنے کی بات ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نبی مختار اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نیک اولاد علیہ و علیہم من الصلوات اکملہا و من التحیات افضلہا کے طفیل ہم سب کو حقیقتِ حقہ سے موصوف فرمائے اور صورتِ باطلہ سے بچائے۔]

تشریح

تصوف میں تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس دونوں کا حصول لازم وملزوم ہے۔ تصفیہ کے بغیر تزکیہ اور تزکیہ کے بغیر تصفیہ کافی نہیں ہے۔ اگر ایک کے بغیر دوسری چیز نجاتِ اُخروی کے لئے کفایت کرتی تو ہندو جوگی اور یہود ونصاریٰ کے پادری سیدھے جنت چلے جاتے جو ریاضاتِ شاقہ اور چلہ کشی میں ساری زندگیاں گزار کر تزکیہ یا تصفیہ حاصل کر لیتے ہیں اور کشف کی کیفیات بھی پا لیتے ہیں۔

حقیقی تصوف کے لئے سلوک کا وہ طریقہ کار جس پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے لے کر آج تک علمائے حق اور مشائخ عظام سمیت پوری اُمت چلی آ رہی ہے اور یہ سلسلہ حدِ تواتر کو پہنچ چکا ہے اس کے مطابق سلوک میں داخل ہونا مسنون عمل ہے اور محض اپنی مرضی سے شریعت کے راستے متعین کر لینا اور سلوک کو ایک لایعنی چیز سمجھنا اس مسنون عمل کے سراسر منافی کام ہے۔

سابقہ چند عشروں سے (اور موجودہ زمانے میں بھی) کچھ ایسے نئے نظریات سامنے آئے ہیں جن کو ماننے والے کہتے ہیں کہ جب قرآن واحادیث میں ذکر واذکار موجود ہیں تو پھر پیر ومُرشد کی کیا ضرورت ہے اور سلوک کا کسب کرنا کیوں لازمی ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ چاہتا تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجے بغیر ہی ساری مخلوق کو ہدایت دے دیتا لیکن عادتِ خداوندی یوں جاری ہوئی کہ اُس مسبب الاسباب ذات نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورُسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دُنیا میں مبعوث فرما

کر مخلوق کی ہدایت کا سبب بنایا تو اگر آج ہم شیخِ کامل کی ضرورت کا انکار کریں گے تو آنے والے کل میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو جائیں گے جو کہیں گے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تو ویسے بھی ہدایت عنایت فرما سکتا تھا انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟

تو جس طرح پیغمبرانِ خدا نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حکم سے گمراہ مخلوق کو راہِ حق کی طرف دعوت دی اور اپنے نورِ باطن سے ان کے سینوں کو مُنور فرمایا بعینہٖ اس اُمت کے اولیاء کرام نے بھی عالمِ عُلیا سے اکتساب فیض کر کے عالمِ سُفلیٰ میں بھٹکی ہوئی مخلوق کو صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

العُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ۔

ترجمہ: علمائے (حق) انبیاء (کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے وارث ہیں۔[712]

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

الشيخ في قومه كالنبي في أمته۔

ترجمہ: شیخ (پیرِ کامل) اپنی قوم میں ایسا ہے جیسے پوری اُمت میں نبی۔[713]

پس ہدایتِ صوری اور دعوت وارشاد کے لئے علماء ومشائخ کا وجود اور اُن سے اکتسابِ فیض کرنا ضروری ہوا، اور منازلِ سلوک کی تکمیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سُنت ٹھہری۔

(دارالمعـــرفت، جلد دوم)

---

712 (سنن الترمذی، ج۵، ص۴۸، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي – مصر)

713 (تفسیر روح البیان، ج۲، ص ۱۳۹، دار النشر/دار إحياء التراث العربی)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

وصول الی اللہ کے دو راستے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ تک پہنچنے کے دو راستے ہیں، جذبہ اور سلوک۔

جذبہ

اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم سے سیر عروجی کے ذریعے قُربِ الٰہی کے مراتب طے کرنے اور لطائف کے عالمِ اَمر کی طرف اور عالمِ اَمر سے عالمِ وجوب کی طرف متوجہ رہنے کا نام جذبہ ہے۔

سلوک

ذکر و عبادت، توبہ وانابت اور مجاہدہ وریاضت کے ذریعے قرب ووصل کی منزلیں طے کرنے کو سلوک کہتے ہیں۔

آیت کریمہ: اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ (الشوریٰ ۱۳) میں اسی مفہوم کی طرف دلالت موجود ہے۔ اجتباء میں جذبے کی طرف اشارہ ہے اور اھتداء میں سلوک کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

تصفیہ و تزکیہ

جذبہ سے تصفیہ حاصل ہوتا ہے اور سلوک سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔ تصفیہ عالمِ اَمر سے عالمِ وجوب کی طرف توجہ کا نام ہے اور تزکیہ عالمِ خلق سے عالمِ وجوب کی طرف توجہ اور عالمِ وجوب کی تجلیات سے مزین ہونے اور رذائل سے پاک ہونے کا نام ہے۔

جذبہ کی دو قسمیں ہیں:

جذبۂ بدایت جذبۂ نہایت

جذبۂ بدایت

جذبۂ بدایت کا دوسرا نام اندراج النہایت فی البدایت ہے جو سلسلہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے اور سالک کے مقامِ قلب یعنی فنا تک پہنچنے کے لئے معاون ثابت ہوتا ہے۔

جذبۂ نہایت

جب سالک اپنے اسمِ مربی اور مبداء فیض تک باریابی حاصل کرلیتا ہے تو نفس مزکی ہوکر نزول کرتا ہے جبکہ روح عروج کرتی ہے۔ وہ جذبہ جو روح کو نزولِ نفس کے بعد عروج دیتا ہے جذبۂ نہایت کہلاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جذبۂ نہایت روح کا خاصہ ہے جبکہ جذبۂ بدایت نفس اور روح وغیرہا تمام لطائف کو اجتماعی طور پر عروج میں مدد دیتا ہے۔ جذبۂ نہایت سلوک طے کرلینے کے بعد ملتا ہے جو سب سلاسلِ طریقت کا مشترک خاصہ ہے۔

بینہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ نقشبندی سلسلہ میں سالک کو سلوک طے کرنے سے پیشتر جو جذبہ (جذبۂ بدایت) دیا جاتا ہے وہ جذبہ حقیقتاً جذبہ نہیں بلکہ صورتاً جذبہ ہے اور یہ اصل مقاصد میں سے نہیں۔ حقیقی جذبہ جو اصل مقاصد میں سے ہے وہ جذبۂ نہایت ہی ہے جو کہ تمام سلاسلِ طریقت میں سلوک طے کرلینے کے بعد سیر فی اللہ میں عطا کیا جاتا ہے۔

سیر فی اللہ

یہ **سیورِ اربعہ** میں سے دوسری سیر ہے جہاں سالک مقامِ فنا کی تکمیل کے بعد مقامِ بقا حاصل کرتا ہے اور اس کی ولایت کو ولایتِ کبریٰ کہتے ہیں۔(**واللہ اعلم بالصواب**)

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۴۹ تا ۳۵۱)

مکتوب نمبر ۶۳

[یہ مکتوب سیادت و بزرگی کے مالک شیخ فرید کی خدمت میں صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ تمام انبیاء کرام صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ علیہم اصولِ دین میں متفق ہیں، ان بزرگوں کا آپس میں اختلاف صرف فروع میں ہے۔ اور ان کے کچھ متفقہ کلمات کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تم سب کو آپ کے آباء کرام کے طریقہ پر ثابت رکھے۔ آپ کے آباءِ کرام میں سب سے افضل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اصالۃً اور باقی پر ماتحت ہونے کے طور پر صلوٰۃ وسلام کا نزول ہوتا رہے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (ان سب پر عموماً اور ان سب سے افضل پر خصوصاً اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتی اور تحفے اور برکتیں نازل ہوتی رہیں) کائنات کے لئے رحمت ہیں۔ ان ہی بزرگوں کے ذریعہ جہان کو نجاتِ اَبدی کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور غیرِ حق سے گرفتاری سے خلاصی حاصل ہوئی ہے۔ اگر ان کا وجود شریف نہ ہوتا تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جو غنی مطلق ہے اپنی ذات اور صفاتِ تعالیٰ وتقدس سے واقف نہ کرتا، اور اپنے تک راستہ نہ دکھاتا۔ اور کوئی بھی اس ذات کو نہ پہچان سکتا۔ اور شرع شریف کے اَوامر ونواہی جن کا اس نے محض اپنے فضل وکرم اور بندوں کے نفع کے لئے مکلف کیا ہے، مکلف نہ کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ باتیں غیر پسندیدہ سے ممتاز اور جدا نہ ہوتیں۔

تو اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا ہو سکتا ہے اور کس کی مجال ہے کہ شکر کی اس ذمہ داری سے عہدہ بر آہو سکے۔ اس ذات کی حمد وثنا جس نے ہمیں اپنے انعامات سے نوازا اور اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ اور ہمیں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والوں میں سے کیا۔

یہ سب بزرگ احوالِ دین میں متفق ہیں اور حق تعالیٰ وتقدس کی ذات وصفات، حشر ونشر، انبیاء کے بھیجنے، نزول ملائکہ، وحی کے وارد ہونے اور جنت کی نعمتیں اور دوزخ کے دائمی اور اَبدی عذاب کے بارے میں ایک ہی بات کہتے ہیں۔ ان کا آپس میں بعض احکام میں اختلاف فروع سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر زمانے میں ہر اولوالعزم پیغمبر پر اس زمانے کے لوگوں کے لئے بعض مناسب احکام نازل فرمائے اور مخصوص احکام سے مکلف کیا۔ احکامِ شرعیہ میں نسخ وتبدیلی حق تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی صاحبِ شریعت نبی پر مختلف اوقات میں متضاد احکام نسخ وتبدیلی کے طور پر وارد ونازل ہوتے ہیں۔

جن بعض کلمات میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہ بزرگ گروہ متفق ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

غیرِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت کی نفی۔ اس ذات تعالیٰ وتقدس کے ساتھ شرک کی ممانعت اور مخلوق کے لئے حق تعالیٰ کی ذات پاک کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب اور الٰہ بنالینے کا عدم جواز۔

یہ حکم اور یہ تعلیم انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیروکاروں کے علاوہ کوئی بھی اس دولت ونعمت سے مشرف نہیں ہوا، اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی نے بھی ایسی گفتگو نہیں فرمائی۔

منکرینِ نبوت اگرچہ خدا تعالیٰ کو ایک کہتے ہیں مگر ان کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اہلِ اسلام کی تقلید کے طور پر ایسا کہتے ہیں، اور یا واجب الوجود ہونے میں تو اس کو ایک تسلیم کرتے ہیں مگر استحقاقِ عبادت میں وحدہٗ لاشریک نہیں مانتے۔ اور اہلِ اسلام کے نزدیک اللہ تعالیٰ وجوبِ وجود اور

استحقاقِ عبادت دونوں میں وحدہٗ لا شریک ہے۔ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ سے مراد باطل الٰہوں کی عبادت کی نفی اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی معبودیت کا اثبات ہے۔

دوسری بات جو ان بزرگوں کے ساتھ خاص ہے، یہ ہے کہ یہ حضرات دوسرے لوگوں کی طرح اپنے آپ کو بشر کہتے ہیں۔ الٰہ اور معبود حق سبحانہٗ کی ذات کو ہی مانتے ہیں اور ذات کی طرف ہی دعوت دیتے ہیں۔ اور اس ذات سبحانہٗ کو حلول واتحاد سے منزہ جانتے ہیں۔

لیکن منکرین نبوت کی یہ حالت نہیں۔ بلکہ منکرین کے سرداروں نے تو الوہیت اور خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ حق سبحانہٗ کا اپنے اندر حلول مانتے ہیں اور استحقاقِ عبادت اور الوہیت کا نام اپنے آپ پر استعمال کرنے سے پرہیز نہیں کرتے۔ تو لا محالہ اس وجہ سے انہوں نے اس کی بندگی سے پاؤں باہر نکال لئے ہیں، اور برے افعال اور قبیح اعمال میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اس طرح ان پر اباحتِ اشیاء کا راستہ کھل جاتا ہے اور گمان کر لیتے ہیں کہ ان خداؤں کے لئے کوئی چیز ممنوع نہیں۔ یہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں سب درست اور مباح ہے۔ تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ تو افسوس ہے ان پر اور ان کے متبعین اور ان کے پیروکاروں پر۔]

تشریح

یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے چند بے بنیاد عقائد کا ذکر فرمایا ہے۔ ان میں سرِ فہرست نبوت ورسالت کا انکار ہے جو کہ سراسر کفر وبد بختی والا عقیدہ ہے۔ ان منکرینِ نبوت میں یہود ونصاریٰ کا ذکر ہے جو اپنے آپ کو حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار کہتے ہیں لیکن ان کو ماننے میں غلط عقائد کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہیں۔ یہود نے حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک کا بیٹا کہا ہے جو کہ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ کے

قرآنی عقیدے کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مختلف گروہ ہیں۔ ان میں سے ایک وہ گمراہ فرقہ ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا بیٹا اور حضرت بی بی مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام کو (نعوذ باللہ من ذالک) اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بیوی کہا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ
(التوبة ۳۰)

ترجمہ: اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور نصرانی بولے مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں۔

عیسائیوں کا دوسرا وہ گروہ ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عین خدا ہونے کا یقین کیا ہے۔ یہ عقیدہ بھی بلاشبہ کفر والحاد ہے۔ دوسرے نمبر پر وہ بے بنیاد عقیدہ ہے جس کے مطابق اللہ وحدہٗ نے مذکورہ بالا انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں حلول کیا ہے۔ یہی عقیدہ ہندوؤں کا ہے جو کہتے ہیں کہ ہمارے (پتھر) کے بُت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حلول کیا ہوا ہے۔ اور اسلام کی تعلیمات وتصوف کے اصولوں سے ناواقف بعض جاہل صوفیوں نے بھی اس عقیدے کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے پیروں میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حلول کیا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) ایسے فرقوں کو حلولیہ فرقہ کہا جاتا ہے اور ان کا شمار اُن ۷۲ گمراہ فرقوں میں ہوتا ہے جنہیں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جہنمی فرمایا ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے جو عقائد بیان فرمائے ہیں وہ نہایت واضح اور شریعتِ حقہ کے دلائل سے ثابت ہیں اس لئے اس مکتوب کی زیادہ شرح کی چنداں حاجت نہیں تاہم نمونہ کے طور پر اس مکتوب گرامی سے چند باتوں کی شرح درج ذیل ہے:

۱۔ ضرورت نبوت ۲۔ اصولِ دین ۳۔ انبیاء کے متفقہ کلمات

ضرورتِ نبوت

تخلیقِ انسانی کا مقصدِ وحید اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے مگر معبود و عبد کے درمیان عدمِ مناسبت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو وسیلہ بنایا جو ظاہری طور پر مخلوق میں شامل رہتے تھے اور باطنی طور پر حق تعالیٰ سے واصل رہتے تھے اور خالق و مخلق کے درمیان بطور رابطہ کا کام سرانجام دیتے رہے۔ مزید بر آں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کا تعارف بھی ان ہی حضرات کے ذریعے کروایا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو "لَوْ لَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِیَّةَ" کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور کُتبِ سماویہ اور احکام شرعیہ کی تشریح و تبلیغ کے لئے ان ہی حضرات کو منتخب فرمایا۔ نیز ان ہی نفوسِ قدسیہ کے طفیل ان کی امتوں کو عذابِ جہنم سے دائمی نجات بخشی اور ماسویٰ اللہ کی گرفتاری سے آزادی عطا فرمائی۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ جن لوگوں نے بھی وسیلۂ نبوت کے بغیر خالق کی تلاش کی وہ مظاہر پرستی کا شکار ہو گئے (جیسے مختلف قومیں نبوت کا دامن چھوڑ کر اصنام پرستی، کواکب پرستی اور گوسالہ پرستی وغیرہا میں مبتلا ہو گئیں) نیز جس طرح خارجی وداخلی اُمور و معانی کا ادراک حواسِ خمسہ اور عقل کے بغیر مشکل ہے اسی طرح امورِ غیبیہ کا ادراک، واسطۂ نبوت کے بغیر ناممکن ہے۔ حشر و نشر، جنت

وجہنم، حساب وکتاب اور دیگر امورِ غیبیہ بلکہ خود ذاتِ باری تعالیٰ (جو غیب الغیب ہے) کا علم بھی وسیلۂ نبوت کے بغیر محال ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ (الإخلاص ۱) سے ظاہر ہے۔

اصولِ دین

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ جملہ انبیاء کرام ورسل عظام علیہم السلام اصولِ دینیہ (ذات وصفاتِ باری تعالیٰ، نبیوں اور رسولوں کی بعثت، ملائکہ کا نزول، وحی کے وارد ہونے، جنت کی نعمتوں اور عذابِ جہنم کے دائمی ہونے) میں متفق تھے، جیسا کہ آیت کریمہ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ (النساء۱۶۳) سے واضح ہے۔ ہاں بعض فروعی احکام میں باہم مختلف تھے تاکہ ان کی اُمتوں کے لئے معاشرتی حالات اور جغرافیائی تقاضوں کے مطابق دینِ فطرت کو قبول کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا آسان رہے۔

بینہ نمبر۱

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں جو نسخ واقع ہوتا رہا وہ بعض حکمتوں پر مبنی تھا اسی طرح قرآن پاک جو ہر قسم کے تضاد وتعارض سے پاک ہے میں بھی بعض احکام کا نسخ یا تبدیلی یا کسی حکم کا ایک خاص وقت کے لئے نازل فرمانا اللہ تعالیٰ کی خاص حکمتوں پر مبنی تھا جب وہ مدت پوری ہوگئی تو اس نے اس مدتِ عمل کے اختتام کو بیان فرمادیا۔ اسی کو نسخ کہتے ہیں، اس سے کسی حکم کے ناقص ہونے یا شارع کی لاعلمی کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ کے علم وحکمت کا کمال ثابت ہوتا ہے۔

بینہ نمبر ۲

جس طرح "امورِ تکوینیہ" میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اسی طرح "امورِ تشریعیہ" میں بھی تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ جس طرح "احکام تکوینیہ" کے تغیر و تبدل پر کسی کو مجالِ اعتراض وانکار نہیں ایسے ہی احکامِ شرعیہ میں حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی مصلحت و حکمت کے پیش نظر اگر کسی حکم کے منسوخ یا تبدیل ہونے کا حکم سنادیں تو اس میں بھی کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے۔
(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۵۵ تا ۳۵۷)

[دوسری بات جس پر انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات متفق ہیں اور ان کے منکرین اس سے بے نصیب ہیں، یہ ہے کہ یہ بزرگ گروہ نزولِ ملائکہ کا جو معصومِ مطلق ہیں اور کچھ تعلق اور آلودگی نہیں رکھتے قائل ہے، اور وحی کے اَمین اور کلامِ ربانی کے حامل ہیں پس یہ بزرگ گروہ جو کچھ کہتا ہے حق تعالیٰ وتقدس کی طرف سے کہتا ہے۔ اور جو کچھ پہنچاتا ہے خدا کی طرف سے پہنچاتا ہے اور ان کے اجتہادی احکام بھی وحی سے موید ہیں۔ اگر بالفرض ان سے کچھ لغزش ہو جائے، تو خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ فوراً وحی قطعی سے اس کا تدارک کر دیتا ہے۔]

تشریح

فرشتوں پر ایمان لانا اہم عقائد میں سے ہے اور یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یہ مخلوق گناہوں کی آلودگی سے پاک ہے اور سہو و غلطی کو ان کی طرف راہ نہیں۔ نیز حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اَمین فرشتے ہیں اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی ان کے توسل سے نازل ہوئی ہے۔ گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ وحی لانے میں حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلطی کی ہے اور جن ہستیوں کی طرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے

ان کو وحی دے کر بھیجا ہے وہ وحی حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امانت کے طور پر وحی کے حق دار کی بجائے کسی اور پر نازل کر دی۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

[اور منکرین کے سردار اور رئیس جو اپنے لئے دعویٰ خدائی کئے ہوئے ہیں، جو کچھ کہتے ہیں اپنے پاس سے کہتے ہیں۔ اور اپنے زعم الوہیت کی بنا پر اسی کو ٹھیک اور درست قرار دیتے ہیں۔ تو انصاف سے کام لینا چاہیئے کہ جو شخص کمالِ بے عقلی کے باعث اپنے آپ کو اِلٰہ کہے اور مستحقِ عبادت جانے۔ اور اس فاسد اور غلط گمان کے تحت ناشائستہ افعال کا ارتکاب کرے، اس کی باتوں کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور اس کی اتباع اور پیروی پر کون سی بھلائی موقوف ہو سکتی ہے؟

سالیکہ نکوست از بہارش پیداست

ترجمہ: سال کی خوبی اس کے موسم بہار کے دَم قدم سے ہے۔

اس قسم کی باتوں کا اظہار مزید وضاحت کے لئے ہے۔ ورنہ حق باطل سے بالکل جدا اور ممتاز ہے۔ اور نور ظلمت کے مقابلے میں بالکل نمایاں ہے:

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (الإسراء ۸۱)

ترجمہ: اور فرماؤ کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

اے اللہ! ہم کو ان اکابر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر ثابت قدم رکھ۔ بقیۃ المقصود یہ بات ہے کہ سیادت پناہ میاں پیر کمال کو آپ بہتر جانتے ہیں۔ اس بارے میں کچھ لکھنے کی کیا حاجت ہے۔ اتنی بات ہے کہ یہ حقیر ان کی آشنائی سے کچھ عرصہ سے محفوظ ہے۔ مدت کی بات ہے کہ انہوں نے آستانہ بوسی کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ لیکن اس دوران ان پر ضعف طاری ہو گیا اور ایک

عرصہ تک صاحبِ فراش رہے ہیں۔ فراغت وصحت کے بعد آپ کی خدمت میں حاضری کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ آپ کی مہربانی کے اُمیدوار ہیں۔]

تشریح

مشائخِ کبار کی یہ سُنت رہی ہے کہ وہ سلوک کی منازل طے کر لینے والے مُخلص مُریدین کو باذن اللہ خلافت عنایت کر دیتے ہیں تا کہ خرقہ ٔخلافت پالینے والے خلفاء اپنے شیخ کے تصوف وسلوک کے کام کو جاری رکھیں اور مخلوقِ خدا کو دین کی دعوت دینے کا اہتمام کریں۔ نیز منازلِ سلوک وجذبہ کی تکمیل میں روحانی بھائیوں کی مدد کریں اور وہ فیوض وبرکات جو اُن کے شیخ کے توسل سے ان کے سینوں میں منتقل ہوئے ہیں، ان سے تشنگانِ طریقت کو سیراب کریں۔ پس اس بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ محض دنیاداری اور دکھلاوے کے لئے یا مریدین کو خوش رکھنے کے لئے خلافت ناموں کا ایک اجرا نہ صرف تصوف کے قوانین کے خلاف ہے بلکہ امانت کو ادا کرنے میں خیانت بھی ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا (النساء ۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کرو۔

پس یہ ضروری ہوا کہ ایک کامل شیخ اپنے مریدین میں سے خلافت کی امانت باذن اللہ اُن مریدوں کے ہی حوالے کرے جو اس کے لوازمات کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اور اُمورِ دینی میں اخلاص کے حامل ہوں، نیز شریعتِ حقہٗ کے بنیادی فقہی علوم سے واقف ہوں۔ اگر شیخ اس بات کا خیال رکھے بغیر کسی کو خلافت عطا کرے گا تو یہ امانت میں خیانت ہو گی۔

اس مکتوب کے آخر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو مُرید دنیاوی رکاوٹوں کی وجہ سے اپنے شیخ کی صحبت میں نہ جا سکیں اُنہیں چاہیئے کہ وہ اپنے مُرشد کے خلفاء کے ساتھ ربط رکھیں اور ان کی محافل سے استفادہ حاصل کرتے رہیں۔ مُریدین کا خلفاء کی مجلس میں حاضر رہنا بھی مفید ثابت ہوتا ہے اور نسبت کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔ نیز خلفاء کو چاہیئے کہ وہ آنے والے پیر بھائیوں اور دیگر دوستوں کو دینی مسائل سکھائیں۔ نیک اعمال وافعال کی طرف اُن کی رہنمائی کریں اور اُن کے لطائف پر توجہات دیں تاکہ جو فریضہ اُن کو سپرد ہوا ہے اس کی بجا آوری ہوتی رہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی خوشنودی اور اتباعِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دولت نصیب ہو۔

(دارالمعــــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر سطور میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے تین متفقہ کلمات بیان فرمائے ہیں:

۱۔ توحیدِ باری تعالیٰ ۲۔ انبیاء کرام کی بشریتِ طاہرہ ۳۔ معصومیتِ ملائکہ

توحیدِ باری تعالیٰ

انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی امتوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے "وحدہٗ لاشریک" ہونے اور غیر اللہ کی عبادت کے عدم استحقاق کا بنیادی نظریہ پیش فرمایا اور اس عقیدہ کا اعلان بھی ان ہی حضرات کے ساتھ مخصوص رہا، جیسا کہ آیتِ کریمہ: قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا (آل عمران ۶۴) سے واضح ہے ان کے بعد ان کے

متبعین بھی اسی عقیدہ کا پرچار کرتے رہے جبکہ منکرینِ نبوت اگر حق تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل ہوئے یاتو محض مسلمانوں کی دیکھا دیکھی یا پھر حق تعالیٰ سبحانہٗ کی وحدانیت کو تو مانتے رہے مگر غیر اللہ کو بھی عبادت کا حق دار سمجھتے رہے ہیں۔ جبکہ مسلمان حق تعالیٰ کو وحدہٗ لا شریک بھی مانتے ہیں اور اسے ہی مستحقِ عبادت جانتے ہیں اور کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے اقرار و تکرار سے اپنے عقیدۂ توحید کا اظہار واعلان کرتے ہیں۔

انبیائے کرام کی بشریتِ مطہرہ

حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رشد وہدایت کے لئے جملہ انبیائے کرام کو صورتِ بشری میں مبعوث فرمایاجیسا کہ آیتِ کریمہ: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ (النحل ۴۳) میں اسی حقیقت کا بیان ہے اور آیت کریمہ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ (الکھف ۱۱۰) بھی اسی مفہوم کی غماز ہے تاکہ فیوض وبرکات کے افادہ اور استفادہ میں آسانی رہے جبکہ فرشتوں کی نورانیت ولطافت اور انسانوں کی بشریت و کثافت اور باہمی عدمِ مناسبت کی وجہ سے اخذِ فیض مشکل امر تھا اس لئے کسی بھی فرشتے کو منصبِ نبوت عطا نہیں فرمایا گیا۔

رسول کی تعریف میں علمائے عقائد نے یوں تصریح فرمائی ہے:

اَلرَّسُوْلُ اِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَى الْخَلْقِ لِتَبْلِيْغِ الْاَحْكَامِ۔

ترجمہ: یعنی رسول اس عظیم انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ تبلیغِ احکام کے لئے خلق کی طرف مبعوث فرماتا ہے۔[714]

---

[714] (شرح عقائد نسفی، ص ۱۴)

بینہ نمبر ۳

نبی اور رسول میں فرق یہ ہے کہ رسول صاحبِ کتاب و شریعت ہوتا ہے جبکہ نبی کے لئے یہ ضروری نہیں۔

بینہ نمبر ۴

واضح رہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بشریتِ مقدسہ کا انکار جائز نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ نصِ قطعی سے ثابت ہے اور آپ کی نورانیت کا مسئلہ دلائلِ ظنیہ سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بشریت بھی بے مثل تھی اور نورانیت بھی بے مثل۔ اہلِ اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف قابلِ افسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کو حق پر استقامت عطا فرمائے۔

معصومیتِ ملائکہ

فرشتے اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق اور معزز بندے ہیں جو گناہوں سے مطلق معصوم اور خطا ونسیان سے محفوظ ہیں۔ ان کی معصومیت کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہ کرنے والے اسباب وعوارض سے قطعاً پاک پیدا فرمایا ہے وہ گناہ کرسکتے ہی نہیں۔ وہ خدائی حکم کی تعمیل کے لئے ہمہ وقت تیار اور جذبۂ اطاعت سے سرشار رہتے ہیں جیسا کہ آیتِ کریمہ لَا یَعْصُونَ اللّٰہَ مَا أَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُونَ مَا یُؤْمَرُونَ (التحریم ٦) سے عیاں ہے۔ نفسانی خواہشات خورد ونوش وغیرہا سے مبرا اور تذکیر وتانیث سے منزہ ہیں۔ دنیا میں احکامِ الٰہیہ کی تنفیذ اور امورِ مختلفہ کی تدبیر پر مامور ہیں، فرشتے وحیٔ الٰہی کے امین اور کلامِ ربانی کے حاملین ہیں۔

مَلک کی تعریف میں علمائے کرام نے یوں تصریح فرمائی ہے:

هُوَ جِسْمٌ لَطِيْفٌ نُوْرَانِيٌّ يَتَشَكَّلُ بِاَشْكَالٍ مُخْتَلِفَةٍ سِوَى الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيْرِ لَا يُذَكِّرُ وَلَا يُؤَنِّثُ۔

یعنی فرشتہ وہ لطیف نورانی جسم ہے جو کتے اور خنزیر کے علاوہ ہر شکل وصورت میں متشکل ہو سکتا ہے نہ وہ مذکر ہے نہ مؤنث۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۵۸ تا ۳۶۰)

مہتدی ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جاننا چاہیئے کہ ایمان کی شرطیں وہ ہیں جو حضور اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بیان فرمائی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان

(۲) اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان

(۳) اس کی کتابوں پر ایمان

(۴) اس کے رسولوں پر ایمان

(۵) آخرت پر ایمان

(۶) خیر وشر کی تقدیر من اللہ پر ایمان (یہ ایمان لانا کہ اچھا برا اللہ کی تقدیر سے ہے)

(۷) موت کے بعد اٹھنے پر ایمان

اصل ایمان اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے اور اس کا وصف اور حکم ہم بیان کر چکے ہیں، پھر فرشتوں پر ایمان لانا ہے۔

تو اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق ہیں اور کفر سے معصوم، پاک، صاف، اور فرماں بردار واطاعت کیش ہیں۔

ابلیس جن تھا یا فرشتہ

سوال: اگر کہا جائے کہ ابلیس نے کفر کیا حالانکہ وہ فرشتوں میں سے تھا؟ پھر معصوم کیونکر ہوئے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اس میں فرشتوں کے اوصاف در آئے تھے اور عبادت کے ذریعے وہ فرشتوں کے مرتبہ پر فائز تھا لیکن در حقیقت وہ فرشتہ نہ تھا۔

ابلیس فرشتہ نہیں تھا

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِلَّآ إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ (الكهف ۵۰)

سو ابلیس کہ قومِ جن سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا۔

یعنی ابلیس جنوں میں سے تھا، اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ شہوت سے پیدا ہوا اور اس پر شہوت سوار ہو گئی تو ثابت ہوا کہ اصل خلقت میں فرشتوں میں سے نہ تھا، برائے نام فرشتہ ہونے سے فرشتوں میں شمار ہوا۔

ہاروت وماروت فرشتے تھے یا آدمی؟

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ ہاروت وماروت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

جواب: ہم نے کہا: ان کے متعلق لوگوں کا اختلاف ہے۔

بعض نے کہا: یہ دو بادشاہ تھے (مَلِكَيْنِ لام کی زیر کے ساتھ پڑھیں تو) اور صحیح یہ ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے (یعنی مَلَكَيْنِ کے لام پر زبر پڑھو تو) اور اس پر ہمارا اجماع ہے کہ ان سے کفر کا صدور نہیں ہوا اور ان کے حال کی کیفیت نص میں مذکور نہیں اور نہ ان کے دین کا حال معلوم اور

جب نص میں ان کا حال اور دین مذکور نہیں تو ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ پھر یہ کہ ان کا عمل کبیرہ گناہ بھی نہیں، اس لئے کہ ان پر عقوبت واجب نہیں کیونکہ عقوبت آخرت میں واجب ہوتی ہے اور انہیں آخرت میں عذاب نہیں ہو گا اور دنیا میں عذاب کبھی بطور جزا ہوتا ہے اور کبھی بطور معاتبت ہوتا ہے اور علی وجہ المعاتبۃ جائز ہے جیسے انبیاء کرام علیہم السلام سے اگر لغزش وسہو واقع ہو تو ان کو سختی اور مشقت پہنچتی ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام پر عتاب جائز ہے؟

اور ان پر عتاب جائز ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام پر عتاب ہوا کہ بے ہوش کر دیئے گئے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا (الاعراف ۱۴۳)

"اور موسیٰ گرا بے ہوش۔"

پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

سُبۡحَانَکَ تُبۡتُ إِلَیۡکَ وَأَنَاأَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِینَ (الاعراف ۱۴۳)

پاکی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

فرشتوں پر عتاب ہو سکتا ہے

اور ایسے ہی اگر فرشتوں سے کوئی لغزش ہو تو ان پر عتاب ہو سکتا ہے۔ (انبیائے کرام علیہم السلام صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں، ایسے ہی ملائکہ معصوم ہیں۔ لغزش، ذہول اور بھول سے معصیت (گناہ) نہیں۔)

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (ہاروت وماروت) کے بارے میں خبر دی:

إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ۔ (البقرۃ ۱۰۲)

ہم تو نری آزمائش ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو تو ان سے سیکھتے وہ جس سے جُدائی ڈالیں مرد اور اس کی عورت میں اور اس سے ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر خدا کے حکم سے اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا نفع نہ دے گا۔

ظاہر سی بات ہے کہ ضرر رسانی (نقصان پہنچانا) حرام ہے اور کفر کا ذریعہ و سبب بننا بھی حرام ہے۔

جواب: ان آیات کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں فرشتے (ہاروت وماروت) لوگوں کو ڈراتے ہیں، وعظ کرتے ہیں کہ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ (البقرۃ ۱۰۲) اور پھر یہ کہ لوگ ان سے جادو کو سمجھنے کی حد، علم سِحر سیکھتے ہیں۔

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ کچھ جادو سیکھنا حلال و جائز ہے، لیکن اس پر عمل کرنا حرام ہے اور یہ دونوں (ہاروت وماروت) لوگوں کو اس پر عمل کرنے سے روکتے اور ڈراتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ جادو کو حلال جاننا باعث فتنہ اور نقصان ہے اور سبب کفر ہے اور مخلوق کا ان سے سیکھنا تو یہ کفر تعلّم سے حاصل ہوا نہ کہ تعلیم سے، لہٰذا اعتراض لازم نہیں آتا۔

بعض فرشتے رسول ہیں

فرشتوں میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوتے ہیں جیسے کہ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام مخلوق کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ پیغمبر ہیں اور تمام ملائکہ بنوت و رسالت کے درجے پر ہوتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَوَفَّتهُ رُسُلُنَا (الانعام ٦١)

ہمارے رسل (فرشتے) اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بِاَيۡدِیۡ سَفَرَةٍ (١٥) كِرَامٍ بَرَرَةٍ (عبس ١٦)

"ایسوں کے ہاتھ لکھے ہوئے جو کرم والے نکوئی والے۔"

لَّا يَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ (التحریم ٦)

"جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے"۔

دوسری بات یہ ہے کہ تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا (فاطر ١)

"فرشتوں کو رسول کرنے والا"۔

اور رسولانِ کرام اللہ تعالیٰ کے امین اور سفیر ہوتے ہیں اور وہ نبوت کے مرتبے پر فائز ہیں۔ اس لئے کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے ہیں اور جسے جبرائیل علیہ السلام کی زبان سے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچے وہ نبی اور رسول ہوتا ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ ان سے بغض رکھنا اورانہیں گالی دینا، سبّ وشتم کرنا جائز نہیں ہے اور جس شخص نے کسی فرشتے کو گالی دی یااس سے بغض رکھاتووہ کافرہو گیاجیساکہ نبیوں سے بغض رکھنے والا یاانہیں سبّ وشتم کرنے والا کافرہو جاتاہے۔

اورجو کسی نبی یافرشتے کاحقارت کے ساتھ گھٹیاانداز میں ذکر کرتاہے،وہ کافرہے۔

اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کاقول ہے:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ (۹۸)

”جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کاتو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔“

عن علي بن أبي طالب: مَن سَبَّ نبيًّا فاقتُلوه ومَن سَبَّ أصحابي فاجلِدوه۔ [715]

اور نبی مکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نبی (علیہ السلام) کو گالی دی ہو اسے قتل کر دیاجائے اورجو نبی (علیہ السلام) کے صحابہ کو گالی بکتاہو اس پر حد جاری کی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ (الحج ۷۵)

”اللہ چن لیتاہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔“

اس کی تحقیق یہ ہے کہ فرشتوں پر ایمان لاناایسے ہی واجب ہے جس طرح نبیوں پر اوراللہ تعالیٰ کی کتابوں پر تو ضروری ہوا کہ فرشتے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے مرتبہ میں ہوں۔

---

715 (ابن القيم (ت ٧٥١)، أحكام أهل الذمة ٣/١٤٥٥ •أخرجه الطبراني في «المعجم الصغير» (٦٥٩)، والديلمي في «الفردوس» (٥٦٨٨)، وابن عساكر في «تاريخ دمشق» (٥٦٨٨))

مکتوب نمبر ٦٤

[سرداری اور بزرگی کی پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

جسمانی اور روحانی لذت اور جسمانی آلام و مصائب برداشت کرنے کی ترغیب اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تمہیں بحرمۃ سید ثقلین علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات دارین میں سلامتی اور عافیت نصیب فرمائے۔

دُنیا کی لذت اور اس کا اَلَم دو قسم ہے: روحانی اور جسمانی۔ ہر وہ چیز جس میں جسم کے لئے لذت ہے، روح کے لئے اس میں تکلیف ہے۔ اور جس سے بدن کو تکلیف پہنچے روح کو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ روح اور جسم ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ اور اس جہان میں کہ روح جسم کے مقام میں نزول کر چکا ہے، اور جسم، جسمانیت کا گرفتار ہو چکا ہے، جسم کے حکم میں ہو چکا ہے۔ جسم کی لذت سے یہ بھی لذت اُٹھاتا ہے اور جسم کو تکلیف پہنچنے سے اس کو بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ یہ مرتبہ عَوَام کَالْاَنْعَام کا ہے۔ آیت کریمہ:

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (التین ٥)

ترجمہ: پھر اسے ہر نیچی سے نیچی سی حالت کی طرف پھیر دیا۔

ان ہی عوام کے حال پر صادق آتی ہے۔]

تشریح

اجمالی طور پر انسان دو اجزاء سے مرکب ہے:

۱۔ روح ۲۔ جسدِ عنصری

روح عالمِ بالا سے ہے اور پاک و مصفّٰی اور لطیف چیز ہے۔ جو جسم کے بغیر بھی زندہ رہ سکتی ہے۔ تاہم جسم کے اندر آنے کے بعد اس کی صفاتِ رذیلہ سے مغلوب ہو کر اُسی کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ (الا ماشاءاللہ)

جبکہ جسدِ عنصری کثیف اجزاء کا مرکب ہے اور روح کے بغیر اس کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ جسم اپنی ظاہری و باطنی نجاستوں کی وجہ سے خود بھی نجس ہو جاتا ہے اور روح کو بھی گندا کر دیتا ہے لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے مُقربین کے ظاہر و باطن اور ان کی ارواح کو نجاستوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

روح و جسم کے فطری تضاد کی وجہ سے ان کی عادات واطوار میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔ جسم احکاماتِ خداوندی کی تعمیل میں تھکاوٹ محسوس کرتا ہے جبکہ روح کو ان سے راحت و سکون ملتا ہے۔ ایسے ہی جسم جن غیر شرعی اُمور سے سکون حاصل کرتا ہے، وہی اُمور رُوح کی تکلیف کا سبب بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی نیک سیرت مسلمان سے کوئی غیر شرعی کام سرزد ہو جائے تو وہ اپنی روح کو پہنچنے والی اذیت کی وجہ سے ندامت و شرمندگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ لیکن یہ تضاد اس وقت تک رہتا ہے جب تک روح جسم کے اخلاق بد کا رنگ اختیار نہ کر لے۔ اور جب ایک ہی رنگ میں دونوں رنگے جائیں تو پھر روح کی قبیح افعال سے پہنچنے والی کوفت و تکلیف محسوس کرنے کی حِس ختم ہو جاتی ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ارشاد فرمارہے ہیں کہ عالمِ ارواح کی عالمِ اجسام سے قبل آفرینش ہوئی تھی دراصل یہاں آپ ایک روایت کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے روح کو عالم اجسام سے چار لاکھ سال قبل تخلیق فرمایا تو وہ عالمِ قدس کی طرف متوجہ ہوئی مگر عالمِ قدس تک رسائی کو مجاہدہ وریاضت کے ساتھ مربوط کر دیا گیا، لیکن امورِ مجاہدہ جسم کے بغیر ممکن نہ تھے، لہٰذا روح کو جسمِ انسانی میں اُتار کر مجاہدۂ نفس پر مامور کر دیا۔ سعادت مند ارواح مجاہدہ وریاضت اور اطاعت وعبادت سے مشرف ہوئیں تو اسے جسمانی وروحانی عالم میں روحانی ارتقاء اور مقامِ حقیقت ومعرفت تک وصل فرما کر ممتاز کر دیا گیا، مشائخِ طریقت کے نزدیک اسے فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خاک شو خاک تا بر دید گل
کہ بجز خاک نیست مظہر گل

لیکن پست فطرت، دون ہمت ارواح نفسانی خواہشات اور جسمانی علائق سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکیں۔ اس لئے وہ لذتِ فنا، نعمتِ مجاہدہ اور روحانی ارتقاء سے محروم ہو گئیں اور اپنے وطنِ اصلی کو بھول گئیں۔

حضرت شاہ شرف الدین قلندر قدس سرہٗ اس قسم کی ارواح کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

چند باشی از مقامِ خود جدا　　　چند گردی در بدر اے بے حیا

لذت والم کی اقسام

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے لذت واَلم کی دو دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

لذت کی دو اقسام ہیں:

۱۔ لذتِ جسمانی ۲۔ لذتِ روحانی

۱۔ لذتِ جسمانی

جب جسم عیش وآرام، راحت وچین اور طُغیان وعصیان میں سرگرداں رہے تو اس قسم کے باطنی امراض سے پاک روح کو تکلیف ہوتی ہے جو اس کے عالمِ قدس کی طرف سیر وطیر میں مانع ہوتی ہیں۔

۲۔ لذتِ روحانی

جب روح البشری کدورتوں اور نفسانی شرارتوں سے چھٹکارا حاصل کرلے تو جسمانی تکلیف سے روح لذت گیر ہوتی ہے، کیونکہ روح اور جسم ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ کشفِ صحیح سے معلوم ہوا ہے کہ دنیوی آلام ونوائب اور جسمانی تکالیف ومصائب روحانی ارتقاء اور باطنی نشوونما کا ذریعہ ہیں۔ حادثاتِ زمانہ کڑوی دوا کی مانند ہیں جو بظاہر تلخ مگر حقیقت میں نفع بخش ہیں۔

الم کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ المِ جسمانی ۲۔ المِ روحانی

المِ جسمانی

احکامِ الٰہیہ جل سلطانہٗ کی تعمیل اور سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی متابعت سے نفسانی خواہشات کمزور اور ماند پڑنے سے جسم درد والم محسوس کرتا ہے کیونکہ شریعت و سنت کی پیروی جسم پر بڑی شاق اور گراں گزرتی ہے جیسا کہ آیت کریمہ: إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (البقرۃ ۴۵) سے واضح ہے۔

المِ روحانی

جب انسان جاہ و منصب، ریاست کی طلب، تکبر و حسد وغیرہا جیسی خواہشاتِ بشریہ اور نفسانی کدورات کی تکمیل کے درپے رہے تو اس سے روح کو اذیت اور تکلیف ہوتی ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۶۳ تا ۳۶۵)

[ہزار بار افسوس اگر روح اس گرفتاری سے نجات حاصل کرکے اپنے وطن اصلی کی طرف رجوع نہ کرے۔

پایہ آخر آدم است و آدمی ــــ گشت محروم از مقامِ محرمی

گر نگردد باز مسکیں زیں سفر ــــ نیست از وے ہیچ کس محروم تر

ترجمہ: آخری مرتبہ آدم کا ہے، اور آدمی محرمِ راز ہونے کے مقام سے محروم ہو چکا ہے۔ یہ مسکین انسان اگر اس سفر (مشغولی مخلوقات) سے واپس نہ لوٹا تو اس سے زیادہ محروم اور کوئی نہیں۔

یہ روح کا مرض ہے کہ وہ اپنی تکلیف کو لذت گمان کرتا ہے، اور لذت کو درد واَلم تصور کرتا ہے۔ جس طرح صفراوی مزاج انسان مرضِ صفرا کے باعث شیریں چیز کو کڑوا محسوس کرتا ہے۔ تو

اہلِ عقل پر اولاً اس مرض کا ازالہ ضروری ہے۔ تاکہ جسمانی آلام و مصائب کے باوجود اپنی زندگی خوش و خرم بسر کریں۔

از پئے ایں عیش و عشرت ساختن
صد ہزاراں جاں بباید باختن

ترجمہ: اس عیش و عشرت (رنج و غمِ دنیوی میں بھی خوش رہنا) کو حاصل کرنے کے لئے ہزاروں جانیں قربان کرنا پڑتی ہیں۔

اگر اچھی طرح حالاتِ دُنیا کا ملاحظہ کیا جائے تو یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اگر دُنیا میں رنج و مصیبت نہ ہوتی تو اس کی جَو برابر بھی قیمت نہ ہوتی۔ دُنیا کی تاریکیوں کو واقعات و حوادث آکر زائل کر دیتے ہیں۔ حوادثِ زمانہ کی تلخی کڑوی دوا کی طرح نافع ہے۔ جس سے مرض زائل ہوتا ہے۔]

تشریح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ یُرِدْ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُصِبْ مِنْہُ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس شخص کی بھلائی چاہتا ہے اسے مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔[716]

ایک حدیثِ قدسی میں روایت ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندے پر مال، اولاد اور بدن وغیرہ میں کوئی مصیبت ڈالتا ہوں تو مجھے قیامت کے دن اس بات سے شرم آتی ہے کہ اس کے لئے ترازو کھڑی کروں اور اس کے اعمال نامے کھولوں۔

---

[716] (صحیح البخاری، ج۷ ۱، ص۷۷ ۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

یہ وہ وجوہات ہیں جن کی وجہ سے مصیبتوں پر خوشی ہونی چاہیئے حالانکہ ہمیں مصیبتوں پر غم ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے پچھنے لگوانے کی ضرورت پیش آئے اور کوئی شخص آپ کا یہ کام مفت کر دے یا کسی مرض میں کڑوی دوا پینے کی ضرورت پیش آئے۔ ظاہر ہے پچھنے لگوانے میں تکلیف ہے اور تلخ دَوا پینے میں بھی۔ لیکن اس کے باوجود آدمی پچھنے لگانے والے اور کڑوی دَوا دینے والے طبیب کا شکر ادا کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مصیبت کے پہلو میں بھی خوشی ہے یعنی آدمی اپنے مرض سے نجات پاتا ہے۔ اس لئے پچھنے لگوا کر اور تلخ دوا پی کر جہاں تکلیف محسوس ہوتی ہے وہیں خوشی اور راحت و سکون بھی ملتا ہے۔ اسی طرح دُنیا کی مصیبت کو سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ کڑوی دواؤں اور جسم پر عملِ جراحی کے مشابہ ہیں ان سے وقتی طور پر تکلیف ہوتی ہے لیکن انجام میں راحت ملتی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے احترام اور تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ نہ تم اپنے دَرد کا شکوہ کرو اور نہ اپنی مصیبت کا ذکر کرو۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم موت کے لئے پیدا ہوئے ہو تخریب کے لئے تعمیر کرتے ہو، جو چیزیں فنا ہونے والی ہیں ان کی حرص کرتے ہو اور جو چیزیں رہنے والی ہیں انہیں چھوڑتے ہو۔ یاد رکھو یہ تین چیزیں فقر، مرض اور موت بہت پسندیدہ اور عمدہ ہیں۔

[فقیر کو اس طرح محسوس ہوا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی عام کھانے کی دعوتیں کرتے ہیں اور اس میں خلوصِ نیت ملحوظ نہیں رکھتے۔ اور دعوت کھانے والوں سے بعض لوگ شکوے اور شکایت کی زبان کھولتے ہیں اور طعام و صاحبِ طعام کا عیب نکالتے ہیں۔ اور دعوت کرنے والا ان کے اس رویئے سے دل شکستہ ہوتا ہے۔ اور یہی شکستہ دلی صاحبِ دعوت کی اس ظلمت (نیت کی خرابی) کو جو

دعوتِ طعام میں پائی جاتی ہے، قبولیت کے مقام میں لے آتی ہے۔ اگر وہ جماعت شکوہ شکایت نہ کرتی، اور اس سے صاحبِ طعام کو شکستہ دِلی لاحق نہ ہوتی تو وہ طعام ظلمت و کدورت سے پُر ہوتا۔ اس صورت میں اس طعام کی قبولیت کے احتمال کی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔ پس کام کا مدار شکستگی اور آوارہ دِلی پر ہے۔ اور ہم ناز پروردہ اور عیش و نعمت کے دلدادگان کے لئے کام بڑا مشکل ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جِنّ اور آدمی اتنے ہی (اسی لئے) بنائے کہ میری بندگی کریں۔

نص قطعی ہے اور عبادت تذلل اور شکستگی سے عبارت ہے۔ تو انسان کی پیدائش سے مقصود اس کی عاجزی اور انکساری ہے۔ خاص کر مسلمانوں اور دین داروں کی پیدائش و خلقت کہ ان کے لئے تو دُنیا ہے ہی قید خانہ۔ اور قید خانہ میں عیش و آرام تلاش کرنا عقل سے بعید بات ہے۔ پس آدمی کے لئے محنت و کوشش اور جدوجہد کے بغیر چارہ نہیں۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم بے طاقتوں کو اس معنی و حقیقت پر استقامت نصیب کرے۔ آپ کے جدِ اَمجد کی حُرمت سے علیہ و علیٰ آلہٖ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا۔]

(دارالمعـــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس جملہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ عاجزی و انکساری اختیار کرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں، دراصل عجز و نیاز مندی تکوینی احکام میں سے ہے جس کے تمام جن و انس مامور ہیں۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ (البقرۃ ۱۱۶) سے عیاں ہے۔ آپ اپنا ایک کشف و مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عام دعوتوں میں مدعو لوگ طعام میں نقص اور میزبان کی عیب جوئی کرتے ہیں جس سے میزبان خاطر شکستہ اور دل برداشتہ ہو جاتا ہے۔ یہ دل شکستگی طعام میں عدمِ اخلاص وغیرہا کی بنا پر

پیدا ہونے والی ظلمت کے دور کرنے اور اس کی قبولیت کا ذریعہ بن جاتی ہے پس یہی انکساری و شکستگی اور عاجزی و بیچارگی تخلیقِ انسانی کا مقصود ہے۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۶) سے ثابت ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ

کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

غالباً اسی غایتِ تذلل اور نہایت عجز کی وجہ سے دُنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ۔[717] سے واضح ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۶۵ تا ۳۶۶)

[717] (سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ۴۱۱۳، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

مکتوب نمبر ۶۵

[خانِ اعظم کی طرف صادر فرمایا:

مسلمانوں کی بے چارگی اور ضعفِ اسلام پر غم کھانے اور اہلِ اسلام کی تقویت اور شرعی احکام کے اجراء پر ابھارنے اور ترغیب دینے کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کی تائید فرمائے اور اسلامی احکام کی بلندی میں آپ کو دشمنانِ اسلام پر فتح ونصرت عطا فرمائے۔

مخبر صادق حضور نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے:

الإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ۔

ترجمہ: اسلام مسافر کی طرح ظاہر ہوا (یعنی اسے بہت کم لوگوں نے پہچانا) اور عنقریب اپنی ابتدائی غربت کی طرف لوٹ جائے گا۔ پس خوشحالی ہے غرباء کے لئے۔ یعنی اس کی مدد کرنے والوں کے لئے۔[718]

غربت اسلام اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کفار اعلانیہ اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ اور بے تحاشا کفر کے احکام کا اجراء اور کوچہ وبازار میں کفار کی مدح وثناء کرتے پھر رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کو اسلامی احکام کے اجراء سے روک دیا گیا ہے اور احکام شرعیہ کے بجالانے میں ان کی مذمت اور ان پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے۔

پری نہفتہ رُخ ودیو در کرشمہ وناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

---

[718] (سنن الترمذی، ج۵، ص۱۸، رقم الحدیث: ۲۶۲۹، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي - مصر)

ترجمہ: پَری تو اپنا منہ چھپائے رکھے اور شیطان کرشمہ وناز دکھائے۔ حیرت سے عقل جل جاتی ہے کہ یہ کیا عجیب معاملہ ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس دسویں صدی ہجری میں گزرے ہیں اور اُس وقت آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسلام کے غریب ہو جانے کا لکھا ہے اور اس پر غم واندوہ ظاہر فرمایا ہے جبکہ اُس کے بعد مزید چار سو سال گزر چکے ہیں تو اِس وقت عالمِ اسلام کا جو حال ہو چکا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ اسلامی حُلیہ رکھنے والوں کا کیا حال کر دیا گیا ہے اور داڑھی ودستار کو اس قدر دہشت کا نشان بنا دیا گیا ہے کہ چاہنے کے باوجود بھی کوئی شخص ایسا حُلیہ بنانے کی ہمت نہیں کرتا۔ اور اس پر مزید دُکھ کی بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے بھی غیروں کے ہمنوا بن چکے ہیں۔ اب بُرائی کو بُرائی کون کہے گا اور اچھائی کو کون واضح کرے گا؟

[سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ، مقولہ ہے کہ اَلشَّرۡعُ تَحۡتَ السَّیۡفِ (شرع تلوار کے نیچے ہے) اور شرع شریف کی رونق بادشاہانِ اسلام سے وابستہ ہے۔ یہ جملہ الٹ ہو چکا ہے اور معاملے میں انقلاب آچکا ہے۔ وَاحَسۡرَتَاوَ اِنۡدَامَتَاوَ اوَیۡلَا۔ (ہائے حسرت، ہائے ندامت، ہائے افسوس)۔

آج ہم آپ کے وجود شریف کو ہی غنیمت جانتے ہیں۔ اور اس کمزور اور شکست خوردہ معرکہ میں مَردِ میدان صرف آپ کی ذات کو ہی تصور کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بحرمت نبی کریم اور آپ کی بزرگ اولاد کے آپ کا موید اور مددگار ہو۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات۔

ایک حدیث میں وارد ہے:

لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدَ کُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اسے دیوانہ نہ کہا جائے۔[719]

آج وہ جنون جس کا مبنٰی اسلامی غیرت ہے آپ کی طبیعت میں محسوس ہو رہا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلیٰ ذٰلِکَ۔ یہ وہ دن ہے کہ بالکل تھوڑے عمل کو عظیم ثواب اور پوری اہمیت کے ساتھ قبول فرماتے ہیں۔ ہجرت کے سوا اصحابِ کہف کا کوئی عمل نمایاں نہیں۔ مگر دیکھ لو کہ اس کا کس قدر اعتبار اور لحاظ کیا گیا ہے۔ سپاہی دُشمنوں کے غلبے کے وقت تھوڑا سا تردد کریں تو اس کی دُشمنوں کے سکون اور امن کے وقت کی نسبت بہت زیادہ قدر ہوتی ہے اور یہ قولی جہاد جو اس وقت آپ کو میسر ہے جہادِ اکبر ہے، اس کو غنیمت جانیں۔ اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کا نعرہ لگائیں، اور زبان کے اس جہاد کو جہاد قتل سے بہتر جانیں۔ ہمارے جیسے بے دست و پا فقرا اس دولت سے محروم ہیں۔

هَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا وَ لِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

ترجمہ: نعمت والوں کو نعمتیں گوارا ہیں، اور عاشق مسکین کے حصے میں وہی ہے جو وہ غم واندوہ کے گھونٹ گلے سے اُتار رہا ہے۔

دادیم تا ز گنج مقصود نشان گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

ترجمہ: ہم نے تجھے مقصود کے خزانے کا نشان بتا دیا ہے، اگر ہم نہیں پہنچ سکے تو شاید تو ہی اس تک پہنچ سکے۔]

[719] (رواہ صحیح ابن حبان، باب الاذکار، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الدعاء والتکبیر والتهلیل والتسبیح والذکر، رواہ مسند احمد، ابویعلی و ابن سنی بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ باختلاف یسیر)

تشریح

اَلشَّرۡعُ تَحۡتَ السَّیۡفِ (یعنی شرع کا نفاذ تلوار کے ذریعے سے ہوتا ہے) کا جو مقولہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے بیان فرمایا ہے اُس کی مثال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ملتی ہے جب کچھ مسلمان قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکرِ مجاہدین کے ساتھ ان کے خلاف جہاد فرمایا اور بالآخر اُن سے زکوٰۃ لے ہی لی۔ تو جب لوگ احکامِ شریعت کا انکار کرنے لگیں تو تلوار اُٹھانا لازم وضروری ہو جاتا ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اسلام کی غریب الوطنی، مسلمانوں کی کسمپرسی، کفار کی جرأت اور مسلمانوں کی مذمت پر اظہارِ افسوس فرمارہے ہیں اور اہلِ اسلام کی تقویت پر ترغیب اور احکامِ شرعیہ کے اجراء پر مکتوب الیہ کو تحریض دلارہے ہیں کہ دینِ اسلام کی سطوت وشوکت کا غلبہ اور دبدبہ بذریعہ شمشیر ہی ہوا کرتا ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیۡنِ مُلُوۡکِھِمۡ کے مطابق رعایا بادشاہوں کی دیکھا دیکھی شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا ہوا کرتی ہے مگر اب بادشاہوں کی بے دینی کی وجہ سے معاملہ برعکس ہو گیا ہے۔ سلطنت کے رُکنِ رکین، بہادر اور دین دار ہونے کی وجہ سے اس مایوس کُن صورت حال میں آپ کا وجود ہمارے لئے غنیمت ہے اور ان نامساعد حالات میں ہماری نظر آپ پر ہے، نیز اسلامی غیرت اور دینی حمیت آپ کے اندر جنون کی حد تک موجود ہے اور یہ جنون کمالِ ایمان کی علامت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لَنۡ یُؤۡمِنَ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی

يُقَالَ لَهٗ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ۔[720] سے واضح ہے اس لئے اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی حمایت کے اظہار واعلان کو جہادِ اکبر سمجھیں اور هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کا نعرۂ مستانہ لگاتے ہوئے اس جہاد کو جہادِ قتال سے بہتر جانیں تاکہ اسلام کی عظمتِ رفتہ واپس لوٹ آئے اور مسلمان باعزت زندگی بسر کر سکیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۷۰)

[حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرمایا کرتے تھے: ''اگر میں پیری مُریدی کروں تو کسی بھی پیر اور شیخ کو جہاں میں مرید نہ ملے۔ سب کو میں ہی اپنی طرف کھینچ لوں۔ مگر میرے ذمے ایک دوسرا کام لگایا گیا ہے۔ اور وہ شریعت کی ترویج اور ملتِ اسلام کی تائید و تقویت ہے''۔ اس بناپر آپ سلاطینِ وقت کے پاس تشریف لے جاتے اور اپنے تصرف سے ان کو اپنا مطیع بناتے اور اس ذریعہ سے شریعت حقہ کی ترویج فرماتے۔ آپ سے التماس ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بزرگ خانوادہ (مشائخِ نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ محبت وعقیدت کے برکت سے آپ کی باتوں میں اثر بخشا ہے اور آپ کی عظمت مسلمانی کو آپ کے ہم عصر لوگوں پر نمایاں اور ظاہر کر دیا ہے تو سعی اور کوشش کریں کہ اہلِ کُفر کی بڑی بڑی کافرانہ باتیں جو اہلِ اسلام میں پھیل چکی ہیں ویرانی کا شکار ہو جائیں اور مٹ جائیں اور اہلِ اسلام خلافِ شرع اُمور سے محفوظ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس سے پہلے بادشاہی میں تو دینِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عناد اور مخالفت صریح محسوس ہوتی تھی۔ اس بادشاہی میں

---

720 تخریج حدیث: حضرت امام جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حصن حصین میں اس حدیث مبارکہ کو یوں نقل فرمایا ہے: اکثروا ذکر اللہ حتیٰ یقولوا مجنون۔ نیز ابن حبان، امام احمد بن حنبل اور ابو یعلیٰ نے اپنی مسانید میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

ظاہراً وہ عناد محسوس نہیں ہوتا اگر ہے بھی تو عدم علم کے باعث ہے۔ لیکن اس بات کا ڈر ہے کہ اب بھی معاملہ عناد تک نہ پہنچ جائے اور مسلمانوں کا معاملہ زیادہ تنگ ہو جائے۔

چون بید بر سر ایمان خویش مے لرزم

ترجمہ: میں اپنے ایمان کے بارے میں درخت بید کی طرح کانپ رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی متابعت وپیروی پر ثابت قدم رکھے۔

فقیر ایک تقریب کے سلسلے میں یہاں آیا تھا۔ آپ کو اپنی آمد سے بے خبر رکھنا مناسب خیال نہ کیا، اور یہ بھی مناسب نہ جانا کہ بعض مفید اور مانع باتیں آپ کو نہ لکھے۔ اور طبعی محبت سے جو بندہ کو فطری مناسبت کے طور پر آپ سے ہے واقف نہ کرے۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ إِيَّاهُ۔

ترجمہ: جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے محبت رکھتا ہو تو چاہیئے کہ اسے بتا دے۔ [721]

آپ پر اور تمام متبعینِ ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔]

تشریح

اس دور کے مسلمانوں کو اگر کوئی دُنیاوی حادثہ یا بیماری وغیرہ لاحق ہو جائے تو بہت پریشان اور غمگین ہو جاتے ہیں لیکن آج اسلام کو نظامِ کُفر سے جو خطرات لاحق ہو چکے ہیں اور مزید ہونے والے

[721] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۵۹۹، رقم الحدیث: ۲۳۹۲، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

ہیں، دین کی دوری کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کا احساس ہی نہیں رہا بلکہ اس سے بھی زیادہ دُکھ کی بات یہ ہے کہ مسلمان کہلوانے والوں نے بھی کُفر کا لب ولہجہ اختیار کر لیا ہے۔

پس ان حالات میں علماء ومشائخ کو یہ بات سوچنی چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمیں علم وحکمت اور حلقۂ احباب عطا فرمایا ہے تو ہمیں چاہیئے کہ جو شریعت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم لے کر آئے ہیں اور جس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر تقریباً چودہ سو سال تک پوری اُمت عمل کرتی آئی ہے اُسی کے احکامات کو لوگوں تک پہنچائیں اور جو تصوف ہمیں مشائخِ اُمت رحمہم اللہ تعالیٰ سے ورثے میں ملا ہے، اُس کے مطابق طریقت کو رائج کریں۔ لیکن اب تو معاملہ اس کے برعکس ہو چلا ہے۔ نئی نئی فقہ سامنے آ رہی ہیں اور تصوف میں نئے نئے طریقے رائج کر دیئے گئے ہیں اور ایسی ایسی ترامیم کر دی گئی ہیں کہ اصل اور نقل کی پہچان مشکل ہو چکی ہے۔

جبکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں فرمایا ہے کہ:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ (المائدۃ ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔

تو جب دینِ اسلام کو مکمل کر دیا گیا تو اس کے بعد اس مکمل دین میں ترمیم کرنے کا حق کسے ملتا ہے اور ترمیم کی کون سی گنجائش رہتی ہے۔ جبکہ قرآن وحدیث کی جامع تشریح ہمارے پاس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور فقہاءِ اَربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی مدون فقہ کی صورت میں موجود ہے۔ لہٰذا دِینی ودنیاوی معاملاتِ زندگی کو ایسے ادا کرنا چاہیئے کہ فقہاءِ اُمت اور امامانِ دین کی مخالفت نہ ہو۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کا ایک قول نقل فرما کر مکتوب الیہ کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ چونکہ آپ کو خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے ساتھ نسبت وعقیدت ہے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے غوثِ اعظم خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ ہمارا کام صرف پیری مریدی کرنا ہی نہیں اگر میں صرف پیری مریدی کروں تو تصرف وجذب کے ذریعے ساری دُنیا کے مریدوں کو اپنی طرف کھینچ لوں، کسی اور پیر کو کوئی مرید ہی نہ ملے۔ مگر ہمارا کام شریعتِ اسلامیہ کی ترویج اور ملت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی تائید ہے۔ آپ شاہانِ وقت کی مجالس ومحافل میں تشریف لے جاتے اور تصرف فرما کر ان سے دینِ اسلام کی اشاعت کا کام لیتے تھے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ مکتوب الیہ کو تاکید فرما رہے ہیں کہ چونکہ آپ ایک باوقار شخصیت کے مالک اور اربابِ اقتدار میں سے مؤثر حیثیت کے حامل ہیں اس لئے بھرپور کوشش فرمائیں کہ کفار کی رسومات اور ان کے شعائر جو مسلمانوں میں در آئے ہیں ان کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا جائے تاکہ مسلمان ہندوانہ طریقوں سے بچ جائیں اور اسلامی شعائر کو اپنالیں۔ (وَ اللہُ الْمُوَفِّقُ)

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ خانِ اعظم کے ساتھ طبعی محبت کا اظہار فرما رہے ہیں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسلام کے احکام جاری کرنے اور کفار کا مقابلہ کرنے میں بڑے جرأت مند تھے۔ آپ نے ان کی دلیری کو داد وتحسین پیش فرمائی ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ ہمارا دُنیا میں آکر باہمی رشتۂ محبت استوار نہیں ہوا بلکہ ہم آپس میں روزِ اول سے ہی محبت کے بندھنوں میں بندھے ہوئے ہیں۔

جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الْأَرْوَاحُ جُنُودٌمُجَنَّدَةٌفَمَاتَعَارَفَ مِنْهَاائْتَلَفَ وَمَاتَنَاكَرَ مِنْهَااخْتَلَفَ۔

یعنی عالمِ ارواح میں روحیں گروہوں کی صورت میں رہا کرتی تھیں، جن کی وہاں آشنائی ہوگئی وہ یہاں (دُنیا میں) بھی ایک دوسرے سے الفت رکھتے ہیں اور جن کی وہاں نفرت ہوگئی تھی وہ یہاں بھی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔[722]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے خلوص اور للّٰہیت کے جذبہ سے سرشار اپنی بے لوث محبت کا اظہار ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات مَنْ اَحَبَّ اَخَاہُ فَلْیُعْلِمْ اِیَّاہُ۔ کے مطابق فرما دیا ہے، اور اپنے ذاتی مفاد کی بجائے دینِ اسلام کی ترویج واشاعت اور ملت کی تائید و قوت کا کام خان اعظم سے لیا ہے تاکہ اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کی سطوت، ہیبت و عظمت کی دھاک کفار کے دلوں پر بیٹھ جائے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۷۱ تا ۳۷۳)

---

722 (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۶۹)

مکتوب نمبر ۲۶

[یہ مکتوب بھی خانِ اعظم کی طرف صادر فرمایا:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی مدح وثنا اور اس طریقہ کی طریقۂ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مناسبت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی باقی تمام دوسروں پر افضلیت کے بیان میں۔ اگرچہ وہ اَویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یا عمر بن عبد العزیز مروانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کیوں نہ ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا طریقہ نہایت کے ابتدا میں اندراج پر مبنی ہے۔ اور یہ طریقہ بعینہٖ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں (اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو حضور سرورِ عالم علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ میسر آگیا کہ اولیاءِ اُمت کو نہایۃ النہایۃ میں جا کر اس کمال کا تھوڑا سا حصہ ہاتھ آتا ہے۔]

تشریح

ہر چار سلاسلِ تصوف کا مقصود و مطلوب ایک ہی ذاتِ خداوندی ہے لیکن طریقۂ ذکر و سلوک جُدا جُدا ہے۔ تاہم فضیلت کے لحاظ سے سلسلۂ نقشبندیہ بقیہ تین سلاسل پر فوقیت رکھتا ہے اور یہ فوقیت مختلف وجوہ سے ہے۔ اس فضیلت کی اعلیٰ ترین وجہ وہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے کے عین مطابق ہے۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی باقی مخلوق پر فضیلت

کی بنیادی وجہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت مبارکہ ہے اس لئے سلسلۂ نقشبندیہ میں مراتب کی تکمیل بھی شیخِ مقتدا کی صحبت ومجالس کے ساتھ وابستہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت کی وجہ سے اس سلسلہ کی فضیلت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ سلسلہ مشائخ کے مختلف واسطوں سے ہوتا ہوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ متصل ہو جاتا ہے اور چونکہ باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علاوہ پوری اُمت کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے تو اُن سے منسلک سلسلۂ طریقت بھی باقی سلاسل سے لازمی طور پر بہتر وافضل ہو گا۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقامات اصلی ہیں اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقامات ظلی۔ لیکن مقامات کے ظلی ہونے میں تمام سلاسل کے اولیاء کرام مشترک ہیں۔

[لہٰذا وحشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قاتل حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسے ایک ہی مرتبہ ابتدائے اسلام میں صحبتِ سید الاولین وآخرین علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کا شرف نصیب ہوا، اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جو خیر التابعین ہیں افضل قرار پایا۔ اور وحشی کو حضور خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی اول صحبت میں جو کچھ میسر آیا، اویس قرنی کو اپنی خصوصیات کے باوجود انتہاء میں میسر نہ ہوا۔ تو لازمی طور پر زمانوں میں بہترین زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ کلمہ ثُمَّ نے دوسروں کو پیچھے ڈال دیا ہے، اور ان کے درجے کی دوری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔]

تشریح

جب حضرت اویس قرنی یا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ثُمَّ کے لفظ میں آ گئے اور ثُمَّ کا لفظ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ:

عَنْ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا میری اُمت کا سب سے بہترین میرا دور ہے، پھر اُن لوگوں کا جو اس کے بعد آئیں گے، پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد آئیں گے۔[723]

تو کلمہ ثُمَّ نے جو اس حدیث میں وارد ہوا ہے دوسروں کے کام کو پیچھے ڈال دیا ہے۔ کیونکہ یہ کلمہ جس طرح تراخی زمانہ کے لئے آتا ہے تراخی مرتبہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

تو پھر اس زمانے کے اولیاء کی کیا مجال ہے کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ہمسری کریں؟ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد دوسرا مقام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے کیونکہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی صحبت مبارکہ اختیار کی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی توجہ مبارک اُن رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر پڑی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اس توجہ کی وجہ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے قرآن عظیم الشان میں فرمایا کہ:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (البينة۸)

---

[723] (صحیح البخاری، ص ۱۱، ص ۴۸۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: اللہ ان سے راضی، اور وہ اس سے راضی۔

اس لئے اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اُمتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا درجہ ہے اور ان میں بھی خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اشرف وممتاز ہیں۔ لیکن چند بے خرد اور جاہل وگستاخ قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون ہیں بیس رکعات تراویح مقرر کرنے والے؟ یا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون تھے جنھوں نے دورانِ حج (قصر کی بجائے) فرائض کی چار رکعات پڑھائیں؟ حالانکہ ضروری ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع کی جانی چاہیئے وہ قاتلِ امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کیوں نہ ہوں۔

کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ۔

ترجمہ: میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ستاروں کی مانند ہیں (لہٰذا تم ان کی اتباع وپیروی کرو کیونکہ) ان میں سے تم جس کی بھی اتباع وپیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔[724]

روایت ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے اور قریش کے سرداران بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قریب بیٹھے ہوئے تھے ان میں (سردارانِ قریش میں) عتبہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، عباس بن عبد المطلب، اُمیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ شامل تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

---

[724] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۶۹۶، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

واصحابہٖ وسلم اِن کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یہ اُمید رکھتے تھے کہ ان کے اسلام لانے سے دوسرے لوگ بھی اسلام قبول کریں گے۔ اچانک حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے جو کہ نابینا تھے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو جو تعلیم دی ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس کی مجھے تعلیم دیں تاکہ میں اُس سے نفع حاصل کروں۔ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ندا کرنے لگے اور ندا میں کثرت کرنے لگے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کسی اور کے ساتھ مصروفِ کلام ہیں یہاں تک کہ قطع کلامی کی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہونے لگے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دل میں سوچا یہ لوگ کہیں گے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پیروکار نابینے، کم مرتبہ اور غلام ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پیشانی مبارک پر بل پڑگئے اور رُخِ انور پھیر لیا۔

حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس چلے گئے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

عَبَسَ وَتَوَلّٰی (۱) أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمٰی (۲) وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰی (۳) أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی (۴) أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی (۵) فَأَنْتَ لَهُ تَصَدّٰی (۶) وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكّٰی (۷) وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعٰی (۸) وَهُوَ يَخْشٰی (۹) فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی (۱۰) كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ (۱۱) فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ (عبس ۱۲)

ترجمہ: تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا، اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا، اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو، یا نصیحت لے تو اسے نصیحت فائدہ دے، وہ جو بے پرواہ بنتا ہے، تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو،

اور تمہارا کچھ زیاں نہیں اس میں کہ وہ ستھرا نہ ہو، اور وہ جو تمہارے حضور ملکتا (ناز سے دوڑتا ہوا) آیا، اور وہ ڈر رہا ہے، تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو، یوں نہیں یہ تو سمجھانا ہے، تو جو چاہے اُسے یاد کرے۔

اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب بھی حضرت عبد اللہ بن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے تو اُن کے لئے اپنی چادر مبارک بچھاتے اور فرماتے کہ **مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی۔** ''اے خوش آمدید! جس کے متعلق میرے رب نے مجھے عتاب کیا'' پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے: کیا کوئی کام ہے ؟[725]

پس جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کی فقہی خدمات کے منکر ہیں وہ قرآن عظیم الشان اور احادیثِ مبارکہ کے منکر ہیں کیونکہ قرآن عظیم الشان کے کاتب یہی برگزیدہ لوگ ہیں اور انہوں نے ہی قرآن عظیم الشان کو کتابی شکل میں جمع کیا ہے۔ علاوہ ازیں احادیثِ مبارکہ کو اُمت تک پہنچانے کا اہم فریضہ بھی انہوں نے ہی ادا کیا لہٰذا ان ہستیوں کا انکار قرآن عظیم الشان اور احادیثِ مبارکہ کے انکار تک پہنچا دیتا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسے قُدسی صفات مُقربین کی فضیلت کو تسلیم کرنے، ان کی اتباع کرنے اور ان کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ طریقتِ نقشبندیہ کی فضیلت اور ان کی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مناسبت بیان فرما رہے ہیں اور اس طریقہ کو بعینہٖ صحابہ کرام کا

---

[725] (الجامع الاحکام القرآن تفسیر القرطبی، ۱۹، ص ۱۸۵)

طریقہ قرار دیاہے۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اتباعِ سنت اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زیارت وصحبت کی وجہ سے ابتداء ہی میں وہ کمال حاصل ہو جاتا تھا جو اولیائے امت کو نہایت میں پہنچ کر بھی بہت کم ہی میسر آتا ہے۔ یہاں تک کہ خیر التابعین حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہ شرف و فضل حاصل نہ کر سکے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حاصل ہوا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: عَنْ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ۔ (یعنی بہترین اُمت میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں ان کے بعد بہترین وہ لوگ ہیں جن کا زمانہ اُن سے ملتا ہے، پھر اُن کے بعد بہترین اُمت وہ لوگ ہیں جن کا زمانہ اُن سے متصل ہے) سے ثابت ہے۔

مذکورہ بالا حدیث مبارک میں وارد کلمہ ثُمَّ نے دوسروں کے کام کو پیچھے ڈال دیاہے، کیونکہ یہ کلمہ جس طرح تراخیٔ زمانہ کے لئے آتاہے اسی طرح تراخیٔ مرتبہ کے لئے بھی استعمال ہوتاہے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان مذکورہ بزرگوں سے افضل ہیں اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ بھی تمام طرق سے افضل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بالخصوص سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے افضل ہیں، لہٰذا ان کی نسبت بھی سب سے بلند ہے۔

طریقتِ نقشبندیہ چونکہ براہِ راست سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے اور اس کا پہلا نام طریقۂ صدیقیہ ہے۔ اس طریقہ کو سلسلۃ الذہب بھی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر سلاسلِ طریقت پر اس سلسلہ عالیہ کی فضیلت ایسے ہی ہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ کی فضیلت دوسرے زمانوں پر۔ نیز جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت اتباع سنت اور

صحبت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی برکت کی وجہ سے ہے، ایسے ہی سلسلہ نقشبندیہ میں روحانی ارتقاء کا انحصار اتباعِ سنت اور شیخ کی محبت اور صحبت پر ہے، جبکہ دیگر سلاسلِ مقدسہ میں باطنی ترقی کا دارومدار ریاضت اور چلوں پر موقوف ہے۔

عارف جامی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے:

از دلِ سالک رہ جاذبۂ صحبت شاں　　می بردوسوسہ خلوت و فکر چلہ را

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۷۷، ۳۷۸)

[ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مبارک قدس سرہٗ سے سوال کیا: "امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ؟" تو آپ نے جواب دیا: "وہ غبار جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ کئی مرتبے عمر بن عبد العزیز سے افضل و بہتر ہے۔ تو ناچار ان حضرات کا سلسلہ سلسلۃ الذہب قرار پایا۔ اور اس طریقہ (نقشبندیہ) عالیٰ کی فضیلت و بزرگی دوسرے تمام سلسلوں پر، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے کی دوسروں کے زمانہ پر فضیلت کی طرح مضبوط دلائل سے ثابت ہو چکی ہے۔ وہ جماعت جسے آغاز ہی میں کمال فضل سے حصہ عطا کر دیا گیا ہو ان کے کمالات کی حقیقت پر دوسروں کا مطلع اور آگاہ ہونا مشکل ہے۔ ان کی نہایت تمام دوسروں کی نہایت سے فائق و اعلیٰ ہے۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ترجمہ: میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کی اچھائی کا اندازہ کر لو۔

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

ترجمہ: یعنی سال کی خوبی اس کی بہار کے باعث ہے۔

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمارا سب کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بحرمت نبی قریشی علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا ہمیں اور تمہیں ان اکابر سے دوستی رکھنے والوں اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرنے والوں میں سے کرے۔]

(دارالمعـــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ وصول الی اللہ کے دو راستے ہیں:

۱۔ سلوک کا رستہ ۲۔ جذب کا رستہ

حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے نقشبندیوں کو جذب کا رستہ عطا فرمایا ہے۔

خواجہ ٔخواجگان حضرت شاہِ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

ما فضلیا نیم جذبۃٌ جَذَبَتْنِیْ اِلَی اللہ۔

ہم فضلی ہیں اور وہ فضل جذبہ ہے، میں خدا تک فضل کے رستے پہنچا ہوں۔

واضح رہے کہ دیگر سلاسل میں جذبہ تکمیلِ سلوک کے بعد سیر فی اللہ میں عطا کیا جاتا ہے، جبکہ سلسلہ نقشبندیہ میں جذبہ سیر فی الاشیاء کے دوران ابتداء ہی میں عطا کر دیا جاتا ہے۔ اسی کو اندراج نہایت دربدایت کہتے ہیں۔ جن کی ابتداء کا یہ عالم ہے ان کی انتہاء کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

قیـــاس کن زگُلستانِ من بہـــار مرا

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۷۹)

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اگر چہ دوسرے سلسلوں کے واصل حضرات جہت ثانی میں ان مشائخ نقشبندیہ کے ساتھ شریک ہیں اور فناء فی اللہ اور بقاء باللہ کے ساتھ موصوف ہیں۔ لیکن وہ مسافت جسے دوسرے سلسلوں کے ارباب سلوک ریاضات اور مجاہدات کے ساتھ طے کرتے ہیں اور زمانہ ہائے دراز کے بعد اس کام کی نہایت تک پہنچتے ہیں، اس بلند سلسلۂ نقشبندیہ کے اکابر دولت شہود کی لذت اور مقصود کے ذوق یافت سے اس مسافت کو تھوڑے سے وقت میں طے کر لیتے ہیں۔ اور کعبہ مطلوب تک پہنچ جاتے ہیں، اور مقصود تک پہنچنے کے بعد انہیں بے نہایت ترقیاں نصیب ہوتی ہیں کہ دوسرے سلسلوں کے انتہا کو پہنچنے والے ارباب سلوک کو اس ترقی اور قرب سے بہت کم حصہ ملتا ہے کیونکہ جذبہ کا سُلوک پر مقدم ہونا ایک طرح کو معنی محبوبیت چاہتا ہے۔ جب تک کوئی شخص مراد نہ ہو، اسے جذب عطا نہیں کرتے، اور جب اپنی طرف کھینچتے ہیں، تو بہت نزدیک جا پڑتا ہے۔ اور بہت زیادہ قرب پیدا کر لیتا ہے۔ چاہے ہوئے (مطلوب و مراد) اور خود چاہنے والے (طالب و مرید) میں بہت فرق ہوتا ہے۔

ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیمِ (الحدید ۲۱)

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دوسرے سلسلوں کے ارباب طریقت بھی اس ترقی اور قرب میں شریک ہیں۔ کیونکہ جذبہ اُن کے سلوک پر بھی مقدم ہے تو اس طریقہ نقشبندیہ کی دوسرے طریقوں پر فضیلت اور زیادتی کس طرح ہو گی؟ اور اس سلسلے کو دوسرے سلسلوں سے قریب ترین راستہ کیوں کہا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے طریقے اس معنی کے حصول کے لئے وضع نہیں کئے گئے، بلکہ اُن میں سے بعض کو بر سبیل اتفاق یہ دولت ہاتھ آجاتی ہے۔ اور یہ طریقہ وضع ہی اِس دولت کے حصول کے لئے کیا گیا ہے۔ اور "یاداشت" جو اس بلند سلسلہ کے اکابر کی عبادت میں واقع ہے، ان دونوں جہت و جذبہ و سلوک کے پائے جانے کے بعد سامنے آتی ہے۔ اور اسے نہایت کہنا شہود آگاہی کے مراتب کے نہایت کے اعتبار سے ہے ورنہ مطلق نہایت کے متادر سے ہے۔

ان بزرگوں کا جذبہ دو قسم کا ہے:

قسم اول جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پہنچی ہے اور اس اعتبار سے ان مشائخ نقشبندیہ کا طریقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اور اس کا حصول طریقہ خاص سے توجہ پر موقوف ہے۔ اور یہ جذبہ تمام موجودات کا قیوم ہے۔ اور فناء اور اضمحلال اس میں نصیب ہوتا ہے۔

دوسری نوع وہ ہے کہ اِس طریقہ میں اس کے ظہور کا مبداء حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ ہیں۔ اور وہ معیت ذاتیہ کے راستے سے ابھرتا ہے۔ اور وہ جذبہ حضرت خواجہ سے اُن کے خلیفہ اوّل حضرت خواجہ علاؤالدین قدس سرہ کو پہنچا اور چونکہ آپ اپنے وقت کے قطب ارشاد تھے اس لئے آپ نے بھی اس قسم کے جذبہ کے حصول کے لئے ایک طریقہ وضع فرمایا اور وہ طریقہ آپ کے خانوادہ کے خلفاء میں طریقہ علائیہ سے مشہور ہے۔ ان کی عبارت میں واقع ہے کہ تمام طریقوں سے اقرب طریقہ، طریقہ علائیہ ہے۔ اگرچہ اس طریقہ کا اصل آغاز خواجہ نقشبند رحم اللہ سے ہے۔ لیکن اس جذبہ کے حصول کے لئے طریقے کا وضع کرنا حضرت خواجہ علاؤالدین قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کے ساتھ مخصوص ہے۔ بلاشبہ یہ طریقہ کثیر البرکتہ ہے۔ اس طریقہ کا تھوڑا حصہ بھی دوسروں کے

بہت سے طریقوں سے زیادہ نافع ہے۔ اس وقت تک مشائخ خانوادہ علائیہ اور احرار سیر اس دولت عظمیٰ سے بہرور ہیں اور طالبوں کی اس راستے سے تربیت کر رہے ہیں۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ کو یہ دولت عظمیٰ، مولانا خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہٗ (جو خواجہ علاؤالدین قدس سرہٗ کے خُلفاء میں سے ہیں) سے پہنچی ہے۔

جذبہ کی نوع اول جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اُس کے حصول کے لئے ایک علیحدہ طریقہ مقرر ہے اور وقوف عددی کا راستہ ہے۔ اور وہ سلوک جو اس جذبہ کے حصول کے لئے ہوتا ہے وہ بھی دو قسم ہے، بلکہ کئی قسم ہے۔

ایک قسم تو وہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس طریقہ سے مقصود تک پہنچے۔ اور حضرت رسالت خاتمیت علی صاحبہا الصلواۃ والسلام واتحیہ بھی جذبہ کے اس خانہ سے اسی طریقہ سے پہنچے ہیں۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کمال اخلاص کی جہت سے جو آپ نبی پاک علیہ الصلواۃ والسلام سے رکھتے تھے اور آپ میں فانی تھے۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی و تقدس علیہم اجمعین کے درمیان اس راستے کی خصوصیت کے ساتھ مخصوص ہوئے ہیں۔ اور یہی نسبت جذبہ و سلوک حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک اسی خصوصیت کے ساتھ پہنچی۔ اور جب کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ سید نا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد کرام سے تھیں۔ اس بنا پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے دونوں جہتوں کے اعتبار سے فرمایا کہ مجھے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دو بار جنا ہے۔ اور جب کہ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے آبائے کرام سے بھی ایک الگ نسبت حاصل کی ہے۔ تو آپ ان دونوں طریقوں کے جامع ہوئے۔ اور اس جذبہ کو آپ نے ان کے سلوک کے ساتھ جمع فرمادیا، اور اس سلوک کے ذریعے مقصود تک پہنچے۔

ان دونوں سُلوک کے درمیان فرق یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سلوک سیر آفاقی سے طے ہوتا ہے۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سلوک سیر آفاقی سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتا، یوں دکھائی دیتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جذبہ کے مکان میں سوراخ کیا اور مطلوب تک پہنچے۔

مولا علی رضی اللہ عنہ کے سلوک میں معارف حاصل ہوتے ہیں، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سُلوک میں محبت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اسی بنا پر لازماً مولا علی رضی اللہ عنہ علم کے شہر کے دروازے قرار پائے۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ دوستی و خلت کی قابلیت پیدا کی۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا؛

وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا۔[726]

اگر میں اپنی امت سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بناتا۔

اور امام جعفر رضی اللہ عنہ نے جہت جذبہ کی جامعیت کے اعتبار سے جس کا مبنیٰ محبت ہے۔ اور سلوک آفاقی کی جہت سے جو علوم و معارف کا منشاء ہے۔ محبت و معرفت سے وافر حصہ حاصل کیا۔ اس کے بعد امام موصوف نے اس نسبت مرکبہ کو بطور امانت حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے سپرد کیا۔ گویا امانت کا یہ بوجھ آپ نے اپنی پشت پر اُٹھائے رکھا، یہاں تک کہ یہ امانت بتدریج امانت کے اہل تک پہنچائی۔

---

[726] (صحیح مسلم، ج ۱، حدیث نمبر ۱۱۸۳)

اور ان کی توجہ کا رُخ اس امانت کے اٹھانے سے پہلے دوسری جانب تھا جو اس نسبت کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ اور اس امانت کے اٹھانے میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں۔ اگرچہ اِس نسبت کے اُٹھانے والوں نے اس نسبت سے بہت کم حصہ پایا ہے۔ لیکن اس نسبت کو ان بزرگوں کے انوار سے وافر حصہ ملا ہے۔ مثلاً سکر کی ایک قسم جو اس نسبت سے ملی ہوئی ہے، سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے انوار کے نشانات میں سے ہے۔ یہ سُکر مبتدیوں کو حِس سے غائب کر دیتا ہے۔ اور ہوش کو لے جاتا ہے، ظاہر میں صحو ہوتا ہے اور باطن میں سُکر، **علی ھذاالقیاس**۔

اس نسبت نے ہر بزرگ سے نور حاصل کر کے اُس کے اہل تک پہنچایا، اور وہ عارف ربانی حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمہ اللہ ہیں۔ جو حضرات خواجگان کے ہر حلقہ میں قدس اللہ تعالی و تبارک اسرار ھم۔ اور اس وقت میں اس بلند نسبت نے پھر تازگی پائی اور میدان ظہور میں آئی، ان کے بعد اس سلسلے میں سلوک آفاقی کا پہلو پھر پوشیدہ ہو گیا۔ اور جذبے کے حصول کے بعد مشائخ کرام دوسرے راستے پر چل پڑے اور عروج حاصل کیا۔ یہاں تک کہ خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالی سرہٗ اقدس عالم ظہور میں جلوہ گر ہوئے تو وہ نسبت اس جذبہ اور سلوک کے ساتھ پھر جلوہ گر ہوئی۔ اور ان دونوں جہتوں کی وجہ سے آپ معرفت اور محبت کے کمال کے جامع ہو گئے۔ اس جامعیت کے جذبے کی ایک دوسری قسم جو معیت کی راہ سے سامنے آتی ہے وہ بھی آپ کو عطا فرمائی گئی جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ اور آپ کے قائم مقام (حضرت خواجہ علاؤالدین قدس سرہٗ) کو بھی وافر حصہ ملا، اور جذبہ و سلوک آفاقی دونوں سے مشرف ہوئے۔ اور مقام قطب ارشاد تک پہنچے۔

اور اسی طرح حضرت خواجہ محمد پارسا رحمہ اللہ نے بھی ان کمالات سے مکمل حصہ پایا۔ اور حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا تھا جسے مجھے دیکھنے کی رغبت ہو وہ محمد پارسا کو دیکھ لے۔ نیز حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے منقول ہے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ بہاؤالدین (یعنی خود میرے وجود سے) محمد پارسا کا ظہور مقصود ہے۔ اور حضرت خواجہ پارسا کو ان کمالات کے باوجود فردیت کی نسبت مولانا عارف دیک کرانی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں عطا فرمائی۔ اور نسبت کا یہی غلبہ آپ کے لئے پیر بننے اور طالبوں کی تکمیل کرنے سے رکاوٹ بن گیا۔ ورنہ آپ کمال اور تکمیل میں نہایت بلند درجہ رکھتے تھے۔

حضرت خواجہ نقشبند، خواجہ پارسا کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر محمد پارسا پیری شروع کر دے تو سارا عالم ان سے روشن ہو جائے۔ مولانا عارف قدس سرہٗ نے فردیت کی یہ نسبت مولانا بہاؤالدین قشلاقی رحمہ اللہ جو آپ کے دادا تھے، سے حاصل کی۔ جاننا چاہیئے کہ فردیت کی نسبت کا رُخ مکمل طور پر حق سبحانہ کی طرف ہوتا ہے، اور پیر بننے اور مخلوق کو کمالات تک پہنچانے اور لوگوں کو دعوت دینے سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ اور اگر قطب ارشاد کی نسبت کے ساتھ جو مخلوق کی دعوت کا مقام ہے جمع ہو جائے، تو پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر فردیت کی نسبت غالب ہے تو ارشاد اور تحمیل کا پلہ اس صورت میں کمزور ہو گا ورنہ ان دو نسبتوں والا حدِ اعتدال میں ہو گا۔ اس کا ظاہر مکمل طور پر مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے، اور باطن بالکلیہ حق تعالی تقدس کے ساتھ، مخلوق کو خالق کی طرف دعوت دینے کے مقام میں بلند ترین درجہ ان دو نسبتوں والے کے لئے ہے۔

اگرچہ قطبیت ارشاد کی نسبت اکیلی ہی دعوت کے لئے کافی ہے۔ لیکن ان بزرگوں کے لئے اس مقام میں ایک دوسرا ہی مرتبہ ہے۔ ان بزرگوں کی نگاہ دلی امراض کو شفاء بخشتی ہے، اور ان کی صحبت غیر پسندیدہ عادات و اخلاق کو بالکل دور کر دیتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

معلوم ہونا چاہئے کہ خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرار ہم کا طریقہ، حق تعالیٰ تک پہنچانے والے طریقوں میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور دوسروں کی نہایت ان بزرگواروں کی بدایت میں درج ہے۔ اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے۔ یہ سب کچھ اس بنا پر ہے کہ اس طریقہ میں التزام سنت اور بدعت سے اجتناب ہے۔ یہ بزرگ حتی الامکان رُخصت پر عمل رکھنا جائز نہیں رکھتے۔ اگرچہ بظاہر باطنی طور پر اُسے نفع مند ہی پائیں۔ اور عزیمت پر عمل کرنے کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اگرچہ صورت کے لحاظ سے سیرت اور طریقہ میں نقصان دہ ہی محسوس کریں۔ ان بزرگوں نے احوال اور مواجید کو احکام شریعہ کے تابع کیا ہے۔ اور اذواق و معارف کو علوم شریعہ کا خادم تصور کیا ہے۔ شرع شریف کے نفیس موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے اخروٹ اور انگوروں کے حوض نہیں لیتے۔ اور صوفیاء کی بہت اصل باتوں سے مغرور اور فتنہ میں نہیں پڑتے۔ نصوص شریعہ کے مقابلہ میں فصوص الحکم باتوں کو اختیار نہیں کرتے۔ وہ تجلیٔ ذاتی جو دوسروں کو بجلی کی چمک کی طرح نصیب ہوتی ہے ان بزرگواروں کو دائمی طور پر نصیب ہے۔ وہ حضور جو تھوڑی دیر بعد باقی نہ رہے ان کے ہاں اعتبار سے ساقط ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (النور ۳۷)

وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

سیورِ اربعہ یعنی راہ سلوک کی چار سیریں

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

سیر و سلوک علم میں حرکت سے عبارت ہے، جو مقولہ کیف (کیف در اصل اس عرض کا نام ہے جس کا تصور اور تعقل غیر کے تصور و تعقل پر موقوف نہ ہو۔ اور جو اقتضاء اولی کے لحاظ سے تقسیم یا عدم تقسیم کی متقاضی نہیں، پھر آگے اس کی کئی اقسام میں جیسے کیفیت راسخہ اور غیر راسخہ اور کیفیات نفسانیہ، اور علم صحیح مذہب کے مطابق مقولہ کیف (کمااشار الیہ مجد دالف ثانی رضی اللہ عنہ) میں سے ہے۔ حرکت اینی (حرکت اینی یعنی انتقال مکانی، یہاں سیر و سلوک سے مراد یہ نہیں کہ سالک ایک مکان سے منتقل ہو کر دوسرے مکان میں جا پہنچتا ہے کیونکہ اس طرح کی سیر کی یہاں گنجائش نہیں) کی یہاں گنجائش نہیں۔

پس سیر الی اللہ حرکت علمیہ سے عبارت ہے۔ جو علم اسفل سے علم اعلی کی طرف ہوتی ہے۔ اور اس سے اور اوپر، پھر اور اوپر یہاں تک کہ بندہ تمام ممکنات کے عوم طے کرنے اور ان کے مکمل طور پر فناء ہو جانے کے بعد علم واجب تک جا پہنچتا ہے۔ اور اس حالت کو فناء سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور سیر فی اللہ اس حرکتِ علمیہ سے عبارت ہے جو مراتب وجوب یعنی اسماء، صفات، شیون، اعتبارات، تقدیسات، اور تنزیہات ہی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے جسے کسی عبارت سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ اور نہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، اور نہ اسے کسی نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ بطور کنایہ اس کا اظہار ہو سکتا ہے۔ اور نہ اسے کوئی عالم جان سکتا ہے۔ اور نہ کوئی ادراک کرنے والا اس کا ادراک کر سکتا ہے۔ اس سیر کا نام بقاء ہے۔

اور سیر عن اللہ باللہ بھی جو تیسری سیر ہے حرکت علمی ہی سے عبارت ہے، جو علم اعلی سے علم اسفل تک ہوتی ہے۔ اور اس سے اور نیچے پھر اور نیچے، یہاں تک کہ عارف پیچھے چل کر پھر ممکنات تک آ پہنچتا ہے اور تمام مراتب وجوب کے علوم سے نیچے اتر آتا ہے۔ یہ وہ عارف ہے جو اللہ سے وابستگی کے باعث سب کچھ طاق نسیان میں رکھ دیتا ہے۔ اور اللہ سے اللہ کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ یہی واجد (پانے والا) اور فاقد (ناپانے والا) ہوتا ہے۔ اور یہی واصل اور ہجر میں مبتلا عارف ہے۔ اور یہی قریب و بعید عارف ہے۔ اور چوتھی سیر جو اشیاء میں سیر ہے، یہ بھی سیر اول میں اشیاء کے علوم کے زوال کے بعد پھر آہستہ آہستہ اشیاء کے علوم کے حصول سے عبارت ہے۔ تو جیسا کہ تم جانتے ہو چوتھی سیر، اوّل کے مقابل ہے، اور تیسری سیر دوسری کے مقابل۔

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ نفس ولایت کے حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اور نفس ولایت فناء اور بقاء سے عبارت ہے۔ اور تیسری اور چوتھی سیر جو انبیاء کرام رُسل عظام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور تسلیمات اُن سب پر اور ان سب سے افضل پر خصوصاً ہوتی رہیں۔

جیسا کہ رب تعالٰی فرماتا ہے:

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (یوسف ۱۰۸)

تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں۔

یہ ہے ابتداء وانتہا کی بات جسے ذکر کرنے سے مقصود اس کی بلندی شان کا اظہار اور طالبانِ حق کو شوق دلانا ہے۔[727]

---

727 (مکتوبات امام ربانی، مترجم محمد سعید احمد نقشبندی، ج ۱، مکتوب ۱۴۴، ص ۳۱۷)

اب ان چار سیر وں کو جو کہ سالک علمی اور روحانی طور پر کر تا ہے نہ کہ جسمانی طور پر، یہ مر تبے سالک کو عالم مثال میں ایک دائرے کی صورت میں نظر آتے ہیں، وہ دیکھتا ہے گویا کہ وہ سیر کر رہا ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ اب ان سیور اربعہ کی مختصر تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

۱۔سیر الی اللہ

اس سیر میں سالک خود کی اور تمام موجودات کی نفی کر تا ہے۔ اور ایک ذات حق کو ثابت کر تا ہے۔ سیر کے اس دائرے کو دائرۂ امکان (مجموعہ لطائف امر و خلق) کہتے ہیں۔ اسی مقام کو مقام فناء کہا جاتا ہے۔ اور اِس کے صاحب پر ولی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہاں ولایتِ صغریٰ میں وہ سیر شروع ہوتی ہے جو اولیاء اللہ کی ولایت ہے۔ تمام موجودات جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے ظلال و عکس اور اُس کے مظہر ہیں حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی طرح بے حد وبے حساب ہیں۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل ۹٦)

جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا۔

جاننا چاہیئے کہ راہِ سلوک کا مسافر علم اسفل (اسماء وصفات کے ظلال یعنی موجودات) سے علم اعلیٰ (اسماء وصفات باری تعالیٰ کی طرف سیر کر تا ہے تو ترقی کرتے ہوئے دائرۂ ظلال میں قدم رکھتے ہوئے اپنی اصل کو پہنچ جاتا ہے اور وجود میں اصل دیکھتا ہے اور رنگ میں اصلیت پاتا ہے۔ خود کو فانی پاتا ہے، یہاں تک کہ اپنا نہ کوئی اثر پاتا ہے نہ اصلیت۔ اپنے وجود میں اصل ہی کا مشاہدہ کر تا ہے۔ پس اسی دائرۂ ظلال کی سیر کو سیر الی اللہ کہتے ہیں، یہی اولیاء کی ولایت کا دائرہ یعنی دائرہ ولایت صغری ہے۔

اکثر اولیاء اسی ظلال (عکس و مظہر کو دائرۂ صفات، اور عین صفات اور انبیاء کی ولایت یعنی ولایت کبریٰ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اسی حالت سُکر میں کہہ انا اللہ جاتے ہیں۔ حالانکہ حق سبحانہٗ کی ذات اس سے وراء الوراء ہے۔ یہ سیر اس قدر لامتناہی ہے کہ اگر کوئی سالک ولایتِ صغریٰ یعنی ظلال کے مرتبوں میں سیر کرتا رہے تو یہ سیر کبھی ختم ہی نہ ہو۔ ہر سالک ان مراتب میں اسی قدر سیر کرتا ہے جس قدر کہ اُس کا مقدر ہوتی ہے۔ ایک ظل سے دوسرے، پھر تیسرے ظل میں پہنچ جاتا ہے۔ اور ایک بلندی سے دوسری بلندی کی طرف ترقی کرتے ہوئے اُس کی اصل میں فناء ہو جاتا ہے۔ اور جس ظل میں بھی پہنچتا ہے خود کو فناء پاتا ہے۔ اور اس کے وجود میں باقی رہتا ہے۔

ذکر کے مراتب درجات کا کمال یہ ہے کہ مذکور دل پر طاری ہو جائے اور مذکور ہی رہ جائے۔ اور بس، اور دل کے ساتھ ہی آشنائی اور دوستی ہو جائے۔ اور دوست کے ذکر میں فرق نہ رہے۔ جسے دل کی دوستی میسر آجاتی ہے اُسے محبت مفرطہ کا نتیجہ حاصل ہو جاتا ہے اور اسی کیفیت کا نام عشق ہے۔

عاشق گرم رو ہوتا ہے اور اُس کی دوستی معشوق پر اثر انداز ہوتی ہے، بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ معشوق میں محویت کی وجہ سے معشوق کا نام بھی فراموش ہو جاتا ہے۔

جب یہ مقام استغراق آجائے تو اپنے وجود کو اور دوسری اشیاء کو بجز یاد خداوندی کے فراموش کر دیتا ہے پھر وہ اس حقیقت کو پہنچ جاتا ہے:

وَاذْکُرْ رَبَّکَ إِذَا نَسِیتَ (الکھف ۲۴)

جب وہ اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ اپنے آپ کو اور دوسری تمام چیزوں کو بھول جاتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی باقی رہ جاتی ہے، اس حالت کو فناء اور نیستی کہا جائے گا۔ اور یہی سیر الی اللہ کا انتہائی درجہ ہو گا۔

اب وہ تصوف کی پہلی منزل عالم توحید اور وحدانیت کا پہلا قدم اور درجات خاصہ کا آغاز ہو گا۔
اسی لئے فرمایا گیا ہے، اس وقت عالم ملکوت کی صورت اس پر ظاہر ہوتی ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح اور ملائکہ کے جواہر پاکیزہ صورتوں میں نظر آنے لگتے ہیں، اللہ تعالٰی کے دربار کے خاص حضرات اس پر ظاہر ہونے لگتے ہیں، احوال عظیم ظہور ہونا شروع ہوتے ہیں کہ انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا، ہر مقام پر ایک نئی چیز ظاہر ہونے لگتی ہے، اس کیفیت کو بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، یہ راستہ چلنے کے لئے ہے، کہنے کے لئے نہیں۔۔۔ اہل اللہ اس قسم کی باتوں کو تشریح اور تفصیل سے بیان کرنے سے یہ مقصد لیتے ہیں کہ سالک کو انتباہ اور ذوق و شوق کا سامان مہیا ہو جائے، اگر کوئی شخص ذکر کے اس مقام یا درجہ کو نہ پہنچ سکے تو اُس کے احوال و مکاشفات ظاہر نہیں ہوتے لیکن اُس پر ذکر کا غلبہ رہتا ہے اور اُس کے دل میں جانشین ہو جاتا ہے۔

مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اگر حق سبحانہ اپنی کمال مہربانی سے ان بزرگوں میں سے بعض کو جذبہ کے حصول اور اس جہت کے مکمل کرنے کے بعد دولت سلوک سے مشرف فرماتا ہے تو جذبہ کی وجہ سے مسافت بعیدہ کو جس کا اندازہ پچاس ہزار سالہ راستہ لگایا گیا ہے۔ اور آیۃ کریمہ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج ۴) (ملائکہ اور جبریل اُس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں وہ عذاب اُس دن ہو گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے) میں اسی اندازے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ پچاس ہزار سال کی مسافت تھوڑی مدت میں طے ہو سکتی ہے۔ اور بندہ فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔

سلوک کی انتہاء سیر الی اللہ کی نہایت تک ہے، جسے فنائے مطلق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر جذبے کا مقام ہے، جسے سیر فی اللہ اور بقاء باللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ سیر الی اللہ اس سیر سے عبارت ہے، جو اس میں اسم تک ہوتی ہے، جس کا سالک مظہر ہوتا ہے۔[728]

۲۔ سیر فی اللہ

سیر فی اللہ میں ولایت صغریٰ میں اُس سیر کا آغاز ہوتا ہے جو اولیاء اللہ کی ولایت ہے۔ اس سیر میں سالک اسماء وصفات الٰہیہ کے ظلال میں سیر کرتا ہے۔ سیر الی اللہ کے بعد سالک کو اگر ترقی نصیب ہو تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری کی برکت سے اسماء وصفات کے دائرے (جو کہ ظلال کے دائروں کی اصل ہیں) میں داخل ہوتا ہے، اور اللہ سبحانہ کی صفات اور اسماء وشیون و اعتبارات وتقدیسات تنزیہات میں سیر کرتا ہے۔ وجوب کے ان مراتب یعنی اسماء وصفات وغیرہ میں جو حرکت علمیہ (سیر علمی) واقع ہوتی ہے۔ اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ اور یہ سیر ولایت کبریٰ (جو انبیاء علیہم اسلام کی ولایت ہے) میں واقع ہوتی ہے۔ اور اولیاء کو یہ ولایت انبیاء علیہم السلام کی کامل تابعداری سے نصیب ہوتی ہے۔ اور اس سالک کو نصیب ہوتی ہے جو کہ عروج کی انتہا کو پہنچ جائے۔

جاننا چاہیے کہ عالم امر کے پانچوں لطائف اس دائرے کی انتہا ہیں۔ اور یہ سیر اس کمال تک پہنچتی ہے کہ اس کا بیان کرنا بس میں نہیں، نہ ہی اس کو وہم وگمان میں لایا جاسکتا ہے۔ اس سیر کا نام بقاء رکھا گیا ہے۔ یہ سیر آفاقی اور انفسی سیر یعنی سیر الی اللہ سے بہت دور ہے۔

سیر آفاقی کو سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہنا درست نہیں۔ کیونکہ انفس بھی آفاق کی طرح دائرۂ امکان میں داخل ہے۔ پس یہی وہ مقام ہے جہاں نفس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور شرح

---

[728] (مکتوبات امام ربانی، ج ۲، مکتوب ۲۹۰، مترجم محمد سعید احمد نقشبندی، ص ۷۳۱)

صدر حاصل ہوتا ہے۔ اور سالک اسلام کی حقیقی روح پاتا ہے۔ اور مقام رضا کی جانب گامزن ہوتا ہے۔ یہ مقام انبیاء علیہم السلام کی ولایت کی انتہا ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے:

أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (الزمر ۲۲)

توکیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے اس جیسا ہو جائے گا جو سنگدل ہے تو خرابی ہے ان کی جن کے دل یادِ خُدا کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔

یہ تمام کمالات حق تعالیٰ کے اسم مبارک الظاھر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ کمالات اسم مبارک الباطن سے جن کا تعلق ہے وہ الگ ہیں۔ اسم الباطن میں سیر کرنا ولایت علیا میں قدم رکھنا ہے جو کہ ملائکہ کی ولایت ہے۔ اور سیر فی اللہ کا دوسرا اور اعلیٰ درجہ ہے۔ اس کا معاملہ چھپانا مناسب ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اسم الظاھر کی سیر حق تعالیٰ کی صفات میں ذات کے لحاظ کے بغیر ہے جبکہ اسم مبارک الباطن کی سیر اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کی ذات کے لحاظ کے ساتھ ہے۔ اس کو یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کی سیر میں ذات کا کوئی لحاظ اور خیال نہیں ہوتا۔ جبکہ اس کے اسم علیم کی صفت کے پردے میں وہ ذات ملحوظ ہے۔ کیونکہ علیم ایک ذات ہے جس کی صفت علم ہے۔ پس علم کی سیر اسم ظاہر کی سیر ہے اور علیم کی سیر اسم باطن کی سیر ہے۔

اسم الظاھر اور اسم الباطن میں علم اور علیم کا جو فرق بتایا گیا ہے اُسے معمولی خیال نہ کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ یہ سیریں کہنے سننے کی طرح طے کرنا بھی آسان ہیں۔ حضرات صوفیاء نے کہا ہے کہ

وصول کی منازل کامل طور پر کبھی طے نہیں ہوتیں۔ سالک کو ان دونوں اسمائے مبارکہ کے تمام کمالات حاصل ہو جائیں تو سمجھو اس کے دو بازو ہو جاتے ہیں جن کی مدد سے وہ عالم قدس میں پرواز کرتا ہے اور اس قدر ترقیاں پاتا ہے کہ تخلقو ابا خلاق اللہ (اللہ کی صفتوں میں رنگے جاؤ) کی حقیقت سے مشرف ہو جاتا ہے جو حق تعالٰی کی صفات کے مناسب ہے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا رحمہ اللہ علیہ اس حدیث کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صفت ملک ہے اور ملک سب پر قابو رکھنے والے (متصرف) کے ہیں جب سالک اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے اور اس کو مغلوب کر لیتا ہے۔ اور اس کا تصرف دلوں میں جاری ہو جاتا ہے تو صفت ملک سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اور صفت بصیر ہے، اور بصیر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں۔ جب سالک کے دل کی آنکھ دیکھنے والی ہو جاتی ہے اور نور فراست یعنی دانائی سے اپنے تمام عیوب دیکھ لیتا ہے، اور دوسروں کے حال کا کمال معلوم کر لیتا ہے۔ یعنی سب کو اپنے آپ سے بہتر دیکھتا ہے۔ اور حق تعالٰی کی بصیرت اس کی نظر کو منظور ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ جو کچھ کرتا ہے حق کی رضامندی کے موافق کرتا ہے۔ تو اس صفت بصیر سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اور صفتِ سمیع ہے اور سمیع کے معنی ہیں سننے والا، جب سالک حق تعالٰی کی بات کو خواہ وہ کسی سے سنے بلا تکلف قبول کر لیتا ہے۔ اور چھپے ہوئے بھیدوں اور بے شبہ حقائق کو دل کے کانوں سے سُن لیتا ہے۔ تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اور صفت محی ہے۔ اور محی کے معنی ہیں زندہ کرنے والا۔ جب سالکِ طریقت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی وہ سنتیں جنہیں ترک کر دیا گیا ہو۔ ان سنتوں کو زندہ کرنے اور رواج دینے میں کوشش کرتا اور مشغول رہتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اور صفت ممیت ہے، ممیت کے معنی ہیں مارنے والا۔ جب سالک ان بدعتوں کو جو سنتوں کے بدلے ظاہر ہوتی ہوں، دُور کرتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح

اور صفتوں پر بھی قیاس کر لیں۔ وہ سیر جو ان کمالات سے اُوپر واقع ہو وہ کمالات نبوت کا شروع ہے، ان کمالات کا حاصل ہونا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور کمالات مقام نبوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی کامل تابعداری کرنے سے سالکین کو بھی ان کی پیروی کی برکت سے اُن کمالات سے کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ ولایت علیا تک ترقیاں اصلیت کے طور پر عناصر ثلاثہ خاک کے علاوہ یعنی آگ، ہوا اور پانی کے نصیب ہیں۔ بلکہ فرشتوں کو بھی ان تینوں عناصر سے نصیب ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ بعض ملائکہ آگ اور برف سے پیدا کئے گئے ہیں اور اُن کی تسبیح سبحان من جامع بین النار و الثلج (پاک ہے وہ ذات جس نے آگ اور برف کو جمع کر دیا ہے) ہے۔

لیکن کمالات نبوت کا خاصہ عنصر خاک کے نصیب ہے۔ اور باقی لطائف عالم امر و خلق اس کے تابع ہیں۔ اور چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہو گئے۔ اس سیر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ، کبریٰ اور علیا کے سب کمالات مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔ اور ان کی حقیقت کے لئے مثال کی طرح ہیں۔ اور ان کمالات کو ان کمالات سے وہی نسبت ہے جو دریا کو قطرہ سے، غیر متناہی کو متناہی سے اور لا محدود کو محدود سے ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اسی نبی کی ولایت ہو۔

جب سالک کمالات نبوت کے دائرے کے مرکز میں میں پہنچ جاتا ہے تو یہ مرکز دائرے کی صورت میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اس دائرے کا نام دائرہ کمالات رسالت ہے جو کہ انبیاء و مرسل علیہم السّلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہاں اگر کسی کو کوئی مرتبہ و مقام حاصل ہوتا ہے تو رسولوں علیہم

السلام کی کامل تابعداری ہی کے طفیل ہوتا ہے۔ جب سالک دوسرے دائرے کے مرکز پر پہنچ جاتا ہے تو وہ مرکز بھی دائرے کی صورت میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اور یہ دائرہ کمالات اولو العزم کا دائرہ ہے جو کہ مثالیت سے اونچا ہے۔ انبیاء اولو العزم کو جب یہ رتبہ دیا جاتا ہے تو چیزوں کا قیام اُن سے ہوتا ہے۔ بعض خوش نصیب اولیاء بھی انبیاء علیہم السلام کی کامل تابعداری سے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد عدم محض ہے، اور بس۔۔ یعنی وجود کا معاملہ یہاں ختم ہے اور ممکن کی رسائی اس کے آگے بند ہے۔ لیکن کوئی اِس سے یہ نہ سمجھ لے کہ عنقا شکار ہو گیا اور مقصود حاصل ہو گیا۔

پس حق سبحانہ و تعالٰی کی ذات اس وجود اور عدم سے ماوراء ہے۔ جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں وجود کی بھی گنجائش نہیں۔ اسی ولایت سہ گانہ اور نبوت سہ گانہ کے کمالات کی سیر کو سیر فی اللہ کہتے ہیں، اور اسی مقام کو مقام بقاء کہتے ہیں۔

مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

سیر فی اللہ اس اسم میں سیر کا نام ہے۔ کیونکہ ہر اسم لاتعداد اسماء کا جامع ہے، لہٰذا اس میں سیر بھی بے نہایت ہو گی، اور اس درویش کو اس مقام میں خاص معرفت حاصل ہے۔[729]

۳۔ سیر عن اللہ باللہ

سیر فی اللہ کے مکمل کرنے پر سالکین کے دو گروہ ہو جاتے ہیں:

۱۔ مُستَهْلِكِين ۲۔ رَاجِعِينَ إِلَى الدَّعوَةَ

شرافت مستھلکین کے لئے اور فضیلت راجعین کے لئے ہے۔

---

[729] (مکتوبات امام ربانی، ج ۲، مکتوب ۲۹۰، مترجم محمد سعید احمد نقشبندی، ص ۷۳۱)

۱۔ مُستَهْلِكِين: یہ وہ سالکین ہیں جو ہر وقت مشاہدۂ حق میں ڈوبے رہتے ہیں، اور ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت میں فناء ہو گئے ہوتے ہیں۔

۲۔ رَاجِعِينَ إِلَى الدَّعوَة: یہ وہ حضرات اولیاء اللہ ہوتے ہیں، جن کو عالم خلق کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ واپس مقام قلب پر آجاتے ہیں۔ تاکہ خلق خُدا کو خُدا تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔ اس کو سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں۔

پہلے سیر عاشق کی معشوق کی طرف تھی۔ اور بقول تعالی قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران ۳۱) (اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میرے فرمانبر دار ہو جاؤ اللہ تم سے محبت رکھے گا) پر عمل تھا۔ سالک عاشق اور حق سبحانہ تعالیٰ معشوق اب سیر معشوق کی عاشق کی طرف ہے اور آیت کریمہ کے دوسرے جزو وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران ۳۱) (اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے) سے مشرف ہو جاتا ہے۔ اب سالک اپنے مریدوں، حق کے طالبوں اور مخلوق خدا کو تعلیم و تلقین وترغیب کے ذریعے حق کی طرف بلاتا ہے اس تعلیم میں اللہ تعالی اپنا مشاہدہ اس کو دیتا رہتا ہے اس حالت میں اُس ولی کا ہر فعل مشاہدے کے باعث ہوتا ہے۔

اس مقام پر صاحب دولت صوفی کی تمام تر توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے لیکن اُس کو مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی گرفتاری نہیں ہوتی۔ اگرچہ ظاہر میں وہ مبتدی کا شریک حال ہوتا ہے۔ خلق کی طرف توجہ کرنا اس منتہی کے حق میں بے اختیاری ہوتا ہے اور اس میں اپنی ذاتی وہ کوئی رغبت نہیں رکھتا بلکہ مخلوق کی طرف اُس کی یہ توجہ حق تعالیٰ کی مرضی سے ہوتی ہے۔ بر خلاف مبتدی کے کہ اس میں اپنی ذاتی رغبت اور حق تعالیٰ کی نارضامندی ہوتی ہے۔ کیونکہ مبتدی مشاہدۂ حق سے سراسر دُور

ہے اور منتہی سے جو پردے دُور ہو چکے ہیں وہ پھر نہیں ہوتے۔ پس اس سیر میں سالک علم اعلی سے علم اسفل کی طرف اور اسفل سے اسفل کی طرف رجوع کرتا ہے، حتی کہ واپس ممکنات کی طرف آجاتا ہے۔ ایسے عارف کو اللہ کے ساتھ بھلانے والا اور اللہ کی طرف اللہ کے ساتھ رجوع کرنے والا اور ظاہر میں گم کرنے والا، جُدا ہونے والا اور دُور ہونے والا، اور باطن میں پانے والا اور ملنے والا اور نزدیک ہونے والا کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالی کے حکم سے مخلوق کی طرف مشغول ہونے میں جس قدر اللہ تعالی کی طرف سے اُس کی توجہ ہٹی ہوئی ہے وہ اللہ تعالی ہی کی طرف سے ہے اور باطن میں وہ اللہ ہی کے ساتھ ہے۔[730]

۴۔سیر فی الاشیاء باللّٰہ

راجعین کو مخلوق کی طرف لوٹا کر مخلوق کی اصلاح میں مشغول کر دیا جاتا ہے، اور عام مخلوق کے ساتھ اُن کے ظاہر کو خلط ملط کر کے احکام شریعہ لوگوں تک پہنچائے جاتے ہیں۔ یہ سالک کی چوتھی سیر ہے جو رجوع کے بعد اشیاء میں ہوتی ہے۔ اور سیر اول میں جو اشیاء کے علوم بالکل مٹ گئے تھے اب یکے بعد دیگرے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور سالک بظاہر مکمل طور پر مخلوق کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے اور اگرچہ ظاہر میں اُس کے تمام افعال عوام کی طرح دنیا کی مشغولی میں گزرتے ہیں لیکن اُن کا باطن کسی لمحہ بھی حق تعالٰی سے غافل وجدا نہیں ہوتا۔۔۔ جیسے پانی بھر کے لانے والی عورتیں کئی کئی مٹکے اوپر نیچے سر پر رکھ کر بظاہر بے تکلف ایک دوسری سے باتیں کرتی ہوئی چلتی جاتی ہیں، کیا مجال جو اُن کی رفتار میں فرق آجائے یا مٹکوں میں کسی قسم کی جنبش ہو اور چھنکیں، کیونکہ دل کی توجہ پورے طور

730 (مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب ۱۴۴، ص ۳۱۷، مترجم محمد سعید احمد نقشبندی)

پر مٹکوں پر لگی رہتی ہے اور یہ توجہ ان میں راسخ ہو کر طبیعت بن جاتی ہے۔ بس یہی حال سالک کامل کی توجہ کا حق کی طرف ہے۔[731]

سیر و سلوک سے مقصود نفس آمارہ کا تزکیہ و تطہیر ہے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

سیر و سلوک سے مقصود نفس امارہ کا تزکیہ و تطہیر ہے تاکہ باطل خداؤں کی عبادت سے جو خواہشات نفسانی سے وجود میں آتی ہے، نجات میسر آجائے۔ اور حقیقت میں سوائے ایک معبود بر حق تعالٰی و تقدس کے اور کچھ بھی قبلہ، توجہ نہ رہے۔ اور دینی و دنیاوی مقاصد میں سے کسی بھی مقصد کو اُس ذات کی عبادت کے سوا اختیار نہ کرے۔[732]

اَحوال، مواجید اور علوم و معارف، مقاصد نہیں ہیں

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

احوال، مواجید اور علوم و معارف جو صوفیاء کو راستے میں ہاتھ آتے ہیں، مقاصد نہیں ہیں۔ بلکہ اوہام و خیالات ہیں، جن سے اطفال طریقت کی تربیت مطلوب ہوتی ہے۔ ان تمام سے گزر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہیے، جو جذبہ و سلوک کی انتہا ہے۔ کیونکہ طریقت و حقیقت کی منازل طے کرنے سے اخلاص کا حاصل کرنا مقصود ہے جو رضا کو مستلزم ہے۔ تینوں قسم کی تجلیات اور مشاہدات سے گزر کر ہزاروں سے کسی ایک کو اخلاص کی دولت اور رضا کے مقام تک رسائی ہوتی ہے۔

---

731 (عمدۃ السلوک، سید زوار حسین شاہ، ص ۲۲۷)

732 (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۳۵، مترجم مولانا سعید احمد)

کوتاہ اندیش لوگ احوال و مواجید کو مقاصد اور مشاہدات و تجلیات کو مطالب شمار کرتے ہیں۔ اس لئے وہم و خیالات سے زنداں خانہ میں گرفتار رہتے ہیں۔ اور شریعت کے کمالات سے محروم رہتے ہیں۔ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اخلاص کو مقام حاصل کرنے اور رضا کے مرتبے تک پہنچنے کے لئے ان احوال و مواجید کا طے کرنا ضروری ہے اور ان علوم و معارف کے ساتھ وابستہ ہے۔[733]

علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین

علم الیقین: علم الیقین علم کا درجہ ہے جو کسی کو کسی بات کے سننے، کسی کے بتلانے، ایک چیز کو دوسری جگہ پر قیاس اور غور و فکر کرنے سے حاصل ہو۔

عین الیقین: وہ درجہ ہے جو کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ و معائنہ کرنے سے حاصل ہو۔

حق الیقین: اس درجہ کا نام ہے جو کسی چیز کو مشاہدہ کے بعد چھونے، محسوس کرنے، چکھنے، اور اُس کی حقیقت معلوم کرنے سے حاصل ہو۔

مثال اول: علم الیقین کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ایک شخص کو کسی نے اطلاع دی کہ فلاں جگہ شہد ہے تو اس نے صرف اس کی تصدیق کی یا شہد کے آثار دیکھ کر (مثلاً مکھیوں کا چھتہ وغیرہ دیکھنے سے) نتیجہ اخذ کر لیا کہ وہاں شہد ہو گا۔

مثال دوم: عین الیقین کی مثال یہ ہے کہ کسی نے شہد کو محض سُنا ہی نہیں بلکہ اس کا مشاہدہ و معائنہ بھی کیا ہے، یہ مقام پہلے سے اعلیٰ ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَیۡسَ الۡمُخۡبَرُ کَالۡمُعَایِنِ۔

---

[733] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ٣٦، مترجم مولانا سعید احمد)

سُننے والا شخص معائنہ کرنے والے کے برابر نہیں ہو سکتا۔

مثال سوم: حق الیقین کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے شہد کو محض دیکھا ہی نہ ہو بلکہ اُسے چکھا ہو اور اس کا مزہ وشیرینی بھی حاصل کر چکا ہو اور ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ علم کا یہ درجہ پہلے درجہ یعنی علم الیقین سے اعلیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عارف لوگوں کی زبان پر جب حق الیقین کا لفظ آتا ہے تو اس سے ذوق ووجدان کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جو انہیں بارگاہ الٰہی سے حاصل ہو چکا ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ثلاثٌ مَنْ كُنْ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُوقَدَ لَهُ نَارٌ فَيُقْذَفَ فِيهَا۔[734]

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تین چیزیں جس شخص میں بھی ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا، ایک تو یہ کہ اُسے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دوسروں سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرا یہ کہ انسان کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کی رضاء کے لئے اور تیسرا یہ کہ انسان کفر سے نجات ملنے کے بعد اُس میں واپس جانے کو اسی طرح ناپسند کرے جیسے آگ میں چھلانگ لگانے کو ناپسند کرتا ہے۔

اور فرمایا:

ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً۔ (مشکوۃ)

جو شخص اللہ کی ربوبیت، دین اسلام کی حقانیت اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رسالت پر رضامند ہو اس نے ایمان کا مزہ پالیا۔

---

[734] (مسند أحمد، ج۵، حدیث:۱۰۰۴)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

حق تعالی سبحانہ کی ذات میں علم الیقین ان آیات ونشانات کے شہود سے مراد ہے جو حق تعالی کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان آیات کے شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں۔ لیکن ذاتی شہود اور حضور سیر انفسی کے سوائے متصور نہیں۔ اور وہ سالک کے اپنے نفس میں ہوتا ہے نہ کہ حق تعالی کی ذات کا مشاہدہ۔

قطب المحققین سید العارفین ناصر الدین خواجہ عبید اللہ قدس سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ سیر دو قسم پر ہے:

۱۔ ایک سیر مستطیل ۲۔ دوسری سیر مستدیر

سیر مستطیل بعد در بعد ہے اور سیر مستدیر قرب در قرب۔ سیر مستطیل یہ ہے کہ اپنا مقصود اپنے دائرے کے باہر تلاش کیا جائے۔ اور سیر مستدیر یہ ہے کہ اپنے دل کے گرد پھریں اور اپنا مقصود اپنے ہی میں تلاش کریں۔

پس وہ تجلیات جو حسی یا مثالی صورتوں میں اور انوار کے پردہ میں ہوں، خواہ کوئی صورت ہو اور خواہ کوئی نور ظاہر ہو، وہ نور خواہ رنگین ہو یا بے رنگ۔ اور متناہی ہو یا غیر متناہی، اور کائنات کو محیط ہو یا نہ ہو، سب علم الیقین میں داخل ہے۔

جیسا کہ مخدومی مولوی عبد الرحمن جامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اے دوست میں تجھے ہر مقام میں ڈھونڈتا رہا اور ہر وقت اِس کائنات سے تیری خبر تلاش کرتا رہا، اس مضمون میں بھی مشاہدہ آفاقی کی طرف اشارہ ہے، جو علم الیقین کے لئے مفید ہے۔ اور یہ شہود چونکہ مقصود کی خبر نہیں دیتا، اور سوائے نشان اور استدلال کے اس کا کچھ حضور نہیں بخشتا۔ اس لئے

دھوئیں اور گرمی کے مشاہدہ کی طرح جو آگ کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہ شہود علم کے دائرے سے نہیں نکل سکتا۔ اور نہ ہی عین الیقین کے لئے کچھ مفید ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی سالک کا وجود اس سے فانی ہو سکتا ہے۔ عین الیقین حق تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے، بعد اس کے علم الیقین سے معلوم کر چکیں۔ اور یہ شہود سالک کے فناء کو مستلزم ہے۔ اور اس شہود کے غلبہ میں اس کا تعین بادل گم ہو جاتا ہے، اور اس کے دیدۂ شہود میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ اور اس شہود میں فانی و مستغرق رہتا ہے۔

یہ شہود اس طائفہ قدس سرہم کے نزدیک ادراک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور معرفت بھی اس کو کہتے ہیں۔ اس ادراک میں خواص و عوام شریک ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ خواص کو خلق کا شہود حق تعالیٰ کے شہود سے مانع نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے دیدۂ شہود میں حق جل شانہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور عوام کو یہ شہود مانع ہے۔ یہی باعث ہے کہ اس شہود سے غافل اور اس ادراک سے بے خبر رہتے ہیں۔ اور یہ عین الیقین، علم الیقین کا حجاب ہے۔ جیسے کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب۔ اس شہود کی تحقیق کے وقت سراسر حیرت و نادانی ہے۔ علم کی اس میں ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے اور عین الیقین علم الیقین کا حجاب۔ اور بعض نے فرمایا ہے کہ اس شخص کی علامت جس نے اللہ تعالیٰ کو جیسا کہ اُس کو پہنچاننے کا حق ہے پہچان لیا، یہ کہ اس کے سر پر واقف ہو جاتا ہے لیکن اس کا اس کو علم نہیں ہو سکتا، ایسا شخص معرفت میں کامل ہے، جس کے سوا اور کوئی معرفت نہیں۔ اور بعض نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا عارف وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ حیران و پریشان ہے۔ حق الیقین، حق تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے، بعد اس کے تعین دور ہو جائے اور متعین فانی و نابود ہو جائے۔ لیکن یہ شہود حق تعالیٰ سے حق

تعالٰی کی طرف ہے کیونکہ: **لا یحمل العطایا الملک الا مطایا** (بادشاہ کے عطیوں کو اس کے اونٹ اُٹھاسکتے ہیں۔) اور جب ہی سالک کے فنائے مطلق کے ساتھ متحقق ہونے کے بعد جو ذات وصفات کی فناء ہے حق تعالی محض اپنی عنایت سے ایک وجود عطا کرتا ہے، اور سُکر حال اور بے خودی سے صحو و افاقت یعنی ہوشیاری میں لے آتا ہے۔ اور وجود کو وجود موہوب حقانی یعنی خُدا کا دیا ہوا وجود کہتے ہیں۔

اس مقام میں علم و عین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتے۔ عین میں علم کا شہود اور علم میں عین کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جس کو عارف اس مقام میں عین حق پاتا ہے نہ یہ کہ تعین کونی کے ساتھ کیونکہ اس کے دیدہ شہود میں اس کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ اور ان تجلیات صور یہ سے کہ جن میں اپنے تعینات اور صورتوں کو حق تعالٰی معلوم کرتے ہیں، مراد وہ تعینات کونیہ ہیں جنکی طرف فناء نے راہ نہیں پایا۔ اگرچہ ظاہر عبارت سے عوام کے نزدیک تجلی صوری (کہ جس میں اپنے آپ کو حق پاتے ہیں) اور حق الیقین کے درمیان (جہاں کہ اپنے سر کو حق پاتے ہیں) کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن تجلی صوری میں آنا صورت پر پڑتا ہے اور حق الیقین میں حقیقت پر۔ اور تجلی صوری میں حق کو اپنے آپ سے دیکھتے ہیں۔ اور اس مقام میں حق کو حق سے دیکھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حق کو اپنے آپ سے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ حق الیقین ہی کا مرتبہ ہے جہاں کہ شہود کی حقیقت متحقق ہے۔

اور مشائخ زمانہ نے جب اس فرق پر اطلاع نہ پائی اور تعین کونی کے سوا اس تعین کو نہ جانا، تو انہوں نے ان بزرگواروں پر جنہوں نے حق الیقین کی اس طرح پر تفسیر و تشریح کی ہے جیسے کہ مقرر و ثابت ہو چکی ہے، زبان طعن دراز کی۔ بدیں خیال کہ یہ تعین تجلی صوری میں جو سلوک کا اول قدم ہے، حاصل ہو جاتا ہے، اور اس تعین کی انہوں نے حق الیقین کے ساتھ جو سلوک میں نہایت قدم ہے، تفسیر و تشریح کی ہے۔

یہ اُن کا خیال کس طرح ٹھیک ہو سکتا ہے جب کہ یہ امر ثابت ہے کہ وہ حق الیقین جو ان کو نہایت میں حاصل ہوتا ہے وہ ہم کو تجلی صوری میں حاصل ہو جاتا ہے جو ہمارا اول قدم ہے۔

وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (یونس ۲۵)

اور جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔[735]

مبادی تعینات

مبدء وفیاض: مبدءفیاض ذات حق کو کہتے ہیں کیونکہ کائنات کی ہر چیز کو اُسی ذات سے فیض پہنچتا ہے۔اور ہر چیز کی ابتداء اور انتہا اسی کی طرف لوٹتی ہے۔

مبدو تعین: فیض کی مختلف صورتوں اور قسموں کے اعتبار سے اللہ تعالٰی کو مختلف صفتوں اور ناموں سے بیان کیا اور پکارا جاتا ہے، ان میں سے ہر نام اور صفت کو کسی نہ کسی مخلوق کے ساتھ خاص نسبت و مناسبت ہے اور وہ مخلوق اس کے فیض سے دوسرے اسماء وصفات کا فیض اخذ کرتی ہے۔بس یہی اس مخلوق کا مبدأ تعین ہے۔

وہ فیض جو حق تعالی کی طرف سے پہنچتا ہے دو قسم کا ہوتا ہے ایک قسم تو وہ ہے جو ایجاد (موجود ہونا)، بقاء (باقی رکھنا)، تخلیق (پیدا کرنا)، ترزیق (رزق دینا)، احیا (زندہ کرنا)، اور اماتت (مارنا)، وغیرہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

اور دوسری قسم وہ ہے جو ایمان و معرفت اور مراتب ولایت و نبوت کے تمام کمالات سے متعلق ہے۔

---

735 (مکتوبات امام ربانی، مترجم محمد سعید احمد نقشبندی، ج ۲، مکتوب ۲۷۷)

پہلی قسم کا فیض سب کو صفات کے ذریعے سے آتا ہے۔ اور دوسری قسم کے فیض کو صفات کے ذریعے سے اور بعض کو شیونات کے واسطے سے آتا ہے اور صفات اور شیونات کے درمیان بہت نازک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیاء کے سوا اور کسی پر ظاہر نہیں ہوا۔ غرض کہ وہ صفات جو حق تعالیٰ کی ذات پر وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں اور وہ شیونات (شیونات کا تعلق اعتبارات سے ہے) جو حق تعالی کی ذات میں مجرد اعتبار ہیں آپس میں فرق رکھتے ہیں۔ ان کی مثال یوں سمجھئے کہ پانی کی فطرت ہے کہ وہ اوپر سے نیچے کو آتا ہے۔ یہ طبعی فعل اس میں حیات، علم، قدرت اور ارادت کا اعتبار پیدا کرتا ہے کیونکہ علم والے ثقل اور علم کے اقتضاء کی وجہ سے اوپر سے نیچے کو آتے ہیں اور فوق کی طرف نہیں جاتے اور علم خود حیات کے تابع ہے اور ارادت علم کے تابع ہے۔ پھر ارادت میں قدرت کی قوت بھی شامل ہے۔ پس یہ اعتبارات جو پانی کی ذات میں ثابت کئے جاتے ہیں بمنزلہ شیونات کے ہیں۔ اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں صفات زائدہ ثابت کئے جائیں تو وہ وجود زائد کے ساتھ ہونگے کیونکہ پانی کو پہلے اعتبارات کے لحاظ سے حیّ و قادر و مرید نہیں کہہ سکتے، بلکہ ان اسموں کے ثابت کرنے کے لئے صفات زائدہ کا ثابت کرنا ضروری ہے۔

شیونات اور صفات میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مقام شیون، صاحب شان کے مواجہ اور روبرو ہے اور مقام صفات ایسا نہیں ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور ان کے اولیاء کو جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زیر قدم ہیں فیض ثانی، شیونات کے واسطے سے پہنچتا ہے۔ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اور اُن لوگوں کو جو ان کے زیر قدم ہیں یہ فیض بلکہ فیض اول بھی صفات کے واسطے سے پہنچتا ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ صفات وجودیہ، حقیقیہ، اضافیہ اور صفات سلبیہ ان اسمائے حسنیٰ سے موصوف ہیں جو کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور اولیاء اللہ کے کشفوں اور احادیث کے اشارات سے اس کا پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتوں اور ناموں کے ظلال ہیں، اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات نبیوں اور فرشتوں کے مبادی تعینات ہیں اور ان اسماء وصفات کے ظلال دوسرے انسانوں اور مخلوقات کے مبادئ تعینات ہیں۔

ظلال کی حقیقت

ظلال (ظل کی جمع) سے سایہ مراد نہیں ہے جو شبہ پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ اصلی لطافت میں کامل نہیں، بلکہ ظلال مخلوقات الٰہی میں سے وہ لطیفے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے پوری پوری مناسبت ہے۔ اور اس مناسبت کے باعث اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات کے فیض کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے واسطہ ہوتے ہیں۔ اس مناسبت سے ان لطیفوں اور نسبتوں کو سمجھنے میں آسانی کے لئے ظلال کہا جاتا ہے، یا سکر کی حالت میں معلوم کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

ان اللہ تعالی سبعون حجاب الف حجابا من نور و ظلمۃ۔[736]

بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے نور و ظلمت کے ستر ہزار حجاب ہیں۔

اور جبریل علیہ السلام نے کہا: اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) میں اللہ تعالی کے اتنا نزدیک ہو گیا تھا پہلے کبھی اتنا نزدیک نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

---

736 (المعجم الکبیر، ج ٦، ص ١٤٦)

اس کی کیفیت کیا تھی؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا، کہ میرے اور ذات حق کے درمیان ستر ہزار نور کے پردے تھے۔[737]

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ کا حجاب نور ہے اگر وہ اُسے کھول دے تو جہاں تک اُس کی نظر جائے اُس کے چہرے کی عظمت و جلال اُس کی مخلوق کو جلا دے۔[738]

بہت ممکن ہے کہ ان پردوں سے مراد ظلال ہی ہوں۔ یعنی اگر ظلال نہ ہوتے تو دنیا اپنی ضعف استعداد اور پستیٔ مرتبہ کے صفات ذات حق سے بغیر واسطہ ظلال اقتباس فیض کے لئے غیر صالح ہونے کی وجہ سے مٹ جاتی بلکہ سرے ہی سے معدوم ہو جاتی، اِس لئے کہ إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ٦) (بیشک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے) اور سبعون کا لفظ عرب کے محاورے میں کثرت کے ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے۔ پس احادیث شریفہ میں جو نور اور ظلمت کے پردوں کا ذکر ہے یہ صوفیاء کرام کے قول کی تائید کرتا ہے، اس لئے مؤمنوں کے مبادی تعینات نور کے پردے ہیں جو اسم الھادی کے ظلال ہیں۔ اور کافروں کے مبادی تعینات ظلمت (سیاہی) کے پردے ہیں جو کہ اسم "المضل" کے ظلال ہیں۔

حضرت غوث الثقلین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حرقت جمیع الحجب حتی وصلت الی
مقام لقد کان جدی فادنانی

---

[737] (فیض القدیر، ج ۴، ص ۱۵۷)

[738] (صحیح مسلم، ج ۱، حدیث ۱۷۹)

میں نے تمام پردوں کو پھاڑ ڈالا یہاں تک کہ اُس جگہ پہنچ گیا جہاں میرے نانا تھے، تو انہوں نے مجھے قریب کر لیا۔

مطلب یہ کہ میں نے ظلال کے تمام پردوں کو طے کر لیا جس کو ولایتِ صغری کہتے ہیں اور اس جگہ سے آں حضرت کے مبداء تعین پر پہنچ گیا جو کہ اسماء وصفات کے مرتبہ میں ہے اور اس کو ولایت کبریٰ کہتے ہیں۔ تمام تعینات کے مبادی اعتبارات ہی ہیں۔ سب سے پہلا اعتبار جو ظاہر ہوا وہ حُب ہے اگر حُب نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے:

کنت کنز امخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔[739]

میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اور دوسرا اعتبار جو ظاہر ہوا وہ وجود ہے جو ایجاد کی تمہید اور مقدمہ ہے گویا تعین وجود، تعین حبی کا ظل ہے اور تعین وجود کے لئے واسطہ ہے۔

ایک دوسری حدیث قدسی میں فرمایا:

لولاک لما خلقت الافلاک۔[740]

اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں (مراد عالم) کو پیدا نہ کرتا اور میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

---

739 (کشف الخفاء، ج۲، ص ۱۷۳)

740 (المصنوع، ج ۱، حدیث:۲۵۵)

حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا دیکھا اور اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نہ ہوتے تو تم کو پیدا نہ کرتا۔[741]

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔[742]

آیت مبارکہ: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (الأحزاب ۷)

اور اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا۔

اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پیدائش تمام نبیوں سے پہلے ہوئی کیونکہ عالم ارواح کی ترتیب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو مقدم رکھا گیا ہے۔

چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان فرماتے ہیں:

كنت اوّل النبيين فی الخلق و اخرهم في البعث۔[743]

باعتبار پیدائش کے میں سب سے اول اور باعتبار بعثت کے سب سے آخری نبی ہوں۔

---

[741] (نشر الطیب از اشرف علی تھانوی، ص ۳)

[742] (نشر الطیب از اشرف علی تھانوی، ص ۵)

[743] (فردوس، ج ۳، حدیث: ۴۸۵۰)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

كنت أوّل الناس في الخلق وآخرهم في البعث ۔[744]

میں سب انسانوں میں بلحاظ پیدائش پہلا ہوں اور سب نبیوں میں باعتبار بعثت پچھلا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کے کمالات کو ظاہر کرنے کے لئے تعین ثانی یعنی تعین وجود کا صادر اول آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فرمایا اور تمام کی پیدائش کا ذریعہ بنایا۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات جو کہ مرتبہ علم میں ہے اور جس کا اظہار تعیین وجودی کے صادر اول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) سے ہوا، اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبداء تعین صفت العلم یا شان العلم ہوا اور باقی مخلوق کے مبادی تعینات صفت العلم کے ظلال ہوئے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبدۂ تعین کے واسطے سے باقی صفات باقی انبیاء اور ملائکہ کے تعینات کے مبادی ہیں، اور باقی مخلوق کے مبادی تعینات انبیاء و ملائکہ کے مبادی تعینات کے ظلال ہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ تعین اول و تعین ثانی کے یہ معنی نہیں کہ حق تعالیٰ تنزل کرکے حُب ہو گیا یا وجود ہو گیا، بلکہ اس کے معنی ایسا ظہور ہے جو تنزیہ کے لائق ہے، اور جو انبیاء علیہم السلام کے مناسب ہے۔ اور چونکہ ہر صفت مختلف تعلقات کی بنا پر بہت سی جزئیات رکھتی ہے جیسے تکوین (وجود دنیا) کہ اس سے مختلف تعلقات کے اعتبار سے ایجاد (موجود ہونا)، بقا(باقی رکھنا)، تخلیق (پیدا کرنا)، ترزیق (رزق دینا)، احیا (زندہ کرنا)، اور اماتت (مارنا) وغیرہ جزئیات پیدا ہوئی ہیں۔ اس لئے یہ جزئیات بھی اپنے کلیات کی طرح مخلوقات کے

[744] (الکامل فی ضعفاء الرجال، ج ۳، ص ۴۹)

تعینات کے مبادی ہیں۔ اور ہر صفت کلی کسی اولوالعزم نبی کے تابع ہونگے۔ اور اس کے زیر قدم زندگی بسر کریں گے ۔ اسی سبب سے کہتے ہیں کہ فلاں شخص حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زیر قدم ہے، فلاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور فلاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم۔ اور جب ان جزئیات کو سلوک کے طریقے پر ترقی ہوتی ہے تو اپنی کلیات سے جاملتی ہیں، اور ان کا مشاہدہ کلیات ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے،

فرق اصلی اور پیرو ہونے کا ہے۔ اور وسیلہ اور بے وسیلہ کا ہے، کیونکہ پیروی کرنے والا جو کچھ پاتا اور دیکھتا ہے یہ اصل کے وسیلے کے بغیر ممکن نہیں ہے، اگرچہ بعض اوقات اپنی کمزوری کی وجہ سے اصل کو واسطہ نہیں جانتا۔ حالانکہ حقیقت میں اصل اس کے اور مشہود کے درمیان اس طرح سے واقع ہوتا ہے جو خود مانع نہ ہو کر اس کے مشاہدہ کو قوی کرتا ہے۔ جیسا کہ عینک، کہ اس کے واسطے سے دیکھنے والا بعض اوقات اس کا واسطہ ہونے سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ عینک ہی مشاہدہ کی صفائی کا سبب ہے۔ نیز جو لوگ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ تبدیل ہو کر عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم آجائیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زیر قدم آجائیں، بلکہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زیر قدم رہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا رب، رب الارباب ہے اور آپ کا واسطہ سب واسطوں کی اصل ہے۔ ملائکہ اور انبیاء کے مبداء تعینات میں یہ فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتیں اپنے ظہور اور دنیا کے لئے مصادر وجود (ہونا) کے اعتبار سے نبیوں کی تربیت کرنے والی ہیں۔ اور اپنے بطون اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیام کے اعتبار سے فرشتوں کی تربیت

کرنے والی ہیں۔ پس فرشتوں کی ولایت نبیوں کی ولایت کی نسبت حق تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوئی۔ اس لئے اس ولایت کا نام ولایت علیا ہوا۔ لیکن فرشتے اس مقام سے ترقی نہیں کرسکتے۔

جیسا کہ آیہ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے:

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ (الصافات ۱۶۴)

اور فرشتے کہتے ہیں ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے۔

البتہ نبی فرشتوں کے مقام پر بھی ترقی کرسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔ اور ان کی ولایت، ولایت کبریٰ ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں پر اس لئے فضیلت ہے کہ نبوت بشر کے ساتھ مخصوص ہے۔

آیت کریمہ: وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا (الأنعام ۹) (اور اگر ہم کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے تو اس کو بھی آدمی ہی (کی شکل میں) بناتے۔) اس پر دال ہے۔ یہ تجلیات ذاتیہ بخشتہ ہے۔ جو سالک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے بالواسطہ یا بلاواسطہ صحبت کی تاثیر حاصل کر کے مقام قلب سے ترقی کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کی نزدیکی کی طرف آتا ہے اور اتنا قرب حاصل کرلیتا ہے جو اس کا مبداء تعین ہے، اس سالک کو اصطلاحاً ولی کہنا چاہیئے۔ صوفی ہر وقت ترقی کرتا رہتا ہے۔

ومن استوی یوماہ فھو معبون۔[745]

جو اپنی حالت پر ایک دن بھی رکا رہا وہ خسارے میں ہے۔

صوفی کو ہر وقت کوئی نہ کوئی رتبہ ملتا رہتا ہے جو کہ پہلے مرتبوں سے بہتر ہوتا ہے۔

---

[745] (بیھقی، کتاب الزھد الکبیر، ج ۲، ص ۳۶۷)

مولانا روم کہتے ہیں:

زاہد کی سیر ہر روز ایک دن کی راہ ہے اور عارف کی سیر ہر وقت بادشاہ کے تخت تک زیادہ قرب الہی والے اولیاء کی عبادت کا ثواب ان سے زیادہ ہے جو قرب میں ان سے کم ہیں۔[746]

عالم خلق یعنی مادیات

عالم خلق سے مراد وہ تمام اجسام جن کا تعلق مادے اور مقدار سے ہے جیسے چاند، سورج، تارے، سیارے، پانی، مٹی، ہو، آگ وغیرہ ان کو مادیات بھی کہتے ہیں۔ اس کو عالم شہادت یا عالم اجسام یا عالم اجساد کہتے ہیں۔

عالم امر یعنی مجردات

عالم امر سے مراد ایسی مخلوقات جن میں نہ مادہ ہے نہ مقدار، ان کو مجردات کہتے ہیں۔ جیسے انسانی روحیں اور لطائف یعنی قلب، روح، سر، خفی اور اخفی۔ ان لطائف کی اصل فوق العرش یعنی عرش کے اوپر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مادہ سے الگ اور اوپر کے درجے میں ہے۔ مجردات کو عالم غیب یا عالم ارواح بھی کہا جاتا ہے۔ عالم امر چونکہ اس میں مقدار نہیں ہے، اور مقدار سے کسی چیز کی حد لازم آتی ہے اس لئے عالم امر غیر محدود ہے۔ کسی چیز کا اثر یا کمزوری قبول کرنے کا سبب مادہ ہوتا ہے، چونکہ عالم امر مادے سے بھی خالی ہے اس لئے عالم امر کے موجودات میں قوت و طاقت بھی زیادہ ہے۔

---

[746] (عمدۃ السلوک، سیدزوار حسین شاہ، ص ۲۳۸)

عالم کبیر

عالم خلق اور عالم امر کے مجموعے یعنی کل کائنات کو عالم کبیر کہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عرش اس کی عجیب وغریب مصنوعات میں سے ہے اور عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان حد فاصل ہے اور دونوں کا رنگ رکھتا ہے۔ اگرچہ زمین کی نسبت آسمانوں کے ساتھ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کا شمار آسمانوں میں کیا جاتا ہے، لیکن اس کے احکام و آثار ان کے احکام و آثار سے بالکل الگ ہیں۔

عالم صغیر

عالم صغیر سے مراد انسان ہے جو کہ لطائفہ عشرہ عالم خلق وامر (قلب، روح، سر، خفی، اخفی اور نفس ناطقہ، آگ، پانی، مٹی اور ہوا) سے مرکب ہے۔ اور ان تمام لطائف کی اصل عالم کبیر میں ہے۔

عالم مثال

عالم خلق اور عالم امر کے بیچ ایک اور عالم ہے جسے عالم مثال کہتے ہیں۔ اس کو عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے۔ موت اور قیامت تک کے درمیان کا عرصہ عالم برزخ ہے۔ خواب میں بندہ جو احوال دیکھتا ہے وہ عالم مثال ہے۔ عالم مثال مقداری تو ہے لیکن مادی نہیں۔ پس مقدار کے ہونے کے اعتبار سے یہ عالم خلق جیسا ہے اور غیر مادی ہونے کی وجہ سے عالم امر کے مشابہ ہے۔

جسم مثالی

انسان کے دو اجسام ہیں، ایک جسم عنصری کہ دُنیا میں رہتا ہے اور قیامت میں اسی جسم کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ اور اس جسم پر ثواب و عذاب ہو گا۔ اور دوسرا وہ جسم ہے جو عالم مثال میں موجود ہے یعنی جو خواب یا خیال میں دکھائی دیتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ ہم لوگ ظہر یا عصر کی نماز میں صف بستہ کھڑے تھے اور محسوس ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کسی چیز کو پکڑ رہے ہیں پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پیچھے ہٹنے لگے تو لوگ بھی پیچھے ہٹنے لگے نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، آج تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایسے کیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا، میرے سامنے جنت کو اپنی تمام تر رونقوں کے ساتھ پیش کیا گیا میں نے انگوروں کا ایک گچھا توڑنا چاہا تاکہ تمہیں دیدوں لیکن پھر کوئی چیز درمیان میں حائل ہو گئی اگر وہ میں تمہارے پاس لے آتا اور سارے آسمان و زمین والے اُسے کھاتے تب بھی اس میں کوئی کمی نہ ہوتی پھر میرے سامنے جہنم کو پیش کیا گیا جب میں نے اس کی بھڑک کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹ گیا اور میں نے اُس میں اکثریت عورتوں کی دیکھی ہے جنہیں اگر کوئی راز بتایا جائے تو اُسے افشاء کر دیتی ہیں، کچھ مانگا جائے تو بخل سے کام لیتی ہیں، خود کسی سے مانگیں تو اصرار کرتی ہیں مل جائے شکر نہیں کرتیں، میں نے وہاں لیحي بن عمرو کو بھی دیکھا ہے جو جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچ رہا تھا۔[747]

---

747 (مسند احمد، ج٦، حدیث ٧٦٢)

اور حقیقی روح امر رب سے ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (الإسراء۸۵)

اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں، تم فرماؤ روح میرے رب کے امر (حکم) سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

روح کا تعلق دونوں جسموں (جسم عنصری و مثالی) سے ہے۔ حالت بیداری میں روح کی توجہ جسم عنصری کی طرف زیادہ ہوتی ہے۔ بے ہوشی یا نیند کی حالت میں اس کی توجہ جسم مثالی کی طرف زیادہ ہوتی ہے۔۔ پس سونے یا بے ہوشی کی حالت میں روح کے جسم عنصری سے نکل کر عالم مثال میں جانے سے یہی مراد ہے کہ رُوح کا تعلق جسم عنصری سے کمزور ہو کر جسم مثالی سے زیادہ ہو گیا۔ اور بیدار ہونے یا ہوش میں آنے پر روح کا عالم مثال سے دوبارہ جسم میں آنے سے مراد ہے کہ مثالی جسم سے تعلق کمزور ہو کر جسم عنصری سے بڑھ گیا۔ انسان کے انتقال کی صورت میں یہ روح جسم عنصری سے نکل کر جسم مثالی یعنی عالم ارواح میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں دوبارہ اس روح کو جسم عنصری میں لوٹایا جائے گا۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال!

(بہار ولایت، ص ۱۶۰تا۱۹۶)

مکتوب نمبر ٦٧

[ایک محتاج آدمی کی سفارش کے بارے میں خانِ خاناں کی طرف صادر فرمایا:

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ظاہراً باطناً حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر ثابت قائم رکھے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جو اس پر آمین کہے۔

دو ضروری اور اہم کام بے اختیار آپ کو تکلیف دینے کا باعث بنے ہیں ایک رَنج وآزار کا گمان رفع کرنے کا اظہار۔ بلکہ آپ سے دوستی اور اخلاص کا ہونا، اور دوسرا ایک محتاج آدمی کی محتاجی کی طرف اشارہ جو فضیلت اور نیکی سے آراستہ ہے اور معرفت وشہود سے مزین ہے۔ جو نسب کے لحاظ سے کریم اور حسب کے اعتبار سے شریف ہے۔

مخدوم گرامی! اظہارِ حق میں قدرے تلخی ضرور ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ تلخی زیادتی اور کمی کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ بہت ہی بلند حوصلے والا سعادت مند ہونا چاہیئے جو اس تلخی کو شہد کی طرح پی جائے اور هَلْ مِنْ مَّزِيْد کہتا ہوا آگے بڑھے۔ حالات کا اختلاف امکان کی صفت کے لوازمات میں سے ہے۔ وہ جماعت جو تمکین واطمینان کے مقام تک پہنچی ہے دراصل تلوین واختلاف اس کی طبیعت وسرشت میں بھی ہوتا ہے اور کبھی اس پر صفات جمالیہ کا حکم نافذ ہوتا ہے۔ نیز یہ ممکن کبھی قبض کا محل ہوتا ہے اور کبھی بسط کے مقام میں ہوتا ہے۔ اور ہر موسم ووقت کے احکام وتقاضے جدا ہوتے ہیں۔ کل وہ تھا، آج یہ ہے۔]

تشریح

قبض وبسط کی کیفیت

راہِ سلوک میں سالک پر مختلف قسم کی کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ قبض وبسط ایسی ہی دو کیفیات کے نام ہیں۔ حالتِ قبض کو تلوین اور حالتِ بسط کو تمکین بھی کہا گیا ہے۔ جب سالک پر اللہ جل شانہٗ کی صفاتِ جلالیہ (جبار اور قہار وغیرہ) سے فیض نازل ہو تو ان کے نتیجے میں سالک پر آنے والی کیفیت کو قبض کہا جاتا ہے۔ اس حالت میں سالک کی باطنی کیفیت میں سخت تنگی پیدا ہو جاتی ہے اور اُسے کسی پَل چین نہیں آتا۔ وہ روتا ہے اور مغلوب الحال ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اُسے چاہیئے کہ کثرت سے استغفار کرے اور اس کڑوے گھونٹ کو شہد کی طرح نوش کرے یعنی صبر سے کام لے اور احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

دوسری کیفیت بسط کی ہے۔ اسے تمکین بھی کہا جاتا ہے جب سالک پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ جمالیہ (مثلاً رحمٰن ورحیم اور رؤف وکریم وغیرہ) کا پَرتو پڑتا ہے تو اس سے پیدا ہونے والی کیفیت کو بسط کہا جاتا ہے۔ اس حالت میں سالک کی طبیعت میں کیف وسرور اور خوشی وطمانیت پیدا ہو جاتی ہے اور اُسے عبادات کا شوق اور سکون ملتا ہے۔ اس کیفیت کے پیدا ہونے پر سالک کو اللہ جل شانہٗ کا کثرت سے شکر ادا کرنا چاہیئے۔

جو سالک تلوین کی کیفیت سے نہ گزرے، وہ تمکین کی حالت سے مشرف نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی بندگی کی صفات ہیں کہ کبھی سالک ایک حالت پر ہوتا ہے اور کبھی دوسری حالت سے گزر رہا ہوتا ہے۔ وہ صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہی ذات ہے جس کی طرف تغیر وتبدل کو راہ نہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے خانِ خاناں کو بغرضِ اصلاح نصیحت فرمائی ہے، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ خانِ خاناں نے اپنے کسی مکتوب میں حاکمانہ انداز اپنایا تھا جیسا کہ آئندہ مکتوب میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ جس پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی غیرتِ فاروقی جوش میں آئی تو آپ نے اس کی اصلاح و فلاح کے لئے حدیثِ مبارکہ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ۔[748] کے مطابق یہ مکتوب تحریر فرمایا کہ حق تلخ اور کڑوا ہوتا ہے، اگرچہ کم ہی ہو جیسا کہ مقولہ: اَلْحَقُّ مُرٌّ وَلَوْ کَانَ دُرٌّ سے واضح ہے۔ لیکن خوش بخت ہے وہ شخص جو اپنی اصلاح و تربیت کی خاطر اس تلخی کو شہد سمجھ کر پی جائے اور مسرور ہو کر ھَلْ مِنْ مَزِیْد کا نعرہ لگائے۔

نیز یہ کہ حق تعالیٰ واجب الوجود لایزال کی شان یہ ہے کہ وہ تغیر و تبدل سے پاک ہے جیسا کہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ سے عیاں ہے۔ جبکہ سالک کے احوال و کیفیات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں خواہ وہ تکمیلی مراتب میں مرتبۂ تمکین تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے کیونکہ تلوین ممکن کی سرشت میں شامل ہے۔ وہ کبھی کیفیتِ غم و انقباض سے دوچار ہوتا ہے اور کبھی کیفیتِ سرور و انبساط سے سرشار۔ اس پر کبھی تو صفاتِ جلالیہ کا ورود ہوتا اور کبھی صفاتِ جمالیہ کا نزول اور ہر کیفیت کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں۔ لا متناہی تجلیات کے نزول کی وجہ سے جو کیفیت ایک دفعہ آتی ہے پھر کبھی نہیں آتی۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ: قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ إِصْبَعَیْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ یُقَلِّبُهَا کَیْفَ یَشَآءُ۔ (مؤمن کا دل

---

[748] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۵۴)

خدائے رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اسے جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔[749]) میں صراحت فرمائی گئی ہے۔ سالک پر جب تجلیاتِ جمالیہ کا پرتو پڑتا ہے تو وہ ہر حقیر و ذلیل مخلوق کا ادب واحترام کرتا ہے اور جب تجلیات جلالیہ کا پَرتو پڑتا ہے تو بڑے بڑے بادشاہوں اور کج کلاہوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا انہیں ٹوک دیتا ہے۔

کیا تخت نے سمجھا ہے کیا تاج نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اس مکتوب گرامی میں تلوین و تمکین اور قبض وبسط کی اصطلاحات کا ذکر فرمایا ہے اس لئے قدرت تشریح نذرِ قارئین ہے۔ تلوین و تمکین کے لئے مکتوب ۱۸ کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

قبض اور بسط

قبض

وَارِدٌ یَّرِدُ عَلَی الْقَلْبِ یُوْجِبُ الْاِشَارَۃَ اِلیٰ عِتَابٍ وَتَادِیْبٍ۔

قلب پر وارد ہونے والی ایسی کیفیت جو عتاب اور تادیب کی طرف اشارہ کا مؤجب ہو اسے قبض کہتے ہیں۔ [750]

---

749 (رواہ مسلم، کتاب القدر، باب تصریف اللہ تعالیٰ القلوب کیف یشاء، رواہ سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فیما انکرت الجھیمۃ، ابن حبان، کتاب الادعیۃ، باب ما یستحب للمرء ان یسال اللہ جل وعلا صرف قلبہ الی طاعتہ، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الرقاق، طبرانی بالفاظ مختلفہ)

750 (کتاب التعریفات، ص ۱۱۶)

بسط

هُوَ وَارِدٌيُوْجِبُ الْإِشَارَةَاِلیٰ رَحْمَةٍوَاُنْسٍ۔

ایسی کیفیت جو رحمت اور اُنس کی طرف اشارہ کا باعث ہو (اسے بسط کہتے ہیں)۔[751]

دراصل قبض وبسط کا تعلق اُمورِ حاضرہ سے ہوتا ہے۔

اگر وارداتِ قلبی بند ہو جائیں تو اسے قبض کہتے ہیں۔

اگر وارداتِ قلبی کُھل جائیں تو اسے بسط کہتے ہیں۔[752]

قبض وبسط دو ایسی حالتیں ہیں جو انسانی اختیار سے باہر ہیں، یہ نہ ذاتی جدوجہد سے حاصل ہو سکتی ہیں اور نہ ہی تکلف سے دور کی جا سکتی ہیں۔ دونوں کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ کیونکہ دونوں موَصل الی اللہ اور ظہورِ تجلیات کا آئینہ ہیں۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: **وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (البقرة ۲۴۵)** سے ظاہر ہے۔[753]

قبض وبسط دونوں حق تعالیٰ کی طرف سے دل پر وارد ہوتے ہیں، جب وہ معنی وارد ہوتے ہیں تو باطن اس سے مسرور ہوتا ہے اور نفس مقہور، یا باطن مقہور ہوتا ہے اور نفس مسرور۔ بعض کے لئے باطن کی قبض نفس کی کشائش کا باعث ہوتی ہے اور بعض کے لئے باطن کی کشائش، انقباضِ نفس کا ذریعہ ہوتی ہے۔[754]

---

751 (کتاب التعریفات، ص ۱۱٦)

752 (سرِ دلبران)

753 (کشف المحجوب)

754 (کشف المحجوب)

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ قلب کی قبض نفس کی کشائش کرتی ہے اور قلب کی کشائش نفس کی قبض کا باعث ہوتی ہے۔ مقبوض نفس خلل سے محفوظ ہوتا ہے اور کشادہ باطن لغزش سے مصئون رہتا ہے۔ اس لئے کہ دوستی میں غیرتِ مذہب ہے اور قبض غیرتِ حق کی علامت ہے۔ دوست کا دوست کے ساتھ عتاب شرط ہے اور بسط عتاب کی علامت ہے۔ روایات میں معروف ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ہنستے نہ تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام روتے نہ تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام عالمِ انقباض میں تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبساط میں۔ جب ایک دوسرے سے ملتے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام فرماتے اے عیسیٰ علیہ السلام کیا آپ فراق کے خوف سے بے نیاز ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے کیا آپ رحمتِ حق سے نااُمید ہیں؟ دراصل نہ آپ کارونا تقدیرِ ازلی مٹا سکتا ہے اور نہ ہی میرا ہنسنا قضاء کو واپس لوٹا سکتا ہے۔[755]

اکثر حالتِ قبض ذکر سے اعراض اور معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے آتی ہے، مگر بسا اوقات دیگر باطنی مصلحتیں بھی کار فرما ہوتی ہیں۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (الأنبياء ۳۵) سے واضح ہے۔

کیفیتِ قبض میں سالک کو شیخ کی صحبت اور استغفار کی کثرت کرنی چاہیئے، نیز یَا بَاسِطُ کا تکرار اور حق تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری بھی رفعِ قبض کے لئے نافع ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۸۳ تا ۳۸۶)

---

755 (کشف المحجوب)

مفتاح السلوک، جلد اول میں ہے:

حالتِ قبض بھی نافع ہے

گو قبض سے پریشانی کا ہونا تو طبعی اور لازمی امر ہے مگر شیخِ کامل کی تسلی کے بعد بھی عقلاً پریشان رہنا یہ بُرا ہے، یہ تسلی ان منافع اور مصالح پر ہوتی ہے جو اکثر قبض پر مرتب ہوتے ہیں اور یہ قبض کا باقی رہنا نہ جائے تعجب ہے اور نہ منافی کمال۔

ہم اور آپ تو کیا چیز ہیں خود حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر جب اوّل بار وحی نازل ہوئی تو پہلے دن ثِقلِ وحی سے یا خوف و عظمتِ الٰہی سے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم پر لرزہ طاری ہو گیا، گھبرائے ہوئے غارِ حرا سے دولت کدہ پر تشریف لائے اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے، سکون کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو توریت وانجیل کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے وحی کا قصہ سن کر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو نبوت کی بشارت دی اور کہا کہ افسوس ایک دن آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی قوم آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو مکہ سے نکالے گی، اگر میں زندہ رہا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی پوری پوری مدد کروں گا، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اس وقت آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اس قدر پریشان ہوئے کہ بعض دفعہ پہاڑ پر چڑھ کر ارادہ کرتے کہ یہاں سے گر کر اپنے آپ کو ہلاک کر دوں، یہ کیا تھا؟ یہ قبض ہی تو تھا جس کی وجہ سے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی یہ حالت ہو جاتی تھی، نیز حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اس حالت سے قبض کی سند ملتی ہے کہ یہ کوئی خلافِ شرع کیفیت نہ تھی ورنہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر کیوں طاری ہوتی۔

یہ اشتقاقِ وحی ہی تو تھا جس میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم بے چین ہوگئے تھے، اس بے چینی کی حالت میں جبرائیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی تسلی فرماتے کہ اے محمد صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اس امت کے نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو رسول بنایا ہے، آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم گھبرائیے نہیں، تو جب حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی یہ حالت تھی تو دوسرا کون ہے جو قبض پر خوش ہو اور ذرا بھی پریشان نہ ہو، البتہ اس کے منافع و مصالح کے استحضار سے قلب کو ایک گونہ شگفتگی حاصل ہو جاتی ہے، پھر ان مصالح کا علم کبھی تو اجمالی ہوتا ہے جیسا کہ مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رد　　　　آن صلاح تست آئیش دل مشو

اے سالک جب تجھے قبض پیش آئے تو تو اس سے دل گرفتہ نہ ہو، کیونکہ یہ تیری اصلاح کا ذریعہ ہے۔

اس شعر سے اجمالاً معلوم ہو گیا کہ قبض میں بھی مصالح ہوتے ہیں اور یہ کوئی بُری حالت نہیں جس سے سالک (جو راہ سلوک طے کر رہا ہے) اپنے آپ کو مردود سمجھنے لگے۔

آگے فرماتے ہیں:

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بیں　　　　تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

جب قبض (کی حالت) پیش آئے اس میں بسط (ذوق و شوق کی کیفیت) کو ملاحظہ کرو اور خوش و خرم رہو، پیشانی پر بل نہ ڈالو۔

اس میں بتادیا کہ حالتِ قبض کے بعد حالتِ بسط (ذوق و شوق کی کیفیت) بہت قوی ہوتی ہے۔

اس شعر میں لفظ "در" ایسا ہے جیسا کہ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ میں لفظ مع بھی بعد ہے (یعنی جیسے ہر مشکل کے

بعد آسانی ہے ایسے ہی ہر قبض کے بعد بسط بھی ہے تو) مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس شعر کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس کا خیال کر کے شاداں و فرحاں رہو کہ اس کے بعد کسی وقت بسط کی کیفیت بھی طاری ہو گی! یہ تو اجمالی مصلحتوں کا ذکر تھا اور کبھی بعض مصلحتوں کا علم تفصیلی بھی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے سالک کی پوری تسلی ہو جاتی ہے، مثلاً کبھی قبض میں یہ مصلحت ہوتی ہے کہ بعض اوقات سالک پر بسط و انشراح کی حالت میں کسی جدید وارد کے عطا ہونے سے ایک ناز کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے یہ اپنے آپ کو بڑا عابد و زاہد سمجھنے لگتا ہے۔ اس وقت اگر حق تعالیٰ اس کی دستگیری نہ فرمائیں تو یہ کبر و عجب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو جائے، اس وقت حق تعالیٰ اس کی دستگیری کی مختلف صورتیں پیدا فرما دیتے ہیں۔

بعض دفعہ قبض طاری فرما کر ذوق و شوق کی کیفیت کو سلب فرما لیتے ہیں اور بعض دفعہ سالک کی اصلاح کے لئے یا اس کو سنبھالنے کی خاطر ذوق و شوق کی کیفیت کو سلب فرما لیتے ہیں تا کہ عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو، اس وقت اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بجائے ناز و انداز کے اپنے آپ کو یوں خیال کرتا ہے کہ میں ساری دنیا سے ذلیل ہوں، اس وقت سچ مچ اس کو اپنے سے زیادہ ذلیل و حقیر کوئی نظر نہیں آتا، اور سلوک و تصوف کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ اپنے آپ کو کمتر جانے۔

اہل اللہ کے کلام کو سمجھنے کے لئے سلوک سے گزرنا ضروری ہے

یہ بات کسی کی سمجھ میں اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ وہ خود ایسا نہ بن جائے اور نہ ہی اس وقت تک اہل دل کا کلام سمجھ میں آسکتا ہے:

پرسید یکے کہ عاشقی چیست — گفتم کہ چو ماشوی بدانی

کسی نے مجھ سے پوچھا کہ عشق کی کیا حقیقت ہے تو میں نے اس سے کہا کہ جب تم ہمارے جیسے ہو جاؤ گے تو تم خود عشق کی حقیقت سے واقف ہو جاؤ گے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عارف اس وقت تک عارف نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بدتر نہ سمجھے، اگر کسی پر یہ حالت نہ گزری ہو اور اس کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ اس کلام کو انجام ہی کے اعتبار سے سمجھ لے، نہ معلوم میرا انجام کیا ہو گا، ممکن ہے کہ کافر فرنگ کا انجام مجھ سے اچھا ہو، اپنے دل کو یہی سمجھانا چاہیئے کہ انجام معلوم ہونے سے پہلے مجھے کیا حق ہے کہ اپنے کو کسی سے افضل اور اچھا سمجھوں اور دوسرے کو حقیر۔ گو سب سے بدتر ہونا بھی یقینی نہیں مگر احتمال تو ہے اور احتمال کی بناء پر اپنے آپ کو افضل خیال کرنا کون سی عقل کی بات ہے اس لئے اپنے آپ کو سب سے بُرا ہی سمجھنا چاہیئے، ہاں البتہ یاس کا درجہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ وہ کفر ہے، کسی نے خوب کہا ہے۔

نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ خوار ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

حق تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو (کیونکہ بعض دفعہ) شراب میں مست رہنے والے رند لوگ اچانک ایک نعرے سے منزل پر پہنچ گئے۔

قبض کی حکمتیں

غرض کہ جب بسط میں غلبہ وارادت سے ناز کی سی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے، اس وقت حق تعالیٰ اس پر قبض کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں، تاکہ وہ اپنے اندر عبدیت کے آثار مشاہدہ کرے اور اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھے، تو یہ اس کے حق میں کتنی بڑی رحمت ہے کہ یہ ذریعہ بن گیا ایک عظیم نعمت کے حصول کا، اگر قبض کی کیفیت طاری نہ کی جاتی تو بسط میں یہ تباہ ہو جاتا۔

اس کے علاوہ قبض میں ایک مصلحت یہ بھی ہوتی ہے کہ سالک کے لئے انوار بعض دفعہ حجاب بن جاتے ہیں، ذکر اللہ کے وقت جو اس پر تجلیات و انوار کا انکشاف ہوتا ہے یہ اسی کی سیر میں مشغول ہو کر اصل مقصد سے رہ جاتا ہے، حالانکہ اصل مقصود توجہ الی الحق ہے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ حجاب دو قسم کے ہیں، ایک ظلمانی، دوسرا نورانی۔ حجاب ظلمانی تو وساوس و خطرات ہیں جو ذکر کے وقت دنیاوی امور کے متعلق قلب میں آیا کرتے ہیں، ان پر توجہ کرنا ظاہر ہے کہ مضر ہے، اور حجابِ نورانی یہ ہے کہ عالمِ ملکوت کے انوار و تجلیات مکشوف ہوں، اور چونکہ وہ بھی ایک عالم ہے جو کہ غیر خدا ہے اس لئے اس کی کیفیات پر بھی توجہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس صورت میں غیرِ حق کی طرف توجہ لازم آتی ہے جو قابلِ ترک ہے، اس لئے فرماتے ہیں کہ حجابِ نورانی حجابِ ظلمانی سے اشد ہے، کیونکہ اس میں بوجہ نورانیت کے زیادہ مشغولیت ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ اس پر اس وقت تک نئی نئی چیزوں کا مشاہدہ ہوتا ہے، اس کو دیکھ کر سالک اپنے آپ کو کامل سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ ابھی تک غیر حق کے ساتھ مشغول اور الجھا ہوا ہے، اور وہ انوار و تجلیات اس کے لئے حق کی طرف متوجہ ہونے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، نیز سالک کو ان میں ایک قسم کی لذت بھی محسوس ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر وہ کسی وقت محجوب ہو جائیں تو اس کو بڑا رنج ہوتا ہے، اس وقت حق تعالیٰ قبض طاری کر کے ان انوار و تجلیات کو سلب فرمالیتا ہے تاکہ سالک غیر حق سے ہٹ کر اصل مقصود یعنی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس میں بندہ کے لئے بڑی بڑی مصلحتیں ہوتی ہیں اگر یہ نہ ہو تو سالک اصل مقصود سے رہ جائے سو اگر کسی ذاکر و شاغل کو کسی وقت ایسی حالت پیش آجائے تو اس وقت گھبرانا نہ چاہیئے، بلکہ اس کو حق تعالیٰ کی رحمت سمجھے (اور یہ سمجھے کہ ہو سکتا ہے کہ میرے لئے اس میں بہتری ہو)۔

غرض یہ چند مثالیں تفصیلی حکمتوں کی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی مصلحتیں قبض میں ہوتی ہیں جو اکثر سالک کو وقت پر خود ہی معلوم ہو جاتی ہیں، ان اجمالی اور تفصیلی حکمتوں کے استحضار سے قبض میں تسلی ہو جاتی ہے اور قلب میں کچھ شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے، ورنہ خود نفسِ قبض تسلی کی چیز نہیں، وہ تو موجبِ غم ہی ہوتا ہے۔ دراصل تسلی تو اسی صورت ہوتی ہے کہ کسی قسم کا بسط و انشراح (فتح، کھلنا) ہو۔

قبض میں طبعی کٹھن کی محسوس مثال

معلومات دنیا میں بھی تو یہ ظاہر ہے کہ مال و متاع کا چوری ہو جانا، لٹ جانا، تو موجبِ رنج ہی ہے، یہ اور بات ہے کہ ثوابِ آخرت کو سوچ کر یا مال جانے کے بعد جو حفاظت و نگہداشت سے بے فکری ہو گئی اس راحت کو مستحضر کر کے دل کو سمجھا لیا جائے، مگر نفسِ مال کا چوری ہو جانا ایسی چیز نہیں کہ انسان خود اس پر طبعاً راضی ہو جائے، اس سے تو ایک دفعہ صدمہ ہی ہو گا اور اس کا تصور کرنا بھی موجب الم ہو گا۔ ہاں اس تصور کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں دل کو لگایا جائے تو کچھ تسلی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح قبض بھی بظاہر متاع باطن کا لٹ جانا ہے، اس سے صدمہ اور پریشانی کا ہونا لازمی اور طبعی امر ہے، گو اس کے مصالح اور منافع کی طرف قلب کو متوجہ کر کے تسلی ہو جائے تو یہ اور بات ہے، ورنہ خود نفسِ قبض پر دل راضی نہیں ہوتا، اور نہ یہ اپنی ذات سے تسلی کی شے ہے، بلکہ جس طرح دنیا میں اصلی تسلی کی چیز یہ ہے کہ روزانہ نئی آمدنی ہوتی رہے، اسی طرح باطن میں اصل تسلی کی چیز بسط ہی ہے، یعنی انوار و تجلیات حق کا قلب پر وارد ہوتے رہنا، جس میں وقتاً فوقتاً یوماً فیوماً متاع باطن کو ترقی ہوتی رہتی ہے اور جدید و لذیذ واردات اور مشاہدہ حق کا ہر دم ورود ہوتا رہے۔

کم گناہ کرنے والے ہی پریشان ہوتے ہیں

یہ بات اس پر چلی تھی کہ کم گناہ کرنے والوں میں جو خاص لوگ ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ گناہ پر تو وہ کیا ہی صبر کرسکتے وہ تو ایک ذرا سے تغیر اور وارد کے فوت ہونے پر ہی پریشان اور بے چین ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ابھی سنا کہ سالکین کی قبض میں کیا حالت ہوتی ہے؟ کسی بادشاہت چھن جانے سے بھی وہ بے چینی اور پریشانی نہیں ہوتی جو ان حضرات کو اس حالت کے پیش آنے سے ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تھوڑے گناہ کرنے والا بہ نسبت زیادہ گناہ کرنے والوں کے زیادہ پریشان ہوتا ہے اور جس کے پاس بالکل گناہ نہ ہوں، وہ تو اس سے بھی زیادہ پریشان ہوتا ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے قرض لینا تو کبھی جانا ہی نہ ہو، بلکہ وہ ہمیشہ اس بات کا عادی ہو کہ اپنے پاس سو پچاس روپیہ جمع رکھتا ہے، کبھی خالی ہاتھ نہیں رہتا اور ضرورت والوں کو ضرورت کے وقت دیتا دلاتا بھی رہتا ہے، ایسے شخص کا اگر کبھی اتفاق سے ہاتھ خالی ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ اس کو کتنی پریشانی ہوگی، تھوڑے سے مقروض کو وہ پریشانی نہ ہوگی جو اس شخص کو محض اپنا ہاتھ خالی ہو جانے سے ہوگی، کیونکہ جس نے ہمیشہ دوسروں کو دیا ہو کبھی کسی سے ایک پیسہ کا ادھار نہ لیا ہو اس کو تو اس کے تصور سے بھی لرزہ آئے گا، کہ آج میرا ہاتھ خالی ہے، خدانخواستہ مجھے کسی سے مانگنا نہ پڑے۔

اہل اللہ تو احتمالِ گناہ ہی سے کانپ اٹھتے ہیں

اہل اللہ کی بھی یہی حالت ہے کہ گناہ تو کیا وہ تو احتمالِ گناہ سے بھی کانپتے ہیں حتیٰ کہ ارادت کے کم ہو جانے سے گھبراتے ہیں کیونکہ اس سے کسی قدر تنزل اور بعد کا وہم ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ایسے خواص سے کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو بہ نسبت اوروں کے ان کو زیادہ رنج و ملال ہوتا ہے،

کیونکہ ان کو گناہ کے نشتر سے تکلیف کا احساس ہوتا ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو اکثر و بیشتر گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں، توبہ کر کے اجتناب نہیں کرتے ان کا احساس نہایت ضعیف یا مفقود ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں گناہ کرنے سے ایک سیاہ نقطہ کا قائم ہو جانا اور مسلسل کرتے رہنے سے پورے دل پر سیاہی کا احاطہ کر لینا مذکور ہے، تو جو لوگ واردات کی کمی سے بھی پریشان ہو جاتے ہیں وہ بھلا گناہ سے کیوں پریشان نہ ہوں گے، یہی پریشانی ہے جو سب میں مشترک ہے، البتہ کسی کو اس کا احساس زیادہ ہے کسی کو کم اور جو کسی کو اپنی اس حالت پر احساس و نظر اور تاسف بھی نہ ہو تو اس کی یہ حالت خود قابلِ تاسف ہے۔ اول تو گناہوں پر نظر کر کے ہم کو خود رونا چاہئے اور جو کسی کو رونا نہ آئے تو اس رونا نہ آنے پر رونا چاہیئے کہ افسوس! میں ایسا سنگدل ہو گیا ہوں کہ مجھے بد حالی پر رونا بھی نہیں آتا۔

دوستو! اگر کسی کو رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت بنا لینی چاہیئے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے: فان لم تبکوا فتباکوا۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل ہی بنا لو۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے "تباکی" (تکلفاً رونا) کو بکاء کا بدل قرار دیا ہے کیونکہ بکاء میں خود مقصود نہیں بلکہ مقصود بُکائے قلب ہے جسے دل کا رونا کہتے ہیں، پس تباکی میں گو آنکھ سے رونے کی صورت نہ پائی جائے مگر رونے کی حقیقت تو موجود ہے یعنی دل کا رونا اور دل کے رونے کی حقیقت ہے فکر و رنج، ملال و تاسف، کہ ہائے مجھ سے ایسا فعل کیوں سرزد ہوا، ندامت و شرمندگی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا۔

ای خنک چشمی کہ آں بریان اوست وی ہمایوں دل کہ آن بریان اوست

وہ آنکھ کتنی اچھی ہے جو محبوب کی یاد میں روتی ہے اور وہ دل کتنا اچھا ہے جو (محبوب کے صدمۂ فراق میں کباب کی طرح) بھنا ہوا ہے۔

اصل مقصود دل کا رونا ہے، نہ کہ آنکھ کا رونا۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے وعظ فرمایا، حاضرینِ مجلس نے آپ صَلَّى اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے وعظ کے اثر سے کپڑے پھاڑنے شروع کر دیئے۔

آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

لا تشقّوا جیوبکم شقّوا قلوبکم

یعنی گریبان چاک نہ کرو بلکہ دلوں کو چاک کرو۔

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ گریبان کو چاک کرنے والے قابلِ مذمت ہیں اس بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل مقصود دل کا چاک کرنا ہے، اس میں کوشش اور سعی کرنی چاہیئے، اور گریبان چاک کرنے والوں پر طعن نہ کرنا چاہیئے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کا لقب تاج الاولیاء ہے، فرماتے ہیں۔

مکن عیب درویش حیران ومست کہ غرق ہست ازاں می زند پاودست

بزرگوں کی ظاہری برائی دیکھ کر حیران نہ ہو، وہ محبت خداوندی کے عشق میں غرق ہونے کی وجہ سے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، اس میں تعلیم ہے کہ ان پر اعتراض نہ کرو، آگے ان کا عذر ظاہر کرتے ہیں۔

بہ تسلیم سرور گریباں برند   چوں طاقت نماند گریباں درند

خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر گریبان میں سر ڈالے رہتے ہیں، جب برداشت کی طاقت نہیں رہتی تو گریبان پھاڑ دیتے ہیں۔

کامل کو ضبطِ کیفیات پر پوری قدرت ہوتی ہے

کامل بظاہر ساکن معلوم ہوتا ہے مگر در حقیقت وہ بہت تیز جارہا ہے، ذرا سی دیر میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے، البتہ اتفاقیہ طور پر جوش وولولہ کے حالات پیش آنا مثلاً کپڑے پھاڑنا، بے ہوش ہوجانا، یازار و قطار رونا وغیرہ کمال کے منافی نہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا نام لے کر بے ہوش ہوگئے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ صاحبِ کمال اور انوارِ باطنیہ سے مالامال کون ہوگا؟

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو سب سے زیادہ مضبوط اور مستقل مزاج تھے، انہوں نے حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے حادثہ وصال پر جو کہ مسلمانوں کے لئے کچھ کم جانکاہ نہ تھا، بجز آنسو بہانے اور رونے کے کچھ نہیں کیا۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس عظیم حادثہ پر جتنا بھی آہ وبکا یا گریبان چاک کرتے تھوڑا تھا، مگر کچھ نہیں کیا، اور ان حضرات میں جو تھوڑا بہت تغیّر بھی ہوگیا تھا، وہ بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے بعد سب جاتا رہا، اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دین کے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ غرض یہ بات تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مشترک تھی کہ وہ عموماً حالات وکیفیات سے مغلوب نہ ہوتے تھے، اس لئے نہ وہ عام طور پر وجد میں رقص کرتے تھے، اور نہ کپڑے پھاڑتے تھے۔ کامل کو ضبطِ کیفیات پر پوری قدرت ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق ردولوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد، اینجا مرد انند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نمی زنند۔

یعنی حضرت منصور رحمہ اللہ تعالیٰ بچے تھے کہ ایک قطرہ میں پکار اٹھے، یہاں مرد ہیں کہ معرفت کے سمندر پی جاتے ہیں مگر ڈکار تک نہیں لیتے۔

ان حضرات کا دریا وجد یا رقص یا شطح کی راہ سے نہیں بہتا، البتہ ان کا دریا دوسری راہ سے بہتا ہے، یعنی افادات اور نفع رسانی کی راہ سے، وہ اپنے جوش و خروش کو طالبین کی توجہ میں صرف کرتے ہیں جس سے ہزارہا مخلوق درجہ ولایت پر پہنچ جاتی ہے۔ اگر کبھی بہت ہی غلبہ ہوا تو ان کا دریا آنکھوں کی راہ سے کسی وقت بہہ نکلتا ہے۔

چنانچہ کہتے ہیں:

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں
یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

اے اللہ، چشمۂ محبت کیسا چشمہ ہے کہ اس کا میں نے ایک قطرہ پیا جو آنسوؤں کا دریا بن گیا۔

یہ حضرات بڑے عالی ظرف ہوتے ہیں، بہت ضبط کرتے ہیں، اگر کبھی پوری طرح ضبط نہ ہو سکا تو آنکھوں سے آنسو بہا لیتے ہیں یا کسی دوسرے طریق سے اس کا اظہار اتفاقاً ہو جاتا ہے اور یہ کوئی نقص نہیں، خود حضور اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نماز میں بعض دفعہ روتے تھے اور آپ صَلَّى اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کے سینہ مبارک سے ایسی آواز سنائی دیتی تھی، جیسے ہنڈیا پک رہی ہو۔

صاحبِ حال معذور ہے

غرض چیخنا، چِلانا، کپڑے پھاڑنا اور رقص کرنا ولایت کے لئے شرط نہیں، یہ محض حالات ہیں، اور حالات بھی ایسے جو نہ مطلوب نہ مذموم، کیونکہ حالات مطلوبہ تو وہی ہیں جو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے حالات کے مشابہ ہوں، اور یہ بات یاد رکھئے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے حالات کے ساتھ جتنی زیادہ مشابہت ہوگی، اتنا ہی زیادہ کمال ہوگا، اسی لئے تو خود حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اصل مقصود دل کا رونا ہے، نہ کہ آنکھوں سے صرف آنسو بہا دینا، لیکن یہ رونے کی صورت بنا لینا بھی فائدہ سے خالی نہیں، اس سے بھی بعض دفعہ کام بن جاتا ہے۔ اگر آنکھوں سے ہی رونا مقصود ہوتا تو رونے کی کوشش کو اس کے قائم مقام نہ قرار دیا جاتا، اور یہ نہ ارشاد فرماتے: فَاِن لَم تَبۡکُوا فَتَبَاکُوا۔ (اگر رونا نہیں آتا تو کم از کم رونے کی صورت ہی بنالی جائے)۔ یہ یاد رہے کہ ذکر کی محافل میں کپڑے پھاڑنا، رقص کرنا، چیخنا چلانا، یہ سب وجد کی اقسام ہیں جو بعض اولیاء اللہ سالکین پر وارد ہوتی ہیں اور احادیث مبارکہ اور فقہاء رحمہم اللہ تعالٰی کے اقوال سے ثابت ہیں۔ اس موضوع پر پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ مفتی سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی نے ایک کتاب بنام "تحفة الاحباء لاثبات الوجد والتواجد والرقص والغشی والبکاء" تحریر فرمائی ہے، ہم ان شاء اللہ آگے اس کتاب کے چند حوالے بھی پیش کریں گے۔

ہماری حالت قابلِ اصلاح ہے

بہر حال، ہم لوگوں کی حالت ضرور قابلِ اصلاح ہے، اور جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں گو کمی ہی کے ساتھ ہوں ان کو بھی اس حالت پر تاسف ہونا چاہیئے اور جن کو تاسف نہ ہو ان کو اس تاسف نہ

ہونے پر تاسف ہونا چاہیئے اور یہ حالت زیادہ خطرناک ہے۔ خصوصاً جب کہ یاد دہانی بھی کرائی جائے، بعض دفعہ خود اپنی حالت پر تاسف نہیں ہوتا، مگر دوسرے کی تنبیہ سے خیال پیدا ہو جاتا ہے، یہ بھی غنیمت ہے، جن لوگوں کو اپنی بدحالی پر تاسف نہیں ہے وہ بھی اپنی بدحالی کے مقر تو ضرور ہیں کہ گناہگار ہونے کا ہر شخص کو اقرار ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرض کا احساس تو سب کو ہے مگر کوتاہی یہ ہے کہ علاج کی فکر نہیں اور ظاہر ہے کہ مرض کا علاج نہ کرنا سخت خطرناک ہے، اس لئے علاج کی طرف توجہ کرنا ضروری ہوا۔

آمدم برسرِ مطلب

مذکورہ آیت کو اختیار کرنے کی وجہ

پس اس وقت جس آیت کو میں نے تلاوت کیا ہے اس میں اسی مرض کا علاج موجود ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَاتَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ (الحشر ۱۹)

ترجمہ: ”ان جیسے مت بنو جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) خود ان کی جانوں سے ان کو بے پرواہ بنادیا اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔“

سبحان اللہ! حق تعالیٰ اپنے بندوں کا کتنا لحاظ فرماتا ہے۔ یوں نہیں فرمایا کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول گئے کیونکہ آیت کے مخاطب مسلمان ہیں اور مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ خدا کو بھول جائے۔ اس لئے یوں فرمایا کہ دیکھو بھولنے والوں کے مشابہ نہ ہو جانا۔ اس عنوان میں جس قدر لطف و عنایت ہے وہ ظاہر ہے، کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خدا کو بھول جانا تو تمہاری

محبت سے بعید ہے، ہاں بھولنے والوں کی طرح ہو سکتے ہو، تو دیکھو، ہم تم سے کہتے ہیں کہ تم ایسا بھی نہ کرو۔

دوسرا اس میں اک نکتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا کا بالکل بھولنے والا کافر ہے اور آیت کے مخاطب مسلمان ہیں، اور مسلمان کافر نہیں ہو سکتا، اس لئے مسلمان کو مِنَ الَّذِيْنَ کے ساتھ خطاب ہو بھی نہیں سکتا، بلکہ ان کو تو "كَالَّذِيْنَ" سے ہی خطاب ہو سکتا ہے۔

مولوی محمد یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ جو شخص ایک مرتبہ مسلمان ہو گیا وہ پھر کبھی کافر نہیں ہو سکتا، اور یہ جو بعضے مسلمان آریہ، عیسائی وغیرہ ہو جاتے ہیں، وہ حقیقت میں مسلمان ہی نہ تھے، اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، ایک شخص ظاہر میں مدعیِ اسلام ہو اور دل میں ایمان نہ ہو، تو محض زبانی دعوے سے دل میں ایمان کا ہونا لازمی نہیں، ممکن ہے کہ ایک مدعیٔ اسلام عنداللہ مسلمان نہ ہو۔ بعض دفعہ قلبی کیفیت اور زبانی تحکم سلبِ ایمان کا سبب ہو جاتا ہے اور وہ اس وقت بھی اپنے آپ کو مسلمان ہی خیال کرتا ہے، حالانکہ وہ عنداللہ مؤمن نہیں ہوتا۔

ایک عبرتناک واقعہ

چنانچہ میں ایک عجیب وغریب اور حیرت انگیز واقعہ سناتا ہوں۔ شیخ دھّان جو مکہ معظمہ میں ایک بڑے عالم تھے، انہوں نے بیان کیا کہ مکہ معظمہ میں ایک مسلمان عالم کا انتقال ہوا، ان کو دفن کر دیا گیا۔ کچھ عرصے بعد ایک اور شخص کا انتقال ہوا اور اس کے وارثوں نے چاہا کہ اس کو بھی اس عالم کی قبر میں دفن کر دیا جائے، چنانچہ ان کے حسبِ خواہش جب اس عالم کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ اس عالم کی لاش کی بجائے ایک حسین وجمیل لڑکی کی لاش رکھی ہوئی ہے۔ دیکھنے سے وہ لڑکی یورپین معلوم ہوتی تھی، سب کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اتفاق سے اسی مجمع میں ایک ایسا شخص بھی

تھا جس نے لڑکی کی صورت دیکھ کر کہا کہ میں اس کو پہچانتا ہوں، یہ لڑکی فرانس کی رہنے والی ہے، ایک عیسائی کی بیٹی ہے، یہ مجھ سے اردو پڑھتی تھی اور درپردہ مسلمان ہوگئی تھی اور اس کو میں نے دینیات کے رسائل بھی پڑھائے تھے، لوگوں نے کہا کہ اس کے یہاں منتقل ہونے کی وجہ تو معلوم ہوگئی کہ وہ مسلمان اور نیک تھی، مگر اس مسلمان عالم کی لاش کہاں گئی؟ اس پر جب لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ جب تم حج سے فارغ ہو کر یورپ جاؤ تو اس لڑکی کی قبر کھود کر دیکھنا کہ اس میں کون دفن ہے۔ ایک صورت شناس کو بھی ساتھ کر دیا، چنانچہ اس شخص نے یورپ واپس جاکر اس کے والدین سے لڑکی کا حال بیان کیا، اس واقعہ کو سن کر ان کو بڑی حیرت ہوئی، بالآخر یہ رائے ہوئی کہ اس لڑکی کی قبر کو بھی کھودا جائے۔ چنانچہ قبر کھودی گئی تو واقعی اس کے تابوت میں اس کی لاش نہ تھی بلکہ اس کے بجائے وہی مسلمان عالم نظر آئے۔ جب اس واقعہ کی اطلاع مکہ معظمہ والوں کو پہنچی تو ان کو فکر ہوئی کہ اس شخص کی لاش مکہ معظمہ سے کفرستان کس سبب سے منتقل ہوئی؟ سب نے کہا کہ اس کی بیوی سے پوچھنا چاہیئے کہ اس کا ایسا کون سا کردار تھا جس کی بناء پر اس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا کیونکہ اس کے صحیح حالات کا اندازہ بیوی ہی سے ہو سکتا تھا۔ چنانچہ لوگ اس کے مکان پر پہنچے اور دریافت کیا کہ کیا تیرے شوہر میں اسلام کے خلاف کوئی بات تھی؟ اس نے کہا کہ وہ تو بڑے نماز اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے، اور تہجد گزار تھے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ ذرا سوچ کر بتلاؤ کیونکہ اس کی لاش مکہ معظمہ میں دفن کرنے کے بعد فرانس (کفرستان) پہنچ گئی ہے، کوئی بات اسلام کے خلاف ضرور تھی جو اس کی لاش کفرستان لائی گئی ہے۔ اس پر اس کی بیوی نے کہا کہ اور تو مجھے کچھ معلوم نہیں، البتہ اتنا ہے کہ جب وہ مجھ سے فراغت کے بعد غسل کا ارادہ کرتے تو یوں کہا کرتے تھے کہ نصاریٰ کے مذہب میں یہ بات بڑی اچھی ہے کہ ان کے یہاں غسلِ جنابت فرض نہیں ہے۔ لوگوں

نے کہا کہ بس یہی بات ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو اسی قوم (نصاریٰ) کی جگہ پھینک دیا جن کے طریقہ کو وہ پسند کرتا تھا۔

دیکھا آپ نے کہ یہ شخص اگرچہ ظاہر میں نیک اور پورا مسلمان معلوم ہوتا تھا مگر تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک بات کفر کی بھی تھی کہ وہ کفار کے ایک طریقہ کو اسلامی حکم پر محبوب رکھتا تھا اور چونکہ استحسانِ کفر، کفر ہے،(یعنی کفر کو اچھا سمجھنا بھی کفر ہے) اس لئے وہ شخص پہلے ہی سے مسلمان نہ تھا، اور یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لاش منتقل ہو جایا کرے، اللہ تعالیٰ کبھی ایسا بھی کر کے دکھا دیتا ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ بد حالی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، اسی لئے شیطان کے بارے میں ارشاد ہے:وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔یعنی "وہ پہلے ہی سے کافروں میں سے تھا۔"

یہ نہیں کہ وہ پہلے فرشتہ تھا بعد میں کافر ہو گیا، جیسا کہ عوام میں مشہور ہے، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے سے اس کے کفر کا اظہار ہوا، شیطان لوحِ محفوظ میں دیکھ کر اس سے باخبر تھا کہ ایک شخص کافر ہونے والا ہے، مگر وہ اپنی طاعت و زہد کی وجہ سے اپنے سے بے فکر تھا، کہ میں اتنا عبادت گزار ہو کر کافر ہو سکتا ہوں؟ یہ اور کوئی شخص ہو گا، تو شیطان بھی اسی تکبر اور بے فکری کے سبب تباہ اور برباد ہوا۔ بخلاف ملائکہ کے کہ جب ان کو اس کا علم ہوا تو وہ سب پریشان اور فکر مند ہو گئے کہ دیکھئے ہم میں سے کسی کی کم بختی نہ آجائے، وہ اس فکر اور تواضع کی وجہ سے مقبول و محترم رہے اور شیطان پہلے ہی سے مقبول نہ تھا، اس لئے مردود ہو گیا ورنہ جو ایک مرتبہ مقبول ہو جاتا ہے وہ پھر کبھی مردود نہیں ہوتا، جیسے ایک شخص بالغ ہو کر پھر نابالغ نہیں ہوتا، ایسے ہی جس نے صدقِ دل سے ایک مرتبہ اسلام قبول کر لیا پھر وہ کافر نہیں ہوتا جس نے مسلمان ہونے کے بعد حکمِ الٰہی کے

سامنے اپنی ہوا وہوس کو فنا کر دیا ہو وہ بالغ ہے اور جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو ختم نہیں کیا اور ان کو اپنے اوپر غالب رکھا وہ نابالغ ہے۔

مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

خلق اطفالند جز مستِ خدا　　　　نیست بالغ جز رہسیدہ از ہوا

یعنی ساری مخلوق بچوں کی طرح ہے، سوائے اس شخص کے جو حق تعالیٰ کا مست ہو گیا، بس بالغ وہی ہے جو ہوائے نفسانی سے چھوٹ گیا۔

واقعی ایمان کی یہی شان ہے کہ وہ جب قلوب میں پیوست ہو جاتا ہے تو پھر نکالے نہیں نکلتا، بخاری شریف میں ہے کہ حضرت سفیان ابن حرب رضی اللہ عنہ سے اسلام لانے سے قبل روم کے بادشاہ ہرقل نے سوال کیا کوئی شخص اس دینِ اسلام کو اختیار کرنے کے بعد کراہت کے ساتھ اس کو چھوڑتا بھی ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں کہا کہ نہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا: كذالك الايمان حين تخالط بشاشة القلوب۔ یعنی ایمان کی یہی حالت ہے کہ قلوب میں پیوست اور راسخ ہونے کے بعد نہیں نکلتا، کیونکہ ایمان کی مثال عشق جیسی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (البقرہ: ع ۲۱)

ترجمہ: ”جو مؤمن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت (درجہ) قوی محبت ہے۔“

یہاں پر ایمان بمعنی عشق ہے، اگر وہ عشق سچا ہو گا تو کبھی دل سے نہیں نکلے گا، اور یہی حال ایمان کا ہے۔ اسی لئے اہل اللہ اور خاصانِ حق اپنے دل میں کسی جائز محبت کو بھی جگہ نہیں دیتے تا کہ موت کے وقت اس فانی محبوب کا خیال نہ آجائے، ان کا اصل مدعیٰ تو یہ ہے کہ جب دنیا سے رخصت

ہوں تو اس وقت سوائے خدا اور رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی محبت کے کوئی اور محبت دل میں نہ ہو، اسی وجہ سے اہل اللہ جائز محبت سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ ہم اگر جائز محبت سے (جو غلبہ کے درجہ میں ہو) اجتناب نہ کر سکیں تو کم از کم حرام محبت سے تو ضرور بچیں، اگر غور کیا جائے تو سمجھ میں آجائے گا کہ جینا اور مرنا انہیں حضرات کا ہے، اگر ہم بھی ان ہی جیسی زندگی اور موت چاہتے ہیں تو ان کے ساتھ وابستہ ہو جائیں، ان شاء اللہ ہم کو بھی ایک دن یہی دولت نصیب ہو جائے گی۔

پس اس آیت میں (جس کی ابتداء میں تلاوت کی ہے) تشبیہ اختیار کرنے کے دوسرے نکتہ کا حاصل یہ نکلا کہ چونکہ اس ارشادِ باری تعالیٰ کے مخاطب مسلمان ہیں اس لئے وَلَاتَکُوۡنُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ نَسُوۡا اللہ (الحشر ۱۹) کا خطاب مسلمانوں کو تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ مسلمان کبھی خدا تعالیٰ کو دل سے نہیں بھلا سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے وَلَاتَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ نَسُوۡا اللہ (الحشر ۱۹) فرمایا کہ بالکل بھول جانا یہ تو کافروں کا کام ہے۔

آگے ارشاد ہے:

فَاَنۡسٰھُمۡ اَنۡفُسَھُمۡ (الحشر ۱۹)

جب وہ خدا تعالیٰ کو بھول گئے تو خدا تعالیٰ نے بھی ان کو بھلا دیا۔

اس ارشاد میں ایک نکتہ کی طرف اشارہ ہے مگر اس نکتہ کو سمجھنے سے پہلے ایک بات سمجھ لیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡد۔ (الحدید ۲۶)

ترجمہ: ”ہم انسان سے رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

اب اگر انسان اس کے بعد بھی خدا کو بھول جائے جو کہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے تو ممکن نہیں کہ وہ اپنے کو یاد رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کو بھولنے والا درحقیقت خود کو بھولا ہوا ہے، اور جو خدا تعالیٰ کو یاد رکھے گا وہ اپنے کو بھی یاد رکھے گا مگر مستقلاً نہیں بلکہ اس طرح کہ میں خدا کی چیز ہوں، خدا تعالیٰ کے ساتھ مجھے تعلق ہے جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب خدا کی امانت ہے، وہ کسی چیز کو بلا واسطہ خدا یاد نہیں کرے گا، جیسے عاشق کو محبوب کی چیزیں یاد رہتی ہیں اور ان کی یاد حقیقت میں محبوب ہی کی یاد ہوتی ہے، اسی طرح وہ اپنے آپ کو اور اپنے متعلقات کو بھی سمجھتا ہے کہ یہ سب محبوب چیزیں ہیں۔

اہل دنیا اور اہل اللہ میں فرق

اہل اللہ اپنی ذات یا اپنے ہاتھ پاؤں اور اپنے تمام متعلقات کی حفاظت نوکر کی طرح کرتے ہیں، مالک کی طرح نہیں کرتے، ہم تو کھاتے ہیں، اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اور وہ کھاتے ہیں سرکاری مشین کی حفاظت کے لئے، یہاں سے اس ارشادِ باری تعالیٰ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء ۲۹) (مت قتل کرو اپنے نفسوں کو) کا راز بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ خودکشی کیوں ممنوع ہے، یہ آپ کی جان نہیں کہ جیسا چاہیں تصرّف کریں، نہیں بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی چیز میں بلا اجازت تصرّف کرنے سے منع فرمایا ہے، اسی مرتبہ میں حکم ہے۔ اِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَ اِنَّ لِزَوجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَ اِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا۔ [756] یعنی تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بی بی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔

---

[756] المجالس الوعظية في شرح أحاديث خير البرية صلى الله عليه وسلم من صحيح الإمام البخاري لشمس الدين محمد بن عمر بن أحمد السفيري الشافعي ج ۱ ص ۱۹۳۔

اس لئے کسی کو یہ حق نہیں کہ ٹھنڈی دوا کھا کر نامرد ہو جائے، یا آنکھوں میں گرم سلائی پھیر کر اندھا ہو جائے، اسی لئے عارفین اور اہل اللہ اپنی جان کو سرکاری چیز سمجھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں، ظاہر بین اپنے پر قیاس کر کے اس کو تن پروری سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ اس سے کوسوں دور ہیں ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا ہے:

در نیابد حال پختہ، ہیچ خام　　　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

خام کاروں (ناواقفوں) کو پختہ کاروں (عارفوں) کا حال معلوم نہیں ہو سکتا اس لئے گفتگو کا مختصر رکھنا ہی بہتر ہے۔

عام لوگ تو ٹھنڈا پانی اس لئے پیتے ہیں کہ مزہ آئے گا، پیاس کو تسکین ہو گی، طبیعت کو بشاشت ہو گی، اور عارف اس لئے پیتا ہے کہ ہر مُو (بال) سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہو اور اس کی حمد ہو۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

دیکھ لو! راستہ کا فرق، کہاں سے کہاں لے جاتا ہے

واقعی ہم اپنے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہیں تو جو خدا کو یاد کرے گا وہ خود کو بھی یاد رکھے گا اور خود کو یاد رکھنا اس طرح پر ہو گا کہ اول اس کی نظر خدا تعالیٰ پر پڑے گی، پھر اپنے پر، اور یہ توجہ الی الغیر نہیں جو ممنوع ہو، اس کو یوں سمجھئے کہ جیسے ایک حسین صورت آئینہ میں نظر آ رہی ہو، اور عاشق بھی وہاں بیٹھا ہوا ہو جو اس محبوب کی طرف رعب و جمال کی وجہ سے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا، اس لئے وہ آئینہ میں اس کی صورت کو دیکھ رہا ہے اور ایک دوسرا شخص ہے جو عاشق نہیں ہے وہ بھی اس آئینہ کو دیکھ رہا ہے مگر اس نیت سے کہ دیکھوں آئینہ کیسا ہے؟ تو یہ دونوں شخص بظاہر آئینہ دیکھنے میں یکساں ہیں مگر دونوں کے دیکھنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے، عاشق کی نظر اوّل محبوب کی طرف جائے گی گو

تبعاً آئینہ پر بھی نظر پڑ جائے گی، اور غیر عاشق کی نظر اوّلاً آئینہ پر پڑے گی گو تبعاً حسین کی تصویر پر بھی نظر جائے گی، مگر اس کا مقصد حسین کی تصویر دیکھنا نہیں، صرف آئینہ کی خوبی دیکھنا مقصود ہے بعینہٖ یہی فرق اہل اللہ اور غیر اہل اللہ میں ہے کہ مخلوقات کی طرف ان کی نظریں بظاہر یکساں ہیں مگر حقیقت میں بڑا فرق ہے۔ اہل اللہ کی نظر اولاً خدا کی طرف جاتی ہے پھر تبعاً مخلوق بھی اس کے سامنے آجاتی ہے اور ہماری نظر اولاً مخلوق پر ہوتی ہے گو ضمناً حق تعالیٰ کی صنعت اور قدرت کا بھی خیال آجاتا ہے۔

خدا قریب ہے، نفس دور ہے لہٰذا خدا سے غفلت خود اپنے سے غفلت ہے

غرض جب یہ ثابت ہو گیا کہ عاشق اور اللہ والے کی نظر اول خدا کی طرف جاتی ہے اور بعد میں اپنے پر، تو معلوم ہوا کہ خدا بنسبت نفس کے زیادہ قریب ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نفس سے قریب نہ ہوتا تو کسی کی نظر بھی اوّلاً اس کی طرف نہ جاتی، پس ثابت ہوا کہ جو خدا کو بھول گیا وہ اپنے نفس کو بھی بھول گیا۔ پس اسی چیز کو فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ (الحشر ۱۹) میں بیان فرمایا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (الحشر ۱۹)

یہ لوگ ہیں حکم سے نکل جانے والے۔

اس وقت بیان سے یہی جز مقصود ہے جس سے اس بدحالی کا جس کو اب تک بیان کیا گیا ہے علاج بیان کرنا ہے، اولٰئک اسم اشارہ ہے جس کے لئے فاسقون کا حکم ثابت کیا گیا ہے۔ اور بلاغت کا قاعدہ ہے کہ اسم اشارہ میں مشار الیہ کا صفات مذکورہ کے ساتھ اعادہ ہوتا ہے اور حکم کی بنا انہیں صفات پر ہوتی ہے جو پہلے مذکور ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنۡ رَّبِّھِمۡ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (البقرۃ ۵)

ترجمہ: ”بس یہی لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔“

چنانچہ علماء مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ یہاں اسم اشارہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جیسے ہدایت اور فلاح کا حکم اس سے پہلے جن صفات (ایمان بالغیب، اقامۃ صلوٰۃ، تصدیق کتب سماوی اور انفاقِ مال وغیرہ) پر موقوف ہے اور ان صفات کو فلاح میں دخل ہے، ٹھیک اسی طرح یہاں اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡن (الحشر ۱۹) میں بھی صفتِ نسیان کا اعادہ ہے جو پہلے اَلَّذِیۡنَ نَسُوۡا اللہ (الحشر ۱۹) میں مذکور ہو چکی ہے، تو حکم فسق کی بنا اسی صفت پر ہوگی جس کا حاصل یہ نکلا کہ آیت میں فسق کو نسیانِ خدا پر مرتب کیا ہے کہ دراصل فاسق اور احکام سے نکل جانے والے وہی لوگ ہیں جو خدا کو بھول گئے، تو خدا کو بھول جانا ہی فسق کا سبب ہے۔

فسق کی حقیقت

کیونکہ فسق کے معنی حکم سے نکل جانے کے ہیں اور حکم سے نکل جانا یہی حقیقت ہے معصیت کی، جس میں ہم مبتلا ہیں، الحمد للہ اس آیت سے صاف طور سے مرض کا اصلی سبب معلوم ہو گیا کہ ہماری بدحالی کا حقیقی سبب خدا تعالیٰ کو بھول جانا ہے، اور قاعدہ ہے کہ العلاج بالضد علاج ضد کے ساتھ ہوتا ہے، اگر مرض کا سبب سردی ہے تو اس کا علاج گرم ادویہ سے کیا جاتا ہے، اسی طرح اس کا عکس ہے کہ اگر مرض کی وجہ گرمی ہے تو اس کا علاج سرد ادویہ سے کیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی علاج بالضد ہونا چاہیئے کہ اگر بدحالی کی وجہ نسیان ہے تو اس کی ضد یاد ہوئی تو گناہوں کا اصل علاج جس کا

سبب خدا کو بھولنا ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ یا یوں کہیئے کہ ہر مرض کا علاج سبب کے رفع ہونے کے ساتھ ہوتا ہے خواہ ضد کے ذریعہ سے رفع کیا جائے یا مثل کے ذریعہ، بہر حال ازالہ مرض کے لئے رفع سبب، سب کے نزدیک ضروری ہے اور جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ مرضِ عصیان کا سبب نسیان ہے، تو اس کا علاج یہ ہوا کہ نسیان کو رفع کیا جائے، اور رفع نسیان لازم ہے ذکر اللہ کو، کیونکہ ارتفاء نقیضین (رفع نسیان اور عدم ذکر دونوں نہ ہوں)، یہ بات سب کے نزدیک محال ہے، تو حاصل یہ نکلا کہ معصیت کا علاج یادِ الٰہی ہے۔

خدا تعالیٰ کو یاد رکھنے کے طریقے

اب رہی یہ بات کہ خدا تعالیٰ کی یاد کیسے ہو اور اس کا کیا طریقہ ہے تو یاد کے بہت سے طریقے ہیں، مثلاً ایک یاد ہوتی ہے محبت کی بنا پر، ایک ہوتی ہے خوف سے، اور ایک ہوتی ہے حیاء سے، پھر ان کی بھی چند قسمیں ہیں کہ اس محبت کا منشاء اس کی ذات ہے یا اس سے مقصود ثواب ہے۔ اسی طرح خوف کا حال ہے کہ خوف ذات کا ہے یا عتاب کا، اور یہ حال حیاء کا ہے کہ وہ ذات سے ہے یا محسن کے احسانات سے۔ اس میں لوگوں کے طبائع اور مذاق مختلف ہوتے ہیں، بعضے ایسے ہوتے ہیں جن میں محبتِ ذات غالب ہوتی ہے، یعنی محبوب کی ذات ہی ایسی عظیم الشان ہے کہ مجبوراً اس سے محبت کرنی پڑتی ہے، نہ وہ جنت کے حاصل کرنے کے لئے ذکر اور عبادت کرتے ہیں، اور نہ دوزخ سے بچنے کے لئے، صرف ذاتِ حق کا عشق ان کے لئے ذکر کا باعث بنا ہوا ہے۔

اور بعضے وہ ہیں جن کے ذکر اللہ کی منشاء حصولِ جنت ہے کہ ہم کو اس عمل سے جنت ملے گی، دوزخ سے نجات ہوگی اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ مقصود تو ذکر اللہ ہے وہ ہونا چاہئے، اگر

اسی نیت سے ذکر کرتا رہا تو ان شاء اللہ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ اس کو ذاتِ حق سے عشق ہو جائیگا، پھر اس کو بھی ذاتِ محبوب کی رضاء کے سوا کچھ مطلوب نہ ہو گا۔

مثال کے ذریعہ وضاحت

اس کو یوں سمجھئے کہ (پڑھنے والے) لڑکے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو ایسا ہے جس کو خود تعلیم میں لطف آتا ہے، اور بغیر کسی حرص و طمع کے تعلیم میں مشغول ہے، دوسرا وہ جو باپ کے کہنے سے پڑھتا ہے کہ پڑھتے رہو گے تو ہم تم کو ہر روز ایک آنہ دیا کریں گے، اس کی یہ حالت پہلے سے کم درجہ کی سہی مگر کیا کوئی عاقل اس سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میاں پڑھنا ہے تو خود ذاتی شوق سے پڑھو ورنہ ایک آنے کے لالچ سے پڑھنا بھی کوئی پڑھنا ہے؟ اس سے کیا فائدہ؟ ایسی بات ہر گز کوئی نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اس کا نتیجہ بجز محرومیٔ علم کے اور کچھ نہیں، بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ میاں! جس طرح بھی ہو، پڑھنا چاہیئے، چنانچہ اس طرح پڑھنے میں لگے رہنے سے ایک دن اس کو ایسا شوق پیدا ہو گا کہ اگر باپ کچھ بھی نہ دے بلکہ یہ کہے کہ پڑھنا چھوڑ دو تب بھی وہ اس کی بات ہر گز نہیں مانے گا۔

ذکر مطلوب ہے خواہ عشقِ ذات کی بنا پر ہو یا محبتِ ثواب کی بنا پر

یہی قاعدہ ذکر میں کیوں روا نہیں رکھا جاتا؟ اور جو لوگ ثواب کے لئے یا حصولِ جنت کے لئے عمل کرتے ہیں ان پر بعض غیر محققین کیوں اعتراض کرتے ہیں، پھر جبکہ خدا تعالیٰ نے خود جنت کی رغبت دلائی ہے بلکہ اس میں رغبت کرنے کا امر بھی کیا ہے تو پھر کوئی وجہ اعتراض کی نہیں۔

چنانچہ ارشاد ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ (حدید ٢٠)

ترجمہ: تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کے برابر ہے۔

پس جنت کے حصول کی نیت سے عمل کرنے کو جو بعضے معترض ایک گھٹیا اور ادنیٰ قسم کی حالت بتاتے ہیں وہ گویا خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے گھٹیا حالت کی کیوں ترغیب دی ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، حق تعالیٰ نے جتنے بھی طریقے تعلیم فرمائے ہیں، وہ سب عمدہ اور اعلیٰ ہی ہیں، گھٹیا کوئی نہیں، یہ بات اور ہے کہ ایک حالت رفیع اور دوسری ارفع ہو مگر محمود دونوں ہیں، محض رضائے محبوب کے لئے ذکر کرنا مقام ارفع ہے، مگر طلب جنت کی نیت سے ذکر کرنا بھی رفیع حالت سے کم نہیں، بلکہ اس نیت سے ذکر کرنا کہ جنت ملے گی اور جنت کا سوال اس نیت سے کرنا کہ وہ خدا کی چیز ہے، خدا کی رضا کے ثمرہ میں دیدار کی جگہ ہے، اور اس کے مانگنے کا حکم فرمایا ہے، اور خود ہمارے آقا حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس کا سوال کیا ہے تو اس اعتبار سے وہ بھی مقام ارفع ہی ہے۔

چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ:

اللھمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ وَمَاقَرَّبَ اِلَیْھَامِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ۔[757]

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور ہر اس چیز کا جو جنت کے قریب کرنے والی ہو، خواہ قول ہو یا فعل۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جنت کا سوال کرنا کوئی گھٹیا حالت نہیں، اگر یہ گھٹیا حالت ہوتی تو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس کا سوال نہ فرماتے، تو معلوم ہوا کہ یہ بھی ارفع

---

[757] سنن ابن ماجۃ ج ۴ ص ۴۴۔

حالت ہے اس نیت سے عمل کرنا کہ جنت ملے گی وہ در حقیقت رضائے محبوب کے لئے ہی عمل کرنا ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ عاشق کو تو محبوب کی ادنیٰ ادنیٰ چیز سے محبت ہوتی ہے، پس حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا جنت کا سوال کرنا اسی بنا پر تھا کہ وہ خدا کی چیز ہے اور اس کے مانگنے کا حکم فرمایا ہے اور جب محبوب کی یہ خواہش ہو کہ میری چیز مجھ سے مانگو تو اس وقت مانگنا ہی موجبِ رضا ہے۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں   خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

جب حق تعالیٰ ہی ہم سے طمع چاہیں تو پھر قناعت پر خاک ڈالو، عارفِ کامل تو خدا تعالیٰ کی ادنیٰ نعمت سے بھی استغنا ظاہر نہیں کرتا چہ جائیکہ جنت سے جو اعلیٰ نعمتوں میں سے ہے، استغنا ظاہر کرے!

نیز حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا جنت کا سوال کرنا اس بناء پر بھی تھا کہ وہ محلِ دیدار ہے تو در حقیقت یہ جنت کا سوال نہ تھا بلکہ محبوب کے دیدار کا سوال تھا، کسی نے خوب کہا ہے:

عاشقان جنت برائے دوست میدارند دوست

یعنی جو لوگ عاشق ہیں وہ تو جنت اسی لئے طلب کرتے ہیں کہ وہاں دوستوں سے ملاقات ہوگی۔

چنانچہ کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ جب سے مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ جنت میں دوستوں سے ملاقات ہوگی، اس وقت سے جنت کا شوق ہو گیا ہے، تو اس نیت سے کسی مؤمن کا جنت کا سوال کرنا اور اس کی طرف راغب کرنے والی چیزوں پر عمل کرنا یہ مقام ارفع ہی ہے اور ایک بات اس سے بھی زیادہ باریک ہے، وہ یہ ہے کہ بعض دفعہ جنت کی طلب کا منشاء محض یہی نہیں ہوتا کہ وہاں خدا تعالیٰ کا دیدار ہوگا، بلکہ اس خیال سے بھی اس کی تمنا کی جاتی ہے کہ ہم اس قابل کہاں کہ دیدار کی تمنا کریں،

آؤ کم از کم جائے دیدار ہی کی زیارت کر لیں، تو یہ بھی بڑی بات ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد ہے کہ وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے دیدار کی تمنا کرتے ہیں، ہم تو اپنے آپ کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ قبہ خضرا ہی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ سکیں۔

مرا از زلفِ تو موئے بسند ست　　　　ہوس را رہ مدہ بوے بسند ست

مجھ کو تو تیری زلف کا ایک بال بھی کافی ہے (اے دل) ہوس اختیار نہ کر کہ یہاں تو اگر خوشبو بھی میسر آ جائے تو بھی غنیمت ہے۔

اور بعض دفعہ جنت کے سوال کا منشاء غلبہ تواضع بھی ہوتا ہے کہ عاشق اپنے کو وصالِ محبوب کے قابل ہی نہیں سمجھتا اسی لئے تمنا کرتا ہے کہ میں اس کے دیکھنے کے تو لائق ہی نہیں، کاش اس کے شہر ہی میں جار ہوں۔

اور کبھی اپنی احتیاج اور افتقار ظاہر کرنے کے لئے جنت کی تمنا کی جاتی ہے کہ اے اللہ ! میں آپ کی رضا کا تو محتاج کیوں نہ ہوتا، میں تو جنت کا محتاج ہوں، جو کہ رضا کے مقابلہ میں کہیں ادنیٰ درجہ کی چیز ہے تو غرض مختلف لوگوں کی مختلف نیتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے جنت کا سوال کیا جاتا ہے اور ان چیزوں پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو اس کے قریب کرنے والی ہیں، مقصود سب کا رجائے الٰہی ہی ہے، مگر اس کے حصول کے طریقے مختلف ہیں۔

یہاں تک تو محبت کی قسموں کا ذکر تھا، کہ خواہ محبت بلاواسطہ ہو یا بواسطہ۔۔۔

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف
گر بکشد زہے شرف ور بکشم زہے طرب

قسمت نے اگر یاوری کی تو اس کا دامن پکڑ لوں گا، اگر میں نے اپنی طرف کھینچ لیا تو اچھا اور اگر اس نے کھینچ لیا تو بہت اچھا ہے۔

حق تعالیٰ سے خوف کی مختلف صورتیں

پس جیسے محبت کی مختلف صورتیں ہیں۔ اسی طرح خوف کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔

کسی کو حق تعالیٰ کی ذات کا خوف، اس کی عظمتِ شان اور جلالت کی وجہ سے ہوتا ہے اور کسی کو آخرت کے عذاب و عتاب کا خوف ہوتا ہے۔ یہ دونوں طریقے اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بھی اپنے عذاب و عتاب سے بندوں کو ڈرایا ہے، بعض طبائع پر جلالت و عظمتِ حق کا انکشاف نہیں ہوتا ان کے لئے خوفِ عذاب ہی گناہوں سے مانع بن جاتا ہے۔ پس جو لوگ عذاب کے خوف سے عمل کرتے ہیں ان پر بھی کوئی اعتراض نہیں، اور ان کی یہ حالت گھٹیا نہیں بلکہ رفیع حالت ہے، گو اس سے ارفع اور بلند حالت یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت اور اس کی جلالتِ شان منکشف ہو کر گناہوں سے مانع ہو۔

(مفتاح السلوک، جلد اول)

[حدیث میں ہے:

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَآءُ۔

ترجمہ: مؤمن کا دل خدائے رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اسے جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔[758] وَالسَّلَامُ]

---

758 (رواہ مسلم، کتاب القدر، باب تصریف اللہ تعالیٰ القلوب کیف یشاء، رواہ سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فیما انکرت الجھیمۃ، ابن حبان، کتاب الادعیۃ، باب ما یستحب للمرء ان یسال اللہ جل وعلا صرف قلبہ الی طاعتہ، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الرقاق، طبرانی بالفاظ مختلفہ)

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس بات سے بلند وبرتر ہے کہ اس کا وجودِ مبارک انسان کی طرح گوشت پوست اور خون وہڈی سے مرکب ہو اور حدیثِ مبارکہ میں جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر ہے یہ محض سمجھانے کے لئے ہے اور انگلیوں سے قدرتِ خداوندی مراد ہے کہ بندوں کے قلوب کو ہدایت یا گمراہی کی طرف پھیر دینا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرتِ کاملہ میں ہے۔ انسانی دل اپنی فطرت کے لحاظ سے ملائکہ اور شیطان دونوں ہی کے اثرات کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر انسان شہوت پرستی کرنے لگے اور غصہ وغضب کو اختیار کرلے تو شیطانی اثرات کے تابع ہو جائے گا اور اگر خواہشاتِ نفسانی کے خلاف جہاد کرے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کرنے لگے تو اس کا دل ملائکہ عظام کا مستقر ومنزل قرار پائے گا۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

متشابہات کے متعلق متکلمینِ اہلسنت کی آراء

زیرِ نظر مکتوب میں وارد مذکورہ بالا حدیث اور اس قسم کی دیگر آیات واحادیث مبارکہ متشابہات میں سے ہیں، ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ اپنی رائے وقیاس سے ان میں کلام کرنا حرام اور ان کو آسان کرنے کی کوشش کرنا ممنوع ہے۔ ان کے بارے میں مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہیئے کہ یہ حق تعالیٰ کی بلا کیف صفات میں سے ہیں۔ چونکہ ان کی کیفیت مجہول ہے لہٰذا ان کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

متشابہات کے بارے میں اہلِ علم کے دو مؤقف ہیں:

۱۔ مُفوِّضِین　　　　　　۲۔ مُؤوِّلِین

مُفوِّضِین

ان کا مؤقف یہ ہے کہ اَصابع اور یَدُ وغیرہا کا معنی انگلیاں اور ہاتھ ہی کرنا چاہیئے ان کی تاویل سے اجتناب کرنا چاہیئے لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ انگلیاں مخلوق کی طرح ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انگلیاں تو ہیں ہم ان پر ایمان لاتے ہیں مگر ان کی حقیقت و کیفیت سے ہم آگاہ نہیں، ان کی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ (آل عمران ۷) سے واضح ہے۔ اسلاف کے نزدیک یہی مؤقف اسلم ہے۔

مُؤوِّلِین

ان کا مؤقف ہے کہ متشابہات کو ظاہری معنی پر محمول کرنے سے تشبیہ و تمثیل کا اثبات ہوتا ہے جو سراسر الحاد اور زندقہ ہے لہٰذا ان کی تاویل کرنا ضروری ہے۔

واضح رہے کہ بعض متشابہات کی تاویل نہایت دشوار ہے، لہٰذا ان کی تاویل سے ساکت وصامت رہنا چاہیئے۔ صرف اس پر ایمان واعتقاد رکھنا چاہیئے ایسے موقع پر تاویل کو حرام جاننا چاہیئے جیسا کہ آیتِ کریمہ: لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (الإسراء ۳٦) سے آشکارا ہے۔[759]

---

[759] (عقائد تورپشتی)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا مؤقف

لفظِ قُرب، معیت اور احاطہ ٔحق سبحانہٗ وتعالیٰ جو قرآن مجید میں واقع ہوئے ہیں۔ **متشابھات** قرآنی میں سے ہیں۔ جیسا کہ لفظ **ید** اور **وجہ** وغیرہ۔ اور یہی حال لفظِ اول، آخر، ظاہر، باطن اور ان جیسے دیگر الفاظ کا ہے۔ پس ہم حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو قریب کہتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ قرب کا معنی کیا ہے۔ اسی طرح ہم اسے اول کہتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ اول سے کیا مراد ہے، قرب اور اولیت کے جو معنی ہمارے علم و فہم کے احاطہ میں آتے ہیں حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان سے منزہ اور برتر ہے، اور جو کچھ ہمارے کشف و شہود میں سما سکتا ہے حق تعالیٰ اس سے بہت بلند اور پاک ہے، اور حق تعالیٰ کے قرب اور معیت کی جس کیفیت کو بعض متصوفین نے بطریق کشف دریافت کیا ہے وہ اسی کشفی معنی کے لحاظ سے حق سبحانہٗ کو قریب اور ساتھ (مَعَ) سمجھتے ہیں، وہ مستحسن نہیں ہے۔ انہوں نے فرقۂ مجسمہ کے مذہب میں قدم رکھ دیا ہے۔ اور جو کچھ بعض علماء نے اس کی تاویل میں فرمایا ہے اور قرب سے مراد قربِ علمی لے لیا ہے تو وہ اسی طرح ہے جیسا کہ انہوں نے ید کی تاویل قدرت اور وجہ کی تاویل ذات سے کی ہے۔ یہ ان لوگوں کے نزدیک جائز ہے جو تاویل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں ہم تو تاویل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس کی تاویل کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے علم کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وَ الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ۔ [760]

بینہ

یہ امر مستحضر رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے **متشابھات** کی تاویلات کے جواز اور عدمِ جواز کے متضاد اقوال کو اوقات واحوال کے متعدد و مختلف ہونے پر محمول کرنا چاہیئے اور

---

[760] (مبدأو معادمنھا، ص ۳۵)

دوسرے قول پر ہی اعتماد کرنا چاہیئے، کیونکہ ہر مقام کے علوم و معارف جُدا جُدا ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے، جیسا کہ اربابِ حال و کیف سے پوشیدہ نہیں ہے۔ **فَافْهَمْ**

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۸۶ تا ۳۸۸)

مکتوب نمبر ٦٨

[یہ مکتوب بھی خانِ خاناں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ دولت مندوں کو تواضع اور انکساری زیت دیتی ہے اور فقرا کو بے نیازی۔

اَلْخَيْرُ فِيْمَا صَنَعَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ۔

ترجمہ: بہتری اور خیر اسی میں ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کرے۔

مخدوم گرامی!

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگوئم
توخواہ از سخنم پند گیر وخواہ ملال!

ترجمہ: تبلیغ کی شرط کے تحت جو کچھ ہے وہ میں نے تجھے کہہ دیا ہے۔ آگے میری باتوں سے نصیحت حاصل ہو یا رنج وملال۔ (وہ تو جانے)

آپ کے تینوں خطوط سے بے نیازی ہی ٹپکتی تھی۔ اگرچہ آپ کا مقصود تواضع تھا، مثلاً آخری خط میں یوں تحریر تھا:

"بعد الحمد والصلوٰۃ عرض ہے کہ اس عبارت میں اچھی طرح غور کریں کہ اسے کہاں لکھا جائے"۔

یہ ٹھیک ہے کہ آپ نے فقرا کی خدمت بہت کی ہے۔ لیکن ساتھ ہی فقرا کے آداب کا لحاظ بھی ضروری ہے تاکہ اس پر ثمرہ اور نتیجہ برآمد ہو۔ اور اس کے بغیر تو خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ یعنی کچھ فائدہ نہیں۔]

تشریح

ایک عالم اور شیخ جہاں عوام الناس کی رہنمائی کرتے ہیں وہیں وہ خواص اور امرأ کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی بھی نشاندہی کرتے نظر آتے ہیں اور یہی وہ اہم فریضہ ہے جو علماءِ حق کو علماءِ سوء سے ممتاز کرتا ہے۔

اس فریضے کی ادائیگی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں خانِ خاناں کو جو امیرِ وقت اور صاحبِ اقتدار شخص تھے، لکھا کہ امرأ کو عاجزی وانکساری اور فقرأ کو بے نیازی زیب دیتی ہے۔ امرأ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ لوگوں سے اپنا احترام کروائیں اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ لوگوں سے متکبرانہ انداز میں بات کریں بلکہ تواضع اور انکساری کا اظہار کرنا چاہیئے۔

حضرت مولانا مصلح الدین شیرازی سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سارے مفہوم کو ایک شعر میں بیان فرمایا ہے کہ:

تواضع ز گردن فرازان نکوست   گدا گر تواضع کند خُوی اُوست

ترجمہ: جو لوگ غرور و تکبر کرتے ہیں اُن کو عاجزی زیب دیتی ہے، گداگر، اگر عاجزی کرے تو اس کی تو یہ عادت ہے (یعنی گداگر نے تو عاجزی ہی کرنے ہے اصل عاجزی تو امرأ کے لئے ضروری ہے)۔

فقرأ جو اس اُمت کی زینت اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مُقربین ہیں ان کے آداب کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے، یوں ہی علماءِ کرام کا احترام کرنا بھی لازمی ہے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہو چکا ہے۔ ایک طرف تو اولیاء وفقراء کے منکر ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور

دوسری طرف اولیاء کو ماننے والے لوگ اپنی اپنی مساجد کے اماموں کے ساتھ اس انداز میں گفتگو کرتے ہیں جیسے امامِ مسجد مقتدیوں یا مسجد کمیٹی کے ارکان کا ذاتی نوکر ہو۔ انہیں اس بات کا خیال نہیں آتا کہ یہ شخص ہماری نمازوں میں ہمارا امام ہے اور ہم اس کے پیچھے اقتداء کرتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

الإِمَامُ ضَامِنٌ۔

ترجمہ: امام اپنی قوم (کی نمازوں) کا ضامن ہے۔[761]

مراد یہ ہے کہ نماز کی صحت اور فساد امام سے وابستہ ہے۔ اگر اس کی نماز درست ہوئی تو سب کی درست ہو جائے گی اور اگر اُس کی نماز فاسد ہو گئی تو مقتدیوں کی نماز کیسے درست ہو گی۔ اسی سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ مساجد میں رکھے جانے والے اماموں کا عالم ہونا ضروری ہے تا کہ لوگوں کی نمازوں کی حفاظت کر سکے۔ یہ نہ ہو کہ عقائد و فقہ سے جہالت کی وجہ سے لوگوں کی نمازوں کو ضائع کرتا پھرے لیکن یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر بے شمار عقلی و نقلی دلائل موجود ہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

تواضع کی اہمیت

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے خانِ خاناں کو متکبرانہ اندازِ تحریر پر تنبیہ اور تواضع اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ دراصل بسا اوقات امیر طبقہ دولت کے خمار اور نشۂ اقتدار میں مست علماء اور فقراء پر رعب جمانے کی کوشش کرتا ہے۔ خانِ خاناں صاحبِ ثروت اور سلطنت کے رُکنِ رکین ہونے کے باوصف فقیروں کے ارادت مند اور خدمتگار تھے۔ مگر ان کی تحریر سے

---

[761] (سنن الترمذی، ج ۱، ص ۴۰۲، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

تحکم و تکبر کی بو آتی تھی جس پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے انہیں تواضع اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی تاکہ فقراء کی خدمت کرنے پر انہیں اجر وثواب مل سکے ورنہ آیت کریمہ: لَا تُبۡطِلُوا صَدَقَاتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡأَذَى (البقرة ۲۶۴) کی رو سے ثواب سے محروم رہیں گے۔

دراصل تکبر ایک روحانی اور اخلاقی مرض ہے جس کا علاج تواضع، عاجزی اور انکساری سے ہی ممکن ہے۔ کیونکہ علاج ضد کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح خشکی کا علاج تری سے، حرارت کا برودت سے کیا جاتا ہے، ایسے ہی تکبر کا علاج تواضع سے ہوتا ہے۔

تواضع جنت کی کلید ہے اور عظمت کی نوید ہے۔ تواضع گو دوائے تلخ مزا ہے مگر حرمت افزا بھی ہے۔ تواضع سببِ خیر وبرکت بھی ہے اور موجب فضل ورحمت بھی۔

تواضع غرباء کا اظہارِ حال بھی ہے اور امراء کے لئے باعثِ کمال بھی جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: طُوۡبٰى لِمَنۡ تَوَاضَعَ فِيۡ غَيۡرِ مَسۡكَنَةٍ۔ (یعنی خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جو صاحبِ ثروت ہو کر بھی تواضع اختیار کرے)

دانائے شیراز شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

تواضع ز گردن فرازاں نکوست　　　گدا گر تواضع کند خوئے اوست

(البینات شرح مکتوبات، ج۲، ص ۳۹۱، ۳۹۲)

[ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت کے متقی لوگ تکلف سے بَری ہیں۔ لیکن متکبروں کے ساتھ تکبر کرنا بھی ایک قسم کا صدقہ اور نیکی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو ایک شخص نے متکبر کہا۔ آپ نے فرمایا میرا تکبر خدا کے لئے ہے۔ اس گروہ فقرا کو ذلیل وخوار خیال نہ کریں۔

کیونکہ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے:

رُبَّ أَشْعَثَ، مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ۔

ترجمہ: بہت سے پراگندہ بال گرد آلود، دروازوں سے دھکیلے جانے والے (باطن میں ایسا بلند مقام رکھتے ہیں) کہ اگر خدا پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم پوری کرتا ہے۔[762]

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم

کہ دل آزردہ شوی ورنہ سُخن بسیار است

ترجمہ: میں نے تیرے سامنے اپنا غمِ دل بہت تھوڑا بیان کیا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہوگا ورنہ باتیں بہت ہیں۔]

تشریح

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اَلتَّکَبُّرُ مَعَ الْمُتَکَبِّرِیْنَ عِبَادَةٌ۔

ترجمہ: متکبرین کے ساتھ تکبر کرنا عبادت ہے۔[763]

تکبر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا خاصہ ہے لیکن اگر کوئی امیر آدمی کسی کے ساتھ غرور کے ساتھ پیش آئے تو اس کے ساتھ بھی غرور کے ساتھ ہی پیش آنا چاہیئے تاکہ اس کو احساس ہو جائے کہ میں نے تکبر کیا ہے۔

---

762 (صحیح مسلم، ج۴، ص۲۰۲۴، الناشر: دار إحیاء التراث العربي - بیروت)

763 (کنز الدقائق، ج۱)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس جملہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضور اکرم علیہ التحیۃ والثناء کی اُمت کے پاکباز افراد تکلف سے پاک ہوتے ہیں کیونکہ سالک کو طریقت میں نیک امور سرانجام دینے پڑتے ہیں مگر جب وہ روحانی امراض سے پاک اور تزکیۂ نفس سے شاد کام ہو جاتا ہے تو غصہ ورعونت وغیرہا جیسے روحانی امراض کی جگہ اسلامی غیرت اور دینی حمیّت لے لیتی ہے۔ غالباً ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات اَمَّا التَّکَبُّرُ مَعَ الْمُتَکَبِّرِیْنَ صَدَقَۃٌ (مگر تکبر کرنے والوں کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے) میں اسی امر کو بیان فرمایا گیا ہے۔ یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کی عزت و تکریم عند الشرع مطلوب و محبوب ہے ان کے دشمنوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے، لہٰذا ان خاک نشینوں اور خلوت گزینوں کو ذلیل و حقیر سمجھنے سے باز رہنا ہی دانشمندی ہے۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر   توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۹۲، ۳۹۳)

[آپ کے عزیز دوستوں اور مخلصوں کو چاہیئے کہ سچائی اور حقیقت معاملہ کو سامنے رکھیں۔ اور جو کچھ آپ تک پہنچائیں صحیح اور درست پہنچائیں۔ اور جو مشورہ بھی آپ کو دیں اس میں آپ کی بھلائی کو مد نظر رکھیں، اپنی اغراض اور مصلحتوں کو سامنے نہ رکھیں کہ یہ سراسر خیانت ہے۔

اس سفر کے بعض منافع آپ کے لئے علت غائی کی حیثیت رکھتے تھے (مگر کیا کیا جائے) اس عالمِ اسباب میں آپ کے "دوستوں اور مخلصوں" نے آپ کو نہ چھوڑا (تاکہ وہ منافع آپ تک پہنچتے) اس طرف سے کوتاہی کا خیال نہ کریں۔ اگرچہ یہ مقدمات (باتیں) تلخ نما ہیں۔ لیکن آپ کی خوشامد وچاپلوسی کرنے والے بہت ہیں، آپ اسی پر اکتفاء کریں۔ فقرا سے آشنائی اور ملاقات سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے پوشیدہ عیوب اور مخفی کمینی حرکات سے واقف اور مطلع ہو۔ یہ بات ذہن میں

رکھیں کہ اس قسم کی باتوں سے آزار اور تکلیف دینا مقصود نہیں، بلکہ یہ باتیں خیر خواہی اور دلسوزی کے طور پر ہیں۔ آپ یقین کریں۔

خواجہ محمد صدیق اگر ایک روز پہلے آجاتا تو احتمال تھا کہ بندہ اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں لے آتا، مگر وہ تو سرہند کے راستے میں ملا۔ لہٰذا معذور جانیں۔

اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ۔

ترجمہ: بہتری اسی میں ہے جو خدا تعالیٰ کرے۔]

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اہل اللہ کی حق گوئی اور تلخ نوائی سے رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے۔ اس سے ان کا مقصود دل آزاری نہیں بلکہ طالبین کی خیر خواہی ہوتا ہے تاکہ ساتھ ساتھ سالک کے باطنی امراض اور کمینی حرکات کا ازالہ بھی ہوتا رہے اور وہ پامردی کے ساتھ عالمِ قدس کی طرف پرواز کرتا رہے۔

نیز جب کسی دوست سے مشورہ لیا جائے تو وہ اپنی مصلحت اور ذاتی مفاد کے پیشِ نظر چاپلوسی سے بھی کام لیتا ہے۔ حالانکہ حدیث: اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ۔ کے مطابق مشیر امین ہوتا ہے، نہ کہ خائن۔ جبکہ اہل اللہ خوشامد پسند اور مصلحت بین نہیں ہوتے بلکہ بے لوث اور بے خوف ہوتے ہیں اسی لئے وہ کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کئے بغیر ٹوک دیتے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۹۳، ۳۹۴)

مکتوب نمبر ۶۹

[یہ مکتوب بھی خانِ خاناں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ تواضع دارین کی بلندی کا باعث ہے۔ نیز اس بیان میں کہ نجات فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کی متابعت سے وابستہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

التفات نامہ گرامی جو آپ نے برادر عزیز مولانا محمد صدیق کے ہمراہ روانہ کیا تھا، موصول ہوا۔ آپ نے کرم فرمایا۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

چونکہ آپ نے فقرا کے آداب کا لحاظ رکھا ہے اور باتوں میں تواضع اختیار کی ہے، اس کے مطابق:

من تواضع للہ رفعہ اللہ۔

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بلندی ورفعت عطا کرتا ہے۔[764]

اُمید ہے کہ آپ کا یہ عجز وتواضع آپ کی دینی ودُنیوی رفعت کا سبب بنے، بلکہ بن چکا ہے۔ آپ کو بشارت ہو۔ چونکہ آپ درمیان میں رجوع اور انابت کے الفاظ آئے ہیں اس لئے یوں تصور کریں کہ آپ کا یہ رجوع درویشوں میں سے کسی درویش کے ہاتھ پر واقع ہو چکا ہے، لہٰذا اچھے نتائج وثمرات کے منتظر رہیں۔ لیکن حتی الامکان درویشوں کے حقوق وآداب کا لحاظ ضرور رکھیں۔

---

[764] (عمدۃالقاری، ج ۲۱، ص ۷۳، الناشر: دار إحیاء التراث العربي - بیروت)

وصیتوں اور نصیحتوں میں سے کیا لکھے، اور علوم و معارف کا کیا اظہار کرے؟ علماءِ مجتہدین اور صوفیاء محققین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے بسط و تفصیل کے ساتھ سب کچھ لکھ دیا ہے۔ کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی۔ اور اس کم مایہ بندے کی تحریرات کا کچھ حصہ بھی ظاہراً آپ کے دوستوں نے آپ کی خدمت میں پہنچادیا ہے۔ آپ کی نظر شریف سے گزر چکا ہو گا۔

مختصر یہ کہ نجات کا راستہ اہلِ سُنت و جماعت کی متابعت ہے (اللہ تعالیٰ اس گروہ کو اور زیادہ کرے)۔ اقوال میں بھی، افعال میں بھی اور احوال و فروع میں بھی۔ کیونکہ نجات پانے والا فرقہ صرف یہی ہے۔ باقی تمام فرقے زوال اور ہلاکت کے کنارے کھڑے ہیں۔ آج کسی کے علم میں یہ بات آئے یا نہ آئے لیکن (قیامت) کو ہر ایک جان لے گا، مگر اس وقت جاننا بے سود ہو گا۔

اے اللہ! اس سے قبل کہ موت آکر ہمیں جگائے اور ہوشیار کرے اس وقت بیداری اور ہوشیاری کی نعمت نصیب فرما۔

سیادت مآب سید ابراہیم آپ کے بلند آستانہ سے قدیمی تعلق و نسبت رکھتا ہے اور آپ کے دعا گوؤں میں شامل ہے۔ آپ کے ذمہ کرم پر لازم ہے کہ اس کی دستگیری فرمائیں۔ کہ اس فقر اور بڑھاپے کے وقت اپنے اہل و عیال میں فراغت و سکون سے اپنے وقت کو گزاریں اور آپ کے لئے دونوں جہان کی سلامتی کی دعا میں مشغول رہیں۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

اگر کوئی شخص اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اور اس کے رسول حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رضا کے لئے کسی عالم یا شیخ کی تواضع کرتا ہے تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اس کے درجات کو بلند فرما دیتا

ہے لیکن اس کے بر عکس کسی دُنیا دار کے جاہ و جلال اور مال و دولت کے پیشِ نظر یا کسی دنیاوی غرض کے لئے تواضع کرنا شرک میں داخل ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

من تواضع لغني لغناه ذهب ثلثا دينه۔

ترجمہ: جو کسی غنی کی اس کی دولت کی وجہ سے تواضع کرتا ہے اس کا دو تہائی دین ضائع ہو جاتا ہے۔[765]

اس کے علاوہ تواضع کا ایک درجہ اور ہے جس کا حصول طریقت و سلوک سے وابستہ ہے، انسان کے اندر پنہاں لطائفِ عالمِ اَمر جو در حقیقت نُورانی ہیں، وہ نفس کی غلاظت کے گرد و غبار سے ماند پڑ جاتے ہیں اور عالمِ خلق تو ہے ہی تاریک و مکدر۔ پس جب سالک شیخِ مقتدا کی توجہات اور اطاعتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی وجہ سے ان دونوں قسم کے لطائف کو مصفیٰ و مزکی کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اُسے حقیقی تواضع نصیب کرتا ہے اور اس تواضع کے سبب سالک عجز وانکساری کی مجسم صورت اختیار کرلیتا ہے اور یہی تواضع اُس کے درجات کی بلندی اور عبادات کی قبولیت کا سبب بنتی ہے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ خانِ خاناں کو قبولیتِ توبہ کی نوید جاں فزاء سُنا رہے ہیں اور توبہ کے آداب و شرائط کی رعایت کی نصیحت فرما رہے ہیں کہ ہماری تنبیہ و تلقین پر جب

---

765 (رواہ البیھقی فی شعب الایمان، باب ذکر مافی الاوجاع والامراض)

اور خطیب نے بروایت ابن مسعود اور دیلمی نے بروایت حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کی۔ امام سیوطی فرماتے ہیں ابن جوزی کا اسے موضوعات میں داخل کرنا درست نہیں۔

آپ نے تواضع کو اختیار کر لیا ہے تو حق تعالیٰ نے اس درویش (حضرت امام ربانی قدس سرہٗ) کے دستِ حق پرست پر آپ کی توبہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا ہے۔ اس سے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی نظرِ کشفی اور شانِ مجددیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اہل سنت وجماعت کے عقائد واعمال میں متابعت کی نصیحت فرمارہے ہیں۔ کیونکہ یہی ناجی جماعت ہے ان کے علاوہ جتنے بھی بدعتی اور گمراہ فرقے ہیں وہ محلِ زوال اور قربِ ہلاک میں ہیں۔

دراصل یہاں آپ نے درج ذیل حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي۔

یعنی میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان تہتر فرقوں میں سے ایک کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ پر ہوگا۔[766]

آج اگر کوئی اس ناجی جماعت کی حقانیت میں متردد ہے تو کل قیامت کے روز حق وباطل میں امتیاز ہو جائے گا مگر اس وقت کا جاننا بے سود ہو گا۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا (الفرقان ۴۲) سے واضح ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۹۷ تا ۳۹۹)

---

766 (جامع ترمذی، ج ۲، ص ۸۹)

مفتاح السلوک، جلد ششم میں ہے:

اہل سنت و جماعت کا فرقہ ناجیہ ہونا

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ نجات پانے والا گروہ صرف اہل سنت وجماعت ہے اور باقی اہل نار ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک سے نیز علماء کرام محدثین عظام اور بزرگان دین کے اقوال مبارکہ سے پیش کیا جاتا ہے۔

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

عن ابن عمر عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال تبیض وجوہ اہل السنة وتسود وجوہ اہل البدع۔

یعنی قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے چمکتے ہوں گے اور بدمذہبوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔[767]

حدیث مبارکہ ہے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے جن میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہوگا باقی بہتر گروہ دوزخی ہوں گے یہ حدیث پاک بیان کرکے حضرت وکیل الاحناف ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: فلاشک ولاریب انھم اہل سنة والجماعة۔ یعنی اس بات میں شک وشبہ نہیں کہ نجات پانے والی جماعت اہل سنت وجماعت ہے۔[768]

---

[767](تفسیر مظهری سورة آل عمران زیر آیة مبارکه یوم تبیض وجوه وتسود وجوه)

[768](مرقاة شرح مشکوٰة)

امام الاولیاء شیخ المشائخ شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

واما الفرقة الناجية فهى اهل السنة والجماعة۔

یعنی نجات پانے والا گروہ اہل سنت وجماعت کا گروہ ہے۔[769]

سیدنا امام ربانی مجدد منورالف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

شیخ (پیر) اپنے مریدوں کو اس بات کی نصیحت کرے کہ وہ اپنے عقائد نجات پانے والی جماعت یعنی اہل سنت وجماعت کے موافق رکھیں اوراس بات کی تاکید کرے کہ وہ فقہ کے ضروری احکام سیکھ کران پر عمل کریں کیونکہ اس راہ میں بغیر ان دو پروں یعنی عقیدہ اور عمل کے اڑنا محال ہے۔[770]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا دوسرا ارشاد مبارک:

اصل مقصد یہ ہے کہ ہمیں عقائد اہلسنت وجماعت عطا ہوئے اس دولت کے ہوتے ہوئے اگر ہمیں یہ احوال و مواجید عطا کیے جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اوراگر یہ احوال ومواجید نہ بھی ملیں تو ہم اہلسنت وجماعت کے عقائد کو کافی جانتے ہیں کیونکہ جب یہ دولت ہے توسب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں کیونکہ احوال ومواجید جو بغیر عقیدہ اہلسنت وجماعت کے ہوں ہم اسے استدراج اور سراسر خرابی جانتے ہیں۔[771]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا تیسرا ارشاد گرامی:

آدمی کیلئے اہلسنت وجماعت کے عقائد کے مطابق عقیدہ رکھنے کے سوا چارہ نہیں تاکہ آخرت کی کامیابی اور نجات حاصل ہو کیونکہ اہلسنت وجماعت کے خلاف عقیدہ رکھنا زہر قاتل ہے جو کہ ہمیشہ

---

[769](غنیۃ الطالبین)

[770](مبداءمعاد)

[771]مکتوبات مجددیہ مکتوب ۶۷ جلدسوم

کی موت اور دائمی عذاب کا سبب ہے۔ عمل میں کوتاہی ہو تو نجات کی امید کی جاسکتی ہے لیکن اگر عقیدہ میں کوتاہی ہو تو بخشش کی گنجائش نہیں رہتی۔[772]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا چوتھا فرمان ذیشان

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

دین کے دو جزو ہیں (عقیدہ)(عمل) لیکن عقائد دین کے اصولوں میں سے ہیں اور اعمال فرع ہیں لہذا جس کے عقائد درست نہیں وہ نجات نہیں پاسکتا اور اس کے حق میں عذاب الٰہی سے خلاصی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں جس کے عقائد درست ہوں اگر اعمال صالحہ نہ ہوں اس کی نجات کی امید کی جاسکتی ہے۔[773]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا پانچواں ارشاد گرامی:

پس چاہیئے کہ اپنا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے عقائد کے مطابق رکھے اور زید و عمرو کی بات پر کان نہ دھرے دوسروں کی لفاظیوں اور بناوٹی باتوں پر اعتبار کرنا اپنی آپ کو تباہی میں ڈالنا ہے۔[774]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا چھٹا فرمان ذیشان:

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

اہلسنت وجماعت جو کہ نجات پانے والی جماعت ہے کی پیروی کے بغیر نجات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اگر بال برابر بھی ان کی مخالفت ہوئی تو خطرہ ہی خطرہ ہے اور یہ بات کشف صحیح سے بھی یقین

---

[772] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۱۷ جلدسوم

[773] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۱۷ جلدسوم

[774] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۲۵۱ جلداول

کے درجے تک پہنچ چکی ہے اس لئے اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہے پس خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اہلسنت وجماعت کی پیروی کی توفیق ملی اوران کی تقلید کا شرف حاصل ہو اور ہلاکت ہے ان لوگوں کیلئے جو اہلسنت وجماعت کے خلاف چلے اورا ن سے منہ موڑا اوران کی جماعت سے نکل گئے اور خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔[775]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ساتواں فرمان ذیشان:

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

عقلمندوں پر پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اہلسنت وجماعت کے مطابق اپنے عقائد درست کریں کیونکہ اہلسنت وجماعت ہی جنتی گروہ ہے۔[776]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا آٹھواں فرمان ذیشان:

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

حاصل کلام یہ ہے کہ نجات کا راستہ اقوال میں افعال میں اصول میں فروع میں اہلسنت وجماعت کے ساتھ مطابقت رکھنا ہے کیوں کہ یہی جنتی گروہ ہے اوراہلسنت وجماعت کے سوا جتنے گروہ ہیں وہ ہلاکت کے کنارے پر ہیں آج اس کو کوئی جانے نہ جانے مگر کل قیامت کے دن ہر شخص جان لے گا مگر اس وقت کا جاننا کام نہ آئے گا یااللہ ہمیں بیدار کر اس سے پہلے کہ ہمیں موت بیدار کرے۔[777]

---

[775] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۵۹ جلددوم

[776] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۲۶۶ جلداول

[777] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۶۴ جلداول

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا نواں ارشاد گرامی:

اللھم ثبتنا علی معتقدات اھل السنۃ و الجماعۃ و امتنا فی زمرتھم و احشرنا معھم۔

یااللہ ہمیں اہلسنت وجماعت کے عقائد پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں اسی گروہ کے ساتھ موت دے اور ہمارا حشر اسی جماعت کے ساتھ کر۔[778]

اے میرے عزیز! اے میرے آقا کے بھولے بھالے امتی! ذرا غور کرو اور سوچ پھر سوچ کہ اس ولیوں کے ولی نے عقائد اہلسنت وجماعت پر اتنا زور کیوں دیا ہے یہ اس لئے کہ کہیں ہم لوگ دوسروں کی بناوٹی باتیں سن کر ان کے پیچھے نہ لگ جائیں اور اپنی آخرت تباہ نہ کر بیٹھیں۔ فافھم ولا تکن من الممترین۔

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مبارک

فعلیکم یا معشر المؤمنین اتباع الفرقۃ الناجیۃ المسماۃ باھل السنۃ و الجماعۃ فان نصرۃ اللہ تعالیٰ و حفظہ و توفیقہ فی موافقھم و خذلانہ و سخطہ و مقتہ فی مخالفتھم وھذہ الطائفۃ الناجیۃ قداجتمعت الیوم فی المذاھب الاربعۃ وھم المالکیون والحنفیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجا من ھذہ المذاھب الاربعۃ فی ذلک الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار حاشیۃ الدر المختار المسماۃ بطحطاوی کتاب الذبائح ثم الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص ۷۵۷-۱۵۴، المقاصد السنیۃ ص ۵۶۔

یعنی اے مسلمانو! تم پر اہل سنت وجماعت کی اتباع واجب ہے (کیوں کہ) یہ فرقۂ ناجیہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور مصیبتوں سے نجات تب ہی حاصل ہوگی جب مسلمان ان چار اماموں کی اتباع کریں گے اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا سو اللہ تعالیٰ جل جلالہ اس پر سخت ناراض

[778] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۶۷ جلد دوم

ہو گا نیز اس پر اپنا قہر نازل فرماتا ہے،اور (مخالفت کرنے والے کیلئے) ذلت و رسوائی ہے،اور فرقہ ناجیہ بلاشبہ تمام کے تمام مذاہب اربعہ (چاروں مذاہب) پر جمع ہو چکے ہیں،وہ چار مذاہب یہ ہیں:

(۱) مالکی (۲) حنفی

(۳) شافعی (۴) حنبلی

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں جو مذاہب اربعہ سے خارج ہو وہ بدعتی اور جہنمی ہے۔

نیز صاحب فتح المبین رقم طراز ہیں:

فلذلک تری ان الفرقة الناجية المسماة باهل السنة والجماعة فی المذاهب الاربعة قداجتمعت لان الشريعة من غير هذه المذاهب فی الدنياماوجدت و اطاعة احكام الشريعة للناس قدفرضت فان لم يحتست هذه المذاهب الاربعة للشريعة معتبرة فالشريعة فی الدنياعدمت۔[779]

علامہ لکھتے ہیں اس وجہ سے تمام مسلمان انہی مذاہب (اربعہ) کو اختیار رکھے ہوئے ہیں (کیوں کہ اہلسنت وجماعت یہ نجات والی جماعت ہے۔)شریعت مطہرہ ان مذاہب اربعہ کے علاوہ پائی ہی نہیں جاتی۔(مسلمان یا تو حنفی ہے یا مالکی یا شافعی یا حنبلی)چونکہ شریعت اسلامیہ کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے(اطاعت کیلئے ضروری تھا کہ ایسے مجتہدین کو تلاش کیا جائے جنہوں نے اجتہاد کرکے شریعت کی راہ متعین کی ہو جن مجتہدین نے اجتہاد کرکے شریعت کی راہ متعین کی ہے وہ مجتہدین چار ہی ہیں امام اعظم،امام مالک،امام شافعی،امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔) اگر مذاہب اربعہ (حنفی،مالکی،شافعی،حنبلی) کو اخذ شریعت میں معتبر نہ مانا جائے تو دنیا سے شریعت مطہرہ معدوم ہو جائے گی۔

---

[779] الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص ۵۰۵، المقاصد السنیہ ص ۵۷۔

اہل سنت وجماعت کی اتباع واجب ہے:

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: «لَیَأْتِیَنَّ عَلَی أُمَّتِي مَا أَتَی عَلَی بَنِي إِسْرَائِیلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّی إِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ أَتَی أُمَّہُ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ یَصْنَعُ ذٰلِکَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِیلَ تَفَرَّقَتْ عَلَی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِینَ مِلَّۃً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَی ثَلَاثٍ وَسَبْعِینَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّۃً وَاحِدَۃً قَالُوا وَمن ھِيَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ قَالَ مَا أَنَا عَلَیْہِ وأصحابي۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِيّ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی سب کے سب فرقے جہنم میں داخل ہوں گے سوائے ایک کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ وہ ایک فرقہ (ناجیہ) کون سا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ (لوگ) جو میرے اور میرے صحابہ کے عقیدہ وعمل پر ہیں۔[780]

سیدنا امام احمد اور ابو داؤد حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

وَأَبِي دَاوُدَ عَنْ مُعَاوِیَۃَ: ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَۃٌ فِي الْجَنَّۃِ وَھِيَ الْجَمَاعَۃُ وَإِنَّہُ سَیَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَتَجَارَی بِھِمْ تِلْکَ الْأَھْوَاءُ کَمَا یَتَجَارَی الْکَلْبُ بِصَاحِبِہِ لَا یَبْقَی مِنْہُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دخلہ۔رواہ الترمذی ثم مشکوۃ اعتصام فصل دوم ص ۲۲ وشرح عقائدالجلالی ج ا ص ۹ ا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بہتر فرقے جہنمی ہیں اور ایک جنتی وہ ایک فرقہ (ناجیہ جو جنتی ہے) (اہل سنت) وجماعت ہے۔

---

[780] (رواہ الترمذی ثم مشکوۃ اعتصام فصل دوم ص ۲۲ وشرح عقائدالجلالی ج ا ص ۹ ا)

مفسر قرآن علامہ شیخ احمد الصاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وستفرقون ثلاثا وسبعون فرقة ثنتان و سبعون فی النار و واحدة فی الجنة و المراد بالفرقة الواحدة اهل السنة والجماعة. تفسیر الصاوی ج۲ پارہ بارہ سورۃ ھودرکوع ص ۲۳۱ رکوع ۱۰۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب تم تہتر فرقوں میں بٹ جاؤ گے بہتر داخل جہنم ہوں گے مگر ایک فرقہ جنتی ہو گا (ایک فرقہ جو جنتی ہو گا) سے اہل سنت وجماعت مراد ہیں۔

حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ بادشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد ہیں ان کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں:

لکن بالتحقیق و الصدق فمن کان علی طریق السنة و الجماعة۔

لیکن تحقیق اور سچائی سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اہل سنت وجماعت کا طریقہ درست ہے۔[781]

صاحب تفسیر مواہب الرحمن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اہل سنت سچا مذہب ہے۔[782]

خاتم المفسرین علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و علی اللہ قصد السبیل۔

پارہ چودہ سورۃ النحل کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان قصد السبیل هو دین الاسلام و السنة و الجماعة۔

بے شک دین اسلام ہی سیدھا راستہ (طریقہ) ہے اور وہ راستہ (طریقہ) اہل سنت وجماعت کا طریقہ ہے۔[783]

---

781 (تفسیرات احمدیہ ص ۲۳۷)

782 (تفسیر مواهب الرحمن الجزء التاسع ص ۱۶۳)

783 الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص ۵۰۵، المقاصد السنیہ ص ۵۷۔

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فان اهل السنة قد افترق بعد القرون الثلاثة او الاربعة على اربعة مذاهب و لم يبق مذهب في فروع المسائل سوى هذه الاربعة فقد انعقد الإجماع المركب على بطلان قول يخالف كلهم۔

کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت چار مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی پر جمع ہوا ہے اور جو شخص ان چار مذاہب سے خارج ہے وہ اہل بدعت و نار ہے۔[784]

امام المحدثین علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسماعیل فقیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ ابو احمد حاکم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: ای الفرق اکثر نجاة عندکم۔ تمہارے نزدیک کونسا فرقہ نجات پانے والا ہے پس انہوں نے ارشاد فرمایا: اہل سنت۔[785]

غیر مقلدین کے امام عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن باز اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

العقيدة الصحيحة التي بعث الله بها رسوله محمدا ﷺ وهي عقيدة الفرقة الناجية اهل السنة و الجماعة۔[786]

اس طرح ابن تیمیہ اپنی کتاب العقیدۃ الواسطہ میں لکھتے ہیں:

اما بعد فهذا اعتقاد الفرقة الناجية المنصورة الى قيام الساعة اهل السنة و الجماعة۔[787]

---

[784] تفسیر مظہری ج ۲ ص ۶۴ سورۃ آل عمران آیت ۶۴۔
[785] شرح الصدور ص ۱۱۹۔
[786] مجموع الفتاویٰ ص ۲۴۔
[787] العقیدۃ الواسطیہ مع شرحہ ص ۹۔

اس طرح مولوی وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں:

اما الاحناف و الشوافع و المالكية و الحنابلة فهم مسلمون داخلون فی زمرة اهل السنة و الجماعة۔[788]

دوسرے مقام پر اہل سنت و جماعت تشریح کرتے ہیں:

هم اهل السنة و الجماعة لأن السنة هو الحديث و الجماعة عبارة عن الصحابة و التابعين فهم على طريقهم۔[789]

الحمد للہ! اہل سنت و جماعت کی حقانیت و ناجیت پر مخالفین نے بھی گواہی دی تھی۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

اگر تمام احوال و مواجید ہمیں عطا کر دیے جائیں لیکن اہلسنت و جماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کیا جائے تو ہم اسے سراسر خرابی سمجھتے ہیں اور اگر تمام خرابیاں ہم پر جمع کر دی جائیں اور ہم اہلسنت و جماعت کے عقائد سے سر فراز کر دیے جائیں تو ہمیں کچھ ڈر نہیں۔[790]

حضرت سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا پس جو تمام جہانوں کی غذا ہے یعنی عقائد اہلسنت و جماعت اسے ہم بیان کرتے ہیں تا کہ ہر کوئی اس عقیدے کو اپنے دل میں جگہ کیوں کہ یہ عقیدہ اس کی سعادت کا بیج ہو گا۔

---

[788] نزول الابرار ص ۹۔

[789] نزول الابرار ص ۸۔

[790] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ۔

خواجہ عبد الشکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد گرامی:

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ حدیث پاک بیان کرکے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ان میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہوگا باقی سب دوزخ جائیں گے فرمایا **وھی اھل السنۃ والجماعۃ** یعنی وہ نجات پانے والی جماعت اہلسنت وجماعت ہے۔

قطب ربانی امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ کا ارشاد مبارک:

آپ نے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا ولی کی دیگر علامت یہ ہے کہ وہ طریق میں داخل ہونے سے پہلے عقائد اہلسنت وجماعت سے واقف ہو۔[791]

حضرت خواجہ عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ان لایفتح علی العبد الا اذا کان علی عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ ولیس للہ ولی علی عقیدۃ غیرھم ولو کان علیھا قبل الفتح لوجب علیہ ان یتوب بعد الفتح ویرجع الی عقیدۃ اھل السنۃ۔[792]

یعنی کسی ایسے بندے کو جس کا عقیدہ اہلسنت وجماعت کا عقیدہ نہ ہو اسے ولایت نہیں مل سکتی اور کوئی ولی ایسا نہیں جس کا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے خلاف ہو ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ولایت عطا کرنا چاہے تو اس بندے پر واجب ہو گا کہ وہ اہلسنت وجماعت کے عقائد کو اپنائے۔

---

[791] انوار قدسیہ۔

[792] الابریز ص ۲۴۔

خواجہ خواجگان خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ذیشان:

فرمایا ہمارے طریقے کا دارومدار تین چیزوں پر ہے:

۱۔ اہلسنت وجماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا

۲۔ دوم آگاہی

۳۔ عبادت

لہذا اگر کسی کو ان تینوں چیزوں میں سے ایک میں خلل آجائے تو وہ ہمارے طریقے سے خارج ہو جائے گا۔[793]

حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مبارک:

عقیدہ اہلسنت وجماعت کا ملتزم ہو کر حدیث وفقہ سیکھنا چاہیئے۔[794]

اور یہ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جو لوگ عقائد اہلسنت وجماعت سے الگ ہو کر قرآن وحدیث سیکھتے ہیں وہ گمراہی میں دھکیلے جاتے ہیں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

قرآن مجید خود فرمارہا ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا۔ (البقرۃ ۲٦)

نیز بزرگان دین کا ارشاد ہے:

الاحادیث مضلۃ الا الفقہا۔

---

[793] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

[794] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں سے بچائے۔[795]

حضرت خواجہ نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: عقیدہ اہلسنت وجماعت کو لازم پکڑو۔[796]

قطب ربانی امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ کا فرمان عالی شان ہے:

المراد بالسواد الاعظم هم من كان اهل السنة والجماعة ولو واحدا فاعلم ذلك۔

یعنی سواد اعظم سے اہلسنت وجماعت مراد ہیں خواہ وہ ایک ہی ہو۔اے عزیز اس کو جان لے۔[797]

ظاہر ہے کہ جیسے جیسے قیامت قریب آتی جائے گی اہل سنت کم ہوتے جائیں گے اور بد مذہب زیادہ ہوتے جائیں گے جیسے کہ ارشاد گرامی: ثم لا يزالون يخرجون۔ قیامت کے نزدیک بد عقیدہ لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے اس بات کو دیکھ کر کچھ لوگ بغلیں بجاتے ہیں کہ دیکھو ہم زیادہ ہیں لہذا سواد اعظم ہم ہیں اس کے پیش نظر اس ولیوں کے ولی امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ نے فرمایا کہ اہلسنت وجماعت ہی سواد اعظم ہیں خواہ وہ ایک رہ جائے۔

خواجہ خواجگان خواجہ محمد بن سلیمان جزولی قدس سرہ کی دعا:

اللهم امتنا على السنة والجماعة والشوق الى لقائك ياذالجلال والاكرام۔

یعنی یا اللہ ہمیں اہلسنت وجماعت کے عقائد پر اور اپنے دربار حاضری کے شوق پر موت دے یاذوالجلال والاکرام۔[798]

---

[795] اقامۃ القیامۃ۔

[796] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

[797] میزان شریعت کبریٰ۔

[798] دلائل الخیرات ص ۵۰۔

خواجہ خضر اور خواجہ الیاس نیز تمام اولیائے کرام مسلک اہلسنت پر ہیں۔

قطب زمان خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہ نے فرمایا:

واضح ہو کہ خواجہ خضر اور خواجہ الیاس کے نزدیک سب کے سب اولیائے کرام خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب وہ سب مسلک اہلسنت و جماعت پر ہیں۔[799]

مندرجہ بالا (۲۴) ارشادات مبارکہ پیش کئے ہیں۔ مسلمان بھائیوں کی خدمت میں خیر خواہی کے طور پر اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مندرجہ بالا ارشادات عالیہ کو غور سے پڑھیں اور ان پر عمل پیرا ہو کر سیدھے جنت پہنچ جائیں۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی حبیبہ سید الانبیاء و المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

سوال: بہت ساری مذہبی جماعتیں دعویٰ کرتی ہیں کہ اہلسنت و جماعت ہم ہیں لہذا بتایا جائے کہ ہمارے پاس کونسا معیار ہے جس سے دیکھ سکیں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے؟

جواب: اگر بوتل میں شراب یا پیشاب بھرا ہو اور اس پر خوش نما لیبل لگا دیا جائے شربت روح افزا کا تو صرف لیبل لگانے سے اندر کی چیز شربت روح افزا نہیں بن سکتی بلکہ معیار صداقت خوشبو اور پاکیزگی ہے۔

یوں ہی اگر دل میں حبیب خدا سید انبیاء ﷺ کا بغض اور بے ادبی بھری ہو اور اس پر اہلسنت و جماعت کا خوشنما لیبل لگا دیا جائے تو صرف لیبل لگانے اور دعویٰ کرنے سے اہلسنت و جماعت نہیں

---

[799] رسالہ ابدالیہ۔

بن سکتا بلکہ خالص اور صحیح اہلسنت وجماعت وہ ہے جس کے قلم اورزبان سے رحمت کائنات والیٔ دوجہاں ﷺ کی عظمت اور محبت کی خوشبو آئے۔

جن لوگوں کے دلوں میں نبی اکرم شفیع اعظم ﷺ کا بغض بھرا ہوا تھا وہ حاضر ہو کر قسمیں کھا کھا کر دعوے کرتے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

اصلی اہل سنت کی علامت:

آج کل دیوبندی، وہابی، غیر مقلد حضرات بھی اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کہہ کر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے میں شب وروز مصروف ہیں۔ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل سنت کی نشانی جو بتائی ہے اس نشانی کو امت محمدیہ ﷺ کے عظیم مرتبت آٹھویں صدی کے مجدد علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف القول البدیع فی الصلوۃ الحبیب الشفیع میں درج فرمایاہے۔علامۃ اھل السنۃ کثرۃ الصلوۃ علی رسول اللہ ﷺ۔ اہل سنت کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں۔[800]

ناظرین حضرات! دیوبندیوں اور وہابیوں کو آپ نے یہ کہتے سنا ہو گا کہ اذان کے بعد درود شریف نہ پڑھنا چاہیئے۔ نماز کے بعد درود شریف نہ پڑھنا چاہیئے۔ تقریر کے بعد صلوۃ وسلام نہ پڑھنا چاہیئے بلکہ وہ اس پر بدعت کے فتوے صادر کرتے ہیں۔ ان کے ایسا کرنے اور پابندی لگانے سے اظہر من الشمس ہے کہ وہ درود شریف کثرت سے پڑھنے سے احتراز کرتے ہیں۔ پڑھنے والوں پر فتوے

---

[800] القول البدیع ص ۵۲۔

لگاتے ہیں بلکہ درود شریف کو بند کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے کئی مسجدوں میں تنازعہ، جھگڑااوراختلاف برپاہے۔

اس لئے وہ اہل سنت نہیں ہیں بلکہ اصلی اہل سنت وہ ہیں جو کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں اوروہ اہل سنت (بریلوی) حضرات ہی ہیں۔جب جعلی اور نقلی اہل سنت عوام میں رونماہوئے اور عقائد حقہ کاغلاف سرگرم عمل ہوئے۔تب سے اصلی اہل سنت وجماعت والوں نے عوام کوان جعلی اور نقلی لوگوں سے بچانے کیلئے اہل سنت وجماعت کے آگے بریلوی کالفظ استعمال کرناپڑاہے۔

نقلی اہل سنت وہابی دیوبندی حضرات کے مقتداءکاحیاء سوز کارنامہ حرم شریف کے مفتی اورامام علامہ سید احمد بن ذنبی وچالان مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ ابوحامد بن مرزوق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیوبندیوں اوروہابیو ں کے مقتداء محمد بن عبدالوہاب علیہ ماعلیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب درود شریف سے منع کرتا تھااور سننے سے ناراض ہوتاتھاجوایسا کرتا تھااس کوسخت سزادیتا تھا۔یہاں تک کہ ایک نابینا شخص جوکہ ایک صالح شخص اور خوش آواز موٰذن تھااس کوبعد اذان مینارہ پردرود شریف پڑھنے سے منع کیا۔موٰذن نہ مانااوراس نے درود شریف پڑھاتواس کوقتل کرنے کاحکم دے کرقتل کرادیااور کہازانیہ کے گھرمیں رباب وچنگ کاگناہ مینارہ پردرود شریف پڑھنے سے کم ہے۔دلائل الخیرات شریف جوکہ درود شریف کی کتاب ہےوغیرہ اوردیگرکتب درود شریف کوجلادیا۔[801]

---

[801] الدرر السنۃ ص ۵، التوسل بالنبی ﷺ ص ۲۴۴، فرقہ ناجیہ ص ۳۹

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

آنچہ غذائی جہان است یعنی عقائد اہلسنت والجماعت آنرا بیان کنند تا ہر کس ایں راخود حبادہد زیر آنچہ عقائد اہل سنت والجماعت کیمیائے سعادت است۔[802]

مفسر شیخ اسماعیل حقی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ولکنی علی مذھب اھل السنة والجماعةشریعة وطریقة ومعرفة وحقیقة فعرفونی ھکذاواشھدوالی بھذافی الدنیاوالآخرةفھذہ وصیتی۔

یعنی میں اہل وسنت وجمات کے مذہب پر ہوں شریعت طریقت معرفت اور حقیقت کے اعتبار سے پس مجھے پہچان لو اسی راستے پر اور میرے لیے گواہی دے دو اس اقرار پر دنیا اور آخرت میں یہ میری وصیت ہے۔[803]

آخر میں مذہب حق اہل سنت وجماعت کے عقائد کو بالاختصار درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

یہ عقائد من گھڑت اور بے بنیاد نہیں ہیں بلکہ ان کا ثبوت قرآن ،احادیث اور سلف صالحین کی مستند کتابوں میں درج ہے۔

عقائد دربیان خدا تعالیٰ جل جلالہٗ

عقیدہ ا:

اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں، وہی رازق ہے وہی خالق ہے وہی شافی ہے وہی کافی ہے۔وہی معین ومدد گار ہے وہی سمیع وبصیر ہے وہی

---

[802] کیمیائے سعادت۔

[803] روح البیان ج۵ص ۱۰۱۔

حي وقیوم ہے۔اسی کی شان ہے۔إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرة ٢٠) اس کی شان ہے۔إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (يس ٨٢) اس کی ہر صفت ذاتی ہے اور مخلوق کی ہر صفت عطائی ہے۔اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت عطائی نہیں ہو سکتی مخلوق کی کوئی صفت ذاتی نہیں اور یہ وہ حد فاصل ہے جس پر توحید کا مضبوط ترین محل قائم ہے۔اللہ تعالیٰ کے نبیوں رسولوں اور ولیوں کے علم ہے تو اللہ تعالی کا عطا کردہ ہے۔اختیار رہے تو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تصرف ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا سے یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں ۔یعنی ان حضرات کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔

عقیدہ ۲:

عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت کرنا کفر ہے شرک ہے جو کہ نا قابل معافی جرم ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا (النساء ٤٨) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔

لیکن عبادت اور چیز ہے اور تعظیم وتوقیر اور چیز ہے۔ تعظیم وتوقیر کو عبادت قرار دینا یہ سراسر حماقت ہے۔

مرزا غالب نے سچ فرمایا:

الفت کو احمقوں نے پرستش دیا قرار

یعنی ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے نبیوں ولیوں سے محبت کرتے ہیں ان کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں تو احمق لوگ کہتے ہیں تم نبیوں ولیوں کی عبادت کرتے ہو اور یہ وہ کجروی ہے جس نے امت مسلمہ

کے شیرازہ کو بکھیر کر رکھ دیا ہے بلکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی عبادت اور تعظیم کا الگ الگ مفہوم بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ سورۃ حج میں ہے:

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (۳۱) ذٰلِکَ وَمَنْ یُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَإِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوبِ (الحج ۳۲)

جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اچک لے جاتے ہیں یا ہوا اسے کسی دور جگہ پھینکتی ہے بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

عقیدہ۳:

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اور ساری خدائی اسی کی محتاج ہے وہ جو چاہے کرے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا۔

لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔

عقیدہ۴:

عقائد دربیان انبیاء علیہم السلام: اللہ تعالیٰ کے سارے نبی، رسول برحق ہیں سچے ہیں معصوم ہیں ان سب نبیوں، رسولوں میں سے سب سے افضل، سب سے اکمل، سب سے اجمل، سب سے اشرف، سب سے امجد، سب سے اشہر، سب سے اولی، سب سے اعلیٰ، اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی محمد مصطفےٰ ﷺ ہے آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی پیدا نہیں ہو سکتا نہ تشریعی نہ غیر تشریعی، نہ ظلی نہ بروزی۔ لہٰذا جو شخص یہ

کہے کہ حبیب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کسی قسم کا نبی پیدا ہو سکتا ہے وہ کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے اور جو کوئی اس کو کافر نہیں کہے وہ خود کافر ہے۔

عقیدہ ۵:

حضور ﷺ سراپا نور ہیں اور بے مثل بشر ہیں۔

محمد بشر لا کالبشر یاقوت حجر لا کالحجر۔

عقیدہ ٦:

ساری امتوں میں سے حبیب خدا سید انبیاء ﷺ کی امت افضل ہے اور اس امت میں سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سب سے افضل ہیں اور ان صحابہ کرام میں سے خلفاء راشدین سب سے افضل ہیں ۔ علی ترتیب الخلافۃ ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب عادل ہیں متقی ہیں پرہیز گار ہیں۔ **الصحابہ کلھم عدول صغیرھم و کبیرھم۔**

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں مرتبہ میں اگرچہ سیدنا مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر نہیں ہیں ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے سیدنا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو خلفاء راشدین میں سے ہیں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں۔ کوئی ولی غوث کوئی قطب کوئی امام کوئی قلندر کسی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا جو شخص کسی بھی صحابی کی شان میں بے ادبی کرے وہ گمراہ بد دین ہے ایسا شخص ہرگز ولی نہیں ہو سکتا اور ایسے آدمی سے ایسے بھاگنا چاہیئے جیسے آدمی شیر سے بھاگتا ہے وہ آدمی حلالی نہیں ہے۔

جیسا علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

من طعن فی علماء الامۃ لا یلو من الا امہ۔

ہم اہلسنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی شخص بالفرض سودوسال عبادتیں ،ریاضتیں اور مجاہدے کرتے ہوئے ولایت کی ساری منزلیں طے کرلے مثلاًوہ ولی بھی بن گیا غوث اور قطب بھی ہوگیا ادھر ایک شخص کفروشرک میں مبتلا حبیب خدا سید الانبیاء ﷺ کی عین حیات ظاہری میں آیا اوراس نے صدق دل سے کلمہ پڑھ کر نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت کی اور پھر ایک وقت نماز پڑھنے کا بھی وقت نہیں ملاوہ فوت ہوگیا تو یہ صحابی بن گیا یہ اس صدسالہ عبادت گزار غوث، قطب، قطب ارشاد سے افضل ہوگیا اور یہ ساری برکتیں اس چہرہ انور کی زیارت کی ہیں ۔

جس کی تعریف قرآن پاک میں یوں ہے:

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ (البقرة ۱۴۴)

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو اور وہ جنہیں کتاب ملی ہے ضرور جانتے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔"

عقیدہ ۷:

فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں ملائکہ کرام یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرہی نہیں سکتے۔ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ ۔جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے ۔فرشتے نہ مذکر ہیں نہ موئنث۔فرشتوں کی تعداداللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المدثر ۳۱)اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اہلسنت وجماعت وہ ہے جس کا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے تمام کتب عقائد میں موجود عقائد کے مطابق ہو۔ اور جو عقائد و معمولات ہم نے اس کتاب میں درج کیے ہیں ان کا عامل اور یقین رکھنے والا وہ اہلسنت وجماعت ہے اور اگر ان عقائد سے مخالفت کرے تو پکا وہابی ہے۔

(مفتاح السلوک جلد ہشتم)

اللهم اغفر لكاتبهٖ ولمن سعى فيه ولو الديهم ولاساتذيهم ولاهل بيتهم اجمعين

آمين يارب العالمين

مکتوب نمبر ۷۰

[یہ مکتوب بھی خانِ خاناں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ انسان کی جامعیت راہِ راست سے اس کی دوری کا سبب بن جاتی ہے، جس طرح یہی جامعیت اس کے قُرب کا سبب ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔]

تشریح

انسان تمام مخلوقات میں ایک جامع مخلوق ہے کیونکہ اس میں عالمِ خلق وعالمِ اَمر کے دس لطائف پوشیدہ ہیں اور ان لطائف عشرہ کے مجموعے سے ہی انسان کو جامعیت کا شرف ملا ہے۔

دوسری طرف ان لطائف میں سے لطیفۂ نفس خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے، چاہے وہ خواہشات جائز ہوں یا ناجائز۔ گو یہی نفس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے دوسری مخلوقات کو بھی عطا کیا ہے لیکن وہ انسان کی طرح محلات کی تمنا نہیں رکھتے، پیٹ بھرنے کے لئے وہ مختلف قسم کے لذیذ کھانوں کی بھی خواہش نہیں کرتے بلکہ جو کچھ روکھا سوکھا مل گیا اُسی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ دل میں بُغض وعداوت بھی نہیں رکھتے لیکن انسان ہے کہ ہر کام میں خواہشات کے پیچھے لگا ہوا ہے۔

کائنات کی دوسری مخلوقات پر نظر ڈالیں۔ جنت ودوزخ، لوح وقلم، عرش وکرسی اور ملائکہ وغیرہ یہ سب اللہ جل مجدہٗ کی ہی مخلوق ہیں، لیکن عشق ومحبت اور دَرد واَلم سے بے پرواہ ہیں۔ اسی لئے اپنے اپنے مقامات پر ساکن ہیں اور ترقی وکمال سے محروم۔ لیکن انسان کے لطائف عشق ومحبت اور ذوق وشوق کی دولت سے مشرف ہیں اور صفاتِ فعلیہ، صفاتِ ذاتیہ اور ذاتِ بحت کی طرف پرواز کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں۔

پس جو انسان ان دس لطائف پر عبور حاصل کر لے اور قلب کو مصفٰی اور نفس کو مزکی کر لے اور اپنی ماہیت اور نفس کو پہچان لے تو افضل ترین مخلوق کہلائے گی۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات ١٣)

ترجمہ: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

لیکن اس نے اپنے نفس کو نہ پہچانا اور تصفیہ وتزکیہ کی طرف متوجہ نہ ہوا تو بدترین مخلوق شمار ہو گا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

أُولَئِکَ کَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الاعراف ١٧٩)

ترجمہ: وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔

[اللہ تعالیٰ آپ کو شریعتِ حقہٗ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے طریقہ پر قائم وثابت رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر بھی رحم فرمائے جو اس پر آمین کہے۔

انسان کے لئے اس کی جامعیت جس طرح قُربِ حق، بزرگی اور فضیلت کا مؤجب ہے اسی طرح اسے گمراہ اور جاہل رکھنے کا سبب بھی ہے۔ قُرب کا سبب تو اس طرح ہے کہ انسان کا شیشۂ فطرت سب مخلوق کی نسبت کامل تر ہے، اور تمام اسماء وصفات بلکہ تجلیاتِ ذاتیہ کے ظہور کی قابلیت بھی اس میں ہے۔

حدیثِ قدسی:

لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَآءِيْ وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ۔

ترجمہ: میری وسعت نہیں رکھتے نہ میری زمین اور نہ میرا آسمان، بلکہ میری وسعت و گنجائش میرے بندۂ مؤمن کا دل رکھتا ہے۔[804]

میں اسی بیان کی طرف اشارہ ہے۔]

تشریح

مندرجہ بالا حدیثِ مبارک کہ پڑھ کر شاید کچھ لوگوں کے دل میں یہ خیال گزرے کہ قلبِ انسانی تو اپنی ہیئت اور وجودِ ظاہری کے اعتبار سے ایک بہت چھوٹی چیز ہے، جبکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بہت بڑا ہے اور اتنا بڑا ہے کہ اس کی بڑائی کسی کی سوچ اور عقل و فہم میں آ ہی نہیں سکتی تو پھر اس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ایک معمولی سی چیز میں سما جانا کیسے ممکن ہے؟ تو اس سوال کے جوابات متعدد پہلوؤں سے ہیں۔ ہم صرف دو پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں:

اول: یہ حدیث، حدیثِ قُدسی کہلاتی ہے یعنی وہ کلام جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ بغیر کسی واسطے کے کیا ہو، حدیثِ قُدسی کہلاتا ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا کلام سب سچوں سے بڑھ کر سچے خدا کا ہوا۔ تو جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا دیا کہ میں اپنے مؤمن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں تو پھر اس کے بارے میں تردد پیدا ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ تردد اور شک تو تب پیدا ہوتا ہے جب بات کرنے والے کی سچائی میں کچھ شک پایا جائے لیکن جب بات خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہو اور نکلے صادق وامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مبارک زبان سے، تو پھر شک کو اپنے دل کے قریب بھی نہیں بھٹکنے دینا چاہیئے۔

---

804 (احیاء العلوم، باب بیان معنی النفس والروح والقلب والعقل وما ھو المراد بھذا الاسامی، طبرانی، دیلمی در مسند الفردوس بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و امام احمد از وھب بن منبہ بالفاظ مختلفہ)

دوم: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا بندے کے دل میں سما جانا ظاہری اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ ظاہری اعتبار سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کسی مکان کا مکین ہونا بنیادی طور پر عقائد ہی کے خلاف ہے۔ قلبِ مؤمن میں اُس کبیر ذات کا سما جانا معنوی لحاظ سے ہے۔ اُس نے وسعتِ قلبی کی دولت اپنی تمام تر مخلوقات میں سے بنی نوع انسان کے نصیب میں رکھی اور بنی نوع انسان میں سے بھی بندۂ مؤمن کو اس کے لئے مخصوص فرمایا۔ پس وہ بندۂ مؤمن ہی ہے جو تزکیۂ نفس کی دولت کے ساتھ تصفیۂ قلبی کے حصول کے بعد اپنے آئینۂ باطنی میں تجلیاتِ الٰہیہ اور جمالِ خداوندی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

علاوہ ازیں اس موضوع کو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے ایک مکتوب میں صراحت سے بیان فرمایا ہے جس کی بحث انشاء اللہ اگلے مکاتیب میں آرہی ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ سے قُرب اور بُعد انسان کی جامعیت کی وجہ سے ہوتا ہے

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ انسان کی جامعیت کے باعث حق تعالیٰ سے قُرب وبعد اور فضیلت وجہالت کو بیان فرمارہے ہیں۔ درحقیقت انسان ایک نسخۂ جامعہ ہے جو عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے لطائف سے مرکب ہے۔ ان ہی متضاد اجزائے ترکیبی کی وجہ سے یہ ہدایت وگمراہی اور خیر وشر کا مجموعہ ہے۔ ہدایت وخیر کی بناء پر اس کا آئینہ قلب حق تعالیٰ کی صفاتی وذاتی تجلیات کے ظہور کی استعداد رکھتا ہے، جو قُربِ حق کا سبب ہے۔ جیسا کہ حدیثِ قُدسی: لَا یَسَعُنِیۡ أرضي ولا سمائي لٰکِنۡ یَّسَعُنِیۡ قلب عبدي المؤمن۔[805] (نہ میری زمین میری وسعت رکھتی ہے

[805] مذکورہ بالا حدیث کو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں نقل فرمایا ہے لیکن لَا یَسَعُنِیۡ کی بجائے لَمۡ یَسَعُنِی اور لٰکِنۡ یَّسَعُنِیۡ کی بجائے وَسِعَنِیۡ کے الفاظ ہیں۔ طبرانی میں یہ حدیث یوں منقول ہے: إن لله آنیة من أهل الأرض و آنیة ربکم قلوب

نہ میرا آسمان بلکہ میری وسعت وگنجائش میرے بندۂ مؤمن کا دِل رکھتا ہے) میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جبکہ شر اور جملہ موجودات کے ساتھ احتیاجی، گمراہی اور حق تعالیٰ سے دوری کا مؤجب ہے۔

اگر حق تعالیٰ سبحانہٗ کا فضل دستگیری فرمائے اور انسان عالمِ قدس کی طرف روحانی پرواز کرے تو وہ فرشتوں پر بھی گوئے سبقت لے جاتا ہے۔

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست　　　درد را جز آدمی درخورد نیست

مختصر یہ کہ جامعیت کی وجہ سے تمام انسانوں میں حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء بہترین وافضل انسان ہیں اور ابو جہل لعین بدترین انسان واقع ہوا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۰۳، ۴۰۴)

[اور راہِ راست سے اس دوری کا سبب جہان کی ہر شے کی طرف اس کا احتیاج ہے۔ کیونکہ انسان کے لئے ہر چیز درکار ہے۔

خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرۃ ۲۹)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔

اس احتیاج کے سبب اسے ہر شے میں گرفتار ہونا پڑتا ہے۔ اور یہی گرفتاری اس کے بُعد اور اسے گمراہ کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔

عبادہ الصالحین۔ (یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے زمین میں ظروف ہیں اور تمہارے رب کے ظروف اس کے صالح بندوں کے دل ہیں)۔ نیز دیلمی نے اسے مسند الفردوس میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور حضرت امام احمد نے وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، مگر مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

پایہ آخر آدم است وآدمی | گشت محروم از مقامِ محرومی
گرنہ گردد باز مسکیں زیں سفر | نیست از وے ہیچ کس محروم تر

ترجمہ: انسان بلندی کے سب سے آخری مرتبہ پر ہے۔ لیکن انسان محرم راز ہونے کے مقام سے محروم ہو چکا ہے۔ اگر یہ مسکین اس (گرفتاری اشیاء) کے سفر سے واپس نہ لوٹا تو پھر اس سے زیادہ کوئی بھی محروم نہیں۔]

تشریح

زمین وآسمان کی تمام تر اشیاء خالقِ کائنات نے انسان کے لئے بطور نعمت پیدا فرمائی ہیں۔ سورج کی وجہ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کائناتِ عالم کو روشن کیا ہے اور اسی کی حرارت وگرمی کو پھلوں اور فصلوں کے پکنے کا سبب بنایا ہے۔ چاند کی روشنی سے سیاہ راتوں کو مُنور کر کے انسان کو سہولت دی اور اسی چاند کی روشنی میں یہ تاثیر پیدا کر دی کہ پھولوں کے رنگ اور پھلوں میں مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے۔ ستاروں کی روشنی سے انسان رات کے سفر میں اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ انسان کے چاروں طرف ہوا کا سمندر رکھا ہے، جس سے انسان سانس لیتا ہے۔ آسمان سے بارش کی صورت میں، پہاڑوں سے برف کی صورت اور زمین کے اندر سے کنوؤں اور چشموں کی صورت میں پانی جیسی عظیم نعمت عطا کر کے انسانی بقا کا سبب بنایا اور فرمایا کہ:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء ۳۰)

ترجمہ: اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی۔

الغرض انسان کے لئے بے بہا اور بیش قیمت نعمتیں پیدا فرمائیں اور یہ بھی فرمایا کہ:

وَإِنْ تَعُدُّو انِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوھَا (إبراھیم ۳۴)

ترجمہ: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔

پس جب انسان ان نعمتوں کو شمار ہی نہیں کر سکتا تو پھر کون کون سی نعمت کا ذکر کیا جائے؟ البتہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہم پر لازم وضروری ہے اور شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہم پر جو فرائض وواجبات لازم کئے ہیں اُن پر عمل کیا جائے اور جن امور سے منع کیا ہے اُن سے بچا جائے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب تک قلب ماسویٰ اللہ کی محبت سے بیزار اور حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتار نہیں ہو جاتا سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ آپ کے اس جملے ''یکے کہ منزہ است از یکے'' یعنی ایک ذات جو کہ ایک ہونے سے بھی منزہ ہے کی قدرے تفصیل نذرِ قارئین ہے۔

دراصل حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے یہاں ایک دقیق نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ایک کا استعمال اس جگہ کیا جاتا ہے جہاں دو تین چار کا امکان موجود ہو لیکن جہاں سرے سے دو تین چار کا امکان ہی نہ ہو تو پھر وہاں ایک (واحد) کی صفت استعمال کرنا ضروری نہیں، ہاں البتہ حق تعالیٰ کو بطریقِ عدد واحد نہیں کہنا چاہیئے بلکہ وحدہٗ لاشریک ہونے کے اعتبار سے اسے واحد کہا جاتا ہے، کیونکہ واحد (ایک) منقسم ہے اور احد (یکتا) غیر منقسم، جو حق تعالیٰ کے شایانِ شان ہے۔

در حقیقت واحد عدد و شمار ہے۔ اس کی اقسامِ خمسہ میں سے پہلی چار قسمیں واحد جنسی، نوعی، عددی اور اتصالی میں وحدتِ عارضی ہے جو حق تعالیٰ کی شان کے منافی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ ہر قسم کی مجانست و مماثلت، اتصال وانفصال، تکثر و تعدد، امکان و حدوث اور ترکیب و تبعیض سے قطعاً پاک ہے۔ تَعَالَی اللهُ عَنْ ذَالِکَ عُلُوًّا کَبِیْراً البتہ حق تعالیٰ واحد حقیقی ہے اس کی وحدت عارضی نہیں، بلکہ اصلی، ذاتی اور مستقل ہے۔ وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ (البقرة ١٦٣) میں حق تعالیٰ کی وحدت ذاتی و حقیقی کا ہی بیان ہے۔

جبکہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ (الإخلاص ١) میں حق تعالیٰ کی احدیت کا بیان ہے جو شمار و حساب اور علم و عقل کی حدود سے وراء ہے کیونکہ ہر ماسوا کو فنا ہے اور صرف ذاتِ حق تعالیٰ کو ہی بقا ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس عقیدۂ توحید کی یوں صراحت فرمائی ہے:

وَاللہ تَعَالَی وَاحِد لَا من طَرِیق الْعدَد وَلَکِن من طَرِیق انه لَا شریک لَهُ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔۔۔۔الخ)۔[806]

بینہ

واضح رہے کہ واحد میں حق تعالیٰ کی وحدتِ مطلقہ اور احد میں احدیتِ الٰہیہ کا بیان ہے۔ وہ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے۔ در حقیقت کوئی بھی کسی امر میں اس کے ساتھ شریک نہیں البتہ مشارکتِ اسمی اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے۔ حق تعالیٰ کی صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہیں اور وہ ممکنات کی صفات وافعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ (البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۰۵، ۴۰۶)

---

[806] (الفقه الاکبر، ج ۱، ص ۱۴، الناشر: مکتبة الفرقان - الإمارات العربية)

[پس تمام موجودات میں بہترین بھی انسان ہی ہے، اسی نوع انسانی میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی ہیں جو رب العالمین کے حبیب ہیں۔ اور آسمانوں اور زمینوں کے رب کا دشمن ابو جہل لعین بھی اسی نوع میں سے ہوا ہے۔ تو لازمی بات ہے کہ جب تک انسان کو تمام گرفتاریوں سے نجات میسر نہ آئے سب عیوب و نقائص سے منزہ ذاتِ بحت حق تعالیٰ کی گرفتاری اور اس سے وابستگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ غیرِ حق میں گرفتاری خرابی ہی خرابی ہے۔ لیکن بتقاضائے مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ (جو چیز پوری طرح حاصل نہ ہو سکے اسے بالکل ہی ترک نہیں کرنا چاہیئے)۔ چند روزہ زندگی صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتحیۃ کی اتباع کے موافق بسر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ عذابِ آخرت سے نجات اور دائمی نعمتوں (جنت) کا حصول اسی اتباع کی سعادت سے وابستہ ہے۔]

تشریح

قبولیتِ اعمال اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کام ہے۔ انسان یقین سے یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ میری نماز یا میری دیگر نیکیاں درجۂ قبولیت میں ہیں۔ اس بارے میں احناف کا عقیدہ یہ ہے کہ "اگر کوئی شخص ایک نیکی کے کام کو اُس کی تمام شرائط وارکان کے ساتھ ادا کرے اور وہ نیکی مفسدات سے بھی پاک ہو تو پھر احتمال ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ محض اپنے فضل واحسان کے ساتھ اس نیکی کو قبول فرمالے"۔

پس یہ گمان کر کے کہ پتہ نہیں میرے نیک اعمال بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتے بھی ہیں یا نہیں، نیک اعمال کو ترک نہیں کر دینا چاہیئے اور یہی حال ہے اس شخص کا جو کسی نیک کام کو مکمل طور پر ادا نہیں کر سکتا تو اس وجہ سے اُسے چھوڑ ہی نہیں دینا چاہیئے بلکہ جتنا ادا ہو سکتا ہے اتنا تو ادا کرنا ہی دانشمندی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ انسان کے تمام نیک اعمال "دولتِ اخلاص" کی وجہ سے ہی

مقبول ہوتے ہیں اور اخلاص کے حصول کے لئے تصوف میں شامل ہونا لازم وضروری ہے۔ اب ظاہر ہے کہ تصوف وسلوک کی منازل ومقامات لامتناہی ہیں۔ تو کوئی شخص یہ گمان کرکے کہ ان تمام منازل کو طے کرنا اعلیٰ مقامات تک پہنچنا میرے بس میں نہیں، تصوف میں داخل ہی نہ ہو تو یہ اُس کی کم ظرفی ہوگی۔ سلوک کو جتنا طے کرنا اُس کے بس میں ہے اتنا تو کرے۔ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کام ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (النساء ۱۰۰)

ترجمہ: اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

[پس بڑھنے والے مال اور چر کر پیٹ بھرنے والے مویشیوں کی زکوٰۃ کما حقہٗ ادا کرتے رہیں۔ اور اس ادائے زکوٰۃ کو اموال اور مویشیوں میں دل نہ لگانے کا وسیلہ بنانا چاہیئے۔ اور لذیذ کھانوں اور نفیس ملبوسات میں حظ نفس ملحوظ خاطر نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ کھانے پینے کی اشیاء میں ادائے طاعات کی نیت کے سوا کچھ نیت نہیں ہونی چاہیئے۔ اور نفس لباس مطلق آیۃ:

خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الأعراف ۳۱)

ترجمہ: اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ۔

حکمِ رَبی کی زینت کے تحت پہننا روا ہے۔ اور کوئی نیت نہیں ہونی چاہیئے، اور اگر حقیقت میسر نہ آئے تو تکلف سے یہ نیت دل میں لانی چاہیئے۔

فَاِنۡ لَمۡ تَبۡكُوۡا فَتَبَا كُوۡا۔

ترجمہ: اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل ہی بنالو۔[807]

اور ہمیشہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجا اور تضرع کرتے رہنا چاہیئے تاکہ حقیقت نیت نصیب ہو اور تکلف سے نجات ملے۔

می تواند کہ دہد اشک مرا حسن قبول
آنکہ درساختہ است قطرۂ بارانی را

ترجمہ: ممکن ہے کہ وہ ذات میرے آنسوؤں کو حسن قبول کے شرف سے نواز دے جس نے بارش کے قطرے کو موتی کی صورت عطا کر دی ہے۔

اسی طرح تمام کاموں میں ان دین دار علماءِ کرام کے فتویٰ کے مطابق جنھوں نے عزیمت کا راستہ اختیار کر رکھا ہے اور رُخصت سے اجتناب کرتے ہیں زندگی بسر کرنی چاہیئے، اور اس کو نجاتِ اُخروی اَبدی کا وسیلہ قرار دینا چاہیئے۔

مَا يَفۡعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمۡ إِنۡ شَكَرۡتُمۡ وَ آمَنۡتُمۡ (النساء ۱۴۷)

ترجمہ: اور اللہ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ۔]

تشریح

دُنیا کی طرف ہمارے دلی رغبت اور دین سے بیزاری کی علامت یہ ہے کہ جب ہم شادی بیاہ کی تقریبات میں شریک ہوتے ہیں یا خوشی کے دیگر مواقع ہوتے تو بہت عمدہ لباس کا بندوبست کرتے ہیں لیکن جب نماز کے لئے مسجد کو جانا ہو تو ہمارے جسم پر بہت معمولی لباس ہوتا ہے حالانکہ معاملہ

---

807 (سنن ابن ماجه، باب الحزن و البكاء، شرح السنة للبغوى، باب صفة النار و اهلها نعوذ بالله منها بروايت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس کے بر عکس ہونا چاہیئے۔ شادی کے موقع پر دولہا کو ہی دیکھ لیں۔ دس دس ہزار روپے کا ایک جوڑا تیار ہوتا ہے اور سر پر قیمتی دستار سجائی جاتی ہے لیکن اگر نماز کی نوبت آجائے تو ننگے سر ہی مسجد کو دوڑے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہماری دلی محبت دُنیا کے ساتھ ہے نہ کہ اللہ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ۔ قلبی نیت کو درست کرنا سب سے اول درجے میں ضروری ہے اسی پر اعمال مرتب ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں نیت کو تمام اعمال کی بنیاد بتایا گیا ہے۔ اگر نیت کی درستگی آسانی سے میسر نہ آئے تو تکلف اور کوشش سے اسے درست کرنا چاہیئے۔ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، کوشش ہونی چاہیئے کہ ان تمام پر عمل ہو سکے۔ اگر یہ نیت کرلی تو عمل کی توفیق بھی مل جائے گی اور اگر نیت ہی نہ کی تو عمل کیسے ہو گا؟

(دارالمعــرفت، جلددوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

صورتِ نیت اور حقیقتِ نیت

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نیت کی درستگی اور حقیقتِ نیت کی تحصیل کی نصیحت فرمارہے ہیں۔

نیت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ صورتِ نیت ۲۔ حقیقتِ نیت

سالکینِ طریقت کو تزکیۂ نفس کے بعد ہی نیت کی حقیقت میسر آتی ہے۔ اس سے قبل تکلف کے ساتھ ہی نیت کو درست کرنا چاہیئے۔ اور ارشادِ نبوی علیہ التحیۃ والثناء: فَإِنْ لَمْ تَبْكُوا فَتَبَاكَوْا۔[808]

---

808 (سنن ابن ماجه، ص ۹۲)

کے مطابق بارگاہِ ایزدی میں التجاء وتضرع کرتے رہنا چاہیئے تاکہ تکلف سے چھٹکارا حاصل ہو اور معاملہ صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچ جائے۔**اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا**۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۲، ص۴۰۷)

مکتوب نمبر ۷۱

[یہ مکتوب داراب ابنِ خانِ خاناں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ نعمتوں سے مالا مال انسان پر نعمت فرمانے والے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب وضروری ہے۔ اور شکر کی ادائیگی صرف احکامِ شریعت کی بجاآوری کی صورت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہاری تائید و نصرت فرمائے۔

نعمت والے پر نعمت عطا کرنے والے رب تعالیٰ کا شکر از روئے عقل و شرع ضروری ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ شکر وجوب نعمتوں کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے۔ پس جس قدر نعمتیں زیادہ ہوں گی شکر کا وجوب بھی زیادہ ہو گا۔ تو دولت مندوں پر ان کے درجات کے مطابق فقراء کی نسبت کئی درجے شکر کی ادائیگی ضروری ہے۔ لہٰذا اس اُمت کے فقراء اغنیاء کی نسبت پانچ سو سال پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔

اور نعمتیں عطا کرنے والے رب تعالیٰ کے ادائے شکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے عقائد فرقۂ ناجیہ اہلِ سُنت وجماعت کی آراء کے مطابق صحیح اور درست رکھے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس بلند مرتبہ گروہ کے مجتہدین کی آراء کے مطابق احکامِ شرعیہ بجالاتا رہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس بلند مرتبہ گروہِ صوفیاء کے سلوک کے موافق اپنے نفس اور تزکیہ کرے۔

اس آخری رکن کا وجوب درجۂ استحسان میں ہے، بخلاف پہلے دو رکنوں کے۔ کیونکہ اصل اسلام پہلے دو رکنوں کے ساتھ وابستہ ہے، اور کمالِ اسلام تیسرے رکن سے متعلق ہے۔ اور وہ عمل جو

اِن تین ارکان کے خلاف ہے، اگر ریاضاتِ شاقہ اور مجاہدات شدیدہ کی جنس سے ہو، معصیت، نا فرمانی اور حق تعالیٰ کی ناشکری میں داخل ہے۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے نسلِ انسانی کی بقاء کے لئے نہ صرف ضروریاتِ زندگی کی نعمتیں وافر مقدار میں تخلیق کی ہیں۔ بلکہ بے بہا سہولیات بھی پیدا کی ہیں اور ان تمام تخلیقات کو نعمتوں کے زمرے میں لا کر فرمایا کہ:

وَإِنۡ تَعُدُّوا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوهَا (إبراهیم ۳۴)

ترجمہ: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔

یعنی یہ نعمتیں اتنی کثرت سے پیدا کی گئی ہیں کہ ان کو شمار میں لانا ہی انسان کے بس میں نہیں۔ پھر دُنیاوی زندگی کے ساتھ ساتھ انسان کی اُخروی زندگی کے لئے وہ کچھ پیدا فرمایا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی دل میں اُن کا خیال آسکا۔ اب چونکہ نعمتوں کی کثرت کی وجہ سے ایک ایک نعمت کا انفرادی طور پر شکر ادا کرنا بندے کے بس میں نہیں ہے، تاہم اجمالی طور پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنا بندے پر واجب ہے، اور شکر کا صرف زبان سے ادا کرنا صحیح اور کافی نہیں بلکہ عملی طور پر شکر ادا کرنا لازم وضروری ہے۔ اور اسی ادائے شکر کے وجوب کو بیان کرنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب تحریر فرمایا ہے۔ اور اس میں شکر ادا کرنے کا صحیح اور درست طریقہ کار بتایا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے تین درجات ہیں:

اول: اپنے تمام ضروری عقائد کو اہل سنت وجماعت کے عقائدِ حقہ کے مطابق درست کرنا اور کوئی بھی ایسا عقیدہ نہ رکھنا جو ۷۲ گمراہ فرقوں میں سے کسی فرقے کے عقیدے سے مطابق رکھتا ہو۔ اگر کسی معاملہ میں عقیدہ بگڑ گیا تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے شکر کا پہلا اور ضروری درجہ ناقص ونامکمل رہے گا، جب تک کہ عقیدے کو درست نہ کرلے اور بُرے عقائد سے توبہ نہ کرلے۔

دوم: شُکرِ خداوندی کی ادائیگی کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ فقہاءِ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو اپنے اوپر لازم کرلے اور پھر زندگی کے تمام معاملات میں اُسی امام کی پیروی کرے اور اُس فقہ کے جو مجتہد گزرے ہیں اُن کی توضیحات وتصریحات کے مطابق عمل کرے اور دین کے معاملات میں روشن خیالی کو جگہ نہ دے۔ آج کے دور میں ایک ستم تو یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی فقہ کا ہی علم نہیں رہا اور اگر کہیں علم نظر آتا ہے تو جدت پسندی والا۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ علم کے محافظوں نے پُرانی اور مستند کتابوں کو متنازعہ حیثیت دے دی ہے اور جس فقہ پر پوری اُمت قُرونِ اولیٰ سے عمل کرتی چلی آ رہی تھی اُس کو ناقابلِ عمل قرار دے کر نئی اور خودساختہ فقہ بناڈالی۔ قرآن واحادیث سے لوگوں نے خود ہی استنباط شروع کر دیا ہے اور علماءِ حق کی پیروی کو چھوڑ دیا ہے، فروعی اور غیر ضروری مسائل کو مسلک کی پہچان بنادیا گیا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ اُمتِ مسلمہ کے حصے بخرے کرکے اس کی قوت وطاقت کو توڑ دیا گیا بلکہ ادائے شکر کا وجوب بھی ادھورا ہی رہ گیا۔

سوم: مندرجہ بالا دو اُمور تو شریعت کی صورت بنانے والے ہیں اور اس کو حقیقت کا درجہ دینے والا تیسرا کام صوفیاء متقدمین کی تعلیمات کے مطابق سلوک وجذبہ کے مقامات طے کرنا ہے۔ گویا اس تیسرے درجہ سے شریعت کی تکمیل کی جاتی ہے اور اسی تکمیل کی بدولت شکر کی ادائیگی میں کمال آتا

ہے۔ جب تک سلوک طے نہ ہو اور تصفیہ ٔ قلب وتزکیہ ٔ نفس نہ ہو، شکر کما حقہٗ ادا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ کوئی بھی نیکی بغیر اخلاص کے قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی اور اخلاص، سلوک کے بغیر ہاتھ نہیں آتا۔ تو اس ساری بحث کا خلاصہ اور لبِ لباب یہ ہوا کہ جو شخص صرف زبان سے شکر، شکر کہتا ہو اور عقائد واعمالِ صالحہ اور دولتِ اخلاص سے بے بہرہ رہے، ادائے شکر کے ذمے سے سبکدوش نہیں ہو سکے گا، اور غافلین میں ہی شمار ہو گا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں شکر کی ادائیگی کی توفیق عنایت فرمائے اور اُس شخص پر بھی رحم فرمائے جو اس دُعا پر ''آمین'' کہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

ہر نعمت پر شکر واجب ہے

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ حق تعالیٰ سبحانہٗ کی عطا فرمودہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے اور ممنونِ احسان ہونے کے وجوب کو بیان فرمارہے ہیں۔ یہاں شکر کی تعریف میں نعمت کی اقسام اور اس کی اہمیت قدرے وضاحت سے نذرِ قارئین ہے۔

شُکر کی تعریف

اَلشُّکْرُ عِبَارَۃٌ عَنْ مَعْرُوْفٍ یُقَابِلُ النِّعْمَۃَ سَوَاءٌ کَانَ بِاللِّسَانِ اَوْ بِالْیَدِ اَوْ بِالْقَلْبِ۔

ترجمہ: یعنی شکر نعمت کا مقابل ہے جو زبان سے یا ہاتھ سے یا دل سے تعریف کرنے سے عبارت ہے۔[809]

[809] (کتاب التعریفات، ص ۵٦)

بندے پر نعمتِ عظیمہ اور احسانِ کریمہ کی بناء پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرنا دو وجوہات سے لازم ہے: دوامِ نعمت اور زیادتِ نعمت۔

دوامِ نعمت کے لئے شکر اس لئے ضروری ہے تاکہ وہ نعمت ہمیشہ کے لئے بندے کو ملتی رہے۔

جیساکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِلنِّعَمِ اَوَابِدٌ کَاَوَابِدِ الْوَحْشِ فَقَیِّدُھَا بِالشُّکْرِ۔

(یعنی) نعمتیں بھی اسی طرح بھاگ جاتی ہیں جیسے جنگلی جانور بھاگ جاتے ہیں تو ان کو شکر کے ساتھ پابند کرو۔[810]

نیز اگر بندہ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اضافہ فرماتا رہتا ہے، جیسا کہ آیتِ کریمہ: لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَأَزِیدَنَّکُمْ (إبراهیم۷) (اگر احسان مانوگے تو میں تمہیں اور دوں گا) سے واضح ہے۔

ویسے بھی دانا مالک جب غلام کو نعمت کا حق ادا کرتے دیکھتا ہے تو اس پر مزید احسان کرتا چلا جاتا ہے ورنہ احسانات منقطع کر دیتا ہے۔

نعمت کی قسمیں

ا۔ دنیوی ۲۔ دینی

دنیوی نعمت کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ منفعتِ نعمت ۲۔ مدافعتِ نعمت

نفعِ نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے مناسب و منافع کی چیزیں اسے عطا فرمائے۔

---

[810] (منهاج العابدین)

مدافعتِ نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے بگاڑ پیدا کرنے والی اور تکلیف دہ چیزوں کو روکے رکھے۔

دینی نعمتوں کی دو قسمیں ہیں: نعمتِ توفیق اور نعمتِ عصمت

نعمتِ توفیق یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کو اسلام کی توفیق بخشے پھر اتباعِ سنت اور اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی توفیق سے مالامال کر دے۔

نعمتِ عصمت یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کو کفر وشرک سے بچائے اور بدعت وضلالت سے محفوظ رکھے۔

مختصر یہ کہ حق تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کا شمار وحساب ممکن نہیں، جیسا کہ آیتِ کریمہ: وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوهَا (إبراهيم ۳۴) سے عیاں ہے۔ کفرانِ نعمت سے سلبِ نعمت کا خدشہ اور عذاب کا امکان ہے۔ سب سے تلخ اور مشکل زوالِ نعمت، عزت کے بعد ذلت، قرب کے بعد بُعد اور وصال کے بعد فراق ہے۔[811]

شکر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا محبوب اور پسندیدہ عمل ہے، جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے:

أَنَّ نَبِيَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لِمَ تَصْنَعُ هَذَا يَا رَسُولَ اللّٰہِ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم رات کو عبادت کے لئے کھڑے رہتے یہاں تک کہ قدم مبارک پھٹنے کے قریب ہو جاتے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

---

811 (ملخصاً از منهاج العابدین)

واصحابہ وسلم آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب آپ کے اگلوں اور پچھلوں سب کے گناہ معاف کر دیئے؟ آپ نے فرمایا کیا میں اس کا شکر گزار بندہ بننا پسند نہ کروں؟[812]

معلوم ہوا کہ صرف زبان سے شکر شکر کرنا شکر نہیں، بلکہ احکامِ خداوندی کی تعمیل اور عبادات کی بجا آوری کا نام شکر ہے۔ لہٰذا اہل سنت و جماعت کے علمائے شریعت اور مشائخ طریقت کے مطابق عقائد کی درستگی، احکامات کی بجا آوری، قلبی تنویر اور باطنی تطہیر کا اہتمام کرنا چاہیئے تاکہ حق تعالیٰ (منعمِ حقیقی) کا شکر ادا ہو سکے۔ (وَ اللهُ الْمُوَفِّقُ)

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۱۱ تا ۴۱۳)

مفتاح السلوک، جلد اول میں ہے:

شکر

تعریف: علماء نے شکر کی کثیر تعریفات کی ہیں، ان میں سے بعض اہم کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

"الشکر ھو عکوف القلب علی محبة المنعم و الجوارح علی طاعته و جریان اللسان بذکرہ و الثناء علیه"

یعنی شکر یہ ہے کہ دل محسن کی محبت کی طرف متوجہ ہو اعضاء اس کی طاعت و فرمانبرداری میں مصروف ہوں اور زبان اس کے ذکر اور حمد و ثنا میں مشغول ہو۔[813]

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ھو فرح القلب بحصول النعمة مع صرف الجوارح فی طاعة المنعم و الاعتراف بنعمة المنعم علی وجه الخضوع"

---

812 (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۱۶)

813 (مدارج السالکین ج ۲ ص ۱۳۶)

یعنی محسن کی اطاعت میں اعضاء وجوارح کو مصروف کرنے کے ساتھ ساتھ حصولِ نعمت پر دل کے خوش ہونے اور عاجزی وانکساری کے طور پر محسن کی نعمت کے اعتراف کرنے کو شکر کہتے ہیں۔[814]

سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کی عطاکردہ سمع وبصر وغیرہ تمام نعمتوں کا رب کی منشا کے مطابق صرف کرنے کا نام شکر ہے۔[815]

علامہ ابن علان صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰفرماتے ہیں کہ شکر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اعتراف کرنے اور اس کی خدمت کے سر انجام دینے کو کہتے ہیں اور جس میں یہ وصف کثرت سے پائی جائے اسے شکور کہتے ہیں۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا:۱۳)

اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔"[816]

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ان گنت اور بے شمار ہونا کسی پر مخفی نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوهَا" (ابراھیم:۳۴)

اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔

ان نعمتوں کو تین اہم اقسام میں منقسم کیا جاسکتا ہے:

(۱): دنیاوی نعمتیں: جیسے صحت وعافیت اور مالِ حلال وغیرہ۔

---

[814](معراج التشوف ص ۷)

[815](تعریفات السید ص ۷۶)

[816](دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج ۲ ص ۵۷)

(۲): دینی نعمتیں: جیسے علم و عمل، تقویٰ اور معرفتِ الٰہی وغیرہ۔

(۳): اخروی نعمتیں: جیسے عملِ قلیل پر عطائے کثیر۔

دینی نعمتوں میں سب سے عظیم ترین نعمت جس پر شکر کرنا ضروری ہے وہ ایمان واسلام اور معرفتِ الٰہی کی نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ مؤمن کو چاہیئے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ یہ تمام نعمتیں بغیر کسی واسطہ کے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱): "وَلٰکِنَّ اللهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ" (حجرات:۷)

لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں۔

(۲): وَلَوْ لَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ۔ (نور: ۲۱)

اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز۔

مؤمن جب اس عظیم کائنات اور اس میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں غور وفکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مزید نعمتوں سے مطلع ہوتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ سے محبت کا سبب بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ ہم پر اپنے نیک بندوں کے واسطے سے کرتا ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم کے ذریعے ہم پر اپنا فضل واحسان کیا ہے اور اسی طرح ہمارے والدین اور ہمارے شیوخ ومربین کے ذریعے احسان فرماتا ہے۔ پس مؤمن کیلئے

ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کیونکہ وہی منعم حقیقی ہے جس نے ہمارے لئے لوگوں کے ذریعے نیکی کے راستوں کو آسان کیا۔ یہ لوگ صرف واسطہ ہیں اور منعم حقیقی وہی ذات ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ" (نحل: ۵۳)

اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ کی دی ہوئی ہیں۔

اسی طرح مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمت کا سبب بنایا ہے جیسا کہ رسول اللہ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے:

"مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ"

یعنی جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کر سکتا۔[817]

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ساتھ والدین کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جن کو ہماری پیدائش کا ذریعہ اور بہت سی نعمتوں کا واسطہ بنایا۔

ارشاد فرمایا:

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ (لقمان: ۱۴)

کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا (آخرکار) میری طرف ہی لوٹنا ہے۔

مخلوق کا شکریہ ادا کرنا آسان ہے اور جو مخلوق کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے زیادہ قاصر رہے گا۔

[817] (أخرجه أبو داؤد في سننه في باب شكر المعروف عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه)

شکر کی اقسام

سابقہ تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ شکر کی تین قسمیں ہیں:

(۱):زبان کا شکر (۲):ارکان کا شکر (۳):دل کا شکر۔

(۱) زبان کا شکر: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ ۱۱) کی اتباع کرتے ہوئے اور نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کے اس قول "التحدث بنعمة اللہ شکر" (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا شکر ہے) کی اتباع کرتے ہوئے۔[818]

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے نعمت کو چھپایا اس نے اس کی ناشکری کی اور جس نے اظہارِ نعمت کیا اور اس کو عام کیا تو اس نے اس کا شکریہ ادا کر لیا۔

اسی لئے رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کی شخصیت شکر اور حمد وثنا میں مثالی شخصیت تھی۔

اسی وجہ سے آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مکة ذهبا قلت: لا یا رب ولٰکن اشبع یوما واجوع یوما وقال ثلاثا او نحو هٰذا فاذا فعلت تضرعت الیک وذکرتک واذا شبعت شکرتک وحمدتک"۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے پیشکش کی کہ وہ میرے لئے بطحاءِ مکہ کو سونا بنا دے گا۔ میں نے عرض کی، نہیں، اے میرے پروردگار! لیکن میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ آپ

---

[818] (رواہ امام احمد فی مسندہ عن انعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۴ ص ۳۷۵)

صَلَّى اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم نے تین دفعہ فرمایا اور فرمایا، جب میں بھوکا ہوں گا تو تیری بارگاہ میں عجز وانکساری کروں گا اور تیرا ذکر کروں گا اور جب میں سیر ہوں گا تو تیرا شکر اور حمد و ثنا بجالاؤں گا۔[819]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی رغبت دلائی گئی ہے جس طرح حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک بندہ نے کہا، اے پروردگار! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں جیسے تیرے مرتبہ وجلال اور عظیم قدرت کے لائق ہے۔ ان کلمات نے فرشتوں کو مشکل میں ڈال دیا۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ انہیں کیسے لکھیں۔ وہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی، اے پروردگار تیرے ایک بندہ نے کچھ کلمات کہے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم انہیں کیسے لکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندہ نے کیا کہا ہے؟ حالانکہ وہ بہتر جاننے والا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ بندہ نے کہا ہے: "یا رب، لک الحمد کما ینبغی لجلال وجھک ولعظیم سلطانک" تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا، ان کلمات کو اسی طرح لکھ دو، جس طرح میرے بندہ نے کہا ہے حتیٰ کہ جب وہ مجھ سے ملے گا تو میں خود اسے ان کلمات کا اجر وثواب عطا فرماؤں گا۔[820]

(۲): ارکان کا شکر: اس سے مراد یہ ہے کہ بندے کا عمل خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد "اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا" (سبا:۱۳) میں ارشاد فرمایا ہے کہ شکر ہی عمل ہے اور رسول اللہ صَلَّى اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم نے عملی طور پر اس کی وضاحت فرما دی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

---

[819] (رواہ الترمذی فی کتاب الزھد عن أبی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

[820] (رواہ ابن ماجہ فی کتاب الأدب)

آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا:

”کان النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم یقوم من اللیل حتی تنفطر قدماہ فقلت لہ لم تصنع ھٰذا یا رسول اللہ ! و قد غفر لک ما تقدم من ذنبک و ما تاخر۔ قال، افلا اکون عبدا شکورا“۔

یعنی نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم قیام اللیل فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے پاؤں مبارک متورم ہو گئے میں نے عرض کی، یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی امت کے اگلے اور پچھلوں کے بھی گناہ معاف فرما دیئے گئے ہیں۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا، کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟[821]

(۳): دل کا شکر: اس سے مراد یہ ہے کہ تجھے یقین ہو کہ تجھ پر اور مخلوق خدا پر تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”مَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللہِ“ (نحل:۵۳)

اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ کی دی ہوئی ہیں۔

یہ نعمتیں کہیں تجھے محسن و منعم سے دور نہ کر دیں۔ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اس سے بچنے کا یہ طریقہ تلقین فرمایا ہے۔

---

[821] (بخاری، کتاب الرقاق، مسلم کتاب صفات المنافقین، ترمذی ابواب الصلاۃ)

آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہٖ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا: جس نے صبح کے وقت یہ کلمات کہے، اس نے پورے دن کا شکر ادا کر دیا:

اللھم ما اصبح لی من نعمۃ او باحد من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمد و لک الشکر۔

اور جس نے یہی کلمات شام کے وقت کہے اس نے اپنی رات کا شکر ادا کر دیا۔[822]

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی، اے اللہ! تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا پھر اس میں تو نے اپنی خاص روح پھونکی اور اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور اسے تمام اشیاء کا علم عطا فرمایا اور بہت سی نعمتوں سے نوازا تو اس نے تیرا شکریہ کیسے ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اس نے جان لیا کہ یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اس کا یہ جان لینا بھی شکر کرنے کے مترادف ہے۔[823]

مؤمن کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی حمد و ثنا کی توفیق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ جس طرح کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میں تیرا شکریہ کیسے ادا کر سکتا ہوں حالانکہ میرا شکر ادا کرنا بھی تو تیری ایک نعمت ہے جس پر شکریہ واجب ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اے داؤد! اب تو نے میرا شکریہ ادا کیا ہے۔[824]

---

[822](ابو داؤد فی سننہ فی باب مایقول اذا أصبح، و نسائی اللفظ لہ)
[823](مدارج السالکین ج ۲ ص ۱۳۷)
[824](مدارج السالکین ج ۲ ص ۱۳۷)

شکر کرنے والوں کے مراتب

شکر کرنے والوں کے مراتب درج ذیل ہیں:

(۱): **عوام کا شکر:** عوام فقط نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

(۲): **خواص کا شکر:** خواص نعمتوں اور آزمائشوں وابتلاء میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم نے اس شخص کی تعریف کی ہے جس پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ اس کا سامنا اپنی زبان سے حمد وثنا اور دل سے رضا کے ساتھ کرتا ہے اور شیطان کو موقع نہیں دیتا کہ وہ دل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کو ڈال دے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا:

"اذا مات ولد العبد قال اللہ لملائکتہ قبضتم ولد عبدی، فیقولون نعم۔ فیقول فماذا قال عبدی؟ فیقولون: حمدک واسترجع، فیقول اللہ تعالی ابنوا العبدی بیتا فی الجنۃ وسموہ بیت الحمد"[825]

جب کسی بندے کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے کیا تم نے میرے بندہ کے بچے کی روح کو قبض کر لیا، فرشتے عرض کرتے ہیں، ہاں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندے نے کیا کہا۔ وہ عرض کرتے ہیں، اس نے تیری حمد وثنا بیان کی اور کہا، إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ

---

[825] (ترمذی، کتاب الجنائز)

(البقرة ۱۵٦) تو اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ میرے بندے کیلئے جنت میں ایک گھر تعمیر کر دو۔ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا، سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کیلئے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو تنگی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔ [826]

(۳): خاص الخواص کا شکر: یہ لوگ منعم اور محسن کی ذات میں اس طرح فنا ہوتے ہیں کہ انہیں نعمت اور آزمائش کا خیال ہی نہیں رہتا۔

اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"الشکر رویۃ المنعم لا رویۃ النعمۃ"۔

یعنی شکر، منعم کا خیال کرنا ہے نہ کہ نعمت کا۔ [827]

شکر کی فضیلت

شکر تمام مقامات سے اعلیٰ وارفع مقام ہے کیونکہ یہ دل، زبان اور اعضاء وجوارح کو شامل ہوتا ہے اور اسی طرح صبر، رضا، حمد اور ان کے علاوہ بہت سی بدنی اور قلبی عبادات اس میں داخل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شکر کا حکم دیا ہے اور اس کی ضد یعنی کفر وناشکری سے منع کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَاتَکْفُرُوْنِ" (بقرہ:۱۵۲)

اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

---

[826] (المستدرک ج ۱ ص ۵۰۲)

[827] (رسالہ قشیریہ ص ۸۱)

شکر رسل کرام علیہم السلام کی عظیم صفات میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کو اس صفت سے متصف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا ط وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ (نحل ۱۲۰)

ترجمہ: "بلا شبہ ابراہیم (علیہ السلام) ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے۔ یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے وہ (ہر لمحہ) شکر گزار تھے اللہ کی نعمتوں کیلئے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا (اسراء:۳)

ترجمہ: "بے شک وہ (نوح علیہ السلام) ایک شکر گزر بندے تھے۔"

محبوبِ خدا ہمارے آقا و مولا رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم عبادت اور قیام اللیل میں انتہائی کوشش کرتے اور مشقت برداشت فرماتے اور بڑے خشوع و خضوع سے اور تمام دنیا سے کٹ کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور جب آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم نے جواب دیا، کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ سائل نے یہ گمان کیا تھا کہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم کی عبادت طلبِ مغفرت کیلئے تھی لیکن رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم کے جواب نے سائل کی توجہ مقامِ شکر کی طرف دلائی جو مقاماتِ عبدیت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ جس طرح رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم خود شکر کے مقام رفیع پر فائز تھے۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر مؤمنین کو اس مقام تک

رسائی حاصل کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے انہیں حکم فرمایا کہ ہر نماز کے بعد دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذکر و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

او صیک یا معاذ لا تدعن فی دبر کل صلوۃ تقول: اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک وحسن عبادتک۔

اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو ترک نہ کرنا۔ اے اللہ! اپنے ذکر، شکر اور حسنِ عبادت پر میری اعانت فرما۔[828]

مقامِ شکر اعلیٰ وارفع مقام ہے اس کا حصول انتہائی مشکل اور کٹھن ہے۔ اس کے حصول کیلئے مجاہدات اور مراقبات کے ساتھ ساتھ صدق، صبر اور استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاکرین کی تعداد انتہائی قلیل ہے کیونکہ کریم لوگ قلیل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں شاکرین کی قلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ارشاد فرمایا:

”وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْر“ (سبا:۱۳)

ترجمہ: ”بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔“

اور اسی طرح فرمایا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور انعام واکرام کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ أَکْثَرَھُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ (نمل:۷۳)

---

[828](ابو داؤد، نسائی، مستدرک: ج:۱ :ص:۴۹۹)

ترجمہ: ”اور بے شک آپ کا رب بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنی عظیم نعمتوں اور احسانات کا ذکر فرماتا ہے، اور ہمیں کائنات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے، تاکہ ہم ان عظیم نعمتوں کا ادراک کر سکیں جو ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی ہیں اور جن کو شمار کرنے اور احاطہ کرنے سے انسان عاجز ہے۔ اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں جس طرح کہ اس کا شکر کرنے کا حق ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اللہ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ م بُطُوْنِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (نحل:۷۸)

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے تمہاری ماؤں کے شکموں سے اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم شکر ادا کرو۔“

چالیس سال کی عمر میں انسان کا شعور پختہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب انسان اس عمر کو پہنچتا ہے اور اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی نعمتوں میں غور و فکر کرتا ہے اور اس کے فضل و احسان کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنا دامن طلب دراز کر کے اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے کہ مولا! مجھے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”حَتّٰی إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً۔ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ“ (احقاف:۱۵)

ترجمہ: ”حتیٰ کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی ہے اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے۔“

رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والے کو عبادات کی مشقت پر صبر کرنے والے کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا:

”الطاعم الشاکر بمنزلة الصائم الصابر“[829]

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کھا کر شکر ادا کرنے والا صابر روزہ دار کے قائم مقام ہے۔

شکر نعمتوں کی بقاء اور دوام کا بہترین وسیلہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شکر نعمتوں کو اس طرح قابو کر لیتا ہے جس طرح رسی اونٹ کے پاؤں کو۔

حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

من لم یشکر النعم فقد تعرض لزوالھا ومن شکرھا فقد قیدبعقالھا۔

یعنی جس نے نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا وہ ان کے زوال سے دوچار ہوا اور جس نے ان کا شکر ادا کیا اس نے ان کو رسی کے ساتھ مقید کر لیا۔[830]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا اور نعمتوں کے مقابلے میں ناشکری اور نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب وعقاب کو دعوت دینا ہے۔ وہ ذات جس نے نعمتیں عطا کی ہیں وہ ان کو سلب کرنے کی بھی قدرت رکھتی ہے۔

---

[829] (ترمذی، کتاب صفة القیامة)

[830] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم لابن عجیبه ج ۱ ص ۱۰۰)

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً قَرْیَةً کَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً یَّاْتِیْھَا رِزْقُھَا رَغَدًا مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ (نحل:۱۱۲)

ترجمہ: اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ ہے کہ ایک بستی تھی جو امن اور چین سے آباد تھی۔ آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے، پس اس (کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی۔ پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس، ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں گے وہ انہیں مزید عطا فرمائے گا۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَأَزِیدَنَّکُمْ (ابراھیم ۷)

اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا۔[831]

در حقیقت شاکر کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا اس کی اپنی ذات کیلئے فائدہ مند ہوتا ہے کیونکہ شکر کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی مزید نعمتوں اور اس کے فضل واحسان، اس کی عظیم محبت، عمدہ تعریف وتوصیف کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ شَکَرَ فَأَنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ وَمَنْ کَفَرَ فَأَنَّ رَبِّی غَنِیٌّ کَرِیْمٌ٥ (نمل:۴۰)

---

[831](ابراھیم:۷) (طبقات الصوفیۃ للسلمی ص ۲۹۸)

ترجمہ: "اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کیلئے اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے اور کریم بھی۔"

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ مقامِ شکر پر فائز ہو کر جب اس مقام کی عظمت و شان اور فضیلت کو جانتے ہیں تو دوسرے لوگوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں اور جس کو بھی اللہ تعالیٰ کسی دنیاوی یا اخروی نعمت سے نوازتا ہے تو اس کی راہنمائی کرتے ہیں کہ وہ اس نعمت میں ہی مشغول نہ ہو جائے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ شکر کا طریقہ اختیار کرے تاکہ وہ مزید نعمتوں اور دائمی توفیق کا سبب بنے۔ حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ بھلائی کے راستوں میں سے کوئی راستہ تیرے لئے کھول دے تو اس کو لازم پکڑ لو۔ اس راستہ کی طرف دیکھنے اور اس پر فخر کرنے سے بچو بلکہ اس ذات کے شکر میں مشغول ہو جاؤ جس نے تجھے یہ توفیق عطا فرمائی ہے کیونکہ تمہارا اس راستہ کی طرف دیکھنا تمہیں اپنے مقام سے گرا دے گا لیکن اس کے شکر میں مشغول ہونا تمہارے لئے مزید انعامات کا سبب ہو گا۔

اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا۔

اسی وجہ سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام احوال میں درِ شکر کو لازم پکڑا اور اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول رہے اور اسی کو ہی فاعلِ مطلق، منعمِ حقیقی اور شکور و کریم تصور کرتے ہوئے عاجزی و انکساری سے اس کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہو گئے اور اس کی جناب میں دعا گو ہوئے کہ وہ ان کے دلوں کو معرفت کے نور سے منور کر دے اور ان کی زبانوں کو اپنی حمد و ثنا میں مشغول کر دے اور ان کے اعمال کو شریعت کے احکام کے تابع کر دے۔ اس میں انہوں نے

رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم اور آپ کے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقہ کی پیروی کی۔

(مفتاح السلوک، جلداول)

[ہندو برہمنوں اور فلاسفہ یونان نے کیا کم ریاضتیں اور مجاہدے کئے ہیں؟ لیکن چونکہ ان کی ریاضتیں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (ان میں سب سے افضل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خصوصاً اور باقی پر عموماً اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور سلامتیوں کا نزول ہو) کی شریعت کے مطابق واقع نہیں ہوئیں، اس لئے سب مَردود ہیں۔ اور یہ لوگ نجاتِ اُخروی سے محروم ہیں۔ تو تم پر ہمارے سردار و مولیٰ اور ہمارے گناہ بخشوانے والے اور ہمارے دلوں کے طبیب حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حضور کے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی متابعت اور پیروی لازم وضروری ہے۔]

تشریح

فلاسفۂ یونان اور عالمِ کُفر سے جو آلاتِ جدیدہ من جملہ ٹیکنالوجی معرضِ وجود میں آئے ہیں یہ اُن (کفار) کے دنیاوی فائدہ کے لئے تو ضرور مفید ہے لیکن چونکہ وہ ایمان سے خالی ہیں اس لئے محض ٹیکنالوجی کی خدمات سے نجاتِ اُخروی کے اہل نہیں ہوں گے البتہ مسلمان سائنسدانوں کی مفید ایجادات ضرور آخرت میں بھی فائدہ رساں ہوں گی۔

حکایت

ایک ولی اللہ کسی سفر پر تھے کہ راستے میں اُن سے ایک عیسائی آ ملا اور کہنے لگا آپ کا کدھر جانے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے خالق ومالک کو اطاعت کے ذریعے راضی کرنے

کی غرض سے تنہائی کی طرف نکلا ہوں، تاکہ وہ مجھے اپنی دوستی میں قبول فرمالے اور میری آخرت سنوار دے۔ عیسائی کہنے لگا کہ میں بھی اُسی کی عبادت میں کوشاں ہوں لیکن میرا اور آپ کا دِین اور احکامِ شریعت الگ الگ ہیں۔ دونوں آگے بڑھ گئے۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو عیسائی نے اپنے تئیں (اظہارِ کرامت کے لئے) کوئی دُعا کی۔ فوراً دو آدمیوں کا کھانا آ گیا۔ عیسائی کھانا کھانے بیٹھا اور مسلمان (ولی) کو بھی کھانے کا کہا لیکن وہ کشمکش میں مبتلا ہو گئے کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ بالآخر انہوں نے (بہ نیتِ عزیمت) کھانا نہ کھانے کا فیصلہ کر لیا۔ دوسرے دن پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ وہ بزرگ بہت حیران تھے کہ ایک کافر سے اس طرح خارق الامور واقع ہونے کا کیا راز ہے؟ آخر نمازِ اِشراق کے وقت وہ سجدے میں گئے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں عجز وانکساری سے دُعا کی کہ "اے اللہ! ایک کافر سے اس طرح کے اُمور کے ظاہر ہونے میں کافی حکمت ہے اور مجھے اس معاملہ کی اطلاع فرما"۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور حقیقتِ معاملہ کو اُن پر واضح کر دیا۔ دوسرے دن جب عیسائی کا کھانا حاضر ہوا تو بزرگ نے اُس سے کہا کہ تیرے اس معاملے میں شیطان کا دخل ہے، وہ نہ مانا اور کہنے لگا کہ اگر آپ اس بات کو ثابت کر دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے کھانا لاؤ، جب کھانا لایا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جوں ہی کھانے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی وہ فوراً ہی گوبر کی شکل اختیار کر گیا۔ عیسائی یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور سوالیہ نظروں سے اُنہیں دیکھنے لگا انہوں نے فرمایا کہ غیر مسلموں کے تمام اعمال وافعال میں شیطانی دخل ہوتا ہے اور شیطان ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں نظر بندی کر کے بڑے مزین انداز میں ظاہر کرتا ہے، تاکہ انہیں اپنے کاموں کی حقیقت کا علم نہ ہو سکے۔ عیسائی یہ سُنتے ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ کفار کے چلے، کوششیں اور بظاہر اچھے اعمال بھی شیطان کے زیرِ تسلط ہوتے ہیں جن پر دین سے نابلد لوگ یقین کر لیتے ہیں، لیکن ایسے اعمال اُخروی عذاب کا موٗجب بنتے ہیں، البتہ ایماندار اور تابعِ شریعت لوگوں کی عبادتیں اور کوششیں انہیں مزید اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا قُرب عطا کرتی ہیں اور نجاتِ اُخروی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

مذکورہ جملے میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ مشائخِ اہلسنت کے اختیار کردہ طریقے کے مطابق سلوک طے کرنے، یونانی فلسفیوں اور ہندوستانی برہمنوں کے وضع کردہ غیر شرعی چلوں اور ریاضتوں سے اجتناب کرنے کی نصیحت فرمارہے ہیں۔ دراصل تصفیہ، عالمِ اَمر کے لطائف کو مصفّٰی بنانا اور تزکیہ عالمِ خلق کے لطائف کی تطہیر کرنا ہے۔ عالمِ امر کے لطائف ذاتی طور پر نورانی ہیں مگر عالمِ خلق کے لطائف کی مجاورت وہمسائیگی کی وجہ سے ان پر غبار آجاتا ہے۔ اس لئے ان کا تصفیہ کرنا چاہیئے جب کہ عالمِ خلق کے لطائف ذاتی طور پر مکدر اور کثیف ہیں اس لئے یہ تزکیہ و تطہیر سے ہی مطیع اور نیاز مند ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ تمام انسانی قویٰ اور جسمانی اعضاء کا حق تعالیٰ کی بندگی میں مصروف ہونا اور غیر حق کی گرفتاری سے فارغ ہونا ہی شکر ہے۔

بے غم ودرد توصــد حیفـــ ز عمـــرے کہ گذشت
پیش ازیں کاش گرفتار غمت می بودم

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ حدیثِ جبریل[832] (علیہ السلام) میں ایمان اور اسلام کے بعد احسان کا ذکر دینِ متین کی تعلیم کا بیان ہے اور اسی پر دینِ اسلام کی تکمیل موقوف ہے۔ جسے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ علم، عمل اور اخلاص سے تعبیر فرماتے ہیں۔

بینہ نمبر ۲

شریعت کے عالم وعامل اور طریقت کے حامل شخص کو ہی محقق کہا گیا ہے، علمِ شریعت کے بغیر محض تصوف واحسان زندقہ ہے اور علمِ احسان کے بغیر محض علمِ فقہ فسق ہے۔

جیسا کہ امام دارالہجرتین حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

مَنْ تَصوَّفَ وَلَمْ یَتفقَّهْ فقَدْ تزَندَقَ وَمَنْ تَفقَّهَ وَلَمْ یَتصوَّفْ فقَدْ تفَسّقَ وَمَنْ جمَعَ بَیْنَهُمَا فقَدْ تَحقَّقَ۔[833]

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جو ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ ایمان، اسلام اور احسان سے موافقت نہیں رکھتے وہ معصیت، نافرمانی اور حق تعالیٰ کی ناشکری میں داخل ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۱۴، ۴۱۵)

---

832 (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۲، صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۷، مشکوٰۃ، ص ۱۱)

833 (اشعۃ اللمعات)

مکتوب نمبر ۷۲

[خواجہ جہاں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ دین و دُنیا دونوں کا جمع کرنا دُشوار و مشکل ہے۔ پس طالبِ آخرت کے لئے ترکِ دُنیا کے بغیر چارہ نہیں۔ اور اگر ترکِ حقیقی میسر نہ آئے تو کم از کم ترکِ حکمی تو ضرور ہونا چاہیئے، اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور عافیت عطا فرمائے۔

مَا اَحْسَنَ الدِّیْنِ وَ الدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا۔

ترجمہ: کیا ہی اچھا ہوتا اگر دین و دُنیا دونوں اکٹھی ہو سکتیں۔

دِین و دُنیا کو جمع کرنا دو ضدوں کے جمع کرنے کے قبیلہ میں سے ہے۔ پس طالبِ آخرت کے لئے دُنیا کو چھوڑنا ضروری ہے۔ اور جب اس وقت حقیقتاً ترکِ دُنیا میسر نہیں بلکہ مشکل ہے، تو کم از کم ترکِ حکمی و صوری تو ضرور ہونا چاہیئے۔]

تشریح

احادیثِ مبارکہ میں دُنیا اور آخرت کو دو سوکنیں فرمایا گیا ہے جن میں سے ایک کو راضی کیا جائے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے اور دوسری کو راضی رکھا جائے تو پہلی ناراض ہو جاتی ہے۔ یہی حال دُنیا و آخرت کا ہے۔ اگر دُنیا کو راضی رکھنے والے اعمال کیئے جائیں اور اس کے حصول کے لئے تگ و دو کی جائے تو آخرت سے حصہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر حصولِ آخرت کے لئے محنت کی جائے تو دُنیا تنگ ہو جاتی ہے اور یہی دراصل ایک مؤمن کی آزمائش ہے۔ پس کامیاب وہ شخص ہے جو دُنیا کی ناراضگی کو خاطر میں نہ لائے اور حصولِ آخرت کے لئے محنت کرے، یہ ترکِ حقیقی ہے، اگر ترکِ

حقیقی ممکن نہ ہو یا ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ حقیقی طور پر ترکِ حقیقی مشکل ہو جائے تو پھر ترکِ حکمی کر لینا بھی کافی ہے۔ اور ترکِ حکمی وہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے آگے متن میں بیان فرمایا ہے۔

[اور ترکِ حکمی سے مراد یہ ہے کہ دُنیوی اُمور میں بندہ روشن شرعوں کے تقاضوں کے مطابق اس کے احکام کی پابندی کرے۔ اور کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں حدودِ شرعیہ کی رعایت ملحوظ رکھے اور ان حدود سے تجاوز کرنے کو روا اور جائز نہ رکھے۔ اور سونے چاندی اور مال تجارت وغیرہ اور مویشیوں میں نصاب مکمل ہونے کی صورت میں فریضہ زکوٰۃ ادا کرے۔ جب احکامِ شرعیہ کی ادائیگی کے ساتھ انسان مزین و آراستہ ہو گیا تو دُنیا کی مضرتوں سے نجات حاصل ہو گئی۔ اور دُنیا آخرت کے ساتھ جمع ہو گئی، اور اگر اس طرح کا ترکِ حکمی بھی میسر نہ آئے تو ایسا شخص بحث سے خارج ہے اور منافق کے حکم میں داخل ہے، جو صرف صورتِ ایمان رکھتا ہے اور منافق کا ایمان آخرت میں کچھ نفع نہیں دے گا۔ ایسے آدمی کے ایمان کا نتیجہ اور ثمرہ صرف اس قدر ہے کہ دُنیا میں اس کے مال اور اس کی جان کا تحفظ ہو جاتا ہے۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گوئم　　　تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال!

ترجمہ: شرطِ تبلیغ کے تحت جو کچھ میرے ذمے تھا وہ میں نے تجھ سے کہہ دیا ہے، آگے میری باتوں سے تجھے چاہے نصیحت حاصل ہو چاہے رنج و ملال۔]

تشریح

جہاں تک کھانے پینے اور لباس پہننے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں گزارش یہ ہے کہ رزقِ حلال کی طلب فرض ہے۔ حرام و مکروہات سے بچنا لازم و ضروری ہے اور کھانا بیٹھ کر کھانا سُنت ہے۔ آج کل

شادی بیاہ کی تقریبات میں کھانا کھانے کے اسٹائل سے کون واقف نہیں۔ اور اسلامی لباس تو تقریباً ختم ہی ہو چکا ہے۔ پینٹ شرٹ ایک جدید لباس کی حیثیت میں سامنے آچکا ہے، لیکن یہ غیر اسلامی لباس ہے۔ کشادہ لباس ایمان کی نشانی ہے۔ مرد تو مرد رہے عورتوں کے لباس کو دیکھ کر دُکھ ہوتا ہے۔ ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ "میری اُمت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ عورتیں لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی" اور یہی وہ زمانہ ہے جب عورتیں لباس کے باوجود ننگی نظر آتی ہیں۔ ایک تو کپڑے بہت باریک پہنتی ہیں اور پھر ان کا لباس اتنا تنگ ہوتا ہے کہ پورے جسم کی ساخت نظر آتی ہے۔ اور اس خرابی میں عوام کا تو ذکر ہی کیا، دِین دار گھرانوں کی عورتیں بھی (الا ما شاء اللہ) شریکِ جُرم ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ ان غیر اسلامی طریقوں کو گناہ سمجھا ہی نہیں جارہا پھر حالات کیسے بدلیں گے؟

علامہ اقبال نے آیتِ قرآنی کا کیسے بہترین انداز میں ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

[دیکھیئے! کون صاحبِ دولت ایسا نکلتا ہے جو اس دُنیوی کرّوفر اور ان نوکروں، چاکروں اور ان لذیذ وچرب کھانوں اور لباسہائے فاخرہ امیرانہ کے باوجود کلمۂ حق قبول کرلینے والے کانوں کے ساتھ سُنتا ہے۔

گوشش از بارِ دُر گراں شدہ است　　　نشنود نالہ وفغان مرا

ترجمہ: اس کے کان موتیوں کے بوجھ سے بھاری ہو چکے ہیں، لٰہذا میرے نالہ وفغاں کو کہاں سُن سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سب کو شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت کی توفیق عطا کرے۔

باقی ایک لائق گزارش بات یہ ہے کہ میاں شیخ زکریا جو پہلے عہدہ تحصیلداری پر فائز تھا آج کل محبوس اور بند ہے۔ شومی اعمال کے باعث مدت سے قید خانہ میں بند ہے۔ ضعف پیری، تنگ معاشی اور قید خانہ میں عرصہ سے پڑا رہنے کی وجہ سے بالکل تنگ اور پریشان ہے۔ اس نے مجھے لکھا تھا کہ لشکر میں آکر میری رہائی کی کوشش کریں۔ راستے کی لمبی مسافت وہاں تک آنے میں مانع ہوئی۔ برادر عزیز خواجہ محمد صادق آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے، ضرورت کے ان چند کلمات کی تکلیف دی ہے، اُمید ہے کہ اس بوڑھے اور ضعیف شخص کے بارے میں توجہ عالی کریں گے۔ کیونکہ وہ عالم بھی ہے اور اسے ضعفِ پیری بھی لاحق ہے۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلاً وَّاٰخِراً]

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ طالبِ آخرت کو ترکِ دُنیا کی نصیحت فرما رہے ہیں۔ چونکہ دُنیا اور آخرت دو سوکنوں کی مانند ہیں، لہٰذا ان کا جمع ہونا مشکل ہے، دانا آدمی وہ ہے جو دُنیا پر دین و آخرت کو ترجیح دے اور دُنیا کو ترک کر دے۔

ترک کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ترکِ حقیقی ۲۔ ترکِ حکمی

ترکِ حقیقی دُشوار ہونے کی بناء پر ناچار ترکِ حکمی کو ہی اختیار کر لینا چاہیئے اور نشست وبرخاست، خورد ونوش، مال و مویشی اور معاشرت و معاملات ایسے دُنیوی اُمور میں شریعتِ مطہرہ اور

سُنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو مدِ نظر رکھنا ترکِ حکمی ہے، بہر حال جو چیز اللہ تعالیٰ کی ذات سے غافل کر دے وہ دُنیا ہے اس کا ترک صوفیاء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے قُرب کی سیڑھی ہے۔ اسلامی عبادات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان میں بھی ترک کا پہلو موجود ہے، اسی لئے ضروری ہے کہ اگر ترکِ دُنیا کُلی طور پر نہ ہو سکے تو ترکِ جزوی کو ہی اختیار کر لیا جائے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۱۹، ۴۲۰)

مکتوب نمبر ۴۷

[دُنیا اور اہلِ دُنیا کی مذمت اور غیر نفع مند علوم کو حاصل کرنے کی برائی اور فضول مباحات سے بچنے اور خاص کر عنفوانِ جوانی میں خیرات اور اعمالِ صالحہ کی ترغیب و تحریص میں۔

قلیج اللہ بن قلیج کی طرف صادر فرمایا:

حق سبحانہٗ وتعالیٰ روشن شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات والتحیات الابدیہ والسرمدیہ کے طریقہ پر استقامت نصیب فرمائے۔

اے فرزند! دُنیا آزمائش اور ابتلاء کا مقام ہے۔ اس کے ظاہر کو مختلف ملمع سازیوں اور زینتوں سے آراستہ اور مزین کیا گیا ہے۔ اس کی صورت کو موہوم خال وخط اور زلف ور خسار سے خوبصورت کیا گیا ہے۔ دیکھنے میں شیریں اور طراوت و تازگی کا خیال آتا ہے۔ لیکن حقیقت میں عطر لگا ہوا مردار اور مکھیوں اور کیڑوں سے بھرا ہوا ٹٹی خانہ ہے۔ اور آب نماریت اور زہر سے لبریز شکر ہے۔ اس کا باطن سراسر خراب اور ابتر ہے۔ اس کا معاملہ اپنے طالبوں کے ساتھ اس گندگی اور غلاظت کے ساتھ جس قدر تم بُرا خیال کرسکتے ہو اس سے بھی بدتر ہے۔ اس دُنیا پر فریفتہ ہونے والا دیوانہ اور مسحور (جادو کیا ہوا) ہے۔ اس کا گرفتار مجنون اور فریب خوردہ ہے۔ جو اس کے ظاہر پر فریفتہ ہوگیا وہ نقصان ابدی کے ساتھ داغدار ہوگیا۔ جس نے بھی اس کی حلاوت وطراوت پر نظر کی، دائمی ندامت و شرمندگی اس کے حصہ میں آگئی۔

سرورِ کائنات حبیب رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتحیات نے فرمایا ہے:

مَا الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی۔

ترجمہ: یعنی دُنیا اور آخرت دو سوکنوں کی طرح ہیں، اگر ایک راضی ہوتی ہے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔[834]

تو جس نے دُنیا کو راضی کیا اس سے آخرت ناراض ہو گئی۔ اور آخرت کی نعمتوں سے بے نصیب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں دُنیا اور اہلِ دُنیا کی محبت سے پناہ میں رکھے۔]

تشریح

دُنیا کی لالچ اور طلب میں دیوانہ پن دراصل شیاطین کے قوی تسلط کے اثرات ہیں۔ ایسے لوگ شیطانی اثرات کی وجہ سے نماز وروزہ اور دیگر اعمالِ صالحہ کو ترک کر دیتے ہیں اور اعمالِ صالحہ کے ادا کرنے والوں کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ دُنیا کی حرص میں اس قدر غرق ہیں کہ نہ تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ ہی مخلوق کے حقوق کو۔ تمام مخلوق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عیال ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عیال کو کھانا دیتا ہے وہ گویا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو دیتا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَة قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: إنَّ اللهَ عز وجل يَقُولُ يومَ القِيَامَةِ: يَا ابْنَ آدَمَ، مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي! قَالَ: يَا رَبِّ، كَيْفَ أعُودُكَ وَأنْتَ رَبُّ العَالَمِينَ؟! قَالَ: أمَا عَلِمْتَ أنَّ عَبْدِي فُلاَنَاً مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ! أمَا عَلِمْتَ أنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَني عِنْدَهُ! يَا ابْنَ آدَمَ،

---

834 (رواہ مسند احمد، باب حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الرقاق، صحیح ابن حبان، باب ذکر الاخبار بان الامعان فی الدنیا یضر فی العقبی، الخ، اور رواہ للطبرانی بالفاظ مختلفہ: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضَرَّ بِآخِرَتِهِ وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَضَرَّ بِدُنْيَاهُ فَآثِرُوْا مَا يَبْقَى عَلَى مَا يَفْنَى یعنی جو شخص اپنی دُنیا سے محبت کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرتا ہے وہ اپنی دُنیا کو نقصان پہنچاتا ہے لہٰذا تم اس چیز کو ترجیح دو جو باقی رہے گی اور اس چیز پر جو فنا ہو جائے گی، یعنی آخرت کو دُنیا پر۔)

اسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمنِي! قَالَ: يَا رَبِّ، کَيْفَ أُطْعِمُکَ وَ أَنْتَ رَبُّ العَالَمِينَ؟! قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَکَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ! أَمَا عَلِمْتَ أَنَّکَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَلِکَ عِنْدِي! يَا ابْنَ آدَمَ، اسْتَسْقَيْتُکَ فَلَمْ تَسْقِنِي! قَالَ: يَا رَبِّ، کَيْفَ أَسْقِيکَ وَ أَنْتَ رَبُّ العَالَمِينَ؟! قَالَ: اسْتَسْقَاکَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ! أَمَا أَنَّکَ لَوْ سَقَيْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَلِکَ عِنْدِي!۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ عزوجل قیامت کے روز فرمائیں گے: اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تھا تو تُو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ کہے گا اے میرے رب! میں کیسے آپ کی عیادت کرتا آپ تو رب العالمین ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے؟ مگر تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے تو اس کے پاس پاتا؟ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا پس تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ بندہ کہے گا: اے میرے رب میں کیسے آپ کو کھانا کھلاتا آپ تو رب العالمین ہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تُو نے اسے کھانا نہ کھلایا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اُسے کھانا کھلاتا تو اس کا ثواب میرے پاس پاتا؟ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا مگر تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ بندہ کہے گا اے میرے رب! میں کیسے آپ کو پانی پلاتا آپ تو رب العالمین ہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو تو نے اسے پانی نہ پلایا، اگر تو اسے پانی پلاتا تو اس کا بدلہ میرے پاس پاتا۔[835]

835 (شعب الایمان للبیھقی، ج۶، ص۵۳۴، الادب المفرد، ج۱، ص۱۱۹، جامع الصغیر، ج۱، ص۲۹۶، ریاض الصالحین، ج۱، ص۴۱۸، صحیح ابن حبان، ج۱، ص۱۵۸، صحیح مسلم، ج۸، ص۱۳، فیض القدیر، ج۹، ص۳۴۸، کنز العمال، ج۱۳، ص۳۱۷، شعب الایمان، ج۱۱، ص۴۱۲، مشکوٰۃ المصابیح، ج۱، ص۳۴۵)

پس چاہیئے کہ صرف تصوف میں داخلہ کو ہی کافی نہ جانیں بلکہ دین میں تفقہ پیدا کریں۔ اسلاف کی زندگیوں کا مطالعہ کریں کہ انہوں نے کیا کیا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔

[اے بیٹے! تو کچھ جانتا ہے کہ دُنیا کیا چیز ہے؟ دُنیا وہ چیز ہے جو تجھے خدا تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے۔ لٰہذا بیوی، اولاد، مال و جاہ، سرداری اور لہو و لعب اور لا یعنی چیزوں میں اشتغال سب دُنیا میں داخل ہے (اگر خدا سے دور کر دے)۔ وہ علوم جو آخرت میں کام نہیں آئیں گے، وہ بھی دُنیا میں داخل ہیں۔ اگر علمِ نجوم، منطق، ہندسہ اور حساب وغیرہ بے فائدہ علوم کا حاصل کرنا کارآمد چیز ہوتی تو فلاسفہ اہلِ نجات میں سے ہوتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

عَلَامَۃُاِعْرَاضِہٖ تَعَالیٰ عَنِ الْعَبْدِ اشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بندے سے اعراض کرنے کی علامت یہ ہے کہ بندہ لایعنی کاموں میں مشغول ہو جائے۔[836]

ہر چہ جز عشقِ خدائے اَحسن است　　　گر شکر خوردن بود جان کندن است

ترجمہ: خدائے احسن کے عشق و محبت کے سوا جو کچھ بھی ہے چاہے شکر ہی کیوں نہ کھائی جائے اس میں بھی جان کی ہلاکت ہی ہے۔]

836 (علی متقی نے جوامع الکلم میں اور ابن حجر نے شرح الاربعین النوویۃ، باب ترک ما لا یعنی المسلم میں اور رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ، اور رواہ ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنۃ، نے بالفاظ مختلفہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ۔)

تشریح

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مذکورہ بحث کو اپنے ایک شعر میں بیان فرمادیا ہے کہ:

چیست دُنیا از خدا غافل شدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ترجمہ: دُنیا کیا ہے؟ خدا سے غافل ہو جانا (ہی دُنیا ہے) مال واسباب، سونا، چاندی اور اہل وعیال ہی دُنیا نہیں۔

مقصد یہ ہے کہ اصل دنیادار وہ ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے احکامات سے غافل ہو جائے، چاہے تنگ دست ہی کیوں نہ ہو۔

اور دُنیوی اُمور میں مصروف رہنے والا شخص اگر معاملات کو شریعت کے مطابق طے کرے اور فرائض وواجبات اور سُنّنِ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر کاربند رہے تو وہ دُنیادار نہیں کہلائے گا بلکہ دین دار ہو چاہے کروڑپتی ہی کیوں نہ ہو۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

دُنیا اور اہلِ دُنیا کی مذمت

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ دُنیا اور اہلِ دُنیا کی مذمت بیان فرمارہے ہیں۔ دراصل دُنیا اپنی آرائش وزیبائش اور حلاوت وطراوت کی وجہ سے بڑی دیدہ زیب اور دلکش ہے۔ اس کا ظاہر سراب اور خواب کی مانند ہے مگر اس کا باطن خراب اور پژمردہ ہے اس لئے سا پر فریفتہ شخص سحر زدہ اور فریب خوردہ ہے۔

دُنیا حق تعالیٰ کی نہایت ناپسندیدہ اور مغضوبہ ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ اس کی محبت ہر گناہ کی بنیاد اور اس کا خواستگار لعنت وپھٹکار کا حق دار ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات الدُّنْیَا مَلْعُونَۃٌ مَلْعُونٌ مَا فِیھَا إِلَّا ذِکْرُ اللہِ۔[837] سے واضح ہے۔

دُنیا ایسا مردار ہے جو بظاہر تو بڑا خوشبو دار ہے مگر حقیقت میں نہایت بدبو دار ہے۔ اس لئے اس کے طالب کو کُتا فرمایا گیا جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ۔ سے عیاں ہے۔

دُنیا اس مہلک و منقش اژدہا کی مانند ہے کہ جس کے زہر کا کوئی تریاق نہیں، لہٰذا دُنیا کی گرفتاری سے بچنا ہی دانائی اور عقلمندی ہے۔

زہر ایں مارِ منقش قاتل است — باشد از وے دور ہر کہ عاقل است

دُنیا اور آخرت کے درمیان بعد المشرقین ہے، جتنا ایک کے قریب جاؤ گے اتنا ہی دوسری سے دور ہوتے چلے جاؤ گے۔ یہ دو متضاد چیزیں ہیں لہٰذا ان کا اجتماع مشکل ہے، اس لئے ان کو جمع کرنے والا دیوانہ ہے۔

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دوں — ایں خیال است و محال است و جنوں

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ جو چیز حق تعالیٰ سے دور اور اس کی یاد سے غافل کر دے وہی دُنیا ہے۔ دنیوی امور میں مصروفیت کے باوجود جس سالک کا دل خدا کی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہو بلکہ ہر وقت حق

[837] (سنن ابن ماجہ، ص ۳۰۲، سنن الترمذی، ج ۲، ص ۵۶)

تعالیٰ کے ساتھ قرب و معیت کی کیفیات سے سرشار رہے، خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اس کیفیت کو خلوت در انجمن سے تعبیر فرماتے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۲۳، ۴۲۴)

[اور وہ جو کہا گیا ہے کہ نماز کے اوقات معلوم کرنے کے لئے علمِ نجوم درکار ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس علم کے بغیر اوقاتِ نماز کی پہچان نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اوقاتِ نماز پہچاننے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ علم بھی ہے۔ ایسے بہت لوگ ہیں جو علمِ نجوم بالکل نہیں جانتے لیکن نماز کے اوقات ماہرینِ نجوم سے بھی بہتر جانتے ہیں۔ اسی کے قریب وہ وجہ ہے کہ جو علمِ منطق اور حساب وغیرہ جن کی بعض علومِ شرعیہ میں ضرورت پڑتی ہے۔ خلاصہ ٔکلام یہ ہے کہ بہت سے تکلفات اور تمحلات اختیار کر کے ان علوم میں مشغول ہونے کا جواز نکلتا ہے۔ ان علوم کے پڑھنے اور حاصل کرنے سے اگر مقصود صرف احکامِ شرعیہ کی معرفت اور علمِ کلام کی دلیلوں کی تقویت ہو تو صرف اس قصد کے تحت ان علوم کے حصول کا جواز ہے۔ ورنہ ان کی تحصیل اور ان کا پڑھنا پڑھانا جائز ہی نہیں۔ انصاف کرنا چاہیئے کہ اگر ایک اَمرِ مباح کا ارتکاب بہت سے واجب اُمور کے فوت ہونے کا باعث بنتا ہو وہ حدِ جواز سے خارج ہو جائے یا نہیں، یعنی ضرور خارج ہو جائے گا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان علوم میں مشغولیت بہت سے ضروری شرعی علوم کے حصول و اشتغال کو فوت کر دیتی ہے۔

اے فرزند! حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے محض اپنی عنایت بے غایت سے تجھے ابتدائے جوانی میں ہی توبہ کی توفیق نصیب فرمائی تھی۔ اور اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے درویشوں میں سے ایک درویش کے ساتھ رجوع کی نعمت عطا فرمائی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ نفس و شیطان نے تجھے اس توبہ پر قائم و ثابت رہنے دیا یا نہیں۔ توبہ پر استقامت مشکل ہی نظر آتی ہے۔ آپ کا آغازِ

جوانی کا وقت ہے، تمام دنیوی اسباب و وسائل مہیا ہیں، اور نامناسب و ناپسندیدہ ہمنشین اور ساتھی بھی آپ کے ارد گرد جمع ہیں۔

ہمہ اندز من بتو این است — کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

ترجمہ: میری طرف سے تجھے ساری نصیحت یہی ہے کہ تو بچہ ہے اور مکان بڑا رنگین اور خوشنما ہے (کہیں اس کے نقش و نگار میں کھو کر مقصد کو ہی نہ بھول جائے)۔

اے فرزند! کرنے کا کام یہی ہے کہ انسان فضول مباحات سے بھی بچے اور مباحات میں سے صرف قدرِ ضرورت پر اکتفا کرے، وہ بھی اس نیت سے کہ وظائف بندگی ادا کرنے کی ہمت و طاقت بحال اور موجود رہے۔ مثلاً خوراک سے مقصود ادائے طاعات کی قوت ہے۔ اور لباس سے ستر شرمگاہ اور گرمی و سردی کا دفاع ہے۔ اسی قیاس پر باقی مباحات ضروریہ ہیں۔ اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے عزیمت کو اپنا معمول بنایا ہے اور رخصت سے اجتناب کیا ہے۔ اور یہ بھی عزیمت میں داخل ہے کہ بقدر ضرورت پر اکتفا کیا جائے۔ اور اگر عزیمت کی یہ دولت میسر نہ ہو تو مباحات کے دائرہ سے قدم باہر نہیں رکھنا چاہیئے۔ اور حرام اور مشتبہ اُمور کا مرتکب نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مباحات کے اندر ہی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں کو اَتم و اَکمل طور پر جائز قرار دے دیا ہے اور اس دائرہ کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ تمام تنعمات سے قطع نظر کون سی آسائش اس کے برابر ہو سکتی ہے کہ اس کا مولیٰ اس کے اعمال پر راضی اور خوش ہو جائے۔ اور کون سی سختی اس کے برابر ہو سکتی ہے کہ انسان کا آقا اس کے اعمال سے ناراض اور ناخوش ہو۔ خدا تعالیٰ کی رضا جنت میں جنت سے بہتر ہے، اور دوزخ میں اللہ کی ناراضگی نارِ دوزخ سے بُری ہے۔]

تشریح

محدثین کرام کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کپڑوں کے صرف تین جوڑے ہوتے تھے۔ جن میں سے ایک کو عمومی استعمال میں لاتے تھے۔ دوسرا جمعۃ المبارک کے لئے اور تیسرا عید کے دنوں کے لئے مخصوص تھا۔ لیکن ہمارا عمل اس سُنتِ مطہرہ کے سرے سے ہی خلاف ہے۔ دس بیس جوڑے بھی ہمیں کم نظر آتے ہیں۔ کھانا کھانے میں ایک قسم کا سالن رکھنا سُنت ہے جبکہ ہمارے گھروں میں ایک سے زائد کھانے نہ پکے ہوں تو مزہ ہی نہیں آتا۔ جبکہ شادی بیاہ کی تقریبات میں تو کئی قسموں کی ڈشیں تیار کی جاتی ہیں بالخصوص شادی ہالوں کی تقریبات میں تو اسراف کی حد کر دی جاتی ہے۔ لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے قرآنی فیصلہ کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا جس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ (الإسراء ٢٧)

ترجمہ: بے شک اڑانے والے (فضول خرچی کرنے والے) شیطانوں کے بھائی ہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

فضول مباحات سے اجتناب

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فضول مباحات سے اجتناب کی تلقین فرما رہے ہیں۔ چونکہ مباح امور کے اختیار کرنے سے بعض اوقات فرائض وواجبات فوت ہو جاتے ہیں، جو حق تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے اعراض کی علامت ہے۔ نیز فضول کاموں میں مصروفیت اور لایعنی علوم میں مشغولیت سے پرہیز اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ مبادیات سے آگے مقاصد اور فروعات سے گزر

کر اصول تک رسائی نصیب ہو جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات عَلَامَةُ اِعْرَاضِهٖ تَعَالیٰ عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُهٗ بِمَا لَا يَعْنِيْهِ۔ سے واضح ہے۔

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جان کندن است

بقدر ضرورت مباحات کو اس لئے اپنانا چاہیئے تاکہ طاعات میں جمعیتِ خاطر اور حضورِ قلب نصیب ہو خوراک اس لئے کھانی چاہیئے تاکہ عبادات کی ادائیگی میں قوت ملے اور لباس اس لئے پہننا چاہیئے تاکہ ستر عورت اور ادائے نماز کے وقت زینت نصیب ہو جیسا کہ آیتِ کریمہ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف ۳۱) سے عیاں ہے۔

رخصت و عزیمت کا فرق

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ سلسلہ نقشبندیہ کے اکابرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا عزیمت اور رخصت پر عمل کے بارے میں مؤقف بیان فرما رہے ہیں۔ دراصل عزیمت ورخصت ماموراتِ شرعیہ میں سے ہیں ان کا اجمالی فرق ہدیہ ٔقارئین ہے۔

فاضلِ اجل حضرت سید شریف جرجانی قدس سرہٗ رخصت کی تعریف کے بارے میں رقم طراز ہیں:

رخصت

اَلرُّخْصَةُ فِی اللُّغَةِ الْيُسْرُ وَالسُّهُوْلَةُ وَفِی الشَّرِيْعَةِ اِسْمٌ لِّمَا شُرِعَ مُتَعَلِّقًا بِالْعَوَارِضِ اَیْ بِمَا اسْتُبِيْحَ بِعُذْرٍ مَعَ قِيَامِ الدَّلِيْلِ الْمُحَرِّمِ۔ [838]

---

838 (التعریفات، ص ۴۸)

یعنی لغت میں رخصت آسانی اور سہولت کو کہتے ہیں جب کسی مشکل امر کو عوارض کے ساتھ متعلق کر کے مشروع کیا گیا ہو یعنی دلیل محرم کے ہوتے ہوئے عذر کی بناء پر وہ اباحت کا تقاضا کرے اسے شریعت میں رخصت کہتے ہیں۔

جیسے اگر کوئی مجبور شخص قلبی طور پر مطمئن بالایمان ہوتے ہوئے کفریہ کلمہ زبان پر لے آئے تو شریعتِ مطہرہ کی طرف سے اسے جان بچانے کے لئے اس امر کی اجازت ہے، جیسا کہ آیۃ کریمہ: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ (النحل ١٠٦) سے واضح ہے۔

علمائے اصولیین نے نتیجہ کے اعتبار سے رخصت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

ا۔ رخصتِ فعل کے باوجود اس کام کی حرمت باقی رہتی ہے جیسے مجرم کو معاف کر دینے سے حالتِ اکراہ میں اطمینانِ قلب کی صورت میں زبان پر کلمۂ کفر جاری کرنے سے، کسی نبی کو (معاذ اللہ) سب و شتم کرنے اور کسی نفس کو ظلماً قتل کرنے کی اجازت ملنے کے باوجود یہ کام حلال نہیں ہو جاتے بلکہ حرام ہی رہتے ہیں۔ حکم اس رخصت کا یہ ہے کہ اگر وہ معذور و مجبور شخص قتل وغیرہ کی دھمکیوں کے باوجود شارع علیہ السلام کی تعظیم میں ان برائیوں سے مجتنب رہے تو اجر و ثواب کا حقدار ہو گا۔

۲۔ رخصت کی وجہ سے فعل کی صفت بھی بدل جاتی ہے یعنی وہ کام جو پہلے حرام تھا اب اس کے حق میں مباح ہو جاتا ہے، جیسا کہ آیتِ کریمہ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ ١٧٣) سے واضح ہے۔

حکم اس کا یہ ہے کہ اگر وہ حالتِ اضطرار میں حرام کھانے سے باز رہے حتیٰ کہ مر جائے تو گناہگار ہو گا کیونکہ اس نے ایک جائز چیز استعمال کرنے سے گریز کر کے خودکشی کا ارتکاب کیا ہے۔

علمائے لغت عزیمت کی تعریف میں یوں رقم طراز ہیں:

عزیمت

العزیمة: في اللغة عبارة عن الإرادة المؤكدة، قال الله تعالى: {وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا} أي لم يكن له قصد مؤكد في الفعل بما أمر به. وفي الشريعة: اسم لما هو أصل المشروعات، غير متعلق بالعوارض۔[839]

یعنی لغت میں پختہ ارادے کو عزیمت کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) ان کا کوئی قصد یعنی جس فعل کے نہ کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس کا ارتکاب کر بیٹھنے میں ان کا پختہ ارادہ نہ تھا۔ وہ حکم جو عوارض کے ساتھ متعلق کئے بغیر اصلاً مشروع ہو اسے شریعت میں عزیمت کہتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔[840] سے واضح ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر مستحضر رہے کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر اولیٰ کام کے بجالانے سے اس کا ترک کرنا بہتر ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات اِنَّ اللهَ كَمَا يُحِبُّ اَنْ يُّؤْتٰى بِالْعَزِيْمَةِ يُحِبُّ اَنْ يُّؤْتٰى بِالرُّخْصَةِ میں وارد ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۲۵ تا ۴۲۹)

---

[839] (التعریفات، ص ۶۴)

[840] (ترمذی، ج ۲، ص ۴۰، ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۴۱، مشکوٰۃ، ص ۳۲۲)

[یہ انسان بندۂ محکوم ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کا پابند ہے۔ اسے شتر بے مہار کی طرح کھلا نہیں چھوڑا گیا کہ دل میں آئے کرے، غور و فکر سے کام لینا چاہیئے۔ اور عقلِ دور اندیش سے سوچنا چاہیئے۔ ورنہ کل قیامت کو سوائے ندامت اور خسارہ کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ کام کرنے کا وقت یہی جوانی کا موسم ہے۔ جوانمرد وہی ہے جو اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ اور فرصت کے لمحات کو غنیمت جانے۔ ممکن ہے کارکنانِ قضا وقدر اسے بڑھاپے تک دُنیا میں نہ رہنے دیں۔ اور اگر بڑھاپے تک عمر وفا بھی کرے تو شاید اس وقت دل جمعی اور سکون نصیب نہ ہو۔ اور اگر اس وقت سکون میسر بھی ہو تو وہ ضعف اور پیری کا وقت ہے، کام کچھ نہیں ہو سکے گا۔ اس وقت جبکہ دل جمعی اور سکون کے اسباب مہیا ہیں، اور والدین کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات میں ہے کہ فکرِ معاش ان کے سر پر ہے۔ اور فرصت کا موسم ہے اور قوت واستطاعت کا زمانہ ہے۔ تو پھر کس عذر کے تحت آج کا کام کل پر ڈالا جائے۔ اور ''اچھا کل کر لیں گے'' پر عمل کیا جائے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

هَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ۔

ترجمہ: ہلاک ہو گئے وہ لوگ جو کہتے ہیں ''عنقریب ہم یہ کام کر لیں گے یعنی آج کا کام کل پر ڈالنے والے''۔[841]

---

841 (دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بالفاظ اَلتَّسْوِيْفُ شِعَارُ الشَّيْطَانِ يُلْقِيْهِ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالفاظ اِيَّاکَ وَ التَّسْوِيْفَ بِالتَّوْبَةِ نقل کی۔ اور امام بخاری نے تاریخ میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریق ارسال روایت کی۔ اور خطیب نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُسَوِّفَاتِ روایت کی۔)

ہاں اگر کمینی دُنیا کے کام کل پر ڈالیں اور آخرت کے کاموں کو آج سرانجام دیں تو یہ بہت ہی بہتر ہے۔ جس طرح اس کا اُلٹ نہایت قبیح ہے۔ اس آغازِ جوانی کے وقت میں دشمنوں یعنی نفس اور شیطان کا غلبہ ہے تھوڑے سے عمل کا اس قدر اعتبار اور اس قدر وقعت ہے کہ دُشمنوں کے غلبہ نہ ہونے کے وقت کئی گنا زیادہ عمل کا بھی اتنا اعتبار اور اتنی قدر و قیمت نہیں۔ فوجی قاعدہ اور دستور کے مطابق دُشمنوں کے غلبہ کے وقت سپاہیوں کی کارگزاری کی بڑی قدر ہوتی ہے اور ان کا تھوڑا سا تردد بھی بڑی وقعت اور نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اور دُشمنوں سے امن وامان کے وقت وہ قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

اے فرزند! پیدائش انسانی سے مقصود جو خلاصہ کائنات ہے، لہو ولعب اور کھانا اور سونا نہیں۔ بلکہ انسانی خلقت وپیدائش سے مقصود یہ ہے کہ بندہ وظائفِ بندگی ادا کرے۔ اور ذِل وانکسار، عجز ومحتاجی اور ہمیشہ جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ میں التجاء اور تضرع کا تعلق قائم رکھے۔

وہ عبادات جو شرعِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بیان کی ہیں۔ اور ان عبادات سے مقصود بھی بندوں کے منافع اور مصالح ہیں۔ اور جنابِ قدس خداوندی عزشانہٗ کی طرف کوئی نفع عائد نہیں ہوتا ان سب کو جان ودل سے ممنون ہو کر ادا کرنا چاہیئے اور پوری تسلیم واطاعت سے تمام مامورات کی فرمانبرداری اور تمام ممنوعات سے رُکنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے کامل بے نیازی کے باوجود اپنے بندوں کو مامورات اور ممنوعات سے سرفراز فرمایا ہے۔ ہم محتاجوں کو اَتم طریقہ پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور پوری احسان مندی کے ساتھ احکام کی فرمانبرداری میں کوشاں رہنا چاہیئے۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو جن اُمور کا مکلف بنایا ہے ان کو کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنے عمل سے اُن اُمور کی وضاحت فرمادی ہے۔ جہاں کوئی مسئلہ تشنہ رہ گیا تو فقہاء کرام نے خداداد علمی ملکہ کی بدولت اس کی تشریح وتوضیع کردی اور اُمت کی رہنمائی کے لئے فقہ مدون کرکے مزید احسان فرمادیا۔ اب ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ انہیں تشریحات وتوضیحات کے مطابق عمل کریں اور جن کاموں کے کرنے کا انسان کو مکلف نہیں کیا گیا یا جن کا حکم کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوا اُن اُمور سے اجتناب کریں۔ لیکن عجیب وغریب حالات پیدا کردیئے گئے ہیں۔ لوگ فرائض تو ادا نہیں کرتے لیکن شبینہ اور صلوٰۃِ تسبیح کی باجماعت ادائیگی کے لئے بڑی کوشش کرتے ہیں حالانکہ نفلی نماز کو باجماعت ادا کرنا کہیں سے بھی ثابت نہیں ہے بلکہ فقہی اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔ ایک طرف تو ہم اپنے آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا تابعدار، حنفی، سُنی اور مجددی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو دوسری طرف سُنتِ مطہرہ اور بزرگانِ دین کی تعلیمات کی کھلی خلاف ورزیاں کرتے ہیں اور اس سے بھی بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ شریعت کی ان خلاف ورزیوں پر بڑے نازاں ہیں۔ (العیاذ باللہ سبحانہٗ)

[وہ فرزند جانتا ہے کہ اگر اہلِ دُنیا میں سے ظاہری شوکت ومرتبے والا شخص اپنے ماتحت متعلقین میں سے کسی کو کسی خدمت سے سرفراز کرے اور اس خدمت میں خدمت سپرد کرنے والے صاحب شوکت شخص کا نفع بھی ہو تو یہ ماتحت انسان اس کے حکم کو کس قدر عزیز خیال کرتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ ایک عظیم القدر شخص نے اسے اس خدمت پر مامور کیا ہے۔ تو یہ ماتحت انسان

پوری احسان مندی کے ساتھ اس خدمت کو بجالائے گا۔ تو بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عظمت اس دُنیادار شخص کی عظمت سے بھی نظر میں کم محسوس ہو کہ خدا تعالیٰ کے احکام اور اس کے وظائف بندگی کی ادائیگی میں کوشش نہ کی جائے۔ شرم آنی چاہیئے اور خواب خرگوش سے بیدار ہونا چاہیئے۔

خدا تعالیٰ جل سلطانہٗ کے احکام بجانہ لانا دو وجہ سے ہوتا ہے۔ یا تو اس بنا پر کہ اخبارِ شرعیہ کو جھوٹا خیال کیا جائے۔ اور ان پر یقین نہ ہو اور یا اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ و تقدس کے حکم و فرمان کو دُنیا داروں کے حکم سے بھی حقیر اور کم تر خیال کیا جائے۔ اس صورت حال کی شناعت اور بُرائی آپ خود ملاحظہ کرلیں۔

اے فرزند! جس شخص کے جھوٹ کا بارہا تجربہ ہو چکا ہو وہ اگر یہ اطلاع دے کہ فلاں قوم پر اُن کے دُشمن فلاں رات شب خون ماریں گے۔ تو اس قوم کے عقل مند لوگ اپنی حفاظت کے لئے چارہ جوئی کریں گے اور مصیبت کے دفاع کی فکر کریں گے۔ باوجودیکہ جانتے ہیں کہ اطلاع دینے والا شخص جھوٹ بولنے کا عادی ہے۔ لیکن پھر بھی کہتے ہیں کہ عقلمندی یہی ہے کہ خطرے کے وہم سے بھی پرہیز کرنا اور بچنا ضروری ہے۔ (اس بات پر قیاس کرتے ہوئے جاننا چاہیئے کہ) مخبر صادق جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے پورے مبالغے کے ساتھ عذابِ اُخروی کے بارے میں خبر دی ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی باتوں سے بالکل متاثر نہیں ہوتے کیونکہ اگر متاثر ہوتے تو اس کے ازالے کی فکر کرتے حالانکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا علاج بھی معلوم کر چکے یں۔ تو یہ کیا ایمان ہوا کہ مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر کو جھوٹے آدمی کی خبر جتنی اہمیت

بھی نہ دی جائے۔ اسلام کی صرف رسمی صورت نجات کے لئے کافی نہیں، یقین درکار ہے، اور یقین کہاں ہے بلکہ وہم بھی نہیں۔ کیونکہ عقلمند لوگ خطرے کے مقامات میں وہم کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کلامِ مجید میں فرماتا ہے:

وَاللّٰہُ بَصِیرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (الحجرات ۱۸)

ترجمہ: اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

اس ارشادِ خداوندی کے باوجود لوگ اعمالِ قبیحہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اگر یہ جانتے ہوں کہ ایک ادنیٰ اور حقیر شخص ان کے اعمالِ قبیحہ سے باخبر ہے، تو ہرگز یہ بُرے اعمال اس کے سامنے نہ کریں۔

ایسے لوگوں کا حال دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو اللہ تعالیٰ کے علم کا ان کو یقین نہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کے مطلع ہونے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ تو ایسا کردار ایمان میں داخل ہے یا کفر سے تعلق رکھتا ہے۔ تو اس فرزند پر لازم ہے کہ نئے سرے سے ایمان کی تجدید کرے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

جددوا إیمانکم بقول لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

ترجمہ: کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ سے اپنے ایمان کو تازہ کرو۔[842]

اور اعمال ناپسندیدہ سے توبہ خالص کا اعادہ کرنا چاہیئے، وہ اُمور جن سے روکا گیا ہے اور جو شرع میں حرام ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ پانچ وقت کی نمازیں باجماعت ادا کریں۔ اگر قیامِ لیل اور نمازِ تہجد بھی میسر آئے تو زہے سعادت۔

---

842 (مجمع الزوائد، ج۵، ص ۳۷۹، مسند البزار، ج۱۷، ص ۵۲، فیض الباری، ج۱، ص ۱۰۴، الفتح الرباني لترتيب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشيباني، ج۲، ص ۲۳۲)

مالِ زکوٰۃ ادا کرنا بھی ارکانِ اسلام میں سے ہے اسے بھی ضرور ادا کیا جائے۔ ادائیگی زکوٰۃ کا آسان طریقہ یہ ہے سال کے اندر فنڈز زکوٰۃ کے طور پر جو حصہ فقرا کا بنتا ہے اسے باقی مال سے الگ کر لے اور ذہن میں رکھے۔ اور سارا سال مصارفِ زکوٰۃ میں ادا کرتا رہے۔ اس طرح ہر بار دیتے وقت نئی نیت کی ضرورت نہیں۔ جدا کرتے وقت جو نیت کی تھی وہی کفایت کرے گی۔ اور اس کا اندازہ تو آپ کو ہو گا ہی کہ سارا سال فقرا اور مستحقین پر آپ کتنا خرچ کرتے ہیں۔ لیکن جو مال بہ نیتِ زکوٰۃ ادا نہ کیا جائے وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہماری بیان کردہ صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور کافی مقدار میں مال زکوٰۃ نکالنے سے خلاصی ہو جاتی ہے۔ اور بالفرض متفرق طور پر زکوٰۃ کا مال سارے سال میں ادا نہ ہو تو بچا ہوا زکوٰۃ کا روپیہ الگ رکھیں اور ادا کریں۔ اسی طرح ہر سال کرتے رہیں فقرا کے لئے مالِ زکوٰۃ جو الگ کیا گیا اگر اس وقت اس کی ادائیگی نہ ہو سکے تو ممکن ہے کہ کل ہو جائے۔

اے فرزند! جبکہ نفس فطرتاً سخت بخیل اور کنجوس ہے، اور احکام خداوندی جل سلطانہٗ کی ادائیگی میں سرکش واقع ہوا ہے۔ اس لئے تاکید و مبالغہ کے طور پر یہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت تمام اموال واملاک کا مالک حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔ کس کی مجال ہے کہ ادائیگی میں دیر کر سکے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی پوری احسان مندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کیا کریں۔ اسی طرح باقی تمام عبادات میں کسی طور پر بھی اپنے آپ کو معاف اور مستثنیٰ قرار نہ دیں اور حقوق العباد کی ادائیگی میں تو بہت زیادہ توجہ مبذول کرنی چاہیئے اور پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رہے۔ دُنیا میں اس حق کی ادائیگی آسان ہے۔ نرمی اور چاپلوسی سے بھی دوسرے کا حق رفع ہو سکتا ہے (کہ اس کی منت ساجت کر لی جائے)۔ آخرت میں مشکل ہے وہاں ادائیگی کا کچھ علاج نہ ہو سکے گا۔

احکامِ شرعیہ کی صحیح نوعیت علمائے آخرت سے معلوم کیا کریں۔ ان کے کلام میں ایک تاثیر ہے۔ شاید ان کے مبارک کلمات کی برکت سے عمل کی توفیق بھی مل جائے۔

علمائے دُنیا سے جنھوں نے علم کو مال وجاہ کے حصول کا ذریعہ بنا رکھا ہے دور رہنا چاہیئے۔ مگر جبکہ متقی اور پرہیز گار عالم نہ ملے تو ضرورت کے تحت بقدرِ ضرورت علمائے دُنیا کی طرف رجوع کیا جائے۔ وہاں آپ کے پاس حاجی محمد اُترہ دیندار علماء میں سے ہیں۔ اور یہاں شیخ علی اُترہ سے تو آپ کی شناسائی بھی ہے۔ غرضیکہ یہ دونوں حضرات ان علاقوں میں غنیمت ہیں۔ مسائلِ شرعیہ کی تفتیش میں ان کی طرف رجوع کرنا بہت مناسب ہے۔

اے فرزند! ہم فقرا کو ابنائے دُنیا سے کیا تعلق ومناسبت کہ ان کی اچھی وبُری بات زبان پر لائیں اس باب میں نصائح شرعیہ اَتم واَکمل طریقہ پر وارد ہو چکی ہیں۔ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (اللہ ہی کے لئے مکمل حجت ہے)۔

لیکن اُس فرزند یعنی تم نے فقرا کی طرف رجوع کیا تھا۔ اس مناسبت کے باعث اکثر اوقات دل کی توجہ اس فرزند کی طرف مبذول رہتی ہے۔ اور وہی توجہ اس گفتگو کا بھی باعث اور سبب ہے۔ میرا یقین ہے کہ ان نصائح اور مسائل میں سے اکثر تمہارے کان تک پہنچ چکی ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ مقصود عمل ہے، صرف علم مقصود نہیں۔

بیمار اگر اپنے مرض کا علاج جانتا ہو، جب تک وہ دوا استعمال نہیں کرے گا صحت نہیں ہو گی۔ دوا کا صرف علم کچھ فائدہ نہ دے گا۔ یہ سب تاکید ومبالغہ ترغیب عمل کے لئے ہے۔ علم ان پر حجت مکمل کر دیتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعِلْمِهِ۔

ترجمہ: قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے نفع نہ دیا۔[843]

وہ فرزند جانتا ہے کہ سابقہ رجوع نے اہل اللہ کی صحبت کم نصیب ہونے کے باعث کوئی نتیجہ نہیں نکالا۔ کہیں اس فرزند کے جوہر استعداد کی نفاست سے ضرور خبر دار کرتی ہے۔ اُمید ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس رجوع کی برکت سے اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق بخشے گا اور اہلِ نجات میں سے کرے گا۔

بہر حال اس گروہ اہل اللہ سے اپنا رشتۂ محبت نہ توڑے اور ان پاک لوگوں کے حضور میں التجا و عاجزی کو اپنا شعار اور دستور بنا رکھے۔ اور منتظر رہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس گروہ اہل اللہ کی محبت وعقیدت کے وسیلہ سے اپنی محبت سے مشرف فرمائے اور پوری طرح اپنی طرف کھینچ لے۔ اور ان دنیوی تعلقات کے خرخشوں سے پورے طور پر نجات عطا کرے۔

عشق آں شعلہ ست کو چون بر فروخت

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغِ لا در قتلِ غیر حق براند

در نگر زاں پس کہ بعدِ لا چہ ماند

---

843 (مرقاۃالمفاتیح، ج۲، ص ۱۱۹، کنز العمال، ج۱۰، ص۱۸۷، شعب الایمان للبیہقی، ج۲، ص ۲۸۵، فیض القدیر، ج۷، ص۳۱۷)

ماند الا اللہ باقی جملہ سوخت
شاد باش اے عشق شرکت سوز زَفت

ترجمہ: عشق وہ شعلہ ہے کہ جب روشن ہوا تو اس نے معشوق کی ہستی کے سوا باقی سب کچھ جلا کر رکھ دیا۔ غیرِ حق کو قتل کرنے کے لئے اس عشق نے تلوار چلائی تو دیکھو کہ لَا کے بعد کیا باقی رہا۔ صرف اِلَّا اللہ باقی رہا اس ذات کے علاوہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ اے مضبوط طریقہ پر شرکت کو جلا دینے والے عشق تو ہمیشہ خوش رہ۔]

(دار المعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

فکرِ آخرت

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فکرِ آخرت کی نصیحت فرمارہے ہیں۔ دراصل دُنیا دار الغرور ہے، اس لئے انسانی دنیوی کاموں میں مشغول ہو کر بارگاہِ ایزدی میں جواب دہی اور احتساب کے تصور کو یکسر فراموش کر بیٹھتا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى (القیامة ٣٦) سے واضح ہے۔ حالانکہ اسے اپنے ہر قول و فعل کا جواب و حساب دینا ہو گا۔ سالک کو چاہیئے کہ وہ صحت وعافیت اور فرصت کے اوقات کو غنیمت جانے، اعمالِ صالحہ کی بجا آوری میں غفلت کو ترک کر دے ورنہ سراسر ہلاکت و نقصان ہے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ھَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ (سَوْفَ اَفْعَلُ کہنے والے یعنی آج کل کرنے والے ہلاک ہوگئے) سے آشکار ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۲، ص ۴۲۹، ۴۳۰)

حررہ:

العبد الفقیر السید احمد علی الشاہ الترمذی الحنفی السیفی

حال فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ